کفایت المفتی

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی

مکتبہ حقانیہ
ملتان ، پاکستان

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ

کفایت المفتی

جلد پنجم

کتاب النکاح، کتاب الحجاب

جامع ومؤلف

حفیظ الرحمان واصف

مکتبہ حقانیہ ملتان پاکستان

دیباچہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمد اللہ العلی العظیم ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد ۔ یہ کفایت المفتی کی جلد پنجم قارئین کے پیشِ نظر ہے ۔ جلد اول کے دیباچے میں عرض کیا گیا تھا کہ جو فتاوے جمع کیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں ۔ اوّل وہ فتاوے جو مدرسہ امینیہ کے رجسٹروں سے لیے گئے ہیں ۔ ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام و مختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے ۔ بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ جواب دیگر کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے ۔ دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ "الجمعیۃ" سے لیے گئے ہیں ان میں لفظ سوال کے نیچے اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کیے گئے یا مطبوعہ کتب میں سے لیے گئے ۔

لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاویٰ کی کل تعداد ظاہر کرنے کے لیے سیریل نمبر ہے ۔ یہ جلد پنجم جو آپ کے پیشِ نظر ہے اس میں درج شدہ فتاویٰ کی اقسام کی تفصیل یہ ہے :-

رجسٹروں سے ۳۲۰ الجمعیۃ سے ۱۲۰ متفرق ۱۰۰ ۔ کل ۔ ۵۴۰

جلد اول سے جلد پنجم تک کے کل فتاویٰ کی تعداد ۲۵۴۴ دو ہزار پانسو چوالیس ہوئی ۔

اس کے بعد انشاء اللہ جلد ششم آئے گی جو کتاب الطلاق پر مشتمل ہے ۔ فالحمد للہ اولاً و آخراً ۔

احقر حفیظ الرحمان واصف

کتابُ النّکاح

پہلا باب
کِس سے نکاح جائز ہے اور کِس سے حرام

سوال

میری شادی ایک نابالغ لڑکی یعنی آٹھ سالہ لڑکی سے ہوئی تھی اور اس لڑکی سے جب نکاح ہوا تو اپنے عام لوگوں سے در پردہ ہو کر نکاح ہوا۔ اس میرے نکاح میں پانچ آدمی شریک تھے۔ بفضلۂ الٰہی وہ لڑکی جس سے میرا نکاح ہوا تھا دو ماہ جیتی رہی پھر فوت ہو گئی۔ اب اس لڑکی کی والدہ مجھ سے یعنی اپنے داماد سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو یہ داماد سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ متقی علی شاہ از چھاؤنی انبالہ

(۱) **جواب** جس لڑکی سے نکاح ہوا ہے اس کی ماں سے اب وہ نکاح نہیں کر سکتا۔ لان نکاح البنات یحرم الامہات مطلقا دخل بھا ام لم ید خل بعد ان یکون العقد صحیحا۔ (در مختار بمعناہ) واللہ اعلم بالصواب۔ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

سوال

زید بقیدِ حیات موجود ہے۔ صرف پیروں سے بباعث بیماری معذور ہے۔ زید کی زوجہ شوہر معذور کی خدمت کرتی تھی۔ اور دونوں زن و شو محبت و اتفاق سے رہتے تھے۔ زید کے بھائی بندوں نے زوجۂ زید کو اشتعال و ترغیب دے کر ایک دوسرے شخص بکر سے مبلغ پانسو روپے لے کر نکاح کر دیا حالانکہ

زید نے طلاق نہیں دی تھی۔ جب زید کو معلوم ہوا تو اس نے شور و غل مچایا کہ اس کو اس کے بھائی بندوں نے قیدی کی طرح ایک مکان میں بند کر رکھا ہے۔ زید ہر چند چاہتا ہے کہ سرکار میں نالش فریاد کرے لیکن وہ خود چل نہیں سکتا دوسرا کوئی اس کے پاس آ نہیں سکتا۔ بیچارہ زار زار روتا ہے۔ اس کے بھائی بند کہتے ہیں کہ طلاق نامہ لکھ کر ہمارے حوالے کر دے۔ زید انکاری ہے اور کہتا ہے کہ میں ہرگز طلاق نامہ نہیں لکھتا اور تم نے جو میری موجودگی میں روپے کے لالچ سے میری زوجہ کا نکاح پڑھا دیا خدا کے ہاں اس کا کیا جواب دو گے۔ اس کہنے پر ان لوگوں نے زید کو مارا پیٹا۔ لہٰذا اس کے متعلق شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

(۲) **جواب** - زید کی زوجہ کا نکاح بکر سے حرام ہے۔ لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیرہ وکذلک المعتدة۔ کذا فی السراج الوہاج (عالمگیری ص ۲۹۸ ج ۱) اور ایسا کرنے والا فاسق گنہگار ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں وہ سخت ظالم و جابر ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے تعلقات منقطع کر دینا چاہئے۔

سوال

مسمی ظہور الدین بوجہ اپنی زوجہ مسماۃ جنت کے دائم المریض ہونے کے اس کی حقیقی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو آیا وہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں یا کچھ عدت قائم ہوگی؟ اگر کوئی نکاح خوان بلا طلاق اس نکاح کو پڑھا دے تو اس نکاح خوان اور وکیل اور گواہوں کا نکاح جاتا رہے گا یا کہ اور کوئی شرعی جرم قائم ہوگا۔

(۳) **جواب** - مسمی ظہور الدین جب تک اپنی زوجہ جنت کو طلاق نہ دے گا اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ وتحریم الجمع بین الاختین ومن فی معناہما (عالمگیری ص ۲۸۷ ج ۱) اور جو کوئی ایسے افعال کا مرتکب ہوگا فاسق گنہگار ہوگا۔ اگر کوئی نکاح خوان اس بات کو جان کر نکاح پڑھائے گا گنہگار ہوگا لیکن اس کی زوجہ کا نکاح فسخ نہیں ہوگا۔

اگر وہ اپنی زوجہ کو طلاق دیدے تو جب تک عدت نہ گزرے دوسری بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ ہاں عدت گزرنے کے بعد نکاح جائز ہو سکتا ہے۔ ولا یجوز ان یتزوج اخت معتدتہ (عالمگیری ص ۲۹۶ ج ۱)

سوال

ایک شخص نے اپنی حقیقی سالی کے ساتھ زنا کیا اور یہ بات تحقیق ہو گئی تو اب اس کی بیوی نکاح میں رہی

یا نہیں رہی۔ اگر نہیں رہی تو اب نکاح میں دوبارہ آنے کی کیا صورت ہے؟

(۴) **جواب**۔ حقیقی سالی کے ساتھ زنا کرنے سے بیوی نکاح سے خارج نہیں ہوتی۔ زنا کا گناہ دونوں (زانی و مزنیہ) کے اوپر رہا۔ لیکن میاں بیوی کا نکاح باقی ہے۔ فی الخلاصۃ وطی اخت امرأتہ لاتحرم علیہ امرأتہ (در مختار)۔

سوال

زید اپنی زوجہ منکوحہ حی القائم کی ہمشیرہ متوفی کی دختر کو اپنے عقد میں لائے تو یہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی ۲۷ محمد حسن پٹنہ۔ ۲۵ رجمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۶ راکتوبر ۱۹۳۳ء

(۵) **جواب**۔ منکوحہ کی زندگی اور تعلق زوجیت قائم ہونے کے زمانے میں منکوحہ کی ہمشیرہ سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ دو بہنوں کو ازدواج میں جمع کرنا حرام ہے۔ قرآن پاک میں صریح طور پر اس کی ممانعت اور حرمت مذکور ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

جواب مرقومہ بالا آیت کریمہ وان تجمعوا بین الاختین پر مبنی ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ منکوحہ کی زندگی میں اس کی ہمشیرہ کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی ۲۷ محمد حسن پٹنہ۔ ۲۵ رجمادی الثانی ۱۳۵۲ھ م ۱۶ راکتوبر ۱۹۳۳ء

(۶) **جواب**۔ بے شک میری نظر نے غلطی کی کہ جمع بین الاختین کے متعلق استفسار سمجھ کر جواب لکھ دیا۔ اب جواب یہ ہے کہ خالہ بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان تنکح المرأۃ علی عمتھا او العمۃ علی بنت اخیھا والمرأۃ علی خالتھا او الخالۃ علی بنت اختھا الخ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(۱) ایک شخص کی شادی ایک نابالغ لڑکی سے ہوئی وہ شخص اس لڑکی کی بڑی بہن سے شادی کر لیتا ہے آیا شرع کی رو سے دو بہنوں کی شادی ایک شخص سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) بعد والی لڑکی کے دو بچے پیدا ہوئے۔ یہ بچے شرع سے جائز ہوئے یا ناجائز؟

(۳) دو بچے پیدا ہونے کے بعد بعد والی بڑی بہن کو طلاق دیدیتا ہے۔ کیونکہ برادری والے کہتے تھے کہ دو بہنیں ایک شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔

(۴) بڑی بہن کو طلاق دینے کے بعد چھوٹی بہن بالغ ہوئی اور کچھ عرصہ کے بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس کا بچہ یعنی بیاہتا چھوٹی بہن کا بچہ شرع سے جائز ہے یا نہیں ؟

(۵) کچھ عرصہ ہوا وہ شخص انتقال کر گیا۔ اب برادری والے یہ کہتے ہیں کہ دونوں بہنوں کے لڑکے شرع سے ناجائز ہیں۔

(۶) یہ بھی سنا جاتا ہے کہ بڑی لڑکی سے نکاح نہیں کیا تھا یونہی رکھ لیا تھا۔

المستفتی ۱۲۳ محمد شفیع ٹیلر ماسٹر گورکھپور۔ یکم شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۳ء

(۷) **جواب** ۔(۱) جبکہ چھوٹی بہن کے ساتھ پہلے نکاح ہوا تھا تو اس کے بعد بڑی بہن سے نکاح ناجائز اور حرام تھا۔ دوسری بہن سے نکاح کیا ہو جب بھی ناجائز ہوا۔

(۲) بڑی بہن سے جو بچے ہوئے وہ ناجائز ہوئے۔

(۳) بڑی بہن کو طلاق دے دینا اور چھوڑ دینا ہی ضروری تھا۔ کیونکہ دو بہنیں ایک شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔

(۴) چھوٹی بہن چونکہ منکوحہ تھی اس لئے اس سے جو اولاد ہوئی وہ جائز ہوئی۔

(۵) برادری والوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ دونوں کے لڑکے ناجائز ہیں۔ چھوٹی بہن جو منکوحہ تھی اس کی اولاد جائز ہے۔

(۶) اگر بڑی بہن سے نکاح بھی نہیں کیا تھا تو پھر تو اس کی اولاد کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔ مگر چھوٹی بہن کی اولاد بہر صورت جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید کا نکاح ایک عورت سے ہوا اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ زید نے اپنی لڑکی کا نکاح بکر سے کر دیا۔ زید کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ زید نے غیر کف میں دیگر عورت سے نکاح کر لیا۔ اس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بعد کو زید کا انتقال ہو گیا۔ اب یہ عورت بعد ختم ہونے عدت کے بکر سے نکاح کرنا چاہتی ہے اور بکر بھی رضامند ہے اور زید کی لڑکی بھی بکر کے نکاح میں موجود ہے۔

المستفتی نمبر ۱۶۶ ۷ رمضان ۱۳۵۲ھ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء

(۸) **جواب** - بکر اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ باوجود زید کی لڑکی اس کے پاس موجود ہونے کے۔
محمد کفایت اللہ

سوال

زید ہندہ کا لڑکا ہے۔ زید کا باپ مر گیا۔ ہندہ نے دوسرے سے نکاح کر لیا اور اس کے ایک عورت اور بھی ہے۔ یعنی ہندہ کے خاوند ثانی کے علاوہ ہندہ کے ایک عورت اور ہے۔ ہندہ کا خاوند ثانی بھی فوت ہو گیا۔ کیا زید اس کی دوسری بیوی سے یعنی اپنی ماں کی سوکن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۲ مولوی محمد عمر خطیب جامع مسجد سرگودھا۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ ۶ مارچ ۱۹۳۴ء

(۹) **جواب** - زید اپنی ماں کی سوکن یعنی سوتیلے باپ کی دوسری بیوی سے نکاح کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کی محرمات میں داخل نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

اگر بے خبری میں یا خبر سے نکاح پر نکاح پڑھا دیوے یعنی ایک عورت کا نکاح ہے۔ پھر پہلے خاوند کے علیحدہ ہوئے بغیر دوسرے سے نکاح کرا لیوے یہ تو ظاہر ہے کہ یہ دوسرا نکاح درست نہ ہوگا، لیکن سوال نکاح پڑھانے والے اور گواہوں کے بارے میں ہے۔ مشہور ہے کہ ان کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۳۲ مولوی محمد عمر خطیب جامع مسجد سرگودھا۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ

(۱۰) **جواب** - بے خبری میں ہو جائے تو کوئی جرم بھی نہیں۔ لیکن جان بوجھ کر دوسرا نکاح پڑھانے میں نکاح پڑھانے والا اور گواہ جن کو علم ہو مجرم ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کا نکاح نہیں ٹوٹتا تاوقتیکہ یہ اس دوسرے نکاح کی حلت کے معتقد نہ ہوں۔ محمد کفایت اللہ

سوال

ایک آدمی نے ایک عورت سے صحبت کی۔ اس عورت کی ہمشیرہ کی لڑکی سے یہ آدمی نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۶۴ غلام محمد صاحب۔ مانگرول بندر۔ کاٹھیاواڑ

۷ محرم ۱۳۵۳ھ م ۲۲ اپریل ۱۹۳۴ء

(۱۱) **جواب** - جس عورت سے صحبت کی ہے اگر وہ اب اس کے نکاح میں نہ ہو تو اس کی بھانجی سے یہ

نکاح کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک ہندو دینِ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے اور اپنی دونوں عورتوں کو بھی ساتھ لاتا ہے مگر وہ دونوں عورتیں جو اس کی زوجہ ہیں آپس میں سگی بہنیں ہیں۔ اس کو دونوں سے شدید محبت ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر دونوں کو رکھنا ممکن ہو تو اسلام قبول کروں گا۔

المستفتی نمبر ۲۰۱ محمد عبدالحفیظ (نیلگری) ۱۶ رجمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۴ء

(۱۲) **جواب**۔ اسلام لانے کے بعد وہ دونوں بہنوں کو اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ اگر وہ کسی ایک کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تو اسلام دونوں کو رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

هل یجوز التزوج بعد موت الزوجة بامرأة التی هی غیر امها شرعاً ام لا؟

(ترجمہ) کیا اپنی زوجہ کی سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۰۲۸ مولوی خلیل الرحمن امام سورتی سنی جامع مسجد (برما)

(۱۳) **جواب**۔ یجوز ان یتزوج الرجل بامرأة ابی زوجتها فی حیاة زوجتها فبعد موتها بالاولی اعنی انه یجوز الجمع بین امرأة وبنت زوجها۔ قال فی الهندیة ویجوز بین امرأة وبنت زوجها فان المرأة لو فرضت ذکراً حلت له تلك البنت بخلاف العکس انتهی

(ترجمہ) مرد کو اپنی زوجہ کے باپ کی دوسری بیوی کے یعنی زوجہ کی سوتیلی ماں کے .... ساتھ زوجہ کی زندگی میں بھی نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اس کی موت کے بعد بھی یعنی زوجہ اور اس کی سوتیلی ماں ایک مرد کے نکاح میں جمع ہو سکتی ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید اپنی بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ آیا شرعاً درست ہے یا نہیں۔ امہاتِ نسائکم میں یہ بیوی کی سوتیلی ماں داخل ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۰۴۷ عبدالجبار صاحب (برما) ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۹ جولائی ۱۹۳۶ء

(۱۴) **جواب** - اپنی زوجہ کی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ زوجہ کی موجودگی میں بھی دونوں کو جمع کرسکتا ہے۔ ویجوز الجمع بین امرأۃ وبنت زوجھا الخ (عالمگیری) فقط۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

الجواب صحیح - حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

ایک شخص نے ایک طوائف زادی پر عاشق ہو کر اس سے نکاح کر کے اپنی بی بی بنائی اور اس طوائف زادی کے ہمراہ ایک لڑکی بھی تھی۔ جب وہ لڑکی بلوغت کو پہنچی تو اس نے اس سے بھی نکاح کرلیا۔ اب ہر دو ماں بیٹی بیبیاں بن کے رہنے لگیں تو سوال یہ ہے کہ از روئے شریعت اس سے نکاح جائز ہوا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۰۵۲ عبدالصمد صاحب (سورت)

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۴ جولائی ۱۹۳۶ء

(۱۵) **جواب** - ماں اور بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ ماں سے وطی کرلینے کے بعد بیٹی سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اور بیٹی سے نکاح کرنے کے بعد ماں سے نکاح کرنا حرام ہو جاتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

پہلی بیوی کے بطن کی لڑکی کا نکاح دوسری بیوی کے بھائی سے جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۵۲۸ قاری محمد عبداللطیف صاحب۔ ضلع فرید پور (بنگال)

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۷ء

(۱۶) **جواب** - پہلی بیوی کے بطن سے جو لڑکی ہے اس کا نکاح دوسری بیوی کے بھائی سے کرنا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

عبدالغفور نے میرے سامنے یہ صورت بیان کی کہ میری بیوی مسماۃ سعیدہ بنت ڈنگی کی والدہ نورا کا جو کہ میری حقیقی ساس تھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ڈنگی سسر نے بنیادی سے نکاح کرلیا اور وطی بھی کی۔ تھوڑے عرصے کے بعد ڈنگی کا انتقال ہو گیا تو ایسی صورت میں جبکہ مسماۃ سعیدہ بنت ڈنگی

میرے نکاح میں موجود ہے بنیادی سے میرا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ صورت حرم الجمع بین امرأتین ایتهما فرضت ذکرا لم تحل له الاخرى میں داخل ہے یا نہیں؟

المستفتی ۱۵۶۲ مولوی حشمت علی صاحب مدرس اول مدرسہ قاسمیہ عربیہ کالی مسجد بلند شہر
۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳ جولائی ۱۹۳۷ء

(۱۷) **جواب**۔ یہ نکاح جائز ہے اور اس قاعدہ کے تحت یہ جمع درست ہے۔ کیونکہ اس میں طرفین سے حرمت لازم نہیں آتی۔ اگر سعیدا کو مرد فرض کریں تو اس کے لئے بنیادی بوجہ زوجۃ الاب ہونے کے حرام ہے۔ لیکن اگر بنیادی کو مرد فرض کریں تو سعیدا اس کے لئے ایک غیر عورت ہے اور حلال ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید نے ہندہ سے نکاح کیا تھا۔ اب ہندہ کے مرجانے کے بعد دو ماہ کے اندر اندر ہندہ مذکورہ کی بہن زینب سے نکاح کر لیا۔ اب بعض علمائے کرام کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں ہوا کیونکہ اس صورت میں زید مذکور کو چار ماہ دس دن عدت گزارنا ہوگا۔ بعد انقضائے عدت ہندہ کی بہن زینب سے نکاح کر سکتا ہے۔ لہذا یہ نکاح نادرست ہوا اور بعض علماء کہتے ہیں کہ مرد کی عدت ہی نہیں۔ لہذا ہندہ کے مرنے کے بعد دوسرے دن بھی زینب سے نکاح درست ہے۔

المستفتی ۱۵۷۶ شمشیر سرکار صاحب (ضلع میمن سنگھ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۷ء

(۱۸) **جواب**۔ زید اپنی متوفیہ بیوی ہندہ کی وفات ہوتے ہی اس کی بہن سے نکاح کر سکتا تھا پس یہ نکاح جو بیوی کی وفات کے دو ماہ بعد ہوا درست اور جائز ہے۔ اس کو ناجائز بتانے والے مسئلہ سے ناواقف ہیں۔ اگر شوہر بیوی کو طلاق دے تو اس کی عدت گزرنے سے پہلے بیوی کی بہن سے نکاح جائز نہیں ہوتا۔ لیکن بیوی کے مرجانے پر اس کی بہن سے فوراً نکاح ہو سکتا ہے۔ ماتت امرأته له التزوج باختها بعد یوم من موتها کما فی خلاصة عن الاصل وکذا فی المبسوط لصدر الاسلام والمحیط للسرخسی والبحر والتاتارخانیه وغیرها وغیرها من الکتب المعتمدة واما ما عزی الی النتف من وجوب العدة فلا یعتمد علیه۔ (رد المحتار ص ۳۷۸ ج ۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

فدوی کی اہلیہ عرصہ قریباً چار سال سے مرض اختلاج میں بتلا ہے جس کی وجہ سے ہر طریقہ کی تکلیف ہے اور نہ کوئی اولاد ہے۔ میرے خسر صاحب وخوشدامن وغیرہ بہت ہی ضعیف اور مفلس ہیں اور وہ میرے ہی ساتھ رہتے ہیں۔ میرا بھی بجز خدا اور ان لوگوں کے کوئی نہیں ہے اور میرے جملہ احباب کا خیال ہے کہ دوسرا نکاح کیا جائے۔ میرے خسر کی ایک دختر اور بھی ہے جس کی نسبت اُن کا خیال ہے کہ میرے ساتھ بموجب شرع محمدی عقد کر دیا جاوے۔ چونکہ دوسری غیر جگہ کرنے میں ہر دو فریق کو ہر طرح کی حد سے زیادہ تکلیف ہوگی۔

المستفتی نمبر ۱۷۰۲ احمد اللہ خاں صاحب ۱۰۷ مال روڈ (لاہور) ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۹ اگست ۱۹۳۷ء

(۱۹) **جواب**۔ دونوں بہنیں ایک شخص کے نکاح میں نہیں آسکتیں اور نہ رہ سکتی ہیں۔ اگر آپ اپنی سالی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو اپنی زوجہ کو طلاق دے کر سالی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ مگر طلاق کے بعد جب آپ کی مطلقہ بیوی کی عدت گزر جائے گی تب اس کی بہن سے نکاح جائز ہوگا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ستارہ اور چاند تارہ دو حقیقی بہنیں ہیں اور ستارہ کی شادی شاہ محمد سے ہوئی اور چاند تارہ کا عقد سوداگر سے ہوا اور دو بچے سوداگر کے ہوئے۔ اس کے بعد سوداگر کمانے کے لئے چلا گیا۔ چھ سال تک پتہ نہیں لگا۔ اس کے بعد شاہ محمد نے چاند تارہ سے نکاح کر لیا۔ اس خیال سے کہ لڑکوں کی ہمارے یہاں پرورش ہوگی اور ستارہ کی رضامندی سے اور ستارہ کو بھی یہی خیال تھا کہ بہن اور اس کے بچے ضائع نہ ہوں اور یہ لوگ جاہل تھے جنھوں نے نکاح کا صلاح دیا۔ اب شاہ محمد کے نطفہ سے بھی ایک لڑکی چاند تارا کے پیدا ہوئی اب اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ جو فرمائیں شاہ محمد اس کے کرنے پر تیار ہے۔ اگر شاہ محمد پر کوئی کفارہ ہو تو تحریر فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۱۸۲۹ شاہ محمد صاحب (ضلع اعظم گڑھ)

۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۲۰) **جواب**۔ دو بہنوں کو ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ شاہ محمد کا نکاح چاند تارہ کے ساتھ دو وجہ سے ناجائز ہوا۔ اول تو یہ کہ چاند تارہ منکوحہ تھی۔ پہلے خاوند سے اس کا نکاح باقی تھا۔ دوم یہ

کہ شاہ محمد کے نکاح میں اس کی بہن موجود تھی لہٰذا چاند تارہ کو وہ فوراً علیحدہ کردے اور اس سے جو لڑکی ہوئی ہے وہ بھی اس کے مال کی وارث نہیں ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنی عورت کو طلاق دی اور اس عورت نے عمر سے نکاح کرلیا اور عمر نے اس سے وطی بھی کی بعدازاں عمر نے اس کو طلاق دی یعنی خلع کیا۔ اور پھر اس عورت نے زید زوج اول سے شادی کرلی بعد عدّت گزرنے کے۔ اب زید کے لڑکے کی شادی جو کہ اس عورت سے ہو عمر کی لڑکی سے جو دوسری عورت سے ہو، ہوسکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی ۱۹۷۳ ماسٹر مرزا احمد حسین (گجرات) کاٹھیاواڑ

۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(۲۱) **جواب** ۔ زید کے لڑکے کی شادی عمر کی لڑکی سے ہوسکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص نکاح ایک عورت سے کرکے اس عورت کی والدہ سے بھی موجودہ حالت میں نکاح کرسکتا ہے؟ المستفتی ۲۰۴۵ شیخ قمر الدین صاحب ۔ ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(۲۲) **جواب** ۔ اپنی منکوحہ کی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور ابھی وداع بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ہندہ مطلقہ ہوگئی۔ صورتِ مذکورہ بالا میں کیا زید ہندہ کی ماں سے نکاح کرسکتا ہے جبکہ یہ ظاہر ہے کہ ابھی رخصت وغیرہ نہیں ہوئی تھی۔

المستفتی ۲۲۹۷ ایم ۔ ناظم ہاشمی (ڈھاکہ) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۷ جون ۱۹۳۸ء

(۲۳) **جواب** ۔ منکوحہ کی ماں سے نکاح ناجائز ہے خواہ منکوحہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ رخصتی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

سگی خالہ یا سگے چچا کی لڑکی کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی ۲۳۱۸ اے۔ سی۔ منصوری صاحب (بمبئی) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(۲۴) **جواب** ۔ سگی خالہ کی لڑکی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ اسی طرح سگے چچا کی نواسی سے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

السلام علیکم من العبد الضعیف المدعو بعبد الحی عفی عنہ الی حضرۃ المعظم اعنی جناب مولانا کفایت اللہ صاحب ادام اللہ۔

اما بعد ھل یجوز النکاح باولاد ابن الاخت والاخ وان سفلوا فتحرروا بسند الکتاب مع العبارۃ سریعاً ولاتؤخروا لان فیھا یختلف الناس اختلافا کثیرا فنحن منتظرون الی جوابکم فقط والسلام

(ترجمہ) کیا نکاح جائز ہے؟ بہن یا بھائی کی اولاد یا اولاد کی اولاد کے ساتھ؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۳۳۳ مولوی عبدالحی صاحب فریدپور

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ

م ۲۳ جون ۱۹۳۸ء

(۳۵) **جواب** - لایجوز النکاح باولاد ابن الاخت والاخ وان سفلوا لما فی العالمگیریۃ فی ذکر المحرمات وبنات الاخت والاخ وان سفلن۔ والحکم لایختلف فی بنت بنت الاخت وبنت ابن الاخت وفی بنت بنت الاخ وبنت ابن الاخ۔

لان المراد حرمۃ فروع الاخ والاخت بالغاما بلغ۔ واللہ اعلم

(ترجمہ) بہن اور بھائی کی اولاد یا اولاد کی اولاد کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ عالمگیری میں محرمات کے ذیل میں بنات الاخت والاخ اور نیچے تک سب اولاد کو ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اس حکم میں بھانجی اور بھانجی کی اولاد، بھانجا اور بھانجے کی اولاد، بھتیجی اور اس کی اولاد، بھتیجا اور اُس کی اولاد سب شامل ہیں چونکہ فروع کی حُرمت غیر محدود و غیر منتہی ہے۔

واذا اراد زید ان ینکح بنت ابن اخیہ کان ناکحا لفرع اخیہ وفروع الاخ حرام ولکن اذا اراد ان ینکح بنت ابن اختہ کان ناکحا لفرع اختہ وفروع الاخت حرام۔

اور جب کہ کوئی شخص اپنے بھتیجے کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو وہ اپنے بھائی کی فرع سے ناکح ہوگا اور فروع الاخ حرام ہیں۔ اور اسی طرح بھانجے کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کرنے والا بہن کی فرع سے ناکح ہوگا اور فروع الاخت حرام ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید اپنی حقیقی بڑی سالی کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے اور فی الحال زید کے نکاح میں اس کی بڑی حقیقی سالی کی بہن موجود ہے (یعنی لڑکی کی حقیقی خالہ) اب زید اپنی بڑی حقیقی سالی کی لڑکی کو اپنے نکاح میں لاسکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۴۴۱ کالو بھائی صاحب (گجرات)
۳۰ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۲۲ جنوری ۱۹۳۹ء

(۲۶) **جواب** - جب تک زید کی بیوی زید کے نکاح میں ہے یہ بی بی کی بھانجی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا۔ خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید اپنی چچازاد بہن کی دختر یعنی اپنی بھانجی چچازاد کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ عقد درست ہوگا اور اگر درست ہے تو اس پر لعن طعن کرنے والوں کے لئے شرعی کیا حکم ہے ؟
المستفتی نمبر ۲۴۹۶ نصیر الدین صاحب (احمد آبادی) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ م ۲۰ مئی ۱۹۳۹ء

(۲۷) **جواب** - چچازاد بہن سے بھی نکاح حلال ہے اور چچازاد بہن کی لڑکی یعنی اس رشتہ سے بھانجی کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ یہ حکم قرآن پاک کی آیت وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ سے ثابت ہے۔ کیوں کہ یہ عورتیں محرمات مذکورۂ بالا میں داخل نہیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

سوتیلی خوشدامن سے داماد کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔ یعنی اتواری کی لڑکی شبراتی کو بیاہی۔ بچے بھی ہوئے۔ اتواری کی بیوی فوت ہوگئی جس کی ایک لڑکی تھی اور شبراتی کو بیاہی تھی۔ اتواری نے اپنی بیوی کے فوت ہونے کے بعد دوسری شادی کی جس کا نام بھوری ہے۔ اتواری بھی فوت ہو گیا۔ بھوری بیوہ ہوگئی۔ تین لڑکے موجود ہیں جو اتواری سے ہیں۔ اس درمیان شبراتی جو اتواری کا داماد ہے۔ اُس کی بیوی یعنی اتواری کی لڑکی پہلی بیوی سے جو تھی وہ بھی فوت ہوگئی۔ اب شبراتی نے مسماۃ بھوری جو اتواری کی دوسری عورت بیوہ کے ساتھ نکاح کرلیا ہے یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۲۵۲۰ عبدالمجید صاحب (نینی تال) ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ م ۱۶ جولائی ۱۹۳۹ء

(۲۸) **جواب** - درست ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ السلام علیکم

گزارش ہے کہ کتاب غایۃ الاوطار ترجمہ در المختار ترجمہ مولوی خرم علی صاحب بلھوری و مولوی محمد احسن صاحب صدیقی نانوتوی مطبوعہ نولکشور کے کتاب النکاح کے صفحہ ۱۲ پر یہ عبارت تحریر ہے۔ وام زوجة وجدا تها مطلقا بمجرد العقد الصحيح وان لم توطا زوجة۔ (ترجمہ - اور حرام ہے اپنی زوجہ کی ماں اور دادیاں نانیاں ہر طرح سے سگی ہوں یا سوتیلی حرمت ثابت ہوتی ہے اگرچہ زوجہ سے جماع نہ کیا ہو) مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ زوجہ کی ماں سوتیلی ہو یا سگی یعنی اپنی خوشدامنہ حقیقی ہو یا سوتیلی نکاح میں حرام ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا ہے۔ یہ کتاب مذکورہ کے لفظ بہ لفظ فقرے ہیں۔ کیا یہ کتاب معتبر نہیں ہے جو حضور نے فتوی منقی شدہ پر صرف "درست ہے" لکھ کر دستخط فرمائیے ہیں۔ جس سے میرے دل میں کافی اور مکمل یقین تو ہو گیا لیکن دیگر اشخاص کا یہ کہنا ہے کہ حضور نے کسی حدیث و فقہ کا حوالہ نہیں دیا۔ براہ مہربانی یہ لکھ کر کہ فلاں کتاب میں فلاں صفحہ پر اس کی بابت درستی کا ذکر آیا ہے۔ لوگوں کے دلوں کو تسکین فرما دیجئے۔

المستفتی نمبر ۲۵۲۰ عبدالمجید صاحب

(۲۹) **جواب** - غایۃ الاوطار کی یہ عبارت (ہر طرح سے سگی ہوں یا سوتیلی) بظاہر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بیوی کی سوتیلی ماں "ام زوجہ" کے لفظ میں شامل نہیں ہے۔ اگر اتواری مرجاتا تو شبراتی بھوری سے اپنی بیوی کی زندگی میں بھی نکاح کر سکتا تھا۔ یعنی دونوں کو جمع کر سکتا تھا۔ اسی غایۃ الاوطار کے صفحہ ۱۶ پر دیکھیے۔ (فجاز الجمع بين امرأة وبنت زوجها۔ تو جائز ہے جمع کرنا عورت میں اور اس کے شوہر کی بیٹی میں) یعنی بھوری اور اس کے شوہر اتواری کی بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی عورت کے شوہر کی بیٹی عورت کی سوتیلی لڑکی ہوئی اور لڑکی کی یہ عورت سوتیلی ماں ہوئی تو جب ان کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے تو یکے بعد دیگرے ان سے نکاح کرنا بدرجہ اولی جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔ زید کی عورت کے انتقال کو پندرہ بیس یوم کا عرصہ گزر چکا ہے۔ زید نے اپنی منکوحہ کی بہن کی بیٹی سے نکاح کر لیا ہے۔ بکر کہتا ہے کہ یہ نکاح شرعاً نادرست ہے چونکہ

وہ زید کی منکوحہ مرحومہ کی قریبی رشتہ دار (بھانجی) ہے۔ اس کو چار ماہ دس دن کی عدت گزارنا ضروری ہے۔

المستفتی نمبر ۲۷۵۶ جی۔ پی۔ حیدر خاں۔ بیڑی فیکٹری۔ چامراج نگر۔ میسور ۲۶ محرم ۱۳۶۲ھ م ۲ فروری ۱۹۴۳ء

(۳۰) **جواب** ۔ بکر کا قول صحیح نہیں ہے۔ زید کا نکاح جائز ہوا۔ بیوی کے مرنے کے بعد اس کی بہن یا بھانجی سے فوراً نکاح جائز ہوتا ہے۔ ماتت امرأتہ لہ التزوج باختہا بعد یوم من موتہا (رد المحتار ص ۳۰۸ ج ۲ باب المحرمات) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) باپ اپنے لڑکے کی ساس سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) عمرو نے ہندہ سے نکاح کیا۔ اور ہندہ اپنے ہمراہ ایک لڑکی لائی ہے جو ہندہ کے پہلے خاوند سے ہے۔ اس لڑکی سے عمرو کا حقیقی بھائی نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۳) دو حقیقی بھائی دو حقیقی بہنوں سے نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۴) لڑکا اپنے باپ کی ساس سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق امام مسجد دوحلہ ضلع پنج محل ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(۳۱) **جواب** ۔ (۱) باپ اپنے بیٹے کی ساس سے نکاح کر سکتا ہے۔ (۲) اس لڑکی سے عمرو کا حقیقی بھائی نکاح کر سکتا ہے۔ بلکہ عمرو کا پہلی بیوی سے کوئی لڑکا ہو تو اس لڑکے کا نکاح بھی اس لڑکی سے جائز ہے۔ (۳) دو حقیقی بھائی ایسی دو لڑکیوں سے جو آپس میں حقیقی بہنیں ہیں نکاح کر سکتے ہیں۔ (۴) لڑکا اپنی سوتیلی ماں کی والدہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

چند لوگ مل کر ایک منکوحہ بالغہ لڑکی کا عقد بغیر اس کے خاوند کے طلاق دینے کے ایک دوسرے شخص کے ساتھ کر دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس نے ہماری عورت بہکالی اور کلماتِ کفر کہلوا کر نکاح تڑوا دیا اس واسطے ہم بھی اپنی لڑکی اس کو نہیں دیتے۔ اس لڑکی کے خاوند نے اس کے والد اور بھائی کے سامنے ہر طرح یقین دلایا کہ میں نے تمہاری عورت نہ بہکائی ہے، نہ کلماتِ کفر کہلوائے ہیں، لیکن ان کو بالکل اعتبار نہیں آیا۔ اور دو سال گزر جانے کے بعد اس کے والد نے بغیر طلاق کے اس لڑکی کا عقد دوسرے شخص سے کر دیا۔ لڑکی کے خاوند نے بہتیری دفعہ ان کو خطوط ڈالے کہ تم اپنی لڑکی کو یا خود پہنچا دو یا مجھے بُلالو۔ لیکن انھوں نے نہ خود پہنچایا! نہ اس کے خاوند کو بلایا۔ اس نے خرچہ بھیجا تو خرچہ بھی وصول نہ کیا۔ وہ خود

اس وجہ سے نہ گیا کہ اس کو اپنی جان کے ضائع ہو جانے کا یقین تھا۔ المستفتی رحیم الدین الوری

(۳۲) **جواب** - اس کا عقدِ ثانی باطل ہے۔ کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے اس کا پہلا نکاح نہیں ٹوٹا۔ یہ سب لوگ جو عقدِ ثانی کرانے والے یا اس میں شریک ہونے والے ہیں گنہگار ہوئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید ایک عورت منکوحۃ الغیر سے مدّت دراز تک زنا کرتا رہا ہے۔ اب مزنیہ کی لڑکی کو زانی اپنے لڑکے کے نکاح میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی ۱۹۳۳ باگی ولد عبدل (فیروزپور پنجاب)

۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۳۳) **جواب** - مزنیہ کی لڑکی سے زانی کا نکاح جائز نہیں اور زانی کے لڑکے کا نکاح بھی جائز نہیں۔ ہاں اگر لڑکا مزنیہ کے بطن سے نہ ہو اور دوسری بیوی کے بطن سے ہو اور لڑکی مزنیہ کے شوہر سے ہو تو جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۲۵ء)

زید کی لڑکی عمر کے نکاح میں ہے۔ زید کے انتقال کے بعد عمر نے زید کی دوسری بیوی یعنی اپنی سوتیلی ساس سے عقد کر لیا۔ کیا یہ جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو سوتیلی ماں سے بھی عقد جائز ہوگا۔

(۳۴) **جواب** - یہ نکاح جائز ہے۔ کیونکہ دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا اس صورت میں حرام ہوتا ہے۔ کہ ان میں طرفین سے یہ قاعدہ جاری ہو سکے کہ جس عورت کو مذکر فرض کریں تو دوسری عورت اس کے لئے حلال نہ ہو اور یہاں (یعنی کسی عورت کو اور اس کے باپ کی دوسری بیوی کو نکاح میں جمع کرنے میں) دونوں طرف سے یہ قاعدہ جاری نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ حرام نہیں ہے۔ درمختار میں ہے۔ فجاز الجمع بین مرأة وبنت زوجها اور سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے سوتیلی ماں اس کے باپ کی منکوحہ ہے اور منکوحۃ الاب کی حرمت قرآن پاک میں منصوص ہے۔ قال تعالیٰ ولا تنکحوا ما نکح آباءکم۔ سوتیلی ماں کو سوتیلی ساس پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

(۱) حقیقی پھوپھی کی پوتی کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اگر کسی شخص کی ہمشیرہ نے کسی شخص کے ساتھ عقد کر لیا ہو اور اس کے خاوند کی پہلی زوجہ سے ایک لڑکی ہو تو اس لڑکی کا اس کی سوتیلی ماں کے بھائیوں کے ساتھ عقد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۳۵) **جواب** - (۱) حقیقی پھوپھی کی بیٹی اور پوتی سے نکاح جائز ہے۔ (۲) کسی شخص کا نکاح اس کی بہن کے خاوند یعنی بہنوئی کی اس لڑکی سے جائز ہے جو کسی دوسری عورت کے بطن سے ہو۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۶ء)

زید کے ماموں کی بیوی بیوہ ہو گئی ہے۔ نوجوان ہے۔ زید کا لڑکا عمرو جو بالغ ہے اس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۳۶) **جواب** - زید کا لڑکا زید کے ماموں کی بیوہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ یہ محرمات میں داخل نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

اپنی سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح درست ہے یا نہیں؟

(۳۷) **جواب** - سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح درست ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ نومبر ۱۹۲۶ء)

زید نے اپنی سالی سے نکاح کیا۔ زید کی بیوی پہلے فوت ہو چکی تھی اور جس سے نکاح کیا وہ سالی بھی ہے اور رشتہ میں چچی بھی ہے۔ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ برادری نے نکاح خواں اور گواہان پر چٹی یعنی تاوان لگایا۔ یہ تاوان جائز ہے یا نہیں؟

(۳۸) **جواب** ۔ بیوی کے انتقال کے بعد اس کی بہن سے نکاح کرنا درست ہے ۔ رشتہ کی چچی ہونا بھی نکاح کے جواز کا مانع نہیں ۔ برادری کا تاوان لگانا اس صورت میں ناجائز ہے ۔ تاوان واپس کرنا چاہئے ۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۶ء)

ہندہ کا نکاح عمرو سے ہوا ہے ۔ ہندہ کی ایک سوتیلی بہن (دوسری ماں سے) ہے ۔ کیا عمرو ہندہ کی زندگی میں اس کی سوتیلی بہن سے نکاح کر سکتا ہے ؟

(۳۹) **جواب** ۔ ہندہ کی موجودگی میں بمقتضائے آیت "ان تجمعوا بین الاختین" ہندہ کی سوتیلی بہن سے جو ہندہ کے والد کے نطفے سے ہے عمرو کا نکاح نہیں ہو سکتا ۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۷ء)

(۱) ایک کافرہ مشرکہ کے بطن سے کسی مسلمان کی ایک لڑکی ہے آیا وہ لڑکی اس مسلمان کی وارث و محرم ہو سکتی ہے ؟ اور وہ مشرف باسلام ہونے کے بعد کیا اُس مسلمان کے نکاح میں آسکتی ہے ؟ (۲) جس عورت سے کسی مسلمان نے زنا کیا ہے اس کی لڑکی جو ارتکاب زنا سے پہلے کسی دوسرے مرد کے نطفے سے ہو آیا اُس کے ساتھ زانی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(۴۰) **جواب** ۔ (۱) جو لڑکی زنا سے پیدا ہوئی ہے وہ اپنے باپ کی وارث نہیں ہو سکتی مگر محرم ضرور ہے اور اس کے ساتھ نکاح ناجائز ہے ۔ (۲) جس عورت سے زنا کیا ہے اس کی لڑکی سے خواہ ارتکاب زنا سے پہلے کی ہو یا بعد کی ، نکاح نہیں ہو سکتا ۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۷ء)

اپنی خوشدامن کی حقیقی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں جبکہ بیوی کا انتقال ہو چکا ہو ۔

(۴۱) **جواب** ۔ اپنی خوشدامن کی بہن سے اپنی بیوی کے انتقال کے بعد نکاح کر لینا جائز ہے ۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۲۷ء)

بھتیجے سے چچی کی شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ سوتیلی ماں سے بعد مر جانے باپ کے بیٹا عقد کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۴۲) **جواب** - چچی کا نکاح چچا کے انتقال کے بعد مرحوم کے بھتیجے سے ہوسکتا ہے۔ کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے۔ باپ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سوتیلی ماں سے نکاح نہیں کرسکتا۔ وہ اس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ حرام ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۲۷ء)

ایک شخص کے دو لڑکیاں ہوں اور ماں سے علیحدہ ہوں کیا ایک شخص سے ان دونوں کا نکاح ایک وقت میں جائز ہے؟

(۴۳) **جواب** - دو بہنوں کو خواہ وہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اور اس کے لئے صریح طور پر آیت کریمہ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ کا حکم موجود ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۲۷ء)

زید کی بیوی دو لڑکیاں چھوڑ کر فوت ہوگئی۔ کچھ عرصے کے بعد زید نے حامد کی لڑکی سے شادی کی۔ اس لڑکی کے دو بھائی ہیں۔ کیا ان دونوں لڑکوں کی شادی زید کی دونوں لڑکیوں سے ہوسکتی ہے؟

(۴۴) **جواب** - زید کی لڑکیوں کی شادی اپنی سوتیلی ماں کے بھائیوں کے ساتھ ہوسکتی ہے۔ اس رشتہ میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ یکم اگست ۱۹۲۸ء)

چھوٹے بھائی کی زوجہ بیوہ ہوگئی۔ اور اس عورت کے پاس دو تین لڑکے پہلے شوہر سے ہیں تو اس عورت کو شوہر کا بڑا بھائی اپنے نکاح میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

(۴۵) **جواب** - چھوٹے بھائی کے انتقال کے بعد اس کی بیوی سے مرحوم کا بڑا بھائی نکاح کر سکتا ہے۔
محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۱ء)

ایک مشرک مع اپنی زوجہ کے اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس کی زوجہ رشتے میں اس کی بھانجی ہے۔ اس سے دو چار اولاد بھی ہیں۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کیا اس کی زوجہ اُس پر حلال ہو سکتی ہے؟ اور جو اولاد اس کے بطن سے موجود ہے کیا وہ اپنے باپ کے ورثہ کی حقدار ہو سکتی ہے؟

(۴۶) **جواب** - بھانجی سے نکاح شریعتِ اسلامیہ میں جائز نہیں۔ جب زوجین مسلمان ہو جائیں تو اُن کا تعلقِ زوجیت باقی نہیں رہے گا۔ دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔ اس سے پہلے کی اولاد ثابت النسب ہوگی اور ماں باپ کے ترکہ سے اس کو حصۂ میراث ملے گا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ مارچ سنہ ۳۲ء)

اہلیہ کی بڑی ہمشیر کی لڑکی سے نکاح درست ہے یا نہیں؛ حالانکہ اہلیہ زندہ ہے۔

(۴۷) **جواب** - اہلیہ کی زندگی میں اس کی بھانجی سے نکاح کرکے خالہ بھانجی کو زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ یکم اگست سنہ ۳۷ء)

علم شیر خاں اور علی شیر خاں دو حقیقی بھائی ہیں۔ علم شیر خاں کے لڑکے کا نکاح علی شیر خاں کی لڑکی کی لڑکی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۴۸) **جواب** - علم شیر خاں کے لڑکے کا نکاح علی شیر خاں کی نواسی کے ساتھ جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

دہلی

دوسرا باب
منگنی (خطبہ)

سوال

مضافاتِ پشاور اور ماورائے سرحد میں یہ عام بات ہے کہ ایک شخص نے کسی کے ہاں اپنے لڑکے کے واسطے نکاح کے لئے بات چیت کی اور لڑکے والے کچھ زیور، کپڑے، مٹھائی لڑکی والوں کے پاس لے جاتے ہیں۔ اگر لڑکی والے اشیائے مذکورہ لے لیں تو پٹھانوں کے رواج میں یہ بات پکی ہو گئی جس کو ان کی اصطلاح میں کوجدن (منگنی) کہتے ہیں۔ لڑکی کا ولی تین چار آدمیوں کے سامنے اقرار کر کے کہتا ہے کہ میں نے لڑکی کو اس لڑکے کو دیدیا۔ لڑکا لڑکی کے گھر میں آتا رہتا ہے۔ اس کے بعد اگر لڑکی کا ولی منگنی سے انکار کر کے لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ واضح رہے کہ اس منگنی میں خطبۂ مسنونہ اور مہر وغیرہ کچھ نہ تھا صرف بات ٹھہرائی گئی تھی۔ یہاں کا طبقۂ صوفیان اس کو نکاح ٹھہراتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۲۵۲ مولوی عبدالوہاب۔ خرکی۔ ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۲۱ مارچ ۱۹۳۴ء

(۴۹) **جواب**۔ یہ نکاح نہیں ہے۔ وعدۂ نکاح ہے۔ اگر اس کے بعد بلا وجہ معقول لڑکی والا لڑکی کو دوسری جگہ بیاہ دے تو وعدہ خلافی کا مجرم ہوگا۔ مگر دوسری جگہ نکاح درست ہو جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید نے اپنی لڑکی ہندہ کی منگنی اپنے برادر زادے بکر کے ساتھ کر دی۔ بعد میں بکر نے ایک عورت مسلمہ منکوحہ کو محض فسخ نکاح کی غرض سے مرتد کرایا پھر اس مرتدہ منکوحۂ غیر کو مسلمان کر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ باوجود اس نکاح کے بکر اپنے چچا سے مطالبہ کرتا ہے کہ اپنی لڑکی کا مجھ سے نکاح کر دے۔ زید انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک مسلمہ کو مرتد کرانے کی وجہ سے تو خود بھی مرتد ہے۔

المستفتی نمبر ۹۵۹ محمد شاہ (ضلع منٹگمری) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(۵۰) **جواب**۔ اگر یہ واقعات صحیح ہیں کہ بکر نے منکوحۂ مسلمہ کو مرتد کرایا یا ترغیب دی اور پھر اسی مرتدہ سے بعد اس کے اسلام لانے کے خود نکاح کر لیا تو زید اپنی لڑکی کی منگنی چھڑا لینے میں حق بجانب ہے اور

بکر اس سے ایفائے وعدہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ (منگنی کی حیثیت ایک وعدہ کی ہوتی ہے) نیز بکر پر توبہ و تجدید اسلام بھی لازم ہے کیونکہ کسی مسلمان کو مرتد ہونے کی ترغیب دینے سے خود بھی انسان مرتد ہو جاتا ہے۔ فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

امیر حسن اپنے نابالغ لڑکے محمد عارف کی چوڑ یعنی پوٹلی زیورات وغیرہ ہمراہ قریباً بیس کس مسلم معتبران عبدالحق کے گھر لایا۔ صبح اس گاؤں کے عام مسلمان اس تقریب میں شامل ہونے کی غرض سے عبدالحق کے گھر جمع ہوئے جن کی موجودگی میں امیر حسن نے پچاس روپیہ نقد اور مٹھائی اور مسماۃ عزیز فاطمہ نابالغہ دختر عبدالحق کے لئے زیورا اور کپڑے اسی مجلس میں عزیز فاطمہ کے لئے عبدالحق کو دیئے اور عبدالحق سے اس کی مذکورہ لڑکی کا ناطہ طلب کیا جس پر عبدالحق نے عام حاضرین میں اس طرح امیر حسن کے ساتھ ایجاب و قبول کیا۔ یعنی عبدالحق نے امیر حسن کو کہا کہ میں نے اپنی لڑکی مسماۃ عزیز فاطمہ کا ناطہ تمہارے لڑکے محمد عارف کو دے دیا ہے۔ امیر حسن نے کہا میں نے قبول کر لیا ہے۔ اس پر دعائے خیر ہوئی۔ عبدالحق نے زیورات، کپڑے اور نقدی قبول کر کے لے لی اور مٹھائی حاضرین میں تقسیم ہوئی۔ آیا اس صورت میں نکاح عزیز فاطمہ ہمراہ محمد عارف ہو گیا یا نہ۔

المستفتی نمبر ۱۴۸۵ حکیم ڈاکٹر عبدالشکور صاحب ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۰ جون ۱۹۳۷ء

(۵۱) **جواب**۔ منگنی کی جو مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں وہ صرف رشتہ اور ناتہ مقرر کرنے کے لئے کی جاتی ہیں۔ اس میں جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں وہ وعدہ کی حد تک رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ منگنی کی مجلس کے بعد فریقین بھی اس کو نکاح قرار نہیں دیتے بلکہ اس کے بعد نکاح کی مجلس منعقد کی جاتی ہے اور نکاح پڑھایا جاتا ہے اس لئے اِن مجالس کے الفاظ میں عرف یہی ہے کہ وہ بقصد وعدہ کہے جاتے ہیں نہ بقصد نکاح۔ ورنہ نکاح کے بعد پھر مجلس نکاح منعقد کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ نیز منگنی کی مجلس کے بعد منکوحہ سے اگر زوج تعلقات زناشوئی کا مطالبہ کرے تو کوئی بھی اس کے لئے آمادہ نہیں ہوتا بلکہ کہتے ہیں کہ نکاح تو ہوا ہی نہیں۔ عورت کو مرد کے پاس کیسے بھیج دیا جائے۔ بہر حال منگنی کی مجلس وعدے کی مجلس ہے اس کے الفاظ سب وعدہ پر محمول ہوں گے۔ کیونکہ عرف یہی ہے۔ لہٰذا اس کو نکاح قرار دینا درست نہیں۔

البتہ اگر منگنی کی مجلس میں صریح لفظ نکاح استعمال کیا جائے۔ مثلاً زوج یا اس کا ولی یوں کہے کہ اپنی لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کردو اور ولی زوجہ کہے کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تیرے ساتھ کردیا تو نکاح ہو جائے گا۔ لان الصریح یفوق الدلالۃ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سوال

تقریباً پورے صوبہ گجرات میں یہ رواج ہے کہ جب منگنی ہوتی ہے اس وقت لڑکی کے لئے زیور اور کپڑے بنانے کے لئے ایک رقم طے ہوتی ہے۔ وہ رقم لڑکا یا اس کا ولی دیتا ہے اور اس کو ویچ ویلہ کہتے ہیں۔ وہ رقم حسب حیثیت جانبین دوسو چارسو ہزار دو ہزار بلکہ اس سے بھی زائد تک طے ہوتی ہے اور اس کے طے ہوئے بغیر منگنی قبول نہیں ہوتی۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس رقم کے طے کرنے میں اگر جانبین کا اتفاق نہ ہو تو منگنی قبول نہیں ہوتی اور انکار کردیا جاتا ہے۔ اگر لڑکے یا اس کے ولی کے پاس پیسے نہ ہوں تو اس کے لئے سودی قرضہ تک لیا جاتا ہے اور مہر اس کے علاوہ ہے۔ اور وہ عموماً ایک سو ساڑھے ستائیس روپیہ ہے۔ بعض جگہ اس سے بھی زائد ہے۔ مذکورہ بالا رسم مدت سے چلی آرہی ہے لیکن اس پیسے کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہوتی کہ مہر معجل ہے یا ہبہ ہے یا عاریت، اور نہ تعامل سے صحیح پتہ چلتا ہے اور بعض جگہ تصریح بھی ہوتی ہے کہ ہبہ ہے یا عاریت ہے یا مہر معجل اور بعض جگہ پیسہ کے بجائے زیور اور کپڑا بھی دیا جاتا ہے لیکن عموماً پیسے دیئے جاتے ہیں۔ اور اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہوتی۔ اب اس رقم کے لینے کے بعد لڑکی کا باپ بالکل آزاد ہوتا ہے چاہے سب خود کھائے یا نکاح کے وقت کھانے وغیرہ میں صرف کرے یا کہ زیور اور کپڑے بنائے اگر کھا جائے یا کھانے وغیرہ میں صرف کردے تو لڑکا یا اس کا ولی کوئی اعتراض نہیں کرتا اور نہ مطالبہ کرتا ہے۔ نہ قانونی کارروائی کرتا ہے لیکن کھایا معیوب سمجھا جاتا ہے اور وہ پیسہ صرف کپڑے زیور میں صرف کرنا مستحسن سمجھا جاتا ہے۔

اب جو پیسے لڑکی کے باپ نے کھائے وہ تو گئے یا جس کا کھانا کھلایا وہ بھی گئے اس کا مطالبہ نہیں ہوتا لیکن جو زیور بنایا جاتا ہے اس کو لڑکی اپنے ساتھ لے کر خاوند کے گھر آتی ہے اور اپنے استعمال میں لاتی ہے لیکن خاوند مالک سمجھا جاتا ہے۔ وقت ضرورت اس کو فروخت بھی کرسکتا ہے۔ اور رہن بھی رکھ سکتا ہے۔ عورت کی وفات کے بعد خاوند مالک ہوتا ہے اور بعد طلاق بھی اور بعض

جگہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکی یا اس کا باپ قبضہ کر لیتا ہے اور خاوند کو نہیں دیا جاتا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کے نکاح کے وقت لڑکے کے پاس سے زیور اور کپڑے لینا یا اس کے لئے پیسے لینا اس کی کوئی اصل قرون اولیٰ میں ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیا ہے اور اس طریقے سے پیسے لینا جائز ہے یا نہیں اور خصوصاً سودی قرضہ۔ اور اگر جائز ہے تو پھر یہ مہر معجل ہے یا ہبہ ہے یا عاریت ؟

المستفتی نمبر ۲۴۳۰ مولوی احمد ثبات صاحب (ضلع سورت) ۵ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء

(۵۲) **جواب**۔ سوال اس پر مبنی ہے کہ منگنی کے وقت لڑکی والے شوہر اور اس کے اولیاء سے ایک معین رقم مثلاً دو سو چار سو یا ہزار دو ہزار روپیہ نقد مانگتے ہیں یا زیور اور کپڑے کی صورت میں طلب کرتے ہیں اور جب تک شوہر دینا منظور نہ کرے منگنی نہیں ہوتی اور اس رسم کے التزام کی وجہ سے بسا اوقات بات ختم اور منگنی چھوٹ جاتی ہے یا شوہر کو سودی قرض لے کر مطالبہ منظور اور پورا کرنا پڑتا ہے تو سائل اس رسم کے التزام اور اس کے لئے سودی قرض لے کر رسم پوری کرنے کے متعلق سوال کرتا ہے کہ یہ بات کیسی ہے تو اس کا جواب ایک ہی ہے کہ یہ التزام اور رسم کے طور پر اس کی پابندی اور اس کے لئے سود جیسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب یقیناً مذموم اور سخت بری بات ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس رقم کی حیثیت کیا ہے، مہر میں شامل ہے یا ہدیہ اور ہبہ ہے یا عاریت تو بظاہر مہر میں شامل نہیں ہوتی کیونکہ مہر کی مقدار اکثری طور پر ایک سو ساڑھے ستائیس روپئے معین ہوتی ہے اور یہ رقم مختلف مقدار کی ہوتی ہے اور مہر کے ذکر کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کیا جاتا نیز جیسا کہ سوال میں مذکور ہے شوہر اس رقم کے زیور وغیرہ کو عورت سے واپس بھی لے لیتا ہے اور عورت کو واپس دینے میں عذر نہیں ہوتا اس طرح اس کو ہدیہ یا ہبہ بھی قرار نہیں دے سکتے کیونکہ اس صورت میں بھی عورت سے بحالت قیام زوجیت یا بعد طلاق یا بعد موت اس رقم کو واپس لینے کا زوج کو حق نہیں حالانکہ ان سب صورتوں میں اس کو واپس لینے کا حقدار سمجھا جاتا ہے۔ پس شوہر کے حق واپسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی حیثیت متعین ہے کہ عاریت ہوتی ہے اور اس حیثیت کے لحاظ سے اولیاء زوجہ کو زوج سے منگنی کے وقت اس کا مطالبہ کرنا اور اصرار کرنا اور رقم کی کمی زیادتی پر جھگڑا کرنا اور منگنی توڑ دینا یہ سب باتیں محض لغو اور شرعی اصول سے غلط اور ناجائز ہیں کیونکہ عاریت کا مطالبہ کرنا تو درکنار ہدیہ یا ہبہ کا مطالبہ کرنا بھی جائز نہیں لاجبر فی التبرع مشہور فقہی قاعدہ ہے۔

پس مطالبہ اور جبر سے جو رقم لی جائے وہ یا تو مہر میں شامل کی جائے کہ پھر زوج کو واپس لینے کا حق نہ ہو اور یہ صورت جائز ہے یا وہ عورت کی قیمت اور عوض ہو اور یہ رشوت اور حرام ہے یا اولیاء زوجہ کو زوج سے مطالبہ کا کوئی حق نہیں وہ اپنی خوشی سے بطور دست پیمان جو چاہے دیدے اور اسے ہدیہ یا ہبہ قرار دے جس میں حقِ رجوع نہ ہو یا عاریت رکھے جسے واپس لے سکے۔ بہر حال یہ رسم قابلِ اصلاح اور اس کی موجودہ صورت واجب الترک ہے فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۹ء)

منگنی کے وقت لڑکی کے باپ کا یہ کہنا کہ میں نے اپنی فلاں لڑکی تیرے فلاں لڑکے کو دی اور لڑکے کا باپ کہتا ہے کہ ہاں میں نے اپنے فلاں لڑکے کے لئے قبول کی۔ اس کے بعد وہ لڑکی لڑکے کو ملنے نہیں دیتے اور اس کو نصف نکاح خیال کیا جاتا ہے۔ کیا اس لڑکی کا نکاح بغیر اجازت لڑکے یا اس کے ولی کے دوسری جگہ ہو سکتا ہے ؟

(۵۳) **جواب**۔ منگنی کے وقت جو الفاظ کہے جاتے ہیں وہ وعدۂ نکاح کے ہوتے ہیں۔ نکاح منعقد کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اسی لئے نکاح دوبارہ مجلس منعقد کر کے کیا جاتا ہے پس منگنی کے اوپر نکاح کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

تیسرا باب

اِذن لینا (استیذان)

سوال

ہمارے یہاں کسی لڑکی سے اس کے نکاح کے وقت اجازت نہیں لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں اس طرح بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ لہذا ان کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں ؟ نکاح ہوتا ہے یا نہیں ؟

(۵۴) **جواب**۔ کسی عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ اگر اسکی اجازت کے بغیر اس کا نکاح باپ نے کسی جگہ کر دیا تو

اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر وہ نکاح کو جائز رکھے گی تو جائز ہوگا ورنہ باطل ہو جائے گا۔ لا یجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبا فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل کذا فی السراج الوهاج (هندیه ص ۳۰۶ ج ۱) ہاں اگر ولی اقرب یا اس کا وکیل یا قاصد باکرہ سے استیذان کرے اور وہ چُپ ہو جائے تو اس کا یہ چپ ہو جانا بھی اجازت ہے یا کوئی ایسا کام کرے جس سے رضا ثابت ہو تو وہ بھی اجازت سمجھی جائے گی۔ وان استاذن الولی البکر البالغة فسکتت فذلک اذن منها وکذا اذا امکنت الزوج من نفسها بعد ما زوجها الولی فهو رضا وکذا لو طالبت بصداقها بعد العلم فهو رضا هکذا فی السراج الوهاج (هندیه ص ۳۰۶ ج ۱) لیکن اگر کسی اجنبی یا ولی بعید نے استیذان کیا تو صراحۃً اجازت ضروری ہے۔ سکوت اجازت نہیں۔ وان کان لها ولی اقرب من المزوج لا یکون السکوت منها رضا ولها الخیار ان شاء ردت (هندیه ص ۳۰۶ ج ۱)

سوال

مسماۃ مختار بالغہ بنت مسماۃ فیاضی کا عقد نکاح مسمی شکور ولد قطبو قوم شیخ سے بلا اجازت مسماۃ مختار مذکورہ کیا گیا۔ مگر اس کی والدہ سے جبکہ وہ بیمار اور بدحواسی کی حالت میں تھی اجازت لے لی گئی تھی۔ کیا ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کا نکاح درست ہوا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۸۴ مسماۃ فیاضی۔ باڑہ ہندو راؤ دہلی۔ یکم رمضان ۱۳۵۶ھ م ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(۵۵) **جواب**۔ بالغہ عورت کا نکاح بغیر اس کی اپنی اجازت کے درست نہیں ہوتا۔ ماں نے اگر بیماری و بدحواسی کی حالت میں اجازت دیدی تو یہ اجازت معتبر نہیں کیونکہ بدحواسی کی اجازت کالعدم ہے۔ اگر حواس درست ہونے کی حالت میں اجازت دی ہو جب بھی نکاح لڑکی کی رضامندی پر موقوف تھا۔ اگر اس نے منظور نہ کیا ہو اور نکاح کی خبر پاتے ہی نارضامندی کا اظہار کر دیا ہو تو نکاح باطل ہو گیا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زن بالغہ باکرہ برضا و رغبت خویش تحریری اختیار نفس خود دادہ باشد مگر بریں تحریر گواہ کسی نباشد دبر سیدن رقعہ ایجاب آں شخص مذکور روبرو ے دو گواہان عاقل بالغ حر قبول کند و گواہان را بر آں تحریر

اعتماد ست کہ ایں تحریر از دست فلاں مذکورہ مسماۃ آمدہ است دریں صورت نکاح شرعی منعقد شود یا نہ۔

(ترجمہ) ایک بالغہ باکرہ عورت نے برضا و رغبت خود اپنے نفس کا اختیار تحریراً دوسرے کو دیا۔ مگر اس تحریر پر کسی کی گواہی نہیں ہے۔ اس رقعۂ ایجاب کے پہنچنے پر اس شخص مذکور نے دو عاقل بالغ آزاد گواہوں کے سامنے قبول کیا۔ ان دو گواہوں کو اس تحریر پر اعتماد اور وثوق ہے کہ یہ تحریر فلاں عورت کی ہے۔ اس صورت میں شرعاً نکاح منعقد ہوگا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۳۶۴ حکیم عبدالعزیز صاحب (لائل پور) ۱۱ رجمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۰ رجولائی ۱۹۳۸ء

(۵۶) **جواب** - ایں مسئلہ صور مختلفہ دارد۔ عبارت تحریر زن چہ بود و آں تحریر بطور توکیل بود یا بطور ایجاب بود و در مجلس عقد روبروئے گواہاں خواندہ شد یا نہ و حکم ہر صورت جدا است پس مناسب ایں است کہ از عالمے کہ دراں جا موجود باشد حکم دریافت کنند۔

(ترجمہ) اس واقعہ کے متعلق مختلف سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ عورت کی تحریر کی عبارت کیا تھی ؟ اور وہ تحریر بطور توکیل کے تھی یا بطور ایجاب کے ؟ اور مجلس عقد میں گواہوں کے سامنے پڑھی گئی یا نہیں ؟ اور حکم ہر صورت کا جدا ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ آپ کسی مقامی عالم سے واقعہ بیان کر کے حکم دریافت کرلیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی

سوال

ایک عورت بیوہ بالغہ کا نکاح بلا مرضی ہوا۔ بالکل رضامند نہ تھی۔ جبراً اس کا نکاح کر دیا گیا۔ بیوہ نے اپنے نفس کا اختیار نہیں دیا۔ یہاں تک کہ جب عورت کو نکاح کی خبر پہنچی تو فوراً کہنے لگی کہ جس کے ساتھ میرا نکاح ہوا ہے وہ تو میرا بیٹا ہے میں ہرگز رضامند نہیں ہوں۔ اب تک انکار کر رہی ہے۔ آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۰۸۹ عبدالغفور دہلی۔ ۲ رشوال ۱۳۵۶ھ م ۶ ردسمبر ۱۹۳۷ء

(۵۷) **جواب** - اگر واقعات مندرجہ بالا صحیح ہیں تو نکاح نہیں ہوا اور عورت مذکورہ اپنی مرضی کے مطابق دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

(۵۸) **جواب دیگر** - (از الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء) اگر بیوہ بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی حاصل کئے بغیر کر دیا جائے مگر نکاح کی خبر پانے پر وہ رضامندی دیدے تو نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۲۶ء)

زید نے ہندہ بالغہ کا نکاح اس کی رضا مندی کے خلاف ایک مجلس میں کر دیا۔ بعد خبر ہونے کے ہندہ نے اسی وقت اپنا نکاح دوسری مجلس میں کر لیا۔

(۵۹) **جواب**۔ بالغہ کا نکاح بغیر اس کی رضا مندی اور اجازت کے نہیں ہو سکتا۔ ہندہ نے اگر پہلے نکاح کی خبر سنکر فوراً اپنی ناراضگی کا اظہار کر دیا ہو اور بعد میں دوسرا کر لیا تو دوسرا نکاح صحیح ہو گیا۔ فقط

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

عرصہ تقریباً ایک سال کا ہوا کہ ہندہ کا نکاح اس کے والد کی رضا مندی سے ہو گیا تھا۔ حالاں کہ شرعاً لڑکی کو اپنی رائے کا اظہار کرنے میں کوئی مانع نہیں۔ مگر چونکہ ہندوستان میں یہ دستور عام ہو گیا ہے کہ لڑکی کو اس وقت اپنے والدین کی عزت کا خیال کرتے ہوئے مجبوراً خاموشی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ لڑکی کی عمر اس وقت بیس سال کی ہے اور جن صاحب سے نکاح ہوا ان کی عمر پچاس سال ہے۔ لڑکی کے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ ابھی محض نکاح ہی کی رسم ادا ہوئی ہے رخصتی نہیں ہوئی۔ لڑکی سسرال جانے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوتی اور شوہر طلاق دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ حالانکہ لڑکی کے رشتہ دار لڑکی کے شوہر سے کوئی مہر وغیرہ طلب نہیں کرتے۔

(۶۰) **جواب**۔ اگر نکاح کے وقت لڑکی بالغہ تھی اور اس نے نکاح سے نارضا مندی کا اظہار کر دیا تھا اور خاوند کے یہاں گئی بھی نہ ہو اور زفاف نہ ہوا ہو تو یہ نکاح ہی نہیں ہوا۔ لیکن اگر لڑکی نے اذن دے دیا ہو اور زفاف ہو چکا ہو تو اب لڑکی کا انکار مفید نہیں۔ اب علیحدگی کی صورت طلاق یا خلع ہے۔ اگر خاوند طلاق نہیں دیتا تو خلع کی صورت کرنی چاہئے۔ یعنی مہر معاف کرے یا اور بھی کچھ رقم دے کر طلاق لی جائے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

چوتھا باب

ولایت اور خیارِ بلوغ

سوال

ہندہ کو ایک عورت اور اس کے شوہر نے حالتِ یتیمی میں چھ سات برس کی عمر سے بوجہ نہ ہونے ماں باپ کے پرورش کیا۔ جب ہندہ کی عمر بارہ برس کی یا کچھ زیادہ کی ہوگئی تو ایک شخص نے اپنی وکالت سے نکاح کر دیا اور رخصت نہیں کیا۔ اقرار بالغ ہو جانے کا کیا۔ بعد میں اس شخص کے فعل لڑکی کے مصنوعی ماں باپ کو بھی معلوم ہوئے کہ لڑکا چور ہے۔ علاوہ ازیں جو کچھ اس کے متعلق فعل ہیں سب کرتا ہے۔ اب ہندہ بالغ ہوئی ہے اور اس کو وہ نکاح جو کہ مصنوعی ماں باپ نے کیا ہے منظور نہیں ہے۔ آیا وہ نکاح عنداللہ وعندالرسول فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب (از مولوی محمد ابراہیم دہلوی) صورتِ مذکورہ میں ہندہ کو اختیار فسخ نکاح حاصل ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ وہ معاً بلوغ یعنی ایام شروع ہوتے ہی دو گواہوں کے سامنے کہے کہ میں نے اپنے اس نکاح کو فسخ کر دیا۔ پس یہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اور بہتر یہ ہے کہ اس فتوے کو حاکم وقت کے ہاں پیش کر کے تصدیق کرالے تاکہ شوہر کو کوئی فساد کا موقع نہ رہے۔ محمد ابراہیم

(۶۱) **جواب**۔ (از حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ) ھوالموفق۔ سوال سے ظاہر ہے کہ ہندہ کو ایسے شخصوں نے پالا جو اس کے ساتھ کوئی تعلق نسبتی نہیں رکھتے۔ نیز سائل سے معلوم ہوا کہ ہندہ کا کوئی ولی نسبتی موجود نہیں ہے نہ قریب نہ بعید۔ ایسی حالت میں ہندہ کا نکاح یا تو بعد بلوغ خود ہندہ کی اجازت سے یا قاضی شرعی کی اجازت سے صحیح ہو سکتا تھا۔ یہ لوگ جنھوں نے نکاح کیا ہے محض فضولی ہیں اور ہندہ بوقتِ نکاح خود نابالغ تھی اور فضولی کا کیا ہوا نکاح اُس وقت موقوف ہوتا ہے جبکہ کوئی مجیز یعنی کوئی نافذ کرنے والا عقد کے وقت موجود ہو اور صورتِ سوال میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں مجیز عقد یا تو خود ہندہ ہو سکتی تھی (اگر بالغ ہوتی) یا قاضی شرعی۔ لیکن ہندہ نابالغ ہے اور قاضی شرعی ہندوستان میں موجود نہیں۔ لہٰذا یہ نکاح باطل ہے۔ منعقد ہی نہیں ہوا۔ فسخ کرنے کرانے کی ضرورت ہی نہیں۔ وما لا مجیز له ای ما لیس له من یقدر علی الاجازة یبطل کما اذا

کانت تحتہ حرۃ فزوجہ الفضولی امۃ او اخت امرأتہ او خامسۃ او زوجۃ معتدۃ او مجنونۃ او صغیرۃ یتیمۃ فی دار الحرب او اذا لم یکن سلطان ولا قاض لعدم من یقدر علی الامضاء حالۃ العقد فوقع باطلاً۔ انتہیٰ (رد المحتار نقلاً عن الفتح) محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

ایک شخص تھا اس کی ایک لڑکی ہے اور ایک لڑکا۔ لڑکے کی عمر ۲۰ سال کی ہے اور لڑکی کی عمر ۱۷ - ۱۸ برس کی ہے۔ ان دونوں کی شادی ہو چکی ہے۔ پھر اس شخص نے دوسرا نکاح کیا تھا اس سے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑ کر وہ شخص مر گیا۔ اب اس شخص کی بیوی نے دوسرا شوہر کر لیا۔ ان تین لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کی عمر ۱۴ سال کی ہے اور دوسری ۱۱ - ۱۲ سال کی ہے۔ تیسری ۶ - ۷ برس کی ہے۔ چوتھا لڑکا قریب ۳ سال کا ہو کر مر گیا۔ چچا اور بھائی بچوں کا شرابی کبابی ہے۔ اور بچوں کی دادی بھی موجود ہے۔ اب جو لڑکی چودہ برس کی ہے اس کا نکاح سوتیلا باپ یا ماں یا اور کوئی رشتہ دار مثلاً نانی وغیرہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۶۲) **جواب**۔ نابالغوں کے نکاح کی ولایت بھائی کو اس کے بعد چچا کو ہے۔ ان کا شرابی کبابی ہونا مانع ولایت نہیں۔ واقرب الاولیاء الی المرأۃ الابن ثم ابن الابن وان سفل ثم الاب ثم الجد ابو الاب وان علا کذا فی المحیط ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب الخ انتہیٰ مختصراً (ہندیہ) والفسق لا یمنع الولایۃ کذا فی فتاوی قاضی خان (ہندیۃ) پس سوتیلا باپ یا اور کوئی ان نابالغوں کا نکاح نہیں کر سکتا۔ ولو کان الصغیر او الصغیرۃ فی حجر رجل یعولھما کالملتقط ونحوہ فانہ لا یملک تزویجھما کذا فی فتاوی قاضی خان (ہندیۃ)

سوال

باپ فاتر العقل اور مخبوط الحواس ہے۔ اس کی ولایت نکاح کے بارے میں اس کی لڑکی نابالغہ کے متعلق صحیح ہے یا نہیں۔ لڑکی نے بالغ ہو کر اس تعلق سے ناراضمندی ظاہر کی تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ اگر خاموش رہی تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ باپ نے ہوش و حواس میں آنے کے بعد اس عقد

سے اختلاف کیا ہو تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ اگر اختلاف نہ کیا ہو تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ اگر ہوش میں آنے کے بعد تھوڑے عرصے تک کچھ اختلاف نہ کیا ہو اور بعد میں غیر کفو ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اختلاف کیا ہو تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ نکاح فاصلہ بعید پر ہوا اور اس حالت میں کہ لڑکی کو یا اس کی والدہ کو کچھ اطلاع نہیں۔ نکاح کے وقت لڑکی کا چچا موجود تھا جو صحیح المزاج تھا۔

(۶۳) **جواب** - فاتر العقل اور مخبوط الحواس والد کی ولایت نابالغ اولاد کے حق میں صحیح نہیں۔ واذا جن الولی جنونا مطبقا تزول ولایته وان کان یجن ویفیق لا تزول ولایته وتنفذ تصرفاته فی حالة الافاقة کذا فی الذخیرة (ھندیه ص۳۲ ج۱) جبکہ والد کی ولایت صحیح نہیں اور چچا کی ولایت سے نکاح ہوا تو بعد بلوغ فوراً لڑکی کے انکار سے نکاح فسخ ہو جائے گا لیکن حکم حاکم مجاز شرط ہے۔ وان زوجھما غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ ویشترط فیه القضاء انتھی مختصرا (ھندیه ص۳۰ ج۱) اور اگر چپ رہی تو اس کا یہ اختیار باطل ہو جائے گا۔ ویبطل ھذا الخیار فی جانبھا بالسکوت اذا کانت بکرا ولا یمتد الی آخر المجلس حتی لو سکتت کما بلغت وھی بکر بطل الخیار (ھندیه ص۳۴ ج۱) جبکہ باپ کی ولایت صحیح نہیں تو اس کا اختلاف کسی اعتبار سے ہو معتبر نہیں۔ ویبطل ولایة الابعد بمجیئ الاقرب لا ما عقده لانه حصل بولایة تامة کذا فی التبیین (ھندیه ص۳۲ ج۱) اگر نکاح اتنے فاصلے پر ہو کہ وہ مسافت منقطعہ ہو تو نکاح نہیں ہوا۔ وذکر فی البدائع اختلاف المشائخ فیه وذکران الاصح القول بزوالھا وانتقالھا للابعد (ردالمحتار ص۳۴۱ ج۲)

سوال

محمود کی بیوہ کی دو اولادیں ہیں۔ لڑکا باسم بشیر اور لڑکی باسم زہرہ۔ بیوہ محمود نے بلا شرکت خویش واقارب محمود اپنی دختر یعنی زہرہ کا کہ اس کی عمر اس وقت گیارہ سال کی تھی زید بالغ کے ہمراہ نکاح کر دیا۔ اس کے برادر حقیقی یعنی بشیر کی مرضی نہ تھی۔ وہ ناراض ہو کر ریاست جے پور چلا گیا اور تا ہنوز وہیں ہے۔ لڑکی کا عقد کیے ہوئے عرصہ ساڑھے تین سال کا گزرا۔ اور لڑکی یعنی زہرہ اپنی والدہ کے کیے ہوئے نکاح سے ناخوش ہے اور اس شوہر کے ساتھ بسر کرنا نہیں چاہتی۔ اب سن بلوغ کو

پہنچ کر اس نکاح کو جو بحالت نابالغی ہوا تھا فسخ کرنا چاہتی ہے اور نکاحِ ثانی کی خواہش رکھتی ہے۔

(۶۴) **جواب** ۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ زہرہ خود نابالغ تھی اس لئے اس کے نکاح کا اختیار اس کے بھائی بشیر کو تھا اگر وہ بالغ ہو۔ ماں کا کیا ہوا نکاح اسی وقت صحیح ہو سکتا تھا جبکہ زہرہ کا بھائی بشیر اجازت دے دیتا۔ لیکن چونکہ وہ اس نکاح سے ناخوش تھا اور اسی ناراضی کی وجہ سے جے پور چلا گیا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے لہذا یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ زہرہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ وان زوج الصغیر ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضراً وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ (ھندیہ ص۳۰ ج۱) اور اگر بشیر نے بوقت نکاح اجازت دیدی ہوتی یا بعد نکاح رضامندی ظاہر کر دی ہوتی تو نکاح ہو جاتا لیکن پھر بھی زہرہ کو بوقتِ بلوغ اس نکاح کے فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوتا۔ لیکن فسخ کے لئے حکم حاکم مجاز کی ضرورت ہے۔ وان زوجھما غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ (ھندیہ ص۳۰۴ ج۱)

سوال

ہندہ کی شادی ہندہ کی پھوپھی نے بلاموجودگی والد ہندہ بعمر تخمیناً ۱۱ - ۱۲ سال بغیر اجازت والد ہندہ کے کر دی تھی اور وہ شخص جس کے ہمراہ ہندہ کی شادی کر دی تھی عرصہ تخمیناً ۹ - ۱۰ سال سے مفقود الخبر ہے۔ ہر چند اس کی تلاش کی گئی مگر آج تک کوئی نشان نہیں ملا۔ اور ہندہ اب بالغ ہو گئی ہے زمانے کے اعتبار سے ہر وقت خطرہ ہے۔ ہندہ کی شادی دوسری ہو سکتی ہے یا نہیں یا ہندہ اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۶۵) **جواب** ۔ اگر والدِ ہندہ کی موجودگی میں ہندہ کا نکاح اس کی پھوپھی نے کیا تھا اور ہندہ کے والد نے اس کی خبر ہونے پر ناراضی ظاہر کر دی تھی تو نکاح ہی باطل ہو گیا۔ فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ (درمختار) لیکن اگر والد نے اس نکاح پر رضامندی ظاہر کر دی ہو تو نکاح صحیح ہو گیا مگر چونکہ خاوند ۹ - ۱۰ برس سے مفقود الخبر ہے اور ہندہ کو دوسرے نکاح کی حاجت ہے اس لئے موافق فتویٰ متاخرین حنفیہ کے اس کو جائز ہے کہ حاکم مجاز سے خاوند کی موت کا حکم حاصل کر کے عدتِ وفات پوری کرے اور پھر جہاں چاہے نکاح کر لے۔

سوال

مسماۃ مریم کا خاوند فوت ہوگیا۔ اب اس کا خسر چاہتا ہے کہ مریم کا نکاح اپنے دوسرے بیٹے سے کرلوں مگر مریم کا دادا تمام خویش و اقارب اس نکاح سے ناراض ہیں اور چاہتے ہیں کہ مریم کا نکاح ہم اپنی مرضی کے موافق کریں گے۔ سو دریافت طلب یہ امر ہے کہ مریم کا نکاح طرزِ مذکور سے درست ہے یا نہیں اور مریم کا خسر درحالت نابالغیٔ مریم اس پر جبر نکاح کرسکتا ہے؟ نیز درحالتِ بلوغ کیا حکم ہے۔ مریم کو درحالتِ بلوغ اپنے نکاح کا اختیار ہے یا اس کے خسر یا دادا کو؟

(۶۶) **جواب**۔ اگر مریم اب تک نابالغہ ہے تو اس کے نکاح کا اختیار اس کے دادا کو ہے۔ بغیر اجازت دادا کے اس کا نکاح صحیح نہیں۔ جبکہ مریم کا باپ زندہ موجود نہ ہو۔ اگر باپ موجود ہو تو باپ کو اختیار ہے۔ اور اگر مریم بالغہ ہو تو خود اس کی اجازت سے اس کا نکاح جہاں وہ چاہے ہوسکتا ہے۔ بہرحال خسر کو مریم کے نکاح کا کوئی اختیار نہیں۔ والولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ علی ترتیب الارث والحجب الخ (درمختار مختصراً)

سوال

مسماۃ ہندہ کا نکاح بہ حالتِ نابالغی بولایت اس کے والد کے ہمراہ زید نابالغ بولایت اس کے نانا کے ہوا۔ اور بوقت نکاح شرائط ذیل قرار پائیں:۔

(۱) مہر معجل بہ تعداد دو ہزار روپیہ نقد بروقت ادا کیا جائے گا۔

(۲) شہر جے پور میں دکانات مالیتی ڈھائی ہزار روپیہ جن کے کرایہ کو ہندہ علاوہ نان و نفقہ کے دیگر ذاتی مصارف میں لے سکتی ہے خرید کردی جائیں گی۔ زید کو ان کے بیع و رہن کا اختیار نہ ہوگا۔

(۳) ایک مکان قیمتی دو ہزار روپیہ ہندہ و زید کی بود و باش کے واسطے جے پور میں خرید کیا جائیگا۔ یہ بھی مِلک ہندہ کا ہی سمجھا جائے گا۔

(۴) ہم سب لوگ مع اہل و عیال سکونت اجمیر ترک کرکے یہاں جے پور میں رہا کریں گے۔

شرط اول کا ایفاء اس طور سے ہوا کہ بجائے دو ہزار نقد کے زیور جو بوقت نکاح دو ہزار کا بیان کیا گیا تھا بعد کو پندرہ سو کا نکلا۔ امانۃً رکھا جا کر یہ اقرار کیا گیا کہ ایک ماہ کے بعد روپیہ دے کر زیور لے لیا جائے گا جس کا ایفا بوجہ اس کے کہ زیور تعداد مہر سے کم تھا نہیں کیا گیا۔ باقی ہر سہ شرائط کا ایفا بمدت ایک

سال بدین شرط کہ اگر مدتِ معینہ میں شرائط مذکورۂ بالا کا ایفا نہ ہووے تو مسماۃ کو طلاق مطلق اور جو زیورات بعوض مہر رکھا گیا ہے اس سے بھی کچھ دعویٰ نہ ہوگا۔ چنانچہ اس کو دو سال گزر گئے۔ آج تک ولی زید کی جانب سے نہ تو شرائط کا ایفا ہوا اور نہ اس مدت میں ولی زید کی طرف سے کوئی مراسم رشتہ داری ظہور میں آئیں۔ اب ہندہ بالغہ ہے اور والدین کے گھر میں مقیم ہے اور اپنے شوہر کے یہاں جانے سے ناراضگی ظاہر کرتی ہے۔ ایسی صورت میں مسماۃ ہندہ کو بوجہ نہ ہونے ایفائے شرائط طلاق ہوئی یا نہیں اور وقتِ بلوغ ناراضی ظاہر کرنے سے نکاح فسخ ہوگا یا نہیں ؟

(۶۷) **جواب** - زید نابالغ کا نکاح جو اس کے نانا نے کیا ہے اگر نانا سے زیادہ قریب کا ولی کوئی موجود نہ ہو اور نکاح میں جو مہر قرار پایا ہے (یعنی دو ہزار نقد ڈھائی ہزار کی دکانیں دو ہزار کا مکان) اس میں غبن فاحش نہ ہو تو یہ نکاح صحیح ہوا۔ ورنہ اگر کوئی ولی قریب موجود ہو تو اس کی اجازت پر موقوف ہے اور اگر مہر میں غبن فاحش ہو تو نکاح باطل ہے۔ زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته (درمختار) وان کان المزوج غیرهما ای غیر الاب وابیه ولو الام او القاضی او وکیل الاب لا یصح النکاح من غیر کفؤ او بغبن فاحش اصلا (درمختار مختصراً) پھر بہ تقدیر صحت نکاح ہندہ کو چونکہ اس کے والد نے اس کا نکاح کیا ہے فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ فان زوجهما (ای الصغیر والصغیرة) الاب والجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما الخ (ھندیه) اور نہ زید کے نانا وغیرہ کے کہنے سے طلاق پڑ سکتی ہے۔ طلاق کا اختیار خود زوج کو ہے۔ اور بچے کی طلاق قبل از بلوغ نافذ نہیں ہوتی۔ ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل الخ (ھندیه) اسی طرح تعلیق نانا کی طرف سے غیر معتبر ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں بر تقدیر صحتِ نکاح زید کے بالغ ہونے تک طلاق کی کوئی صورت نہیں۔

پہلی تین شرطیں صحیح لازم ہیں۔ اور دوسری تیسری شرط کی رقم بھی منجملہ مہر سمجھی جائے گی۔ چوتھی شرط قضاءً لازم نہیں۔ رہا مطالبۂ ایفائے شرط تو اگر زید کا نانا ضامن بھی ہوا تو اس سے اولیائے ہندہ کو دیانۃً وقضاءً مطالبہ کا حق ہے اور ضامن نہ ہوا ہو تو صرف دیانۃً مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ ولا یطالب الاب بمهر ابنه الصغیر الفقیر اذا زوجه امرأة الا اذا ضمنه علی المعتمد (درمختار مختصراً ص ۳۶۶ ج ۲) بخلاف الوصی فانه یرجع لعدم العادة فی تبرعه فصار کبقیة الاولیاء

غیر الاب (رد المحتار ص ۳۶۷ ج ۲) وانت خبیر بان ھذہ المذکورات تعتبر فی العرف علی وجہ اللزوم علی انھا من جملۃ المھر غیر ان المھر منہ ما یصرح بکونہ مھرا ومنہ ما یسکت عنہ بناء علی انہ معروف لا بد من تسلیمہ بدلیل انہ عند عدم ارادۃ تسلیمہ لا بد من اشتراط نفیہ او تسمیۃ ما یقابلہ کما مر فھو بمنزلۃ المشروط لفظا فلا یصح جعلہ عدۃ وتبرعا (رد المحتار ص ۳۷۹ ج ۲)

سوال

ایک دختر نابالغہ کا جس کا باپ زندہ نہیں ہے اس کے تایا نے بغرض اپنے ذاتی فائدہ کے بلا رضامندی والدۂ نابالغہ و دیگر رشتہ داران کے نکاح کر دیا ہے اور مال نابالغہ اپنے قبضہ میں کیا ہے شرعاً یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں ؟

(۶۸) **جواب**۔ نابالغہ کے نکاح کی ولایت باپ نہ ہو تو چچا تایا کو ہے۔ صورت مسئولہ میں تایا کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے تاوقتیکہ نکاح غبن فاحش یا غیر کفو کے ساتھ ہونا ثابت نہ ہو اس نکاح پر عدم جواز کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

نابالغہ کے مال کی ولایت چچا کو حاصل نہیں ہے۔ پس اگر خاندان کے بڑے اور معتبر لوگ چچا پر اعتماد رکھتے ہوں تو اسے امین بنا دیں اور نہیں تو نابالغہ کا مال کسی دوسرے امین کی تحویل میں دیدیں۔

سوال

عبارت اذا عضل الولی الاقرب تنتقل الولایۃ الی الابعد کے متعلق چند سوال ہیں :۔

(۱) کفو جبکہ مہر مثل پر پیام دے تو کیا ولی اقرب صغیرہ کو اقرار کرنا ضروری ہے۔ اگر نہ کرے گا تو ظلم علی الصغیرہ لازم آئے گا اور عاضل قرار پائے گا اور کیا مطلق امتناع صورت مذکورہ میں عضل ہے؟ شامی و درمختار سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب کفو اور مہر مثل کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور ظلم علی الصغیرہ لازم آتا ہو اس وقت امتناع عضل ہوگا۔ پس اگر کفو اور مہر مثل فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور اچھے حسب منشا پیام کا منتظر ہو اور اس وجہ سے انکار کرے جیسا کہ مروج ہے تو کیا عضل ہوگا؟

(۲) کفو صغیرہ نے ولی اقرب کو پیام دیا اور مہر کا کچھ تذکرہ نہیں کیا (کیونکہ دستور ہے کہ مہر

اقرار کرنے کے بعد قرار پاتا ہے۔ اول ہی پیام کے ساتھ ذکر نہیں کرتے) ولی اقرب نے انکار کر دیا تو کیا یہ عضل ہوگا؟ ذکر مہر عضل کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) عضل میں امتناع ولی کا صراحۃً ہونا چاہئے یا اگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ یہ بھی انکار کرے گا اور وہ بھی تو ایسی صورت میں ولی ابعد کو ان کے بغیر کہے سنے حق تزویج حاصل ہوگا یا نہیں؟

(۴) عضل کی صورتوں میں ولایت قاضی کی طرف منتقل ہوگی یا دیگر اولیا کی طرف؟ مفتی بہ کیا ہے؟ اور یہاں چونکہ قاضی نہیں ہے تو دیگر اولیا کی طرف ولایت منتقل ہوگی یا نہیں؟ اور اگر منتقل ہوگی تو علی الترتیب منتقل ہوگی کہ اول جس کو حق حاصل ہے جب وہ عاضل ہو تو اس کے بعد کے ولی کی طرف منتقل اور اگر یہ بھی عاضل ہو تو اس کے بعد کے ولی کی طرف منتقل۔ علی ہٰذا ثم وثم۔ یا درمیانی اولیا کی طرف علی السواء منتقل ہوگی بلا لحاظ تقدم و تاخر ہر ایک کو ولایت حاصل ہوگی۔ یا صرف آخر درجہ کا جو ولی ہے اس کی طرف؟

(۵) ولی اقرب صغیرہ میں اور ولی ابعد میں (جس کی تربیت میں صغیرہ ہے) یا خود صغیرہ اور ولی اقرب میں میل جول نہ ہو یا مال وغیرہ کی وجہ سے آپس میں مخالفت و منازعت ہو تو کیا اس صورت میں بھی ولایت منتقل ہوگی؟ بینوا توجروا

(۶۹) **جواب**۔ (۱) جبکہ خاطب کفو ہو اور مہر مثل پر راضی ہو تو اقرار بالنکاح ولی صغیرہ پر لازم ہے۔ نصوص فقہیہ سے یہی ثابت ہوتا ہے اور فوت کفو سے مراد کفو خاطب حاضر کا فوت ہونا ہے۔ محض اسی برادری کے لوگوں کے موجود ہونے سے کام نہیں کیونکہ ایسی صورت تو نادر الوقوع ہے۔ جس میں ذات و برادری کے لوگ بھی موجود نہ ہوں۔ پھر اگر صرف ان کا موجود ہونا کافی ہوتا تو فقہا اس کی تصریح کر دیتے۔ لیکن عبارات فقہیہ سے اس کے خلاف کی تصریح مفہوم ہوتی ہے۔ غیبت منقطعہ کے مسئلے میں فوت کفو سے یہی مراد لی گئی ہے۔ اور ابعد کو کفو حاضر خاطب کے فوت ہو جانے کی صورت میں بوجہ اقرب کے غیبت منقطعہ پر غائب ہونے کے اجازت نکاح دیدی ہے۔ شامی میں مسئلہ غیبت میں کہا ہے۔ قال فی الذخیرۃ الاصح انہ اذا کان فی موضع لو انتظر حضورہ او استطلاع رایہ فات الکفو الذی حضر فالغیبۃ منقطع۔ الخ۔ وقال بعد ذٰلک۔ لکن فیہ ان الثانی اعتبر فوات الکفو الذی حضر۔ الخ۔ اور مسئلہ عضل میں بھی شامی نے بحر سے

نقل کیا ہے۔ ‘‘اذا امتنع عن تزویجہا من ھذا الخاطب الکفو یزوجہا من کفو غیرہ استظہر فی البحر انہ یکون عاضلا قال ولم ارہ وتبعہ المقدسی والشرنبلالی الی قولہ قلت وفیہ نظر لانہ متی حضر الکفو الخاطب لا ینتظر غیرہ خوفا من فوتہ ولذا تنتقل الولایۃ الی الابعد عند غیبۃ الاقرب کما مر۔ ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ کفو حاضر خاطب کا فوت ہونا ہی موجب عضل ہے۔ ہاں اگر دو خاطب ہوں اور دونوں کفو ہوں تو اول سے انکار کر دینا موجبِ عضل نہیں کیونکہ دوسرا موجود ہے۔ جیسا کہ شامی نے خود تصریح کر دی ہے۔

(۲) جبکہ کفو نے پیام دیا تو انکار کی کوئی وجہ نہیں اس لئے لازم ہے کہ اس سے مہر مثل طے کر لیا جائے۔ اگر وہ مہر مثل پر راضی ہو جائے تو ظاہر ہے کہ مقصود حاصل ہے اور انکار کی کوئی صورت نہیں رہی۔ اور اگر وہ مہر مثل پر راضی نہ ہو تو اب انکار کی ایک صورت پیدا ہو گئی اس وقت انکار کر دینا جائز ہے۔

(۳) جب تک کہ اقرب کا عضل متحقق نہ ہو ابعد کو کوئی اختیارِ تزویج حاصل نہ ہوگا۔ اور تحقق عضل انکار صریح یا اتنی دیر لگانے سے ثابت ہوگا جس میں خوف فوتِ کفو پیدا ہو جائے۔

(۴) عضل اقرب کی صورت میں قاضی کی طرف ولایت منتقل ہو گی یا اولیائے نسب کی طرف۔ اس میں روایات فقہیہ مختلف ہیں۔ شامی کے اندازِ کلام سے انتقال ولایت الی القاضی کی ترجیح معلوم ہوتی ہے اور درمختار نے اولیائے نسب کی طرف منتقل ہونا بیان کیا ہے اور اسے شرح وہبانیہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن آج کل چونکہ قاضی شرعی نہیں ہے اس لئے اگر قاضی کی طرف منتقل ہونے کا فتویٰ دیا جائے تو دفع ظلم عن الصغیرہ کی کوئی صورت نہیں۔ لہٰذا میرے نزدیک اولیائے نسبی کی طرف ولایت کے منتقل ہونے کی روایت ہی قابل فتویٰ ہے اور انتقال اسی ترتیب سے ہوگا۔ جس ترتیب سے ان کی ولایت ہے جیسا کہ مسئلہ غیبت میں مصرح ہے۔

(۵) محض میل جول کا نہ ہونا انتقالِ ولایت کو مستلزم نہیں۔ ہاں اگر ولی اقرب سوء اختیار کے ساتھ معروف ہو یا صغیرہ کے حق میں اس کی عداوت یا بے پروائی یا اس کے فسق کی وجہ سے صغیرہ کی حق تلفی کا اندیشہ ہو تو ان صورتوں میں ولایت منتقل ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

سوال

ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے دادا نے کردیا تھا کچھ دن گزر گئے۔ اب لڑکی کا باپ اس لڑکی کے نکاح کو رد کرتا ہے۔ آیا یہ رد کرنے کا اختیار اسے حاصل ہے یا نہیں ؟

(۸) **جواب**۔ دادا ولی ابعد ہے باپ ولی اقرب ہے۔ باپ کے ہوتے ہوئے دادا نے اگر نکاح کیا تھا تو وہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف تھا۔ فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ (درمختار) باپ کا سکوت قائم مقام اجازت کے نہیں ہے۔ بلکہ اجازت صراحۃً یا دلالۃً ہونی چاہئے۔ فلا یکون سکوتہ اجازۃً لنکاح الابعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد مالم یرض صریحا او دلالۃ (ردالمحتار) دلالت رضا میں طلب مہر طلب نفقہ وغیرہ داخل ہیں۔ ایسے ہدایا جو خاص طور پر بعد عقد بھیجے جاتے ہوں بھیجنا یا قبول کرنا دلالت رضا میں داخل ہوگا۔ واللہ اعلم

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مہر مسجد دہلی

الجواب صواب۔ بندہ محمد قاسم عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔

〃 〃 بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی مہر دارالافتا

سوال

مسماۃ جنت کا نکاح بعمر ۱۲ سال بقیام ہوش و حواس اس کے باپ یوسف نے برضا و رغبت عزیز محمد صدیق کے ساتھ بعوض مہر شرعی ۵۰ ہ کردیا تھا۔ بارہ سال سے بیس اکیس تک مسماۃ مذکورہ نے صدیق کے نکاح سے کبھی نفرت و کراہت وغیرہ ظاہر نہیں کی۔ اور نہ اس کے باپ یوسف نے مسماۃ مذکورہ کو عزیز محمد صدیق کے ساتھ رخصت کرنے سے انکار کیا۔ عزیز محمد صدیق ایک دفعہ اپنی منکوحہ جنت کو یوسف کے پاس لینے کے لئے گیا تو یوسف نے کہا کہ جنت ابھی مولوی عبداللہ کے پاس قرآن پڑھ رہی ہے۔ جب قرآن مجید پڑھ کے فارغ ہوگی تب تمہارے ہمراہ روانہ کروں گا۔ پھر کالا جو محمد صدیق کا باپ ہے یوسف کے پاس گیا تب یوسف نے کہا کہ میں نے تو جنت کا نکاح مولوی عبداللہ کے ساتھ کردیا ہے جس نے اس کو قرآن پڑھایا ہے۔ اور مولوی عبداللہ نے کہا کہ جنت کا نکاح میرے ساتھ بلا طلاق جائز و درست ہے۔ کیونکہ جنت نے پہلے نکاح سے انکار کردیا ہے لہٰذا شرعاً نکاح سابق فسخ ہوگیا۔ لہٰذا مندرجۂ ذیل امور کا جواب مطلوب ہے :۔

(۱) کیا نکاح ثانی شرعاً بلا طلاق درست ہے یا نہیں؟ (۲) کیا مدّتِ مذکورہ کے بعد لڑکی کو خیار فسخ حاصل ہے۔ (۳) کیا مولوی عبداللہ کا کہنا کہ جنّت کا نکاح میرے ساتھ بلا طلاق درست ہے، صحیح ہے یا نہیں؟ (۴) کیا جنّت بلا طلاق دوسرے کے لئے حلال ہو سکتی ہے؟ (۵) کیا مولوی مذکور نکاح پر نکاح کرنے سے شرعاً مسلمان رہا یا کافر ہو گیا؟ (۶) خیار فسخ زوجہ کو ہے یا زوج کو؟ (۷) مولوی مذکور کی اعانت و امداد کرنے اور جھوٹے مقدمات میں روپیہ پیسہ خرچ کرنے اور اس نکاحِ ثانی میں شہادت وغیرہ دینے والے کیسے ہیں؟ (۸) مولوی عبداللہ کے ساتھ میل جول کرنا مسلمانوں کو اور قوم اڈان کو جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی ۱۹ کالا ولد کریم بخش قصبہ فاضلکا ضلع فیروز پور

۹ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ۲ اگست ۱۹۳۳ء

(۷) **جواب** - (۱) پہلا نکاح جو لڑکی کے باپ نے لڑکی کی بارہ سال کی عمر میں کیا تھا صحیح و درست ہو چکا ہے۔ اب اس لڑکی کا دوسرا نکاح بغیر اس کے کہ پہلا شوہر طلاق دے جائز نہیں ہو سکتا کیونکہ منکوحۃ الغیر کا نکاح اتفاقاً باطل ہے اور آیۂ والمحصنٰت من النساء کے خلاف ہے۔ (۲) جبکہ نکاح لڑکی کے باپ نے کیا ہے تو لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں تھا۔ اور جبکہ اس نے بائیس سال کی عمر تک نکاح سے نہ انکار کیا نہ ناراضی ظاہر کی تو اب تو اختیارِ فسخ کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہا۔ (۳) مولوی عبداللہ کا یہ قول باطل ہے جس کے لئے کتاب و سنّت و اقوالِ ائمہ میں کوئی دلیل نہیں۔ (۴) جنّت بغیر طلاق یا خلع دوسرے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ (۵) تکفیر کرنی تو مشکل ہے۔ البتہ وہ اس فعل کی وجہ سے سخت گناہگار اور فاسق ہے۔ (۶) جن صورتوں میں کہ نابالغوں کو خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے اُن میں زوجہ اور زوج کی تفریق نہیں ہے دونوں کو ہو سکتا ہے۔ لیکن جب صغیر یا صغیرہ کے باپ نے نکاح کیا ہو تو اس صغیر یا صغیرہ کو خیار فسخ نہیں ہوتا اور جب بلوغ کے بعد فوراً انکار نہ کرے تو خیار باطل ہو جاتا ہے۔ اور بہر صورت خیار بلوغ میں نکاح صرف بالغ ہونے والے کے انکار سے فسخ نہیں ہو جاتا بلکہ قضائے قاضی سے ہوتا ہے۔ (۷) شخص مذکور کے معاونین بھی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کی خلاف ورزی کرنے والے اور ظالم و فاسق ہیں۔ (۸) ایسے لوگ جب تک تائب نہ ہوں اور اپنے افعال کی احکام شرعیہ کے مطابق اصلاح نہ کرلیں مسلمانوں کو جائز ہے کہ ان سے تعلقاتِ اسلامیہ ترک کر دیں۔ اسی طرح ان کے معاونین سے بھی۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح ایسی صورت میں جبکہ اس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا اس کے بھائی نے کر دیا اور رخصت کی نوبت اب تک نہ آئی۔ اور اس نے بوقت بلوغ اپنے گھر کے چند اعزا کے سامنے اس نکاح سے نارضامندی ظاہر کر دی اور اس نارضامندی کی اطلاع بذریعہ خط اس کے خاوند اور گھر والوں کو کر دی گئی۔ لڑکی باوجود سمجھانے کے اس نکاح پر رضامند نہیں اور موت کو اس کے مقابلے پر ترجیح دیتی ہے۔ صورت مذکورہ میں اس کا نکاح قائم رہا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۰ محمد نور الحق صاحب۔ ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۲) **جواب**۔ نابالغہ کا نکاح جبکہ باپ یا دادا کے سوا اور کسی ولی نے کر دیا ہو تو نابالغہ کو اس کا حق ہوتا ہے کہ وہ بالغ ہوتے ہی اس نکاح سے ناراضی ظاہر کر دے اور اس کو قبول کرنے سے انکار کر دے اور جبکہ وہ ایسا کر لے تو اس کے بعد کسی مسلمان حاکم عدالت یا ثالث مسلّم فریقین سے حکم فسخ حاصل کر سکے گی۔ اور بعد حکم فسخ (جبکہ رخصتی اور خلوت نہیں ہوئی ہے تو بغیر انتظار مدت عدت) دوسرا نکاح کرنا جائز ہوگا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید نے اپنی لڑکی ہندہ عمرو کو بخش دی۔ زید نے عمرو سے کہا کہ میری لڑکی تمہارے لڑکے کے لئے ہے۔ اور عمرو کا اس وقت ایک لڑکا بکر تھا۔ اتفاق سے چند سال بعد وہ رحلت کر چکا تھا اور عمرو کا دوسرا لڑکا پیدا ہوا تھا۔ تو عمرو کہتا ہے کہ لڑکی میرے تصرف (یعنی اختیار) میں ہے کیونکہ مجھ کو بخش دی گئی ہے اور زید کہتا ہے کہ نہیں بلکہ میرے اختیار میں ہے۔ منشا اختلاف کا یہ ہے کہ عمرو اپنے دوسرے لڑکے کو لڑکی دینا چاہتا ہے۔ المستفتی نمبر ۴۹ محمد اسلام خاں ضلع پشاور۔ ۱۸ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۳) **جواب**۔ زید کی لڑکی زید کے اختیار میں ہے اور وہ اپنی مرضی سے یا وہ لڑکی اگر بالغہ ہو تو لڑکی کی مرضی سے جہاں چاہے اس کا نکاح کر سکتا ہے۔ عمرو کا یہ دعویٰ کہ لڑکی میرے تصرف میں ہے غلط ہے۔

محمد کفایت اللہ

سوال

ولی کس کو کہتے ہیں اس کی تشریح فرمائی جائے۔

المستفتی ۵۲ شیخ بھائی جی (علاقہ خاندیس) ۱۹ رجمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۰ راکتوبر ۱۹۳۳ء

(۴) **جواب** ۔ ولی ہر اس عصبہ کو کہتے ہیں جو نابالغوں کی تربیت اور ان کی طرف سے ان کا کام انجام دینے کا حق رکھتا ہے مگر مال میں تصرف کرنا صرف نابالغ کے باپ یا دادا یا ان کے وصیوں کو جائز ہے۔ باقی اولیاء کو جائز نہیں۔ صرف باپ نابالغ کی جائداد فروخت کر سکتا ہے جبکہ نابالغ کو اس کی ضرورت ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۵) **جواب دیگر** ۔ نابالغ بچوں کے مال کی حفاظت اور ان بچوں پر اس کا خرچ کرنا باپ کا حق ہے۔ کیونکہ مال کی ولایت نانا، نانی کو نہیں پہنچتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید متوفی نے بعد وفات تین بی بیوں کی اولاد چھوڑی۔ دو بیٹیاں حمیدہ وآمنہ سے دو لڑکے اور ایک میمونہ سے تین لڑکیاں حمیدہ وصابرہ ورقیہ چھوڑیں۔ مگر دونوں لڑکوں مسمیان عبداللہ وحامد کو بہ سبب بدچلنی اپنی حیات میں ہی عاق کر دیا اور بالکل تعلقات سے علیحدہ کر دیا۔ اور اپنی وفات کے وقت تینوں لڑکیوں حمیدہ وصابرہ ورقیہ کو بحالت نابالغی ان کی والدہ رقیہ اور نانا عبدالرحمن اور ماموں عبدالرشید کے سپرد کیں۔ مگر عبداللہ وحامد باوجود عاق ہونے کے اپنی تینوں نابالغ بہنوں پر جبریہ قبضہ اور تولیت کے طالب ہیں تو کیا شرعاً عبداللہ وحامد کو بعد عاق ہونے کے بھی جبر کا حق پہنچتا ہے اور ان کا نکاح عبداللہ وحامد اپنے جبر واکراہ سے اپنی تولیت سے کر دیں تو یہ نکاح شرعاً جائز و نافذ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ المستفتی ۶۸ نعمت علی سہارنپور ۲۵ رجمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۶ راکتوبر ۱۹۳۳ء

(۶) **جواب** ۔ لڑکیاں اپنی ماں رقیہ کی حضانت و پرورش میں رہیں گی۔ بلوغ تک ماں ان کو اپنے پاس رکھ سکتی ہے۔ (بشرطیکہ رقیہ نے کسی ایسے شخص سے جو لڑکیوں کا غیر ذی رحم محرم ہو نکاح نہ کر لیا ہو) نکاح کی ولایت بھائیوں کو حاصل ہے۔ عاق کرنا شرعاً غیر معتبر ہے اور اس سے ان کی ولایت ساقط نہیں ہوتی۔ اگر وہ لڑکیوں کی نابالغی کی حالت میں ان کا نکاح کر دیں گے تو نکاح ہو جائے گا مگر لڑکیوں کو بالغ ہونے کے وقت اس نکاح کو باقی رکھنے یا فسخ کرانے کا حق ہوگا۔ اور جب لڑکیاں بالغ ہو جائیں گی،

تو پھر لڑکیوں کی اجازت و رضامندی کے بغیر نکاح درست نہ ہوگا۔ فقط محمد کفایت اللہ

سوال

زید کا نکاح ہوا آٹھ برس کی عمر میں اور اس کی زوجہ کی عمر تین برس کی تھی۔ عمر کم ہونے کی وجہ سے زبان توتلی تھی۔ اس وجہ سے قبول کراتے وقت سمجھ میں نہ آتا تھا۔ لیکن قبول کر رہا تھا۔ اس کے بعد زید کے اخیافی بھائی کو قبول کرایا گیا۔ اس کے بعد زید کی والدہ نے جو اس کی ولیہ ہے اخیافی بھائی کے قبول کرنے کو سُنا تو اس نے اس کو نامنظور نہیں کیا بلکہ راضی رہی۔ زید کا خسر کہتا ہے کہ نکاح دُرست نہیں ہوا۔ مگر اس کے باوجود نابالغی کی حالت میں دو مرتبہ لڑکی کو رخصت بھی کیا یعنی شوہر کے ہاں بھیجا۔ اور جہیز وغیرہ بھی دیا۔ بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۸۷ عبدالمجید مالیگاؤں ۵ رجب ۱۳۵۲ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۷) **جواب** - نابالغوں کا ایجاب و قبول معتبر نہیں۔ بلکہ ان کے ولی کا کام ہے کہ وہ ایجاب و قبول کریں۔ اس نکاح میں اگر نابالغوں کے جائز ولی نے ایجاب و قبول کیا تھا تو نکاح صحیح ہوا ورنہ نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

(۸) **جواب مکرر**[۱۰۳] — لڑکی کے باپ کا یہ کہنا کہ نکاح صحیح نہیں ہوا جبکہ خود اُس نے ایجاب کیا تھا قابلِ سماعت نہیں ہے۔ جہیز وغیرہ دے کر رخصت کیا۔ داماد کو بُلایا دعوت کی تو اب .... صحت نکاح کا انکار غیر معتبر ہے۔ اور لڑکے کی طرف سے قبول اخیافی بھائی نے کیا مگر ماں نے جو ولیہ تھی اس کو زبانی یا عملی طور پر منظور کیا تو نکاح صحیح ہوا۔ اور اب نکاح کے عدم جواز کا عذر ادھر سے بھی نہیں اُٹھایا جاسکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ہندہ کا نکاح بحالت نابالغی زید کے ساتھ ہوا۔ زید کی عمر تقریباً اسّی سال اور ہندہ کی تقریباً اٹھارہ یا بیس سال ہے۔ بحالت بلوغت ہندہ نے قبل از جانے خاوند خود کے انکار کر دیا کہ میرا نکاح جو زید سے ہوا ہے میں اس کو قبول نہیں کرتی۔ المستفتی نمبر ۱۰۲ مولوی حکیم عبدالرزاق صاحب ضلع جالندھر

۲۱ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۱ نومبر ۱۹۳۳ء

(۹) **جواب** - ہندہ کی نابالغی میں اس کا نکاح اگر ہندہ کے باپ یا دادا نے کیا تھا تو ہندہ کو خیار بلوغ نہیں ہے۔ اور اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور نے کیا تھا تو ہندہ کو خیار بلوغ حاصل تھا اور اگر اس نے

بالغ ہوتے ہی انکار کر دیا تھا تو بذریعہ عدالت اس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ایک لڑکی نابالغہ جس کی حقیقی ماں لڑکی کا عقد کرنا چاہتی ہے۔ لڑکی کا کفیل بجز ماں کے باپ یا چچا یا بھائی کوئی نہیں ہے۔ نہ کوئی موجود ہے۔ نابالغہ کی ماں غیر کفو میں نکاح کرنا چاہتی ہے۔ لڑکی کا باپ ہے لیکن عرصہ چار پانچ سال سے اپنی عورت سے ترکِ تعلق کر دیا ہے اور نہ کسی قسم کی کفالت اپنی لڑکی یا عورت کی کرتا ہے۔ لڑکی کی پرورش و ہر قسم کی کفالت ماں کرتی ہے۔ باپ، لڑکی اور لڑکی کی ماں دونوں سے بے خبر ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰۱ قاضی عبدالعزیز صاحب ریاست دتیا

۲۶ شوال ۱۳۵۲ھ ۱۱ فروری ۱۹۳۴ء

(۸۰) **جواب** - جبکہ لڑکی کا باپ موجود ہے اگرچہ وہ لڑکی کا کفیل نہ ہو تاہم لڑکی کے نکاح کی کفالت اور ولایت کا حق اسی کو ہے۔ نابالغہ لڑکی کے نکاح کا حق باپ کی اجازت کے بغیر کسی کو نہیں ہے۔ ماں نابالغہ کا نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر غیر کفو میں نابالغہ کا نکاح ماں کر دے گی تو نکاح درست نہ ہوگا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ایک شخص نے اپنی دختر نابالغہ بعمرہ سال کا نکاح ایک شخص سے بہ تبادلہ نکاح خود کر دیا۔ اور مبلغ دو سو روپے بصورت نقد و زیور بھی ادا کیا۔ بعدہ ابھی اپنی شادی نہ کی تھی کہ وہ خود (والد دختر نابالغہ) فوت ہو گیا۔ اب اس کی دختر (جو اس وقت بالغ ہو چکی ہے) کا ناکح بہت بری عادتیں اختیار کر چکا ہے۔ در بدر دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ اپنے خرچ خوراک کے لائق بھی نہیں منکوحہ کے اخراجات کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔ نیز اس کی منکوحہ اس پر رضامند نہیں۔ اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ المستفتی نمبر ۲۵۴ حاجی احمد بخش صاحب ریاست بہاولپور

۱۷ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۲ اپریل ۱۹۳۴ء

(۸۱) **جواب** - اگر لڑکی کے والد نے اپنی لڑکی کے نکاح میں یہ شرط کی تھی کہ اس کے بدلے میں اس کو عورت دی جائے تو لڑکی کا نکاح کرنے میں اس کی اپنی غرضِ نفسانی شامل ہو گئی اور اس کی ولایتِ مطلقہ میں نقصان آگیا اور لڑکی کو اپنے خاوند سے اپنے نکاح کو فسخ کرا لینے کا حق ہو گیا۔ لڑکی

بذریعہ عدالت مجاز اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ فقط　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

نابالغ کے ولی کو طلاق دینے کا اختیار ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۷۲ منشی عبد اللطیف (ضلع جسر بنگال) ۲۰ محرم ۱۳۵۳ھ م ۵ مئی ۱۹۳۴ء

(۸۱) **جواب**۔ حنفیہ کے نزدیک نابالغ کے ولی کو یہ حق و اختیار نہیں کہ نابالغ کی منکوحہ کو طلاق دیدے۔

محمد کفایت اللہ

سوال

ایک شخص اپنا ایک لڑکا اور دو لڑکیاں نابالغ چھوڑ کر انتقال کر گیا اور ان بچوں کی پرورش بیوہ متوفی کرتی رہی اور بسلسلہ پرورش طفلان مذکورہ بیوہ متوفی نے عقد ثانی کرلیا اور اسی مکان میں رہ کر بچوں کی پرورش کرتی رہی۔ اب ایک بچی ۱۳ سالہ اور دوسری ۱۱ سالہ ہے۔ ان کی شادی حقیقی والدہ کر سکتی ہے یا نہیں اور تیسری پیڑھی کے بھائی متوفی منع کرنے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۷۹ کالے خاں فیض محمد خاں (ڈونگر پور۔ راجپوتانہ) ۲۷ محرم ۱۳۵۳ھ ۱۲ مئی ۱۹۳۴ء

(۸۲) **جواب**۔ والدہ کو پرورش کرنے کا حق تھا اور اس نے اپنے حق کے بموجب پرورش کی لیکن نابالغ لڑکیوں کے نکاح کر دینے کا حق والدہ کو نہیں ہے جبکہ کوئی ولی عصبہ موجود ہو۔ تیسری پیڑھی کا اگر کوئی ولی عصبہ موجود ہے تو وہ منع کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ہاں لڑکیاں جب بالغ ہو جائیں تو لڑکیوں کی اپنی اجازت اور رضامندی سے ان کا نکاح ہو سکے گا۔ فقط　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک لڑکی کا سات برس کی عمر میں نکاح ہوا اور وہ اپنی سسرال میں وداع ہو کر گئی اور قریب ایک برس زبردستی ماں کے ہاں رہی۔ پھر اس کے خسر صاحب آکر لے گئے اور لڑکی جانے کے لئے بالکل راضی نہ ہوئی۔ یہ لوگ زبردستی لے گئے اور یہ نابالغہ تھی۔ پھر وہاں برس دن رہی۔ پھر ماں بلاکر کے لے آئی۔ اب وہ جانے کو راضی نہیں ہے اور کہتی ہے کہ میں اس لڑکے سے راضی نہیں اور میں اس نکاح کو قبول نہیں کرتی۔ اب اس کی عمر چودہ برس کی ہے۔　　المستفتی نمبر ۳۱۹ ایچ۔ اے۔ بیاں (ناٹال افریقہ)

۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۱۸ جون ۱۹۳۴ء

جواب (از مولوی حبیب المرسلین صاحب نائب مفتی) اگر اس لڑکی کا نکاح نابالغی کے زمانے میں باپ یا دادا نے پڑھایا تھا تو یہ لڑکی اپنی نارضگی کی وجہ سے اس نکاح کو فسخ نہیں کرا سکے گی اور اگر ماسوا باپ یا دادا کے اور کسی ولی ماں وغیرہ نے اس لڑکی کا نکاح پڑھا دیا تھا تو یہ لڑکی اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ حاکم مسلمان کی عدالت سے بشرطیکہ بلوغ کے پہلے ہی جلسے میں اپنی نارضگی کا اظہار کردیگی۔ اور اس نارضگی پر دو گواہ بھی مقرر کرلے گی۔ اور بعد فسخ کرا لینے نکاح کے اگر خلوتِ صحیحہ شوہر کی نہیں پائی گئی تو بغیر انقضائے عدت کے یہ لڑکی خود دوسرا نکاح کرسکے گی اور خلوتِ صحیحہ پایا جانے کی صورت میں بعد انقضائے عدت کے دوسرا نکاح کرسکے گی۔ فقط واللہ اعلم

حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(۸۴) **جواب** - (از حضرت مفتی اعظمؒ) اگر اس لڑکی کا نکاح اس کے باپ دادا کے سوا کسی اور ولی نے کیا تھا تو اس لڑکی کو حق تھا کہ بالغہ ہونے پر نکاح سے ناراضی ظاہر کرکے بذریعہ عدالت کے اپنا نکاح فسخ کرالے۔ مگر شرط یہ تھی کہ بالغہ ہونے کے وقت فوراً ناراضی ظاہر کرے۔ ایک منٹ کا توقف نہ کرے اور اگر نکاح اس کے باپ یا دادا نے کیا تو اسے یہ حق حاصل نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک لڑکی بالغہ باکرہ عمر بیس سال اپنی والدہ کے ساتھ والدہ کے میکے میں والد کے وطن سے دور چند سال سے رہتی ہے۔ لڑکی اپنے ماموں کے لڑکے سے نکاح ہونے کے لئے قبول و خواہش رکھتی ہے۔ لڑکا بھی قبول ہے۔ یوں کئی سال سے اقرار ہوچکا ہے۔ لڑکے کے والدین اور لڑکی کی والدہ بھی راضی ہیں۔ لڑکی کا ماموں اور اس کا لڑکا وغیرہ لڑکی کا والد جس گاؤں میں رہتا ہے وہیں ان کی زمین و تجارت ہے اور یہ سب وہیں رہتے ہیں۔ لڑکی کے باپ میں اور ماموں میں نااتفاقی ہے اور لڑکی کا باپ اس رشتے سے ناراض ہے۔ لڑکی کا باپ اپنے وطن کے دوسرے شخص سے بیاہ کردینے کے لئے اس شخص کو اور اس کے باپ بھائی اقربا اور دوستوں کو لڑکی جس وطن میں رہتی ہے وہاں بلاتا ہے اور ان سب کو دوسرے مکان پر ٹھہراتا ہے اور خود بھی انہیں کے ہمراہ رہتا ہے۔ ان حالات سے لڑکی اطلاع پاکر مجسٹریٹ کی عدالت میں عرضی گزارتی ہے اور باپ کی مداخلت سے بچنے کے لئے لڑکی کے مکان پر پولیس کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اس بستی میں

ایک دوسرے شہر کا قاضی کچھ اپنے کام کو گیا ہوا تھا۔ لڑکی کا باپ اس کو بلالایا اور کہا کہ میں شافعی المذہب ہوں۔ میری لڑکی کا نکاح فلاں شخص سے پڑھ دو۔ قاضی نے پوچھا تمہاری لڑکی کی عمر کیا ہے اور کونسا مذہب رکھتی ہے۔ باپ نے کہا کہ عمر تخمیناً بیس پچیس سال بالغہ باکرہ ہے۔ قاضی نے کہا کہ اس کے اذنِ قبولیت کی ضرورت ہے۔ لڑکی کے والد نے کہا کہ میں ولی ہوں۔ میرے مذہب میں مجھ کو جبر کا حق ہے۔ میری لڑکی کا مذہب کچھ بھی ہو اس کے اذن قبولی کی ضرورت نہیں۔ قاضی نے کہا کہ یہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ مگر وہ نہ مانا۔ بمجبوری قاضی نے قبول کر نکاح پڑھا دیا۔ قاضی بھی شافعی المذہب ہے۔ آیا یہ نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۳۳۵ بستی علی بن آدم (شمالی کنڑا) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۴ء

(۸۵) **جواب** - حنفیہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔ کیونکہ بالغہ باکرہ پر ولایت اجبار باپ کو حاصل نہیں۔ حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے:۔ لاتنکح الثیب حتی تستامر ولا البکر الا باذنها۔ (ابو داؤد) تستامر الیتیمة فی نفسها فان سکتت فهو اذنها وان ابت فلاجواز علیها (ابو داؤد) ان جارية بكرا اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباها زوجها وهی کارهة فخیرها النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر لڑکی کا مذہب حنفی ہو تو باپ اس پر اپنے مذہب کے لحاظ سے جبر نہیں کرسکتا۔ ہاں شوافع کے نزدیک ولایت اجبار بالغہ باکرہ پر باپ کو حاصل ہوتی ہے اور اگر لڑکی بھی شافعی مذہب رکھتی ہو تو صحتِ نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

محمد اسحق و احمد حسین حقیقی بھائی ایک ماں سے اور مبارک حسین ایک ماں سے یہ تین شخص تھے۔ احمد حسین کی لڑکی مسماۃ زہرہ کا نکاح بحالتِ نابالغی مبارک حسین کے لڑکے مسمی سعادت علی کے ساتھ باجازت بھائی حقیقی مسمی محمد حنیف سے ہوا۔ اس نکاح کے بعد ایک مولوی صاحب نے یہ کہا کہ مسماۃ زہرہ کا نکاح اس کے حقیقی چچا محمد اسحق کے ہوتے ہوئے بھائی کی اجازت سے نہیں ہو سکتا۔ مولوی صاحب کے اس فتوے پر لڑکی کی ماں اور اس کے بھائی کو شبہ پیدا ہو گیا اور معاملہ تردد میں پڑا رہا۔ نکاح کے تین چار سال قبل ہی مسماۃ زہرہ کا باپ مسمی احمد حسین بحالتِ ملازمت فوج انتقال کر چکا تھا۔ انتقال کے بعد گورنمنٹ نے فوجی ملازمت کے صلے میں بطور مدگزارہ احمد حسین کی بیوہ مسماۃ افروزا اور اس کی لڑکی مسماۃ زہرہ اور اس کے لڑکے محمد حنیف کے لئے پنشن مقرر کر دی تھی۔ ایک عرصہ

تک یہ پنشن گورنمنٹ سے ان وارثوں کو ملتی رہی۔ زہرہ کے نکاح کے کچھ روز کے بعد مسماۃ افروز بیوہ احمد حسین نے ایک غلط درخواست بہ شامالات عبدالوہاب و باقر حسین جو مسماۃ زہرہ کے شوہر کے حقیقی بھائی تھے اس مضمون کی دی کہ میری لڑکی مسماۃ زہرہ کی شادی ابھی نہیں ہوئی اور نہ اس بیوہ غریب عورت کے لئے کوئی سبیل ہی ہے کہ نکاح کر سکے۔ اگر سرکار سے کچھ روپیہ شادی کے واسطے مل جاوے تو مجھ غریب عورت پر بہت کچھ سرکار کی مہربانی ہو گی۔ اس درخواست کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے اس امر کی جانچ ہوئی کہ آیا دراصل احمد حسین کی لڑکی مسماۃ زہرہ کا نکاح ہوا یا نہیں۔ جب جانچ کے لئے آدمی گورنمنٹ کی طرف سے آیا تو اس کو نکاح کے ہونے اور نہ ہونے دونوں باتوں پر شہادت ملی۔ جب مسماۃ افروز وغیرہ عدالت میں طلب ہوئی تو سعادت علی نے اس وجہ سے کہ کہیں میرا نکاح کالعدم نہ ہو جائے عدالت مذکور میں درخواست دی کہ میرا نکاح ان دو گواہوں مسمی ناہر و امتیاز الدین کی موجودگی میں ہو چکا ہے۔ جو درخواست مسماۃ افروز نے دی ہے غلط اور جھوٹ ہے۔ اور اس نے دونوں گواہوں کو پیش کیا۔ مسماۃ افروز اور زہرہ اور محمد حنیف نے نکاح سے قطعی انکار کیا۔ اس کے بعد عدالت نے تجویز کیا کہ اگر یہ تینوں نکاح نہ ہونے پر حلف اٹھالیں تو تم دونوں آدمیوں کو یہ حلف منظور کرنا پڑے گا۔ اس پر عبدالوہاب اور باقر نے رضامندی ظاہر کر دی اور سعادت علی نے بھی جو زہرہ کا شوہر تھا اپنے دونوں بھائیوں کی وجہ سے منظور کر لیا۔ عدالت کی اس تجویز کے بعد افروز زہرہ اور محمد حنیف نے ایک بڑے مجمع کے روبرو نکاح نہ ہونے پر حلف اٹھالیا۔ حلف کے بعد معاملہ ختم ہو گیا۔ نکاح کے وقت زہرہ نابالغہ تھی اور حلف کے وقت بالغہ تھی۔ حلف کے تین چار دن کے بعد بلا طلاق شوہر اول زہرہ کا نکاح دوسرے کے ساتھ کر دیا گیا۔ اب چند امور دریافت طلب ہیں:-

(۱) جن مولوی صاحب نے فتویٰ دیا تھا کہ چچا کی موجودگی میں بھائی کا کیا ہوا نکاح درست نہیں اور انھیں کے کہنے سے بلا طلاق شوہر اول اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا۔ ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) چچا کی موجودگی میں جب بھائی اپنی بہن کا نکاح کر چکا تو یہ نکاح جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) عدالت میں جب مسماۃ زہرہ اور اس کی ماں اور بھائی نے حلف اٹھالیا کہ نکاح نہیں ہوا تو اس حلف سے لڑکی کے لئے خیار بلوغ ثابت ہوا یا نہیں؟ اور عدالت میں انکار کر دینے سے نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں؟

(۴) خیار بلوغ میں جب کوئی عورت بوقت بلوغ اور بوقت علم نکاح اپنا نکاح توڑنے پر تیار ہو گئی ہو یا یہ کہدیا ہو کہ میں نے اپنا نکاح توڑ دیا اور کہہ کر دوسرا نکاح کر لیا ہو تو ایسی صورت میں بلا درخواست عدالت مجاز توڑ کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(۵) حلف کے بعد دوسرا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۳۳۹ سمیع اللہ (ضلع پرتاب گڑھ) ۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۲۱ جون ۱۹۳۴ء

(۸۹) **جواب** - (۱) یہ فتویٰ صحیح نہیں تھا۔ بھائی کی ولایت چچا پر مقدم ہے۔

(۲) بھائی اور چچا کی موجودگی میں بھائی ولی ہے۔ چچا اس صورت میں ولی قریب نہیں۔ لہذا بھائی نے جو نکاح کر دیا وہ صحیح ہو گیا۔

(۳) ان کے اس حلف سے وہ نکاح جو منعقد ہو چکا تھا باطل نہیں ہوا۔ مگر اب یہ انکار نکاح کی وجہ سے خیار بلوغ کی بنا پر فسخ نکاح کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ دعویٰ ان کے پہلے بیان حلفی کے منافی ہے۔

(۴) خیار بلوغ میں محض عورت کے انکار کرنے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ بلکہ قضائے قاضی فسخ نکاح کے لئے ضروری ہے۔ ہندوستان میں مسلمان حاکم عدالت کا فیصلہ قائم مقام قضائے قاضی کے ہو سکتا ہے۔

(۵) حلف کے بعد دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سوال

دو نابالغ لڑکیوں کا نکاح دو نابالغ لڑکوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اب جبکہ لڑکیاں بالغ ہو گئیں اور شوہر ان کے بالغ نہیں ہوئے تو وہ دونوں وہاں جانے سے انکار کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم کو یہ عقد منظور نہیں ہے اور ماں باپ بھی لڑکیوں کی مرضی کے موافق ہیں۔ بوقت نکاح ماں باپ دونوں بیمار تھے۔ وکالت بھی غیر قوم کے شخص نے کی تھی۔

المستفتی نمبر ۳۴۲ نصیر الدین حجام (ضلع میرٹھ) ۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۲۱ جون ۱۹۳۴ء

(۸۷) **جواب** - اگر ان لڑکیوں کا نکاح ان کے باپ نے کیا تھا یا اس کی اجازت سے ہوا تھا تو اب فسخ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ باپ کے کیے ہوئے نکاح میں نابالغوں کو خیار بلوغ نہیں ہوتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید نے اپنے نابالغ لڑکے مسمّی عمرو کا نکاح اپنی بھتیجی مسمّاۃ رحمت نابالغہ سے جس کا والد فوت ہوچکا تھا اور اسی لڑکی کا ایک نابالغ بھائی موجود تھا پڑھا۔ لڑکے اور لڑکی کی طرف سے زید خود ہی ولی ہوا اور خود ہی ایجاب و قبول کیا۔ زید سے دریافت کیا گیا کہ تو نے کس طریقے سے ایجاب و قبول کیا تو وہ کہتا ہے کہ مجھے یاد نہیں۔ نکاح خواں مولوی نے جس طرح کہا تھا ویسا کیا۔ بستیوں کے نکاح خواں چنداں مسائل سے واقفیت نہیں رکھتے اور اب وہ نکاح خواں موجود نہیں کہ اس سے دریافت کیا جاسکے۔ اب وہ لڑکی مسماۃ رحمت عرصہ چار سال سے بالغ ہوچکی ہے اور عمرو کی عمر ابھی بارہ سال کی ہے۔ لڑکی کو جب ابتدائے ایام بلوغ میں اس نکاح کا علم ہوا تو اس نے انکار نہ کیا۔ جب مکمل چار سال گزر گئے تو وہ کہتی ہے کہ مجھے نکاح منظور نہیں۔ زید کہتا ہے کہ لڑکی مسماۃ رحمت بوجہ بالغ ہوجانے کے اب میرے پاس رہنا نہیں چاہتی اور چند مرتبہ لکھ چکی ہے کہ اگر مجھے طلاق نہ دی گئی تو میں تبدیل مذہب کرلوں گی۔ المستفتی نمبر ۳۶۱ محمد حیات (ڈیرہ اسمٰعیل خاں) ۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م یکم جولائی ۱۹۳۴ء

(۸۸) **جواب**۔ نابالغہ کا نکاح اس کے چچا نے کیا ہے اس لئے اسے خیار بلوغ حاصل تھا لیکن جب اس نے بلوغ کے وقت نکاح سے انکار نہ کیا تو وہ خیار ساقط ہوگیا تاہم یہ نکاح بوجہ مفاسد مذکورہ کے قابلِ فسخ ہے اور لڑکی اور ولی زوج دونوں مل کر کسی صالح شخص کو حکم بنادیں اور وہ فسخِ نکاح کا حکم دیدے تو فسخ ہوسکتا ہے۔ خوف ارتداد زوجہ اس کے لئے وجہ رخصت بن سکتا ہے۔ اور نکاح فی حد ذاتہ صلاحیت فسخ کی رکھتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بوجہ وقت پر مطالبہ نہ کرنے کے لڑکی کا حق مطالبہ ساقط ہوگیا۔ نابالغ کی طرف سے طلاق نہیں ہوسکتی ورنہ طلاق دلوائی جاسکتی تھی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

شادی کے موقع پر دلہن کا باپ نکاح کے وقت موجود ہوتے ہوئے اپنے اختیار سے کسی رشتہ دار کو وکالت دیتا ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۶۱۸ غلام حسین (رتناگیری) ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۸۹) **جواب**۔ دلہن کا باپ خود موجود ہو تو کسی کو وکیل بنانے کی ضرورت نہیں خود ہی نکاح کردے۔

یہی طریقہ مسنونہ متوارثہ ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو وکیل بنا دیا جائے تو وہ بھی جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک شخص کا انتقال ہوا۔ اس کی زوجہ نے بعد انقضائے عدت نکاح ثانی کر لیا۔ اس کی گود میں شوہر اول سے ایک شیر خوار لڑکی تھی۔ خاوند ثانی نے اس لڑکی نابالغہ کا نکاح ولی بن کر ایک شخص کے ساتھ کر دیا اور رودا گی نہیں کی۔ یہ لڑکی ۲۷ رشعبان ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵ رنومبر ۱۹۳۶ء کو بالغہ ہو کر نکاح فسخ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں اس شوہر کے ہاں اس وجہ سے جانا نہیں چاہتی کہ وہ بدچلن ہے۔

المستفتی نمبر ۶۱۸ عبدالرشید (پہاڑ گنج دہلی) ۲۹ رشعبان ۱۳۵۴ھ م ۲۷ رنومبر ۱۹۳۵ء

(۹۰) **جواب** ۔ ہاں جبکہ لڑکی نے بالغہ ہوتے ہی نکاح سے انکار کر دیا اور ناراضی ظاہر کر دی تو اب اس کو حق ہے کہ بذریعہ عدالت نکاح کو فسخ کرالے۔ حاکم بعد بیان ثبوت نکاح کو فسخ کر دے گا فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور نابالغہ لڑکی کو شوہر نے اس کی ماں کے ساتھ کر دیا پھر نابالغی کی حالت میں لڑکی کا نکاح نانا نے کر دیا۔ اب لڑکی نے بالغ ہونے پر جبکہ اس کو ایام آنے لگے نکاح فسخ کر دیا۔ از روئے شرع شریف وہ نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۷۰۰ محمد یوسف امرتسری۔ ۱۹ رشوال ۱۳۵۴ھ م ۱۵ رجنوری ۱۹۳۶ء

(۹۱) **جواب** ۔ اگر نانا نے اپنی نواسی کا نکاح اس کی نابالغی کی حالت میں لڑکی کے باپ کی اجازت اور رضامندی کے بغیر کر دیا تھا۔ اور اس کے باپ نے رضامندی ظاہر نہ کی ہو اور نکاح سے انکار کر دیا ہو تو لڑکی کے بلوغ کے وقت انکار کرنے سے حق فسخ حاصل ہو گیا۔ بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

عم حقیقی نے لڑکی نابالغہ کا نکاح لڑکے نابالغ سے کیا ہے۔ عرصہ طویل کے بعد لڑکی بالغ ہو گئی اور لڑکا ابھی نابالغ ہے۔ لڑکی بوجہ لوازمات بشری فسخ نکاح کی خواہاں ہوتی ہے۔ علمائے عظام

نے امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے ہوئے با جازت قاضی فسخ نکاح کا حکم دیا ہے لیکن ایک مولوی صاحب غیر مقلد نے قضائے قاضی کی ضرورت نہ سمجھتے ہوئے لڑکی کا نکاح دوسری جگہ پڑھایا ہے۔ لڑکے نابالغ کا والد اس نکاح میں مانع بھی نہیں ہوا اور شمولیت بھی نہیں کی۔ البتہ عم الامراۃ نے لڑکی کے لحاظ سے کئی تمسک لکھوائے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ والد الصغیر کیا اس میں عنداللہ ماخوذ تو نہیں ہوگا؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی نمبر ۹۰۰ الٰہی بخش (ملتان) ۷ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۹ اپریل ۱۹۳۶ء

(۹۲) **جواب** - اس میں قصور لڑکی کے ولی کا ہے کہ اس نے منکوحہ کا دوسرا نکاح کر دیا۔ لڑکے کا ولی قصوروار نہیں ہے جبکہ وہ شریک نکاح نہیں ہوا۔ اس پر صرف یہ الزام ہے کہ اس نے منع کیوں نہیں کیا۔ تو ممکن ہے وہ یہی بہتر سمجھتا ہو کہ یہ تعلق منقطع ہو جائے اس لئے خاموش رہا ہو اور اس کا لڑکا جب بالغ ہو جائے تو طلاق دلوا دے۔ لیکن یہ نکاح ثانی جو بدون فسخ نکاح اول ہوا ہے صحیح نہیں ہوا۔ اور اس کو فوراً علیحدہ کرنا لازم ہے۔ اور پھر باقاعدہ نکاح اول کو فسخ کرا کے از سر نو تجدید کی جائے۔ نکاح اول کے فسخ کرانے کا مبنا عورت کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو سکتا ہے اور اس بنا پر نکاح اول فسخ کیا جا سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ہندہ کو کچھ روپے کی ضرورت تھی۔ کسی طریقے سے کوئی سبیل روپیہ ملنے کی نہ تھی۔ ہندہ کی ایک لڑکی زینت جس کا نکاح ہمراہ زید کے اس بات پر طے پایا کہ مبلغ للعہ[۲۴] روپے ہندہ کو ادا کرے تاکہ اس کی ضرورت رفع ہو اور ہندہ اپنی لڑکی کا نکاح ہمراہ زید کے کر دے اور یہ روپیہ علاوہ مہر کے قبل نکاح زید کو دینا پڑا۔ لڑکی زینت کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ولی اس نابالغ لڑکی کا اس کا چچا جو کہ اس سے علیحدہ رہتا تھا اور دوسری ولی اس کی والدہ تھی جو ہمراہ اپنی لڑکی کے تھی۔ بروقت نکاح قاضی نے زینت کے چچا کو جو کہ چند قدم کے فاصلے پر تھے بلایا۔ چچا نے کہا کہ میں سنتا ہوں تم نکاح پڑھو۔ میں اسی جگہ پر بیٹھا ہوں۔ نکاح میں قاضی نے کچھ الفاظ غلط استعمال کیے جس کی درستی کے واسطے اس کے چچا نے لقمہ دیا اور الفاظ کو درست کرایا۔ اور قاضی سے اسی وقت اس کے چچا نے یہ کہا کہ آپ دو روپے اور دلا دو تاکہ اس کی ضرورت رفع ہو جائے۔ بعد ازاں مبلغ عہ[۲۵] روپے مہر قرار ہوا اور نکاح پڑھا گیا۔ اب عرصہ

چھ سال کا ہوا اور دولھا دلہن دونوں بالغ ہوئے۔ اب بابت رخصتی لڑکی کے جھگڑا پڑا۔ چچا کہتا ہے کہ میں ولی ہوں۔ میری اجازت سے نکاح نہیں ہوا۔ اس لئے میں رخصت نہیں کر سکتا اور لڑکی کو اور لڑکی کی والدہ کو سکھلایا۔ لڑکی نے اور لڑکی کی والدہ نے رخصتی سے انکار کر دیا۔ اس فساد پر تمام اطراف کے مسلمان جمع ہوئے اور پنچایت ہوئی۔ مسلمانوں نے زینت کو سمجھایا کہ تو اپنے شوہر کے مکان پر جا۔ مگر اس نے انکار کیا۔ جب اس کو دوبارہ پھر سمجھایا تو اس نے یہ کہا کہ جو روپیہ ہماری والدہ نے قبل نکاح لیا ہے اس کو معاف کریں ہمیں طعنہ وغیرہ کے الفاظ نہ کہیں تو آپ پنچ لوگ کا کہا مجھے منظور ہے۔ بعد ازاں اس کے چچا نے سکھایا اب وہ پھر شوہر کے ہاں جانے سے انکار کرتی ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۹۰۹ مقصود علی (ضلع گونڈہ) ۱۱ صفر ۱۳۵۵ھ م ۳ مئی ۱۹۳۶ء

(۹۳) **جواب** نکاح تو چچا کی اجازت اور شرکت کی وجہ سے صحیح ہو گیا تھا۔ لیکن لڑکی کو بوقتِ بلوغ انکار کر دینے کا حق حاصل تھا۔ اگر لڑکی نے بوقتِ بلوغ ناراضی کا اظہار کر دیا تھا تو وہ اپنے نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے۔ اور اس کی ماں نے جو روپیہ نکاح سے پہلے لیا تھا وہ واپس کرنا لازم ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

اگر کوئی شخص اپنی بیٹی صغیرہ کا نکاح کر دے تو بعد از بلوغ وہ لڑکی نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۹۴) **جواب** - باپ کے کیے ہوئے نکاح میں لڑکی کو بعد بلوغ فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوتا۔ الا یہ کہ باپ کو لڑکی کے خاوند نے کوئی دھوکا دیا ہو تو اس صورت میں باپ اور لڑکی دونوں نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ

الجواب صحیح - محمد شفیع عفی عنہ مدرسہ عبدالرب دہلی الجواب صحیح محمد منظہر اللہ غفرلہ، امام مسجد فتحپوری دہلی

(۹۵) **جواب دیگر** - باپ اپنی کم عمر نابالغہ بچی کا نکاح کر دینے کا حق رکھتا ہے اور اس کا کیا ہوا نکاح جائز اور صحیح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

بعد فوت ہونے شوہر کے بیوہ کا نکاح ثانی وارثان نے بلا رضامندی پڑھا دیا اور وہ خاوند کے گزرنے کے بعد دو سال تک انکاری رہی۔ اور اس نکاح کے بعد بھی انکاری ہے۔ کیونکہ جس کے ساتھ بیوہ کی بلا رضامندی کے نکاح پڑھایا گیا ہے وہ عمر میں پچاس سال سے بھی زیادہ ہے اور بیوہ کی عمر ۱۵ سال ہے۔

المستفتی ۹۳۳ علیم الدین جے پور - ۲۷ صفر ۱۳۵۵ھ م ۱۹ مئی ۱۹۳۶ء

(۹۶) **جواب** - بیوہ بالغہ کا نکاح بلا رضامندی بیوہ کے ناجائز ہے - بیوہ نے جب اس نکاح کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو نکاح باطل ہو گیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ایک لڑکی مسماۃ جنّت کو اس کی مطلقہ والدہ نے بمشورہ شوہر سابقہ جبکہ جنّت کی عمر چار سال تین ماہ کی تھی مسمی حاکم سے نکاح کر دیا - اور والدہ نے مسماۃ جنّت کو پرورش کے واسطے اپنے پاس رکھ لیا اور پرورش کرتی رہی - جب جنّت کی عمر چودہ سال چار ماہ کی ہوئی تو پہلی دفعہ اس کو حیض ہوا اور لڑکی نے اپنے شوہر کے گھر جانے سے انکار کر دیا - اس وقت لڑکی کی عمر سولہ سال ہے مگر وہ بدستور شوہر کے گھر جانے سے انکاری ہے۔ المستفتی ۹۸۸ بشیر محمد (ضلع جالندھر)

۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۴ جون ۱۹۳۶ء

(۹۷) **جواب** - اگر نکاح لڑکی کی والدہ نے کیا تھا - باپ نے صرف اجازت نکاح سے قبل دیدی تھی بعد نکاح کے باپ نے کچھ نہیں کہا تو یہ نکاح لڑکی کے انکار کرنے سے فسخ ہو گیا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زینب نابالغہ کے باپ کا تو انتقال ہو گیا اور ماں باپ شریک بھائی ابھی نابالغ ہے اور باپ شریک بالغ ہے تو باپ شریک بھائی ولی ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی ۱۳۴۹ محمد یونس صاحب (متھرا) ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(۹۸) **جواب** - ہاں زینب کا باپ شریک بھائی اس کا ولی ہے اور وہ نابالغہ زینب کا نکاح کر سکتا ہے اور زینب کا حقیقی بھائی بالغ ہوتا تو وہ علاتی بھائی سے مقدم ہوتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

محمد صدیق ولد حافظ ابراہیم ساکن منگالہ ضلع حصار کا ناجائز تعلق ایک عورت مسماۃ عائشہ زوجہ یعقوب ولد مہر الدین کے ساتھ تھا اور مورخہ ۶ ماہ محرم الحرام ۱۳۵۶ھ بوقت درمیان مغرب و عشاء کے عورت مذکور محمد صدیق کو بات چیت کرنے کے لئے بوکالۃً بلا کر مکان بشیر محمد ولد یعقوب کے اندر لے گئی۔

اور جب دونوں مکان کے اندر چلے گئے تو باہر عورت کے خاوند وغیرہ کو بھی پتہ ہوگیا کہ مرد عورت اس مکان کے اندر ہیں۔ اور پتہ ہونے کے بعد عورت تو نکل کر بھاگ گئی مگر محمد صدیق کو مکان کے اندر عورت کے خاوند یعقوب اور اس کے دیگر اقربا وغیرہ نے محصور کر لیا اور اوزار لکڑی ڈلوہے وغیرہ کے سب نے پکڑ لیے کہ اب محمد صدیق کو اس مکان کے اندر جان سے مار دیں گے اور ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور مکان کے اندر محمد صدیق نے بھی سمجھ لیا کہ اب میری جان کی بالکل خیر نہیں ہے۔ لہذا مارے جانے کے ڈر سے بے حواس سا ہوگیا۔ اور باہر محمد صدیق کے اقربا جو تھے ان کو بھی نہایت بے قراری ہو کر چہروں پر زردی چھاگئی اور سب کو یقین ہوگیا کہ محمد صدیق کی جان تلف ہونے کے علاوہ ہم پر خدا جانے کیسی مصیبت و تکلیف قیامت خیز نازل ہوگی۔ اور ازحد مضطرب تھے اور بالکل بے عقل و بے حواس ہو رہے تھے۔ ایسے خطرناک نازک وقت میں محمد صدیق محصور کی نابالغہ لڑکی کا نکاح جبراً قہراً و اکراہاً مخالفین نے اپنے لڑکے کے ساتھ کر دیا۔ اور نکاح نامہ کا ایک کاغذ بنا کر کئی شخصوں کے انگوٹھے لگوا دیئے ہیں۔ اور نیز محمد صدیق محصور کا بھی ہاتھ پکڑ کر انگوٹھا لگوا دیا ہے۔ اور جب نکاح کر لیا اور کاغذ وغیرہ کا خوب انتظام ہوگیا تو پھر محمد صدیق کو مکان سے نکال کر چھوڑ دیا۔ اور اب اختلاف اس بات میں ہے کہ محمد صدیق نے اذن نکاح کرنے کا اشارتاً یا صراحتہً دیا ہے یا نہیں۔ اور تفصیل اختلاف اذن کی یہ ہے کہ جب مخالفین نے نکاح لینے کا ارادہ کیا تو مولوی عبدالعزیز صاحب جو کہ نکاح پڑھنے والا ہے چار گواہوں کو ساتھ لے کر محمد صدیق کے پاس طالبِ اذن کے لئے گیا تھا تو مولوی عبدالعزیز اور دو گواہ مسمی عبدالغفور بن جمال الدین و عبدالحفیظ بن علیا کا بیان ہے کہ محمد صدیق نے صراحتہً اذن دیا ہے۔ اور محمد صدیق کا بیان ہے کہ میں اس ہولناک وقت میں بہت مغموم و مہموم تھا۔ اس لئے زبان سے اذن دینا تو درکنار بلکہ ہوں، ہاں کر کے اشارہ بھی نہیں کیا کہ جس سے اشارۃً ہی ثابت ہو کہ نکاح کر دو۔ اور مولوی صاحب اور دونوں گواہ بالکل جھوٹ بولتے ہیں۔ اور باقی دو گواہوں میں سے حاجی قمر الدین کا بیان ہے کہ لڑکی کا اذن اور مہر وغیرہ کی بابت بات چیت میرے ساتھ ہوئی اور محمد صدیق بالکل نہیں بولا اور یعقوب ولد اسمٰعیل کا بیان ہے کہ میں دروازے کے اوپر بیٹھا رہا تھا اندر نہیں گیا تھا۔ خدا جانے محمد صدیق محصور نے اذن دیا ہے یا نہیں۔ مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ اور نیز صاحب مکان کا بیان ہے کہ میں نے دروازے کے اندر سوائے مولوی عبدالعزیز صاحب کے اور حاجی قمر الدین صاحب کے کسی کو بھی داخل نہیں ہونے دیا۔ اور سب

جھوٹ اور افترا اور بالکل جعل سازی ہے۔ اب سوال یہ درپیش ہے کہ نکاح مذکورہ بالا عندالشرع ہوا ہے یا نہ؟ المستفتی نمبر ۱۴۳۱ مولوی عبدالملک صاحب (ضلع حصار) ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء

(۹۹) **جواب** - اس واقعہ میں محمد صدیق کا بیان یہ ہے کہ میں نے نکاح کی اجازت قولاً یا اشارۃً بھی نہیں دی صرف اس کا انگوٹھا جبراً لگوالیا گیا ہے۔ واقعہ کی ہولناکی اس جبر کے لئے کھلی دلیل ہے اور اس کو حد اکراہ میں داخل کرنے کے لئے کافی ہے لہٰذا اس میں کتابت کو قائم مقام تلفظ کے نہیں کیا جاسکتا رہا گواہوں کا بیان کہ محمد صدیق نے زبان سے اجازت دی ہے تو یہ شہادت اس لئے ناقابلِ اعتماد ہے کہ گواہوں کو واقعہ کا علم تھا کہ محمد صدیق فلاں وجہ سے محصور ہے اور یہ لوگ اس سے جبراً اس کی لڑکی کے نکاح کا اذن لینا چاہتے ہیں تو ان کا ان جابرین کی حمایت میں محمد صدیق سے اذن لینے کے لئے جانا ظلم کی اعانت کا کھلا ہوا اقرار ہے۔ اس لئے سب اپنے فسق کا اقرار کر رہے ہیں اور فاسق کی گواہی معتبر نہیں ہو سکتی۔ گواہوں کو اگر یہ عذر ہو کہ اُن کو محمد صدیق کی محصوری و مجبوری کا علم نہ تھا تو عذر ثبوت واقعہ کے بعد ناقابلِ قبول ہے۔ ایسے ہولناک موقع پر جتنے لوگ موجود ہوں گے ان میں سے کوئی بھی صورتِ حال سے بے خبر نہ ہوگا۔ لہٰذا قضاءً بھی ان گواہوں کی شہادت سے ثبوتِ نکاح کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

اگر باپ نے عدم علم کی بنا پر اپنی لڑکی کا نکاح ایک آوارہ شخص سے کر دیا ہو اور لڑکی اس کے یہاں جانا نہ چاہتی ہو تو خیار فسخ ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۳۸ شفیع احمد خاں صاحب (لکھنؤ) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء

(۱۰۰) **جواب** - اگر باپ نے بے خبری میں اپنی لڑکی کا نکاح بدچلن اور آوارہ شخص سے کر دیا۔ اور لڑکی اس کی بدچلنی کی بنا پر اس کے پاس جانا نہیں چاہتی تو وہ بذریعہ عدالت اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ رجل زوج ابنتہ الصغیرۃ من رجل علی ظن انہ صالح لایشرب الخمر فوجدہ الاب شریبا مدمنا وکبرت الابنۃ فقالت لا ارضی بالنکاح ان لم یعرف ابوھا یشرب الخمر وغلبۃ اھل بیتہ صالحون فالنکاح باطل ای یبطل (فتاوی عالمگیری) اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی چھوٹی یعنی نابالغہ لڑکی کا نکاح کسی شخص کے ساتھ (بے خبری میں)

اس خیال سے کردیا کہ زوج نیک آدمی ہے شرابی نہیں۔ پھر لڑکی کے باپ نے شوہر کو دیکھا کہ وہ شرابی دائم الشرب ہے اور لڑکی نے بالغ ہو کر نکاح سے نارضامندی ظاہر کردی تو یہ نکاح باطل قرار دیا جائے گا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح ایسی صورت میں جبکہ اس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا اس کے بھائی نے کردیا اور رخصت تک کی بھی نوبت نہیں آئی۔ اس نے بوقتِ بلوغ اپنے گھر کے چند اعزار کے سامنے نارضامندی کا اظہار کردیا اور اس کی نارضامندی کی اطلاع بذریعہ خط اس کے خاوند اور گھر والوں کو کردی گئی۔ لڑکی باوجود سمجھانے کے اس نکاح پر رضامند نہ ہوئی اور موت کو اس کے مقابلہ میں ترجیح دیتی ہے اس صورت میں لڑکی کا نکاح قائم رہا یا نہیں؟

جواب۔ نابالغہ کا نکاح جبکہ اس کے باپ دادا نے کردیا ہو تو نابالغہ کو حق حاصل ہے کہ وہ بالغ ہوتے ہی اس نکاح سے ناراضی ظاہر کردے اور اس کو قبول کرنے سے انکار کردے اور جبکہ وہ ایسا کرے تو اس کے بعد کسی مسلمان حاکم عدالت یا ثالث مسلّم فریقین سے حکم فسخ حاصل کرے گی اور بعد حکم فسخ جبکہ رخصت اور خلوت نہیں ہوئی ہے تو بغیر انتظار عدت دوسرا نکاح کرنا جائز ہوگا۔ آپ نے مذکورہ فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ گزارش ہے کہ اگر لڑکی نابالغہ کا نکاح پڑھا گیا جبکہ اس کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا اور صرف نابالغہ کا دادا اور ہمشیرہ زندہ تھی۔ قدرت کی نیرنگیاں ہمشیرہ کا بھی انتقال ہو جاتا ہے اور نابالغہ جب سے اس کے والدین کا انتقال ہوا تھا اپنی ہمشیرہ کے پاس پرورش پاتی رہی اور اپنے دادا کے پاس کبھی نہیں گئی۔ جب ہمشیرہ کا انتقال ہوتا ہے اور نابالغہ کی عمر اس وقت قریب آٹھ نو سال ہے۔ دادا کا ایک خط رجسٹری ہو کر آتا ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ نابالغہ کا نکاح میں نے کردیا ہے۔ نابالغہ اپنے بہنوئی کے پاس پرورش پا رہی ہے۔ ایسی صورت میں کیا وہ نکاح جائز ہے۔ نابالغہ سنِ بلوغ کو پہنچتے ہی بلکہ اس جگہ جبکہ اس کے دادا نے نکاح بتلایا جانے سے پہلے ہی سے انکار کرتی ہے۔ ایسی صورت میں دوسری جگہ نکاح جائز ہو سکتا ہے۔ حوالہ دے کر مشکور فرمائیں۔ یا اگر ایک بالغ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی سے ہوتا ہے۔ اور بعدہٗ عرصہ کے بعد لڑکی کے تایا صاحب و دیگر رشتہ دار لڑکی کو بہکا دیتے ہیں۔ اور کوئی رخصتی و خلوت وغیرہ کچھ نہیں ہوئی۔ (محمڈن لاء جو کہ مسلمانوں میں جب وہ خدا رسول کے حکم کو توڑ کر انسان کا بنایا ہوا قانون

پیشِ نظر رکھتے ہیں) کے مطابق نوٹس منجانب لڑکی اس کے شوہر کو دلوادیتے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا طلاق ہوگیا اور وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ شوہر اس نکاح کے متعلق کیا کارروائی (جبکہ کسی عالم کو یہ دھوکا دیا جائے کہ لڑکی کنواری ہے نکاح پڑھوادے) کرسکتا ہے اور نکاح کس صورت میں جائز ہوسکتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۴۳۹ غلام علی (شملہ) ۸ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۱۹ مئی ۱۹۳۷ء

(۱۰۱) **جواب**۔ (۱) جواب کی نقل میں شاید غلطی ہوئی ہے۔ صحیح عبارت یوں ہونی چاہئے۔ نابالغہ کا نکاح جبکہ اس کے باپ یا دادا کے سوا کسی اور ولی نے کر دیا ہو تو نابالغہ کو حق حاصل ہے الخ۔

دادا کے کیے ہوئے نکاح میں نابالغہ کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوتا۔ باپ یا دادا کے کیے ہوئے نکاح میں نابالغہ جن وجوہات کی بنا پر شوہر کے پاس جانا نہیں چاہتی وہ بیان کرنے چاہئیں۔ اگر ان میں سے کوئی وجہ شرعی طور پر قابلِ فسخ ہوگی تو جواز فسخ کا حکم دیا جائے گا۔

بالغہ لڑکی کا نکاح جبکہ اس کی اجازت اور مرضی سے کیا گیا ہو تو پھر بالغہ اس نکاح سے پھر نہیں سکتی۔ البتہ اگر اور کوئی وجہ قابل فسخ نکاح کے پیدا ہوجائے تو اس کو بیان کرکے حکم دریافت کرنا چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

شامی وغیرہ کتب فقہ میں جن کی عبارت ذیل میں درج کی جائے گی مصرح ہے کہ ولی صغیرہ نابالغہ اگرچہ باپ یا دادا کیوں نہ ہو اس صغیرہ کا نکاح کردیتا ہے لیکن اس نکاح میں ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے جو کہ شفقتِ پدری یا غرضِ ولایت کے بالکل مخالف ہے مثلاً طمع مال کے لئے یا کسی اور وجہ سے صغیرہ کا نکاح کردیا جس میں صغیرہ کا نقصان ہے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں۔ اگر نہیں جیسا کہ عبارتِ شامی سے معلوم ہوتا ہے تو تائید کی ضرورت ہے۔ (وفی الشامی حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لفسقہ اوطمعہ لایجوز اجماعاً۔ وفی الدر وان عرف لایصح النکاح اتفاقاً) اور اگر نکاح صحیح ہے تو عباراتِ مندرجہ کا مدلل جواب دے کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۱۶۱۲ حافظ احمد بخش صاحب ضلع مظفر گڑھ۔ ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

(۱۰۲) **جواب**۔ باپ یا دادا کی طرف سے اگر کوئی ایسی صریح بے رحمی اور بے شفقتی نقصانی سرزد ہو تو نکاح صحیح نہ ہونے کا حکم صحیح ہے اور ظاہر یہ ہے کہ کسی نکاح میں ان باتوں میں سے کسی ایک بات کا

ثبوتِ علمِ بطلان کے لئے کافی ہے۔ مگر فقہاء نے لفظ عرف کو سامنے رکھ کر اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ کسی ناانصافی بے رحمی طمع وغیرہ کا صدور و ثبوت بطلان کا حکم لگانے کے لئے کافی نہیں بلکہ باپ یا دادا کا ان اوصافِ ذمیمہ کے ساتھ معروف ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے لئے ضروری قرار دیا کہ کم از کم یہ شخص اپنی ایک لڑکی کا نکاح اس سے پہلے اسی طرح ناانصافی یا بے رحمی یا طمع زر کے ماتحت کر چکا ہو تو دوسرا نکاح جو اسی طرح واقع ہو باطل قرار دیا جائے گا۔ اور اگر یہ چیزیں پہلے نکاح میں ہی سرزد ہوئیں تو باوجود ثبوت کے بھی نکاح کو باطل قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں عرف منہما سوء الاختیار صادق نہیں۔

اگرچہ یہ تفصیل کچھ مناسب اور موجہ معلوم نہیں ہوتی مگر فقہا نے اس کو لیا ہے اور اس کے موافق تفریعات کی ہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

نابالغہ لڑکی کا نکاح بوجہ فوت ہونے باپ کے اس کے بھائی نے کسی کے ساتھ باندھ دیا۔ بالغ ہونے پر اس لڑکی نے کہا کہ یہ نکاح جو میرے بھائی نے باندھا ہے مجھے منظور نہیں تو کیا یہ اختیار جو شرع نے لڑکی کو دیا ہے فسخ نکاح کے وقت قاضی کی شرط ہے یا نہیں۔ اگر شرط ہے تو ان ممالک میں قاضی کا وجود مفقود ہے تو کیا اس روایت کے تحت علمائے کرام موجودہ کو اختیار ہے کہ وہ قاضی کے قائم مقام ہو کر نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں۔ شیخ عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ استاد شیخ علامہ شامی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ نوع ثالث فصل ثانی ص ۲۴۲ میں لکھتے ہیں۔ اذا خلا الزمان من ذی سلطان کفایۃ فالامور کلہ موکلۃ الی العلماء فیجب علی الامۃ الرجوع الیھم ویصرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد انتقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم۔ اور جب مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کا دیکھا گیا تو اس میں رائے دی گئی جو ذکر کی جاتی ہے۔ و فسخ نکاح بخیار بلوغ قضائے قاضی شرط است چنانچہ در در مختار می آرد۔ حاصلہ انہ اذا کان المزوج للصغیر والصغیرۃ غیر الاب والجد فلھما الخیار بالبلوغ او العلم بہ فان اختار الفسخ لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء انتھی۔ بنا ءً علیہ در صورت سوال نکاح دوم صحیح نخواہد شد و در جامع الفصولین می نویسد۔ لو اختار احدھما الفرقۃ ورد النکاح بخیار البلوغ لم یکن

ردًّا ولا یبطل العقد مالم یحکم به القاضی فیوارثان قبل الحکم انتهٰی۔

در بلادیکہ امیر حکومت کفار اند وقضائے قاضی درانجا مفقود است اگر ہمچو واقع افتد ضرور است کہ صاحب معاملہ بہ بلادِ اسلام کہ دران قضائے قاضی موجود است مثلاً بلادِ حجاز و بلادِ روم وغیرہ و از بلادِ ہند رامپور و بھوپال وغیرہ رفتہ انفصال سازد یا بذریعہ تحریر از قضاۃ بلادِ اسلام حکم فسخ طلب سازد۔ واللہ اعلم حررہ راجی عبدالحی

تو ان روایاتِ بالا کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ آیا حدیقہ ندیہ کی روایت پر عمل کریں اور یہاں علماء کے ذریعہ سے نکاح فسخ کرایا جائے یا مولانا عبدالحی مرحوم کی روایت کو لحاظ کرتے ہوئے بلادِ رام پور یا بھوپال میں جو قاضی مقرر ہیں ان سے نکاح فسخ کرایا جائے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ جب لڑکی بالغ ہوئی تو کیا اسی مجلس کا اعتبار ہوگا کہ وقتِ بلوغ کی اس حالت کذائی میں کہے کہ مجھے نکاح سابقہ منظور نہیں۔ یا شرع نے اس کو بوجہ لاعلمی کے اختیار وسیع دیا ہے کہ جب علم ہو تو نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ اس مسئلہ میں سخت تشویش ہے

المستفتی نمبر ۱۶۳۸ سید محبوب شاہ صاحب (ضلع کیمبلپور) ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۷ جولائی ۱۹۳۷ء

(۱۰۴) **جواب** - خیار بلوغ کو کام میں لانے کے لئے مجلس بلوغ میں رد کرنا لازم ہے۔ البتہ اگر لڑکی کو اس بات کا علم نہ ہو کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا ہے اور وہ بالغہ ہو جائے تو جس وقت اس کو نکاح ہونے کا علم ہو اسی مجلس میں رد کر دے۔ اگر مجلس نکاح یا مجلس علم بالنکاح میں اس نے سکوت کیا تو یہ اختیار باطل ہو جائے گا۔ خواہ سکوت مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہی ہو۔ پھر انکار اور رد کرنے کے بعد فسخ کے لئے قضاء قاضی شرط ہے۔ ہندوستان میں شرعی قاضی نہیں۔ لیکن یہاں کی انگریزی عدالتوں کے مسلمان جج اور سب جج اس بارے میں قاضی کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔ وہ فسخ کا حکم کر دیں تو صحیح ہے۔ ریاستوں کے قاضی فسخ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب زوج وزوجہ ریاست سے باہر کے باشندے ہیں تو وہ قاضی کے حدود ولایت سے خارج ہیں۔

اور حدیقہ ندیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جہاں شرعی قاضی نہ ہوں وہاں مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ فصل خصومات کے لئے علماء کو اختیارات فصل قضایا دیں اور اپنے مقدمات ان سے فیصل کرائیں اور ان کے فیصلے شرعی فیصلے ہوں گے۔ تو اگر مسلمان ایسا کرتے کہ کسی علاقہ میں ایک عالم کو خود مقرر کر لیتے اور سب اس بات کا معاہدہ کرتے کہ اپنے مقدمات کے اس عالم سے فیصلے کرائیں گے اور ان

فیصلوں کو تسلیم کریں گے تو بے شک وہ ایسا کر سکتے تھے۔ لیکن جب انھوں نے ایسا نہیں کیا ہے تو اب کوئی عالم یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اس جیسے مقدمات میں فسخ نکاح کا فیصلہ اور حکم کرے۔ اور اگر کوئی عالم ایسا کرے تو اس کا فیصلہ معتبر اور مؤثر نہ ہوگا۔ سرکاری عدالتوں کے جج اور سب جج یہ کام اس لئے کر سکتے ہیں کہ ان کو حکومتِ غیر مسلمہ کی طرف سے قانونی طاقت حاصل ہے کہ ایسے مقدمات میں اسلامی حکم کے موافق فیصلہ کر دیا کریں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنی ایک نابالغہ لڑکی کا بکر کے ایک بالغ لڑکے کے ساتھ نکاح کر دیا تھا چونکہ لڑکی اس وقت نابالغہ تھی اس لئے وہ باپ کے گھر رہی اور وداع نہیں کیا گیا تھا اور نہ دولہا کے ساتھ خلوت ہوئی۔ اب جبکہ لڑکی مذکورہ بالغہ ہوئی ہے تو لڑکے والے وداع چاہتے ہیں لیکن لڑکی جانا نہیں چاہتی اور نہ وہ نکاح منظور کرتی ہے بوجہ اس کے کہ دولہا بدچلن ہے۔ کیا ایسی حالت میں نکاح فسخ ہوگیا کہ نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۷۵۵ حکیم عظمت اللہ (کراچی) ۸ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۴ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱۰۴) **جواب** ۔ دولہا کی بدچلنی از قسم فسق و فجور کی وجہ سے لڑکی بعد البلوغ اپنا نکاح کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے فسخ کرا سکتی ہے۔ (عالمگیری) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے تقریباً ایک سو آدمیوں کے سامنے بقائمی ہوش و حواس اپنی نابالغہ لڑکی کا عقد بکر کے لڑکے کے ساتھ کر دیا اور عام لوگوں کو معلوم کرایا گیا۔ اس سے پہلے اس کے پیر نے لڑکی کی منگنی اسی لڑکے کے ساتھ کی تھی۔ اب زید لڑکی کا رشتہ کسی دوسری جانب دینے کو تیار ہے۔ کیا از روئے شرع وہ مجاز ہے کہ وہ لڑکی کا رشتہ کسی غیر شخص سے کر دے؟

المستفتی نمبر ۱۸۶۹ صوبیدار مولا داد صاحب (ضلع گجرات) ۳ شعبان ۱۳۵۶ھ ۹ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۰۵) **جواب** ۔ جبکہ باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح ہوش و حواس کی حالت میں کر دیا ہے تو اب اس لڑکی کا رشتہ کسی دوسری جگہ کرنا جائز نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنی منکوحہ کو طلاق دی اور زید کے نطفہ سے دو اولادیں نابالغ ہیں۔ ایک لڑکا اور ایک

لڑکی۔ لڑکا زید کے پاس رہا اور لڑکی کو بسبب زیادہ ہونے رغبت ماں سے اس کی ماں کو دے دیا۔ اور طعام ولباس کا زید کفیل رہا۔ بعد کچھ عرصہ کے لڑکی کی ماں نے اپنا عقدِ ثانی کر لیا اور اپنے شوہرِ ثانی کے لڑکے سے اپنی لڑکی نابالغہ کا نکاح کر دیا۔ لہٰذا یہ نکاح بلا اجازت باپ کی درست ہے کہ نہیں۔ اور یہ کہ لڑکی کو بسبب زیادہ ہونے رغبت ماں سے زید کا مجبوراً لڑکی کو دے دینا اور طعام ولباس کا کفیل رہنا کیا زید کی ولایت کو فسخ کرتا ہے اور لڑکی کے جملہ حقوق جو کہ باپ پر فرض ہیں، جیسے وراثت، پرورش، تعلیمِ قرآن و مسائلِ ضروریہ کیا باپ سے جاتے رہیں گے اور یہ کہ لڑکی کی ماں بحالتِ بیماری اپنے اقاربوں سے وصیت کرتی ہے کہ بعد میرے لڑکی کو اس کے باپ کے پاس پہنچا دینا اور اس کے اقارب زید کو بلاکر کہتے ہیں کہ مرحومہ کی وصیّت کے مطابق لڑکی تمہاری کفالت میں دیتے ہیں اور تم لڑکی کے ولی ہو۔ زید لڑکی کو لاکر کچھ عرصہ بعد دوسری جگہ لڑکی نابالغہ کا نکاح کر دیتا ہے۔ یہ نکاحِ ثانی درست ہے کہ نہیں اور لڑکی کے بالغ ہونے تک لڑکی کی رضامندی پر منحصر ہے کہ نہیں۔ تو کفالت لڑکی کی بالغ ہونے تک شرعاً باپ پر واجب ہے یا کسی دیگر لڑکی کی ماں کے رشتہ دار پر جس کی کفالت میں لڑکی کی پرورش حفاظت تعلیم دینی و تعلیم امورِ خانہ داری شامل ہیں۔ اور جبکہ مرحومہ کی وصیّت کے مطابق لڑکی باپ کے پاس پہنچ گئی اور باپ ان تمام باتوں کی تعلیم پر سرگرم ہے۔

المستفتی نمبر ۱۹۴۲ سید پیارے علی تاجر عطر (بانس بریلی)

۲۱ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۰۶) **جواب**۔ (۱) یہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف ہے۔ اگر وہ اجازت دے تو جائز ہوگا اور رد کر دے تو باطل ہوگا۔ (۲) باپ کا حق ولایت باطل نہیں ہوا اور لڑکی کے حقوقِ تربیت و وراثت باپ کے ساتھ قائم ہیں۔ اگر لڑکی کے باپ نے پہلے نکاح کو رد کر دیا ہے تو وہ باطل ہو گیا۔ اور دوسرا نکاح جو یہ باپ نے کیا وہ صحیح اور درست ہو گیا۔

سوال

الحمد للہ جواب فتویٰ صادر ہوا۔ نفس مطلب سے اطلاع ہوئی۔ مگر زید کے مخالف ایک بات پر معترض ہیں کہ زید جملہ اخراجات و ضروریات لڑکی کا کفیل نہیں تھا۔ یہ فتویٰ بھی جو سوال اول میں درج ہے بہ بنائے کل کفالت لباس و طعام کے تحت میں ولی کامل ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ لہٰذا براہ خدا جواب

ہر ایک بات کا تفصیل کے ساتھ مرحمت فرمایئے تاکہ اتمام حجت ہو۔

المستفتی نمبر ۱۹۶۸ سید پیارے علی صاحب تاجر عطر (بریلی) ۲۶ شعبان ۱۳۵۶ھ م یکم نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۰۷) **جواب** ۔لڑکی کا باپ حقیقی ولی ہے خواہ وہ لڑکی کے نان نفقہ کا کفیل ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ لڑکی سے دستبردار ہوجائے اور خواہ لڑکی ماں کے پاس رہتی ہو یا باپ کے ساتھ۔غرض ہر صورت میں باپ ولی ہے اور نابالغہ لڑکی کا نکاح باپ کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہوتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک لڑکی مسماۃ رسولاً سات یا آٹھ سال کی ہوئی کہ اس کے باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔اس کی والدہ نے ایک اور نکاح کر لیا۔آج سے ڈیڑھ سال بیشتر اس کی والدہ نے اس کی شادی ایک جگہ پر کردی لیکن وہ لڑکی اب تک نابالغ ہے اور لڑکی کا دل اس خاوند سے بالکل نہیں ملتا اور وہ چھ سات ماہ سے اپنی والدہ کے گھر آگئی ہے اور جب اس کی والدہ نے اس کی شادی کی اس وقت مسماۃ رسولاً بارہ تیرہ سال کی ہوگی اور رسولاً کے جائز وارث اس کے چچا زاد بھائی ہیں جو اس کے نکاح میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ المستفتی نمبر ۱۹۷۵ غلام حسین (بوسال ضلع گجرات، پنجاب)

۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۰۸) **جواب**۔ ماں نے نابالغہ لڑکی کا جو نکاح کر دیا ہے اگر لڑکی کا اور ولی نہیں ہے تو یہ نکاح منعقد تو ہوگیا مگر لڑکی کو بالغہ ہونے کے وقت اختیار ہوگا کہ چاہے اسے قبول کرے اور چاہے رد کرے۔ اگر بالغہ ہوتے ہی اس نے رد کر دیا تو پھر حاکم اس نکاح کو باطل کردے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

لڑکی کی عمر چودہ سال کی ہونے والی ہے مگر لڑکی سن بلوغ کو پہنچ گئی ہے۔کل علامات موجود ہیں۔ ماہواری ہوتے ہیں۔لڑکی چاہتی ہے کہ اپنا نکاح اپنی خواہش سے جس سے چاہوں کرلوں۔لڑکی کا باپ بھی زندہ ہے مگر لڑکی اپنی ماں کے پاس رہتی ہے۔لڑکی کا باپ ایک بازاری عورت کے پاس رہتا ہے۔آٹھ دس برس سے اپنے بیوی بچوں کو روٹی کپڑا نہیں دیتا ہے۔لڑکی کی ماں اور ایک لڑکا نابالغ اور ایک لڑکی یہ جو اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے یہ تینوں مانگ کر اپنا گزارہ کرتے ہیں۔لڑکی چونکہ بالغ

ہوگئی ہے وہ اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے۔ آیا لڑکی بحیثیت بالغ ہونے کے نکاح خود کرسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۱۶ سید محمد ابراہیم جعفری ہاپوڑ۔ ۱۰ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۰۹) **جواب**۔ اگر لڑکی کو ایام ماہواری آنے لگے ہیں تو وہ بالغہ ہوگئی ہے اور اس کو اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہوگیا ہے۔ اگرچہ اس کی عمر ابھی چودہ سال کی ہے مگر ایام ماہواری شروع ہوجانے پر بالغہ ہو جانا متفق علیہ ہے۔ البتہ ایام ماہواری شروع نہ ہوں تو پھر پندرہ سال کی عمر ہو جانی لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مسماۃ فتح منکوحہ و مدخولہ نورا ہمراہ صلحہ تعلق ناجائز پیدا کرکے اس کے ہمراہ اغوا ہوگئی۔ صلحہ کے نطفہ حرام سے چند لڑکے لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں۔ ایک لڑکی بالغہ ہے اور دو باقی جو اولاد ہیں وہ بالغ نہیں۔ بمرور زمانہ فتح کے ہوش بجا ہوئے اور فتح مذکورہ کا بیان ہے کہ وہ اپنی جملہ اولاد لے کر اپنے جائز خاوند کے پاس پہنچی جہاں اس کے دیگر رشتہ داران بھی تھے۔ عورت مذکورہ کا بیان ہے کہ چند دن تک میں اپنے رشتہ داروں اور اپنے خاوند کے آگے گڑگڑاتی اور خوشامد کرتی رہی کہ میرے قصور سے درگذر فرمایا جائے اور اپنے گھر میں جگہ دی جائے اور اس اولاد کا بھی وارث ہوجانا چاہئے جو کہ حقیقتاً صلحہ کے نطفۂ حرام سے ہے لیکن فتح بیان کرتی ہے کہ میرے جائز خاوند نورا نے کہا کہ میں نے دوسری شادی کرلی ہے۔ میرا تمہاری بابت اور اس اولاد کی بابت کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ آخر فتح ناامید ہوکر واپس صلحہ کے پاس آئی اور نشیب و فراز زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مسماۃ فتح اپنی جملہ اولاد بالغ اور نابالغ کا عقد نکاح مسمیٰ صلحہ کے رشتہ داروں سے کرنا چاہتی ہے۔ سو عرض یہ ہے کہ صلحہ اور رشتہ داران صلحہ کو حق ولایت حاصل نہیں ہے اور فتح مذکور کے جائز خاوند اور اس کے رشتہ داران بالغ و نابالغ اولاد کی سرپرستی سے کوسوں دور ہیں تو کیا فتح کی ولایت میں اور صلحہ کے کفو میں ان کے لڑکے لڑکیوں کا نکاح کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۴۸ مولوی محمد بخش صاحب (ضلع ملتان) ۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۱۰) **جواب**۔ مسماۃ فتح کی ناجائز اولاد کی ولایت صلحہ کو نہیں ہے۔ اگر فتح نابالغو کی شادی کردیگی تو منعقد ہوجائے گی کیونکہ وہ بہرحال ماں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک لڑکی آٹھ سال کی ہے۔ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا تھا۔ لیکن لڑکی کا باپ گزر گیا اور اس لڑکی کو ایک لڑکا جو رشتہ دار ہے یعنی یہ لڑکی اس لڑکے کے ماموں کی لڑکی ہے وہ لے آیا ہے جس کو تخمیناً ایک سال ہو گیا ہے۔ اب جس شخص سے باپ نے نکاح کر دیا تھا وہاں جانے کے لئے رضامند نہیں ہے بلکہ جو لڑکا اس کو لے آیا ہے اپنے ماموں کی لڑکی سمجھ کر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس وقت لڑکی کی عمر گیارہ سال کی ہے۔ لہذا گزارش ہے کہ جس سے نکاح پہلے ہوا تھا وہ طلاق نہیں دیتا اور نہ لڑکی اس کے گھر جانا چاہتی ہے۔ اب اس نابالغہ لڑکی کا ماموں کے اس لڑکے سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۵۲ احمد خاں و اسمٰعیل خاں صاحب، قصبہ ہاڑی (کرنال)

۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۱۱) **جواب** - اس نابالغہ لڑکی کا جو نکاح باپ نے کر دیا تھا وہ نکاح قائم ہے اور جب تک وہ خاوند طلاق نہ دے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اب جب تک لڑکی بالغ نہ ہو اس کو خیار بلوغ کے ماتحت کوئی کارروائی کرنے کا مجاز نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

بوجہ نہ ملنے قاضی کے ۱۰ مئی ۱۹۳۵ء کو مجھ محمد اسحاق ولد کلن کا نکاح مسماۃ حمیدن بنت شہاب الدین کے ساتھ نائب امام مسجد فتحپوری نے پڑھایا ہے۔ چنانچہ مسماۃ حمیدن کو اس کے بھائی محمد اسحاق کے یہاں سے لے گئے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا مسماۃ حمیدن بعمر جوان ہے۔ اس کی والدہ نے خود ولی بن کر نکاح پڑھایا ہے۔ آیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۵۶ محمد اسحاق ولد کلن (دہلی ۱۱) ۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۱۲) **جواب** - جبکہ نکاح باقاعدہ ایجاب و قبول کے بعد ہو گیا تو نکاح صحیح اور جائز ہے خواہ قاضی کے رجسٹر میں اس کا اندراج ہو یا نہ ہو۔ لڑکی جوان تھی اور خود اس کی مرضی کے ساتھ نکاح ہوا تو ماں کے ولی بننے نہ بننے کا کوئی اثر نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

مسمیٰ گاموں نے کہ جس کا نزاع بیٹے کی زندگی میں تھا اور اب بعد میں از سر نو نزاع ہو گیا۔ ہے اور

آپس میں مقدمہ بازی بھی سخت ہو رہی ہے۔ اپنی پوتی کا نکاح جو کہ اسی کی بہو مسماۃ چوڑاں کے پیٹ سے ہے۔ اپنے بھتیجے سے جو کہ قبل از نکاح مرض موتیا بند میں مبتلا تھا۔ محض ضد کی وجہ سے کر دیا۔ مسماۃ چوڑان نے بہت رونا پیٹنا کیا مگر کوئی اثر نہ ہوا اور اس طرح گاموں نے یہ نکاح محض عداوت کی وجہ سے کیا۔ برملا کہتا ہے کہ مسماۃ چوڑاں کی لڑکی کو تو سب ہی عمر رولاتا ہی رہوں گا۔ اب لڑکی نے جبکہ وہ عدالت میں پیش ہوئی ہے صاف کہہ دیا ہے کہ میرا تمام عمر کے لئے راستہ بند کر دیا ہے۔ میں ہرگز نہیں جاؤں گی اور عدالت کے دروازے پر ٹکر کھا کر مر جاؤں گی اور نعوذ باللہ مرتد ہونے تک کا لڑکی نے قصد کر لیا ہے۔ براہ کرم کوئی صورت تنسیخ نکاح کی تحریر فرمادیں تاکہ دین میں فساد برپا نہ ہو اور یہ نکاح محض ضد پر مبنی ہے۔ گاموں سے کہا گیا کہ تیری پوتی کسی اور کے ساتھ نکل جائے گی۔ کہا کہ سو مرتبہ نکل جائے۔ ضرور توجہ فرمائیں۔ بیوہ عورت مقدموں میں برباد ہو رہی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰۹۰ ابوالحسن صاحب (منچن آباد) ۳ شوال ۱۳۵۶ھ م ۷ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۱۱۴) **جواب** - اگر دادا نے لڑکی کا نکاح لڑکی کے بالغ ہونے کے زمانے میں لڑکی کی رضامندی حاصل کیے بغیر کر دیا ہے تو نکاح صحیح نہیں ہوا۔ اور اگر نابالغی کے زمانے میں کیا ہے تو اس کو نابالغہ کے نکاح کرنے کی ولایت حاصل تھی۔ مگر جبکہ اس امر کے شواہد اور دلائل موجود ہوں کہ اس نے لڑکی کو ستانے کی غرض سے نکاح کیا ہے تو کوئی حاکم مسلمان اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ بدنیتی کے ساتھ نکاح کر دینے کا باپ دادا کو بھی حق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک شخص اپنی بالغ لڑکی کا نکاح لڑکی کی رضامندی سے ایک تین سال عمر کے لڑکے کے ساتھ جائز ولی کی قبولیت سے کر دیتا ہے۔ چند یوم بعد فریقین علماء سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا ایسی صورت میں یہ لڑکا اپنی منکوحہ کو طلاق دینے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔ اس قسم کے فتوے طلب کرنے کے بعد بالآخر لڑکے کے نکاح کو کالعدم تصور کر کے لڑکے سے طلاق حاصل کیے بغیر لڑکے کی منکوحہ کا نکاح ایک دوسری جگہ کر دیتے ہیں اور عذر گناہ یہ تراشتے ہیں کہ اگرچہ لڑکے کی طرف سے جائز ولی قبول کنندہ ہو۔ لڑکے کا نکاح عند الشرع مسلم نہ ہوگا۔

(۲) یا بصورت دیگر اگر لڑکے سے بالفرض طلاق حاصل کی جائے تو لڑکے کی طلاق مشروع ہوگی یا

غیر مشروع۔

(۳) مذکورہ بالا صورت میں نکاح اول صحیح رہا یا دوسرا۔ نکاح ثانی کے نکاح خواں اور حاضرین مجلس کے اپنے نکاح باقی رہیں گے یا ان کو تجدید انکحہ و تجدید کلمہ ضروری ہے۔

(۴) اگر ان کو تجدید انکحہ وغیرہ ضروری ہے اور وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں تو ایسے محرمات الٰہیہ کو مستحل سمجھنے والے سے مجلسی اور خانگی تعلقات رکھنے کیسے ہیں؟

المستفتی نمبر ۲۱۱۱ ایم۔ حافظ محمد عبدالستار (ملتان) ۹ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۳ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۱۱۴) **جواب**۔ یہ عذر کہ بوقت نکاح شوہر بچہ تھا اس لئے نکاح صحیح نہیں ہوا اگرچہ قبول اس کے جائز ولی نے کیا تھا غلط اور مہمل ہے۔ جائز ولی کے قبول کرنے سے نکاح صحیح ہو گیا۔ اور حنفیوں کے نزدیک نابالغ اور اس کے ولی کی طلاق غیر معتبر ہے۔ پس صورت مسئولہ میں نکاح اول قائم ہے اور اس کی صحت اور قیام کی صورت میں نکاح ثانی ناجائز ہے۔ جو لوگ نکاح ثانی میں شریک تھے اور ان کو نکاح اول کا علم تھا وہ سب گنہگار ہوئے اُن پر توبہ واجب ہے۔ ان کے کفر کا حکم کرنا لازم نہیں ہاں توبہ کرنی لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

مسماۃ ہندہ نے اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح اپنی اجازت سے کر دیا۔ لڑکے کے باپ موجود نہیں انتقال کر چکے ہیں۔ اس کے باپ کے چچا موجود ہیں لیکن وہ اپنے باپ کے انتقال پر سسرال سے میکے گئی تھی۔ اس وقت سے سسرال واپس نہیں آئی اور چچا کی عدم موجودگی میں اپنی اجازت سے اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح کر دیا۔ آیا یہ نکاح از روئے شریعت جائز ہوا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۱۵۸ چودھری عبدالرحمٰن صاحب (ضلع جالون) ۲۷ شوال ۱۳۵۶ھ م ۳۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۱۱۵) **جواب**۔ جبکہ نابالغ لڑکے کے چچا یا اس کے باپ کے چچا موجود ہیں تو ہندہ کو ولایت نکاح حاصل نہیں۔ یہ نکاح لڑکے کے چچا یا اس کے باپ کے چچا کی اجازت پر موقوف ہے۔ اگر وہ خبر پا کر جائز رکھیں تو صحیح ورنہ باطل ہو جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

مسماۃ فضل بیگم نابالغہ ولد احمد قوم حجام کا نکاح اس کے چچا زاد بھائی حکیم محمد دین، امام دین اور اسی کی

والدہ نے ۱۹۲۱ء میں پڑھایا تھا اور مسماۃ فضل بیگم نابالغہ کے باپ دادا فوت ہو چکے تھے اور حقیقی بھائی کوئی نہیں تھا اِس لئے چچازاد بھائیوں اور والدہ نے نکاح پڑھایا۔ اب بہت مدت گزر جانے کے بعد اسی کی والدہ نے اس کا نکاح دوسری جگہ ۱۹۳۸ء میں پڑھا دیا ہے تو کیا پہلا نکاح درست ہے یا دوسرا۔ اگر دوسرا نکاح واقع نہ ہوا تو جنھوں نے پہلے نکاح کی موجودگی میں نکاح پڑھا ہے: نکاح خواں۔ شاہدین کے حق میں کیا وارد ہے؟ المستفتی ۲۲۸۵ ناظم مدرسہ عربیہ ڈنگہ (ضلع گجرات)

۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۵ جون ۱۹۳۸ء

(۱۱۶) **جواب** - چچازاد بھائی ولی تھے اور اُن سے قریب تر کوئی اور ولی نہیں تھا تو وہ نکاح صحیح ہو گیا تھا اور جب تک کہ وہ نکاح قائم ہے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس کی والدہ نے دوسرا نکاح کیوں طور کس وجہ سے کیا۔ پہلے نکاح کے قائم ہونے کی صورت میں دوسرا نکاح پڑھانا بغیر کسی معقول وجہ شرعی کے حرام ہے اِس لئے نکاح پڑھانے والے اور شرکا جن کو اس بات کا علم تھا کہ لڑکی منکوحہ ہے سب گنہگار اور فاسق ہوئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

سکینہ بیگم اپنی نابالغہ لڑکی رئیسہ بیگم کی شادی اپنی مرضی اور خوشی سے کر سکتی ہے یا نہیں اس صورت میں جبکہ رئیسہ بیگم کا والد و دادا و چچا رضامند نہ ہوں اور موجود بھی ہوں اور اگر سکینہ بیگم اپنی لڑکی نابالغہ رئیسہ بیگم کے والد و دادا و چچا کے خلاف مرضی شادی کر دے تو وہ نکاح شرعاً جائز ہو گا یا نہیں اور رئیسہ بیگم کا ولی اس کا والد ضمیر الدین یا اس کے چچا یا اس کا دادا قاضی نصیر الدین یا اس کی والدہ سکینہ بیگم مذکورۂ بالا اشخاص میں سے کون ہیں؟

المستفتی ۲۲۹۶ قاضی محمد رفیع الدین صاحب میرٹھ۔ ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۷ جون ۱۹۳۸ء

(۱۱۷) **جواب** - نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے باپ کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ باپ ولی ہے باپ کی موجودگی میں ماں کو حقِ ولایت حاصل نہیں۔ باپ کے بعد اگر دادا موجود ہو گا تو وہ ولی ہو گا۔ اور جب تک کوئی عصبہ موجود ہو ماں ولی نہیں ہو گی۔ اگر ماں ولی جائز کی اجازت کے بغیر نابالغہ لڑکی کی شادی کر دے گی تو وہ شادی ولی کی اجازت پر موقوف ہو گی۔ ولی اگر ناراضی کا اظہار کر دے گا تو شادی باطل ہو جائیگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

میرے والدین انتقال کر گئے۔ ہم دو بہنوں کے سوا اور کوئی لڑکا نہیں۔ ایک کی شادی ہوگئی۔ دیگر ناکتخدا ہے۔ کیا شرعاً ناکتخدا لڑکی کی شادی کرنے کا حق حقیقی بہن کو ہے یا قریبی رشتہ دار یعنی تایا زاد بھائی کو۔ المستفتی نمبر ۲۲۹۸ عباس خاں صاحب (راجپوتانہ)، ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۷ جون ۱۹۳۸ء

(۱۱۸) **جواب**۔ نابالغہ لڑکی کی شادی تایا زاد بھائی کی اجازت سے ہوگی اور اگر ناکتخدا لڑکی بالغ ہو تو پھر اس کی اپنی اجازت اور رضامندی سے اس کی شادی ہو سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک لڑکا نو دس سالہ یتیم ہے اور اس کا ایک چچا جو اس کے باپ کا چچازاد بھائی ہے موجود ہے۔ اس چچا کی عدم موجودگی میں اس لڑکے یتیم کی والدہ نے اپنی رضامندی سے کسی جگہ اس اپنے لڑکے کا نکاح کرا لیا ہے اور یہ چچا اس لڑکے کا اس نکاح سے سخت ناراض اور ناخوش ہے۔ اور چاہتا ہے کہ میں اس لڑکے کا نکاح اپنی رضامندی سے کسی دوسری جگہ کروں اور اس رشتہ کو چھوڑ دوں۔ آیا اب شریعت مقدسہ اس مسئلہ میں کیا حکم دیتی ہے۔ کیا اس لڑکے کے نکاح کو چچا فسخ کرا سکتا ہے یا نہیں اور کیا صورت اس کے فسخ ہونے کی ہے یعنی اس نابالغی کی حالت میں اس لڑکے کے نکاح کو چچا فسخ کرا سکتا ہے یا کہ بعد بلوغ کے، اور لڑکے کے بالغ ہونے کی شریعتِ مقدسہ نے کیا حد مقرر کی ہے؟

المستفتی نمبر ۲۳۵۴ محمد بہار علی صاحب (کرنال) ۲ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۳ جولائی ۱۹۳۸ء

(۱۱۹) **جواب**۔ اس نابالغ لڑکے کے نکاح کی ولایت اس کے چچا کو حاصل تھی۔ اس کی موجودگی میں ماں کو حق ولایت نہیں تھا۔ پس ماں نے جو نکاح کر دیا تھا وہ چچا کی اجازت پر موقوف تھا۔ اگر چچا نے اس نکاح سے ناراضامندی کا اظہار کر دیا تو یہ نکاح خود ہی باطل ہو گیا۔ اس کے فسخ کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک لڑکی جس کی عمر بوقتِ نکاح تیرہ سال تین ماہ تھی۔ باپ دادا، پردادا فوت ہو چکے تھے۔ حقیقی بالغ بھائی موجود تھے لیکن بلا اس کی اجازت اور رضامندی کے سوتیلے بھائی نے ولی بن کر ایک لڑکے کے ساتھ نکاح کر دیا۔ خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی۔ نہ لڑکی آج تک شوہر کے مکان میں گئی۔ نہ رخصت ہوئی

اب لڑکی کی عمر پندرہ سال نو ماہ ہے۔ حقیقی بھائی اب تک اس نکاح سے رضامند نہیں ہے۔ لڑکی نے بعد بلوغ نوٹس انفساخِ نکاح ناکح کو دے دیا ہے۔ تو بحالات واقعہ بالا۔

(۱) لڑکی کا بابت نکاح بلوغ کس عمر میں متصور ہے۔

(۲) حقیقی بھائی کی موجودگی اور نارضامندی میں نکاحِ مذکور باطل ہے یا نہیں۔ اگر باطل ہے تو طلاق کی ضرورت ہے یا بلا طلاق کے دوسرے شخص کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔

(۳) اگر شرعاً باطل نہیں ہے تو لڑکی جو نکاح کو منظور نہیں کرتی اور نوٹس انفساخ باضابطہ دے چکی ہے اس کے لئے چارۂ کار کیا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۳۹۰ سمیع احمد صاحب (ایٹہ)

۱۰ رجمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۸ راگست ۱۹۳۸ء

(۱۲۰) **جواب** ۔ حقیقی بھائی ولی اقرب تھا۔ اس کی موجودگی میں سوتیلے بھائی نے جو ولی ابعد تھا نابالغہ کا نکاح کیا تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف تھا۔ اگر حقیقی بھائی نے اس نکاح کو نامنظور کر دیا تو نکاح اسی وقت باطل ہو گیا اور اگر حقیقی بھائی نے اجازت دیدی ہو اور لڑکی نے بلوغ کے وقت ناراضی ظاہر کر دی ہو تو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے عدالت مسلمان حاکم کی ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

ایک لڑکی جس کا نکاح نابالغی میں اس کے ولی اقرب نے (ماسوائے باپ اور دادا کے) اپنے پسر سے کر دیا تھا جب اس کو حیضِ اوّل آیا تو وہ اس وقت اپنی خالہ کے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے فوراً اپنی خالہ کو یہ کہا "چار اشخاص کو بلاؤ کیونکہ میں بکر کے ساتھ اپنا نکاح نہیں رکھنا چاہتی"۔ چنانچہ اس کی خالہ جا کر چار پانچ اشخاص کو بلا لائی۔ اس لڑکی نے ان کو کہا کہ جو نکاح عمرو نے اپنے لڑکے بکر سے کیا ہے وہ نکاح مجھے منظور نہیں ہے۔

(۱) کیا لڑکی کے ان الفاظ ذیل "چار اشخاص بلاؤ کیونکہ میں بکر کے ساتھ اپنا نکاح رکھنا نہیں چاہتی" کے کہنے سے اس مجلس میں نکاح کا نامنظور کرنا پایا جاتا ہے یا صرف نامنظور کرنے کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے یا جب گواہان مجلس دویم میں آئے ہیں تب اس نے نامنظور کیا ہے۔

(۲) "چار اشخاص بلاؤ" کے الفاظ جو الفاظ ذیل "بکر کے ساتھ اپنا نکاح نہیں رکھنا چاہتی" کے

پہلے بیان ہوئے کیا زائد الفاظ ہیں اور ان کے کہنے سے کوئی تاخیر واقع ہوئی ہے۔ یا مسلسل کلام ہونے کی وجہ سے کوئی تاخیر رونما نہیں۔ المستفتی ۲۴۰۲ سید تفضل حسین صاحب منصف درجہ اول (بہاولپور اسٹیٹ) ۲ رجب ۱۳۵۷ھ م ۲۹ اگست ۱۹۳۸ء

(۱۲۱) **جواب** - اس قول سے نکاح سے راضی نہ ہونا اسی مجلس میں پایا جاتا ہے۔ دوسری مجلس میں گواہوں کے سامنے ناراضی کا اظہار ہے۔ لہٰذا اس کے اس قول سے مجلس بلوغ میں نکاح سے ناراضی کا اظہار ہو گیا۔

(۲) یہ تاخیر مضر نہیں ہے اور اس سے اس کا خیار باطل نہیں ہوا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مسماۃ ہندہ کا شوہر زید بوجہ نزاع باہمی کے مسماۃ ہندہ اپنی زوجہ منکوحہ کو جبکہ وہ حاملہ تھی چھوڑ کر اپنی قدیم جائے سکونت پر چلا گیا۔ بعد جانے زید کے مسماۃ ہندہ کے لڑکی پیدا ہوئی۔ زید بسلسلۂ تجارت برابر آتا جاتا ہے۔ ہندہ کے پدر نے بلا اجازت زید کی لڑکی کا عقد نکاح بزمانہ نابالغی کر دیا۔ اب لڑکی جوان العمر بالغ ہے۔ عقد سے قطعی انکار کرتی ہے اور نکاح سے تا ایں دم لڑکی شوہر کے یہاں بھی نہیں گئی ہے۔ زید اپنی قدیم سکونت موضع خانپور میں موجود ہے۔ ایسی صورت میں نکاح دختر زید کا جائز ہوا یا نہیں۔ فقط

المستفتی ۲۴۰۵ عبداللہ صاحب لکھنؤ۔ ۳ رجب ۱۳۵۷ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۸ء

(۱۲۲) **جواب** - جبکہ لڑکی کا باپ موجود ہے تو لڑکی کے نانا نے جو نکاح کر دیا تھا وہ نکاح لڑکی کے باپ کی رضامندی اور اجازت پر موقوف تھا۔ اگر باپ نے اجازت دیدی تھی تو نکاح ہو گیا تھا اور اگر اس نے نارضامندی کا اظہار کیا تھا تو نکاح اسی وقت باطل ہو گیا تھا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنی لڑکی کی شادی دولت کے لالچ میں خلاف مرضی لڑکی بکر سے ریاست بھرتپور میں کر دی۔ لڑکی چار روز بکر کے پاس رہ کر واپس دہلی چلی آئی۔ زید سے لڑکی نے اصرار کیا کہ بکر سے فیصلہ کرا دو۔ زید نے بکر اور اس کے سرپرستوں کو جو کہ غیر اشخاص ہیں بلا کر ایک تحریر دوسری جگہ لکھوائی کہ بکر کا علاج کرو۔ اور تین ماہ کا خرچہ خوراک ادا کر دو گے تو لڑکی کو کسی نہ کسی صورت سے بھیجدوں گا۔ لڑکی کو زید نے وہی تحریر دکھا کر کہا کہ تم کو طلاق دلوائی ہے۔ دو تین روز بعد لڑکی کو شبہ ہوا اور زید سے کہا کہ طلاق نہیں

دلوائی ہے بلکہ مجھ کو دھوکہ دیا ہے۔ اس پر زید نے لڑکی کو زہریلی چیز کھانے میں کھلادی جس سے لڑکی کی موت واقع نہ ہوئی۔ صحتیاب ہونے پر لڑکی نے پوشیدہ طور پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ دہلی کو اس امر کی درخواست دی۔ لیکن پولیس کی پرائیویٹ ہدایت پر زید اور اس کے دوستوں نے لڑکی کو زبردستی موٹر میں ڈال کر رات ہی رات ریاست بھرتپور بکر کے سرپرستوں کے پاس چھوڑ آئے اور بکر کے سرپرستوں کو ہدایت کردی کہ لڑکی کو دہلی اس کی بہن و بھائی سے ملنے کے لئے نہ بھیجنا۔ اگر لڑکی جانے کے لئے اصرار کرے تو جان سے ماردینا مگر دہلی نہ بھیجنا۔ زید نفس پرست شخص ہے اور اپنی بیوی کو بھی زہر دے کر ختم کرچکا ہے۔ کیا ایسی صورت میں لڑکی کا نکاح قائم رہا یا نہیں۔ اگر نہیں تو زید کس سزا کا مستحق ہے؟

المستفتی نمبر ۲۴۶۱ زہرہ بیگم کوچہ ناہر خاں دہلی۔ ۱۷ محرم ۱۳۵۸ھ م ۹ مارچ ۱۹۳۹ء

(۱۲۳) **جواب**۔ اگر یہ واقعات صحیح ہیں اور لڑکی بوقت نکاح نابالغہ نہیں تھی بلکہ بالغہ تھی اور اس کی مرضی کے خلاف جبراً باپ نے نکاح کردیا اور جبراً وداع کردی تھی تو وہ نکاح ہی صحیح اور جائز نہیں ہوا۔ اور لڑکی بذریعۂ عدالت اپنی گلوخلاصی کرسکتی ہے۔ باپ نے اگر لڑکی کو زہر دیا یا دلوایا ہے تو وہ سخت ظالم ہے اور قابلِ سزا ہے اور اس کی ولایت لڑکی پر باقی نہیں رہی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کہتا ہے کہ حنفی لوگ کنواری، آزاد، عاقلہ، بالغہ، مطلقہ، بیوہ، آزاد، عاقلہ بالغہ عورتوں کا نکاح بغیر ولی کے کردیتے ہیں جو اُن کی اپنی فقہ کی رُو سے جائز مگر اللہ اور اس کے رسول کے حکمِ صریح کے خلاف ہوتا ہے۔ ثبوت میں حدیث ترمذی حضرت عائشہ صدیقہؓ والی (بغیر ولی کے نکاح باطل، باطل، باطل) پیش کی۔ دوسری دلیل حدیث مسند امام احمدؒ بیہقی طبرانی وغیرہم والی (جس کا مطلب۔ (نکاح نہیں ہوتا بغیر ولی اور دو گواہوں کے) بیان کرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، تو بغیر ولی کے کنواری، بیوہ، مطلقہ کا نکاح جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۷۰ محمد عبدالغنی صاحب ہوشیار پور سٹی (پنجاب)

۶ صفر ۱۳۵۸ھ م ۲۸ مارچ ۱۹۳۹ء

(۱۲۴) **جواب**۔ قرآن پاک میں ہے۔ حتی تنکح زوجاً غیرہ یعنی نکاح کرے عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرنا عورت کے اختیار میں اللہ پاک نے دیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ نکاح کردے ولی عورت کا دوسرے خاوند سے

اور مسلم شریف میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الأیم أحق بنفسها من ولیها۔ ایم سے مراد ثیبہ بالغہ ہے کہ وہ اپنے نکاح کی خود مختار ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

ایک شخص نے باوجود بیوی منکوحہ کے ایک اور عورت مطلقہ سے نکاح کر لیا تھا اس شخص سے اس مطلقہ عورت سے ایک لڑکی ہوئی۔ اس کے بعد شخص مذکور مر گیا۔ بعد مرنے شخص مذکور عورت مذکور نے خاوند مذکور کے گھر سے ایک گونہ تعلق سا کر لیا مگر کبھی کبھی خاوند کے گھر بھی رہ جاتی۔ لڑکی مذکور کبھی اپنی ماں کے پاس اور بیشتر اپنے دادا، دادی اور چچا حقیقی کے پاس رہتی رہی۔ اب لڑکی کی عمر ۱۳ سال ۸ ماہ کی ہے جو دادی کے پاس ہے۔ اب لڑکی کو اس خیال سے کہ لڑکی قابلِ نکاح ہے ماں اس کا کسی غیر کفو وغیرہ میں نکاح نہ کر دے روک لیا ہے۔ اس پر لڑکی کی ماں نے دلا پانے لڑکی کا دعویٰ کیا۔ واقعاتِ بالا کی صورت میں حسب ذیل قابلِ تحقیق ہے۔

(۱) لڑکی سال قمری کے موافق کس مدت میں بالغ ہوتی ہے؟

(۲) دادا، دادی، چچا حقیقی اور ماں حقیقی میں سے لڑکی کے نکاح کی ولایت کا کون مستحق ہے؟

المستفتی نمبر ۲۵۳۸ شجاعت حسین صاحب۔ (آگرہ) ۹ رجب ۱۳۵۸ھ م ۲۶ اگست ۱۹۳۹ء

(۱۲۵) **جواب**۔ (۱) پندرہ سال کی عمر پوری ہو جائے یا اس سے پہلے اسے حیض آنے لگے تو لڑکی بالغ قرار دی جاتی ہے۔

(۲) ولایتِ نکاح صرف دادا کو حاصل ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے دادی، چچا اور ماں کو ولایت حاصل نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

جولائی ۱۹۱۷ء میں ہندہ پیدا ہوئی۔ اس کا باپ کچھ دنوں بعد فوت ہو گیا۔ مارچ ۱۹۲۹ء میں ہندہ کے چچا نے اپنی حقِ ولایت کی بنا پر اس کا نکاح اپنے بیٹے زید سے بعمر (۷) سال کر دیا مگر رسمِ نکاح کی ادائگی کے وقت ہندہ برابر کہتی رہی کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں ہوں میرے چچا مجھے ذبح کر رہے ہیں۔ میں ہرگز یہ نکاح قبول نہیں کرتی۔ ادھر ولی نے ایجاب و قبول کے سب مراحل و مراسم طے کر دیئے ادھر ہندہ اپنی نفرت و ناراضی کا اظہار کرتی رہی اور جہاں تک معلوم ہے آج تک زید و ہندہ میں

باوجود ایک گھر میں رہنے سہنے کے کوئی تعلق یا برتاؤ زن وشو کا عمل میں نہیں آیا بلکہ ہندہ زید کی صورت سے سخت متنفر اور بیزار رہا کرتی ہے۔ اگست ۳۵ء میں ایک ناگوار واقعہ اور پیش آیا کہ ہندہ کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کی بابت ہندہ نے نہایت صفائی سے کہہ دیا کہ یہ لڑکی زید کی نہیں ہے۔ ہمدردانِ ہندہ اب تک اس امید میں تھے کہ شاید امتدادِ زمانہ سے ہندہ اس تعلق پر کسی طرح راضی ہو جائے مگر ہنوز روزِ اول ہے۔ مجبوراً اب انہوں نے بابِ شریعت پر دستک دی ہے اور اس کا سوال ہے کہ کیا ازروئے حکمِ شرع ہندہ اس نکاح کی پابند ہے؟ اور کیا ہندہ بغیر طلاق لیے ہوئے دوسرے نکاح کی مجاز و مختار ہے؟ اور کیا وہ نکاح شرعاً صحیح وجائز ہوگا؟

المستفتی نمبر ۲۶۳۱ محمد یوسف اعظمی (اعظم گڈھ) ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۱۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(۱۲۶) **جواب** - سوال سے ثابت ہے کہ ہندہ نکاح کے وقت بارہ سال کی تھی اور نابالغہ تھی اور نکاح چچا نے اپنی ولایت سے کیا تھا لہذا نکاح صحیح ہو گیا تھا۔ اس وقت کا انکار ہندہ کا معتبر نہ تھا۔

پھر یہ ثابت نہیں کہ اس نے خیارِ بلوغ کے ماتحت اپنا نکاح فسخ کرایا۔ پس وہ ابھی شوہر کے نکاح میں ہے۔ اسلئے جب تک شوہر سے طلاق نہ لے یا کوئی مسلمان حاکم ایکٹ ۸ ۱۹۳۹ء کے ماتحت اس کا نکاح فسخ نہ کردے وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر کرے گی تو ناجائز ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، (دہلی)

سوال

ایک بالکل ہی کمسن اور نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے ایک نابالغ لڑکے سے کر دیا جو بالغ ہونے کے بعد چور، ڈاکو اور شرابی کبابی بن گیا ہے۔ اور انہیں جرائم کی وجہ سے اکثر و بیشتر جیل میں سزا کاٹتا رہتا ہے اور قلیل آمدنی تو درکنار چوری اور ڈکیتی کی آمدنی سے بھی اپنی منکوحہ کو نان نفقہ نہیں دے سکتا اور نہ اس کے سکنیٰ کا انتظام کر سکتا ہے۔ یہ لڑکی جب سنِ شعور کو پہنچی تو اس نے اسی وقت سے اس شوہر کی زوجیت کو قبول کرنے سے نفرت کا اظہار بلکہ انکار شروع کر دیا تھا۔ نیز جب وہ شرعی قاعدہ کے مطابق بالغ ہوئی اس وقت بھی اس نے اس کی زوجیت میں رہنے اور اس کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اب بھی وہ یہ چاہتی ہے کہ اس شوہر سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔

سوال یہ ہے کہ :-

(۱) کیا اس لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد انکار سے یہ نکاح شرعی طور پر غیر معتبر اور فسخ سمجھا جائیگا یا نہیں؟

(۲) اور اگر یہ نکاح منعقد ہی ہوگیا ہے تو اس سے نجات حاصل کرنے کی کیا صورتِ شرعی ہوسکتی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۶۷۳ آدم عیسیٰ صاحب ہادی منزل (دیوبند)

۱۹ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ م ۱۶ جون ۱۹۴۱ء

(۱۲۷) **جواب**۔ اگر اس لڑکی کا باپ بے غیرتی یا طمع یا سفاہت میں معروف و مشہور ہے تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ وان عرف (ای سوء الاختیار من الاب والجد) لایصح النکاح اتفاقاً (درمختار)

اگر باپ ان امور مذکورہ میں معروف نہ تھا اور اسے زوج کے خاندان کے فسق و فجور کی اطلاع نہ تھی اور اس نے اس کو مناسب سمجھ کر نکاح کردیا۔ بعد میں زوج کا فسق و فجور اور غیر کفو ہونا ظاہر ہوا اور لڑکی نے بالغ ہوکر نکاح منظور کرنے سے انکار کردیا تو یہ نکاح مسلمان حاکم کی عدالت سے فسخ کرایا جاسکتا ہے۔ رجل زوج ابنتہ الصغیرۃ من رجل علی ظن انہ صالح لایشرب الخمر فوجدہ الاب شریبا مدمنا و کبرت الابنۃ فقالت لا ارضی بالنکاح ان لم یعرف ابوھا بشرب الخمر و غلبۃ بیتہ الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل وھذہ المسئلۃ بالاتفاق کذا فی الذخیرۃ۔ (فتاوی عالمگیری) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک لڑکی نابالغہ کو تعلیم دی گئی تھی کہ تو جب بالغہ ہوجائے اسی وقت فی الفور بلا درنگ اپنے نکاح کو فسخ کردے۔ لڑکی نے بالغ ہونے پر دو گواہ بنا کر کہا کہ اب میں بالغہ ہوگئی ہوں تم گواہ رہو کہ میں نے نکاح کو توڑ دیا ہے لیکن قبل از قضا و تحکیم پھر لڑکے اور لڑکی نے صلح کرلی ہے۔ کیا وہی پہلا نکاح قائم ہے یا از سر نو ایجاب و قبول کرنا لازم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۷۸۹ مولوی احمد الدین گنجیالوی۔ سرگودھا ۱۳ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ

(۱۲۸) **جواب**۔ خیار بلوغ کے ماتحت بلوغ کے وقت عورت کے انکار کردینے اور نکاح کو فسخ کردینے سے نکاح نہیں ٹوٹتا جب تک قاضی نکاح کو فسخ نہ کرے نکاح قائم رہتا ہے۔ لہٰذا قضاء سے قبل

دونوں بدستور زن وشوی ہیں اور اسی طرح رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں۔ بشرط القضاء للفسخ فیتوارثان فیہ (درمختار) فیتوارثان فیہ ای فی ھذا النکاح قبل ثبوت فسخہ (ردالمحتار) لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء (ردالمحتار) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید فوت ہوگیا اور پس ماندگان میں اس کی زوجہ اور ایک دختر دو لڑکے موجود ہیں۔ چونکہ یہ تینوں بچے نابالغ ہیں۔ دونوں لڑکے لڑکی سے بھی چھوٹے ہیں اور لڑکی کے نکاح کا معاملہ درپیش ہے۔ زید کی اولاد بطن زوجۂ اول سے جو سوتیلے بھائی ہیں اور ہندہ زوجۂ ثانی متوفی سے باہم عداوت اور جائداد نقدی اور ولایت نابالغان پر عرصۂ دراز سے مقدمہ بازی ہے۔ ہندہ بھی مقابلۃً ولایت ذات وجائداد کی بابت عدالتِ مجاز میں دعویدار ہے۔ اور سردست مسئلہ نکاح دختر زیر تصفیہ ہے۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ ولی ذات ومجاز اجازت کون ہے اور شرعاً کس کو منصب ہے۔ ہندہ کا باپ بھی جو ان بچوں کا حقیقی نانا ہے زندہ ہے۔ پس سوتیلے بھائیوں کو حق ہے یا بچوں کی والدہ یا نانا کس کی اجازت احق ومقدم وجائز ہوگی؟ المستفتی محمد رکن الدین دہلوی وکیل ریاست جے پور وبھرت پور

(۱۲۹) **جواب**۔ ان نابالغ بچوں کے نکاح کی ولایت ان کے سوتیلے علاتی بھائیوں کو حاصل ہے۔ ان کے سامنے ماں اور نانا ولی نہیں ہیں۔ لیکن اگر علاتی بھائیوں کی مخالفانہ کارروائیاں واضح ہوں اور وہ بچوں کی خیر خواہی کے خلاف نکاح کرنا چاہیں تو قاضی بعد تحقیقات ان کو نکاح کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہاں تک کہ لڑکی بالغ ہوجائے اور وہ اپنی مرضی اور اپنے اذن سے نکاح کرے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ مدرسۂ امینیہ دہلی

سوال

متعلقہ ولی اقرب وولی ابعد۔ المستفتی نمبر ۱۷۲۱ محمد جلیل کوچہ دکھنی رائے دہلی
۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ یکم ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱۳۰) **جواب**۔ ولیٔ اقرب نے جب ولیٔ ابعد کے کیے ہوئے نکاح کو فسخ کر دیا اور لڑکی کو واپس لانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا تو ولیٔ ابعد کا کیا ہوا نکاح باطل ہوگیا۔ اس کے بعد جب خاوند نے لڑکی سے وطی کی تو وہ وطی ناجائز واقع ہوئی اور جب لڑکی ولیٔ اقرب کے قبضہ میں آگئی تو

اب جدید نبیخ کرانے کی ضرورت نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

ہندہ کے والد کا انتقال ہو چکا۔ اور اس نے اپنے چچا کی سرپرستی میں پرورش پائی ہے۔ جب ہندہ کی عمر تیرہ سال کی ہوئی تو اس کا نکاح زید سے کر دیا گیا۔ اس صورت سے کہ ہندہ کو نابالغ تصور کیا گیا۔ ہندہ اُس وقت بیمار بھی تھی اس لئے اس کے دادا سے اجازت نکاح چاہی گئی مگر دادا زید کے ساتھ اس کا نکاح کرنے سے ناخوش ہیں اس لئے انکار کیا۔ تو ہندہ کے چچا نے ہندہ کی دادی سے اجازت حاصل کر کے نکاح کر دیا۔ حالانکہ ہندہ کی والدہ بھی حیات ہے اور وہ بھی اس نسبت سے ناخوش ہے۔ مگر یہ بھی ہوا کہ ہندہ کے دادا اور والدہ ہر دو محفلِ نکاح میں شریک رہے۔ اب آٹھ ماہ کے بعد رخصتی کرنے کا قصد کیا گیا تو ہندہ انکار کرتی ہے۔ اور اس کی ماں اور دادا بھی اس سے متفق ہیں۔ کیونکہ زید کا چال چلن بہت خراب ہے۔

(۱۳۱) **جواب**۔ نکاح درست نہیں ہوا۔ کیونکہ ہندہ کی نابالغی کی صورت میں ولایت نکاح دادا کو حاصل تھی اور جبکہ اس نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تو نکاح درست نہیں ہوا۔ اور اگر ہندہ بالغہ تھی تو خود اس کی اجازت و رضامندی ضروری تھی۔ اگر اس کی خلافِ مرضی نکاح کر دیا گیا تو بھی ناجائز ہوا۔ دادا کے انکار صریح کے بعد اس کی شرکت مجلس قائم مقام اجازت کے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ شرکت سے دلالتِ اجازت نکلتی ہے اور صراحت کے ہوتے ہوئے دلالت کام نہیں کر سکتی۔ فقط محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

ہندہ نے اپنی پندرہ سالہ لڑکی کو اپنے شوہر کی بغیر اجازت ایک دوسرے مقام پر لے جا کر لڑکی کے علم کے بغیر اس کا نکاح کر دیا۔ لڑکی کو جب اس کا علم ہوا تو موقع پا کر بھاگ کے اپنے باپ کے پاس چلی آئی اور پانچ برس سے وہ اپنے باپ کے پاس ہے۔ باپ اس کا نکاح پڑھانا چاہتا ہے مگر کوئی اس سے نکاح کرنے پر اس خیال سے تیار نہیں ہوتا کہ اس کا پہلا شوہر خلل اندازی نہ کرے۔

(۱۳۲) **جواب**۔ بالغہ لڑکی کا نکاح بغیر اس کی اجازت و رضامندی کے نہیں ہو سکتا۔ اور جبکہ لڑکی نکاح کی

خبر پاکر اظہار ناراضی کے طور پر بھاگ آئی تو نکاح جو (بطور نکاح فضولی) منعقد ہوا تھا باطل ہوگیا۔ اور دوسرا نکاح اس کا بلا تامل جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

ایک لڑکی نابالغہ بعمر گیارہ ماہ اور لڑکا بعمر ۵ سال کا نکاح شربت پڑھ کر کیا گیا تھا اور ان کو پلایا گیا تھا۔ اب اس نکاح کو عرصہ دس سال کا ہوچکا ہے اور لڑکا نہایت بدچلن اور خدا ورسول سے بالکل ناواقف ہے۔ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

(۱۳۳) **جواب**۔ اگر ان دونوں نابالغ بچوں کے باپوں نے ان کا نکاح کیا تھا اور باقاعدہ ایجاب وقبول ہوا تھا تو نکاح صحیح لازم ہوگیا۔ لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک فریق یا دونوں فریق کے باپ نے نکاح نہیں کیا بلکہ کسی اور جائز ولی نے نکاح کیا تھا تو نکاح صحیح تو ہوگیا مگر جس فریق کے باپ نے نکاح نہیں کیا ہے اس کو خیار بلوغ حاصل ہے یعنی وہ بالغ ہوتے ہی اگر انکار کردے تو نکاح بحکم قاضی فسخ ہوسکتا ہے۔ واضح رہے کہ دادا کا کیا ہوا نکاح باپ کے کیے ہوئے نکاح کی طرح فسخ نہیں ہوسکتا۔ دوسرے اولیا مثلاً بھائی، چچا وغیرہ کے کیے ہوئے نکاح فسخ ہوسکتے ہیں۔ اور اگر نکاح مذکور میں باقاعدہ ایجاب وقبول نہیں ہوا تھا بلکہ صرف شربت پر کلمہ وغیرہ پڑھ کر دم کردیا اور زوجین کو پلادیا تھا اور اسی فعل کو عقد نکاح سمجھ لیا گیا تھا تو درحقیقت یہ نکاح ہی نہیں ہوا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۵ء)

زید، بکر خاندانی ہم زلف ہیں۔ زید نے بکر کو اپنی لڑکی کے عقد کا اختیار دے دیا۔ زید مرگیا۔ زید کی زوجہ اپنے شوہر کے اقرار پر پابند ہے۔ لڑکی کی عمر ۱۴ سال ہے۔ زید کا لڑکا جو سولہ سال کا ہے اپنی والدہ کی مرضی کے خلاف ہے۔ آیا لڑکی اور والدہ عقد کی اجازت دیں تو شرعاً عقد جائز ہے؟

(۱۳۴) **جواب**۔ چودہ سال کی لڑکی اگر نابالغہ ہے تو اس کے نکاح کی ولایت (باپ کے انتقال کے بعد) اس کے بھائی کو ہے۔ لیکن اگر لڑکی بالغہ ہوگئی ہے (جو چودہ سال کی عمر میں ممکن ہے) تو خود لڑکی کی رضامندی اور اجازت سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے۔ بھائی کی ولایت سے نکاح ہونا ضروری نہیں۔ نہ صحت نکاح

کے لئے بھائی کی رضامندی شرط ہے۔ واللہ اعلم　　محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۶ء)

ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ میرا نکاح ہمراہ فلاں نابالغہ کے حقیقی ماموں نے باجازت والد لڑکی مذکورہ کے کر دیا۔ اب لڑکی مذکورہ کے والد نے اور جگہ نکاح کر کے دیدیا۔ میرا نکاح بشرح صدر باقی ہے۔ لڑکی جواب میں کہتی ہے کہ میرا نکاح حالت بلوغ میں ہمراہ مدعی کے بغیر اجازت والد کے ہوا۔ اور میں نے اس نکاح کو فسخ کرالیا۔ میرے والد نے علمائے ہندوستان کو لکھ بھیجا تھا کہ جو نکاح بغیر مرضی باپ دادا اور ان کی موجودگی کے کوئی ولی کر دیوے فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ علماء نے لکھ دیا ہے کہ فسخ ہو سکتا ہے۔ اس واسطے میں نے اور جگہ نکاح کر لیا اب اس معاملہ کی نوبت عدالت تک پہنچ چکی ہے۔ عدالت کے نزدیک بھی نکاح ثابت ہو چکا ہے مگر فسخ میں جھگڑا ہے۔ مدعی کہتا ہے کہ اگر یہ نکاح میرا بعد البلوغ لڑکی مذکورہ سے ہوا ہے اور وہ نکاح سنتے ہی ناراض ہو گئی تو فسخ کرانے کی کیا ضرورت پڑی۔ فسخ کے لئے وجود نکاح کے تقدم کی ضرورت ہے اور اگر قابلِ فسخ ہے تو فسخ کے لئے اتنا عذر کافی نہیں ہو سکتا۔ بغیر خواہش و بغیر تحریر و درخواست زوجین کے قاضی فسخ نہیں کر سکتا۔ بلکہ زوجین حاضر ہوں یا خاص کر ان کی تحریر موجود ہو تو قاضی ان دونوں کو حکم کرے کہ تم دونوں اور نکاح کر لو۔ پہلا نکاح جاتا رہا۔ جب فسخ ہو سکتا ہے۔ فان زوجھما غیر الاب والجد فلھما الخیار بعد البلوغ بشرط قضاء القاضی (ہدایہ) و باقی روایاتِ فقہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس صورت میں دوسرا نکاح صحیح نہ ہوا تو پہلا اگر باقی ہے تو جس امام نے دوسرا نکاح دیدہ و دانستہ پڑھ دیا ہے اور اس فسخِ غائبانہ کو اصلی فسخ سمجھ کر عمل درآمد کر لیا ہے۔ شرعاً اس کی کیا سزا ہے؟

(۱۳۵) **جواب**۔ اگر واقعہ یہ ہے کہ لڑکی پہلے نکاح کے وقت بالغہ تھی اور اس کی مرضی کے بغیر کسی نے اس کا نکاح کر دیا تو خود لڑکی کو یہ اختیار تھا کہ وہ اس نکاح کو قبول کرے یا نہ کرے۔ اگر لڑکی قبول نہ کرے تو نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ خواہ یوں کہو کہ لڑکی نے ناراضی ظاہر کی۔ لہٰذا نکاح جاتا رہا۔ یا یوں کہو کہ لڑکی نے نکاح فسخ کر دیا۔ دونوں کا مطلب ہمارے عرف میں ایک ہے۔ اس بطلانِ نکاح یا فسخ کے لئے قضائے قاضی شرط نہیں ہے۔ ہاں اگر لڑکی نابالغہ تھی اور نکاح باپ نے کیا تھا تو وہ نکاح لازم تھا اب لڑکی کو اس کے فسخ کرنے کا بلکہ دعوائے فسخ دائر کرنے کا بھی حق نہیں۔ اور اگر نابالغہ ہونے کی صورت میں باپ دادا کے سوا

کسی اور ولی نے نکاح کر دیا تھا اور باپ بھی لڑکی کا زندہ موجود تھا اور غائب بھی نہیں تھا تو یہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف تھا۔ اگر باپ نے اجازت دیدی اور تسلیم کر لیا تو نکاح صحیح ہو گیا۔ اور اگر ناراضی کا اظہار کیا تو نکاح باطل ہو گیا یا یوں کہو کہ باپ نے فسخ کر دیا۔ البتہ اگر نابالغہ کا نکاح باپ اور دادا کے سوا کسی ولی نے کیا ہو اور باپ اور دادا زندہ نہ ہوں یا غیبت منقطعہ کے ساتھ غائب ہوں تو یہ نکاح لڑکی کی اجازت بعد البلوغ سے تام اور نافذ ہو جاتا ہے۔ لیکن لڑکی کو دعویٰ فسخ کا اختیار رہتا ہے اور اس کے فسخ کے لئے قضائے قاضی کی ضرورت ہے۔

صورت مسئلہ میں جو واقعہ ہو اس کے موافق حکم سمجھا جائے۔ نکاح پڑھانے والے نے اگر یہ سمجھ کر نکاح پڑھایا کہ پہلا نکاح جاتا رہا ہے تو اگر اس کی یہ سمجھ صحیح تھی تو اس کا یہ فعل بھی صحیح ہوا ورنہ غلط۔ تاہم اس کے ساتھ سختی مناسب نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ فروری ۱۹۲۶ء)

ہندہ نابالغہ بعمر ۷ سالہ کا نکاح زید نابالغ بعمر ۸ سالہ کے ہمراہ ہندہ اور زید کے حقیقی والد نے اپنی ولایت سے پڑھایا۔ بعد میں کسی وجہ سے ہندہ کا باپ اس نکاح سے ناراض ہو گیا اور چاہتا ہے کہ میں نکاح فسخ کر دوں۔ تو کیا ہندہ کے باپ کو تنسیخِ نکاح کا مجاز ہے یا ہندہ کو خود کسی وقت انفساخِ نکاح کا مجاز ہو سکتا ہے؟

(۱۳۶) **جواب**۔ باپ یا دادا کا کیا ہوا نکاح صحیح نافذ ہو جاتا ہے۔ نابالغوں کو جن کا نکاح اُن کے باپ یا دادا نے کیا ہو بلوغ کے وقت خیار بلوغ حاصل نہیں ہوتا۔ باپ یا دادا خود بھی اپنے کیے ہوئے نکاح کو نابالغوں کی نابالغی کے زمانے میں یا بعد بلوغ فسخ نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ اس کی وجہ سے نکاح فسخ ہو سکتا ہو تو بذریعہ عدالت فسخ کرایا جا سکتا ہے۔ مثلاً غیر کفو زوج نے نابالغہ کے باپ کو دھوکا دے کر نکاح کر لیا ہو وغیرہ۔ محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۲۶ء)

ایک لڑکی نابالغہ کا عقد حالتِ نابالغی میں ہوا۔ بعد بالغ ہونے کے اُس کو معلوم ہوا کہ میرا شوہر دوسری

عورت رکھتا ہے اور زیر اگزارا ہونا مشکل ہے۔ ایسی صورت میں وہ عقدِ ثانی کے بارے میں کیا کرے؟

(۱۲۷) **جواب** - اگر نابالغہ لڑکی کے باپ یا دادا نے اس کا نکاح کیا ہو تو نابالغہ کو بلوغ کے وقت خیارِ بلوغ حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر لڑکی کے کسی دوسرے ولی (مثلاً بھائی، چچا، تایا وغیرہ) نے نکاح کیا ہو تو لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہوتا ہے، جسے وہ بالغ ہوتے ہی فوراً استعمال کر سکتی ہے۔ اور اگر فوراً استعمال نہ کرے تو وہ اختیار بھی قطع ہو جاتا ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۲۷ء)

ایک لڑکی بالغہ باکرہ اپنی مرضی سے بلا موجودگی والدین کے نکاح پڑھنا چاہتی ہے تو کیا وہ عورت بلا والدین کے نکاح پڑھ سکتی ہے؟

(۱۲۸) **جواب** - بالغہ لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اپنی مرضی سے نکاح کرے تو نکاح صحیح و نافذ ہو جائے گا۔ اگرچہ ایسی حالت میں کہ والدین زندہ موجود ہوں ان کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا مکروہ ہے تاہم نکاح کرے تو منعقد اور نافذ ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۲۷ء)

ایک نابالغہ مسلمہ کو ایک غیر مسلم نے بوصیت والدینِ نابالغہ پرورش کیا ہے۔ اب اس غیر مسلم نے اس کا نکاح کر دیا ہے تو وہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

(۱۲۹) **جواب** - نابالغہ کا نکاح بغیر ولی کے درست نہیں ہوتا۔ اور غیر مسلم کو کسی حال میں مسلم پر ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ پس نکاح مذکور درست نہیں ہوا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۲۷ء)

ایک شخص اپنی دو نابالغ لڑکیوں کا باقاعدہ نکاح پڑھا دینے کے بعد رشتہ داروں کی باہم ناچاقی کی وجہ سے فسخ کرنا چاہتا ہے۔ دولہاؤں میں سے ایک بالغ اور ایک نابالغ ہے۔ دلہنیں دونوں نابالغ ہیں۔

(۱۴۰) **جواب** - باپ کو نابالغ اولاد کے نکاح کر دینے کا تو اختیار ہے مگر کر نے کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار

نہیں۔ جو لڑکا بالغ ہے اس سے طلاق حاصل کرکے نکاح کو رفع کیا جاسکتا ہے مگر جو لڑکا کہ نابالغ ہے اس کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا نکاح بحالہ قائم رہے گا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۲۷ء)

ایک لڑکی کی شادی نابالغی میں اس کی ماں نے اپنی مرضی سے کردی تھی۔ اب لڑکی بالغ ہے۔ رخصتی نہیں ہوئی تھی اور اب وہ شوہر کے گھر جانے سے انکار کرتی ہے۔

(۱۴۱) **جواب** ۔ جبکہ نابالغہ کی شادی اس کی والدہ نے کی تھی اس وقت کوئی ولی قریب موجود تھا یا نہیں اگر تھا اور اس نے نکاح کی اجازت نہیں دی تھی تو نکاح ہی صحیح نہیں ہوا۔ اور نہیں تھا تو (۱) کا کیا ہوا نکاح جبکہ لڑکی نے بالغہ ہوتے ہی ناراضی ظاہر کردی ہو۔ بحکم حاکم مجاز فسخ ہوسکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

لڑکی جس کی شادی بوقت نابالغ ہوئی تھی اور اس کے والدین نے اپنی مرضی سے شادی کی تھی۔ ولی حاضر تھا اس نے اجازت دی تھی۔ شوہر نے اقرار نامہ لکھ دیا تھا کہ لڑکی اس وقت نابالغ ہے اس لئے وہ ایک سال تک اپنے میکے میں رہ سکتی ہے۔ اس نے مبلغ دس روپئے ماہانہ خوراک و دیگر اخراجات کے لئے دینا اقرار نامہ میں لکھ دیا تھا۔ اور یہ کہ میں کسی قسم کی تکلیف نہیں دوں گا۔ لیکن اس نے اقرار نامہ پر عمل نہیں کیا۔ یعنی ایک سال کے اندر ہی اس کو جبراً اپنے گھر لے گیا۔ جس رقم کا اقرار کیا تھا وہ ادا نہیں کی۔ اور بہت تکلیف دی۔ لڑکی ابھی نابالغ ہے اور نکاح سے ناراض ہے۔ اور طلاق لینا چاہتی ہے اور شوہر طلاق نہیں دینا چاہتا۔

(۱۴۲) **جواب** ۔ اگر لڑکی نابالغہ کے باپ نے اس کا نکاح کیا تھا تو لڑکی کو نکاح کے فسخ کرانے کا حق نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی اور وجہ ایسی ہو جس سے فسخ نکاح کی خواہش پیدا ہوئی ہو تو اسے بیان کرنا چاہئیے۔ صرف نابالغی کا نکاح وجہ فسخ نہیں ہوسکتا۔ اقرار نامہ کی خلاف ورزی بھی فسخ نکاح کے لئے کافی وجہ نہیں ہوسکتی۔ اگر نباہ نہ ہوسکنے کا اندیشہ ہو تو طلاق لینے کی صورت کرنی چاہئیے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

ایک نابالغہ لڑکی زید کے ساتھ منسوب ہوئی اور نسبت کے تین سال کے بعد زید کے ساتھ اس کا نکاح ہوا۔ لیکن لڑکی چونکہ نابالغہ تھی اس لئے بہ مجمع عام اس کے باپ کی ولایت سے نکاح ہوا۔ اب ہندہ کہتی ہے کہ بلوغ کے وقت ہم نے نکاح منسوخ کر دیا۔

(۱۴۳) **جواب**۔ باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جاتا ہے۔ نابالغہ کو بلوغ کے وقت یہ اختیار نہیں ہوتا کہ باپ کے کیے ہوئے نکاح کو فسخ کر سکے۔ اس لئے صورتِ مسئولہ میں لڑکی کے فسخ کرنے سے نکاح منفسخ نہیں ہوا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۳۶ء)

ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا۔ وہ لڑکا اب اپنے ماں باپ کی خوشی سے ایک اور شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پہلی بی بی کو بھی رکھنا چاہتا ہے۔ لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ اگر تم اپنی دوسری شادی کرو گے تو ہماری لڑکی بالغہ ہونے پر تمہارے نکاح سے انکار کر کے اپنی دوسری شادی کرے گی۔

(۱۴۴) **جواب**۔ لڑکی کو بالغہ ہونے پر محض اس وجہ سے کہ خاوند نے دوسری شادی کر لی ہے نکاح فسخ کرانے کا حق نہیں ہوگا۔ جبکہ خاوند اس کو بھی رکھنے اور اس کے حقوق ادا کرنے پر تیار ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۹ء)

زید نے اپنے لڑکے کی شادی بکر کی لڑکی سے کی اور وقت نکاح کے زید کو بکر نے کسی رشتہ کی یا بزرگی کی وجہ سے لڑکی کا ولی مقرر کیا۔ یعنی اپنا حق ولایت سپرد کیا۔ اور بکر ولی نہ بنا بلکہ گواہ بنا اور دوسرا گواہ زید کے دوسرے لڑکے کو بنایا اور زید نے ہی ایجاب و قبول کرایا۔ یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

(۱۴۵) **جواب**۔ اگر بکر کی لڑکی بالغہ تھی تو یہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف تھا۔ اگر اس نے اجازت دیدی

ہوا اور نکاح کو منظور کر لیا ہو تو نکاح درست ہو گیا۔ اور اگر نابالغہ تھی تو یہ نکاح اس لئے درست ہوا کہ لڑکی کا ولی جائز یعنی باپ اس نکاح سے راضی اور خود بطور شاہد مجلس عقد میں موجود تھا۔ اس لئے ایجاب یا قبول لڑکی کی طرف سے کسی نے کیا ہو باپ کی طرف منسوب اور منتقل ہو جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

پانچواں باب

ایجاب وقبول

سوال

ایک شخص نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح ایک شخص کے لڑکے سے اس طرح کیا کہ مثلاً زید کی بیٹی بکر کے بیٹے سے اور بکر کی بیٹی زید کے بیٹے سے بیاہی گئی۔ اس طرح کا ایجاب وقبول صحیح ہوا یا نہیں اور مہر اس کا ٹھیک رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۱۴۶) **جواب**۔ صورتِ مسئولہ میں اگر دونوں لڑکیوں کا علیحدہ علیحدہ مہر بھی مقرر کیا گیا ہو تو یہ دونوں نکاح جائز ہو گئے۔ اور اگر مہر مقرر نہیں کیے گئے تاہم دونوں نکاح منعقد ہو گئے اور دونوں کے مہر مثل شوہروں کے ذمہ واجب ہو گئے اور یہ فعل مکروہ ہوا۔

سوال

بکر نے اپنے بیٹے زید کا نکاح بعمر ساڑھے تین سال مسماۃ ہندہ کے ساتھ جس کی عمر گیارہ سال کی تھی کیا۔ جس کو عرصہ تخمیناً آٹھ سال کا ہوتا ہے۔ چونکہ زید بچہ تھا جب نکاح کے وقت جلسہ میں لایا گیا تو رونے لگا۔ قاضی صاحب نے بکر سے کہا کہ تم اس کی طرف سے ایجاب وقبول کر دو۔ پس قاضی صاحب نے بعد پڑھنے خطبے کے بکر سے کہا کہ مسماۃ فلاں بیٹی فلاں کو اس قدر زرِ مہر کے عوض میں نے تیرے عقدِ نکاح میں دیا۔ بکر نے اس کے جواب میں صرف یہ الفاظ "میں نے قبول کیا" کہے۔ تین مرتبہ ایسے ہی قاضی صاحب نے کہا اور بکر نے یہی جواب دیا۔ پس اس صورت میں مسماۃ ہندہ کا نکاح زید سے جائز ہوا یا نہیں۔ اور جائز ہوا تو کس کے ساتھ؟ نیز یہ کہ زید کی عمر اب دس سال کی ہے لیکن پستہ قد اور

مخنی ہونے کی وجہ سے چھ سال کا معلوم ہوتا ہے۔ ہندہ کی عمر اٹھارہ سال کی ہے۔ چونکہ زمانہ نازک ہے اس لیے گو اس کی نگرانی کافی طور پر کی جاتی ہے لیکن اندیشہ ہے۔ لہٰذا اس کا دوسرا نکاح ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اس لئے گزارش ہے کہ بمقابلہ شخص غیر زید کے والد بکر سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۱۴۷) **جواب**۔ یہ نکاح زید کے ساتھ تو اس وجہ سے منعقد نہیں ہوا کہ ایجاب و قبول میں اس کا نام ہی نہیں لیا گیا اور اس کی طرف نسبت نہیں کی گئی۔ الفاظ کا مقتضٰی یہ ہے کہ زید کے باپ بکر کے ساتھ یہ نکاح منعقد ہوجاتا۔ لیکن سوال میں یہ تصریح نہیں کہ قاضی صاحب نے ایجاب کے جو الفاظ کہے ہیں اُن کی اجازت ہندہ کے کسی ولی جائز سے حاصل کی تھی یا نہیں۔ اگر اس کے ولی جائز کی اجازت سے یہ الفاظ کہے ہوں تو بکر کے ساتھ یہ نکاح ہندہ کا منعقد ہوگیا۔ اور بلا اجازت استعمال کیے ہیں تو یہ نکاح فضولی ہوا جو ولی کی اجازت پر موقوف تھا۔ اگر ولی نے اجازت دی ہو تو جائز ورنہ باطل ہے۔ ہاں از سر نو بکر کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس کے بیٹے زید کے ساتھ بہر حال نکاح منعقد نہیں ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال

ہندہ نے تین شخصوں کے روبرو زید سے یہ کہا کہ میں نے اپنی ذات تجھ کو اکیاون روپے کے عوض بخش دی۔ اس کہنے سے ہندہ کا عقد زید سے ہوگیا یا نہیں؟ جب زید نے ہندہ کو اپنی منکوحہ سمجھ کر اپنے مکان پر بلایا تو ہندہ نے صاف انکار کردیا کہ میں نے تین شخصوں کے رُوبرو اپنی ذات کو نہیں بخشا۔ پس اس صورت میں ہندہ کا انکار معتبر ہوگا یا نہیں؟

(۱۴۸) **جواب**۔ اگر زید نے اسی مجلس میں اُنھیں تین شخصوں کے رُوبرو قبول کرلیا ہو یعنی یہ کہہ دیا ہو کہ میں نے قبول کی تو نکاح ہوگیا اور اگر زید نے قبول نہیں کی تو نکاح نہیں ہوا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) ایک شخص گونگا ہے اس کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتا ہے تو ایجاب و قبول کس طرح ہو؟ (۲) وہی گونگا شخص اگر کسی پیر کا مرید ہو تو ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتا ہے تو کس طرح ہو؟ بینوا توجروا۔ المستفتی ۲۱۲ حافظ رفیع الدین امام مسجد محلہ کانٹا نیل۔ جلگاؤں۔ ضلع

مشرقی خاندیش۔ ۲ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ ۱۷ فروری ۱۹۳۴ء

(۱۴۹) **جواب** ۔گونگا اشارے سے ایجاب وقبول کر سکتا ہے۔قبول کرنے کا اشارہ جس کو سب لوگ سمجھتے ہوں کہ یہ قبول کر رہا ہے کافی ہوگا۔ (۲) مرید ہو سکتا ہے اور بیعت کرنے کے لئے تو بولنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

الجواب صحیح ۔حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

سوال

ایک شخص کی دو لڑکیاں ہیں۔بڑی لڑکی کا نام کلثوم عرف اچّا۔چھوٹی کا نام حوّا عرف جیبّی بعضے جیبّی کی جگہ حفیظہ نام سے بلایا کرتے ہیں۔اتفاقاً بڑی لڑکی کے نکاح کے موقع پر باپ نے اس کے نام کو کسی وجہ سے نامناسب سمجھ کر بجائے کلثوم کے حافظہ نام رکھا اور باقاعدہ حاضرین مجلس کے روبرو نکاح کر دیا۔بروقت نکاح جدید نام حافظہ لیا گیا۔اور دفتر نکاح میں بھی یہی نام درج کیا گیا۔یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ چھوٹی لڑکی کا نکاح ہوا کیونکہ چھوٹی لڑکی حفیظہ نام سے مشہور ہے اور حافظہ غیر مشہور نام حفیظہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور باپ کو ایک مرتبہ نام رکھنے کے بعد دوسری مرتبہ نام تبدیل کرنے کا حق نہیں ہے۔ المستفتی ۴۹۷ پی اسمٰعیل (الیس کنارا)

۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۵ء

(۱۵۰) **جواب** ۔حافظہ چونکہ پہلے سے کسی لڑکی کا نام معروف نہیں تھا اس لئے دونوں میں سے کسی کا نکاح منعقد نہیں ہوا۔یہ صحیح نہیں کہ حافظہ کہنے سے حفیظہ کا نکاح ہو گیا۔اب بڑی لڑکی کا نام صحیح لیکر دوبارہ ایجاب وقبول کرا دیا جائے۔باپ کو نام بدلنے کا حق ہے۔لیکن تبدیل کے بعد جب تک وہ نام مشہور نہ ہو جائے اس پر احکام جاری نہ ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایجاب وقبول ایک وقت میں عدم موجودگیٔ زوجین کے کیسے جاتے ہیں۔بذریعہ ولیوں کے حالانکہ ہر دو بالغ ہیں۔ولیٔ زوج نے گھر جا کر زوج کو بالکل قبول نہ کرایا ہو صرف زوجین کے سکوت سے حق زوجیت ثابت ہوگا یا نہ؟ المستفتی ۱۱۳۹ اللہ داد خاں وقاضی محمد عالم، راجہ محمد باقر، نجیب علی صاحب (راولپنڈی)

۱۴ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۳ اگست ۱۹۳۶ء

(۱۵۱) **جواب** - ولی جائز مجلس نکاح میں اگر ایجاب وقبول کرے اور زوجین میں سے کوئی حاضر نہ ہو تو نکاح ہو جاتا ہے اور زوجین بالغین کے قبول پر یعنی ان کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ اگر زوجین بالغین نے نکاح کی خبر پانے پر رد نہیں کیا اور کوئی فعل ایسا کر لیا جس سے اجازت سمجھی جاتی ہو تو نکاح قائم رہتا ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسی بات کریں جس سے ناراضی ظاہر ہوتی ہو یا زبان سے رد کر دیں تو رد ہو جاتا ہے۔ بالغہ باکرہ کو ولی قریب خبر دے تو اس کا سکوت بھی رضامندی کے قائم مقام ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایجاب وقبول ایک ہی مرتبہ کرایا جائے یا تین مرتبہ دولہا سے کہلوایا جائے کہ میں نے قبول کیا۔

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(۱۵۲) **جواب** - ایجاب وقبول ایک مرتبہ کرانا کافی ہے۔ تین بار کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص محمد کی لڑکی مسماۃ شرم خاتون عاقل بالغ موجود ہے۔ محمد غیر برادری میں لین دین کرنا چاہتا تھا۔ اس کے شریکِ قوم غلام حیدر نے اس کے پیر کو کہا کہ اس کو منع کر دو کہ غیر برادری میں لین دین نہ کرے۔ محمد نے کہا کہ برادری میں مجھ سے لین دین کوئی نہیں کرتا۔ غلام حیدر نے کہا کہ میں کرنا چاہتا ہوں پیر صاحب نے اجازت دیدی۔ غلام حیدر نے مجمع کر کے پانچ نکاح یکجا پڑھانے شروع کیے۔

(۱) غلام رسول کی لڑکی اللہ وسایا کا لڑکا جو ہر دو نابالغ تھے والدین کے ایجاب وقبول سے نکاح ہوا۔

(۲) اللہ وسایا کی لڑکی نابالغ بہ ایجاب والد کے محمد حسین بالغ کے ساتھ ہوا۔

(۳) اللہ وسایا کی لڑکی محمد کا لڑکا ہر دو نابالغ بایجاب وقبول والدین نکاح ہوا۔

(۴) غلام حیدر کی لڑکی اللہ وسایا کا لڑکا ہر دو نابالغ بایجاب وقبول والدین نکاح ہوا۔

(۵) محمد کی لڑکی شرم خاتون غلام محمد کا لڑکا رحیم بخش ہر دو بالغان کا نکاح شروع ہوا۔ رحیم بخش شادی شدہ گھر آباد تھا۔ بوقت ایجاب محمد اور اس کی عورت اور لڑکی شرم خاتون نے انکار

کر دیا کہ اگر غلام حیدر کے لڑکے سے نکاح ہو تو رضا مند ہیں ورنہ ہرگز نکاح منظور نہیں سخت واویلا ہوگیا تو محمد کا سالہ محمد حسین نے سوٹا لے لیا محمد کی عورت اپنی ہمشیرہ یکہان اور بھانجی شرم خاتون کو خوب مارا اور محمد کو سخت دشنام دیئے۔ فساد برپا ہوگیا۔ ملّانے اس وقت یہ نکاح نہ پڑھا۔ پھر صبح کو اسی طرح مجمع ہوا اور ایجاب کے لیئے ملّا، وکیل، دو گواہ، ماموں محمد حسین و والد محمد لڑکی کے پاس گئے۔ محمد حسین نے لڑکی کو دھمکی دی اور ملانے دریافت کیا تو اس کے منھ سے نکلا جی ہاں۔ اس پر مشہور ہوگیا کہ نکاح ہوگیا۔ یہ سب نکاح ملّانے ڈر کے مارے کتاب نکاح خوانی میں کہ ہمیں رحیم بخش منظور ہے درج نہ کیے اور نہ کسی نکاح کا انگوٹھا ناکح و منکوحہ و وارثان وغیرہ کا لگایا گیا۔ عورت اور اس کی والدہ کا بیان ہے کہ بطور استفہام لفظ جی کہا ہے نہ کہ جی ہاں۔ حاضرین میں سے بعض کہتے ہیں کہ لفظ جی کہا ہے۔ ملا اور بعض آدمی کہتے ہیں کہ جی ہاں کہا ہے۔ اب اس کی شادی ہونے میں تنازعہ ہے۔ آیا نکاح شرم خاتون و رحیم بخش جائز ہے یا نہیں۔ اور باقی نکاح بھی جائز ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۶۶۹ عبد اللہ (ملتان) ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۲ اگست ۱۹۳۷ء

(۱۵۳) **جواب** - شرم خاتون اور رحیم بخش کے نکاح کے علاوہ اور نکاحوں میں تو کوئی بات ایسی مذکور نہیں جن سے نکاح نہ ہونے کا شبہ ہوتا ہو۔ لہٰذا وہ نکاح تو ہوگئے۔ والدین کے ایجاب و قبول سے یا شوہر کے قبول سے اور والد کے ایجاب سے نکاح ہوگئے۔ شرم خاتون چونکہ بالغہ تھی اس لئے اس کی اجازت ضروری تھی اور اگر اس کو خاوند کا نام اور مہر بتلایا گیا ہو اور اس نے صاف صریح منظوری دی ہو تو نکاح ہوا ورنہ نہیں کیونکہ اسی شخص سے وہ پہلے نکاح کو نامنظور کر چکی ہے۔ لہٰذا اب دوبارہ صاف و صریح منظوری سے نکاح ہوگا۔ اور اگر اس نے صرف لفظ جی کہا ہے اور رحیم بخش سے قبول کرانے کا بھی سوال میں ذکر نہیں تو اس صورت میں انعقادِ نکاح کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

الجواب صحیح ضیاء الحق غفرلہٗ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(۱) ایک لڑکی جس کی عمر ۱۱ سال ہے جس کا نکاح ایک لڑکے کے ساتھ ہوا جس کی عمر ۱۳ سال ہے نکاح درست و جائز ہوگیا یا نہیں۔ کیونکہ وقت نکاح لڑکی کے ولی اور نہ لڑکے کے ولی کے نکاح میں دستخط نہیں ہیں سوائے لڑکی و لڑکے کے دستخطوں کے۔ المستفتی نمبر ۱۸۸۱ اکرام حسین پوسٹ مین، تاج گنج (آگرہ)

۵ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۵۴) **جواب** - اگر ایجاب وقبول دونوں نابالغوں کے ولی نے کیا تو نکاح صحیح ہوگیا دستخط ہوں یا نہ ہوں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

سوال

زید نابالغ کا نکاح ہندہ نابالغہ سے ہوا تھا۔ مجلسِ نکاح میں زید کا باپ موجود تھا مگر قاضی نے زید ہی سے ایجاب وقبول کرایا اُس کے باپ سے نہیں کروایا تھا تو یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

المستفتی ۲۰۰۲ حکیم نظام الدین ضلع ہزاری باغ۔ ۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۵۵) **جواب** - اگر ایجاب وقبول نابالغ لڑکے نے باپ کی موجودگی میں باپ کی رضامندی سے کیا تو معتبر ہے اور نکاح منعقد ہوگیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک شخص اپنی بالغ لڑکی کا نکاح لڑکی کی رضامندی سے ایک تین سال کی عمر کے لڑکے سے کردیتا ہے۔ چند روز بعد فریقین علماء سے دریافت کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں یہ لڑکا آیا طلاق دینے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔ اس قسم کے فتوے طلب کردینے کے بعد بالآخر لڑکے کے نکاح کو کالعدم تصور کرکے لڑکے سے بلا طلاق حاصل کیے لڑکی کا نکاح ایک دوسری جگہ کردیتے ہیں اور عذرِ گناہ یہ تراشتے ہیں کہ چونکہ لڑکا بوقتِ نکاح بالکل بچہ تھا اس لئے شرعاً لڑکے کا نکاح ہی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا۔ اب قابلِ استفتا یہ امر ہے:-

(۱) کیا حدیث یا فقہ یا اقوالِ صحابہ میں کہیں کوئی اس قسم کی جزئی مل سکتی ہے جس سے یہ مترشح ہو کہ بوقتِ نکاح اگر لڑکا بالکل شیر خوار ہو تو اس کا نکاح کالعدم ہوگا۔

(۲) مذکورۂ بالا صورت میں نکاحِ اول معتبر ہوگا یا کہ ثانی۔ صورت مذکورہ میں نکاح خوان اور حاضرینِ مجلس کے اپنے نکاح باقی رہیں گے یا ان کو تجدیدِ نکاح ضروری ہے۔

(۳) اگر ان پہ تجدیدِ نکاح اور توبہ از بسکہ ضروری ہو اور وہ ایسا نہ کریں تو اُن کے ساتھ کھانا پینا اور دیگر مجلسی وخانگی تعلقات رکھنے شرعاً کیسے ہیں؟

المستفتی ۲۰۹۵ ایم حافظ عبدالستار صاحب (ملتان) ۴ شوال ۱۳۵۶ھ م ۸ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۱۵۶) **جواب** ۔ لڑکے کی طرف سے قبول کرنے والا اگر کوئی ولی یا فضولی موجود تھا اور اس نے ایجاب قبول کیا تھا تو نکاح دُرست ہو گیا ۔ اور اگر لڑکے نے خود قبول کیا یعنی اس کی زبان سے کہلوا دیا تو نکاح صحیح نہیں ہوا

(۲) پہلی صورت تھی تو نکاح قائم ہے اور دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا ۔

(۳) دوسرا نکاح پڑھانے والوں کا بیان لیا جائے کہ انھوں نے کس بنا پر دوسرا نکاح پڑھایا تھا تو پھر کوئی حکم دیا جاسکتا ہے ۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص وکیل بالنکاح مقرر ہو کر مع دو گواہ کے آیا اور اس نے ان الفاظ میں اپنی وکالت کا اظہار فرمایا کہ مجھ کو عبداللہ نے اپنی لڑکی صابرہ کا وکیل بالنکاح مقرر کیا ہے جس کے یہ دونوں گواہ ہیں (گواہان کی طرف اشارہ کر کے بتلایا) اور گواہان نزدیک ہی موجود تھے ۔ وکیل بالنکاح نے ان الفاظ میں ایجاب وقبول کرایا (مسماۃ صابرہ دختر عبداللہ کی بعوض پانچ سو روپے کے آپ کی زوجیت میں دیجاتی ہے قبول کیا؟) اس کے جواب میں نوشہ نے کہا (قبول کیا) اس طرح سے تین بار مذکورالصدر عبارت میں ایجاب وقبول ہوا ۔ اب مولوی عبدالمنّان صاحب فرماتے ہیں کہ یہ نکاح دُرست نہیں ہوا کیونکہ مضارع مجہول کے صیغہ سے ایجاب کرایا گیا ۔ کیونکہ (دی جاتی ہے) مضارع مجہول ہے اور مضارع مجہول سے ایجاب درست نہیں لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور مولوی عبدالجبار صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح صحیح و درست ہو گیا تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے (دی جاتی ہے ، قبول کیا) مضارع اور ماضی دونوں معنوں کا مجموعہ ہے بلکہ آخر کا فعل فعلِ ماضی ہی ہے ۔ (دی جاتی ہے قبول کیا) اور قبول کا فعل بھی فعلِ ماضی ہی ہے (قبول کیا) لہذا بطریقِ احسن ایجاب وقبول ہوا اور نکاح کی درستی میں تو کوئی کلام و شک و شبہ ہی نہیں ہے ۔ بہر کیف دونوں حضرات میں کون صاحب صائب ہیں اور کون صاحب مخطی ۔ نکاح صحیح ہوا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۳۱۴ منظور احمد ضلع پٹنہ ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۴ جون ۱۹۳۸ء

(۱۵۷) **جواب** ۔ صحیح عبارت ایجاب کی یہ تھی کہ مسماۃ صابرہ دختر عبداللہ کو بعوض پانچسو روپے اسمار مہر کے میں نے تمہاری زوجیت میں دیا ۔ دی جاتی ہے بیشک مضارع مجہول ہے اور قبول کیا ایجاب میں شامل نہیں وہ تو استفہام ہے یعنی کیا تم نے قبول کیا اور استفہام ایجاب نہیں ۔ اگرچہ یہ نکاح منعقد ہو گیا

کیونکہ صیغۂ حال جبکہ اس سے انشاء کے معنی مراد ہوں قائم مقام ماضی کے ہوجاتا ہے اور دینے والا ذکرِ وکالت سے متعین ہوجاتا ہے تاہم احتیاطاً تجدیدِ ایجاب و قبول کرلینا بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص ہے جو عمر میں تقریباً ۵۵ سالہ ہے اور صاحبِ اولاد ہے اور اس کی اہلیہ جو نہایت شریف تابعدار عورت ہے مگر اس عورت اور اولاد کی موجودگی میں اپنی چچازاد ہمشیرہ جو تقریباً عمر میں چالیس سالہ ہے اور وہ بھی صاحبِ اولاد ہے اور خدا کے احکام کو اچھی طرح سمجھنے والی ہے اس سے اپنی محبت کا اظہار کرچکا ہے مگر لڑکی پہلے تو بالکل رضامند نہ تھی مگر اب راضی ہوگئی ہے اور ہر دو نے پہلے تو تنہائی میں قرآن پاک کو ہاتھ میں لے کر اور خدا کو گواہ بنا کر اس مرد نے عورت کو اپنی زوجہ قبول کرلیا اور عورت نے اس کو اپنا شوہر مان لیا۔ یہ دونوں اس نکاح کو اپنی اولاد اور دیگر اقرباء سے خفیہ رکھنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ خدا بھی ہم سے ناراض نہ ہو۔ اس کے اقرباء یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نکاح کا اقرار کرو مگر وہ ہر دو اس بات کا جواب ہاں اور ناں میں نہیں دیتے بلکہ خاموش ہوجاتے ہیں۔ اُن کی آپس میں محبت بیحد ہے اس لئے وہ مفارقت کو برداشت نہیں کرسکتے۔ عورت اور مرد نے دو معزز اور صالح علم والے اشخاص کی موجودگی میں شوہریت اور زوجیت کا اقرار کرلیا ہے۔ کیا ان حالات میں یہ نکاح نکاح ہوسکتا ہے اور ایسی صورت میں اگر وہ مباشرت کریں تو اُن کو خدائی گرفت تو نہیں ہوگی؟ المستفتی ۲۳۹۸ گل محمد خاں صاحب لدھیانہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۰ اگست ۱۹۳۸ء

(۱۵۸) **جواب** ۔ اگر ان مرد و عورت نے دو صالح شخصوں کے سامنے ایجاب و قبول کرلیا ہے تو اُن کا آپس میں عقد ہوگیا اور یہ باہم مباشرت کرسکتے ہیں بشرطیکہ عورت منکوحہ و معتدہ نہ ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

آٹھ سال کا بچہ اگر ایجاب و قبول کرے تو نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس کے ولی شرعی کو بھی ایجاب و قبول کرنا ضروری ہے؟

(۱۵۹) **جواب** ۔ نابالغ بچہ سے ایجاب و قبول کرانا فضول ہے۔ اس کے ولی سے کرانا ضروری ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ. مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

ایک لڑکی نابالغ بعمر گیارہ ماہ اور لڑکا بعمر ۵ سال کا نکاح شربت پڑھ کر کیا گیا تھا اور اُن کو پلایا گیا تھا۔ اب لڑکا بدچلن نکلا۔ اس نکاح کو دس سال ہو چکے ہیں۔

(۱۶۰) **جواب** ۔ اگر ان دونوں نابالغ بچوں کے باپوں نے ان کا نکاح کیا تھا اور باقاعدہ ایجاب و قبول ہوا تھا تو نکاح صحیح لازم ہو گیا اور اگر نکاح مذکور میں باقاعدہ ایجاب و قبول نہیں ہوا تھا بلکہ صرف شربت پر کلمہ وغیرہ پڑھ کر دم کر دیا اور زوجین کو پلا دیا تھا اور اسی کو عقدِ نکاح سمجھ لیا گیا تھا تو درحقیقت یہ نکاح ہی نہیں ہوا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۲۶ء)

زید نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اس وقت صرف دو حضرات حاضر مجلس تھے۔ ہر دو صاحب کو گواہ گردانا گیا۔ گواہوں نے عورت سے دریافت کیا کہ بعوض زرِ مہر مقررہ زید کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے راضی ہو۔ عورت نے قبول کیا۔ اور طرفین سے بھی ایجاب و قبول ہوا۔ زید نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ کیا یہ نکاح درست ہے۔ کیونکہ نہ وکیل تھا نہ قاضی۔

(۱۶۱) **جواب** ۔ جبکہ زوجین نے دو شخصوں کے سامنے ایجاب و قبول کیا تو نکاح درست ہو گیا۔ وکیل یا قاضی کا ہونا صحتِ نکاح کی شرط نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۴ء)

زید نے اپنی لڑکی بالغہ کا نکاح عمرو سے کرا دیا اور ایجاب منجانب پدر زید بالعوض مہر دس ہزار منجملہ ان کے ہزار معجل اور نو ہزار مؤجل اور عمرو نے قبول کر لیا۔ اور شاہدان موجود تھے۔ من جملہ چڑھایا گیا۔ شیرینی تقسیم کیے۔ اور یہ عقد بموجودگی چند آدمی ہوا۔ زید پدرِ دختر نے جو تحریر عمرو کو بھیجی اس میں یہ لفظ تھے۔ "زوجۂ شما" وغیرہ۔ اور تحریر منجانب لڑکی عمرو کے پاس آئی اس میں لفظ "شوہرم" ہے۔ کیا

اس سے لڑکی کی رضائے نکاح ثابت ہوگی یا نہیں ؟

(۱۶۲) **جواب**۔ اگرچہ لڑکی بالغہ کی رضامندی ثابت کرنے کے لئے کوئی ایسا فعل جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو کافی ہوتا ہے۔ مگر سوال میں لڑکی کے کسی ایسے فعل کا ذکر نہیں ہے۔ صرف یہ لفظ "شوہرم" جو لڑکی کی کسی تحریر سے نقل کیا گیا ہے کافی نہیں ہے۔ تحریر کی پوری عبارت نقل کرنی چاہئے تھی تاکہ اس سے رضامندی یا نارضامندی پر استدلال کیا جاسکتا۔ ممکن ہے کہ لفظ "شوہرم" ایسی عبارت میں ہو جس سے ناراضی ثابت ہوتی ہو۔ مثلاً "شخصے را کہ شوہرم گفتہ اند من او را پسند نمی کنم"۔ بہر حال پورا واقعہ اور پوری عبارت لڑکی کی تحریر کی لکھنی چاہئے جب پورا جواب دیا جاسکے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۹ رجون ۱۹۳۶ء)

زید نے اپنی نابالغہ لڑکی کا رشتہ بدیں شرط بکر کے نابالغ لڑکے کو دیا کہ وہ مجھے فلاں عورت کی طلاق دلوادے اور قبولِ نکاح نابالغ لڑکے نے کیا۔ کیا لڑکے کا قبول کرنا موجبِ عقد ہوگا ؟ اگر نکاح منعقد ہوگیا ہے تو کیا لڑکا حالتِ سفر میں طلاق دے سکتا ہے ؟ اور شرطِ مذکورہ کا عقد پر کوئی اثر ہے یا نہیں ؟

(۱۶۳) **جواب**۔ نابالغ لڑکے کا قبول معتبر نہیں۔ اس لئے وہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔ اور اس میں طلاق کی ضرورت نہیں۔ شرط کا نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ مگر نکاح بوجہ قبول صحیح نہ ہونے کے نہیں ہوا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

چھٹا باب

مہر، چڑھاوا وغیرہ

سوال

لڑکی کا نکاح اس شرط سے کرنا کہ لڑکا کچھ روپیہ سات سو یا ہزار دے تو اس قسم کا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں اور یہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔ روپیہ لینے والا اور دینے والا گناہ میں دونوں برابر

ہیں یا کچھ فرق ہے اور وہ روپیہ خیرات کرنے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟ ایسے لوگوں کو کوئی برا لفظ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۱۶۴) **جواب**۔ لڑکی کے ولی کو لڑکے سے کچھ روپیہ علاوہ مہر کے لے کر نکاح کرنا رشوت ہے۔ اور رشوت لینا حرام ہے اور اس روپئے کو جو لڑکی کے ولی نے لڑکے سے لیا ہے بوجہ رشوت اور حرام ہونے کے کسی کارِ خیر میں صرف کرنا نہیں چاہئے۔ اس سے کوئی ثواب نہیں مل سکتا۔ بلکہ اسی کو واپس کر دینا چاہئے جس سے لیا ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو منع کرتے ہوئے زجراً سخت الفاظ مناسب طریقہ سے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سوال

ہندہ زید کے نکاح میں ہے لیکن زید نے دوسرا نکاح کر لیا اور ہندہ کو رکھنا نہیں چاہتا۔ اس صورت میں جو کچھ دین مہر یا زیور جو ہندہ کے باپ نے دیا ہے یا دولہا کی جانب سے زیور قبل نکاح یا بعد نکاح ملا تھا اور جہیز ملا تھا یا شوہر کی طرف سے کپڑے کا جوڑا ملا تھا اس کی مستحق از روئے شریعت ہندہ کہاں تک ہے۔ بینوا توجروا۔

(۱۶۵) **جواب**۔ ہندہ کو جو زیور اور جہیز اپنے گھر سے ملا تھا وہ اور دین مہر اسی طرح چڑھاوا جو خاوند کی طرف سے نکاح کے وقت دیا جاتا ہے۔ بہر حال ہندہ کا حق ہے۔ ان چیزوں کو روکنے اور نہ دینے کا زید کو کوئی حق نہیں۔ اس کے علاوہ شوہر نے جو اسباب یا زیور ہندہ کو ہبۃً دیا ہے وہ بھی اس کی ملکیت ہے۔ لیکن اگر ان چیزوں کا زید نے ہندہ کو مالک نہیں بنایا بلکہ صرف استعمال کے لئے دی ہیں تو ان چیزوں کا مالک خود زید ہے۔

سوال

زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی۔ جب زوجہ مطلقہ نے مہر طلب کیا تو زید نے کہا کہ میرے پاس تو مہر نہیں ہے میں تجھ کو اپنے بچے مہر میں دیتا ہوں۔ اور وہ بچے اسی عورت سے ہیں۔ اور ابھی نابالغ ہیں لہٰذا کتبِ معتبرہ سے جواب دیجئے کہ اپنے بچوں کا مہر میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۶۶) **جواب**۔ بچوں کو مہر میں دینا ناجائز ہے کیونکہ انسان کا بچہ ایک آزاد انسان ہے اور آزاد انسان مال نہیں ہے لہٰذا اس کے ساتھ مہر کا مبادلہ صحیح نہیں بچے کی پرورش کا حق والدہ کو ہے۔

اور بعد ختم مدت حضانت والد بچے کو لے سکتا ہے۔ عورت کا مہر مرد کے ذمہ واجب الادا ہے۔

سوال

میاں بیوی میں نا اتفاقی ہو جانے کے باعث میاں بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا۔ ڈھائی تین برس سے دونوں اپنے اپنے گھر ہیں۔ اب بیوی نے عدالت میں اپنے مہر کا دعویٰ کیا ہے کہ میرا مہر ملنا چاہئے۔ خاوند مہر کے دینے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مہر بعد طلاق یا موت کے تم لے سکتی ہو اس سے پہلے نہیں لے سکتیں۔ نکاح نامہ میں لفظ مہر باقی لکھا ہوا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ بعد طلاق یا موت تمہارا حق ہوگا۔ بیوی کہتی ہے کہ مہر باقی کا یہ مطلب ہے کہ عند الطلب جب میں چاہوں لے سکتی ہوں۔ میاں بیوی کو نہ رکھنا چاہتا ہے نہ طلاق دیتا ہے نہ مہر ادا کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا کیا جائے۔ نکاح نامہ میں مہر مؤجل یا مہر معجل یہ دونوں لفظ چھپے ہوئے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کو کاٹ کر "مہر باقی" نکاح کے وقت بنایا گیا تھا۔ کیا مہر مؤجل اور مہر باقی کے مفہوم میں فرق ہے؟ عدالت میں مہر باقی کے لفظ پر جھگڑا ہے کہ اس لفظ کی بنا پر عورت مہر کی کب مستحق ہے اور صورت مسئولہ میں شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟

(۱۶۷) **جواب** - اگر نکاحنامہ میں لفظ "مہر باقی" لکھا گیا ہے تو یہ لفظ مؤجل کے ہم معنی ہے۔ مؤجل کا لفظ شاید اس کے معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے یا تلفظ میں معجل کے ساتھ ملتبس ہو جانے کی وجہ سے کاٹ دیا گیا ہوگا۔ اور جب مؤجل کہہ دیا یا باقی لکھ دیا اور اجل بیان نہیں کی تو مہر نقد واجب الادا یا عند الطلب واجب الادا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اجل جب مجہول بجہالۃ فاحشہ ہو تو مہر حالاً یعنی فی الفور واجب ہو جاتا ہے۔ الا اذا جهل الاجل جهالة فاحشة فيجب حالاً۔ غایہ کذا فی الدر المختار۔ اور جبکہ اجل کا بالکل ذکر ہی نہ کیا جائے تو وہ بھی مجہول بجہالۃ فاحشہ ہے۔ پس مہر فی الفور واجب الادا ہو چکا ہے عورت جب چاہے لے سکتی ہے۔ موت و طلاق پر واجب الادا ہونے کی صورت یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت یہ تصریح کر دی جائے کہ مہر طلاق یا موت پر دیا جائے گا۔ یہی مطلب ہے الا التاجيل لطلاق او موت فيصح للعرف (بزازیہ درمختار)۔ یعنی اگر مہر کی مدت ادا یہ مقرر کی جائے کہ طلاق یا موت پر ادا کیا جائے گا، تو اگرچہ موت یا طلاق کا وقت معلوم اور معین نہ ہونے کی وجہ سے یہ تاجیل بھی جائز نہ ہونی چاہئے تھی مگر چونکہ عرف میں ایسی تاجیل کو تسلیم کر لینا معروف ہے تو اگر نکاح کے وقت زوجہ یا اس کے اولیا اس تاجیل پر راضی ہو جائیں تو یہ صحیح و درست ہوگی۔ مگر صورت مرقومہ میں نکاح نامہ میں اس قسم کی تاجیل نہیں ہے۔ لہٰذا

یہ صورت اس حکم کے ماتحت نہیں آتی۔ اس میں صرف لفظ باقی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مہر مؤجل یعنی باقی ہے اور اجل یعنی مدتِ ادا کا کوئی ذکر نہیں۔ لہٰذا یہ صورت الا اذا جھل الاجل میں داخل ہے۔ اور عورت اپنا مہر وصول کر سکتی ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ خاوند کا اس کے ساتھ سلوک بھی اچھا نہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہٗ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

شوہر نے کہا کہ بی بی تو دین مہر معاف کر دے۔ میں نان نفقہ اور تیرے جملہ حقوق بدستور ادا کرتا رہوں گا۔ بی بی نے شروطِ مذکورہ کے ساتھ مہر معاف کر دیا۔ اس کے بعد اب شوہر نان نفقہ سے بھی کوتاہی کرتا ہے بلکہ بالکل نہیں دیتا۔ تو کیا عورت معاف کیے ہوئے دین مہر کی دوبارہ (عدم وجود شرط کی وجہ سے) مستحق ہوگی۔ یا چونکہ یہ ہبہ ہے اور ہبہ میں شرط کا اعتبار نہیں۔ نیز شوہر کو ہبہ کر کے لوٹانا جائز نہیں ہے۔ معاف کردہ مہر کی مستحق نہیں ہوگی؟

(۱۶۸) **جواب**۔ اگر بی بی نے یہ کہہ کر معاف کیا ہے کہ میں اس شرط پر معاف کرتی ہوں کہ تم میرے نان نفقہ میں کوتاہی نہ کرو اور شوہر نے کوتاہی کی تو عورت کو مطالبہ کا حق ہے۔ اور اگر اس نے مطلقاً بغیر ذکر شرط معاف کر دیا تو اب مطالبہ نہیں کر سکتی۔ اگرچہ خاوند سخت گنہگار رہوگا۔ ترکت مھرھا للزوج علی ان یحج بھا فلم یحج بھا قال محمد بن مقاتل انھا تعود بمھرھا لان الرضا بالھبۃ کان بشرط العوض فاذا انعدم العوض انعدم الرضا والھبۃ لا تصح بدون الرضا۔ شامی ص ۵۷۳ جلد خامس کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقۃ۔ محمد کفایت اللہ غفر لہٗ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

نکاح میں جو مہر کے لئے یہ لفظ کہا جاتا ہے کہ بالعوض دو دینار سُرخ اور پانسو ٹکے دونوں لفظوں سے دو رقم مراد ہیں یا ایک؟ دینار کتنی رقم ہوتی ہے؟ اور ٹکہ دو پیسے کو کہا جاتا ہے یا جو کچا پیسہ جس کو منصوری کہتے ہیں جو اکثر دیہات میں شادیوں میں بہت خرچ ہوتے ہیں؟

(۱۶۹) **جواب**۔ دو دینار سُرخ کی قیمت تیس روپے ہے۔ کیونکہ دینار اشرفی کو کہتے ہیں اور اشرفی سے مراد وہی اشرفی ہوگی جو رائج ہو اور ٹکے سے مراد ہوں گے وہ دو پیسے جن کا رواج ہو۔ اگر دیہات میں ٹکا ذکر کیا جائے اور وہاں صرف منصوری پیسے چلتے ہوں تو اس جگہ وہ منصوری کا ٹکہ مراد ہوگا اور اگر وہاں

منصوری اور ڈبل پیسہ دونوں چلتے ہوں تو جس پیسے کا رواج زیادہ ہو اس کا ٹکہ مراد ہوگا۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

زید مرض الموت میں حالت نزع میں مبتلا تھا۔ اس وقت چند آدمی اس کے پاس جمع تھے کئی عورتوں نے زید کی زوجہ کو بلایا اور اصرار کیا کہ اپنے شوہر کا دین مہر معاف کردو۔ زوجہ نے اس وقت لوگوں کے شرم ولحاظ اور عورتوں کے ضد واصرار سے بناخوشی وبلارضامندی کہہ دیا کہ معاف کردیا۔ آیا یہ معاف کردینا قضاءً ودیانۃً معتبر ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷ محمد حسین متعلم مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ یکم اگست ۱۹۳۳ء

(۱۷۰) **جواب**۔ یہ معافی اگر عورت کو مجبور ومضطر نہ کیا گیا ہو تو معتبر ہوگی۔ محض شرم ولحاظ سے کہہ دینا مجبوری نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

زید نے ہندہ سے بوقت نکاح کچھ زیورات کا اقرار کرکے مستعار زیور دے کر شادی کی۔ بعد شادی کے مستعار زیور واپس لے لیا۔ لیکن اقرار پورا کرنے سے پہلے زید کا انتقال ہوگیا۔ متوفی پر اقرار کردہ زیور دین ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۵۸ بینگار عبدالرحمن (مدراس) ۲۱ رجمادی الاخریٰ ۱۳۵۲ھ م ۱۲ اکتوبر ۳۳ء

(۱۷۱) **جواب**۔ وہ زیور جس کا زید نے وعدہ کیا تھا اور ایفائے وعدہ سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا۔ زید کے ترکہ میں سے وصول نہیں کیا جاسکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے مسماۃ عاصمہ سے نکاح کیا اس سے دو بچے تولّد ہوئے۔ بعد چار برس کے اس کے والدین نے مسماۃ عاصمہ کو ورغلایا اور زید کے ساتھ بھیجنے سے انکار کردیا۔ زید نے عدالت سے چارہ جوئی کی اور وہاں سے مسماۃ عاصمہ اور اس کے والدین پر ڈگری ہوئی۔ اور عدالت نے مسماۃ کو ہدایت کی کہ تم اپنے خاوند کے ساتھ جاؤ مگر وہ اپنے والدین کے کہنے سے نہیں گئی۔ اس صورت میں وہ زید سے اپنا مہر لینے کی حقدار ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کا خاوند لے جانے کو تیار ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۶۰ چاند خاں (مہو) ۲۱ رجمادی الاخریٰ ۱۳۵۲ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۱۷۲) **جواب** - مہر تو اس کا خاوند کے ذمے ہے۔ اس بات سے مہر ساقط نہیں ہوا۔ البتہ نفقہ خاوند سے اُس وقت تک لینے کی حقدار نہیں جب تک کہ خاوند کے مکان پر نہ آجائے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

اگر زوجہ کا چال چلن مشتبہ ہو بصورت ثبوت بدچلنی طلاق دینے پر خاوند پر مہر کی ادائگی واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر زوجہ شوہر کو مجبور کرے کہ وہ اس کو طلاق دیدے تو اس صورت میں شوہر مہر ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا یا نہیں؟　　المستفتی ۸۸ عبدالقادر خاں۔ موری دروازہ دہلی

۷ رجب ۱۳۵۲ھ ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۱۷۳) **جواب** - اگر خاوند طلاق دے گا تو مہر ادا کرنا ہوگا خواہ طلاق دینے کی وجہ بدچلنی کا شبہ ہو، یا بدچلنی کا ثبوت ہو (یعنی وہ ثبوت جس پر لعان ہو کر تفریق کرادی جائے) زوجہ کے مجبور کرنے سے خاوند مجبور نہیں ہوجاتا اگر وہ طلاق دے گا تو اختیاری طور پر دے گا۔ اور اس صورت میں بھی مہر ادا کرنا ہوگا۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

شوہر نہ طلاق دیتا ہے نہ اپنے ساتھ رکھتا ہے، نہ نان و نفقہ دیتا ہے۔ شوہر نے سامانِ جہیز چڑھاوا وغیرہ بھی سب رکھ لیا اور اب مہر معجل کی وجہ سے دیوالیہ ہونا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں عورت کے واسطے کیا حکم ہے؟　　المستفتی ۱۱۲ ظہور خاں۔ للت پور ضلع جھانسی

۲۵ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۵ نومبر ۱۹۳۳ء

(۱۷۴) **جواب** - شوہر پر مہر معجل کا ادا کرنا واجب ہے۔ نیز جہیز اور چڑھاوے کے تمام سامان اور زیورات کی مالک عورت ہے وہ سب شوہر سے عورت کو دلوایا جائے۔ اور عورت اس صورت میں کہ شوہر اس کو اپنے پاس نہیں رکھتا نفقہ پانے کی مستحق ہے۔ بلکہ اگر عورت بغیر شوہر کے بسر نہ کر سکتی ہو اور خاوند اس کو رکھنے یا طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو بذریعہ کسی مسلمان حاکم عدالت کے اس کا نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے اور حاکم تحقیقات کے بعد جبکہ مرد کا ظلم ثابت ہو جائے نکاح فسخ کر سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

سوال

ہمارے یہاں کا عرف ہے کہ دلہن والے دولہا سے قبل از عقد یا بعد العقد کچھ روپے لیتے ہیں۔ جس سے برات والوں اور دیگر خویش و اقربا اور ہمسایہ والوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ بعضے تو ماخوذہ رقم کو مہر میں شمار کرتے ہیں اور بعضے نہیں کرتے بلکہ اسے مہر سے علیحدہ محسوب کرتے ہیں۔ اکثر علماء اس فعل کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے بلکہ اسے ناجائز اور بے اصل بتاتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے۔ ومن السحت ما یاخذہ الصهر من الختن بسبب بنته بطیب نفسه حتی لو کان بطلبه یرجع الختن به۔ مجتبیٰ۔ شامی جلد ۵ ص۳۰۔ ولو اخذ اهل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده لانه رشوة۔ هندیه ص۳۴۰ وغیرہما۔ مگر زید اس کا جواز علامہ شامی کی عبارت سے ثابت کرتا ہے اور وہ یہ ہے :۔ ما هو معروف بین الناس فی زماننا من البکرلها اشیاء زائدة علی المهر منها ما یدفع قبل الدخول کدراهم للنقش والحمام وثوب یسمی لفافة الکتاب واثواب اخر یرسلها الزوج لیدفعها اهل الزوجة الی القابلة وبلانة الحمام ونحوها ومنها ما یدفع بعد الدخول کالازار والخف والمکعب، واثواب الحمام وهذه مالوفة بمنزلة المشروط عرفا حتی لو اراد الزوج ان لا یدفع ذلك یشترط نفیه وقت العقد۔ ویسمی فی مقابلة دراهم معلومة لیضمها الی المهر المسمی فی العقد وقد سئل عنها فی الجزیة فاجاب بما حاصله ان المقرر فی الکتب من ان المعروف کالمشروط یوجب الحاق ما ذکر بالمشروط وعلم قدره لزم کالمهر والا وجب مهر المثل لفساد التسمیة ان ذکر انه من المهر وان ذکر علی سبیل العدة فهو غیر لازم بالکلیة۔ والذی یظهر الاخیر وما فی الخانیة صریح نبیه۔ ثم ان شرطها شیئا معلوما من المهر معجلا فاوفاها ذلك لیس لها ان تمنع نفسها وکذلك المشروط عادة کالخف والمکعب والدیباج اللفافة ودراهم السکر علی ما هو عادة اهل السمر قند وان شرطوا ان لا یدفع بشی من ذلك لایجب وان سکتوا لا یجب الا من صدق العرف من غیر تردد فی الاعطاء لمثلها من مثله والعرف الضعیف لا یلحق المسکوت عنه بالمشروط۔ اھ زید کا عبارت مذکورہ سے استدلال کرنا اگر صحیح ہے تو مانعین کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟

المستفتی نمبر ۱۲۱ ابویوسف محمد یعقوب مہتمم مدرسہ عالیہ ڈاکخانہ کاسبا ٹرن ضلع سلہٹ
۲۹ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۹ نومبر ۱۹۳۳ء

(۱۷۵) **جواب**۔ یہ رقم جو زوج سے قبل از عقد یا بعد از عقد اس غرض سے اور اس نام سے لیتے ہیں کہ اس سے برات کو اور اعزہ واقربا کو کھانا دیا جائے گا ناجائز ہے اور اس کا حکم وہ ہے جو اس عبارت میں مذکور ہے :۔ ولو اخذ اھل المرأۃ شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده لانه رشوة۔ اور اس عبارت میں ہے ۔ ومن السحت ما یاخذہ الصہر من الختن بسبب بنته بطیب نفسه حتی لو کان بطلبه یرجع الختن به ۔ اور اشیاء معروفہ کدراہم النقش والحمام وغیرہ کا جو حکم شامی میں مذکور ہے یہ تمام وہ اشیاء ہیں جو زوجہ کے مہر میں محسوب ہوتی ہیں اور اسی لئے ان کو بقدر ما یعجل من المہر کے وجوب تقدیم کے حکم کے ضمن میں بیان کیا ہے اور ان چیزوں کا زوجہ کے لئے ہونا ظاہر اور اس بنا پر مہر میں محسوب ہونا یقینی ہے اور ان کا وجوب علی انہا من المہر جب ہی ہے کہ عرف بین ثابت ہو اور زوج بھی اسے تسلیم کرے ورنہ یہ بھی غیر لازم ہیں۔
اور پہلی رقم جو کھانا دینے کے لئے لی جاتی ہے اس کا مہر میں محسوب نہ ہونا بلکہ نہ ہو سکنا ظاہر ہے کہ مہر کی رقم کو برات اور قرابتداروں پر خرچ کر دینے کا اولیائے زوجہ کو کوئی حق نہیں ہے اور زوجہ کے کام میں نہ آنا اس کا ظاہر ہے۔ **محمد کفایت اللہ**

سوال

میں جزائر انڈمان پورٹ بلیر کا رہنے والا ہوں ۔ اور میری شادی بھی پورٹ بلیر میں ہی ہوئی تھی۔ شادی کے وقت جو مہر قرار دیا گیا تھا وہ پانچ ہزار روپے تھا۔ حالانکہ میں اس وقت ملازم بھی نہیں تھا اور نہ میری حیثیت اتنی تھی اور نہ اب ہے کہ اس مہر کو ادا کر سکوں۔ لیکن مجھ کو سسرال والوں نے یہ کہا تھا کہ صرف دکھاوے کے لئے اتنا مہر ہوگا اور بعد میں تمہاری بیوی تمہیں مہر معاف کر دے گی۔ مختصر یہ کہ شادی کے تین چار مہینے کے بعد میری بیوی نے روبرو پنچ کے مجھے مہر معاف کر دیا اور ایک کاغذ بھی لکھ کر دیا۔ جس میں کہ عرضی نویس نے ایک آنہ کا ٹکٹ لگا کر میری بیوی کا دستخط لیا۔ بیوی کا مجھے مہر معاف کرنا اس کے والدین کو ناگوار گذرا۔ اور ایک دن موقع پا کر جبکہ میں سرکاری نوکری پر تھا میری بیوی کو لے گئے اور بعد تین سال کے پھر میرے پاس بھیجا۔ میں نے اس کی بدچال چلن کی وجہ سے اُسے طلاق دے دیا۔

بعد طلاق کے بیوی نے پانچ ہزار روپئے مہر کا میرے اوپر دعویٰ کیا یہ کہتے ہوئے کہ اس کی نا بالغی میں میں نے زبردستی مہر معاف کرالیا۔ ثبوت معافی کے لئے میں نے اپنا گواہ پیش کیا۔ انھیں لوگوں کو جو کہ پنچایت میں شامل تھے۔ ان سبھوں نے کہا کہ میری بیوی نے مجھے مہر معاف کر دیا ہے اور ایک کاغذ بھی لکھ کر دیا ہے۔ کاغذ تو میں پیش نہیں کر سکا کیونکہ وہ مجھ سے کھو گیا تھا۔ کورٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ میری بیوی کی عمر جبکہ اس نے مہر معاف کیا تھا ساڑھے چودہ برس کی تھی اور اس بات کا بھی پورا ثبوت موجود ہے کہ اس نے مہر اپنی خوشی سے معاف کیا ہے اور نا بالغ نہیں تھی اور شرعاً کوئی لکھت پڑھت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس بنا پر مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

انھوں نے پھر اپیل کیا اور اپیلیٹ کورٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ میری بیوی نا بالغ تھی اور مہر زبردستی معاف کرالیا گیا ہے اور میرے اوپر ڈگری پانچ ہزار روپئے کی دیدی۔ میں نے پھر ہائی کورٹ میں اپیل کیا جس نے اپنے فیصلے میں یہ لکھا کہ مثل میں سب باتوں کا یعنی بیوی کی بالغی، مہر خوشی سے معاف کرنا، اور کاغذ کا لکھا جانے کا پورے طور سے ثبوت ہے اور زبردستی مہر معاف کرانے کا اور بیوی کے ۱۴½ برس کے سن میں نا بالغ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ صرف بات یہ رہی کہ پانچ ہزار روپئے مہر معافی کے لئے کنٹریکٹ ایکٹ (جو کہ ایک انگریزی قانون ہے) کے مطابق پانچ روپئے کے کاغذ کی ضرورت تھی اور اس کا رجسٹری ہونا بھی ضروری تھا۔ اس وجہ سے مہر کا معاف ہونا بالکل باطل ہے اور میرے اوپر ہائی کورٹ نے پانچ ہزار روپئے کی ڈگری دے دی۔ اب چونکہ ہائی کورٹ کا فیصلہ آخری ہے اس لئے میں کوئی اپیل وغیرہ کونسل میں نہیں کر سکتا۔ میں اس کی خاطر دہلی بھی گیا تھا اور آپ نے خود اس بات کا فتویٰ بھی دیا کہ شرعاً اس معاملے میں کوئی لکھنے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اب چونکہ آگے کوئی راستہ نہیں ہے اس لئے میں آپ صاحبان سے ملتمس ہوں کہ آپ لوگ میرے مقدمہ کو آگے بھیجنے کا کوئی ذریعہ نکالیں۔ المستفتی نمبر ۲۱۶ عبدالاحد کلرک چیف کمشنر آفس۔ پورٹ بلیر

۵ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ م ۲۰ فروری ۱۹۳۴ء

(۱۰۹) **جواب** ۔ مہر کی معافی کے لئے شرعاً تحریر کی ضرورت نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک معاف ہو گیا۔ یہ مطلب نہیں کہ عدالت بھی اسے تسلیم کرے گی۔ اگر شرعی عدالت میں بھی شوہر معافی مہر کا دعویٰ کرے تو اس کو معافی کا ثبوت دینا ہوگا۔ ہاں شرعی عدالت گواہوں کی شہادت جبکہ گواہ معتبر ہوں

قبول کرلیتی ہے۔ انگریزی عدالت اپنے مروجہ قانون کی مطابقت کا مطالبہ کرتی ہے۔ یہ کام تمام اہل ملک کا ہے کہ وہ مجموعی طاقت سے قانون بدلوائیں اور یہ پاس کرائیں کہ جب معتبر شہادت معافی کی ہو تو عدالت معافی کی ڈگری دے۔ لیکن جب تک قانون نہیں بدلتا اس وقت تک انگریزی رعایا کو قانون کے مطابق کارروائی کرنی ہوگی یا قانون شکنی کرنی ہوگی مگر وہ ایک شخص کے کرنے سے مفید نہیں ہوسکتی۔ جمعیۃ علماء آپ کے کیس کو کس طرح ہاتھ میں لے سکتی ہے اور کس طرح آگے چلا سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

جاورہ ایک اسلامی ریاست ہے۔ یہاں کے مسلمان حیثیت سے بہت زیادہ مہر باندھتے ہیں۔ جس کو وہ کسی طرح ادا نہیں کرسکتے۔ یہ بے اعتدالی مذہبی نقطۂ نظر سے بھی قابلِ تدارک ہے۔ یہاں کے مفتی صاحب نے میری ہدایت کے موافق منسلکہ تجویز پیش کی ہے۔ اس میں بھی حسبِ حیثیت صاف حد بندی نہیں اس لئے مکلفِ خدمت ہوں کہ اگر تجویز میں ترمیم کی گنجائش ہو تو از راہِ کرم اصلاح فرمادیں۔

المستفتی نمبر ۲۱۸ سرفراز علی خاں چیف سکریٹری ریاست جاورہ۔ ۶ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۱۲ فروری ۳۴ء

(۱۷۷) **جواب**۔ اس میں شک نہیں کہ شریعتِ مطہرہ نے مہر کی زیادتی کی طرف کوئی حد معین نہیں کی اور اس لئے زوجین مختار ہیں کہ جتنا چاہیں مہر مقرر کریں۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ لوگوں نے اس اختیار کو بری طرح استعمال کیا ہے۔ اور مہر کی زیادتی کو حدِ افراط تک پہنچا دیا ہے اور اس افراط کی وجہ سے بہت سے شدید مفاسد پیش آتے ہیں ان کا دفع کرنا اولی الامر کے فرائض میں سے ہے۔ علماء وعظ و تذکیر سے اصلاح کرسکتے ہیں، مگر محض وعظ و تذکیر استیصالِ مفاسد کے لئے ناکافی ثابت ہوئے ہیں پس اگر والی مسلم اس کی باعتبار تفاوت غناء و ثروت کے مختلف مقدار معین کردے کہ مثلاً سالانہ ایک ہزار روپے آمدنی رکھنے والا شخص دو سو روپے سے زیادہ مہر نہ باندھے اور پانچ ہزار روپے سالانہ آمدنی رکھنے والا شخص ..... پانسو روپے سے زیادہ نہ باندھے وعلی ہذا۔ اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو کوئی سزا نہ دی جائے۔ ہاں یہ اعلان کردیا جائے کہ مقدارِ مقررہ سے زیادہ ڈگری نہ دی جائے گی۔ اور اس کی قانونی گنجائش رکھی جائے کہ جو شخص معینہ مقدار سے زیادہ مہر باندھنا چاہے وہ والی مسلم سے خاص اجازت حاصل کرکے باندھ سکے گا۔ اجازت چاہنے والے کو والی کے سامنے اس امر کا ثبوت دینا ہوگا کہ وہ اپنی جائداد یا کسی دوسرے صحیح ذریعہ سے اس مطلوبہ مقدار کی ادائگی پر قادر ہے تو ایسی تحدید میں کوئی مضائقہ

نہ ہوگا کہ اس کی غرض اصلاح ہے نہ کہ احکام شرعیہ میں مداخلت - اور ایسی اصلاح کا والی مسلم حق رکھتا ہے۔ ہاں غیر مسلم حکومت کی جانب سے یہ تحدید مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں مداخلت ہوگی اور اس کو ایسی تحدید کا حق نہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

کیا فاطمہ اپنے مہر مؤجل کو معجل طریقے پر زید سے طلب کرنے کا حق رکھتی ہے جبکہ زید کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی اور فاطمہ اپنے خیال میں سمجھ رہی ہے کہ میں مطلقہ ہو چکی ہوں۔

المستفتی ۲۹۴ سعید الدین صاحب۔ ۱۴ صفر ۱۳۵۳ھ ۲۹ مئی ۱۹۳۴ء

(۱۰۸) **جواب**۔ مہر مؤجل جو بغیر تعیین مدت کے ہو معجل کے حکم میں ہو جاتا ہے اس لئے زوجہ اپنے ایسے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے جو صرف مؤجل بلا تعیین مدت کے لکھا گیا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

اگر مہر مؤجل ہے تو شوہر اپنی آسودگی کے زمانے میں مہر اپنی زوجہ کو اپنی مرضی سے ادا کر سکتا ہے یا مہر مؤجل کی صورت میں بھی زوجہ ہر وقت اپنے شوہر کو مہر کی ادائگی میں اپنی خواہش کے مطابق مجبور کر سکتی ہے۔ المستفتی ۳۲۵ مرزا برکت اللہ بیگ (بارہ بنکی) ۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۱۸ جون ۱۹۳۴ء

(۱۰۹) **جواب**۔ مہر مؤجل میں اگر مدت معینہ بیان کی گئی ہو تو اس مدت سے قبل زوجہ مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر مدت مذکور نہ ہو تو کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ہندہ کا زید سے نکاح ہوا اور اس کے بطن سے دو لڑکیاں ہوئیں جو حیات ہیں۔ کچھ عرصہ سے ہندہ بیمار تھی جس کی وجہ سے اس کے وارثان کی خواہش سے وہ مع اپنے شوہر و دختران و سامان و جہیز و چڑھاوے وغیرہ کے اپنے والدین کے مکان پر سکونت پذیر ہوگئی۔ اس کے بعد ہندہ کا انتقال ہوگیا۔ ایک روایت کے مطابق ہندہ نے خود یا اس کی موت کے بعد اس کے وارثان نے زر مہر معاف کر دیا اس صورت میں اس کی تقسیم وراثت شرعاً کیا ہے۔ اور اگر معافی مہر کی تصدیق نہ ہو سکے تو شرعاً کیا حکم ہے۔ اور اگرچہ دختران کی تمام کفالت پدر دختران کر رہا ہے مگر حق پرورش کس کو پہنچتا ہے ؟ المستفتی ۳۳۶ محمد حسین حامد حسین دہلی

(۱) ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۲۰ جون ۱۹۳۴ء

(۱۸۰) **جواب**۔ اگر ہندہ نے مرض الموت میں مہر معاف کیا ہے تو یہ معافی معتبر نہیں۔ ہاں ہندہ کی وفات کے بعد جن بالغ عاقل وارثوں نے ہندہ کی معافی سے رضامندی ظاہر کردی یا از خود مہر معاف کردیا تو ان کا حصہ مہر میں سے معاف ہوگیا۔ نابالغ وارثوں کا حصہ اور ان بالغوں کا بھی جو معافی پر رضامندی نہ دیں بحالہٖ قائم ہے۔ لڑکیوں کی پرورش کا حق نانی کو حاصل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

(۱) زید نے اپنا مکان ساڑھے چار سو روپئے میں بعوض دین مہر اپنی اہلیہ کو دیدیا اور اس وقت تک وہ قطعی قرضدار نہ تھا۔ ادائگی مہر کے چار سال بعد مقروض ہوگیا اور قرض خواہوں نے نو سال بعد عدالت میں چارہ جوئی کرکے ڈگری حاصل کرلی اور مکان قرق کراکر نیلام کرانا چاہتے ہیں۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مہر معجل اور مہر مؤجل کی ادائگی شرعاً کس طرح کی جاتی ہے؟ اعتراض ہوا ہے کہ شوہر اپنی زندگی میں مہر نہیں ادا کرسکتا۔ مگر یہاں پر اب تک ادائگی مہر شوہر کی زندگی میں عموماً ہوا کرتی ہے۔ بلکہ یہی رواج عام ہوگیا ہے۔

(۳) زید نے اپنی غیر منقولہ جائداد اپنی زوجہ کو ساڑھے چار سو روپئے کے عوض مہر میں دے دی۔ مگر دراصل جائداد کی قیمت خرید پانسو سینتیس روپے تھی۔ کیا زید ایسا کرسکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۴۰۶ حافظ احمد جگدل پور۔ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(۱۸۱) **جواب**۔ جبکہ اس قرض کے وجود سے پہلے وہ مکان اپنی بیوی کو مہر میں دے چکا تو بعد کے قرضخواہ اس مکان کو اپنے قرضہ میں نہیں لے سکتے۔

(۲) معجل کی ادائگی فوراً یا جس وقت زوجہ طلب کرے واجب ہے اور مؤجل کی مدتِ معینہ کے بعد۔ اور اگر صرف مؤجل کہا گیا ہو اور مدت معین نہ کی گئی ہو تو وہ بھی معجل کے حکم میں ہے۔

(۳) شوہر کی زندگی میں ہی مہر ادا کرنا چاہئے اور جب رواج بھی یہی ہے تو وجوب ادا اور مؤکد ہوگیا۔

(۴) اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

اہلِ اسلام میں شرفاء میں کنواری لڑکیوں سے نکاح طے کرنے کے سلسلہ میں یہ بات پنہاں رہتی ہے کہ لڑکی باکرہ ہے۔ چنانچہ مہر طے ہو جانے کے بعد شرعی بالغ لڑکا جس کی عمر ستائیس برس کی اور شرعی بالغ لڑکی جس کی عمر تیئیس برس کی ہے لڑکا مع اس طے شدہ مہر کے نکاح قبول کرتے وقت اس نیت سے لڑکی کو زوجیت میں قبول کرتا ہے کہ وہ باکرہ ہے۔ اگر بعد نکاح کے لڑکی غیر باکرہ ثابت ہو یعنی قبل از نکاح وہ زانیہ رہی ہو تو شوہر کو شرعاً طلاق دینا ضروری ہے یا نہیں؟ ایسی کونسی حالتیں ہیں کہ شوہر اپنی زوجہ کو طلاق دیتے وقت مہر سے بالکل بری ہو جاتا ہے۔

المستفتی نمبر ۴۹۹ سید اقبال احمد علی گڈھ۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۲۷ جون ۱۹۳۵ء

(۱۸۳) **جواب** ۔صورتِ سوال میں تو اس کی بھی تصریح نہیں ہے کہ عقد کے وقت بکارت کی شرط کر کے مہر مقرر کیا تھا اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر بکارت کی شرط کر کے بھی مہر مثل مقرر کیا ہو اور عورت غیر باکرہ ہو جب بھی تمام مہر لازم ہوتا ہے۔ ولو شرط البکارۃ فوجد ثیبًا الزمہ الکل۔ اور وجہ یہ ہے کہ بکارت کبھی گر پڑنے یا کسی چوٹ کے صدمے سے بھی زائل ہو جاتی ہے تو اس بات کی تحقیق ناممکن ہے کہ زوال بکارت کا سبب کوئی غیر اختیاری فعل ہے یا اختیاری۔ نیز مہر کا تقرر جواز استمتاع کے لئے ہے وہ بہر حال حاصل ہے محض لڑکی کو ثیبہ پانے پر طلاق دے دینا مستحسن نہیں ہے کیونکہ ثیبہ ہونے میں اس کا قصوروار نہ ہونا ممکن ہے۔ اور طلاق دے دینے میں ادائے مہر لازم ہوگا۔ اور خلوتِ صحیحہ کے بعد پورا مہر ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔

مہر سے برارت کی صورت لڑکی کی رضامندی سے خلع کرنے کی ہے اور بس۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے تین شادیاں کیں۔ اول بیوی کو طلاق دی مگر زید ایسا نادہند ہے کہ بڑی مشکل سے نالش وغیرہ کرنے کے بعد اس کا مہر ادا کیا۔ اس پہلی بیوی سے جو بچہ ہے اس کی خوراک کے لیے ننھو روپئے عدالت سے مقرر ہوئے تھے وہ بھی بڑی مشکل سے نالش کے بعد ادا کرتا ہے۔ دوسری بی بی کو طلاق دے دی مگر اس کا نہ تو مہر ادا کیا اور نہ نان نفقہ کا خرچ ادا کیا۔ تیسری بی بی کو نکاح سے پہلے اپنی

بی بی کہتا ہے اور دوسری بی بی کے مہر کی ادائگی سے بچنے کے واسطے اس تیسری بی بی کو قبل از نکاح اپنی تیس چالیس ہزار روپیے کی جائداد پندرہ ہزار روپیے کے فرضی مہر کے بدلے میں رجسٹری کراکے دے دیتا ہے۔ حالانکہ اس قوم میں لکھ پتی کا مہر بھی پانچ ہزار روپئے سے زیادہ نہیں ہوتا۔ وہ بھی پیشگی نہیں ملتا بلکہ زفاف یا طلاق پر ملتا ہے۔ المستفتی ۱۹/۷ شیخ نور الحسن (کلکتہ)

۲۷ رشوال ۱۳۵۴ھ م ۲۳ جنوری ۱۹۳۶ء

(۱۸۳) **جواب** - اگر تیسری عورت سے ابھی تک نکاح نہیں ہوا اور قبل از نکاح اس نے اپنی جائداد اس کے مہر کے نام سے دیدی تو اس جائداد سے دوسری بیوی کا مہر اور دیگر قرضے جو اس کے ذمہ ہوں وصول کیے جاسکتے ہیں۔ یعنی نکاح سے قبل دیدینے اور مہر کا نام لگا دینے سے وہ جائداد بیوی کی ملک میں نہیں گئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

(۱) ہمارے شیخاواٹی ریاست جے پور و قرب وجوار کے قصبات میں یہ رواج ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند انتقال کرجائے تو وہ عورت بذاتِ خود یا ورثائے عورت اس کا نکاح ثانی کرنا چاہتے ہیں تو عورت کے سسرال والے بلاحصول رقم کثیر یعنی چار پانچ سو روپے کے نکاح نہیں ہونے دیتے۔ اس روپئے لینے کی رسم کو ہمارے یہاں چھوچہ کہتے ہیں۔ لہذا عرض ہے کہ بعد انتقال زوج کے سسرال والوں کا تعلق شرعی رہتا ہے یا نہیں ؟ اور بطور چھوچہ کے بعد النکاح اتنی رقم عورت کے سسرال والوں کا وصول کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) عموماً ہمارے یہاں خصوصاً قوم بیوپاری میں مہر ڈھائی روپئے سے لے کر تیس روپئے تک باندھا جاتا ہے۔ مگر اب بعض لوگ خواہ مخواہ پریشان کرنے کے لئے چار پانچ سو روپئے تک بلکہ ہزار روپئے تک مہر باندھتے ہیں۔ جو بوجہ عدم ادائگی بوقت مرگ زوج ورثائے متوفی عورت سے معاف کرانے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔ بیچاری عورت جو کہ غمزدہ ہوتی ہے لوگوں کے کہنے سننے سے معاف کرنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔ لہذا اتنا مہر مقرر کرنا جس کی معافی کی خواہش عورت سے کی جائے کہاں تک جائز ہے۔ حالانکہ لڑکی کے خاندان میں کسی کا بھی مہر اتنا مقرر نہیں کیا گیا۔

(۳) ایک یہ بھی رسم ہے کہ لڑکی والا سو دوسو یا چار سو روپئے پاس رکھتا ہو یا نہیں مگر لڑکی والا

نوشہ کے ورثا سے ۵ ... نکاح کے وقت علاوہ مہر کے وصول کرتا ہے اور اس وصولی رقم کو ہمارے یہاں لیک کہتے ہیں۔ چونکہ ہمارے یہاں یہ رسم ہے کہ خاندان میں جتنی لڑکیاں دس بیس ہوتی ہیں اُن کی شادی ایک دم کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اتنی ہی براتیں بھی آتی ہیں۔ آدمی بھی کثیر تعداد میں جمع ہوتے ہیں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ بدیں وجہ مہاجن سے سامانِ خورونوش وغیرہ قرض لے لیا جاتا ہے۔ اور لیک کا روپیہ جب وصول ہو جائے تو مہاجن کو روپیہ ادا کیا جاتا ہے بلکہ اسراف بیجا کی وجہ سے بعض دفعہ لڑکی والا سو دو سو روپے کا مقروض ہو جاتا ہے۔

(۴) جب نکاحِ ثانی عورت کا کیا جاتا ہے تو عورت کے سسرال والے پچھوپہ بھی لیتے ہیں اور جو زیور عورت کے والدین نے لڑکی کو شادی کے موقع پہ دیا تھا وہ بھی لے لیتے ہیں۔ سسرال والوں کو یہ زیور لے لینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی ۸۵۹ مستری محمد احمد صاحب بمبئی

۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء

(۱۸۴) **جواب** ۔ (۱) شوہر کے انتقال کے بعد شوہر کے گھر والوں کا متوفی کی بیوی پر کوئی حق اس قسم کا نہیں رہتا کہ وہ اس پر کوئی رقم وصول کریں۔ یہ رسم جس کا سوال میں ذکر ہے جاہلانہ رسم اور ظلم ہے۔ اس کو بند کرانے کی سعی کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

(۲) مہر میں محض نام و نمود کے لئے بڑی رقم مقرر کرنا ناجائز ہے۔ ہاں اگر شوہر میں اتنی رقم ادا کرنے کی وسعت ہو اور وہ ادا کرنے کے ارادے سے بڑا مہر باندھے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن معاف کرانے کے لئے بندھوانا اور باندھنا اصولِ اسلام کے خلاف ہے۔

(۳) یہ رسم بھی اسلامی تعلیم کے خلاف ہے اور اس قدر انتظام کرنا کہ طاقت سے زیادہ ہو اور قرض کا بوجھ سر پہ ہو جائے یہ بھی قبیح ہے۔

(۴) سسرال والوں کو عورت کا زیور لینے کا کوئی حق نہیں۔ یہ بھی صریح ظلم ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید ایک سال کے عرصے سے زیادہ مرض فالج میں مبتلا رہا اور پورے ایک سال کے بعد اپنی زوجہ کے مہر مسمّٰی میں اضافہ کرتا ہے۔ درحالت رضا و رغبت و بدرستی ہوش و حواس اور لکھ بھی دیتا ہے۔

اس معاملے کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد اسی مرض میں فوت ہو جاتا ہے۔ کیا یہ اضافہ اصل مہر مسمیٰ کے ساتھ منضم ہو کر ترکہ سے واجب الادا زوجہ کے لئے ہوگا۔ کیا یہ اضافہ تصرفات مرض الموت میں شمار ہوگا۔ یا تصرفات حالت صحت میں ؟ کتب حنفیہ میں لکھا ہے جو مرض سال بھر تک یا کچھ زیادہ عرصے رہا ہو اس کو ابتدا ہی سے مرض الموت شمار نہ کریں گے اور ابتدائے مرض سے اس کے تصرفات میں خلل نہ آئے گا۔ بلکہ جس روز سے مرض شدید ہو کر ہلاکت کی نوبت پہنچی ہے اس روز سے مرض الموت شمار ہوگا اور اسی روز سے اس کے معاملات کو پوری طرح نہ سمجھیں گے۔ پس اگر کوئی شخص سال دو سال سے تپ دق وسل وغیرہ میں مبتلا تھا۔ اس کے بعد ایک ہفتے کے لئے مرض شدید ہو کر اسی میں انتقال ہو گیا۔ تو مرض الموت صرف ایک ہفتہ شمار ہوگا۔ اس سے پہلے معاملات بالکل صحیح اور جائز مثل حالتِ صحت کے سمجھے جائیں گے۔ المستفتی نمبر ۹۰۱ محمد عبداللہ مہتمم مدرسہ انوریہ (لدھیانہ)

۷ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۹ اپریل ۱۹۳۶ء

(۱۸۵) **جواب** - فالج کا مریض جبکہ مرض ممتد ہو کر ایک حالت پر ٹھہر جاتا ہے اور موت کا خطرہ نہیں رہتا تو اس کے تصرفات صحت کے تصرفات قرار دیئے جاتے ہیں۔ پھر جب مرض میں اشتداد پیدا ہو کر نئی صورت اختیار کر لیتا ہے تو وہ مریض قرار دیا جاتا ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

باپ نے بیٹے کے لئے نکاح کرایا۔ یہ مہر ادا کرنا باپ کے ذمہ واجب ہے۔ اگر مہر ادا کرنے سے باپ انکار کرے تو بیٹے کا نکاح فسخ ہو جائے گا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۹۵۷ مولوی عبدالحلیم (ضلع پشاور) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(۱۸۶) **جواب** - اگر والد نے مہر کی ضمانت کی ہو تو والد پر ادائگی لازم ہے۔ ورنہ بیٹے پر ادا کرنا لازم ہے۔ اگر والد انکار کردے تو نکاح نہیں ٹوٹتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید کی زوجہ فوت ہو گئی ہے۔ زید اپنی فوت شدہ زوجہ کا مہر جو زید کے ذمہ واجب الادا ہے ادا کرتا ہے تو زرِ مہر کا حقدار کون ہے ؟ المستفتی نمبر ۹۸۰ عبدالوحید صاحب (ضلع بلند شہر)

۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۶ جون ۱۹۳۶ء

(۱۸۷) **جواب** - زید کی متوفیہ بیوی کا مہر جو زید کے ذمّہ واجب الادا تھا اس میں سے زید کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اگر متوفیہ لاولد ہو تو زید کا حصہ ½ یعنی نصف ہے اور صاحب اولاد ہو تو زید کا حصہ ¼ یعنی ایک چوتھائی ہے اور باقی متوفیہ کے دوسرے وارثوں کو ملے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

نکاح جدید میں زرِ مہر کی کیا صورت ہو اور پہلا زرِ مہر جو شوہر کے ذمّہ دینا باقی ہے اس کی کیا صورت ہو؟ المستفتی نمبر ۱۰۰۵ محمد یوسف صدر بازار دہلی - ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(۱۸۸) **جواب** - پہلا زرِ مہر تو زید کے ذمہ واجب الادا ہے - تجدیدِ نکاح کی صورت میں اس نکاحِ جدید کا مہر علیحدہ مقرر ہو گا اور اگر زوجین میں سلوک ہو اور دونوں باہم راضی ہوں تو ممکن ہے کہ دوسرے نکاح کا مہر دس بیس روپئے مقرر کر لیں۔ یعنی ایک معمولی چھوٹی سی رقم پر نکاح کر لیں تاکہ زید پر جداگانہ مستقل دوسرے مہر کی بڑی رقم کا بار نہ پڑے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

شوہر کی طرف سے جو سامان مثلاً زیور کپڑے بری میں دلہن کو بھیجے جاتے ہیں اور وہ دلہن کے ساتھ شوہر کے گھر واپس آجاتے ہیں۔ بعد وفات شوہر وہ کس کی ملکیت سمجھا جائے گا؟

المستفتی نمبر ۱۰۲۸ محمد یعقوب علی صاحب (دہلی) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م یکم جولائی ۱۹۳۶ء

(۱۸۹) **جواب** - اگر اس زیور اور جوڑے کے متعلق پہلے تصریح کر دی جائے کہ وہ ہبہ ہے یا عاریت، یا مہر میں دیا گیا ہے تو تصریح کے موافق عمل ہو گا۔ لیکن اگر یہ تصریح نہ کی گئی ہو تو پھر اس کا مدار عرف پر ہے۔ اگر اس قوم کا عرف غالب یہ ہو کہ ان چیزوں کا مالک شوہر رہتا ہے تو یہ چیزیں شوہر کی رہیں گی اور اس کے انتقال کے بعد ترکہ میں شامل ہو کر تقسیم ہوں گی لیکن اگر عرف غالب یہ ہو کہ دلہن کی مِلک کر دی جاتی ہیں تو تنہا زوجہ ان اشیاء کی مالک ہو گی اور ترکۂ زوج میں شامل نہ ہوں گی۔ چونکہ شہروں اور قوموں کے عرف مختلف ہوتے ہیں اس لئے عرف کی تحقیق و تعیین حاکم یا حَکَم کا کام ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مہر مؤجل کو بیوی قبل طلاق یا بلا فوت خاوند کے بھی طلب کر سکتی ہے یا نہیں اور مہر معجل کا کیا

حکم ہے اور اس میں یہ شرط عند الطلب کیا چیز ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۰۳۹ حافظ رحیم بخش صاحب (متھرا)
۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۵ جولائی ۱۹۳۶ء

(۱۹۰) **جواب** - مہر معجل اور عند الطلب دونوں کا مطلب یہ ہے کہ عورت ہر وقت طلب اور وصول کرنے کا اختیار رکھتی ہے اور مہر مؤجل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مدتِ ادا معین کردی جائے اس وقت مانگ سکے اور جس مہر مؤجل میں کوئی مدت معین نہ کی جائے صرف یہ کہہ دیا جائے کہ مؤجل ہے تو وہ بھی حکماً معجل ہو جاتا ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک مسلم جماعت نے بستی کے مسلمانوں کی شادیوں کی فضول خرچی کو روکنے کے لئے چند قواعد مرتب کیے ہیں۔ ان میں مہر کے متعلق یہ حد مقرر کی ہے کہ کم سے کم سو روپے اور زیادہ سے زیادہ چھ سو چوبیس روپے مہر رکھا جائے۔ اس حدودِ مہر سے کم یا زیادہ مہر رکھنے والا اپنی جماعت کا گنہگار سمجھا جاتا ہے۔ اس مجرم کے لئے جرمانہ بھی مقرر ہے۔ کیا شریعتِ حقہ میں مہر کے لئے کوئی حد مقرر ہے یا نہیں۔ مذکورہ بالا حد بندی از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں۔ ایسی حد بندی قائم کرنے والی جماعت حق بجانب ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۵۴ حاجی محمد یوسف صاحب سکریٹری دی مسلم یونین (وانم باڑی)
۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۶ء

(۱۹۱) **جواب** - مہر کے لئے کم از کم مقدار دس درہم (تقریباً ڈھائی روپیہ) ہے اور زیادہ کی حد مقرر نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی شخص کو مقدرت ہو تو وہ اپنی مقدرت کے موافق جتنا مہر مقرر کرے (مثلاً ہزار دو ہزار دس ہزار وغیرہ) تو اتنا مہر لازم ہو جاتا ہے لیکن اپنی طاقت اور مقدرت سے زیادہ مہر مقرر کرنا مذموم ہے اگر کوئی انجمن اصلاح کے طور پر مہر کا اوسط درجہ مقرر کردے تو مضائقہ نہیں۔ مگر اس قاعدے کو اس طرح بنایا جائے کہ شرعی حکم کی تصریح بھی اس میں موجود ہو۔ مثلاً یہ عبارت ہو (شریعتِ مقدسہ میں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے اور زائد کے لئے کوئی حد معین نہیں ہے۔ شوہر اپنی وسعت کے موافق جتنا ادا کر سکے مقرر کر سکتا ہے۔ اس شرعی حکم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انجمن اصلاح کے لیے یہ حد مقرر کرتی ہے۔ کم از کم مقدار تو وہی ہو جو عورت یا اس کا ولی منظور کرے مگر زیادتی کی جانب میں چھ سو چوبیس روپے سے زیادہ تجاوز نہ کیا جائے) اس عبارت کے ساتھ قاعدہ بنایا جائے اور خلاف کرنے والے پر مالی

جرمانہ کرنا جائز نہیں۔ جو خلاف کرے اس کو صرف یہ تنبیہ کی جائے کہ لوگ اس کی تقریب میں شرکت نہ کریں اور اگر کوئی خاص شخص صاحب وسعت زیادہ مہر مقرر کرنے کی درخواست کرے تو انجمن میں اس کی درخواست پیش ہو اور انجمن مناسب سمجھے تو اس کو خاص طور پر اس شرط سے اجازت دیدے کہ وہ مہر بوقت عقد فوراً ادا کردے اور عورت کے نام اس رقم کی جائداد خریدی جائے تاکہ وہ محفوظ ہوجائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک عورت نے اپنے شوہر سے کئی برس بعد اپنا مہر مانگا۔ شوہر نے جواب دیا کہ جب میرا عقد تمہارے ساتھ ہوا تھا اس وقت بھی میری نیت میں خلل تھا کہ مہر نہیں دوں گا۔ اور اب بھی میری یہی نیت ہے کہ تمہارا مہر نہیں دوں گا خواہ تم معاف کردیا نہ کرو۔ عورت بھی مہر معاف نہیں کرتی ہے۔ فرمایئے یہ نکاح جائز ہوا یا ناجائز۔ عورت کئی بچے بھی اپنے شوہر سے جن چکی ہے۔

المستفتی ۱۲۳۷ مستری صادق علی صاحب (بلند شہر) ۴ شعبان ۱۳۵۵ھ م ۱۰ نومبر ۱۹۳۶ء

(۱۹۲) **جواب** ۔عورت نے اپنے خاوند سے مہر کا مطالبہ کیا تو اس کا مطالبہ بجا ہے۔ خاوند کا یہ کہنا کہ میری نیت مہر دینے کی نہیں تھی اور میں مہر نہیں دوں گا غلط ہے۔ اور اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہاں خاوند گنہگار رہے گا اور اس پر مہر کی ادائگی لازم ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

نکاح میں مہر معجل اور مؤجل کے کیا معنی ہیں۔ تفصیل کی سخت ضرورت ہے

المستفتی ۱۴۳۷ امیر زماں خاں صاحب (برار) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء

(۱۹۳) **جواب** ۔مہر معجل سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی ادائگی فی الفور لازم ہو اور مؤجل سے یہ مراد ہے کہ ادائگی کے لئے کوئی مہلت اور میعاد مقرر کردی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

عمرو کی شادی ہوئی اور نکاح کے وقت پہلی مرتبہ قاضی صاحب نے اس طرح نکاح کیا کہ تمہاری شادی ہزار روپئے اور دس درم شرعی پر ہوتا ہے اور عمرو نے اس کو منظور کیا۔ مگر دوسری اور تیسری مرتبہ یہ کہا کہ ایک ہزار دس درم شرعی پر نکاح کیا اور اس نے منظور کیا تو اب عمرو مہر میں ایک ہزار دس درم

شرعی ادا کرے یا ایک ہزار روپئے اور دس درم شرعی ادا کرے ؟

المستفتی نمبر ۱۵۱۴ محمد عبدالسلام صاحب (الہ آباد) ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۱ جون ۱۹۳۷ء

(۱۹۴) **جواب** - ایک ہزار دس درم پر نکاح منعقد ہوا - کیونکہ پہلے الفاظ ایجاب کے لئے کافی نہیں ہیں - اس میں یہ کہا گیا ہے کہ تمہارا نکاح اتنے مہر پر ہوتا ہے یہ ایجاب نہیں ہے - ایک ہزار دس درم پر نکاح کیا یہ ایجاب ہے - لہذا یہی مہر قرار پایا - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سوال

مسماۃ زینب زوجہ زید لاولد فوت ہوگئی ہے - شادی کے موقع پر سسرال کی طرف سے جو مال از قسم زیور و پارچہ جات اس کو دیئے گئے تھے خاوند نے بعد وفات واپس لے لیے - متوفیہ کو اپنے والدین (میکے) سے جو مال ملا تھا وہ متوفیہ کے والدین کے قبضہ میں ہے - اس متروکہ مال کے متعلق جو زینب کو اپنے والدین - نے دیا تھا شرعاً کیا حکم ہے - آیا متوفیہ کے خاوند کو دیا جائے یا اس کے والدین اپنے تصرف میں لے آئیں - نیز اس مال کے متعلق کیا حکم ہے جو مال زید نے واپس لے لیا ہے اور اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے - اگر مال متروکہ کو جو زینب کے والدین کے پاس ہے کارِ خیر میں تعمیر مسجد وغیرہ میں لیا جائے تو کیا حکم ہے -

(۲) اگر متوفیہ کے والدین دیئے ہوئے مال کے شرعی مستحق برضا و رغبت اپنا حصہ نہ لینا چاہیں اس صورت میں یہ مال مستحقین خیرات میں تقسیم کر دیا جائے تو کیا حکم ہے -

(۳) جس صورت میں خاوند نے اپنا مال واپس لے لیا ہے حالانکہ اس کا مال اس مال سے قیمت میں بہت زیادہ ہے اور وہ اپنا مال شرعاً ورثہ میں تقسیم نہیں کرنا چاہتا تو کیا اس صورت میں وہ متوفیہ کے دیئے ہوئے مال میں سے شرعی حصہ لینے کا مستحق ہو سکتا ہے -

المستفتی نمبر ۱۵۱۵ غلام قادر صاحب (کراچی) ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۱ جون ۱۹۳۷ء

(۱۹۵) **جواب** - شادی کے موقع پر خاوند کی طرف سے جو زیور اور کپڑے بیوی کو دیئے جاتے ہیں، ان کے بارے میں عاریۃً ہونے کی تصریح یا عام رواج ہو تو وہ خاوند کی ملک ہوں گے - اور اگر عاریت کی تصریح یا رواج عام نہ ہو تو وہ بیوی کی ملک ہوتے ہیں اور اس کے ترکہ میں شامل ہو کر تقسیم ہوں گے - اور والدین کی طرف سے جو زیور و سامان دیا جاتا ہے وہ سب لڑکی کی ملک ہوتا ہے - سب ترکہ میں شامل ہوگا -

پس ہندہ کا ترکہ جس میں اس کا مہر جہیز اور چڑھاوا یعنی خاوند کا دیا ہوا مال بھی شامل ہوگا اس کے وارثوں پر تقسیم ہوگا۔ پھر جن وارثوں کے حصے میں جو رقم آئے وہ اپنی مرضی سے مسجد میں یا کسی کارِ خیر میں صرف کردیں تو انہیں اختیار ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کی شادی ہوئی اور تخلیہ ہوا مگر اتفاق سے زوجہ میں ایسی خامی پائی گئی کہ مجامعت کے وقت دخول نہیں ہوسکا باوجود کوشش کے یہ خامی دُور نہیں ہوسکی۔ عرصۂ دراز تک یہ دونوں اسی طرح باہم رہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مقررہ مہر بذمہ خاوند واجب الادا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۷۸ محمد خاں صاحب (ملک مالوہ) ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۷ جولائی ۱۹۳۷ء

(۱۹۶) **جواب**۔ اگر عورت ایسی ہے کہ جماع ممکن نہیں یعنی دخولِ حشفہ بھی نہیں ہوسکتا تو اس کا نصف مہر خاوند کے ذمہ واجب الادا ہوگا۔ اور اگر بقدر حشفہ دخول ہوسکے تو پورا مہر لازم ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) دین مہر زوجہ کے بغیر معاف کیے ہوئے اگر زید اپنی زوجہ کو طلاق دیدے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

(۲) زید کی بیوی نے زنا کیا اور زنا سے بچہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد بچہ مر گیا۔ زید کو اس زنا کی ولادت کی خبر ملی۔ زید یہی کہتا ہے کہ ولد الزنا تھا۔ چونکہ ہم دونوں عرصہ سے یکجا نہ ہوئے۔ دوسرے زوجہ بھی زنا سے انکار نہیں کرتی ہے۔ زید چاہتا ہے کہ طلاق دوں۔ زید کی زوجہ دین مہر معاف نہیں کرتی ہے۔ لوگ زید کو کہتے ہیں کہ بغیر دین مہر ادا کیے طلاق نہیں ہوسکتی ہے۔ اس وجہ سے وہ مجبور ہے۔ صلاحیت ادا کرنے کی نہیں ہے۔ نہ وہ ادا کرسکتا ہے اور نہ زوجہ کو رکھے گا۔ جس میں اور بھی زنا کا اور ہر قسم کی لغویت کا احتمال ہے۔ ایسی صورت میں دونوں کو علیحدہ کردینا مناسب ہے کہ نہیں تاکہ دونوں اپنی اپنی شادی طبیعت کے مطابق کرلیں۔ دوسرے جو لوگ کہتے ہیں کہ بغیر دین مہر ادا کیے طلاق نہیں ہوسکتی حق بجانب ہیں کہ نہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۱۶۰۴ مولوی عبدالرافع صاحب (ضلع گیا)

۶ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۵ جولائی ۱۹۳۷ء

(۱۹۷) **جواب**۔ لوگوں کا یہ کہنا کہ بغیر دین مہر ادا کیے ہوئے طلاق نہیں ہوتی غلط ہے۔ طلاق تو ہوجائیگی

ہاں دین مہر کی ادائگی شوہر کے ذمہ واجب الادا رہے گی۔جب قادر ہو ادا کرے۔جبکہ خاوند بیوی کو رکھنا پسند نہیں کرتا تو طلاق دیدینا مناسب ہے۔ اور اگر رکھنا چاہے تو رکھنا اور تعلقاتِ زوجیت قائم کرنا بھی جائز ہے۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ہندہ اپنے شوہر کی غیر حاضری میں بغیر اجازت کے نقد مبلغ ڈیڑھ ہزار روپیہ زیورات کپڑے وغیرہ تقریباً پانسو روپے کے گھر سے اٹھا کر اپنی نانی کے گھر چلی گئی۔جب زید سفر سے آیا اور ہندہ کی مذکورہ بے اعتدالیوں کی جماعت میں فریاد کی۔اہلِ جماعت نے دریافت کرنا چاہا تو جماعت کے حکم کو ٹھکرا دیا اور حاضر نہ ہوئی۔ بلکہ مہر کے لئے سرکار میں دعویٰ دائر کر دیا۔مہر غیر موجل ہے۔فی زمانا یہاں کا رواج یوں ہے کہ مہر غیر موجل موت احد الزوجین یا تفریق بین الزوجین کے وقت مطالبہ کیا جاتا ہے۔ پس ایسی بے اعتدالیوں کے باوجود ہندہ کا اپنے شوہر سے اپنے مہر غیر مؤجل ۶۲۴ روپئے کا مطالبہ دراںحالیکہ دونوں کے مابین کسی قسم کی تفریق واقع نہیں ہوئی درست ہے یا نہیں؟
المستفتی ۱۶۲۵ محمد ابراہیم صاحب مدرسہ معدن العلوم (فورٹ وانم باڈی ڈسٹرکٹ نارتھ اکاٹ)
۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۳۱ جولائی ۱۹۳۷ء

(۱۹۸) **جواب**۔ ہندہ کی یہ بے اعتدالی قابلِ مؤاخذہ ہے اور جو نقد و زیور وہ لے گئی ہے وہ اس سے واپس لیا جائے۔مگر مہر غیر مؤجل کے معنی تو معجل کے ہوئے۔یعنی جس کی ادائیگی فوراً لازم ہو اور غیر معجل ہو تو اس میں اگر کوئی اجل معین ہو تو اس اجل پر مطالبہ کر سکے گی اور اجل معین نہ ہو تو وہ بھی معجل کے حکم میں ہوتا ہے۔البتہ اگر وہ مہر سے زیادہ رقم لے جا چکی ہے تو مہر میں محسوب کی جا سکتی ہے۔
　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے ہندہ سے ۱۳۰۶ھ میں نکاح بمہر ایک ہزار روپیہ کیا اور مہر مؤجل (یعنی عند الطلب) رہا۔اب سنہ پچاس کے بعد مسماۃ ہندہ ہزار روپیہ زرِ مہر کی طالب ہے۔اگر اس درمیان میں دوسرا سکہ رائج ہو جائے تو مسماۃ مذکور اپنا مہر مقررہ ایک ہزار روپیہ (الـــہ) پائے گی یا بوجہ تبدیل ہو جانے سکہ کے کم و بیش کا اثر بھی اس کی رقم معینہ زرِ مہر میں پڑے گا۔فقط المستفتی ۱۶۸۲ محمد یوسف صاحب

انسپکٹر انکم ٹیکس (بھوپال) ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۲ اگست ۱۹۳۷ء

(۱۹۹) **جواب** - جس وقت مہر مقرر ہوا تھا اس وقت جو سکہ رائج تھا وہی ایک ہزار واجب الادا ہے۔ اگر اب اس کی مقدار یا قیمت کم یا زیادہ ہو گئی ہو تو نکاح کے وقت کی مقدار ادا کرنا ہو گی۔ مگر چاندی کے سکہ میں وزن اور سکہ دونوں معتبر ہوں گے۔ مثلاً اس وقت کے ایک ہزار روپے دس سیر وزن کے ہوتے تھے تو اب بھی دس سیر وزن کے سکے دینے پڑیں گے خواہ ان کی قیمت ایک ہزار سے زیادہ ہو جائے فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

میری ایک رشتہ دار عورت کی شادی ۱۹۱۸ء میں ہوئی تھی بروقت نکاح ایک اقرار نامہ منجانب دولہا تحریر ہوا تھا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ پچاس بیگہ اراضی بعوض زر مہر مبلغ پانصد روپیہ اپنے گھر پر جا کر نام زوجہ کرا دوں گا۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۳ء تک خاوند اور بیوی کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے۔ پھر اس کے خاوند نے ۱۹۳۳ء میں دوسری شادی کر لی اور اپنی زوجہ کو اس کے والدین کے گھر چھوڑ گیا چونکہ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۳ء تک خاوند اور بیوی کے تعلقات بہت اچھے رہے۔ ۳۳ء کے بعد خراب ہو گئے۔ عدالت میں مہر کا دعویٰ کیا گیا۔ عدالت نے حکم دے دیا کہ اقرار نامہ زائد المیعاد ہو گیا ہے اس لئے پچاس بیگہ اراضی کی حقدار مدعیہ نہیں ہے اور چونکہ اس اقرار نامہ میں یہ تحریر ہے کہ بعوض پچاس بیگہ اراضی مبلغ پانصد روپیہ ادا کروں گا۔ اس لئے اس کی بھی میعاد ختم ہو گئی ہے۔ مدعیہ پانصد روپیہ لینے کی بھی حقدار نہیں ہے۔ ایسی صورت میں نکاح پر کیا اثر پڑا۔ مکرر عرض ہے کہ مدعا علیہ مہر کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے۔ اور عدالت نے بھی یہی فیصلہ دیا ہے کہ جس اقرار نامہ میں مہر درج ہے اس کی میعاد گذر چکی ہے اس لئے مدعیہ نہ تو پچاس بیگہ اراضی کی مستحق ہے اور نہ پانصد روپیہ مہر جو بعوض پچاس بیگہ اراضی کے ہے، اس کی حقدار ہے۔ ایسی صورت میں نکاح جائز رہا یا نہیں۔ لڑکی جوان العمر ہے۔

المستفتی نمبر ۱۸۵۱ تصدق حسین صاحب حصار۔ ۲۹ رجب ۱۳۵۶ھ م ۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۰۰) **جواب** - عدالت کا یہ فیصلہ غلط ہے اور خلافِ قانون بھی ہے۔ اگر قانونی طور پر عورت پچاس بیگہ اراضی کی مستحق قرار نہ پائے تو اپنے مہر کی رقم پانے کی بہر صورت حقدار ہے۔ مہر کی رقم جب تک نکاح باقی ہے ہر وقت واجب الادا ہے اس پر کوئی میعاد حاوی نہیں ہے اور طلاق یا موت ہو جانے

پر شاید قانوناً تین سال کی میعاد ہے مگر یہ بھی شرعی طور پر صحیح نہیں ہے۔ بہرحال اس فیصلے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور عورت اپنا مہر پانے کی مستحق ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک لڑکی جس کی عمر ۱۱ سال ہے وہ لڑکی اپنی سسرال یعنی خاوند کے مکان پر عرصہ ایک سال تک بخوبی جاتی آتی رہی۔ لڑکی کے وارث بوجہ خراب ہونے کے اس کی آمدورفت میں ایک سال کے اندر جھگڑے ڈال چکے اور لڑکی کو ایسی تعلیم دی گئی جس کی وجہ سے لڑکی اپنی سسرال سے تین بجے فرار ہو کر چلی گئی۔ لڑکی کے خاوند و خسر نے لڑکی کے ایسے قصوروں کو معاف کرتے ہوئے سربار رکھ دیا۔ لڑکی کے وارث و عزیز و اقربا کی آمدورفت برابر روزمرہ جاری رہی۔ لے جانے کے واسطے کہا گیا تو لڑکی کے خسر نے لڑکی کے وارث حقیقی یعنی والدہ سے یہ کہا کہ ایک تحریر اس قسم کی لکھ دو کہ ہمیشہ کبھی کسی حالت میں بھیجنے اور رخصت کرنے میں رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اگر لڑکی کے اس کی سسرال میں بھیجنے یا پہنچانے میں رکاوٹ کی جائے تو لڑکی کے کل حقوق مع مہر شرعی کے سوخت اور ناجائز ہو جائیں گے جس کے وصول کرنے کے ہم اور ہمارے کل ورثا کبھی حقدار نہ ہوں گے۔ لڑکی کی والدہ نے یہ اقرار نامہ تحریر ایک بارہ آنے کے اسٹامپ پر لکھ دیا ہے جس پر اہل محلہ جملہ چار شخص معزز بطور گواہی اور دونوں طرف کے ذمہ دار بھیجنے اور لانے کے لکھے گئے اور بعد تحریر اقرار نامہ ہذا کے لڑکی کو اس کی والدہ اور دیگر وارثان کے سپرد کر دیا گیا۔ لیکن اس کے خسر نے رخصت کے لئے لڑکی کی والدہ سے کہا تو انکار کیا کہ میں نہیں بھیجوں گی اور دیگر شخصوں کو بھی مکان پر لے گئے اور کہا گیا کہ تم نے تحریر اقرار نامہ میں لکھ دیا ہے کہ اگر لڑکی کو ہم اس کی سسرال بھیجنے میں رکاوٹ کریں تو لڑکی کے کل حقوق مع مہر شرعی کے سوخت و ناجائز ہو جائیں گے کہ جس کے وصول کرنے میں ہم حقدار نہیں ہوں گے۔ تم لڑکی کو بھیج دو لیکن لڑکی کے وارثان وغیرہ خلاف تحریر و اقرار نامہ ہذا لڑکی کو بھیجتے نہیں۔ جبکہ مسماۃ یعنی لڑکی کی والدہ خلاف تحریر اقرار نامہ ہذا میں تو ایسی حالت میں کل حقوق مع مہر شرعی کے سوخت و ناجائز ہوئے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۸۸۱ اکرام حسین پوسٹ مین تاج گنج (آگرہ) ۵ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۰۱) **جواب** - اس اقرار نامہ سے لڑکی کا مہر ساقط نہیں ہوگا۔ اگرچہ اس کی خلاف ورزی کی گئی ہو کیونکہ اقرار نامہ وارثوں نے لکھا ہے اور لڑکی کا مہر ساقط کرنے کا انہیں کوئی حق نہیں۔ ہاں اگر لڑکی بلا وجہ

کے گھر نہیں آتی تو اس کا نفقہ شوہر کے ذمّہ سے ساقط ہو جائے گا جبتک کہ شوہر کے گھر نہ آئے نفقہ کی مستحق نہ ہوگی۔ اور اگر اس کا نہ آنا کسی معقول اور جائز شکایت پر مبنی ہو تو نفقہ بھی لے سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) نکاح کے وقت لڑکی کے ماں باپ جو چیز رسمًا و عادتًا بصورت زیورات یا پارچہ جات اور برتنوں وغیرہ کے دیتے ہیں۔ وہ جہیز لڑکی کی ملکیت میں آجاتا ہے یا لڑکی کا شوہر مالک ہوجاتا ہے یا لڑکی کے والدین ہی مالک رہتے ہیں؟

(۲) نکاح کے وقت عادتًا و رسمًا شوہر جو بیوی پر زیورات اور پارچہ جات وغیرہ ڈالتا ہے وہ زیورات وغیرہ شوہر کی ملکیت میں رہتے ہیں یا بیوی مالک ہوجاتی ہے۔ یہاں پر ایک عورت مرگئی ہے اور باپ اور شوہر اس کے پیچھے موجود ہیں۔ عطیۂ والدین اور شوہر کے ڈالے ہوئے زیورات اور مہر کس طرح تقسیم کیے جائیں۔ المستفتی ع۱۹۵۹ عبداللہ خاں صاحب (بنگلور چھاؤنی)

۲۴ شعبان ۱۳۵۶ھ ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۰۲) **جواب**۔ (۱) لڑکی کو جو چیزیں دی جاتی ہیں وہ لڑکی کی ملک ہوتی ہیں۔ شوہر صرف اس چیز کا مالک ہوتا ہے جو اس کے لئے دی جاتی ہے مثلاً جوڑا۔

(۲) شوہر کی طرف سے جو زیور عورت کو دیا جاتا ہے اس میں عرف مختلف ہے کہیں بطور تملیک ہوتا ہے۔ کہیں بطور عاریت۔ دہلی میں بطور تملیک دیا جاتا ہے اور عورت مالک ہوتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مہر کے کتنے اقسام شرعی طور پر معروف و مشہور ہیں مع معانی تحریر فرمائیں۔

المستفتی ع۲۰۳۴ منشی سید الطاف حسین صاحب (گنٹور) ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(۲۰۳) **جواب**۔ مہر معجل جو بوقت نکاح ادا کر دیا جائے یا ہر اس وقت ادا کرنے کا اقرار کیا جائے جس وقت عورت طلب کرے۔ مہر مؤجل جس کی ادائگی کسی مدتِ معینہ مبینہ پر محوّل کی گئی ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) مسماۃ ہندہ کا نکاح زید سے بعوض مبلغ گیارہ ہزار روپیہ مہر مؤجل ۱۳۰۶ھ میں بمقام بھوپال ہوا تھا۔ (۲) یہ کہ ۱۳۰۶ھ میں بھوپال میں جہاں نکاح ہوا تھا سکہ بھوپالی رائج تھا مگر زر مہر میں تخصیص کسی سکہ کی نہیں تھی۔ (۳) نکاح کے تقریباً تین سال کے بعد سکہ بھوپالی مسدود ہو گیا اور بجائے اس کے سکہ انگریزی رائج کر دیا گیا۔ (۴) یہ کہ سکہ کی تبدیلی کے ۳۸ سال بعد زید کا انتقال ہو گیا اور اب مسماۃ ہندہ مہر کی طالب ہے۔ (۵) حالات مذکورہ بالا میں جبکہ سکہ بھوپالی موقوف ہوئے ۳۸ سال کا زمانہ ہو چکا ہے اور سکہ رائج انگریزی کا ہے اور وجوب مہر کا اس وقت ہوا ہے جبکہ سکہ انگریزی رائج ہے۔ مہر کی ادائگی کس صورت سے عمل میں آئے گی آیا سکہ رائج الوقت ادا کیا جائے گا یا وہ سکہ جو بوقت نکاح رائج تھا اور اب مفقود ہو گیا ہے۔ اور اگر سکہ مروجہ بوقت نکاح سے ادائگی ہو گی تو شرح تبادلہ کیا قرار دی جائے گی۔ المستفتی نمبر ۲۱۳۹ منشی محمد ابراہیم صاحب۔ بھوپال

۱۸ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۲ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۲۰۴) **جواب** - گیارہ ہزار سکہ بھوپالی مہر تھا وہی واجب الادا ہے۔ مگر اس کے مسدود ہو جانے پر اس کی قیمت سکہ رائجہ میں ادا کی جائیگی۔ شرح مبادلہ وہ قرار پائیگی جو بھوپالی سکہ کے بند اور موقوف ہونے کے وقت قرار دی گئی تھی۔ پھر اگر وہ روپیہ جو اس قیمت کے حساب سے معین ہوا وزن میں سکہ مسدود کے برابر ہو تو انگریزی روپیہ دلوایا جائے گا اور اگر وزن میں کمی بیشی ہو تو ادائگی کسی دوسری جنس کی صورت میں مثلاً گیہوں کی صورت میں واجب ہو گی۔

رجل تزوج امرأۃ علی الف درھم فکسدت دراھم وصار النقد غیرھا تجب قیمۃ تلک الدراھم یوم کسدت ھو المختار ذکرہ الصدر الشھید۔ فتاویٰ ہندیہ ص ۳۳۰ ج ۱ طبع مصر۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید جو ایک مسجد کا امام ہے اپنے انتقال کے وقت سے پہلے وصیت کرتا ہے کہ میرا زر نقد و مال غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ زید کے انتقال کے بعد اہل محلہ میں سے ایک مولوی صاحب نے ان کا تمام سامان ان کے ورثاء میں تقسیم کر دیا۔ صرف ان کی مالیت کا تہائی حصہ مبلغ عہ ۱۱۰

برائے تقسیم غرباء روک لیا۔ لیکن زید کی بیوہ اس رقم کو اپنے مہر میں لینا چاہتی ہے مگر مولوی صاحب کہتے ہیں کہ تم مہر معاف کر چکی ہو لہٰذا تم اس کی مستحق نہیں۔ مسماۃ بیوہ کا بیان ہے کہ اس پر چھ رشتہ دار مرد اور تین عورت کی شہادت موجود ہے کہ بیوہ نے بر وقت تقسیم ورثہ ہرگز مہر معاف نہیں کیا۔ لیکن تنہا مولوی صاحب کہتے ہیں کہ تقسیم ورثہ کے وقت مہر معاف کیا تھا۔ اب فرمائیے کہ تنہا مولوی صاحب کا قول ناقابلِ قبول ہے یا نہیں یا مسماۃ بیوہ اور اس کے شاہدوں کا۔ نیز مسماۃ اس وقت معذور اور سخت محتاج ہے۔ کیا علاوہ مہر کے محتاج ہونے کی حیثیت سے اس کو مقدم سمجھا جائے گا۔

المستفتی نمبر ۲۲۱۷ حافظ عبدالمجید امیر ٹھ) ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء

(۲۰۵) **جواب** - تنہا مولوی صاحب کا قول دربارۂ معافی مہر مقبول نہیں۔ بیوہ کو پورا مہر ملے گا۔ اس کے بعد جو کچھ بچے تو اس کی ایک تہائی وصیت میں دی جائے اور دو تہائی وارثوں میں تقسیم ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

(۱) اللہ دتہ کی زوجہ مسماۃ خانم جان قبل از وطی فوت ہوگئی۔ کیا اس صورت میں اللہ دتہ پر سالم مہر واجب ہوگا یا نصف؟

(۲) اللہ دتہ نے وقت خطبہ اور وقت عقد نکاح کے جو ماکولات و مشروبات اور نقدی روپیہ و زیورات اپنے خسر کو بموجب اس کی طلب دیئے ہیں یعنی خسر نے اس کو تنگ کیا کہ مجھے یہ اشیاء مذکورہ بالا دے گا تو اس وقت میں اپنی لڑکی کا نکاح کردوں گا تو کیا یہ اشیاء و نقد و زیور اللہ دتہ واپس لے سکتا ہے یا نہیں۔ درمختار میں یہ عبارت مذکور ہے۔ ومن السحت ما یاخذہ الصھر من الختن بسبب بنتہ بطیب نفسہ حتی لو کان یطلبہ یرجع الختن بہ۔ انتھی۔ قال فی العالمگیریۃ خطب امرأۃ فی بیت اخیھا فابی ان یدفعھا حتی یدفع الیہ دراھم فدفع وتزوجھا یرجع بما دفع لانہ رشوۃ کذا فی القنیۃ قال فی البحر الرائق لو اخذ اھل المرأۃ شیئا عند التسلیم فللزوج ان یسترده لانہ رشوۃ۔ انتھی۔ تو قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ اللہ دتہ اپنے خسر سے ماکولات و مشروبات و نقد و زیور جملہ اشیاء واپس کر سکتا ہے؟۔ بموجب حوالہ جات سابقہ کے اور اللہ دتہ عند الشرع اپنے زوجہ متوفی کے ترکہ سے کتنے حصہ کا وارث

ہوگا ؟ المستفتی نمبر ۲۲۷۲ مولوی عبدالغفور صاحب کیمل پور ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۹ مئی ۱۹۳۸ء

(۲۰۶) **جواب** - (۱) اللہ دتہ کے ذمہ زوجہ مرحومہ کا پورا مہر واجب ہوا۔ ہاں خاوند بھی زوجہ کا وارث ہے اس لئے اس کو حصہ میراث ملے گا۔

(۲) جو اشیاء کہ اللہ دتہ کے خسر کے طلب کرنے پر اللہ دتہ نے دی تھیں ان میں سے جو باقی ہوں وہ اللہ دتہ واپس لے سکتا ہے اور جو کھا پی لی گئیں ان کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص مسلمان صاحب جائداد و مالدار اپنی زندگی میں ایک وصیت لکھ گیا کہ میری جائداد میں سے دس ہزار روپیہ میرے اکلوتے بیٹے کی شادی پر خرچ کیا جاوے اور جائداد و دیگر مال کے متعلق دو شخصوں کو ٹرسٹی مقرر کر کے ان کو ہدایت تحریری کر گیا حتٰی کہ وہ شخص قضاء الٰہی سے (یعنی وصیت کرنے والا) فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے اکلوتے بیٹے کی شادی اس لڑکے کی سگی والدہ نے خود کر دی اور خرچہ حسب تحریر اس کے والد کے کیا۔ یعنی زیور وغیرہ اور کپڑے عروسانہ وغیرہ اس رقم کے بنا کر دلہن کے لئے دیئے گئے۔ خدا کی شان شام کو دلہن سسرال میں ان زیورات اور اپنے میکے والے زیورات کپڑے و برتن وغیرہ جہیز کے لے کر آئی۔ صبح کو لڑکا یعنی دولہا اچانک موت آجانے سے فوت ہو گیا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ بموجب شرع محمدی شریف ان زیورات و پارچہ جات و دیگر سامان جو سسرال کی طرف سے لڑکی کو ملے اور جو زیورات پارچہ جات و سامان وغیرہ بطور جہیز دلہن کے میکے والوں سے ملے ان سب کی مالک دلہن ہے یا یہ کہ دلہن کی جائداد بھی مرحوم کے رشتہ داروں میں تقسیم ہوگی جس طرح باقی جائداد بموجب شرع محمدی تقسیم ہوگی۔

المستفتی نمبر ۲۳۷۷ ایس محمد سعید معرفت حاجی محمد الدین صاحب۔ فیرس لین نمبر ۶ کلکتہ

۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۸ جولائی ۱۹۳۸ء

(۲۰۷) **جواب** - دلہن کا جہیز کا سامان زیور کپڑے برتن وغیرہ جو میکے سے ملا ہے وہ سب دلہن کا ہے۔ جو زیور سسرال سے ملا ہے اس میں عرف کا اعتبار ہے۔ اگر یہ زیور تملیکاً دیا جاتا ہو تو تملیک قرار پائے گا اور دلہن کا ہوگا اور اگر عاریت کے طور پر دیا جاتا ہو تو عاریت قرار پائے گا اور دولہا کے

ترکے میں شامل ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک عورت نے کسی مرد سے زِنا کیا۔ چند آدمیوں نے دونوں کو ایک چارپائی پر دیکھا اور عورت نے اقرار کیا اور زانی مرد بھی زنا کرنے کا اقرار کرتا ہے۔ ایسی صورت میں زانی عورت مہر لینے کی حقدار ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۸۹ محمد عمر محمد ظفر (گوڑگاؤں) ۸ رجمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۶ راگست ۱۹۳۸ء

(۲۰۸) **جواب** - اس صورت میں بھی شوہر کو مہر ادا کرنا لازم ہوگا۔

سوال

مہر دو طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) معجل۔ جلدی۔ فوراً۔ (۲) مؤجل۔ دیر سے۔ مہلت سے۔ وقت کیا اس کے علاوہ کوئی اور قسم بھی ہے۔ معجل عند الطلب۔ مؤجل عند الطلب کے کیا معنی ہیں اور کون صحیح ہے؟ المستفتی نمبر ۲۴۲۷ شادانی صاحب (آگرہ) ۲۱ رشوال ۱۳۵۷ھ م ۱۴ ردسمبر ۱۹۳۸ء

(۲۰۹) **جواب** - معجل کے معنی یہ ہیں جس کی ادائگی فوراً واجب ہو اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ زوج مجلسِ عقد میں ادا کردے یا مجلس عقد کے بعد ادا کردے۔ دوم یہ کہ معجل ہونے کے بعد عورت اس کو عند الطلب قرار دیدے۔ یعنی زوج ادا نہ کرے اور عورت فوراً طلب نہ کرے بلکہ اس کی طلب کو مؤخر کردے تو یہ قسم حکماً معجل ہی ہوتی ہے۔ مؤجل کے معنی یہ ہیں کہ ادائگی مہر کے لئے کوئی اجل یعنی مدت مقرر کردی جائے۔ اس میں مدتِ معینہ سے پہلے عورت کو مطالبہ کا حق نہیں اور مرد پر مدتِ معینہ سے پہلے ادائگی واجب نہیں۔ اس قسم میں مدت کی تعیین مثلاً سال دو سال دس سال یا طلاق یا موت بطور مدت کے قرار دے سکتے ہیں۔ اور مدت کے طور پر جو چیز ذکر کردی جائے گی اس سے پہلے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ مؤجل عند الطلب کوئی صحیح قسم نہیں کیونکہ اجل مجہول ذکر کرنا درست نہیں اور صرف مؤجل کہہ دینا اور اجل کی تعیین نہ کرنا بھی صحیح نہیں۔ ایسی صورت میں کہ اجل معلوم و متعین نہ ہو مہر معجل لازم ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

خالد نے رحیمہ سے ڈھائی سو روپے مہر مؤجل کے ساتھ نکاح کیا۔ چند برس دونوں نے خوش اسلوبی سے باہم زندگی بسر کی۔ کچھ دنوں کے بعد بمقتضائے ضرورت کسبِ معیشت خالد کو سفر

میں رہنے کا اتفاق ہوا - ادھر مخفی طور سے رحیبہ نے اپنے شیشۂ عصمت کو سنگِ سفاحت سے توڑنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ بے محابا مطلق العنان ہو کر علانیہ برسر بازار بام نشین ہو کر سفاحت و زناکاری کو اپنا پیشہ بنالیا۔ بیچارہ خالد دو برس سے متنفر ہو کر اس سے منقطع التعلق ہو کر اس تردد و فکر میں ہے کہ اگر لفظ طلاق کا اس کو کہتا ہوں تو دین مہر کا معاملہ پیش آتا ہے اور نہیں کہتا ہوں تو خلافِ شریعت ہوتا ہے اور ایسی حالت میں ایسی باغیہ طاغیہ کو مہر کا روپیہ ادا کرنا ہرگز ہمت گوارا نہیں کرتی اس لئے استفتا کرتا ہوں کہ اگر خالد اس کو طلاق دے تو ایسی عورت کو از روئے شرع شریف کے مہر کا روپیہ بھی ادا کرنا ہوگا اور ادا نہ کرنے سے خالد عند اللہ ماخوذ ہوگا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۴۳۷ امام مسجد (ضلع پٹنہ)

۲۴ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۱۶ جنوری ۱۹۳۹ء

(۲۱۰) **جواب** - اس فسق و فجور کی وجہ سے اس کا حقِ مہر ساقط نہیں ہوا - مہر شوہر کے ذمہ واجب الادا ہے اور ایسی صورت میں طلاق دے دینا ہی بہتر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک شخص کی زوجہ فوت ہوگئی اور اس شخص کا عین شباب کا زمانہ ہے - بلا عقدِ ثانی عمر کا کٹنا نہایت دشوار ہے بلکہ سخت خطرہ ہے کہ شدتِ جوشِ شباب کے مقتضا کی وجہ سے زنا کا عادی ہو جائے۔ اور علاوہ گناہ کبیرہ کے خاندانی اعزاز کو بھی برباد کر دے اور عباداتِ ضروریہ کا بھی ترک ہو جائے۔ دوسرے پہلو میں صورتِ حال یہ ہے کہ شخص مذکور کی قوم میں ایک نہایت قبیح رواج کے مطابق دو سو یا تین سو روپے کی رقم نہ دی جائے تو شادی ہو ہی نہیں سکتی اور دوج بر کی شادی تو بلا رقم کثیرہ ہوتی ہی نہیں اور فقہی مسائل پر نظر ڈالنے سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ وارثانِ لڑکی اس زر کثیر کو بلا کسی استحقاقِ شرعی کے لیتے ہیں اور یہ معصیت ہے اور رقم کا دینے والا معین فی المعصیت ہے - اس صورت میں جواب طلب امر یہ ہے کہ شخص مذکور کے بلا عورت رہنے سے متعدد کبیرہ گناہ کے ارتکاب کا ظنِ غالب ہی نہیں بلکہ تجربہ سے یقین حاصل ہوتا ہے اور رقم دے کے شادی کر لینا یہ اعانت فی المعصیت ایک ہی گناہ ہے تو کیا شریعت ایسے مجبور کو رقم خرچ کر کے شادی کر لینے کی اجازت دے سکتی ہے جیسا کہ امر ناحق سے رشوت دے کے بعض احوال میں نقصان سے بچے رہنے کی اجازت پائی جاتی ہے فقط

المستفتی نمبر ۲۴۴۶ مولوی عبداللہ صاحب (گوڑگانوہ) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ م ۲۹ جنوری ۱۹۳۹ء

جواب - (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) شریعت میں علاج غلبۂ شہوت کا روزوں کے رکھنے کا ہے۔ عدم استطاعت کی صورت میں شرعاً اس کی اجازت ہم کو نہیں معلوم کہ نکاح کی وجہ سے حرام و ناجائز کے ارتکاب کی رخصت ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(۲۱۱) **جواب** - (از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ) اگر نکاح نہ کرنے کی صورت میں ظن غالب ہو کہ گناہ سرزد ہو جائے گا تو عورت کے ولی کو رقم (جس کو فقہا نے رشوت قرار دیا ہے) دے کر نکاح کر لینا مباح ہے۔ البتہ اگر روزے سے غلبۂ شہوت کو تسکین ہو جائے یا صبر کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اس اعانت علی المعصیت اور رشوت دینے سے بچے۔ فقط　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) مہر معجل۔ کے کیا معنی ہیں اور اس کی تشریح مع حوالۂ کتب۔

(۲) مہر مؤجل کے کیا معنی ہیں۔ (۳) مہر عند الطلب کے کیا معنی ہیں اور اس کی تشریح۔

(۴) کیا مہر معجل کو عورت فوراً طلب کر سکتی ہے اور اپنے نفس کو روک سکتی ہے اور اگر وہ فوراً طلب نہیں کرتی اور رخصت ہو کر شوہر کے یہاں جانے کو تیار ہے تو کیا شوہر بغیر ادائیگی مہر معجل اس کو نہیں چھو سکتا۔ اس کو لے جانا کیا خلافِ شرع ہے اور کیا اس کا ایسا نکاح مہر معجل کے ساتھ ہونا از روئے شرع شریف شرعی جرم یا گناہ ہے۔

(۵) مہر معجل کو جیسا کہ عورت فوراً طلب کر سکتی ہے اور اپنے نفس کو روک سکتی ہے جیسی قدرت اس کو حاصل ہے۔ اسی طرح پر کیا مرد کے ذمہ بھی عورت کے بغیر مطالبہ کے بھی اس مہر کا ادا کر دینا فوری لازمی ہے اور کیا فوراً ادائیگی نہ ہونے پر نکاح میں کوئی نقص واقع ہوگا۔ یہ ملحوظ رہے کہ عورت اپنے مہر معجل کا کوئی مطالبہ نہیں کر رہی ہے بلکہ یہاں کے چند اصحاب اور ایک مولوی صاحب کا خیال ہے کہ یہ مہر معجل مرد کو فی الفور ادا کر دینا چاہیئے ورنہ نکاح میں خرابی ہے۔

(۶) اگر عورت اپنے مہر معجل کو فوراً طلب نہیں کرتی ہے تو کیا وہ مہر مذکور عند الطلب کے معنی میں آجائیگا؟　المستفتی نمبر ۲۴۹۱ حافظ سید شفقت علی صاحب (علی گڑھ) ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ م ۳ مئی ۱۹۳۹ء

(۲۱۲) **جواب** - (۱) مہر معجل وہ ہے کہ بوقت عقد فوراً ادا کر دیا جائے یا فوراً ادائیگی کی شرط کر لی جائے۔

(۲) مہر مؤجل وہ ہے کہ اس کی ادائیگی کی کوئی اجل یعنی مدت مانی گئی ہو۔ اگر مدت معین و معلوم ہو

تو تاجیل صحیح مثلاً دس برس میں ادا کیا جائے گا یا بیس برس میں ایک دفعہ یا قسط وار۔

(۳) مہر عند الطلب در حقیقت کوئی نئی قسم نہیں ہے بلکہ یہ مہر معجل میں داخل ہے جس کے مطالبہ کو فوراً عمل میں لانے سے ذرا ڈھیلا کر کے مطالبہ کرنے تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔

(۴) مہر معجل قرار پائے تو عورت فوراً مطالبہ کر سکتی ہے اور اپنے نفس کو روک بھی سکتی ہے۔ اور شوہر جبراً بغیر ادائیگی مہر عورت کو لے جانے کا حق نہیں رکھتا۔ ہاں عورت اپنی خوشی سے خاوند کے ساتھ چلی جائے تو اُسے اختیار ہے۔

(۵) اگر مہر معجل قرار پائے تو شوہر کو لازم ہے کہ فوراً ادا کر دے لیکن اگر وہ ادا نہ کرے یا ادا نہ کر سکتا ہو تو عورت کو یہ حق ہے کہ جب تک مہر وصول نہ کرے خاوند کو اپنے اوپر قدرت نہ دے لیکن اگر عورت مطالبہ نہ کرے اور خود بغیر وصول کیے ہوئے خاوند کے پاس چلی جائے یا اپنے گھر رہے دونوں صورتوں میں نکاح کے اندر کوئی نقصان اور خرابی نہیں آتی۔ مرد کے ذمہ یہ لازم ہے کہ مہر معجل فوراً ادا کر دے۔ عورت مطالبہ کرے یا نہ کرے مرد پر ادا کر دینا ضروری ہے۔

(۶) ہاں اگر عورت نے فوراً وصول نہ کر لیا تو گویا وہ عند الطلب جیسا ہو گا۔ جس وقت بھی چاہے مطالبہ کر سکتی ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

آجکل مروجہ دستور یہ ہے کہ نکاح سے پہلے سسرال والے اپنے داماد سے کچھ پہلے روپیہ نقدی وجنس وغیرہ لیتے ہیں تب نکاح ہوتا ہے۔ کیا درمختار کا یہ حوالہ جو پیش کیا جاتا ہے اس کے مطابق داماد وہ روپیہ وغیرہ سسرال سے واپس لے سکتا ہے کیونکہ اس روپے کو رشوت سے تعبیر کیا ہے۔ جس کو مفصل مجموعہ فتاویٰ شاہ عبدالحی صاحب کی جلد دوم ص۱۹۱ تحریر میں لایا گیا ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔ فی درالمختار اخذ اھل المرأۃ شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده لانه رشوۃ انتھیٰ۔ المستفتی نمبر ۲۵۰۵ محمد حبیب الرحمٰن (کیمل پور)

۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ م ۱۱ جون ۱۹۳۹ء

(۲۱۳) **جواب** - نکاح سے پہلے دولہا سے یا اس کے اولیا سے جو چیزیں لی جاتی ہیں وہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ اول تو وہ جو دلہن کے واسطے لی جاتی ہیں۔ مثلاً جوڑا کچھ زیور، مہندی چوڑیاں وغیرہ تو یہ چیزیں

لینی جائز ہیں مگر ان میں اعتدال اور وسعت کا لحاظ رکھنا اور ان کی کسی خاص مقدار کو مخصوص اور لازم نہ کر دینا لازم ہے۔

دوسری قسم وہ جو دلہن کا ولی کوئی رقم یا زمین یا اور کوئی شئے دولہا سے محض اس بنا پر لیتا ہے کہ دلہن کا نکاح اس کے ساتھ کرے گا یہ چیزیں مہر میں شامل نہیں ہوتیں اور نہ دلہن کے استعمال کی ہوتی ہیں۔ نہ دلہن ان اشیاء کی مستحق سمجھی جاتی ہے۔ اس قسم کی چیزیں رشوت میں داخل ہیں اور دولہا کو ان کی واپسی کا حق ہے۔ درمختار کی عبارت میں اسی قسم کی چیزیں مراد ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

جناب والا سے ایک فتویٰ لیا گیا تھا۔ فتویٰ یہ تھا۔ زید نے ہندہ سے نکاح کیا۔ ہندہ بوقتِ نکاح ۱۶ سال ہے۔ بعد نکاح معلوم ہوا کہ ہندہ مرد کے بالکل قابل نہیں۔ پیشاب کا راستہ ہے۔ دخول کا راستہ نہیں۔ دایہ وغیرہ کو دکھایا۔ انھوں نے لا علاج بتلایا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کا نکاح صحیح ہے یا نہیں۔ یعنی زید اگر علیحدہ کرنا چاہے تو طلاق کی ضرورت ہوگی یا نہیں اور مہر لازم ہوگا یا نہیں۔ زید نے ہندہ کے نام مہر میں کچھ جائداد لکھی ہے۔

جناب والا نے جواب میں فرمایا کہ نکاح تو ہو گیا اور نصف مہر لازم ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ اعتراض مقصود نہیں بلکہ تحقیق مقصود ہے کہ مقصدِ نکاح حاصل نہیں یعنی جماع نہیں ہو سکتا نہ آئندہ امید پھر نکاح کیسا اور جب نکاح نہیں تو پھر مہر کیوں؟

المستفتی ۲۶۹۳ عبدالحمید صاحب (مراد آباد) ۳ محرم ۱۳۶۱ھ م ۲۱ جنوری ۱۹۴۲ء

(۱۸۱) **جواب** ۔ صحتِ نکاح کے لئے صرف منکوحہ کا عورت ہونا کافی ہے۔ گو اصل مقصد وطی اور اولاد حاصل نہ ہو مگر نکاح یعنی عقد صحیح ہو چکا ہے۔ لہٰذا نصف مہر لازم ہوگا اور اگر آپریشن یا کسی علاج سے وہ قابلِ وطی ہو جائے تو پورا مہر لازم ہوگا۔ اگر عورت عقیمہ ہو اور عمر بھر اولاد نہ ہو جب بھی مہر کی مستحق ہوتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) عقدِ نکاح میں برات باجہ وغیرہ کے ساتھ چڑھانا اور سہرا وغیرہ زیب کرنا اور مقنع ڈالنا

اور ناچ رنگ کرانا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) بروقت نکاح نوشاہ کی ہستی سے زیادہ کہ جس رقم کو کسی حال میں بھی وہ ادا نہیں کر سکتا اس سے زبردستی تسلیم کرانا اور جب دلہن گزر جائے تو دولہا سے اور دولہا گزر جائے تو اس کے وارثوں سے اس کثیر رقم کو جو وہ ادا نہیں کر سکتے جھوٹے الزام لگا کر اند فوجداری مقدمہ چلا کر اور ہر ایک ناجائز طریقہ سے جبراً وصول کرنا جائز ہے یا نہیں !

(۳) شادی کے وقت یہ بھی رسم ہے کہ لڑکی والے جب تک چڑھاوا زیور طلائی و نقرئی وغیرہ اور جوڑا وغیرہ لڑکے والوں سے نہ چڑھوالیں جس میں رقم کثیر خرچ ہوتی ہے جو غریب نہیں خرچ کر سکتا اور غریب ہر قوم میں زیادہ ہوتے ہیں اس وجہ سے لڑکیاں عمر میں حد سے گزر جاتی ہیں اور ان کی شادی ان کے ماں باپ نہیں کرتے۔ اس کا عذاب کس کے ذمہ ہے ؟

(۴) اکثر دیہات میں اور خاص کر ہماری برادری میں یہ چلن ہے کہ اگر ان کی لڑکی کی شادی کہیں قرار پاتی ہے تو لڑکی پر سو روپئے یا دو سو یا ہزار جتنے جس کا دل چاہے لے لیتا ہے جب وداع کرتا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

(۵ ۲۱) **جواب**۔ (۱) نکاح یا کسی اور تقریب کے موقع پر باجہ وغیرہ بجوانا، سہرا باندھنا، ناچ رنگ کرانا ناجائز ہے۔ سنت کے خلاف جو کام کیا جاتا ہے اس میں خدا کی مدد شامل نہیں ہوتی اور برکت زائل ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ ہر موقع پر شادی ہو یا غمی جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر عمل کریں اور اسی کو اپنے لئے وسیلۂ نجات سمجھیں۔

(۲) مہر دولہا کی حیثیت کے موافق باندھنا چاہئے۔ محض نام و نمود کے لئے بڑے بڑے مہر باندھنا بری بات ہے۔

(۳) چڑھاوا بھی حیثیت کے موافق لینا چاہئے اور بڑے بڑے چڑھاوے نہ ملنے کی وجہ سے لڑکیوں کو زیادہ عمر تک بٹھائے رکھنا گناہ کی بات ہے۔

(۴) مہر اور چڑھاوے کے علاوہ دلہن والے جو سو دو سو روپے دولہا سے لے لیتے ہیں جب لڑکی دیتے ہیں۔ یہ رشوت ہے اور حرام ہے۔ لینا اور کھانا اس کا قطعاً ناجائز ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی احقر مظہر الدین غفرلہٗ

سوال

بکر نے اپنی دختر مسماۃ مریم کا نکاح زید کو دیا اور زید سے اپنی لڑکی پر مبلغ پانسو روپے لے کر برادری کو کھانا کھلایا۔ یہ روپیہ لینا اور کھانا کھلانا اور برادری کو یہ کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ قاضی صاحبان بھی یہ کھانا کھاتے ہیں۔ المستفتی میاں جی نور محمد موضع نئی ضلع گوڑ گانوہ

(۲۱۶) **جواب**۔ لڑکی والوں سے روپیہ لے کر برادری کو کھانا کھلانا ناجائز ہے۔ وہ روپیہ لڑکی والا واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔ قاضی ہو یا کوئی اور جس کو معلوم ہو کہ لڑکی والے سے روپیہ لے کر کھانا دیا ہے ان سب کو کھانا ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو بیوی نے برضا و رغبت اپنے مہر میں اپنے خاوند سے دونوں لڑکیاں طلب کرلیں جو اسی خاوند سے تھیں۔ زید نے بخوشی دونوں لڑکیاں مہر کی ادائگی کے طور پر اپنی مطلقہ بیوی کے حوالے کردیں۔ واضح ہو کہ زید سے اگر مہر بصورتِ نقد طلب کیا جاتا تو وہ بھی ادا ہو سکتا تھا۔

(۲۱۷) **جواب**۔ لڑکیاں مہر کے بدلے فروخت نہیں ہو سکتیں۔ زوجہ اپنا مہر لے سکتی ہے یا معاف کرسکتی ہے۔ لڑکیوں کا حق پرورش ماں کے لئے ہے۔ لیکن نکاح کی ولایت بہر صورت باپ کے لئے قائم رہے گی فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

جس عورت کا بوجہ اقوالِ کفر نکاح ساقط ہوا ہو تو اب اُسے شوہر سے تجدیدِ نکاح کے لئے تعیین مہر کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور جبکہ عورت کے قصور سے نکاح ساقط ہوا ہے تو مہر مقررہ بصورت علیحدگی واجب الادا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۵۱ شجاعت حسین (ضلع آگرہ)

۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۶ مئی ۱۹۳۸ء

(۲۱۸) **جواب**۔ ہاں تجدیدِ نکاح کی صورت میں مہر بھی جدید مقرر کرنا ہوگا۔ خواہ تھوڑا ہی ہو مثلاً تین چار روپے۔ اور پہلا مہر بھی واجب الادا ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۲۵ء)

ہندہ کے باپ نے ہندہ کے جہیز کے لئے کچھ شے بازار سے خرید کیا اور ہندہ کے قبضہ میں نہیں دیا۔ اور قبل رخصتی کے ہندہ انتقال کر گئی اور جہیز کی شے ہندہ کے باپ کے پاس رہ گئی۔ اس طرح خریدنے سے وہ چیز ہندہ کی ملک میں آئی یا نہیں؟

(۲۱۹) **جواب**۔ اگر ہندہ نابالغہ تھی تو باپ نے ہندہ کے جہیز کے لئے جو چیزیں خریدیں وہ ہندہ کی ملک میں داخل ہو گئیں اور ہندہ کی وفات کے بعد ہندہ کے ترکہ میں شامل ہوں گی۔ لیکن اگر ہندہ بالغہ تھی تو جو چیزیں کہ ہندہ کے قبضہ میں نہیں آئیں وہ ہندہ کی ملک نہیں ہوئیں اور باپ کے مال میں شامل رہینگی۔

محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

سوال

(اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۲۷ء)

(۱) سائل کی بیوی کی موت اچانک ہو جانے سے مرحومہ اپنے شوہر کو مہر نہ بخش سکی۔ اس کے انتقال کو دو برس ہوئے۔ مرحومہ کی چار لڑکیاں موجود ہیں بڑی لڑکی کی شادی کر دی گئی ہے۔ وہ رقم مہر کس کا حق ہے؟

(۲) شوہر اپنی بیوی کو مہر زندگی میں دینا چاہے مگر بیوی لینے سے انکار کرے۔ جس پر شوہر سختی کرے تاکہ کسی صورت سے بیوی مہر لینے پر راضی ہو جائے چاہے بعد میں امانۃً پھر واپس کر دے، یا نہیں تو مہر معاف کر دے۔ لہٰذا کیا بیوی کو بخوف طلاق مہر نہ لینے سے شوہر کو اس پر جبر کرنا زیبا ہے؟

(۲۲۰) **جواب**۔ (۱) مرحومہ کے وارث اگر صرف شوہر اور چار لڑکیاں ہیں اور کوئی وارث نہیں ہے تو اس کے مہر اور ترکہ میں سے ایک چوتھائی شوہر کا حق ہے اور باقی چاروں لڑکیوں کو بحصہ مساوی ملیگا۔ پس مہر میں سے فی روپیہ بارہ آنے فی لڑکی تین آنے کے حساب سے دیدیا جائے۔ اور اگر مرحومہ کے والدین یا اور وارث بھی ہوں تو دوبارہ دریافت کیجئے۔

(۲) شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کا مہر ادا کر دے یا اس سے بخوشی معاف کرائے تاکہ حق سے سبکدوش ہو۔ محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۲۷ء)

ایک شخص کی لڑکی کی شادی ہوئی - بوقت نکاح مبلغ ایک ہزار روپئے مہر مؤجل مقرر ہوا تھا۔ نوشہ کے والد نے مبلغ تین سو روپئے کا زیور دلہن کے لئے جس کو یہاں چڑھاوا کہتے ہیں لاکر دیا۔ اور دلہن کے والد نے زیورات اور برتن وغیرہ جس کی قیمت مبلغ پانسو روپئے تھی جہیز میں دیا تھا۔ یہ مذکورہ بالا زیورات اور برتن وغیرہ لڑکی حسب دستور اپنے خسر کے یہاں لے کر چلی گئی تھی۔ اس کا خاوند اپنے باپ کے ساتھ شامل میں رہتا ہے۔ لڑکی کے ہاں دو سال کے عرصے میں ایک بچی پیدا ہوئی۔ بچی کی عمر نو ماہ کی تھی کہ ماں کا انتقال ہو گیا اور ایک ہفتہ کے بعد بچی بھی گذر گئی۔ لڑکی مرحومہ کا والد اور بھائی زندہ ہیں۔ ان انتقال کر چکی ہے۔ خاوند اور خسر بھی زندہ ہیں۔ مگر خاوند کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ اب مرحومہ لڑکی کے والد کا مطالبہ ہے کہ مہر زیورات اور برتن وغیرہ جو کچھ بھی لڑکی کو دیا گیا تھا وہ واپس ملے۔ اس وقت یہ سب چیزیں لڑکی کے خسر کے قبضہ میں ہیں۔

(۲۲۱) **جواب** لڑکی کو جو زیور کہ نوشہ یا خسر کی طرف سے شادی کے وقت بطور چڑھاوے کے دیا جاتا ہے اور جو زیور اسباب کپڑا برتن وغیرہ لڑکی کے باپ کی جانب سے جہیز میں ملتا ہے یہ سب لڑکی کی ملک ہو جاتا ہے اور وہی اس کی مالک ہوتی ہے۔ اسی طرح مہر بھی اس کی ملک ہے۔ پس اس صورت میں لڑکی کے تمام ترکہ میں سے (جو مہر، چڑھاوا، جہیز وغیرہ پر مشتمل ہے) اس کے والد کو ایک چوتھائی ملے گا۔ اور باقی تین چوتھائی اس کے خاوند کو ملے گا۔ (½ خود اس کا حق اور ¼ لڑکی پیدا شدہ کا حق جو اس کے مرنے پر اس کے باپ کو مل گیا) اور متوفیہ کے بھائی کا کوئی حق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۲۷ء)

زید کی زوجہ کا پانچسو روپیہ دین مہر ہے۔ وہ ادا کرنا چاہتا ہے مگر زوجہ اس کو ایک رسمی چیز سمجھ کر اس کو اپنے قبضہ میں نہیں کرتی ہے نہ اپنے کو اس کا مالک سمجھتی ہے۔ اور زید کے پاس پانسو روپیہ نقد موجود ہے۔ اب اس روپئے کا زکوٰۃ کیونکر ادا کیا جائے۔ زید تو اس وجہ سے اس کا زکوٰۃ نہیں دیتا ہے کہ میں بیوی کے دین مہر کا مقروض ہوں۔ اور بیوی اس وجہ سے نہیں دیتی کہ اپنے کو مالک نہیں سمجھتی ہے۔

(۲۲۲) **جواب** - جبکہ زید کا ارادہ مہر ادا کرنے کا ہے تو زید کے ذمہ اس روپئے کی زکوٰۃ نہیں ہے۔ زوجہ چاہئے کہ روپیہ وصول کر کے خود زکوٰۃ ادا کرے یا خاوند کو اجازت دے کہ وہ اسکی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے۔
محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۲۸ء)

زید اپنی بیوی سے خلوت میں کہتا ہے کہ اگر تم میری ایک بات مان لو تو کہوں۔ وہ کہتی ہے کہ اگر مان لینے کے قابل ہوگی تو مان لوں گی۔ وہ یقین دلاتا ہے کہ مان لینے کے قابل ہے۔ بیوی دریافت کرتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم کھاؤ کہ مان لوں گی۔ بیوی طوعاً و کرہاً شوہر کی ناخوشی کے خیال سے قسم کھا لیتی ہے بالآخر زید مہر معاف کرنے کے لئے کہتا ہے۔ چونکہ عورت قسم کھا چکی ہے۔ پس معاف کر دیتی ہے۔ کیا مہر معاف ہو گیا؟

(۲۲۳) **جواب**۔ ایسی قسم کھا لینے کے بعد بھی منکوحہ کو مہر معاف نہ کرنے اور اپنی قسم کا کفارہ دیدینے کی گنجائش تھی۔ لیکن اگر اس نے اس گنجائش سے فائدہ نہیں اٹھایا اور مہر معاف کر دیا تو مہر معاف ہو گیا خاوند اگر عورت سے بطیب خاطر مہر معاف کرانا چاہے تو بغیر کسی قسم کے دباؤ اور اینچ پیچ کے اس سے صاف صاف درخواست کرے کہ اگر تم خوشی سے اپنا مہر معاف کر دو تو میں شکر گذار ہوں گا۔ اگر وہ اس کے جواب میں معاف کر دے تو خیر ورنہ اس پر اظہارِ ناراضی یا تشدد نہیں کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۸ء)

زید نے مسماۃ ہندہ سے ہزار روپیہ مہر اور دیگر چند شرائط پر جو جنس مال سے تھیں نکاح کیا۔ نکاح پڑھے عرصہ زائد از نو ماہ گزر چکا ہے۔ ابھی تک زید نے اس سے خلوت نہیں کی۔ ہندہ کے والد نے ہندہ کو زید کے ساتھ بھیجنا پسند نہیں کیا۔ دوسرے جو زیور زید نے ہندہ کے لئے اس کے والدین کو دیا تھا۔ وہ کسی ساہوکار کے پاس رہن رکھ دیا گیا ہے۔ لڑکی بالغ ہے گو برتھ سرٹیفکٹ میں عمر کم لکھی ہوئی ہے۔ اب اگر زید دوسری شادی کرلے اور ہندہ کو چھوڑ دے تو مہر کس قدر واجب الادا ہوگا؟

(۲۲۴) **جواب**۔ جبکہ ہندہ کے اقارب ہندہ کو نہیں بھیجتے اور زیادتی اُن کی ہے تو آپ مہر کی معافی کی شرط پر طلاق دے سکتے ہیں۔ دوسری شرائط کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن اگر آپ بغیر کسی مفاہمت کے طلاق دیدیں گے تو نصف مہر واجب الادا ہوگا۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۱ء)

شوہر اور بیوی میں نااتفاقی رہتی ہے۔ شوہر کے تشدد سے مجبور ہو کر تنگ آ کر وہ اپنے میکے چلی گئی۔ وہ مطالبہ کرتی ہے کہ تم میرا مہر معجل ادا کردو۔ کیا شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مہر معجل ادا کیے بغیر بیوی کو اپنے گھر لے جانے پر مجبور کرے؟

(۲۲۵) **جواب** - اگر مہر معجل مقرر ہوا تھا تو بیوی کو اس کے مطالبہ کا حق ہے اور جب تک شوہر مہر ادا نہ کرے وہ اس کے گھر جانے سے انکار کرسکتی ہے۔　محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۳۴ء)

ایک عورت کا مہر مؤجل ہے اس کو اس مہر مؤجل کے مطالبہ کا کن کن حالتوں میں حق ہے؟

(۲۲۶) **جواب** - مہر مؤجل میں اگر اجل معین کردی گئی ہے۔ مثلاً دس برس، بیس برس، یا یہی کہہ دیا گیا ہو کہ موت یا طلاق کے بعد حق مطالبہ ہوگا تو اس صورت میں تو تصریح کے موافق عمل ہوگا۔ اور اگر یہ تصریح نہیں کی گئی صرف مہر مؤجل کہہ دیا گیا یا لکھ دیا گیا تو مؤجل بھی معجل کے حکم میں ہے۔ اور عورت کو ہر وقت مطالبہ کا حق ہے۔　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء)

اگر ہم اپنی بی بی کو ایک سال میں دو جوڑے کپڑے سے زیادہ پہنائیں اور دل میں نیت کرلیں کہ بی بی کے مہر میں دیتے ہیں اور بی بی کو اس کی خبر بھی نہ ہو اور زیور بھی جو اس کو پہنائیں مہر تصور کرلیں تو درست ہوگا یا نہیں؟

(۲۲۷) **جواب** - کپڑا تو بیوی کو مہر کے علاوہ خاوند کی طرف سے ملنا چاہئے۔ اس لئے یہ کپڑا مہر میں محسوب نہیں ہوگا۔ ہاں دیتے وقت تصریح کردی جائے اور بیوی منظور کرلے تو مہر میں محسوب ہوسکے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید فالج کے مرض میں گرفتار تھا۔ اسی حالت میں اس نے ہندہ سے نکاح کر لیا۔ نکاح کے بعد کچھ کشتہ وغیرہ کھالیا اور زید کے مرض میں زیادتی ہو گئی۔ اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ فالج کی وجہ سے زید مر گیا ہے یا کشتہ کھانے کی وجہ سے یا دونوں مرضوں سے۔ اتنا ضرور ہے کہ مرنے کے وقت تک فالج کا اثر باقی تھا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کا مہر جو قرضہ ہے وہ تندرستی اور صحت کے قرضے کے ساتھ ساتھ ادا کیا جائے یا صحت کا قرضہ ہندہ کے مہر پر مقدم ہے؟ اگر صحت کا قرضہ ادا کیا جائے اور ترکہ میں سے کچھ باقی نہ بچے تو ہندہ کا مہر کس طرح ادا ہوگا۔

(۲۲۸) **جواب** ۔ مرض کا وہ دین مؤخر ہوتا ہے جس کا سبب معلوم نہ ہو اور صرف اقرار مریض اس کے ثبوت کی دلیل ہو۔ نکاح اور اس میں مہر کا تقرر معلوم و معاین ہے۔ اس دین مہر کا ثبوت صرف اقرار مریض سے نہیں ہے۔ لہذا یہ دین اور دین صحت ایک درجے کے ہیں۔ ان میں تقدم و تاخر نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک جگہ یہ دستور ہے کہ بوقت نکاح مہر ایک لاکھ یا سوا لاکھ کا باندھا جاتا ہے۔ باوجودیکہ دولہا کی حیثیت ہزار روپئے کی بھی نہیں ہے۔ لیکن رواجاً یہ مہر باندھا جاتا ہے اور خیال یہ ہوتا ہے کہ میاں کون مانگتا ہے اور اگر مانگے بھی تو لے گا کہاں سے؟ جب ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے تو کس سے لے گا؟ ایسی صورت میں نکاح اس رواجی مہر پر جائز ہوگا یا نہیں! اور اولاد اس کی حلال کی ہوگی یا نہیں؟ المستفتی منشی محمد احسان اللہ ۔ دفتر ایس۔ ایم۔ یوسف۔ صدر بازار دہلی

(۲۲۹) **جواب** ۔ اس خیال سے مہر باندھنا کہ "کون مانگتا ہے اور مانگے بھی تو لے گا کہاں سے؟" سخت گناہ ہے۔ مہر خاوند کی حیثیت کے موافق باندھنا چاہئے اور ادا کرنے کی نیت رکھنی چاہئے۔ لیکن اگر حیثیت سے زیادہ مہر باندھا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ اور اسی قدر مہر خاوند کے ذمہ واجب الادا ہو جاتا ہے۔ جس کا مواخذہ اس کے سر رہتا ہے۔ اور اولاد اس کی ثابت النسب ہوتی ہے۔ واللہ اعلم ۔ کتبہ محمد کفایت اللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

صح الجواب بالکتاب ۔ ویصح النکاح وان لم یسم فیہ مہر الخ ہذا فی الہدایہ ۔ حررہ محمد یوسف عفی عنہ

سوال

ایک عورت بعمر تقریباً پندرہ سولہ سال جو کہ عرصہ چار سال سے حائضہ ہے اپنے شوہر سے طلاق لینا چاہتی ہے اور مہر عند اللہ معاف کر چکی ہے۔ مگر باپ عورت کا مہر ادا کرنے کی صورت میں بحیثیت ولی ہونے کے، طلاقنامہ پر تصدیق کرنے کے لئے آمادہ ہے ورنہ نہیں۔ یا دستخط کرنے کے لئے ایک معقول رقم کا طالب ہوتا ہے۔ المستفتی منشی محمد احسان اللہ (باڑہ ہندو راؤ دہلی)

(۲۳۰) **جواب** - عورت بالغہ کو اپنے مہر کے معاف کر دینے کا حق ہے اور جبکہ وہ مہر معاف کر دے تو پھر کسی ولی کو حق نہیں کہ وہ مزاحمت کرے۔ اور اسے لازم ہے کہ حق بات کو ظاہر کر دے اور طلاقنامہ کی تصدیق کر دے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

الجواب صحیح۔ محمد مظہر اللہ غفر لہٗ امام مسجد فتحپوری دہلی

سوال

عورت اپنا مہر معاف کرنے کے بعد اپنے شوہر سے خلع کی درخواست کرے اور پھر مہر کی طالب ہو مگر شوہر مہر نہیں دینا چاہتا۔ تو کیا عورت کی طرف سے مہر کا مطالبہ درست ہوگا؟

المستفتی منشی محمد احسان اللہ باڑہ ہندو راؤ دہلی

(۲۳۱) **جواب** - اگر عورت مہر معاف کر چکی ہے تو اب اس کو عند اللہ مہر کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں رہا۔ اگر باوجود مہر معاف کرنے کے مطالبہ کرے گی تو اس کا مطالبہ غیر معقول اور غیر مقبول ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔ الجواب صحیح۔ محمد مظہر اللہ غفر لہٗ امام مسجد فتحپوری دہلی

سوال

ایک پیش امام جو نماز عیدین بھی پڑھاتا ہے اس کا رویہ یہ ہے کہ ایک مسماۃ جو اپنے شوہر سے مہر معاف کرنے کے بعد طلاق لینا چاہتی ہے۔ پیش امام اس کو اپنی بزرگانہ باتوں کے فریب میں لا کر بہکاتا ہے کہ تم مہر کیوں معاف کرتی ہو؟ سب لوگوں کے سامنے کہدو کہ میں نے مہر معاف نہیں کیا، تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟ المستفتی منشی محمد احسان اللہ باڑہ ہندو راؤ دہلی

(۲۳۲) **جواب** - مہر معاف کر دینے کے بعد مہر کے مطالبے کی تلقین کرنا گناہ کی بات ہے۔ اور امام مذکور کو معافی مہر کا علم ہو اور پھر وہ کہے کہ اپنا مہر طلب کرو تو وہ ظالم اور معین علی الظلم ہے۔ اگر

وہ اس گناہ پر اڑا رہے تو فاسق ہوگا اور اس کی امامت بھی مکروہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔
الجواب صحیح محمد مظہر اللہ غفرلہٗ امام مسجد فتحپوری دہلی

ساتواں باب
وکیل اور گواہ
سوال

ملک ہندوستان میں ہمیشہ سے یہ قاعدہ ہے کہ کسی بالغہ جوان لڑکی کا نکاح ہوتا ہے اور سب براتی لڑکی کے مکان پر آجاتے ہیں تو لڑکی سے اس کے مہر اور نفس کی اجازت لینے تین شخص جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو لڑکی کا باپ یا چچا یا ماموں یا کوئی اور سگا ہوتا ہے وہ تو وکیل کی نیت سے جاتا ہے اور دوسرے جو دو آدمی ہوتے ہیں وہ گواہ کی نیت سے جاتے ہیں۔ مگر وہ دو آدمی بھی ایسے ہوتے ہیں جن سے لڑکی کا پردہ نہیں ہوتا ہے اور وہ لڑکی کی آواز سمجھتے ہیں۔ اب لڑکی سے وہ شخص سوال کرتا ہے جو وکالت کی نیت سے گیا ہے کہ مسماۃ فلاں بنت فلاں بی بی تم نے اپنے مہر اور نفس کا اختیار مجھ کو دیا؟ وہ لڑکی گواہوں کے سامنے کہتی ہے کہ میں نے تم کو اپنے مہر کا اور نفس کا اختیار دیا۔ تب وہ وکیل اور گواہ لڑکی کے کلام کو سُن کر باہر آتے ہیں۔ اور اہل مجلس کو سلام کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ مسماۃ فلاں بنت فلاں نے اپنے مہر اور نفس کا اختیار ہمارے سامنے فلاں ابن فلاں کو دیا ہے۔ پھر قاضی صاحب وکیل سے اجازت لے کر خطبہ شروع کرتے ہیں۔ بعد خطبہ کے وکیل سے سوال کرتے ہیں کہ میاں فلاں ابن فلاں صاحب آپ نے اپنی وکالت یا ولایت سے فلاں بنت فلاں کا نکاح بعوض مہر مبلغ اس قدر روپیہ اور فلاں فلاں گواہوں کی گواہی سے حاضرین مجلس کے حضور فلاں ابن فلاں سے کر دیا۔ تب وکیل اقرار کرتا ہے۔ پھر قاضی صاحب دولہا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ غرض دونوں طرف ایجاب وقبول کرا کے دعائے خیر کرتے ہیں۔ اب عرض کرنا یہ ہے کہ وہ دو گواہ جو اجازت لینے کے وقت وکیل یعنی لڑکی کے باپ یا چچا ماموں وغیرہ کے ساتھ گئے تھے وہ گواہ فرض ہیں یا واجب یا سنت یا مستحب یا شرط نکاح ہے یا

محض رواج ؟

(۲۳۳) **جواب** - وہ دونوں گواہ جو لڑکی کی اجازت کو سننے کے لئے وکیل کے ہمراہ جاتے ہیں وہ صرف ثبوت توکیل یا ثبوت اذن کے لئے ہوتے ہیں - انعقادِ نکاح کی مجلس میں وہ گواہ نہ ہوں اور ایجاب وقبول دوسرے لوگوں کے سامنے کرادیا جائے جب بھی نکاح صحیح و درست ہو جائے گا - اور جب وہ دونوں گواہ مجلسِ نکاح میں بھی ہوں اور ایجاب و قبول بھی ان کے سامنے ہو تو وہ وکالت اور اذن کے گواہ بھی ہوں گے اور نکاح کے بھی - اگر وکیل کی وکالت کا یا اپنی جانب سے اذن دینے کا لڑکی انکار کردے تو اذن اور وکالت کے ثابت کرنے کے لئے ان گواہوں کی ضرورت ہوگی ورنہ صحتِ نکاح کے لئے اُن گواہوں کی ضرورت نہیں ہے - یعنی لڑکی اگر کسی گواہ کی موجودگی کے بغیر بھی اپنے ولی کو اپنے نکاح کا اذن دیدے یا کسی کو وکیل بنادے اور وہ ولی یا وکیل باقاعدہ مجلس میں نکاح کردے تو نکاح منعقد ہو جائے گا - واللہ اعلم - محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی - ۳۰ ستمبر ۱۹۳۰ء

سوال

جبکہ منکوحہ مسلمان ہو اور عقد نکاح کے گواہ مسلمان نہ ہوں یا ایک ہندو (غیر مسلم) اور دوسرا مسلمان - ایسا عقد صحیح ہوگا یا نہیں ؟ و نیز غیر مسلم کی شہادت معاملہ نکاح میں جائز ہوگی یا نہیں ؟

المستفتی ۱۱ محمد عبدالعلی صاحب بلارم دکن - ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ۲۴ جولائی ۱۹۳۳ء

(۲۳۴) **جواب** - مسلمہ عورت کے نکاح کے انعقاد وجواز کے لئے مسلمان شاہدوں کی موجودگی اور ایجاب وقبول کو سننا شرط ہے - ایک گواہ مسلمان اور ایک غیر مسلم ہو تو نکاح جائز نہ ہوگا - فلا ینعقد (النکاح) بحضرۃ العبید ولا بحضرۃ الکفار فی نکاح المسلمین انتھی مختصراً ھکذا فی البحر الرائق - (فتاوی عالمگیری) ولا ینعقد الا بسماع کل من العاقدین کلام صاحبہ وحضور مسلمین - لانہ لا شھادۃ لکافر علی مسلم انتھی مختصراً (البرھان شرح مواھب الرحمٰن)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید مرد بالغ نے ہندہ سے نکاح بموجب سنّت شریعت ادا کیا - نکاح میں صرف ایک قاضی موجود تھا - زید اور ہندہ نے ایجاب وقبول خود آپس میں کرلیا - حسب الحکم شرع شریف دو گواہ شرعی موجود

نہ تھے۔ قاضی کو گواہ بنا لیا اور دوسرا گواہ کلام مجید کو قرار دیا بموجب شرع شریف نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۱۳ سید اصغر علی ہیڈ ماسٹر پاٹودی۔ ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ ۱۷ فروری ۱۹۳۴ء

(۲۳۵) **جواب** - ایجاب و قبول زوجین نے خود کر لیا تو زوجین کے علاوہ دو گواہ ضروری تھے۔ ایک گواہ تو قاضی صاحب ہو گئے لیکن دوسرا گواہ قرآن مجید کو قرار دینا صحیح نہیں۔ اس لئے یہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

شیعہ سُنّی کے نکاح کی گواہی میں لیے جائیں یا نہیں؟

المستفتی عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور (ضلع میرٹھ)

(۲۳۶) **جواب** - شیعہ لوگ سُنّی کے نکاح میں گواہی میں نہ لیے جائیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۷ء)

ایک بیوہ کو ایک جماعت نکاح کے واسطے زور دے اور بیوہ انکار کرے۔ اس کے انکار پر جماعت یا پنچایت نے یہ کہا کہ اگر تو اس وقت نکاح نہیں کرتی تو اپنے نکاح کا ایک آدمی کو وکیل بنا دے۔ اور آدمی وہ ہو جس کو پنچایت مقرر کرے۔ عورت نے جواب دیا کہ اگر میں وکیل بنا دوں گی تو میرا نکاح ہی ہو جاوے گا۔ باوجود اس کہنے کے بھی بیوہ نے اپنا وکیل بنا دیا۔ یہ لفظ صرف ایک ہی دفعہ کہا ہے۔ نکاح ہوا یا نہیں؟

(۲۳۷) **جواب** - جب اس نے نکاح کے لئے وکیل بنا دیا تو اس کا نکاح اگر وکیل پڑھا دے گا تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۷ء)

زید نے ایک عورت سے عدم موجودگی میں کسی گواہ یا قاضی کے اپنا عقد اس طرح پر کر لیا کہ زید نے عورت سے کہا کہ میں نے تم کو بعوض اتنے مہر کے اپنی زوجیت میں لیا اور عورت نے کہا کہ میں نے بھی قبول کیا۔ یا عورت نے زید سے کہا کہ میں نے اپنے کو بعوض اتنے مہر کے تمہاری زوجیت میں دیا اور زید نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ حالانکہ ان ہر دو صورتوں میں کوئی شاہد یا قاضی یا وکیل موجود نہیں ہے۔ کیا یہ عقد

جائز ہوا ؟

(۲۳۸) **جواب**۔ انعقادِ نکاح کے لئے شاہدین کا موجود ہونا اور ایجاب وقبول کو سننا شرط ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں نکاح منعقد نہیں ہوا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

آٹھواں باب

نکاح خوانی اور اُس کا مسنون طریقہ

سوال

ہمارے شہر ناگپور میں قاضی صاحب نکاح خوانی میں اپنے حق کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا کوئی دوسرا مسلمان جو مسائل سے واقف ہو نکاح خوانی کرسکتا ہے یا نہیں۔ کیا قاضی صاحب کا کوئی حق فقہ حنفی کی رُو سے ہے ؟ راقم محمد اسماعیل محلہ ہنساپوری۔ ناگپور

(۲۳۹) **جواب**۔ نکاح ہر شخص کے پڑھانے سے صحیح ہوجاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ قاضی صاحب سے ہی نکاح پڑھوایا جائے۔ محمد کفایت اللہ عفاعنہ مولاہ

سوال

(۱) نکاح خوانی لینا جائز ہے یا ناجائز اور (۲) نکاح خوانی خاص اشخاص کا کام ہے یا یہ کہ اہلِ اسلام میں سے اور لوگ بھی انجام دے سکتے ہیں۔ (۳) اس معاملہ مذہبی میں حکامِ وقت کی مداخلت جائز ہے یا نہیں؟ (۴) زرِ نکاح خوانی مجبور کرکے لینا کیسا ہے ؟ المستفتی افضال الحق ساکن کوچہ روح اللہ خاں دہلی

(۲۴۰) **جواب**۔ (۱) نکاح خوانی طرفین یعنی قاضی اور اس کو بلانے والے کی باہمی رضامندی سے لینی جائز ہے۔ (۲) نکاح خوانی ہر وہ شخص کرسکتا ہے جو احکامِ نکاح سے واقف ہو اور نیک صالح ہو تو اولیٰ ہے۔ (۳) قاضی کی نکاح خوانی کا واسطہ بھی ضروری نہیں۔ اگر زوجین یا دونوں کے ولی یا وکیل گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔ لیکن اگر حکام یادداشت کے طور پر متنازعت کے مواقع پر کام آنے کے لئے نکاحوں کے اندراج کے لئے رجسٹر رکھنے کا حکم دیں اور ان رجسٹروں میں نکاح لکھے جایا کریں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ (۴) اُجرتِ نکاح خوانی باہمی رضامندی سے مقرر

کرلینے کے بعد جبراً لی جاسکتی ہے اور جو شخص یعنی بیٹی والا یا دولہا والا نکاح خواں کو بلائے گا اس کو اُجرت ادا کرنی ہوگی۔ اور اگر اُجرت پہلے طے نہ کی ہو تو جو عرف ہوگا اس کے موافق دینی ہوگی۔ فقط
محمد کفایت اللہ غفرلہٗ ۲۵ اکتوبر ۲۵ء

سوال

متولی جامع مسجد اپنے ساتھیوں کی مدد سے بغیر کسی سبب شرعی کے قاضی کو معزول قرار دے اور نئے قاضی کا تقرر کرے تو اہل شہر کو کس قاضی کا ساتھ دینا چاہئے؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ پہلا قاضی تمام اہل شہر سے منتخب کیا گیا ہے اور بیس سال سے قضاءۃ کررہا ہے۔
المستفتی ۵۱۲ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۵ء

(۲۴۱) **جواب** - متولی جامع مسجد کے اختیار میں قاضی کو معزول کرنا داخل ہو تو عزل صحیح ہوا لیکن اگر اس نے بلاسبب معزول کردیا تو وہ مؤاخذہ دار ہوگا۔ اور اگر اس کے اختیارات میں یہ داخل ہی نہیں تو قاضی معزول نہیں ہوا اور اس صورت میں لوگوں کو اس کا ساتھ دینا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

ہمارے یہاں شادی ہوتی ہے تو شب گشت وغیرہ تمام کاروبار رات کے وقت ہوتا ہے۔ تب دولہا دلہن کے مکان میں جاکر بیٹھ جاتا ہے۔ علی الصباح دلہن کے مکان میں نکاح پڑھا جاتا ہے۔ اور کثیر جماعت لوگ دلہن کے گھر نکاح کا پڑھنا بہتر سمجھتے ہیں۔ بعدہٗ رواج یہ ہے کہ دولہا کے گھر مولود النبی پڑھی جاتی ہے اور یہ مولود النبی رستے سے پڑھتے پڑھتے دلہن کے گھر ختم کی جاتی ہے۔ اس کے بعد فجر کے بعد اس کا نکاح دلہن کے گھر پڑھا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بعض لوگ دولہا کے گھر نکاح پڑھنا بہتر سمجھتے ہیں اور بعض لوگ دلہن کے گھر بہتر سمجھتے ہیں۔ المستفتی ۶۱۸ غلام حسین (ضلع رتناگیری)
۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۲۴۲) **جواب** - ترمذی شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے۔ واجعلوہ فی المساجد یعنی نکاح مسجد میں کیا کرو۔ اس حدیث کے بموجب نکاح کے لئے مسنون اور افضل جگہ تو مسجد ہے۔ اگر مسجد میں نہ کیا جائے تو پھر خواہ دولہا کے مکان میں کیا جائے یا دلہن کے مکان میں دونوں جائز ہیں۔ شب گشت کرنا اور راستہ میں مولود النبی پڑھنا یہ دونوں باتیں واجب الترک ہیں کہ خلاف سنت

ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(۱) کیا شرعاً قاضی کو یہ بات لازم ہے یا نہیں کہ اگر کوئی شخص غریب اور بالکل محتاج ہو تو اس کا نکاح فی سبیل اللہ پڑھا دیں۔ (۲) کیا بغیر اُجرت لئے قاضی صاحب نکاح نہیں پڑھا سکتے؟ (۳) کسی بھی مصیبت زدہ شخص کو قاضی صاحب امداد دے سکتے ہیں یا نہیں؟ (۴) قاضی صاحب کو نکاح خوانی کا کتنا حق لینا چاہئے؟ مجید خاں مقام جوبٹ

(۲۴۳) **جواب**۔ (۱) قاضی پر یہ لازم نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ بغیر اُجرت نکاح پڑھا دے تو ثواب کا مستحق ہوگا اور نہ پڑھائے تو مجلس میں سے کوئی اور شخص ایجاب وقبول کرا دے نکاح ہو جائے گا۔ ضروری نہیں کہ قاضی صاحب ہی نکاح پڑھائیں۔ (۲) وہ چاہیں تو پڑھا دیں۔ (۳) قاضی کے اختیار میں جس قدر امداد ہو اس قدر امداد دینا لازم ہے۔ (۴) نکاح پڑھوانے والے کی حیثیت کے اندر اُجرت لینی چاہیے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

نکاح خوانی کی اُجرت جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی ۱۵۲۸ قاری عبداللطیف صاحب بنگال۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۷ء

(۲۴۴) **جواب**۔ نکاح پڑھانے والے کو اُجرت دینا جائز ہے۔ مگر اجرت تراضی طرفین سے طے کی جائے۔ زبردستی کوئی رقم معین نہ کر لی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

کئی نکاح ایک ہی جگہ پر ہوں تو ان کے لئے خطبۂ مسنونہ ایک ہی کافی ہے یا ہر نکاح کے لئے علیحدہ علیحدہ۔ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(۲۴۵) **جواب**۔ ہر ایک نکاح کے لئے خطبہ مسنونہ پڑھنا مسنون ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

نکاح پڑھانے والے کو کچھ روپیہ نقد دینا سنت ہے یا مستحب؟ اور نکاح پڑھانے والا نکاح پڑھانے سے پہلے کچھ نقد روپیہ پہلے مقرر کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور پھر جبراً وصول کر سکتا ہے

یا نہیں؟ المستفتی ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق امام مسجد دو حد ضلع پنچ محل - مورخہ ۱۳ رجمادی الثانی ۱۳۵۹ھ

(۲۴۶) **جواب** - نکاح پڑھانے والے کو نکاح خوانی کی اُجرت دینا جائز ہے اور نکاح خواں پہلے اُجرت مقرر کر کے نکاح پڑھائے تو یہ بھی جائز ہے اور اس کو مقرر شدہ اجرت جبراً وصول کرنے کا حق ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

نکاح پڑھانے والے کو کچھ علمِ نکاح و طلاق وغیرہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ یا ہر جاہل شخص ایجاب و قبول کرا سکتا ہے؟ المستفتی فقیر بلدار خاں الملقب بہ نبی بخش چشتی عفی عنہ (مالیگاؤں)

(۲۴۷) **جواب** - بہتر ہے کہ نکاح پڑھانے والا متعلقاتِ نکاح کے مسائل جانتا ہو۔ اور اگر ایجاب و قبول جاہل بھی کرادے تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ، مدرس مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی

الجواب صحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند۔ ۲۷ رشعبان ۱۳۳۳ھ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ رمارچ ۲۸ء)

جزیرہ ٹرینی واد میں دولہا اور دلہن نکاح خوانی کے وقت کرسی پر بیٹھتے ہیں۔ آیا شرعاً یہ جائز ہے؟

(۲۴۸) **جواب** - دولہا دلہن کو عقد نکاح کے وقت کرسیوں پر بٹھانا اسلامی رواج کے خلاف ہے۔ اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ ارنومبر ۱۹۳۱ء)

ایک شخص نے عام مجلس میں برضائے خود روبرو امام دیہہ وگواہان اپنی نابالغ لڑکی کا عقد نکاح بہ ایجاب و قبولیت کر دیا۔ اور مجازی حکومت کے رجسٹر نکاح پہ انگوٹھا وغیرہ چسپاں کرنے کا وعدہ بر بلوغت کیا گیا تھا۔ اب لڑکی کا والد فوت ہو گیا ہے۔ اور اس کی بیوہ اب لڑکی دینے سے انکاری ہے۔ شہادت وغیرہ معقول ہے۔ کیا بغیر نشان انگوٹھا بر رجسٹر نکاح عقد نکاح درست ہے یا نہیں؟

(۲۴۹) **جواب** - اگر نکاح کی شہادتِ معتبرہ موجود ہے تو نکاح ثابت ہو جائے گا۔ نکاح کے رجسٹر

برانگوٹھے کا نشان ہونا ضروری نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۳۵ء)

(۱) نکاح کے کیا معنی ہیں ؟ (۲) ایجاب وقبول جب دو گواہوں کے سامنے ہو گیا تو پھر کلمہ پڑھنا ضروری ہے ؟ نیز اگر خطبہ نہ پڑھے تو عورت مرد پر حلال ہو گی یا نہیں ؟

(۲۵۰) **جواب** - (۱) نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے جس کے ذریعہ سے عورت مرد کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔ (۲) عقد نکاح میں ایجاب وقبول سے پہلے خطبہ پڑھنا مسنون ہے اس کے بعد ایجاب وقبول کرایا جائے۔ کلمے پڑھانا نکاح میں نہ داخل ہے نہ مسنون۔ اگر بغیر خطبہ کے ایجاب قبول کرا دیا جائے جب بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ صرف سنّتِ خطبہ ادا نہ ہو گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۳۶ء)

شادی میں باجہ بجانے کی مذہب اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں ؟ اگر صرف دَف بجانے کی اجازت دیتا ہے تو کس مصلحت سے ؟ دف نہ ملنے کی صورت میں بخیال اعلانِ شادی و اظہارِ مسرت و خوشی ترقی یافتہ باجہ مثلاً بینڈ یا مشک کا باجہ بجایا جائے تو کیسا ہے۔ جس شادی میں باجہ بجایا جا رہا ہو اس کی دعوتِ طعام وغیرہ میں شرکت کرنا کیسا ہے ؟ باجہ اگر کسی وقت بند کر دیا جائے اس وقت شریک ہونا کیسا ہے ؟

(۲۵۱) **جواب** - شادی میں نکاح کے وقت اعلان کی غرض سے دف بجانے کی نہ صرف اجازت بلکہ تاکیدی ہدایت ہے۔ اعلنوا ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف (او کما قال) حدیث شریف کا مضمون ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نکاح اعلان کے ساتھ کیا کرو اور مسجد میں مجلسِ نکاح منعقد کرو اور دف بجاؤ۔ دف نہ ہو تو نقارہ یا ڈھول دف کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔ بینڈ یا اور کوئی باجہ بجانا مکروہ اور خلاف متوارث ہو گا۔ جس شادی میں بینڈ یا اور کوئی باجہ ہو یعنی صرف باجہ ہو ناچ گانا نہ ہو اس میں شرکت حرام نہیں۔ نہ دعوت کھانا حرام ہے اور باجہ بند ہو جانے کے بعد شریک ہونے میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

نواں باب

دعوتِ ولیمہ یا برات کی دعوت

سوال

دعوتِ ولیمہ میں بے بلائے جانا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر ایک شخص یا کئی آدمی بے بلائے آجائیں تو صاحبِ خانہ ان کو روک سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر کسی نے بے بلائے آدمیوں کو روکا تو وہ گناہگار ہوا یا نہیں ؟

(۲۵۲) **جواب** ۔ بے بلائے کسی دعوت میں جانا جائز نہیں ہے۔ خواہ ولیمہ کی دعوت ہو یا اور کوئی دعوت ۔ بے بلائے ہوئے آنے والے کو گھر والا جس کے ہاں دعوت ہے روک سکتا ہے۔ روکنے میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی مہر دار الافتا

سوال

(۱) لڑکی والوں کی طرف سے جو برات کا کھانا دیا جاتا ہے وہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) مذکورۂ بالا کھانے میں شرکت کرنے والے کا کیا حکم ہے ؟ (۳) احادیثِ ذیل کا ترجمہ اور مفہوم کیا ہے اور ان سے برات کے کھانے کا جواز نکلتا ہے یا نہیں ؟ اذا دعا احدکم اخاہ فلیجب عرسا کان او نحوہ ۔ (رواہ مسلم) من لم یجب الدعوۃ فقد عصی ابا القاسم ۔ اذا دعا احدکم الی طعام فلیجب فان شاء طعم وان شاء ترک ۔ (۴) جو کام شرعاً جائز ہو اور وہ رسم کی صورت اختیار کرلے تو اس کا کیا حکم ہے ؟ (۵) ولیمہ کی دعوت میں عام لوگوں کو ایک قسم کا کھانا کھلانا اور اپنے اعزہ کو دوسری قسم کا کھانا کھلانا درست ہے یا نہیں ؟

(۲۵۳) **جواب** ۔ (۱) لڑکی والوں کی طرف سے برات کو جو کھانا دیا جاتا ہے اگر یہ اتفاقی ہو یا ضرورۃً دیا جائے ۔ مثلاً برات باہر سے آئی ہو اور کھانے میں بھی اسراف ریا و نمود اور پابندیٔ رسم و رواج کو دخل نہ ہو تو ان شرائط کے ساتھ فی حد ذاتہٖ مباح ہے۔ (۲) شرائط نمبر ایک کے موافق دعوت دی جائے تو اس میں شرکت کرنا جائز ہے ۔ (۳) احادیث کا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔ الف ۔ اذا دعا احدکم اخاہ

فلیجب عرسا کان اونحوہ۔ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی دعوت کرے تو قبول کرلینی چاہئے شادی کی ہو یا اسی جیسی اور کوئی تقریب ہو (مثلاً ختنے کی خوشی) ب۔ من لم یجب الدعوۃ فقد عصی اباالقاسم۔ جس نے دعوت قبول نہیں کی اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ ج۔ اذا دُعی احدکم الی طعام فلیجب فان شاء طعم وان شاء ترک۔ جب تم میں سے کسی کو کھانے کے لئے دعوت دی جائے تو اس کو چاہئے کہ داعی کے یہاں چلا جائے پھر چاہے کھانا کھائے اور چاہے نہ کھائے۔ ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ دعوت قبول کرنے سے مطلب یہ ہے کہ داعی کے گھر چلا جائے۔ کھانا ضروری نہیں۔ جیسی کہ حدیث ۳ میں تصریح ہے۔

اجابت دعوت کی تاکید اس حکمت پر مبنی ہے کہ دعوت دینے والے کی دل شکنی نہ ہو اور مدعو اپنے کو اتنا بڑا نہ سمجھے کہ غریب اور کمزور اور کم درجہ لوگوں کی دعوت میں جانے کو اپنے لئے توہین قرار دے۔ اسی نظر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریف یوں منقول ہے۔ ویجیب دعوۃ العبد۔ یعنی اگر حضورؐ کو کوئی غلام بھی دعوت دیتا تو قبول فرماتے تھے۔ حدیث نمبر ۳ سے اس مضمون پر اور زیادہ روشنی پڑتی ہے کہ جب مدعو داعی کے گھر چلا گیا تو اس نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کردیا کہ اس کو داعی کے گھر آنے میں بڑائی یا تکبر کی وجہ سے تکلف نہیں تھا اور داعی بھی خوش ہوگیا کہ مدعو نے اُسے ذلیل و حقیر نہیں سمجھا بلکہ اس کے گھر اس کی دعوت پر آگیا اور جب اجابت کا مقصد حاصل ہوگیا تو اب جی چاہے کھانا کھائے، جی نہ چاہے تو نہ کھائے۔

اِن حدیثوں کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ مدعو اپنے مرتبے یا شان اور تکبر کی راہ سے دعوت رد نہ کرے۔ اگر داعی کو حقیر سمجھ کر دعوت قبول نہ کرے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور اُسوۂ حسنہ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا۔ پھر دعوت سے بھی وہ دعوتیں مُراد ہیں جو دائرۂ شریعت کے اندر ہوں اور ظاہر ہے کہ جن دعوتوں کا بنا اخلاص پر نہ ہو محض ریاؤ نمود پر یا رسم و رواج کی پابندی پر ہو ان کی اجابت ضروری نہ ہوگی اور ایسی دعوت کا رَد کرنا حکمتِ اجابت کے خلاف نہ ہوگا۔ بلکہ عین منشائے شریعت کے مطابق ہوگا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کے تیسرے دن کھانے کو سمعۃ فرماکر اس کے بارے میں ومن سمّع سمع اللہ بہ فرمادیا ہے۔ اور جو لوگ ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کے لئے دعوت دیں ان کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ المتباریان لایجابان ولایؤکل طعامھما۔

یعنی تفاخر اور مقابلہ کی دعوت کرنے والوں کی دعوتوں کی اجابت نہ کی جائے نہ ان کے یہاں کھانا کھایا جائے۔ اسی طرح ایک حدیث میں فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے بھی ممانعت مذکور ہے۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابة طعام الفاسقین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر دعوت کی اجابت ضروری نہیں ہے بلکہ اسی دعوت کی اجابت سنّت ہے جو دائرۂ شریعت کے اندر ہو اور ترکِ اجابت اسی حالت میں مذموم ہے کہ براہِ استعلاء و تکبر ہو۔ اگر کسی صحیح و معقول وجہ سے اجابت ترک کی جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ترکِ اجابت ہی لازم ہے۔

(۴) جو کام مباح یا مستحب ہو اور وہ ایک واجب یا فرض کی طرح لازم کر لیا جائے اور اس کے ساتھ بہت سے منکرات منضم ہو جائیں تو اس کو ترک کر دینا لازم ہے۔ شادی بیاہ کی بہت سی رسوم کی یہی حالت ہے۔

(۵) یعنی اپنے اعزہ اور دوستوں یا سمدھیوں کو عمدہ اور بڑھیا اور مختلف اقسام کے کھانے کھلانا اور عام مہمانوں کو ایک کھانا اور وہ بھی معمولی قسم کا کھلانا کرم و مروّت کے خلاف ہے۔ بالخصوص ایک مقام پر ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسا فرق کرنا تو بہت ہی نازیبا ہے۔ اور اگر بہ نیّتِ تحقیر عام مہمانوں کے ساتھ ایسا کیا جائے تو حرام ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

۱۲ رجولائی ۱۹۳۱ء

سوال

قوم پنجابیان کے اندر بیاہ شادی میں زمانہ جاہلیت کی رسومات اکثر جاری تھیں چنانچہ ان قبیح رسموں میں سے ایک رسم قبل شب عروس بارات کو کھانا کھلانے کی بیٹی والوں کی طرف سے بھی تھی جو انتہائی تباہ کن تھیں۔ حاصل یہ کہ مصلحانِ قوم نے قوم کا عام جلسہ کیا اور رسوماتِ قبیحہ کو قوم کے سامنے پیش کیا۔ قوم نے کثرتِ رائے سے ان رسومات کو جو تبذیر و نمود و اسراف پر مبنی تھیں ان کو جہاں تک ممکن ہو سکا کم کیا اور بند کیا۔ چنانچہ چند نمودیوں نے جو اپنے آپ کو اکابرین و معززین خیال کرتے تھے رائے عامہ کو اس وقت بھی ٹھکرانا چاہا مگر کثرتِ رائے کے آگے ان کی کچھ نہ چلی اور اب یہ چند نمود پرست کثرتِ رائے کے خلاف جاری شدہ اصلاحات کی شدید مخالفت کر رہے ہیں اور ان اصلاحات کو

نقصان پہنچانے کے لئے تحریری و تقریری یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے کہ بارات کو کھانا کھلانا واجب اور سنتِ نبوی ہے۔ بینوا توجروا۔

(۲۵۴) **جواب** - اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس وقت مسلمانوں کی تباہی اور اقتصادی مصیبت کی زیادہ تر وجہ یہی مسرفانہ رسوم ہیں۔ یہ رسوم اندر ہی اندر مسلمانوں کی دولت، عزت، خودداری کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہیں۔ جو رسمیں کہ کافروں سے سیکھ کر مسلمانوں نے اختیار کرلی ہیں ان کے تو ناجائز اور واجب الترک ہونے میں کوئی تامل نہیں ہوسکتا۔ ان کی مثال چوتھی اور چالوں کی دعوتیں ہیں جو شرعی فرائض سے بھی زیادہ التزام و پابندی کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔

اگر بعض رسمیں ایسی بھی ہوں کہ وہ کفار سے ماخوذ نہ ہوں اور شریعتِ اسلامیہ بھی ان کو مباح قرار دیتی ہو بلکہ مستحب بتاتی ہو مگر ان پر التزام کرنا متعدد مفاسد ملیہ و قومیہ کا موجب ہوا اور قوم کی تباہی کا پیش خیمہ تو ایسی رسوم کو بھی ترک کرنا مسلمانوں پر لازم ہے۔ لڑکی والوں کی طرف سے بارات کو کھانا دینے کی رسم بھی اس قسم کی رسوم میں داخل ہے جو بہت سے نقصانات اور فسادات اپنے اندر رکھتی ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ رسم کفار سے ماخوذ نہیں ہے جب بھی اس میں شبہ نہیں کہ شریعتِ مقدسہ نے لڑکی والوں پر یہ واجب اور فرض نہیں کیا کہ برات کو ضرور کھانا کھلائیں اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ قرونِ اولیٰ میں اس دعوت کا رواج نہ تھا۔ ولیمہ کی دعوت مسنون ہے مگر وہ دولہا والوں کی طرف سے زفاف کی صبح کو ہوتی ہے۔ دلہن کی طرف سے جو دعوت بارات کو دی جاتی ہے اس کو ولیمہ کہنا درست نہیں۔ ہاں کبھی لفظ ولیمہ کا اطلاق مطلقاً ہر دعوت پر کر دیا جاتا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ولیمہ کی طرح تمام دعوتیں مسنون ہو جائیں۔ لڑکی والوں کی طرف سے بطور مہمانی باراتیوں کو کھانا کھلا دینا یا ناشتہ کرا دینا فی حد ذاتہ جائز ہے۔ لیکن جبکہ اس کو ایک رسم کی طرح اختیار کرلیا جائے اور اس کی وجہ سے متعدد خرابیاں اور نقصانات پیش آجائیں تو اس کا ترک لازم ہے اس لئے نہیں کہ یہ دعوت فی حد ذاتہ ناجائز ہے بلکہ اس لئے کہ وہ بعض مکروہات و محرمات کا سبب بن گئی ہے۔ اور جبکہ کسی قوم یا جماعت کے اکثر افراد کسی بات کو قوم کے لئے مضر سمجھ کر اس کے ترک کرنے پر اتفاق سے یا کثرتِ رائے سے تجویز منظور کردیں تو پھر تمام لوگوں کو اس پر عمل کرنا چاہئے اور اختلاف پیدا کرنے سے بچنا چاہئے۔

لڑکی والے کی طرف سے بارات کو کھانا دینے کی رسم میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ غریبوں کی

لڑکیوں کی شادی میں مشکلات پیش آجاتی ہیں۔ لڑکے والے ایسی لڑکی سے شادی کو پسند نہیں کرتے۔ جس کے سرپرست برات کو کھانا نہ دیں یا نہ دے سکیں۔

حضرت ام حبیبہؓ کے واقعۂ عقد اور نجاشی کی طرف سے کھانا کھلانے کے قصے سے اس امر پر استدلال کرنا کہ لڑکی والوں کی طرف سے بارات کا کھانا ثابت ہوگیا، قلتِ تدبر کی دلیل ہے۔ کیونکہ اسی قصہ میں یہ منقول ہے کہ نجاشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل اور آپ کے قائم مقام تھے۔ اور حضرت ام حبیبہؓ کے وکیل خالد بن سعید تھے۔ تو نجاشی نے جو کھانا کھلایا وہ حضور کی طرف سے یعنی دولہا کی طرف سے تھا۔ اور نجاشیؓ کا یہ قول فان سنۃ الانبیاء اذا تزوجوا الخ۔ اس کی کھلی دلیل ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ کھانا دیا اور اس کو انبیا علیہم السلام کی سنت بتایا کہ جب انبیا نکاح کرتے ہیں تو کھانا دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہی ولیمہ ہے جس کے مسنون ہونے میں کلام نہیں۔ اس کی ایک دلیل اور بھی ہے کہ یہ کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بطور ولیمہ دیا گیا تھا۔ وہ یہ کہ بعض روایات سے ثابت ہے کہ یہ نکاح ام حبیبہؓ کا حضورؐ کے ساتھ نجاشیؓ کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ نے کیا تھا اور حضورؐ کی طرف سے مہر کے چار سو دینار نجاشی نے دیئے اور ولیمہ حضرت عثمانؓ نے کھلایا۔ بہر حال یہ کھانا حضورؐ کی طرف سے بطور ولیمہ کے دیا گیا ہے۔ بیٹی والوں کی طرف سے نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ زفاف سے پہلے دیا گیا تو اس کا مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ولیمہ دولہا کی طرف سے عقد کے وقت زفاف سے پہلے دیئے جانے کے بھی بعض علما قائل ہیں۔ گو جماہیر علما کے نزدیک زفاف کے بعد ہوتا ہے۔ اور حضرت ام حبیبہؓ کے واقعہ میں پہلے دینے کی وجہ ظاہر ہے کہ نکاح حبشہ میں ہوا تھا اور حضورؐ مدینہ منورہ میں تھے۔ زفاف میں دیر تھی اس لئے نجاشیؓ یا حضرت عثمانؓ نے ولیمہ کی سنت ادا کردی۔ تاخیر مناسب نہ سمجھی۔ ام حبیبہ بنت ابی سفیان واسمہا رملۃ زوجہا ایاہ عثمان بن عفان بارض الحبشۃ۔ انتہیٰ (استیعاب) یعنی ام حبیبہؓ ابو سفیان کی صاحبزادی جن کا نام رملہ ہے ان کا نکاح حضرت عثمانؓ نے حبشہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے:۔ تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام حبیبۃ بنت ابی سفیان زوجہا ایاہ عثمان بن عفان وھی بنت عمۃ زوجہا ایاہ النجاشی و جہزھا الیہ واصدقھا اربع مائۃ دینارا وا ولم علیہا عثمان بن عفان لحما وثریدا۔

(انتهی باختصار) استیعاب۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے نکاح کیا۔ حضورؐ کے ساتھ اُن کا نکاح حضرت عثمان رضؓ نے کیا کہ ان کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ حضورؐ سے نکاح نجاشی نے کرایا اور نجاشی نے ہی سامان تیار کیا۔ اور چار سو اشرفیاں مہر میں ادا کیں اور حضرت عثمان رضؓ نے ثرید اور گوشت کا ولیمہ کیا۔ اور اسی کتاب استیعاب میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ کی طرف سے نجاشی نے یہ بات ظاہر کی کہ مجھ کو حضورؐ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں ام حبیبہ رضؓ کا نکاح حضورؐ کے ساتھ کرادوں اس لئے میں حضورؐ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں اور چار سو دینار مہر کے دیتا ہوں۔ پھر خالد بن سعید رضؓ نے ام حبیبہ رضؓ کے وکیل کی حیثیت سے قبول کیا۔ نجاشی نے مہر کی اشرفیاں خالد بن سعید رضؓ کو دیدیں۔ اور لوگوں سے کہا ٹھیرو حضرات انبیاء کی یہ سنّت ہے کہ جب وہ نکاح کریں تو کھانا بھی کھایا جائے۔ پھر کھانا منگایا اور لوگوں نے کھایا۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل کی حیثیت سے کھانا دیا تھا اور حضورؐ کی طرف سے سنّتِ ولیمہ ادا کی تھی۔ واللہ اعلم۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۱۱ رجب سنہ ۱۳۵۰ھ مطابق ۲۲ نومبر سنہ ۱۹۳۱ء

سوال

نکاح کے بعد لڑکی والے کی طرف سے برادری کو کھانا دینا کیسا ہے اور برادری کے لوگوں کو وہ کھانا کھانا از روئے شریعت کیسا ہے؟ المستفتی عبدالرحمن۔ فورٹ ولیم کلکتہ۔ ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء

(۲۵۵) **جواب** ۔ لڑکی والوں کی طرف سے براتیوں کو یا برادری کو کھانا دینا لازم یا مسنون اور مستحب نہیں ہے۔ اگر بغیر التزام کے وہ اپنی مرضی سے کھانا دیدے تو مباح ہے نہ دے تو کوئی الزام نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جولائی سنہ ۱۹۲۹ء)

زید کہتا ہے کہ ضیافت ولیمہ کرنا اور دوست احباب کو کھانا کھلانا جائز نہیں اسراف ہے۔

(۲۵۶) **جواب** ۔ شادی کتخدائی کے موقع پر دعوتِ ولیمہ دینی مسنون ہے مگر اس میں ریا و سمعہ کی نیت نہ ہو بلکہ شادی کی خوشی حاصل ہونے کی شکر گزاری اور اتباعِ سنّتِ نبویہ کی نیت سے

دعوت دی جائے۔ اور اپنی وسعت کے موافق دی جائے۔ قرض ادھار کرکے زیر باری نہ اختیار کی جائے تو موجب ثواب ہے۔ اپنی وسعت کے موافق اس دعوتِ مسنونہ میں صرف کرنا اسراف نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ،

دسواں باب

رضاعت اور حرمتِ رضاعت

سوال

زید و عمرو دونوں برادرِ حقیقی ہیں یا زید و مسماۃ زاہدہ دونوں برادر و ہمشیرہ حقیقی ہیں اور ہر دو جانب چند اولاد لڑکے و لڑکیاں ہیں۔ اگر زید کا ایک لڑکا اور عمرو کی ایک لڑکی نے ایک ہی دائی سے دودھ پیا ہو تو ایسی حالت میں زید کے اسی لڑکے اور عمرو کی اسی لڑکی سے (جو کہ مشترک دودھ ہے) نکاح نہیں ہوسکتا یا کل اولاد سے نکاح نادرست و ناجائز ہے۔ اور اگر خود مسماۃ زاہدہ نے اپنے بھائی زید کے کسی لڑکے کو دودھ پلایا ہو تو زاہدہ و زید کی کسی اولاد سے باہم نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲۵۷) **جواب** ۔صورتِ مسئولہ میں اگر زید کے ایک لڑکے اور عمرو کی ایک لڑکی نے کسی غیر دائی کا دودھ پیا ہے تو صرف ان دونوں کے درمیان نکاح نہیں ہوسکتا۔ زید کے اس لڑکے کا عمرو کی دوسری لڑکی سے نکاح ہوسکتا ہے۔ نیز عمرو کی اس لڑکی کا زید کے دوسرے لڑکے سے نکاح ہوسکتا ہے۔ اور اسی طرح زید اور مسماۃ زاہدہ کی اولاد کا حکم ہوگا کہ جن دو لڑکی لڑکا نے ایک مشترک دائی سے دودھ پیا ہے ان دونوں کا آپس میں نکاح نہ ہوسکے گا۔ لیکن اگر مسماۃ زاہدہ نے اپنے بھائی زید کے کسی لڑکے کو دودھ پلایا ہے تو جس لڑکے کو دودھ پلایا ہے اس کا زاہدہ کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں ہوسکتا اور اگر زید کی لڑکی کو دودھ پلایا ہے تو اس لڑکی کے ساتھ زاہدہ کے کسی لڑکے کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ زید کی اس لڑکی یا لڑکے کے علاوہ اوروں کا نکاح زاہدہ کی اولاد سے ہوسکتا ہے۔ کل من تحرم بالقرابۃ والصھریۃ تحرم بالرضاع علی ما عرف فی کتاب الرضاع کذا فی محیط السرخسی ہندیہ ص۲۹۴ ج۱ ۔ یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما و فروعھما من النسب والرضاع جمیعا حتی ان المرضعۃ لو ولدت من

ھذا الرجل او غیرہ قبل ھذا الارضاع او بعدہ او ارضعت رضیعا او ولد لھذا الرجل من غیر ھذہ المرأۃ قبل ھذا الارضاع او بعدہ او ارضعت امرأۃ من لبنہ رضیعا فالکل اخوۃ الرضیع واخواتہ واولادھم اولاد اخوتہ واخواتہ واخو الرجل عمہ واختہ عمتہ واخو المرضعۃ خالہ واختہا خالتہ وکذا فی الجد والجدۃ۔ انتھی (ھندیہ صفحہ ۳۶۵ ج ۱)

سوال

ایک عورت نے اپنے خاوند کی اجازت نہ لے کر دودھ پلایا۔ خاوند بہت غصہ ہوا۔ خاوند کی بلا اجازت دودھ پلانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۵۸) **جواب**۔ رضاعت کے لئے خاوند کی اجازت ضروری نہیں۔ کیونکہ مرضعہ کا دودھ خاوند کی ملک نہیں۔ اور اسی وجہ سے خاوند کو یہ حق نہیں کہ زوجہ کو اپنی اولاد کے دودھ پلانے پر مجبور کرے۔ سوائے خاص صورتوں کے کہ ان میں جبر کا حق ہے۔ پس خاوند کو ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں۔ ہاں چونکہ رضاعت کی وجہ سے نکاح وغیرہ کے احکام مختلف ہوتے ہیں اس لئے عورتوں کو مناسب ہے کہ دوسرے بچوں کو دودھ پلانے کے وقت خاوند سے استمزاج کرلیں اور اس کو اطلاع کردیں تاکہ تعلقاتِ رضاعت کا خاوند کو بھی علم رہے۔ اور نکاح کی ولایت اور اختیار چونکہ والد کو ہے تو نکاح کرتے وقت اس کو ان تعلقاتِ رضاعت کا معلوم ہونا مفید ہوگا۔

سوال

ایک عورت نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا دو دن یا چار دن۔ دودھ پینے والی لڑکی کی عمر شش ماہ کی تھی۔ بعدہٗ وہ لڑکی گزر گئی۔ جس لڑکی نے دودھ پیا اس کا بھائی اوپر کا جس کی عمر چودہ سال کی ہے اور اس دودھ پلانے والی کی لڑکی اوپر کی ہے۔ اس صورت میں ان دونوں کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں۔ ان دونوں نے اپنی اپنی والدہ کا دودھ پیا ہے۔

(۲۵۹) **جواب**۔ جس لڑکی نے دودھ پیا ہے اس کا نکاح مرضعہ کے کسی لڑکے سے جائز نہیں۔ لیکن اس کے بھائی کا نکاح مرضعہ کی لڑکی سے جائز ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں کوئی تعلق رضاعت کا نہیں۔ وتحل اخت اخیہ رضاعًا یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ وبالمضاف الیہ کان یکون لاخیہ رضاعًا اخت نسبا وبھما وھو ظاھر انتھی (درمختار صفحہ ۲۴۲ ج ۲)

سوال

حقیقی دو بہنیں ہیں اور ان دونوں کے پاس لڑکے ہیں دودھ پیتے ہوئے۔ ایک موقع پر دونوں بہنیں شادی میں گئیں اور وہاں فرش پر سوگئیں۔ لیکن بھول سے ایک بہن نے دوسری بہن کے لڑکے کو دودھ پلا دیا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے تو اس نے اپنی بہن سے کہا کہ میں نے تیرے لڑکے کو بھول سے دودھ پلا دیا ہے۔ جس نے دودھ پلایا تھا اس کے دو تین حمل کے بعد لڑکی پیدا ہوئی تو اب اس لڑکے کا جس نے دودھ پیا تھا اس لڑکی کے ساتھ نکاح ہو گیا ہے۔ آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲۶۰) **جواب**۔ صورتِ مسئولہ میں جس لڑکے نے اپنی خالہ کا دودھ پیا ہے وہ اپنی خالہ کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ خالہ کی تمام اولاد اس کے رضاعی بہن بھائی ہیں۔ جس طرح کہ حقیقی بھائی بہن سے نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن بھائی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔ یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعا۔ الخ (ھندیہ)

سوال

زید کی زوجہ ایامِ رضاعت میں زید کی والدہ کی گود میں لیٹی تھی۔ اب زید کی والدہ کہتی ہے کہ میں جب بیدار ہوئی تو زید کی زوجہ کو اپنی پستان سے دودھ پیتے دیکھا۔ اس صورت میں زوجۂ زید زید کے لئے حلال ہے یا نہیں؟

(۲۶۱) **جواب**۔ صورتِ مسئولہ میں جبکہ زوجۂ زید نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہے تو اس پر قطعی حرام ہو گئی۔ کیونکہ یہ زید کی رضاعی بہن ہو گئی اور رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے۔ یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعا الخ (ھندیہ)

زید کے لئے تورع کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو چھوڑ دے۔ لیکن اگر وہ نہ چھوڑنا چاہے تو قضاءً اس پر کوئی الزام نہیں۔ کیونکہ صرف ایک عورت کے کہنے سے رضاعت کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔

سوال

رضاعت کا خرچہ عدت کے شروع سے ہے یا پوری ہو جانے کے بعد سے؟ خالد کہتا ہے کہ جب عدت پوری ہو جائے جب سے اجرت رضاعت دینی چاہیئے۔ کیونکہ ابھی تو عدت کے پورے ہونے تک زید ہی کا خرچہ ہے۔

(۲۶۲) **جواب** - چونکہ یہ عورت مطلقہ ثلثہ ہے اس لئے اگر یہ شوہر سے اولاد کی رضاعت کی اُجرت مانگے تو اس کو دینا ہوگی۔ اور یہ اُجرت اس نفقہ کے علاوہ ہوگی جو ایامِ عدت کا زید کے ذمہ ہے ۔ المعتدۃ عن طلاق بائن او طلقات ثلث فی روایۃ ابن زیاد تستحق اجر الرضاعۃ وعلیہ الفتوی کذا فی جواہر الاخلاطی (ہندیہ)

سوال

کسی بچے نے ایک سال تک دودھ پیا اس کے بعد اناج کھانے لگا۔ لیکن ماں مطلقہ کے پاس تین سال رہا تو ایک ہی سال کی اُجرتِ رضاعت دینی ہوگی یا تینوں سال کی ؟

(۲۶۳) **جواب** - بچہ جتنے دنوں تک دودھ پئے گا اتنے ہی دنوں کی اُجرت رضاعت دینا ہوگی اس کے بعد اس کے کھانے کا خرچہ باپ کے ذمہ ہوگا۔

سوال

ہندہ لیٹی ہوئی تھی اور احمد بی (ہندہ کی دختر) ہندہ کا دودھ پی رہی تھی۔ احمد بی نے دودھ چھوڑا اتنے میں ہندہ منہ موڑ کر کسی عورت سے باتیں کرنے لگی کہ اچانک حمیدہ نے (جو ہندہ کی سگی بہن کی لڑکی ہے) ہندہ کی چھاتی منہ میں لے لی۔ ہندہ نے فوراً اپنی چھاتی حمیدہ کے منہ میں سے نکال لی اور پھر حمیدہ کا منہ کھولا اور دیکھا تو کچھ دودھ نظر نہ آیا اور ہونٹوں کو کپڑے سے پونچھ دیا۔ کیا ایسی حالت میں رضاعت ثابت ہوگئی اور حمیدہ کا نکاح پسر ہندہ سے جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(۲۶۴) **جواب** - محض چھاتی منہ میں لے لینے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ دودھ حلق سے اُترنے کا یقین یا گمان غالب نہ ہو جائے۔ التقم الحلمۃ ولم یدر ادخل اللبن فی حلقہ ام لا لم یحرم الخ (درمختار)

سوال

ایک عورت جس کی عمر ساٹھ برس کی ہو اور اس کی پستان سے بجائے دودھ خالص پانی نکلتا ہو اگر کوئی بچہ مدتِ رضاع کے اندر پی لے تو رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں ؟

(۲۶۵) **جواب** - صورت مسئولہ میں اس عورت کی چھاتی کے پانی سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ بشرطیکہ بچہ نے دو برس کی عمر کے اندر پیا ہو۔ وھو مص من ثدی آدمیۃ ولو

بکرا او میتة او آئسة فی وقت مخصوص الخ (در مختار)

سوال

زید کی دو بیویاں ہیں ایک منکوحہ اور دوسری غیر منکوحہ یعنی یونہی ڈال رکھی ہوئی۔ عمرو نے اس دوسری غیر منکوحہ کا دودھ پیا ہے۔ اب عمرو زید کی دوسری منکوحہ بی بی کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲۶۶) **جواب**۔ غیر منکوحہ عورت کا دودھ اگرچہ وطی زانی سے پیدا ہوا ہے لیکن زنا سے پیدا شدہ دودھ رضیعہ کو خود زانی پر بھی حرام نہیں کرتا نہ اس کی اولاد پر۔ پس عمرو جو زنا کے دودھ کا رضیع ہے اس پر زانی کی اولاد جو دوسری بیوی سے ہے حرام نہ ہوگی اور عمرو کا نکاح اس سے جائز ہے ۔۔ وحاصلہ ان فی حرمة الرضیعة بلبن الزنا علی الزانی وکذا علی اصولہ وفروعہ روایتین وان الاوجہ روایة عدم الحرمة (رد المحتار)

سوال

اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کا دودھ پی لے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یا نہیں؟ اور بے ضرورت دودھ پینے سے گناہگار ہوگا یا نہیں؟

(۲۶۷) **جواب**۔ اپنی زوجہ کا دودھ پینے سے وہ حرام نہیں ہوتی۔ ہاں اس کا دودھ پینا حرام ہے۔ جو ایسا کرے گا گناہ گار ہوگا مص رجل ثدی زوجتہ لم تحرم (در مختار) ولم یبح الارضاع بعد مدتہ لانہ جزء آدمی والانتفاع بہ لغیر ضرورة حرام علی الصحیح (در مختار)

سوال

مولانا مولوی محمد حسن خاں ندوی جھجری جب دیول گھاٹ میں تشریف فرما تھے اس وقت رضاعت کے متعلق استفسار کرنے پر منجملہ کئی طریقوں کے ایک اس طریقے اور مضمون و مفہوم کا فتویٰ مولانا مذکور نے تحریری ارسال فرمایا کہ رضاعی بھائی کی حقیقی بہن کو نکاح کرنا درست ہے۔ مثلاً زید کی ماں زہرہ ہے اور خالد کی ماں عصمت ہے۔ پس زید اور خالد دونوں نے عصمت کا دودھ پیا تو اب زید اور خالد دونوں رضاعی بھائی ہوئے۔ پس زید کے حق میں عصمت کی لڑکی اور خالد کے حق میں زہرہ کی لڑکی کو نکاح کرنا درست ہے۔

مذکورہ فتویٰ خاکسار کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ میرے خیالِ ناقص سے اگر مذکورۂ بالا مسئلہ درست ہے تو میری لڑکی کا نکاح میری ہمشیرہ کے لڑکے کے ساتھ جائز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میری حقیقی بہن کے تین لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ لڑکوں کی اس وقت عمر ۲۷۔ ۲۵۔ ۲۳ سال کی اندازاً ہوگی اور لڑکیوں کی عمر اندازاً ۱۷۔ ۱۵۔ ۹ سال کی ہوگی۔ میری لڑکی کی عمر تخمیناً پندرہ سال کی ہوگی۔ میری لڑکی نے اپنی عمر شیر خوارگی میں جبکہ میری ہمشیرہ کی پندرہ سالہ لڑکی دودھ پیتی تھی اس زمانے میں ہمشیرہ کا دودھ پیا ہے۔ میری لڑکی کا نام خدیجہ اور ہمشیرہ کی لڑکی کا نام لطیفہ ہے۔ یعنی خدیجہ اور لطیفہ نے اپنی عمر شیر خوارگی میں میری ہمشیرہ یعنی لطیفہ کی والدہ کا دودھ پیا ہے۔ اس طرح لطیفہ اور خدیجہ دونوں رضاعی بہنیں ہوتی ہیں۔ چونکہ میری لڑکی خدیجہ نے میری ہمشیرہ کا دودھ پیا ہے لہٰذا میری ہمشیرہ کے مذکورہ لڑکے بھی بلالحاظ عمر میری لڑکی کے رضاعی بھائی بہن ہوتے ہیں اور اس وجہ سے میری مذکورہ لڑکی ہمشیرہ کے کسی بھی لڑکے کو نکاح میں دینا جائز نہیں۔ ایسا میرا خیال تھا اور فتوی کی کتابوں سے بھی اخذ ہوسکا۔ اگر مولانا موصوف کا فتویٰ صحیح ہے تو کیا اس فتوے کی قوت پر میں اپنی لڑکی بنام خدیجہ ہمشیرہ کے تینوں لڑکوں میں سے کسی لڑکے کو نکاح میں جائز طریقے سے دے سکتا ہوں؟

(۲۶۸) **جواب** - رضاعت کا قاعدہ یہ ہے کہ جو بچہ جس عورت کا دودھ پی لیتا ہے اس عورت کی تمام اولاد اس بچے کی رضاعی بہن بھائی ہو جاتی ہے۔ پس جبکہ زید نے عصمت کا دودھ پیا تو عصمت کی تمام اولاد زید کے بہن بھائی بن گئے اس لئے زید کا نکاح عصمت کی کسی لڑکی سے جائز نہیں۔ اسی طرح جبکہ خدیجہ نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا تو پھوپھی کی تمام اولاد خدیجہ کی بہن بھائی ہوگئی اور خدیجہ کا نکاح پھوپھی کے کسی لڑکے سے جائز نہیں۔ فتوی محولہ میں جو قاعدہ لکھا ہے کہ رضاعی بھائی کی حقیقی بہن سے نکاح درست ہے۔ وہ بھی صحیح ہے مگر اس میں اتنی شرط اور ہے کہ رضاعی بھائی کی ایسی حقیقی یا رضاعی بہن سے نکاح درست ہے جو نکاح کرنے والے لڑکے کی رضاعی بہن نہ ہوتی ہو۔ پس پہلی مثال میں جو فتویٰ محولہ بالا میں مذکور ہے یہ قاعدہ ایک طرف سے جاری ہوگا یعنی خالد کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اپنے رضاعی بھائی زید کی حقیقی بہن سے نکاح کرے کیونکہ زید کی حقیقی بہن خالد کی رضاعی بہن نہیں ہے۔ مگر زید کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے رضاعی بھائی خالد کی حقیقی بہن سے نکاح کرے کیونکہ

عصمت کی تمام اولاد زید کی رضاعی بہن بھائی بن چکی ہے۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

ایک لڑکے لڑکی نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے کئی مہینے متواتر۔ اب جاہل ماں باپ نے ان کا نکاح کر دیا۔ لیکن لڑکی اس مسئلہ سے واقف ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میرا اس کا شرعاً نکاح نہیں ہو سکتا میں اس کے گھر رہ کر اولاد حرام کی نہیں جنتی اور دوزخی نہیں بنتی۔ عرصہ تیرہ سال سے کھانے پینے کو کچھ نہیں دیا۔ عورت سائلہ اپنا گزارہ مصیبت بھر کر کرتی رہی اب کیا کیا جائے؟

المستفتی ۲۴۸ مولوی عبداللہ ریاست فرید کوٹ ۵ رجب المرجب ۱۳۵۲ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۲۶۹) **جواب** ۔ اگر زوجین نے حالتِ شیر خوارگی میں ایک عورت کا دودھ پیا ہے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح حرام ہے۔ اگر نکاح ہو چکا ہے تو دونوں میں تفریق کرانی لازم ہے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

ہندہ کے چھ لڑکے مسمیان اکبر، احمد، حسین، یعقوب، انور، غوث ہیں۔ ہندہ کے بھائی مسمی زید کی دو لڑکیاں مسماۃ سلمیٰ، زینب ہیں۔ غوث اور سلمہ نے ہندہ کا دودھ ساتھ پیا ہے تو ہندہ کے اول الذکر پانچ لڑکوں میں سے کوئی ایک لڑکا مسماۃ سلمہ سے عقدِ شرعی کر سکتا ہے؟

المستفتی ۱۲۶ احمد علی خاں۔ کاچیگوڑہ حیدر آباد دکن۔ یکم شعبان ۱۳۵۲ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۳ء

(۲۷۰) **جواب** ۔ مسماۃ سلمہ ہندہ کی رضاعی بیٹی ہو گئی اور ہندہ کی تمام اولاد سلمہ کی رضاعی اخوت میں شامل ہو گئی۔ اس لئے ہندہ کے کسی لڑکے سے سلمہ کا نکاح جائز نہیں ہو گا۔ ہاں ہندہ کے لڑکوں کا نکاح زینب سے جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

نصیر نے مسماۃ ملیحہ کی بیٹی قریشہ سے عقد کیا جس سے دو لڑکے بھی پیدا ہوئے۔ اب مسماۃ ملیحہ یہ کہتی ہیں کہ میں نے مسماۃ نصیبنؔ کا دودھ پیا ہے اور نصیر کو بھی کہتی ہیں کہ اُس نے بھی مسماۃ مذکور کا دودھ پیا ہے۔ لیکن دودھ پینے کی صورت یہ بیان کرتی ہیں کہ مسماۃ نصیبنؔ کی بتول نامی ایک بیٹی ہوئی جس کا جھوٹا دودھ مسماۃ ملیحہ نے پیا اور اس کے آٹھ دس برس بعد اسی مسماۃ نصیبن کے عبدالکریم نامی ایک

بیٹا ہوا جس کا جھوٹا دودھ نصیر نے پیا۔ یعنی دونوں نے ایک دودھ نہیں بلکہ آٹھ دس برس کے فرق سے الگ الگ دودھ پیا ہے تو ایسی صورت میں مسماۃ ملیحہ کی بیٹی اور نصیر کا رشتہ رضاعت ثابت ہوگا۔ اور نکاح فسخ ہو جائے گا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۳۷۷ عبدالرحمٰن (دار جلنگ)

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ م ۲۳ جولائی ۱۹۳۴ء

(۲۷۱) **جواب** ۔ ثبوت حرمت رضاعت کے لئے ضروری ہے کہ بچے نے اپنی دو سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہو۔ دو سال کی عمر کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک زمانہ ہو اور ایک ہی بچے پر کا دودھ دونوں نے پیا ہو۔ بلکہ اگر لڑکے نے ایک عورت کا دودھ ایک وقت میں پیا اور لڑکی نے اس کے دس سال بعد اس عورت کا دودھ پیا تو یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہو جائیں گے۔ اگر صورت واقعہ میں ملیحہ کے بیان کے سوا اور کوئی شہادت دودھ پینے کی نہیں ہے تو ملیحہ کا بیان لغو ہوگا اور نصیر و قریشہ میں تفریق نہیں کی جائے گی نہ قضاءً نہ دیانۃً۔ قضاءً اس لئے کہ ثبوت رضاعت کے لئے دو گواہ (مرد) یا ایک مرد دو عورتیں درکار ہیں۔ اور دیانۃً اس لئے کہ اس قدر طویل مدت تک ملیحہ کا خاموش رہنا اور اس تعلق کو ظاہر نہ کرنا اس کے موجودہ بیان کا مکذب ہے۔ البتہ اگر ملیحہ کے سوا اور بھی گواہ اس واقعہ کے موجود ہوں اور رضاعت ثابت ہو جائے تو نصیر و قریشہ میں تفریق لازم ہو جائے گی۔ محمد کفایت اللہ

سوال

مرد اپنی زوجہ کو بچے کے دودھ پلانے پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۹۶ محمد انور (ضلع جالندھر) ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۵ء

(۲۷۲) **جواب** ۔ مرد کو یہ حق نہیں کہ منکوحہ عورت پر بچے کو دودھ پلانے کے لئے جبر کرے۔ بشرطیکہ وہ اتنی استطاعت رکھتا ہو کہ بچے کے لئے دایہ کا انتظام کر سکے ورنہ ماں پر بچے کو دودھ پلانا لازم ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید اپنی بیوی کا دودھ پینا جائز سمجھتا ہے۔ المستفتی نمبر ۶۱۱ حکیم محمد قاسم (ضلع میانوالی)

۱۷ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۲۷۳) **جواب** - بیوی کا دودھ پینا حرام ہے۔ سوائے مدت رضاعت کے عورت کا دودھ استعمال کرنا خواہ شوہر کرے یا اور کوئی، حرام ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

اگر کسی نے ایک عورت کا دودھ پیا تو پینے والے کے لئے اس کی لڑکی حرام ہوگی یا پینے والے کے اور بھائی بہن کے لئے بھی حرام ہوگی؟ المستفتی نمبر ۶۴۶ عبدالاحد (ضلع دربھنگہ)

۱۴ رجب ۱۳۵۴ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(۲۷۴) **جواب** - پینے والے کے لئے اس کی لڑکی حرام ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید کی کئی حقیقی خالہ زاد بہنیں ہیں۔ ان بہنوں میں سے صرف ایک بہن کے ساتھ زید نے اپنی خالہ کا دودھ پیا ہے۔ ایک اس بہن کو چھوڑ کر باقی بہنوں میں سے کسی ایک کے ساتھ زید نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۶۷۱ محمد حسین بی۔ اے۔ بی۔ ٹی علیگ (دہلی) ۱۱ شعبان ۱۳۵۴ھ م ۹ نومبر ۱۹۳۵ء

(۲۷۵) **جواب** - جس خالہ کا دودھ زید نے پیا ہے اس کی تمام لڑکیاں زید کی رضاعی بہنیں ہوگئیں۔ ان میں سے کسی کے ساتھ زید کا نکاح جائز نہیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

رضاع الکبیر قرآن وحدیث واقوال ائمہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۸۴ مولوی رحمت اللہ۔ اجمیری دروازہ دہلی ۔ ۱۲ رمضان ۱۳۵۴ھ م ۹ دسمبر ۱۹۳۵ء

(۲۷۶) **جواب** - ھو الموفق۔ حرمتِ رضاعت دو سال کی عمر سے مخصوص ہے۔ دو سال کی عمر کے بعد کی رضاعت محرم نہیں ہے اور عمر رضاعت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور حرمت کا عمر رضاعت کے ساتھ مخصوص ہونا حدیث انما الرضاعۃ من المجاعۃ وغیرہ سے ثابت ہے۔ سالم کا واقعہ مخصوص ہے کیونکہ وہ مخصوص صریحہ کلیہ کے خلاف ہے۔ اس لئے مورد پر مخصوص رکھا جائے گا۔ جمہور علمائے سلف وخلف کا یہی مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

کچھ عرصے سے زینب کی والدہ کی منشا یہ تھی کہ زینب کا نکاح زید کے ساتھ کرے۔ لیکن زید نے بوجہ

منکوحہ بیوی کے زندہ ہونے کے پہلو تہی کی۔ اب بعد وفات اپنی منکوحہ بیوی کے زید نے زینب سے نکاح کرنے کی رضامندی ظاہر کی تو والدۂ زینب نے یہ ظاہر کیا کہ زید نے اس کا دودھ پیا ہے جبکہ اس کا لڑکا عمرو شیر خوار تھا۔ نیز ظاہر کرتی ہے کہ زید بوقت پیدائش عمرو دو سوا دو سال کی عمر کا تھا اور جبکہ عمرو کی عمر آٹھ نو ماہ کی تھی اس وقت زید نے دودھ پیا تھا۔ لیکن کوئی شہادت کسی قسم کی بابت رضاعت نہیں ہے۔ نیز فی الحقیقت زید عمرو سے تین سال بڑا ہے۔ حسب بیان والدۂ زینب اگر زید نے دو سال گیارہ مہینے کی عمر میں والدۂ زینب کا دودھ پیا ہو تو کیا زید زینب اور عمرو کا رضاعی بھائی ہوگا؟

المستفتی نمبر ۶۹۸ مولوی عبدالستار (خورجہ) ۶ شوال ۱۳۵۴ھ م ۲ جنوری ۱۹۳۶ء

(۲۷۷) **جواب** ۔ دو سال کی عمر کے بعد رضاعت کے احکام ثابت نہیں ہوتے اور صرف ایک عورت کے کہنے سے رضاعت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اگر فی الحقیقت زید عمرو سے تین سال بڑا ہے اور زید نے اپنی دو سال کی عمر کے اندر والدۂ زینب کا دودھ نہیں پیا ہے اور سوائے والدۂ زینب کے اور کوئی شہادت بھی نہیں ہے تو زید اور زینب کے نکاح کے لئے کوئی مانع نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہونے کی تجویز ہے۔ صرف دو عورتیں بحلف یہ بیان کرتی ہیں کہ ہندہ کو زید کی علاتی بہن مؤیدالنساء نے دودھ پلایا ہے۔ بیان کرنے والی ایک تو ہندہ کی والدہ شبیر جہاں بیگم ہیں۔ دوسری زید کی دوسری علاتی بہن سعیدالنساء بیگم ہیں۔ یہ دونوں اس بیان پر متفق ہیں کہ ہندہ کو چھاتی سے لگاتے ہوئے اور چوستے ہوئے تو ہم نے دیکھا۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہندہ کے منہ میں دُودھ گیا یا نہیں۔ ان دونوں کے علاوہ اور کوئی مرد یا عورت اس دودھ پلانے کا شاہد نہیں ہے۔ بخلاف اس کے خود مؤیدالنساء متوفیہ کی خواہش یہ تھی کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہو جائے اور وہ مسئلہ مسائل سے واقف بھی تھیں۔ اگر دودھ پلانے کا واقعہ صحیح ہوتا تو ان کی ذات سے بعید تھا کہ وہ ہندہ کے نکاح کا رشتہ زید کے ساتھ تجویز کرتیں۔ پس اس صورت میں جبکہ مؤیدالنساء کی اس خواہش اور رشتہ تجویز کرنے کی شہادتیں بھی موجود ہیں ہندہ کا نکاح شرعاً زید کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۰۹۵ محمد عبدالرشید صاحب وکیل ہائی کورٹ (ریاست گوالیار) ۱۴ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳ اگست ۱۹۳۶ء

(۲۷۸) **جواب** - چونکہ مؤید النساء جن کے دودھ پلانے کا ذکر کیا جاتا ہے وفات پاچکی ہیں ان کی طرف سے تو کوئی بیان حاصل نہیں ہوسکتا بخلاف اس کے اگر ان کی یہ خواہش کہ زید وہندہ کا رشتہ ہوجائے ثابت ہو تو عدم رضاعت کی تائید ہوگی۔ اور دو عورتیں جو رضاعت کا ذکر کرتی ہیں وہ بھی یقینی طور پر دودھ حلق سے اترنے کا دعوی نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ ثبوت رضاعت کے لئے شہادت کا نصاب بھی لازمی ہے وہ بھی موجود نہیں (یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں) اس لئے صورت واقعہ میں رضاعت کا حکم نہیں دیا جاسکتا اور زید وہندہ کا رشتہ ازدواج روکا نہیں جاسکتا۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

اگر کسی شخص نے قصداً یا سہواً اپنی زوجہ کا دودھ پی لیا تو کیا حکم ہے۔ کیا اس کی وجہ سے نکاح پر کچھ اثر ہوگا؟　　المستفتی نمبر ۱۱۸۰ سید جلال الدین (ضلع آرہ۔ شاہ آباد)

۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۲۷۹) **جواب** - دودھ زوجہ کا پینا حرام ہے لیکن بالغ شوہر کے اس عمل سے زوجہ اس کے نکاح سے نہیں نکلتی۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک لڑکا ہے جس نے اپنی دادی کا دودھ پیا ہے ! نہ اس کی پھوپھی کی لڑکی ہے مگر وہ پھوپھی اس سے بڑی ہے اور چچا کے بھی لڑکی ہے۔ وہ بھی اس سے بڑا ہے۔ تو وہ ان کی لڑکیوں سے شادی کرسکتا ہے یا کہ نہیں۔ جس پھوپھی کے ساتھ اس نے دودھ پیا ہے اس سے اس کا چچا اور پھوپھی بڑے ہیں ان کی لڑکیوں سے شادی کرسکتا ہے؟　　المستفتی نمبر ۱۳۹۹ عبدالستار صاحب انصاری (سندھ) ۲۷ محرم ۱۳۶۵ھ م ۱۰ اپریل ۱۹۳۷ء

(۲۸۰) **جواب** - جس لڑکے نے اپنی دادی کا دودھ پیا ہے وہ اپنی کسی پھوپھی اور کسی چچا کی لڑکیوں سے شادی نہیں کرسکتا کیونکہ تمام پھوپھیاں اور تمام چچا اس کے بھائی بہن ہوگئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید کی ماں نے زید کی چچا زاد بہن زینب کے منہ میں اپنی چھاتی دی مگر اس میں دودھ نہیں نکلا

تو زید اور زینب کی شادی آپس میں ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی ۱۵۱۴ محمد عبد السلام صاحب (الہ آباد) اا ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۱ جون ۱۹۳۷ء

(۲۸۱) **جواب** - اگر یہ بات یقینی ہے کہ دودھ نہیں نکلا اور زینب نے زید کی ماں کا دودھ نہیں پیا تو ان دونوں کا باہم نکاح جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید نے اپنی چچیری بہن ہندہ کا دودھ چھ مہینے کی عمر میں ایک ماہ تک پیا ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زید کی لڑکی کا ہندہ کے لڑکے کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی ۱۸۴۳ عبد العزیز بلیاوی - ۲۸ رجب ۱۳۵۶ھ م ۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۸۲) **جواب** - زید کی لڑکی اور ہندہ کے لڑکے کا نکاح آپس میں جائز نہیں۔ کیونکہ زید ہندہ کے لڑکے کا رضاعی بھائی ہو گیا ہے اور زید کی لڑکی اس کی بھتیجی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید کے والدین کا انتقال ہو جاتا ہے۔ زید کے حقیقی ماموں کی ایک لڑکی ہے۔ اب زید بالغ ہے اور ماموں کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر زید کی نانی حقیقی نے زید کو اپنے دودھ سے پرورش کیا ہے جبکہ زید اپنی نانی کا دودھ پی چکا ہے تو کیا اس کے ماموں کی لڑکی اس کے لئے جائز ہے ؟

المستفتی ۲۱۷۰ شیخ شفیع احمد (دہلی) ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۵ جنوری ۱۹۳۸ء

(۲۸۳) **جواب** - زید کے ماموں کی لڑکی زید کی رضاعی بھتیجی ہے اس سے زید کا نکاح جائز نہیں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

کسی لڑکے نے کسی عورت کا دودھ پیا۔ جس عورت کا دودھ پیا گیا اس عورت کے لڑکے کے ساتھ دودھ پینے والی لڑکی کا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی ۲۲۷۹ - اے سی منصوری (بمبئی) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲ جون ۱۹۳۸ء

(۲۸۴) **جواب** - دودھ پینے والی لڑکی کا نکاح دودھ پلانے والی عورت کے لڑکے سے ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ لڑکی اور لڑکا آپس میں رضاعی بھائی اور بہن ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۲۸۵) **جواب دیگر** - جس لڑکی نے کسی عورت کا دودھ پیا ہے اس لڑکی کی شادی دودھ پلانے والی کے بیٹے یا پوتے سے جائز نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

مسمی زید مسمی بکر کا ماموں زاد بھائی ہے اور ایام رضاعت میں بکر اور زید نے اکٹھا دودھ پیا ہے یعنی رضاعی بھائی بھی ہیں۔ اب بکر کے چھوٹے حقیقی بھائی مسمی عمرو کے ساتھ زید اپنی لڑکی مسماۃ ہندہ کا سلسلۂ مناکحت قائم کرنا چاہتا ہے۔ شرعی طور پر کیا یہ نکاح جائز ہو سکتا ہے۔ قریباً بیس علمائے کرام نے فیصلہ دیا ہے کہ موجودہ صورت مسئلہ میں نکاح جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اب چند ایسے لوگوں نے جو نکاح کرنے کے حق میں ہیں یہ وجہ جواز پیش کی ہے کہ دودھ بلا اجازت خاوند پلایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سفید جھوٹ ہے کیونکہ دودھ پلانے کی میعاد تین یا اڑھائی ماہ ہے۔

المستفتی نمبر ۲۳۱۶ رسول شاہ صاحب لائل پور۔ ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۴ جون ۱۹۳۸ء

(۲۸۶) **جواب** - زید اور بکر نے اگر بکر کی والدہ کا دودھ پیا ہے تو بکر کے کسی بھائی کے ساتھ زید کی لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ خواہ دودھ خاوند کی اجازت سے پلایا ہو یا بغیر اجازت۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(۱) ایک دایہ نے اپنی ایام رضاعت میں مسماۃ سکینہ کو دودھ پلایا ہے۔ اس کے دس بارہ سال بعد زید کو بھی دودھ پلایا ہے۔ مسماۃ سکینہ کی لڑکی فاطمہ سے زید کا نکاح کیا گیا ہے اور ان کے بطن سے ایک دو اولاد بھی ہوئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہو گیا ہے کہ یہ رضاعی ہمشیر زادی سے نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں۔ دایہ اقرار کرتی ہے میں نے ان دونوں کو بھی دودھ پلایا ہے۔ زید اس بات سے انکار کرتا ہے میں نے دودھ نہیں پیا ہے۔ اس لئے کہ فاطمہ سے والہانہ محبت ہے اور اپنے اقربا میں ننگ وعار سمجھ کر اس پر راضی نہیں ہے۔ زید کی والدہ اس کی رضاعت کو تسلیم کرتی تھی۔ مگر سکینہ کو دودھ پلانے کا اس کو علم نہ تھا۔ افسوس اس دنیا سے زید کی والدہ کوچ کر گئی۔

(۲) زہرہ و کلثوم حقیقی بہنیں ہیں۔ زہرہ نے اپنے چوتھے لڑکے کا دودھ کلثوم کے پہلے لڑکے کو پلایا ہے اور کلثوم نے اپنے دوسرے لڑکے کا دودھ زہرہ کے چھوٹے لڑکے کو پلایا ہے۔ اب سوال یہ ہے

کہ زہرہ کے کسی لڑکے کو کلثوم کی لڑکی سے یا کلثوم کے لڑکے کو زہرہ کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں رضاعت سے کونسی چیز شرعاً ممنوع قرار پائی ہے؟

المستفتی ۲۶۳۵ ایم۔عبداللطیف صاحب ویلوری (بنگلور کینٹ)

۱۸ر جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۲۵ر جولائی ۱۹۴۰ء

(۲۸۷) **جواب**۔ (۱) اگر زید اور سکینہ کو دایہ مذکورہ کا دودھ پلانا شہادتِ شرعیہ سے ثابت ہو تو دونوں کا آپس میں نکاح ناجائز تھا۔ اب تفریق کرادینی لازم ہے۔ لیکن اگر اس کی شہادت موجود نہ ہو اور ان دونوں (زید اور سکینہ) کو اپنی رضاعت کا یقین نہ ہو تو صرف دایہ کے بیان سے ان دونوں میں قضاءً تفریق نہیں کرائی جاسکتی۔ البتہ احتیاط اور تقوے کی رُو سے ان کو خود ایک دوسرے سے قطع تعلق کرلینا بہتر ہے۔

(۲) زہرہ کے کسی ایسے لڑکے کا جس نے کلثوم کا دودھ نہیں پیا ہے کلثوم کی ایسی لڑکی سے جس نے زہرہ کا دودھ نہ پیا ہو نکاح جائز ہے۔ اسی طرح کلثوم کے ایسے لڑکے کا جس نے زہرہ کا دودھ نہیں پیا ہے زہرہ کی ایسی لڑکی سے جس نے کلثوم کا دودھ نہ پیا ہو نکاح جائز ہے۔ زہرہ کے اس لڑکے کا یا لڑکی کا جس نے کلثوم کا دودھ پیا ہے کلثوم کے کسی بچے کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ اسی طرح کلثوم کے اس بچے کا جس نے زہرہ کا دودھ پیا ہے زہرہ کے کسی بچے کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کی عمر تخمیناً دو سال چار ماہ کی تھی اور زید کچھ کھانے پینے بھی لگا تھا مگر دودھ ضرور پیتا تھا۔ دفعۃً والدۂ زید بیمار پڑ گئی۔ بدیں وجہ زید کو ہمشیرۂ حقیقی ہندہ نے چند دن وقتاً فوقتاً اپنا دودھ پلایا ہے۔ دریں صورت زید اپنی دختر کا نکاح ہندہ کے لڑکے کے ساتھ کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی ۲۷۰۸ حاجی محمد سلیمان صاحب دہلی۔ ۲۲ر صفر ۱۳۶۱ھ م ۱۱ر مارچ ۱۹۴۲ء

(۲۸۸) **جواب**۔ دو سال کے بعد دودھ پینے سے حرمتِ رضاع قول راجح کے موافق ثابت نہیں ہوتی لہٰذا زید کا رشتۂ رضاعت بہن کے ساتھ قائم نہیں ہوا۔ پس زید کی لڑکی کا نکاح ہندہ کے لڑکے کے ساتھ جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ہندہ نے اپنے بچے شیر خوار کے زمانے میں جمیلہ کی بچی کو جس کی عمر ۲½ سال سے کم تھی دودھ پلایا تو کیا ہندہ اور جمیلہ کی اولاد رضاعت میں کیا اگلی پچھلی بھی شمار ہوگی یا نہیں دونوں میں باہم شادی حرام ہے؟ المستفتی نمبر ۲۸۰۹ ۲۵ صفر ۱۳۶۶ھ

(۲۸۹) **جواب**۔ ہندہ نے جمیلہ کی بچی کو جبکہ بچی کی عمر دو سال سے ... زیادہ تھی دودھ پلایا تو جمیلہ کے بچے کی رضاعت قول مفتی بہ کے موافق ثابت نہیں ہوئی۔ لیکن چونکہ امام صاحبؒ ڈھائی سال تک مدتِ رضاعت کے قائل ہیں تو اگر جمیلہ کی بچی ابھی تک دودھ پیتی تھی۔ اور اس کا دودھ اس کی کمزوری یا بیماری کی وجہ سے دو برس میں چھڑایا نہیں گیا تھا تو احتیاطاً ثبوتِ رضاعت کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس بچی کا نکاح ہندہ کے کسی لڑکے سے جائز نہ ہوگا۔ اور اگر دو برس میں دودھ چھڑا دیا گیا تھا اور پھر اتفاقاً ہندہ نے اسے دودھ پلا دیا تو رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

کسی لڑکی نے اپنی دادی کا دودھ کچھ مدت تک پیا ہو اور دودھ بھی کمی کے ساتھ اترا ہو۔ اور لڑکی کی عمر اس وقت ڈیڑھ سال سے زائد ہو۔ اور دودھ کیا بلکہ ایک قسم کا پسینہ سا ہو تو اس لڑکی کا نکاح اس کے چچا کے لڑکے یا پھوپھی کے لڑکے کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲۹۰) **جواب**۔ جس لڑکی نے اپنی دادی کا دودھ دو سال کی عمر کے اندر پیا ہے اس کا نکاح اپنے چچا کے لڑکے یا پھوپھی کے لڑکے سے ناجائز ہے۔ دودھ کتنا ہی کم اور کسی کیفیت و صورت کا ہو۔ حکم یہی ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

ایک شخص نے زمانۂ شیر خوارگی میں اپنی نانی کا ایک دو مرتبہ دودھ پیا ہے۔ اب وہ شخص اپنی حقیقی خالہ زاد لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔

(۲۹۱) **جواب**۔ جس بچے نے شیر خوارگی کی عمر میں اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا ہے۔ اس کی شادی حقیقی

خالہ کی لڑکی سے نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وہ لڑکی اس کی رضاعی بھانجی ہوگئی ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیتہ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۲۶ء)

زید نے زینب بنت حمیدہ سے عقد کیا۔ جس کو کئی برس گزر گئے اور اس درمیان میں ایک لڑکا بھی ہوا۔ مگر زید اور حمیدہ نے ایک عورت آمنہ کا دودھ پیا ہے۔ جس کا ان لوگوں کو علم شادی کے قبل ایک دوسرے کے پینے کا نہ تھا۔ حمیدہ نے آمنہ کا دودھ اس وقت پیا جب اس کے ایک لڑکی بتول پیدا ہوئی۔ اور زید نے دودھ اس وقت پیا جب آمنہ کے ابوالنجم پیدا ہوا۔ بعد دو لڑکا پیدا ہونے آمنہ کے بعد بتول کے۔ اس کی گواہی اس صورت سے ہے کہ ابوالنجم یعنی آمنہ کا لڑکا جو مسلمان تعلیم یافتہ شخص ہے اور جس کا جھوٹا دودھ زید نے پیا ہے کہتا ہے کہ میری والدہ مجھ سے اکثر کہا کرتی تھیں کہ زید اور حمیدہ نے میرا دودھ پیا ہے۔ اور وہ لوگ ہمارے رضاعی بھائی بہن ہیں۔ زید کی دادی جو ابھی زندہ ہے اور حمیدہ کی نانی بھی ہوتی ہے اور برابر رمضان شریف وغیرہ کا روزہ رکھتی ہے کہتی ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے آمنہ کو زید اور حمیدہ کو دودھ پلاتے دیکھا ہے، جب حمیدہ چار مہینے کی تھی اور زید دو یا پونے دو برس کا۔ ایک اور عورت ہے جو برابر پنجگانہ نماز ادا کرتی ہے اور زید اور حمیدہ کی عزیز بھی ہوتی ہے کہتی ہے کہ میرے سامنے آمنہ نے مرتے وقت زید اور حمیدہ کا دودھ بخشا ہے۔ زید کی پھوپھو کہتی ہے کہ میں نے اپنی آنکھ سے زید کو آمنہ کا دودھ پیتے دیکھا ہے دو برس کی عمر کے اندر۔ حمیدہ کی چھوٹی خالہ کہتی ہے کہ ایک مرتبہ آمنہ نے باتوں باتوں میں یہ کہا کہ میں نے حمیدہ کو دودھ پلایا ہے۔ زید جو خود ایک عالم وقت ہے اس کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے دو برس کی عمر میں دودھ پیا ہے۔ حمیدہ جو ایک پڑھی لکھی عورت ہے اور تہجد گزار ہے کہتی ہے کہ برابر میری ہمجولیاں مجھے زنگریزن زنگریزن کہہ کر چڑایا کرتی تھیں۔ آخر کار میں نے ایک دن اپنی ماں سے شکایت کی اور اس کی وجہ پوچھی۔ میری ماں نے جواب دیا کہ چونکہ مسماۃ آمنہ ذات کی زنگریزن ہے اور اس کے ایک لڑکی بتول پیدا ہوئی تھی اس کا جھوٹا دودھ تم نے پیا ہے جب چار ماہ کی تھی۔ اس صورت میں زید کا عقد زینب سے جائز ہوا یا نہیں؟

(۲۹۲) **جواب** - رضاعت ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو جاتی ہے اور بصورت

ثبوت رضاعت زید اور زینب کا نکاح صحیح نہیں ہوا - ان دونوں میں علم رضاعت ہوتے ہی تفریق لازم ہے - بچے ثابت النسب ہوں گے اور زید سے ان کا نسب ثابت ہوگا - محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جنوری ۱۹۲۷ء)

ایک ممانی ہے اس نے اپنے بھانجے کو اس کی والدہ کی وفات ہونے سے اپنے شوہر کی اجازت سے دودھ پلایا ہے - لیکن ممانی کا بھانجہ حقیقی نہیں - اب وہ ممانی کی لڑکی ہے جس کی عمر بھانجے سے ایک سال کم ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ لڑکے اور لڑکی کی شادی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(۲۹۳) **جواب** - اس عورت نے جس لڑکے کو دودھ پلایا ہے اس لڑکے کی شادی اس عورت کی کسی لڑکی سے خواہ وہ لڑکی اس لڑکے سے پہلے کی ہو یا بعد کی جائز نہیں ہے - کیونکہ جو بچہ کسی عورت کا دودھ پی لیتا ہے اس عورت کی تمام اولاد اس بچے کے رضاعی بھائی بہن ہو جاتے ہیں - محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۶ مئی ۱۹۲۷ء)

مہتاب بیگم اپنے خالہ زاد بھائی صغیر کا جھوٹا دودھ صغیر کی والدہ خیراتی بیگم سے پی ہے - اب صغیر کے بھائی اکبر سے مہتاب بیگم کا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

(۲۹۴) **جواب** - مہتاب بیگم کا نکاح اپنی رضاعی والدہ خیراتی بیگم کے کسی لڑکے کے ساتھ جائز نہیں - کیونکہ خیراتی بیگم کی تمام اولاد مہتاب بیگم کے بہن بھائی ہو گئے ہیں - محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۲۷ء)

دودھ شریک بھائی کس کو کہا جاتا ہے ؟

(۲۹۵) **جواب** - جس عورت کا دودھ کوئی بچہ پی لے اس عورت کی تمام اولاد خواہ پہلے کی ہو یا دودھ پلانے کے بعد کی، اس بچہ کے ساتھ دودھ شریک بھائی بہن ہو جاتی ہے اور اس دودھ پینے والے بچے کی شادی اس عورت کی کسی اولاد سے جائز نہیں ہوتی -

محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۱ء)

کسی ولد الحرام بچّے کی ماں کا دودھ دوسرے بچّے کو پلوانا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲۹۶) **جواب** - ایسی عورت کا دودھ پلوانا جس نے حرام کا بچّہ جنا ہو ناجائز نہیں ہے - اور اس دودھ کے پلانے سے وہ عورت بچہ کی رضاعی ماں ہو جائے گی - اگرچہ بہتر یہ ہے کہ بچہ کو ایسی عورت کا دودھ پلایا جائے جو اخلاق (چال چلن) اور نسب کے اعتبار سے بہتر ہو - محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ یکم اگست ۱۹۳۴ء)

زید نے اپنے ایک یتیم بھتیجے کو جس کی پرورش خود زید نے کی ہے اپنی بالغہ لڑکی کے نکاح کے واسطے تجویز کیا - لیکن نکاح سے قبل برادری کے چند آدمیوں نے ظاہر کیا کہ زید کا بھتیجا جس کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح ٹھہرایا گیا ہے وہ اُس لڑکی کا رضاعی بھائی ہے - زید سے دریافت کیا گیا تو اُس نے حلفیہ بیان کیا کہ ہاں مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اپنی بی بی کو اجازت دی کہ وہ اس لڑکے کو اپنا دودھ پلائے - زید کی بی بی اس بیان کے وقت موجود تھی - اس نے اس بیان کی تردید نہیں کی سکوت اختیار کیا - پھر زید نے اپنی بی بی کا بیان حلفیہ اپنے مکان پر خفیہ طور سے لکھا کر مولانا کے یہاں پیش کیا - مولانا نے ارقام فرمایا کہ اگر یہ بیان صحیح ہے تو نکاح میں شک نہیں - اس کے بعد جب بارات آنے کو ہوئی تو زید نے اپنا مکان مع اپنی بی بی اور لڑکی کے خالی کر کے محلہ میں کسی جگہ پوشیدگی اختیار کی - اور ایک رپٹ بھی تھانہ پولیس میں تحریر کرائی - باراتیوں کو معلوم ہوا کہ زید مع بی بی کے رُوپوش ہے تو انھوں نے دروازے پر قیام کیا اور بعد تلاش زید کے اوپر دباؤ پنچایتی منجانب باراتیوں کے پڑا تو زید نے پھر اپنی بی بی سے کہا کہ وہ خوب یاد کر کے بتائے کہ آیا اس نے اس لڑکے کو دودھ پلایا یا نہیں ؟ تو اس کی بی بی نے دودھ پلانے سے انکار کیا - اور دو عورتوں نے بھی اس کے بیان کی تائید کی - اس پر قاضی صاحب نے حسب دستور ایجاب و قبول کرا کر نکاح پڑھا دیا - دو عورتیں جنھوں نے زید کی بی بی کے بیان کی تائید کی اور وکیل و گواہ یہ سب منجانب باراتیوں کے تھے - قاضی محلے کی مسجد کا امام ہے اور اس کے علم میں یہ سب قضیہ آچکا تھا - اب محلے کے لوگ جو زید کے اور زید کی

بی بی کے آخری حلف پر اعتبار نہیں کرتے اور یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ لڑکی جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے وہ اس لڑکے کے ساتھ شادی کرنے پر راضی نہیں تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ نکاح ناجائز ہے اور قاضی کی امامت بھی ناجائز ہے۔

(۲۹۷) **جواب**۔ سوال سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ رضاعت کا کوئی ثبوت موجود ہے۔ زید کا پہلے صرف یہ اقرار مذکور ہے کہ "میں نے اپنی بی بی کو اجازت دی تھی کہ اس لڑکے کو دودھ پلائے" اور اس بیان پر بیوی خاموش رہی تو اس سے دودھ پلانے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ لہذا جب تک کوئی ثبوت نہ ہو اس وقت تک زید اور اس کی بیوی کے حلفیہ بیان کو غلط کہنا صحیح نہیں۔ اور قاضی کی امامت ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اگر لڑکی نے نکاح سے انکار کر دیا ہو تو البتہ نکاح کی صحت میں خلل ہوگا۔ یہ لڑکی سے دریافت کر لیا جائے۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۹ فروری ۱۹۳۵ء)

رابعہ خاتون اور محمد ابوبکر کی ماں دونوں ایک چارپائی پر سو رہی تھیں۔ اس وقت رابعہ خاتون کی عمر دو سال چار ماہ کی تھی۔ اس نے محمد ابوبکر کی ماں کا دودھ پی لیا۔ اب محمد ابوبکر اور رابعہ خاتون کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲۹۸) **جواب**۔ صاحبینؒ کے نزدیک مدت رضاع دو برس ہے۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک ڈھائی برس۔ صاحبین کے قول پر ہی فتویٰ ہے۔ پس اگر رابعہ کا نکاح ابوبکر سے نہ کیا جائے تو احوط ہے۔ اور کر دیا جائے تو حرمت کا حکم نہیں دیا جائے گا۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۲۷ء)

عمر نے اپنے حقیقی بھانجے زید کے ساتھ اپنی حقیقی بہن کا دودھ پیا ہے جس سبب سے عمر اور زید رضاعی بھائی ہوئے اس لئے عمر کی لڑکی کا نکاح بنا بر واسطہ رضاعت زید (رضیع عمر) کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ سوال یہ ہے کہ از روئے قرآن حدیث و فقہ زید کے حقیقی برادر خورد کا نکاح عمر کی لڑکی کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲۹۹) **جواب** - عمر نے اپنی جس حقیقی بہن کا دودھ پیا ہے اس بہن کی تمام اولاد خواہ وہ دودھ پلانے سے پہلے کی ہو یا بعد کی عمر کی رضاعی بھائی بہن ہوگئی اور عمر کی لڑکی کا نکاح دودھ پلانے والی بہن کے کسی لڑکے کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ محمد کفایت اللہ

گیارھواں باب

حرمتِ مصاہرت

سوال

زید نے ایک مجمع کے سامنے اس بات کا اقرار کیا کہ میں نے اپنی ساس سے زنا کیا ہے لیکن ساس منکر ہے اور کہتی ہے کہ یہ محض دشمنی سے اور میری لڑکی کو چھوڑنے کی غرض سے یہ تہمت لگاتا ہے تو اس صورت میں اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی قطب الدین شیر کوٹی پنجابی

(۳۰۰) **جواب** - جبکہ زید اپنی ساس سے زنا کرنے کا اقرار کرتا ہے تو اس کا یہ اقرار خود اس کے حق میں معتبر سمجھا جائے گا اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ کی جائے گی۔ ہاں اس کے اقرار سے ساس کے ذمہ زنا کا الزام قائم نہ ہوگا۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو اس اقرار کے بعد اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ لو اقر بحرمۃ المصاھرۃ یؤاخذ بہ ویفرق بینھما وکذلک اذا اضاف ذلک الی ما قبل النکاح بان قال لامرأتہ کنت جامعت امّکِ قبل نکاحک یؤاخذ بہ ویفرق بینھما الخ (فتاوی عالمگیری) واللہ اعلم۔

سوال

زید سے بحالتِ شہوت غلطی سے مساس بنت واقع ہوا معلوم ہوتے ہی تائب و نادم ہوا۔ ہاں مساس مع الثوب ہوا اور ثوب نہ رقیق محض نہ غلیظ بلکہ متوسط درجہ کا تھا۔ وہ ثوب ایسا نہ تھا کہ ہاتھ لگانے ہی حرارت محسوس ہوجائے۔ براہِ مہربانی اس مسئلہ کا جواب باصواب مع حوالہ کتب معتبرۂ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ ارسال فرمائیں۔ غلطی اور غیر غلطی کا بھی کچھ فرق ہے یا نہیں۔ بر تقدیر حرام

ہونے ام ممسوسہ کے اس مسئلے میں احناف کے نزدیک کوئی حیلۂ شرعی معتبر متصور ہے یا نہیں ؟

(۳۰۱) **جواب** ۔مس بالشہوۃ میں غلطی اور قصد اور سہو کا کوئی فرق نہیں ہے ۔ ثم لا فرق فی ثبوت الحرمۃ بالمس بین کونہ عامدا او ناسیا او مکرھا او مخطئا کذا فی فتح القدیر (عالمگیری) لیکن جبکہ مساس کپڑے پر سے ہوا ہے اور کپڑا ایسا نہیں تھا کہ بدن کی گرمی لامس اور ممسوسہ کے مابین محسوس ہو سکے تو حرمتِ مصاہرۃ ثابت نہیں ہوتی ۔ ثم المس انما یوجب حرمۃ المصاھرۃ اذا لم یکن بینھما ثوب اما اذا کان بینھما ثوب فان کان صفیقا لا یجد الماس حرارۃ الممسوس لا تثبت حرمۃ المصاھرۃ (عالمگیری)

محمد کفایت اللہ عفا اللہ عنہ

سوال

عرصہ آٹھ سال کا ہوتا ہے کہ ہندہ اپنے خاوند کے ہاں بیمار بیہوشی کی حالت میں پڑی تھی اچانک جو اس کی آنکھ کھلی تو دیکھتی ہے کہ اس کے خاوند کا لڑکا (پہلی بیوی سے) پلنگ پر پیر لٹکائے ہوئے بیٹھا ہے ۔ اور پاجامہ اپنا کھولے ہوئے ہندہ کا ہاتھ اپنے آلۂ تناسل پر رکھے ہوئے ہے ۔ لڑکے کی عمر اس وقت بعضوں کے قول پر گیارہ برس اور بعض کے قول پر بارہ برس اور بعض کے قول پر تیرہ برس تھی ۔ ہندہ کو ہوش آنے پر جب اس امر کا احساس ہوا تو گھبرا کر کہنے لگی کہ یہ کیا کرتا ہے لڑکے نے کچھ جواب نہیں دیا اور پریشان سا ہو کر فوراً باہر چلا گیا ۔ (اگرچہ لوگوں کو اس کی عمر میں اختلاف ہے مگر ہندہ کا ظنِ غالب یہی ہے کہ اس وقت اس کی عمر تقریباً تیرہ یا سوا تیرہ برس تھی مگر یقیناً وہ بالغ نہیں ہوا تھا) ہندہ نے اس واقعہ کو اپنے خاوند سے بیان کیا ۔ خاوند نے ہندہ کو جھٹلایا کہ تو اس پر تہمت لگاتی ہے ۔ ابھی اس کی عمر اس قابل نہیں ہے ۔ جو ایسی حرکت کرے ۔ اور پھر اپنے لڑکے کو بلا کر ہندہ کے سامنے پوچھا ۔ لڑکے نے صاف انکار کر دیا اور قرآن اٹھا لیا ۔ خاوند کو سخت غصہ آیا اور ہندہ پر بے جا تشددات کیے ۔ اور اس تمام واقعہ کو مادری کی دشمنی پر محمول کرتے ہوئے ہندہ ہی کو قصور وار ٹھہرایا ۔ اب بیٹے نے جوان ہو کر اس کی تصدیق کی اور اقرار کر لیا کہ ہاں مجھ سے یہ حرکت ہوئی تھی ۔ مادر نے غلط نہیں بیان کیا تھا ۔ اس امر کو سنکر خاوند کو یقین آیا وہ سخت پریشانی میں ہے کہ اب کیا کرنا چاہئے ۔ لہٰذا آپ سے یہ دریافت طلب ہے کہ مندرجۂ بالا صورت

میں ہندہ کا نکاح اپنے خاوند سے قائم رہے گا یا نہیں ؟

اگر بالفرض صورت مندرجہ بالا میں حرمتِ مصاہرت متحقق ہوگئی ہے اور حسب قول احناف کوئی طریقہ زن وشوئی کے قیام کا باقی نہیں رہا ہے تو کیا ضروریاتِ دینیہ و دنیویہ موجودہ زمانے پر نظر ڈالتے ہوئے خاوند کو اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ کسی شافعی المذہب سے فتویٰ لے کر علاقہ نکاح کو برقرار رکھے۔ جبکہ مفقود الخبر وغیرہ مسائل میں بوجہ ضروریات وفتن حاضرہ تقلید غیر کی اجازت دی جاتی ہے تو کیا مسئلہ مذکور الصدر میں اجازت نہ دی جائے گی حالانکہ مختلف فتن کے وقوع کا صورتِ مسئولہ میں بھی خوف ہے۔

(۳۰۲) **جواب** - اگرچہ فقہا کی تصریحات کے موافق حرمتِ مصاہرۃ میں بالغ اور مراہق کا حکم ایک ہے اور بارہ تیرہ برس کا بچہ مراہق ہوسکتا ہے، اس لئے عمر میں جو اختلاف ہے وہ چنداں مفید نہیں ہے۔ مس المراھق کالبالغ وفی البزازیۃ المراھق کالبالغ حتی لوجامع امرأۃ اولمس بشھوۃ تثبت حرمۃ المصاھرۃ۔ اھ (ردالمحتار) مگر ہندہ کا نکاح اپنے خاوند کے ساتھ ابھی تک قائم ہے۔ وبحرمۃ المصاھرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج باٰخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ والوطی بھا لایکون زنا (درمختار) قولہ الابعد المتارکۃ ای وان مضی علیھا سنون کما فی البزازیۃ (ردالمحتار) قولہ والوطء بھا۔ ای الوطی الکائن فی ھذہ الحرمۃ قبل التفریق والمتارکۃ لایکون زنا لانہ مختلف فیہ وعلیہ مھر المثل بوطئھا بعد الحرمۃ ولاحد علیہ ویثبت النسب اھ (ردالمحتار) ان عبارتوں کا صریح مفاد یہ ہے کہ نکاح کا تعلق ابھی تک باقی ہے مرتفع نہیں ہوا ہے۔ اور وقت اخبار عورت سے وقت اقرار پسر تک جو وطیات واقع ہوئیں وہ موجب اثم ومواخذہ بھی نہیں۔ کیونکہ خاوند کو واقعہ کا یقین نہیں ہوا تھا اور ثبوت کے لئے کوئی کافی وجہ نہیں تھی۔ اب جبکہ پسر نے بالغ ہونے کے بعد اقرار کیا۔ یہ اقرار اگر بفور بلوغ ہوا ہو تو ممکن ہے کہ زوج کو یقین آجائے اور ممکن ہے کہ وہ اسے سوتیلی ماں کے ساتھ عداوت کا ایک کرشمہ اور تفریق کی ایک کارگر تدبیر قرار دے کر یقین نہ کرے۔ اور اس کا اسے حق ہے۔ واضح رہے کہ زوجہ کا اخبار زوج کے لئے نہ مستلزم یقین ہے نہ موجب متارکۃ۔ رجل تزوج امرأۃ علی انھا عذراء فلما اراد وقاعھا وجدھا قد افتضت فقال

لھامن افتضاک فقالت ابوک - ان صدقھا الزوج بانت منہ ولا مھر لھا وان کذبھا فھی امرأتہ - کذا فی الظھیریۃ (عالمگیری) اور اگر بالغ ہونے کے کچھ عرصہ کے بعد یہ اقرار کیا گیا ہو تو قطعاً ناقابلِ اعتبار ہے اور اس پر زوج کے ذمہ متارکت لازم نہیں ہے اور چونکہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے اس لئے زوج کو اس فیصلے میں (کہ وہ لڑکے کے بیان کو مسترد کر دے) ملامت نہیں کی جاسکتی۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ، مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

مسماۃ ہندہ زید کی زوجہ ہے اور ہندہ کی ایک لڑکی زینب دوسرے شوہر سے ہے۔ لڑکی کا بیان ہے کہ زید نے میرے ساتھ زنا کیا ہے اور زید منکر ہے۔ اور لڑکی کے بیان کے سوا اور کوئی ثبوت نہیں۔ المستفتی ۶۷۹ پیر بخش (کوہ ڈگنائی) ۲۶ شعبان ۱۳۵۴ھ م ۲۴ نومبر ۱۹۳۵ء

(۳۰۳) **جواب** - اگر زید منکر ہے تو صرف زینب کے کہنے سے حرمتِ مصاہرۃ ثابت نہیں ہوگی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے اپنے لڑکے عمرو کو بحالتِ پیری اطلاع دی کہ مجھ کو شبہ ہوتا ہے بلکہ ضرور ایسا ہوا ہے کہ میں نے کبھی بہو کو بدنیتی سے ہاتھ لگا دیا ہے اور بہو کو اس کی اطلاع نہیں۔ زید نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی پڑھتا ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا قوا الخ اور حرمت علیکم الخ پوچھا گیا کہ تم نے زنا تو نہیں کیا۔ کہا کہ نہیں، لیکن بدنیتی ضرور تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔ اس اطلاع نے عمرو کی نگاہوں میں دنیا کو تاریک کر دیا۔ کیونکہ عمرو ایک غریب آدمی ہے اور صاحبِ اولاد ہے۔ اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ انتہائی کلفتوں اور مصیبتوں کے ساتھ گزار چکا ہے۔ بال بچوں کے لئے طرح طرح کی مشقتیں اٹھا چکا ہے۔ بحالتِ موجودہ بھی نہایت افلاس کی حالت میں ہے۔ اکثر بیمار بھی رہتا ہے۔ نہ اس کے بچوں کا کوئی پرورش کرنے والا ہے۔ نہ وہ کوئی دوسرا انتظام کر سکتا ہے۔

المستفتی ۱۴۸۶ مولوی محمد یوسف سلطان پور (اودھ) ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۰ جون ۱۹۳۷ء

(۳۰۴) **جواب** - زید کی یہ بات کہ میں نے کبھی بہو کو بدنیتی سے ہاتھ لگا دیا ہے۔ یعنی ہاتھ لگانے کے ایک عرصۂ دراز کے بعد گویا خبر دے رہا ہے بمطلب یہ کہ اپنی زبان سے یہ اقرار کرتا ہے کہ عمرو پر اس کی بیوی

حرام ہو جانے کے بعد وہ اُن کے تعلقاتِ زوجیت دیکھتا رہا اور حرمت کی اطلاع نہ کی۔ اور یہ بات اس کے لئے موجبِ فسق ہے اور اس کا یہ قول ناقابلِ اعتبار ہے۔ عمرو پر اس کی بیوی زید کے اس قول سے حرام نہیں ہوئی۔ فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(شہادۃ شاہدِ اول) میں گواہی دیتا ہوں اور حلفاً کہتا ہوں کہ جو کہوں گا سچ کہوں گا کالو نے مولوی محمد سعید سے کہا کہ مجھے معافی دو۔ اور مولوی محمد سعید نے دریافت کیا کاہے کی معافی دوں۔ کالو نے کہا کہ مجھے جو الزام لگایا ہوا ہے کہ میں نے ساس سے زنا کیا وہ جُرم مجھ سے واقعی ہوا ہے اس کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے مسلمان کرو۔ بعد ازاں اس نے تین بار کہا کہ راجو (منکوحہ کالو) میری ماں بہن مولوی صاحب نے کہا کہ تین طلاق دے۔ پھر کالو نے تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ دیا۔

(شہادت شاہدِ ثانی) میں گواہی دیتا ہوں کہ کالو نے معافی مانگی۔ مولوی محمد سعید نے دریافت کیا کہ کاہے کی معافی؟ کالو نے کہا کہ میں نے رحمون (کالو کی ساس) سے زنا کیا ہے۔ اس کی معافی چاہتا ہوں۔ تین بار اس بات کا کالو نے اقرار کیا۔ پھر راجو منکوحہ کو کالو نے تین بار طلاق دی۔

(شہادت شاہدِ ثالث) میں گواہی دیتا ہوں کہ کالو نے کہا کہ مجھے معافی دو اور مولوی محمد سعید نے کہا کہ کاہے کی معافی۔ اس نے کہا کہ مجھ پر جو لوگوں نے جھوٹی قسمیں اُٹھائی ہیں اور جھوٹے قرآن اُٹھائے ہیں اس کی معافی دو۔ اور اُس نے زِنا کا اقرار نہیں کیا۔ پھر اس نے اپنی عورت کو تین طلاق دیں۔

(شہادت شاہدِ رابع) میں گواہی دیتا ہوں کہ کالو نے آکر کہا کہ مجھے معافی دو اور مسلمان کر دو۔ اور جو شریعت کی تعزیر ہے لگاؤ۔ پھر مولوی صاحب محمد سعید نے دریافت کیا کہ کاہے کی معافی۔ کالو نے کہا کہ جو لوگوں نے مجھ پر بہتان گناہ کا لگایا ہوا ہے اس کی معافی دو اور کالو نے تو زنا کا اقرار نہ کیا اور پھر مولوی صاحب نے تین بار طلاق طلاق طلاق کہلوایا۔

(شہادت شاہدِ خامس) میں گواہی دیتا ہوں کہ کالو نے آکر معافی مانگی اور کہا کہ شریعت کی تعزیر لگاؤ اور کالو نے خود بخود زنا کا اقرار کیا اور مولوی محمد سعید نے دریافت کیا اور تین بار اقرارِ زنا کیا۔ جو کہ ساس کے ساتھ زنا کی تہمت لگی ہوئی ہے وہ واقعی میں نے زنا کیا ہے اور اس کی معافی دو اور ہر ایک گواہوں سے اقرار کرایا بعدہٗ کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا اور پھر کالو نے راجو (منکوحہ کالو) کو تین بار طلاق دیدی۔

المستفتی نمبر ۱۶۰ بدست محمد انور پنجابی متعلم مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۴ اگست ۱۹۳۷ء

(۳۰۵) **جواب** - اقرارِ زنا سے ثبوتِ زنا کے لئے یہ شرط ہے کہ اقرار مجلس قاضی میں ہو اور مقر چار مرتبہ چار مجلسوں میں اقرار کرے۔ مجلس قضا کے باہر اقرار ہو تو وہ معتبر نہیں۔ اور اقرار پر شہادت مقبول نہیں۔ ولا یعتبر اقرارہ عند غیر القاضی ممن لا ولایۃ لہ فی اقامۃ الحدود ولو کان اربع مرات حتی لا تقبل الشہادۃ علیہ بذلک کذا فی التبیین ولا بد ان یکون الاقرار صریحاً (عالمگیری) والاقرار ان یقر البالغ العاقل علی نفسہ بالزنا اربع مرات فی اربعۃ مجالس المقر کذا فی الھدایۃ (عالمگیری) لیکن اقرارِ زنا کے لئے یہ شرائط ثبوت حد زنا کے لئے ہیں اور حرمتِ زوجہ یا ثبوت حرمتِ مصاہرت کے لئے یہ شرائط نہیں ہیں بلکہ وہ ایک مرتبہ کے اقرار سے بھی ثابت ہو جائے گی۔ اور اس کے لئے مجلسِ قضا بھی شرط نہیں۔ قیل لرجل ما فعلت بام امرأتک قال جامعتھا قال تثبت حرمۃ المصاہرۃ قیل ان کان السائل والمسئول ھازلین قال لا یتفاوت ولا یصدق انہ کذب کذا فی المحیط۔ (عالمگیری) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک شخص کی دو عورتیں ہیں۔ ایک عورت کے شکم سے لڑکا پیدا شدہ بعمر جوان ہے۔ اگر وہ لڑکا اپنی سوتیلی والدہ سے زنا کرے اور لڑکے کا باپ اس فعل کو دیکھ لیوے تو شریعت کے مطابق کیا فتویٰ ہے۔ لڑکے کی سوتیلی والدہ اپنے خاوند پر طلاق حاصل کرنے کے لئے فسخ نکاح کی عدالت میں نالش دائر کرتی ہے۔ خاوند کہتا ہے کہ لڑکے کا ایسا فعل ہونے پر بھی تو جبکہ خاوند سے ہمبستری کرتی رہی تو نکاح فسخ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مسئلہ کو حل فرمائیں تاکہ عدالت میں پیش ہو۔

المستفتی نمبر ۱۸۲۶ استری عبدالرحمٰن (ریاست بلاسپور) ۲۳ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۹ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۳۰۶) **جواب** - اگر خاوند کے لڑکے نے اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ زنا کر لیا ہے تو سوتیلی ماں اپنے خاوند یعنی لڑکے کے باپ پر حرام ہو گئی۔ ان دونوں کے درمیان تفریق واجب ہے۔ اگر عورت اس واقعہ کے بعد بھی خاوند کے ساتھ رہی اور ہمبستری بھی ہوتی رہی تو اس سے وہ خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی یہ ہمبستری حرام واقع ہوئی ہے اور آئندہ بھی یہ حرام ہے۔ ان دونوں کے درمیان تفریق یعنی فسخ نکاح ضروری ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید کی زوجہ نے اپنے خسر پر الزام لگایا کہ اس نے مجھ سے جماعِ ناجائز کیا اور پنچایت میں دو آدمیوں نے گواہی دی کہ وہ شاہد ہیں کہ انھوں نے ایسا فعل کرتے دیکھا ہے اور مسماۃ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

(۲) مسماۃ مذکورہ مدعیہ اپنے گھر میں رہتی تھی جہاں اور اس کے رشتہ دار اور خاوند رہتے تھے۔ مسماۃ نے اس سے فعل ناجائز کے وقوع کے وقت کوئی مزاحمت نہیں کی اور نہ شور وغل اس فعل کی روک کے واسطے کیا۔ سوال یہ ہے کہ بروئے شرع شریف ایسی زوجہ اپنے خاوند کے نکاح جائز میں رہتی ہے یا نہیں۔ مدعیہ عورت نے اس فعل کی شکایت اس وقت کی جبکہ فریقین میں کچھ عرصہ بعد تنازعہ ہوا۔ دونوں کی نسبت اور ان لوگوں کی نسبت جو شاہد ہیں اور محل وقوع پر خاموش رہے ان سب کی نسبت شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

المستفتی نمبر ۲۰۳۳ حافظ غلام رسول صاحب - صدر بازار - دہلی - ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۳۰۷) **جواب** - اگر عورت اور گواہوں نے واقعہ کے فوراً بعد اس امر کا اظہار نہیں کیا تو وہ بھی فاسقہ اور اس کے گواہ بھی جھوٹے قرار دیئے جائیں گے اور اس کے کہنے اور گواہوں کے کہنے سے نکاح میں خلل نہ آئے گا۔ ہاں اگر عورت کے خاوند کو کسی بنا پر اس واقعہ کی صحت کا یقین ہو جائے اور وہ اس کی تصدیق کرے تو پھر وہ اس عورت کو اپنے پاس بحیثیت بیوی کے نہ رکھ سکے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

خسر اپنی بہو کے ساتھ زنا کا مرتکب ہوا جس کی تصدیق عدالتِ مجازسے و نیز پنچان سے کی گئی جس کا فتویٰ دہلی سے مورخہ ۲۱ جولائی ۳۶ء کو لیا گیا ہے جو ہم رشتہ فتویٰ ہٰذا ہے۔ اب چونکہ مسماۃ جوان عمر ہے۔ کیا اس کا دوسرا عقد کر دیا جائے؟ المستفتی نمبر ۲۱۷۴ وزیر خان - آگرہ

۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(۳۰۸) **جواب** - زوجین کی متارکت کے بعد عدت گزار کر عورت دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کا ناجائز تعلق اپنے بیٹے کی بیوی سے ہوگیا اور دو تین بچے بھی ہوگئے۔ اب عرض ہے کہ چونکہ مسماۃ مذکورہ زید کے لڑکے پر تو حرام ہو چکی اگر بعد طلاق زید کے داماد سے نکاح کرے تو درست ہے کہ نہیں۔ جو زید کے نطفہ سے بچے ہیں ان کا خرچ خوراک کس کے ذمہ ہوگا۔ ایسے بچے نابالغوں کی جو نطفہ حرام سے ہیں نکاح کی کون اجازت دے اور لڑکے کی طرف سے کون ایجاب و قبول کراوے نکاح خواں نکاح پڑھاوے تو گنہگار تو نہ ہوگا۔ المستفتی ۲۲۵۷ جناب فضل الرحمن صاحب (ریاست جیند)

۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۴ مئی ۱۹۳۸ء

(۳۰۹) **جواب** - اگر زید کا لڑکا یہ تسلیم کرے کہ زید کا تعلق ناجائز بہو سے تھا تو عورت کو اس کے شوہر سے جدا کر دیا جائے گا اور بچے سب شوہر کے بچے قرار دیئے جائیں گے۔ تاوقتیکہ باقاعدہ لعان نہ ہو بچوں کا نسب منتفی نہ ہوگا۔ عورت بعد تفریق و انقضاء عدت زید کے داماد سے نکاح کرسکیگی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) مسمی شیر محمد کا مسماۃ روشن ایک عورت سے بلا نکاح ناجائز تعلق تھا اس حالت میں اس کے بطن سے باقر نامی لڑکا پیدا ہوا۔ بعد ازاں شیر محمد مذکور کا ایک دوسری عورت مسماۃ نشان کے ساتھ بلا نکاح ناجائز تعلق ہوا۔ پھر باقر کا دوسری عورت مسماۃ نشان کے ساتھ نکاح ہوا۔ بدیں وجہ شیر محمد اور باقر کے درمیان جب جھگڑا ہوا تو باقر سے طلاقیں لی گئیں۔ بعد انقضائے عدت شیر محمد اس مزنیہ مسماۃ نشان کا نکاح کرنا چاہتا ہے۔ آپ از روئے شرع شریف مطابق اہل سنت والجماعۃ فتویٰ دیں کہ شیر محمد کا مساۃ روشن کے ساتھ نکاح نہ ثابت ہونے کی صورت میں مسماۃ نشان کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) روشن کے عدم نکاح کا فیصلہ دینے کے لئے شریعت غرا میں کس ثبوت کی ضرورت ہے کیونکہ اہل بصیرپور کو نکاح یا عدم نکاح کا کوئی پتہ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ باہر شہر سے کچھ عرصہ لئے پھرا اور بصیرپور میں نکاح نہیں ہوا۔ نیز یہ عرض ہے کہ شیر محمد پر جب ناجائز تعلق کرنے کے الزام پر مقدمہ کیا گیا تو حاکم کے روبرو شیر محمد اور روشن نے اپنے نکاح کا اعتراف کیا تھا اس کا

جواب شیر محمد یہ دیتا ہے کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔

المستفتی نمبر ۲۳۴۲ محمد شریف بصیر پور (منٹگمری) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

(۳۱۰) **جواب** ۔جس طرح مسماۃ نشان باقر کے لئے حرام تھی اسی طرح وہ اب شیر محمد کے لئے (بوجہ موطوءۃ الابن ہونے کے) حرام ہو گئی۔ثبوت نسب کے باب میں اگرچہ باقر کا نسب شیر محمد سے ثابت نہ ہو۔مگر ثبوتِ حرمتِ نکاح میں اس کی ابنیت معتبر ہو گی۔

اگر شیر محمد پہلے اپنے اور روشن کے نکاح کا اعتراف کر چکا ہے تو اب اس کا انکار باقر کے نفی نسب کے حق میں قبول نہیں ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص بعمر تقریباً ۶۵ سال بطور محبت بلا ارادہ صحبت اپنے لڑکے کی بیوی کو پیار کیا یعنی بوسہ لے لیا۔قصد بالکل کوئی دوسرا نہیں اور نہ ارتکاب کیا گیا۔اس کے لئے شرع کیا حکم دیتی ہے اور اگر اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی تو اس کا نان و نفقہ اور رہائش کا کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۳۵۴ محمد بہار علی صاحب (کرنال) ۴ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۳ جولائی ۱۹۳۸ء

(۳۱۱) **جواب** ۔ اگر لڑکے کی بیوی کا بوسہ لیتے وقت اس شخص کو شہوت نہ تھی اور دل میں بھی شہوت کا خیال نہ تھا تو یہ عورت اپنے شوہر پر حرام نہیں ہوئی لیکن اگر یہ بوسہ شہوت سے لیا گیا تو یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہو گئی۔اگر یہ شخص قسم کے ساتھ کہہ دے کہ شہوت نہ تھی تو اس کا اعتبار کر لیا جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

بکر کی عمر تقریباً آٹھ سال اور عابدہ کی تقریباً ۹ سال۔ایک روز عابدہ کو بد خیال آیا اور عابدہ نے بکر کو بد فعلی کی طرف بلایا۔دونوں مباشرت کے لئے آمادہ۔اتنے میں ایک اجنبی شخص کے آنے سے بالفعل زنا تو نہیں ہوا لیکن مس و نظر الی الفرج البتہ ہوا۔برسوں گذر گیا۔بکر عابدہ کی بیٹی آمنہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔نکاح جائز ہو گا یا نا جائز ؟

واضح رہے کہ اس وقت بکر بالغ ہونا تو در کنار قریب البلوغ بھی نہیں ہوا تھا۔وہ یقیناً اس واقعہ کے چند برس بعد بالغ ہوا اور عابدہ بھی اس وقت بالغہ نہیں تھی اس کے دو سال بعد بالغہ ہوئی۔

المستفتی نمبر ۲۶۲۶ محمد ارشاد علی صاحب ۲۴ پرگنہ بنگال ۔ ۲۷ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ
م ۴ جولائی سن ۱۹۴۰ء

(۳۱۲) **جواب** ۔ آٹھ سال کی عمر کا لڑکا یقیناً مراہق نہیں ۔ پس اگر لڑکی جس کی عمر تقریباً ۹ سال کی لکھی ہے مراہقہ بھی ہو تاہم لڑکے کے غیر مراہق ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے باہمی مساس و نظر سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی ۔ پس صورتِ مسئولہ میں عابدہ کی لڑکی سے بکر کا نکاح جائز ہے ۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص نے اپنی بیوی کی والدہ کے ساتھ اس وقت زنا کیا جبکہ اس کی بیوی بطور اس کی بیوی کے عرصہ تک رہ چکی ۔ اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہوئی یا نہیں ؟ اس کا نکاح فاسد ہوا یا باطل ؟ نکاح خود بخود فسخ ہو گیا یا طلاق یا حکم قاضی کی ضرورت ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۷۸۰ ولایت حسین بازار شنبہ بجنور ۔ مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۴۲ء

(۳۱۳) **جواب** ۔ یہ حرمت[1] حرمتِ مصاہرت ہے ۔ جس عورت کے ساتھ زنا کیا جائے اس کی لڑکی اور اس کی ماں زانی پر حرام ہو جاتی ہے ۔ خواہ پہلے سے نکاح میں ہو یا نہ ہو ۔ فمن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امھا وان علت وابنتھا وان سفلت ۔ کذا فی فتح القدیر (فتاوی عالمگیری مصری ج۱ صہ ۲۹۱) فلوا یقظ زوجتہ لیجامعھا فوصلت یدہ الی بنتہ منھا فقرصھا بشھوۃ وھی ممن تشتھی یظن امھا حرمت علیہ الام حرمۃ مؤیدۃ کذا فی فتح القدیر (فتاوی عالمگیری ج۱ صہ ۲۹۲) نکاح[2] فاسد ہوتا ہے باطل نہیں ہوتا ۔ ان النکاح لا یرتفع بحرمۃ المصاھرۃ والرضاع بل یفسد (فتاوی عالمگیری ج۱ صہ ۲۹۳) متارکت[3] یا تفریق قاضی سے نکاح ختم ہوتا ہے ۔ وبحرمۃ المصاھرۃ لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لھا التزوج باٰخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ (درمختار) وعبارۃ الحاوی الا بعد تفریق القاضی او بعد المتارکۃ (ردالمحتار شامی ج۲ صہ ۴۰۷ مصری) ۔ متارکت کے معنی یہ ہیں کہ زوج کہدے کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا یا علیحدہ کر دیا ۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ
دہلی

سوال

شیر محمد اور مہدی ساکنانِ گول پور ڈیپو مونہ میں کچھ عرصے اکٹھے رہے۔ اندریں اثنا مہدی نے اپنی لڑکی مسماۃ راجاں نابالغہ کا نکاح شیر محمد کے ساتھ کردیا اور تقریباً ایک سال کے بعد مہدی فوت ہوگیا۔ اب شیر محمد اور مسماۃ سینا زوجۂ مہدی نے اکٹھا ہونے کے لئے نکاح کے جواز و عدم جواز کی بابت اپنے علماء سے دریافت کیا۔ اُن کے امام نے اُن کو بتلایا کہ لڑکی کے ساتھ صرف نکاح سے اس کی ماں حرام ہوجاتی ہے۔ باوجود اس کے کچھ دنوں کے بعد انھوں نے نکاح کرلیا۔ اور ایک فتویٰ اندریں باب حاصل کرلیا جس کے سوال وجواب کا خلاصہ یہ ہے :-

ایک شخص مسمّی شیرا ساکن گول پور مقیم کلاس مور کا ناجائز تعلق مسماۃ سینا زوجۂ مہدی کے ساتھ تین چار سال رہا۔ اس کے بعد مہدی نے اپنی لڑکی مسماۃ راجاں صغیرہ عمر ایک سال کا نکاح شیرا سے کردیا۔ اب مہدی فوت ہوگیا ہے۔ اور عدت کے بعد سینا نے خود شیرا کے ساتھ نکاح کرلیا ہے۔ کیا شرعاً یہ نکاح درست ہے؟ جواب۔ شیرا کے ...... ساتھ ناجائز تعلق نے مسماۃ راجاں کو شیرا پر حرام کردیا ہے۔ اور راجاں کا نکاح شیرا کے ساتھ نکاح فاسد کے حکم میں ہے اور نکاح فاسد کی وجہ سے حرمتِ مصاہرۃ نہیں ہوتی۔ فقط اس جواب پر ایک دوسرے مولوی صاحب نے یہ تنقید فرمائی ہے۔" صورت مسئلہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیرا سے صحتِ نکاح کے لئے اجازت طلب کی گئی ہے اور شیرا نے اجازت دیدی ہے کہ میرا نکاح مہدی کی لڑکی سے ہر وجہ سے صحیح ہے اور اس اجازت سے شیرا کا نکاح صحت کی بنا پر ثابت ہوا۔ اور مہدی کی عورت شیرا پر ابدی حرام ہوگئی۔ اب جو شیرا نے زنا کا اقرار کیا ہے۔ شیرا کا دعویٰ نہیں جو شہادت کی ضرورت ہو۔ دعویٰ ہونے کو شیرا کا نکاح کے لئے اجازت دینا باطل کرتا ہے۔ شہادت شیرا کی اپنے نفس کے لئے ہے۔ اصول کا قاعدہ ہے کہ جو شہادت اپنے نفس کے نقصان کے لئے ہو وہ صحیح ہے اور جو نفع کے لئے ہو وہ غیر صحیح نیز اگر مہدی کی حیاتی میں شہادت دیتا تو صحیح ہوتی کیونکہ مہدی کی لڑکی شیرا پر حرام ہوجاتی وہ جدا کردیتے۔ اب مہدی نے فوت ہونے کے بعد شہادت شیرا کے نفع کے لئے ہے۔ کیونکہ شہادت شیرا کی جوازِ نکاح کے

لئے ہے وہ غیر صحیح ہے۔ شیرا کا نکاح صحیح اور مہدی کی عورت شیرا پر ابدی حرام ہے"۔ فقط
غرضکہ جو صورت استفتا کے اندر دکھائی گئی ہے وہ کہاں تک درست ہے۔ ممکن ہے کہ شیرا کا ناجائز تعلق مسماۃ سینا کے ساتھ ہو لیکن اُس وقت کا نکاح مسماۃ راجاں کے ساتھ اس ناجائز تعلق کے خلاف ہے۔ اگر اُس ناجائز تعلق کو مانا جائے تو کیا شرعاً اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت ہے یا صرف عام افواہ یا زوجین کے اقرار کافی ہیں؟　المستفتی نمبر ۲۷۹۲ مولوی اللہ دین صاحب ضلع جہلم
۲ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۴۵ء

(۳۱۴) **جواب** - شیرا کا سینا کے ساتھ نکاح ناجائز اور حرام ہے۔ کیونکہ وہ اس کی خوشدامن ہے۔ اور اگر شیرا سینا کے ساتھ زنا کا اقرار کرتا ہے تو اس کے اقرار کی وجہ سے راجاں بھی اس پر حرام ہو گئی۔ مگر سینا کی حرمت بدستور قائم رہے گی۔ لہٰذا اب اس اقرار کی صورت میں دونوں عورتیں اس پر حرام ہوں گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۶ دسمبر ۱۹۲۵ء)

زید کا ہندہ کے ساتھ نکاح ہو چکا ہے۔ بعد نکاح زید نے ہندہ کی ماں یعنی اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اگر حرام ہو چکی ہے تو ایسے نکاح کی شرعی تنسیخ کے لئے اسلامی حکومت کے مختار قاضی کا فتویٰ ضروری ہے یا نہیں؟

(۳۱۵) **جواب** - ہاں جبکہ زید اپنی ساس کے ساتھ زنا کرنے کا اقرار کرے یا شہادتِ شرعیہ سے ثابت ہو جائے تو اس کی بیوی اور اس کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی۔ کیونکہ عورت مزنیہ کی ماں اور بیٹی زانی پر حرام ہو جاتی ہیں۔ اور جبکہ وہ سببِ حرمت (یعنی زنا) کا اقرار کرتا ہے یا شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے تو پھر تفریق لازم ہو جاتی ہے۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ اور یہی حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عمران بن حصین، حضرت جابر، حضرت ابی بن کعب، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرت حسن بصری، حضرت امام شعبی، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت امام اوزاعی، حضرت طاؤس، حضرت عطاء، حضرت مجاہد، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سلیمان بن یسار، حضرت حماد، حضرت سفیان ثوری، حضرت اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے

فقہ حنفی کی عبارتیں یہ ہیں :-

وتثبت بالوطأ حلالا کان او عن شبہۃ او زنا۔ کذا فی فتاوی قاضی خان، (عالمگیری) یعنی حرمت مصاہرۃ وطی حلال اور وطی بالشبہۃ اور زنا سے ثابت ہوجاتی ہے ۔ والزنا واللمس والنظر بشہوۃ یوجب حرمۃ المصاہرۃ (کنز) یعنی زنا اور مساس اور نظر بشہوت سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے ۔ ولو اقر بحرمۃ المصاہرۃ یواخذ بہ ویفرق بینہما (عالمگیری) یعنی خاوند اگر حرمت کا اقرار کرے تو اپنے اقرار سے ماخوذ ہوگیا ۔ اور زوجین میں تفریق کرادی جائے گی ۔ ایسے زوجین میں جن کے درمیان حرمت مصاہرۃ واقع ہوئی ہے تفریق کرانے سے تفریق ہوجاتی ہے ۔ ہندوستان کی انگریزی عدالتوں کے مسلمان جج کا حکم بالفسخ کافی ہوگا ۔ اسی طرح ثالث کا فیصلہ بھی کافی ہوگا ۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۲۷ء)

بہشتی زیور حصہ چہارم صفحہ ۵ پر مسئلہ ـ "رات کو اپنی بی بی کے جگانے کے لئے اٹھا ۔ مگر غلطی سے لڑکی پر ہاتھ پڑگیا یا ساس پر ہاتھ پڑ گیا اور بی بی سمجھ کر جوانی کی خواہش کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا تو اب وہ مرد اپنی بی بی پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگیا ۔ اب کوئی صورت جائز ہونے کی نہیں ہے ۔ اور لازم ہے کہ یہ مرد اس عورت کو طلاق دیدے" ۔ تو اب سوال یہ ہے کہ جب دونوں اس میں بے قصور ہیں تو طلاق دینے کی کیا وجہ ہے ؟

(۳۱۶) **جواب** ۔ بہشتی زیور ... سے جو مسئلہ آپ نے نقل کیا یہ مسئلہ حنفیہ کے نزدیک اسی طرح ہے کہ اگر غلطی سے یا قصداً کوئی شخص اپنی لڑکی یا اپنی ساس کے بدن کو بغیر حائل ہاتھ لگادے اور اس وقت اُس کو خواہش (شہوت) ہو تو اس کی لڑکی کی ماں یا ساس کی بیٹی (یعنی ہاتھ لگانے والے کی بیوی) اُس پر حرام ہوجاتی ہے ۔ اس میں اگرچہ بیوی کا قصور نہیں اور غلطی ہوجانے کی صورت میں مرد کا بھی قصور نہیں مگر حرمت کی وجہ دوسری ہے جس میں قصور ہونے نہ ہونے کو دخل نہیں ہے ۔ حنفیہ کا مذہب یہی ہے ۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۶ء)

مسماۃ ہندہ زید کی زوجہ ہے اور ہندہ کے دوسرے شوہر سے لڑکی ہے جس کا نام زینب ہے۔ زینب کا یہ قول ہے کہ زید نے میرے ساتھ زنا کیا ہے اور زید منکر ہے اور زینب کے قول کے سوا کوئی ثبوت زنا کا نہیں ہے۔

(۳۱۷) **جواب**۔ اگر زید منکر ہے تو صرف زینب کے کہنے سے حرمت مصاہرۃ ثابت نہیں ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بارھواں باب

کفاءت

سوال

ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا تھا۔ صورت اس کی یہ ہے کہ بھائی حقیقی ہندہ کا بالغ جائز ولی تھا وہ وقت نکاح موجود نہ تھا۔ والدہ ہندہ کی مسلوب الحواس ہے۔ اس کے چچا نے بغیر اجازت بھائی حقیقی بالجبر ایک غیر محترم آدمی سے نکاح کر دیا تھا۔ جس کا حال قابلِ بیان نہیں ہے۔ زید نہایت آوارہ ہے اور صحبت زنانوں کی رکھتا ہے۔ جس وقت ہندہ کا نکاح ہوا تھا اس وقت عمر ہندہ کی تخمیناً گیارہ سال کی تھی۔ اس وقت بالغ نہ تھی اب بالغ ہے۔ جس کو عرصہ تخمیناً چار سال کا ہو گیا۔ بھائی اس کا اس رشتہ سے ہرگز راضی نہیں ہے بلکہ ہندہ بھی سخت ناراض ہے اور کسی قسم کا آج تک لین دین نہیں ہوا اور زید اپنی رذالت سے باز نہیں آتا۔ ہندہ کا کسی قسم کا خبر گیران نہیں۔ سخت دھوکا دیا ہے۔ جو شخص اتنے عرصے تک خبر گیران نہ ہو اور دھوکا دہی کرے اور مجبور کرے۔ اس کے واسطے از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(۳۱۸) **جواب**۔ اگر زید نے اول یہ بیان کیا تھا کہ میں خلاف شرع امور کا مرتکب نہیں ہوں اور چچا کو اس کی ان حرکات کا علم نہیں تھا تو اس صورت میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ رجل زوج ابنتہ

الصغیرۃ من رجل علی ظن انہ صالح لایشرب الخمر فوجدہ الاب شریبا مدمنا و کبرت الابنۃ فقالت لاارضی بالنکاح ان لم یعرف ابوھا بشرب الخمر وغلبۃ اھل بیتہ الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل ۔ وھذہ المسئلۃ بالاتفاق کذا فی الذخیرہ (ھندیہ ص ۳۱ ج ۱) اور اگر بھائی حقیقی اسی شہر میں یا ایسی جگہ موجود تھا کہ اس سے اجازت لی جاسکتی تھی اور پھر بھی چچا نے بغیر استیذان اس کا نکاح کردیا تو یہ نکاح بھائی کی اجازت پر موقوف تھا۔ اگر بھائی نے اطلاع نکاح ہونے پر ناراضی ظاہر کردی تو نکاح باطل ہوگیا ۔ وان زوج الصغیر او الصغیرۃ ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ (ھندیہ ج ۱ ص ۳۰۳) اور اگر بھائی نے اجازت دیدی یا خبر ہونے پر ناراضی ظاہر نہ کی ہو تو نکاح صحیح ہوگیا لیکن ہندہ کو بالغ ہوتے ہی فسخ نکاح کا حق حاصل ہے ۔ لیکن فسخ نکاح کے لئے قضائے قاضی یعنی حکم حاکم مجاز کی ضرورت ہے ۔ ولکن لھما ای لصغیر و صغیرۃ و ملحق بھما خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء (در مختار ص ۳۳۲ ج ۲)

سوال

ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ لاعلمی اور دھوکے سے اس صورت پر ہوا کہ اول زید نے اپنے آپ کو شریف النسب، ذی وقار، صاحب حشمت بیان کیا حالانکہ بعد نکاح معلوم ہوا کہ وہ ذی اقتدار، شریف النسب اور صاحب مقدرت نہ تھا بلکہ زید لونڈی زادہ تھا اور ہندہ سید زادی شریف النسب تھی۔ وہ کفو مطلق نہ تھا۔ چونکہ گہنا اس نے پیتلی زیورات و نقرئی پر ملمع کراکر سونے کا بیان کرکے چڑھایا۔ وقت شام کا تھا۔ دوسرے روز معلوم ہوا کہ اس نے دھوکہ فاش کیا۔ چنانچہ چند آدمی اس کے شاہد موجود ہیں۔ ہندہ اس وقت بالغ نہ تھی۔ عمر اس کی تخمیناً ۱۳ سال کی تھی۔ اب بالغ ہے۔ وہ اس عقد کو نہیں چاہتی۔ ہندہ کے باپ کو سخت دھوکہ ہوا۔ عرصہ تخمیناً دو سال کا ہوا کہ دلہن کی سب چیزیں اپنے قبضہ میں کرکے گھر سے باہر نکال دیا۔ جب سے وہ اپنے والدین کے گھر بیٹھی ہوئی ہے۔ جوان عمر ہے، نہ روٹی ہے نہ کپڑا ہے نہ خرچ پٹاری وغیرہ۔ لڑکی کو امید نہیں کہ وہ نباہ کرسکے۔ اور بسبب آوارگی اور قوم کے ارزل ہونے کے ہندہ چاہتی ہے کہ علیحدگی کردی جائے۔ از روئے شرع شریف کے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

(۳۱۹) **جواب** ۔ چونکہ زید نے اول یہ بیان کیا تھا کہ میں محارم شرعیہ کا مرتکب نہیں ہوں اور بعد میں اس

کے بیان کا خلاف ظاہر ہوا اس لئے یہ نکاح باطل ہے۔ رجل زوج ابنته الصغیرة من رجل ذکرانه لایشرب المسکر فوجده شریبا مدمنا فبلغت الصغیرة وقالت لا ارضی قال الفقیه ابو جعفر رض ان لم یکن ابو البنت یشرب المسکر وکان غالب اهل بیته الصلاح فالنکاح باطل لان والد الصغیرة لم یرض بعدم الکفاءة وانما زوجها منه علی ظن انه کفوء۔ انتهی (خانیه ص۳۳۳ علی هامش الهندیه) اور اگر اس کی آوارگی سے قطع نظر کرلی جائے تاہم اس کا اپنے آپ کو شریف النسب ظاہر کرنا اور بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہونا اس امر کا مقتضی ہے کہ باپ اور لڑکی دونوں کو خیارِ فسخ حاصل ہو۔ ولو انتسب الزوج لها نسبا غیر نسبه فان ظهر دونه وهو لیس بکفو فحق الفسخ ثابت للکل وان کان کفوا فحق الفسخ لها دون الاولیاء (عالمگیری ص۳۱۲ ج۱)

سوال

ایک غلام زادہ نے دھوکہ دے کر سید کی بیٹی سے نکاح کرلیا۔ جب مسماۃ کو پتہ لگا تو وہ اپنے باپ کے گھر بیٹھ رہی اور اس غلام کے گھر آنے سے انکاری ہے۔ کہتی ہے کہ میں اس کے گھر رہنا پسند نہیں کرتی۔ آیا سیدانی کا نکاح غلام زادہ سے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۳۲۰) **جواب**۔ اگر شخص مذکور نے دھوکہ دے کر اپنے کو خلافِ واقعہ کسی اعلیٰ نسب کا ظاہر کیا اور بعد میں وہ اس سے کم درجہ کا ظاہر ہوا تو اس صورت میں باپ اور لڑکی دونوں کو فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ وان کان ما ظهر شرا مما ذکر ولیس بکفء لها بما ظهر بان تزوج عربیة علی انه عربی فاذا هو عجمی کان لها حق الفسخ وان رضیت کان للاولیاء حق الفسخ الخ (قاضی خان)

سوال

زید ایک سنی المذہب اور حنفی المشرب شخص ہے۔ اس کے ایک دختر نیک اختر ہے جو نا کتخدا ہے اور باپ ہی کے مذہب پر ہے۔ اور ایک شخص بکر احمدی مذہب کا ہے اور نئے پیدا شدہ فرقہ قادیانی سے تعلق رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی رسول برحق مانتا ہے اور وہی عیسیٰ علیہ السلام تسلیم کرتا ہے جن کا ذکر احادیث میں ہے کہ قریب قیامت کے آسمان سے نازل ہوں گے۔ مگر قرآن مجید کو منزل من اللہ اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول یقین کرتا اور اسلام کے تمام اوامر و نواہی پر سچے دل سے ایمان رکھتا ہے۔ باقاعدہ طور سے نماز پڑھتا اور اسلام

کے دیگر تمام احکام کو بجا لاتا ہے۔ اس کا کوئی نیا کلمہ بھی نہیں۔ بلکہ ان کا امام اپنے آپ کو نہایت سچا اور بڑا پکا مسلمان سمجھتا ہے اور لکھتا ہے کہ ؎ ما مسلمانیم از فضلِ خدا۔ مصطفےٰ ما را امام و پیشوا

ایک دوسری جگہ ان کا امام بڑے زور شور سے لکھتا ہے کہ ؎

مؤمنوں پر کفر کا کرنا گماں۔ ہے یہ کیا ایماندار وں کا نشاں۔ کیا یہی تعلیم فرقاں ہے بھلا۔ کچھ تو آخر چاہئے خوفِ خدا

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین۔ دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلین۔ شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں۔ خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں

سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے۔ دے چکے دل اب تنِ خاکی رہا۔ ہے یہی خواہش کہ ہو یہ بھی فدا

تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب۔ کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب

اس کا ایک لڑکا ہے جو اپنے باپ ہی کے دین پر ہے اور فرقہ قادیانی سے تعلق رکھتا ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا شرع شریف کے بموجب اور قرآن مجید کے ماتحت ان ہر دو کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ رشتہ مناکحت شریعتِ محمدی کی رُو سے جائز ہو گا یا نہیں؟ نہایت ادب سے عرض ہے کہ جواب با صواب نہایت جلد مرحمت فرمائیں۔ ساتھ ہی گزارش ہے کہ ضرورت صرف اس قدر ہے کہ اس معاملے میں خدا اور رسول کیا فرماتے ہیں کسی کی ذاتی رائے درکار نہیں۔ براہ کرم قرآن و حدیث سے جو کچھ اس معاملے میں حق ہو خدا کو حاضر و ناظر جان کر وہی تحریر فرما کر داخلِ حسنات ہوں۔ اور اس بات سے ڈر کر کہ ایک روز ضرور ایسا آنے والا ہے جس دن سب کو خداوند کریم کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہو گی اور وہ دن بڑا سخت ہو گا۔ اور موت سے خوف کھا کر کہ ایک روز مرنا یقینی ہے آپ فتویٰ دیں۔ حق بات کے کہنے میں کسی کا خوف یا ڈر یا مذہبی تعصب آپ کو نہ روکے ورنہ خوب سمجھئے کہ قیامت میں خداوند کریم کا غصہ سب سے زیادہ انہیں لوگوں پر نازل ہو گا جو دانستہ حق کو چھپائیں گے۔

(۳۲۱) **جواب**۔ اللّٰھم ربّنا الھمنا الصدق والسداد واتباعہ وجنبنا الکفر والالحاد وارزقنا اجتنابہ لک الحمد حمدا ترتضیہ والصلوۃ علی نبیک صلوۃ ترضیہ وعلی مقتفی آثارہ و متبعیہ اجمعین۔ امابعد۔ مستفتی کی نصیحت کہ حق بات صاف صاف ظاہر کر دی جائے۔ بسروچشم مقبول و منظور ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی باوجود اتباع قرآن و حدیث کے طویل و عریض دعووں کے قرآن و حدیث کے منکر محرف و مبدل ہیں۔ انبیا کی توہین قرآنِ پاک کی توہین، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی توہین علمائے مجتہدین پر سب و شتم ان کے کلام میں اس قدر ہے کہ آفتاب

نیم روز کی طرح واضح ہے۔ اجماع کے وہ مخالف ہیں اور جو شخص کہ قرآن و حدیث کے احکامِ منصوصہ صریحہ کا خلاف کرے، انبیاء علیہم السلام کی توہین کرے، قرآن پاک کی اہانت کرے، قرآن مجید کے مضامین متفق علیہا کو بدل دے، اجماع کا خلاف کرے وہ یقیناً کافر ہے اگرچہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا کتنا ہی لمبا چوڑا دعویٰ کرے۔

مرزا صاحب خود اپنی تصنیفات میں تمام مسلمانوں کو جو اُن کے دعووں کو نہیں مانتے بلکہ منکر یا متردد بھی ہیں کافر کہتے ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو مرزائیوں کے لئے ناجائز و حرام بتاتے ہیں۔ (دیکھو حاشیہ تحفہ گولڑویہ) ان کے جانشین خلیفہ ثانی مرزا محمود صاحب نے اخبار "فاروق" میں جو قادیان سے نکلتا ہے اپنا مضمون شائع کرایا ہے۔ اس میں احمدیوں کو فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے قطعی حرام ہے کہ مرزا صاحب کے منکروں کے جنازے کی نماز پڑھو اور ان کے ساتھ مناکحت یعنی رشتے ناطے کرو۔

پھر تعجب ہے کہ مرزائی کس منہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرزا کو باوجود اقرار قرآن و حدیث و توحید و رسالت کے کافر کیوں کہا جاتا ہے۔ وہ خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ انہوں نے کروڑوں مسلمانوں کو جو توحید و رسالت و ضروریاتِ اسلام کے معتقد و مقر ہیں اور ان میں ہزاروں لاکھوں علماء و مشائخ اور صوفیہ ہیں کیسے کافر بنا دیا۔

اس سوال کے جواب کے لئے جو مستفتی نے دریافت کیا ہے مرزا محمود صاحب کا فتویٰ کافی ہے کہ کسی احمدی لڑکے کا غیر احمدی لڑکی سے نکاح نہیں ہو سکتا قطعی حرام ہے۔ اور مرزائیوں پر اس فتوے کا تسلیم کرنا لازم ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب اپنے تمام منکرین اور متردین کو کافر بنا چکے ہیں واللہ اعلم

سوال

شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ اور ان کے ساتھ کھانا اور رشتہ کرنا درست ہے یا نہیں۔ نیز سلام علیک کرنا اور جوابِ سلام دینا کیسا ہے؟

(۳۲۲) **جواب**۔ رافضیوں کا وہ فرقہ جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عیاذاً باللہ خدا یا اور کچھ اسی طرح جو شرعاً کفر ہو مانتا ہو ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا درست نہیں اور جو لوگ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفائے ثلثہ پر صرف افضل مانتے ہوں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے اور ان لوگوں کی لڑکیوں سے نکاح کر لینا بھی جائز ہے مگر انہیں اپنی لڑکیاں نہیں دینی چاہئیں۔ بلا ضرورت ان سے سلام کرنا یا خلاملا

رکھنا بھی اچھا نہیں۔

سوال

زید فرقہ قادیان سے اور بکر حنفی ہے۔ زید کا لڑکا ہے اور بکر کی لڑکی ہے ان کا نکاح باہم شرعاً جائز اور درست ہے یا ناجائز ہے اور نکاح کرنے میں کوئی نقصان عائد ہوگا یا نہیں؟

(۳۲۳) **جواب** - قادیانیوں کو اپنی لڑکی دینا یا ان کی لڑکی خود کرنا جائز نہیں۔

سوال

مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) آیت مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کا مصداق میں ہوں (ازالہ اوہام طبع اول ص۶۷۳)۔ (۲) مسیح موعود جن کے آنے کی خبر احادیث میں آئی ہے میں ہوں (ازالۂ اوہام طبع اول ص۶۶۵)۔ (۳) میں مہدی مسعود اور بعض نبیوں سے افضل ہوں (معیار الاخیار ص۱۱)۔ (۴) ان قدمی علی منارۃ ختم علیہ کل رفعۃ (خطبۂ الہامیہ ص۳۵)۔ (۵) لا تقیسونی باحد ولا احد ابی (خطبۂ الہامیہ ص۱۹) (۶) میں مسلمانوں کے لئے مسیح مہدی اور ہندوؤں کے لئے کرشن ہوں (لیکچر سیالکوٹ ص۳۳) (۷) میں امام حسین سے افضل ہوں (دافع البلاء ص۱۳)۔ (۸) وانی قتیل الحب لکن حسینکم قتیل العدیٰ فالفرق اجلی واظہر۔ (اعجاز احمدی ص۸۱) (۹) یسوع مسیح کی تین دادیاں اور تین نانیاں زناکار تھیں (ضمیمہ انجام آتھم ص۷) (۱۰) یسوع مسیح کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی (ضمیمہ انجام آتھم ص۵) (۱۱) یسوع مسیح کے معجزات مسمریزم تھے۔ اس کے پاس بجز دھوکہ کے اور کچھ نہ تھا (ازالۂ اوہام ص۳۰۳/۳۲۲) (۱۲) میں نبی ہوں اس امت میں نبی کا نام میرے لئے مخصوص ہے (حقیقۃ الوحی ص۳۹۱)۔ (۱۳) مجھے الہام ہوا۔ یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (معیار الاخیار ص۱۱) (۱۴) میرا منکر کافر ہے (حقیقۃ الوحی ص۱۶۳) (۱۵) میرے منکروں بلکہ متاملوں کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں (فتاویٰ احمدیہ جلد اول) (۱۶) مجھے خدا نے کہا۔ اسمع ولدی، اے میرے بیٹے سن! (البشریٰ ص۴۹) (۱۷) لولاک لما خلقت الافلاک (حقیقۃ الوحی ص۹۹)۔ (۱۸) میرا الہام ہے وما ینطق عن الھویٰ (اربعین ص۳)۔ (۱۹) وما ارسلناک الا رحمۃً للعالمین (حقیقۃ الوحی ص۸۲)۔ (۲۰) انک لمن المرسلین۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۰۷)۔ (۲۱) اٰتانی مالم یؤت احداً من العٰلمین (حقیقۃ الوحی ص۱۰۷) (۲۲) اللہ

معك يقوم اينما قمت (ضمیمہ انجام آتھم ص۱۷)۔ (۲۳) مجھے حوضِ کوثر ملا ہے۔ انا اعطيناك الكوثر (ضمیمہ انجام آتھم ص۸۵) (۲۴) میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ہو بہو اللہ ہوں۔ رأيتني في المنام عين الله وتيقنت انی هو فخلقت السمٰوٰت والارض (آئینۂ کمالات مرزا ص۵۶۴/۵۶۵)۔ (۲۵) میرے مرید کسی غیر مرید سے لڑکی نہ بیاہا کریں (فتاویٰ احمدیہ ص۷)

جو شخص مرزا قادیانی کا ان اقوال میں مصدق ہو اس کے ساتھ مسلم غیر مصدق کا رشتہ زوجیت کرنا جائز ہے یا نہیں اور تصدیق بعد نکاح موجبِ افتراق ہے یا نہیں؟ بينوا توجروا

(۳۲۴) **جواب** ۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے یہ اقوال جو سوال میں نقل کیے گئے ہیں اکثر ان میں سے میرے دیکھے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اُن کے بیشمار اقوال ایسے ہیں جو ایک مسلمان کو مرتد بنانے کے لئے کافی ہیں۔ پس خود مرزا صاحب اور جو شخص ان کا ان کلماتِ کفریہ میں مُصدِق ہو سب کافر ہیں۔ اور ان کے ساتھ اسلامی تعلقات مناکحت وغیرہ رکھنا حرام ہے۔ تعجب ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے جانشین تو اپنے مریدوں کو غیر مرزائی کا جنازہ پڑھنا بھی حرام بتائیں اور غیر احمدی انھیں مسلمان سمجھ کر ان کے ساتھ رشتے ناطے کریں۔ آخر غیرت بھی کوئی چیز ہے!۔

سوال

آجکل جو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ موجود ہیں ایسی حالت میں کہ وہ اپنے دین پر رہیں کسی مسیحی یا یہودی عورت سے مسلمان کو نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳۲۵) **جواب** ۔ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ جو اس زمانے میں موجود ہیں دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ اپنے دین پر قائم اور انجیل و توریت کو آسمانی کتاب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واجب الاحترام پیغمبر یا خدا کا بیٹا یا خدا مانتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مقدس رسول سمجھتے ہیں ایسے یہود و نصاریٰ سے مسلمانوں کو مناکحت جائز ہے خواہ وہ اپنے دین ہی پر رہیں۔ کیونکہ کلام ربانی میں ان کے یہ عقائد مذکور ہیں اور باوجود ان عقائد کے ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔

دوسرے وہ کہ تعلیم یافتہ سائنس داں ہیں۔ نہ وہ خدا کے قائل نہ انجیل و توریت کے۔ نہ حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کی کسی عظمت و بزرگی کے معتقد۔ صرف رسمی اور آبائی طور پر عیسائی بنے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں سے مناکحت ناجائز ہے کیونکہ یہ اہلِ کتاب نہیں ہیں۔ دہریہ ہیں۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ سنہری مسجد دہلی۔ الجواب صواب بندہ محمد قاسم عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔
الجواب صواب بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ مہر دار الافتا۔

سوال

ایک عورت بالغہ کے والدین ایک شریف اور اس کے ہم عمر قریشی رشتہ دار سے شادی کرتے ہوں مگر وہ عورت بدچلنی سے ایک اور رشتہ دار کے ساتھ نکل کھڑی ہو اور جا کر کہیں بغیر رضامندی اور بغیر موجودگی والدین کے وہ نکاح کرالیں مگر والدین جا کر اس عورت کو واپس گھر لے آئیں۔ اس عورت کا خاوند ایک فرضی ڈاکہ کا مقدمہ چھیڑ دے۔ اس عورت کے والدین عدالت میں ایک بناوٹی نکاح اپنے کنبے کے عورت کی رضا پر پیش کریں جس پر عورت والدین کو مل جائے۔ اب والدین اس بناوٹی خاوند کے ساتھ اس عورت کا نکاح کرنا چاہیں اور پہلے شخص سے طلاق چاہیں وہ کسی صورت نہ دے اور وہ شخص اخلاق میں کمزور اور صوم و صلوٰۃ کا پابند نہ ہو۔ اب عورت کے والدین پانچ سال بعد ایک مفتی مولوی محمد عبد العلیم صاحب ملتانی کو حالات عرض کریں اور وہ یہ فتویٰ دیں کہ بغیر رضا ولی یا والدین کے کوئی بالغہ یا نابالغہ عورت کہیں بھی نکاح کرے وہ باطل ہے۔ اس عورت کا نکاح مجوزہ آدمی سے پڑھ دیا جائے۔ والدین نے اب وہ نکاح پڑھ دیا ہو تو کیا وہ نکاح درست ہے؟

المستفتی نمبر ۲۷۴ شاہ محمد صاحب چشتی منظفر آباد ضلع ملتان۔ ۲۰ محرم ۱۳۵۳ھ م ۵ مئی ۱۹۳۴ء

(۳۲۶) **جواب**۔ پہلا نکاح جس شخص کے ساتھ عورت نے خود کیا تھا اگر وہ کفو تھا تو نکاح صحیح منعقد ہوگیا تھا اور بدون طلاق کے دوسرا نکاح درست نہیں ہوا۔ لیکن اگر وہ عورت کا کفو نہ تھا تو اس کی گنجائش ہے کہ پہلے نکاح کو باطل قرار دے کر دوسرا نکاح جائز سمجھا جائے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا بکر کے لڑکے کے ساتھ عقد کردیا۔ بعد چار پانچ سال کے معلوم ہوا کہ بکر قوم رافضی ہے۔ اب زید اپنی لڑکی کو نہیں بھیجتا۔ کہتا ہے کہ لاعلمی میں نکاح کردیا گیا اب نہیں بھیجوں گا۔ آیا ہندہ جو مذہب حنفی رکھتی ہے اس کا نکاح رافضی کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۹۲ ابو محمد باڑھ والے، ضلع جھنگ ۸ صفر ۱۳۵۳ھ م ۲۴ مئی ۱۹۳۴ء

(۳۲۷) **جواب** اگر لڑکے نے یا اس کے اولیاء نے اپنے آپ کو سنی ظاہر کیا تھا اور درحقیقت شیعہ تھے۔

تو زید کو اور اس کی لڑکی کو حق ہے کہ اس دھوکہ دینے کی بنا پر اپنی لڑکی کے نکاح کو فسخ کرالے۔ اور اگر دھوکہ دینے کی نوبت نہیں آئی تو اگر خاوند ایسے شیعوں میں سے ہے جو موجودہ قرآن مجید کو نہیں مانتے یا اس میں تحریف یا کمی زیادتی کے قائل ہیں یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر افک کی صحت کے مؤید ہیں یا حضرت علی کو خدا مانتے ہیں یا اسی قسم کے کسی اور عقیدے کے قائل ہیں تو نکاح ہی صحیح نہیں ہوا۔ اور اگر وہ تبرائی غالی شیعوں میں سے ہیں تو بوجہ فسق اور عدم امکان موافقت کے وہ نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید ایک قادیانی عقائد کے باپ کا بیٹا ہے جس نے قادیانی عقائد میں پرورش پائی اور قادیانی رہا۔ اس کی والدہ حنفی العقیدہ ہے۔ زید کا نکاح بھی ایک حنفی العقیدہ لڑکی سے ہوا۔ اور ایک ہزار روپیہ مہر مؤجل مقرر ہوا۔ اس کے بعد زید قادیانی لوگوں کی بعض حرکات سے اس قدر متنفر ہوا کہ وہ نہ صرف قادیانی مذہب سے بلکہ اسلام سے ہی بدظن ہو گیا اور آخر آریہ بن گیا۔ کچھ عرصے کے بعد مشرف باسلام ہوا۔ اب بحمد اللہ وہ عقائد حقہ رکھتا ہے اور قادیانیت سے متنفر ہے۔ مندرجہ بالا واقعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سسرال والوں نے بوجہ ارتداد اس کے نکاح کو فسخ شدہ قرار دے کر مہر کا مطالبہ کیا۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) آیا ایک حنفی العقیدہ لڑکی کا نکاح ایک قادیانی شوہر سے شرعاً جائز ہے یا فاسد و باطل؟

(۲) اگر فاسد و باطل ہے تو آیا مہر پھر بھی واجب ہے؟ (تعلقات زناشوئی کئی سال تک جاری رہے)

(۳) یہ دیکھ کر کہ حضرات علماء نے قادیانی لوگوں کے ارتداد اور خارج عن الاسلام ہونے کا فتویٰ دے رکھا ہے آیا کسی قادیانی کا اپنے مذہب کو (خواہ وہ بزعم خود اس کو اسلام سمجھتا ہو) ترک کر کے آریہ ہو جانا ارتداد عن الاسلام ہے اور اس سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے؟

(۴) صورت زیر بحث میں اگر یہ زوجین تعلقات زناشوئی کو جاری رکھنا چاہیں تو ان کے لئے تجدید نکاح ضروری ہے؟

(۵) بصورت تجدید نکاح آیا حلالہ ضروری ہے؟ یہ ملحوظ رہے کہ زید نے طلاق نہیں دی فسخ نکاح بوجہ ارتداد سمجھا جا رہا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۶۰ سید غلام بھیک نیرنگ۔ ایڈوکیٹ انبالہ۔

۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۳۰ جون ۱۹۳۴ء

(۳۲۸) **جواب** - (۱) نکاح ناجائز ہے یعنی فاسد ہے۔

(۲) اگر زوجین میں تعلقاتِ زناشوئی واقع ہو چکے ہیں تو مہر مثل لازم و واجب ہے۔

(۳) ہاں، گو قادیانیوں پر کفر کا فتویٰ ہے۔ تاہم وہ اسلام کے مدعی تو ہیں۔ تو اسلام چھوڑ کر آریہ ہو جانا ارتداد قرار دیا جائے گا۔ اور نکاح جو فاسد ہونے کی وجہ سے پہلے ہی واجب الفسخ تھا اس کا فسخ اور زیادہ مؤکد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں بطلانِ نکاح متیقن ہو گیا۔

(۴) اگر یہ زوجین تجدیدِ اسلام زوج کے بعد باہم زناشوئی کے تعلقات رکھنا چاہیں تو ان کو از سر نو نکاح کرنا لازم ہوگا۔ لیکن نکاح سے پہلے حلالہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(۵) حلالہ کی ضرورت نہیں کیونکہ حلالہ تین طلاق دینے کی صورت میں ہوتا ہے۔ نہ کہ نکاح فسخ ہونے کی صورت میں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

فرقہ شیعہ سے اہلِ سنّت والجماعۃ کی مناکحت جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۱۵ محمد مقدس (ضلع سلہٹ) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۷ جولائی ۱۹۳۵ء

(۳۲۹) **جواب** - شیعہ جو غالی ہیں یعنی ایسے اعتقاد رکھتے ہیں جن سے کفر لازم آجاتا ہے تو ان کے ساتھ مناکحت کی ایک صورت جائز ہے کہ لڑکا سُنّی ہو اور لڑکی شیعہ ہو۔ لیکن اگر لڑکی سُنّی ہو اور لڑکا غالی شیعہ ہو تو نکاح درست نہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید جبکہ اہلِ سُنّت والجماعۃ تھا اس کا نکاح ایک اہلِ سنّت والجماعۃ عورت سے ہوا تھا۔ آج وہ اپنے آپ کو مرزائی کہتا ہے اور مرزا قادیانی کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی سمجھتا ہے اب اُس کا نکاح قائم رہا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۰۸ حکیم نبی بخش (ضلع جالندھر)

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۲ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۳۳۰) **جواب** - زید کے قادیانی ہو جانے سے اس کا نکاح فسخ ہو گیا۔ کیونکہ قادیانی ہونے سے وہ مرتد ہو گیا اور ارتداد سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ عورت بذریعہ کسی مسلمان حاکم کے اس سے علیحدگی اور تفریق کا

فیصلہ حاصل کر سکتی ہے فقط محمد کفایت اللہ

سوال

ایک شیعہ لڑکا سُنی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ یہ شیعہ تفضیلی ہے جو حضرت علی کو دیگر صحابہ پر فضیلت دیتے ہیں۔ لڑکی کے رشتہ دار صرف اس وجہ سے یہ کام کرنا چاہتے ہیں کہ یہ عورت خراب ہے ناجائز طریقے سے روزی کھاتی ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ شیعہ آدمی کے نکاح میں رہے۔ عالمگیری جلد دوم صفحہ ۲۴۶ میں ہے۔ الرافضی اذا کان یسب الشیخین اویلعنہما والعیاذ باللہ فھو کافر وان کان یفضل علیاً کرم اللہ وجھہ علی ابی بکر الصدیق لایکون کافراً الا انما ھو مبتدع۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سُنی لڑکی کا ان کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۶۳۲ حافظ محمد اسحٰق (کوئٹہ) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۳۳۱) **جواب** - شیعہ اگر حضرت علی کو دوسرے صحابہ پر فضیلت دیتا ہے۔ بس اس کے علاوہ اور کوئی بات اس میں شیعیت کی نہیں ہے تو یہ کافر نہیں ہے اور ایسے شیعہ کے ساتھ سُنی لڑکی کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر شیعہ غلطی وحی یا الوہیت علی یا افک صدیقہ کا قائل ہو یا قرآن مجید میں کمی بیشی ہونے کا معتقد ہو یا صحبت صدیق کا منکر ہو تو ایسے شیعوں کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد نہیں ہوتا اور چونکہ شیعوں میں تقیہ کا مسئلہ شائع اور معمول ہے اس لئے یہ بات معلوم کرنی مشکل ہے کہ فلاں شیعہ قسم اول میں سے ہے یا قسم دوم میں سے اس لئے لازم ہے کہ شیعوں کے ساتھ مناکحت کا تعلق نہ رکھا جائے شیعہ لڑکی کے ساتھ سُنی مرد کا نکاح درست ہے۔ لیکن یہ تعلق پیدا کرنا اکثر حالات میں مضر ہوتا ہے اس لئے اجتناب ہی اولیٰ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک مسلم مرد اگر کسی اہل کتاب یہود یا نصرانی عورت سے عقد کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ درانحالیکہ مرد اسلامیت پر اور عورت نصرانیت پر قائم رہے۔ فقط

المستفتی نمبر ۸۰۵ اے۔ آر۔ جان (بمبئی) ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(۳۳۲) **جواب** - ہاں مسلمان کے لئے کتابیہ عورت یعنی یہودی یا نصرانی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ کتابیہ اپنے مذہب پر قائم رہ سکتی ہے مگر بچے مسلمان ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک شخص کا باپ احمدی ہے اور وہ خود بھی احمدی ہے۔ اس شخص کی شادی ایک اہلِ سنت والجماعۃ لڑکی سے ہوئی ہے۔ شادی ہونے سے پہلے اس شخص کے احمدی خیالات پوشیدہ تھے۔ شادی ہونے کے بعد اس نے اپنے خیالات ظاہر کیے۔ اس کا باپ اپنی احمدیت نہیں چھوڑتا ہے مگر وہ شخص توبہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور علمائے دین کے فتوے کو بھی ماننے کے لئے تیار ہے مگر اپنی زبان سے مرزا صاحب کو کافر نہیں کہتا ہے۔ اب اگر وہ اپنا قادیانی عقیدہ چھوڑ کر دائرۂ اسلام میں آتا ہے اور اپنی زبان سے مرزا صاحب کو کافر نہیں کہتا اس کو مسلمان سمجھا جائے یا نہیں اور اس کے ساتھ رشتہ داری رکھی جائے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۸۱۴ عبدالظہور خاں (ریاست جیند)

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۱۷ مارچ ۱۹۳۶ء

(۳۲۳) **جواب** - قادیانی کا نکاح اہلِ سنت والجماعۃ لڑکی سے درست نہیں ہوتا۔ اگر ایسا نکاح ہو گیا ہے تو وہ ناجائز اور باطل ہے۔ اب اگر خاوند قادیانی مذہب اور اس کے عقائد سے تائب ہو کر مذہب اہل سنت والجماعۃ اختیار کرے اور مرزا غلام احمد کو کاذب اور ضال و مضل سمجھنے لگے تو جب بھی از سر نو نکاح کی تجدید کرنی ہوگی۔ مرزا صاحب کو اپنی زبان سے کافر نہ کہے تو نہ کہے مگر یہ اقرار کرنا لازم ہوگا کہ جو علما مرزا صاحب کی تکفیر کرتے ہیں وہ حق پر ہیں۔ اس کے ساتھ اہلِ سنت والجماعۃ کے عقائد کو مانے اور ان کے اعمال میں شریک رہے تو دوبارہ نکاح کر دیا جائے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

غیر مقلد جو وہاں اہلِ حدیث کے نام سے مشہور ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ احناف کو کھانا جائز ہے یا نہیں اور غیر مقلدوں کے پیچھے احناف نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ اور ان سے شادی بیاہ لین دین جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۸۵۶ قاضی حکیم محمد نورالحق (جامراج نگر)

۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(۳۲۴) **جواب** - اہلِ حدیث غیر مقلدوں کا ذبیحہ بلاشبہ حلال ہے۔ ان کے پیچھے حنفیوں کی نماز درست ہے۔ ان سے بیاہ شادی لین دین سب جائز ہے۔ ہاں اگر حنفی کسی اختلاف یا جھگڑے کے خیال سے رشتہ ناتہ نہ کریں تو انہیں اختیار ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ایک بالغہ عورت جو اعوان قوم سے ہے جو اپنے آپ کو قریشی سمجھتے ہیں اس کو ایک غیر کفو کا آدمی جو اعوان قریشی نہیں اور نہ اُن سے اعلیٰ نسب کا ہے اغوا کر کے لے گیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ کیا یہ نکاح دُرست ہے؟ اگر درست ہے تو اس کو فسخ کرایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیا مسلمانوں کی پنچایت اس کو فسخ کر سکتی ہے؟ یا حاکمِ مجاز کی ضرورت ہے؟ اگر پنچایت نکاح فسخ کر دے لیکن اس عورت کو مرد سے واپس لینے پر قادر نہ ہو اور وہ مرد اس سے وطی کرے تو وہ حلال ہوگی یا حرام؟

المستفتی نمبر ۱۰۱۱ نور محمد صاحب (ضلع گوجرانوالا) یکم ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۲ جون ۱۹۳۶ء

(۳۳۵) **جواب** - اعوان کا اپنے آپ کو قریشی سمجھنا قریشی ہونے کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ اس کا ثبوت ضروری ہے کہ اعوان قریشی ہیں۔ پھر دوسرے شخص نے جو اعوان میں سے نہیں ہے۔ اگر اعوان عورت سے بدون اجازت اولیا کے نکاح کر لیا اور عورت بالغہ تھی تو نکاح ظاہر روایت کی بنا پر منعقد ہو گیا۔ پھر اگر یہ شخص عورت کے خاندان سے اس قدر کم درجے کا ہو کہ عام طور پر ان میں مناکحت نہ ہوتی ہو اور عار سمجھی جاتی ہو تو اولیائے عورت کو اعتراض کا حق ہے۔ وہ نکاح کو بذریعہ حاکمِ مجاز کے یا ایسی پنچایت کے جس کے فیصلے اس بارے میں عام طور پر مقبول و نافذ ہوتے ہوں فسخ کرا سکتے ہیں۔ اگر ایسی پنچایت موجود نہ ہو تو انگریزی عدالتوں کے مسلمان جج کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔ اس فیصلۂ فسخ کے بعد اگر خاوند عورت کو علیحدہ نہ کرے تو حرام کا مرتکب ہوگا۔ فیصلۂ فسخ سے پہلے وہ زنا کا مرتکب نہیں ہے۔ متاخرین کا فتویٰ کہ نکاح منعقد نہیں ہوتا معلل بعلت فسادِ زمان ہے۔ جو خود بتاتا ہے کہ وہ ایک زجر و انتظام کا فتویٰ ہے۔ نہ یہ کہ حلت و حرمت کی بنیاد اس پر قائم کی جا سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

زید کا مذہب ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ وغیرہ یہ تمام کافر تھے۔ نعوذ باللہ اور منافق تھے اور اس کا عقیدہ تمام اہل شیعہ کا ہے۔ اس کے ساتھ اہلِ سنت عورت کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس کی لڑکی یا لڑکا بالغ ہو یا غیر بالغ؟

المستفتی نمبر ۱۰۸۵ قاضی اللہ بخش صاحب (ملتان) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء

(۳۳۶) **جواب**۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو اس کے ساتھ سُنّی لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس کی لڑکی سے سنّی مرد نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن ایسے غالی شیعوں کے ساتھ تعلقاتِ مناکحت رکھنا مصلحت نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کے دادا اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ میں سنت والجماعۃ ہوں۔ مگر انھوں نے اپنا نکاح ایک عورت شیعہ یعنی عورت رافضی سے کیا ہوا ہے اور اس رافضی عورت سے چار بچے ہیں۔ اور انھوں نے اپنی لڑکیوں کی شادیاں بھی شیعہ لوگوں میں کر رکھی ہیں اور زید کا کہنا ہے کہ میں شیعہ نہیں ہوں سنّت جماعت ہوں۔ حالانکہ اس نے اپنی شادی بھی ایک عورت شیعہ سے کر رکھی ہے اور ملنا جلنا خلط ملط سب کا اسی طرح ہے کوئی فرق نہیں ہے۔ زید کہتا ہے کہ میں سنت والجماعۃ ہوں۔ اور ایک سنّت جماعت حنفی المذہب کے ہاں رقعہ اپنی شادی کا بھیجا ہے اور شادی سنّت جماعت میں کرنی چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں اس لڑکے سے سنّت جماعت کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا۔ جو اولاد رافضی کے تخم سے پیدا ہوئی اور وہیں پرورش پائی وہ کون ہوئی۔ رافضی ہوئی یا سنت والجماعت ہوئی۔ شیعہ لوگوں میں دھوکہ دینا جائز کر رکھا ہے۔ اپنی مطلب برآری کے واسطے جس کو وہ لوگ تقیہ کہتے ہیں۔ آیا شرعاً کیا حکم ہے ؟

المستفتی ۱۳۵۳ محمد دین صاحب دہلوی۔ ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۷ء

(۳۳۷) **جواب**۔ شیعوں کے بہت فرقے ہیں۔ بعض فرقے کافر ہیں۔ مثلاً جو حضرت علی رضؓ کی الوہیت یا حلول کا اعتقاد رکھتے ہیں یا غلط فی الوحی یا افک عائشہ صدیقہ رضؓ یا قرآن مجید میں کمی زیادتی کے قائل ہیں۔ ایسے شیعوں کے ساتھ رشتہ کرنا ناجائز ہے اور جو لوگ کہ حدِ کفر تک نہیں پہنچتے ان کے ساتھ مناکحت جائز ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شیعوں کے یہاں تقیہ کا مسئلہ ہے اور اس بنا پر ان کے خیالات اور عقائد کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ اور جو شخص اس بات سے واقف ہے وہ شیعوں میں رشتہ ناتہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ہندہ نابالغہ کا نکاح اس کے باپ نے ایک شخص سے کیا جو شیعہ تھا اور اس نے بہ ظاہر کیا کہ

میں سنی ہو گیا ہوں - اس کے اس کہنے پر کہ میں سنی ہو گیا ہوں ہندہ کے والد نے نکاح کر دیا - لیکن ہندہ ابھی رخصت بھی نہ ہونے پائی تھی کہ معلوم ہوا وہ شخص سنی نہیں ہوا بلکہ شیعہ ہی ہے اور سخت قسم کے شیعہ ہیں - اب جبکہ لڑکی بالغ ہوئی اور اس نے اپنے شوہر کے یہاں جانے سے اس بنا پر انکار کیا کہ وہ شیعہ ہیں اور اختلاف مذہب رکھتے ہیں پس ایسی حالت میں کہ یہ لوگ قرآن شریف کے پندرہ پاروں کو مانتے ہیں اور پندرہ سیپاروں کو نہیں مانتے اور شیعہ بھی سخت قسم کے ہیں - ہندہ نابالغہ کا نکاح شیعہ کے ساتھ ہوا یا نہیں - اگر ہو گیا تو اب چھٹکارے کی کیا صورت ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۵۴۴ عبداللہ خاں (ضلع میانوالی) ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۸ جون ۱۹۳۷ء

(۳۳۸) **جواب** - اگر یہ صحیح ہے کہ وہ شخص قرآن مجید کے پندرہ پاروں کو کلام الٰہی نہیں مانتا تو ایسے شخص کے ساتھ سنیہ لڑکی کا نکاح درست ہی نہیں ہوا اور اس کو حق ہے کہ وہ بغیر طلاق حاصل کئے دوسرا نکاح کرلے - ہاں قانونی مواخذہ سے محفوظ رہنے کے لئے حاکم سے اجازت حاصل کر لینا لازم ہے اگر وہ اس بات سے انکار کرے یعنی کہے کہ میں سارا قرآن کلام خدا سمجھتا ہوں جب بھی لڑکی کو حق ہے کہ وہ اختلاف مذہب اور دھوکہ دہی کی وجہ سے اپنا نکاح فسخ کرالے کیونکہ سنیہ عورت اور غالی شیعہ کے درمیان نباہ نہیں ہو سکتا - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

ایک عورت بالغہ ہے اس کی ماں نے اس عورت کا نکاح باوجود باپ کے ہوتے ہوئے بلا اس کا ذکر کیے ہوئے کہ خاوند کس مذہب کا ہے قاضی سے پڑھوا دیا - اس نکاح کے ہو جانے کے بعد معلوم ہوا کہ خاوند شیعہ مذہب کا ہے اور سب شیخین کرتا ہے عورت نے انکار کر دیا ہے اور کسی طرح بھی رضامند نہیں ہے اور باپ بھی عورت منکوحہ کے ساتھ ہے - موجودہ صورت میں نکاح قائم رہے گا یا فسخ ہوگا -

المستفتی نمبر ۱۵۸۸ محمد احمد صاحب (علی گڑھ) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(۳۳۹) **جواب** - ماں کو بالغہ لڑکی کا نکاح کر دینے کا کوئی حق نہیں تھا اور اگر بالغہ لڑکی کو اس کے ہونے والے خاوند کے مذہب سے ناواقف رکھا گیا اور اس سے اذن حاصل کر لیا گیا تو یہ نکاح بھی لڑکی کے انکار کر دینے پر واجب الفسخ ہے - بذریعہ عدالت فسخ کرا لینا چاہئے - فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

شیعہ لڑکی کا نکاح اہلِ سُنت مرد سے اور سُنی عورت کا نکاح شیعہ مرد سے جائز ہے یا نہیں؟
المستفتی عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور (ضلع میرٹھ)

(۴۴۰) **جواب** ۔ شیعہ لڑکی کا نکاح اہلِ سنت مرد سے جائز ہے۔ اگرچہ مناسب اور بہتر نہیں ہے۔ سنی عورت کا نکاح شیعہ مرد سے جائز نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص مسلمان اہلِ سنت والجماعت نے اپنی لڑکی مسلمان اہلِ سنت کا عقد ایک مرزائی قادیانی کے مرزائی لڑکے کے ساتھ دیدہ و دانستہ باوجود منع کرنے ایک عالم کے کر دیا۔ برادری کے تمام لوگ مرد و زن اس شادی میں شریک ہوئے اور عقد پڑھایا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ عقدِ نکاح جائز ہے اور نکاح ہو گیا یا نہیں؟ المستفتی ۱۹۷۶ مولوی محبوب عالم صاحب (بھٹنڈہ)
۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۴۱) **جواب** ۔ حنفی سنی لڑکی کا نکاح مرزائی مرد کے ساتھ جائز نہیں۔ نکاح کرنے والے اور شریک ہونے والے سب گنہگار ہوئے۔ اس نکاح کی تفریق کرانی لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنی نابالغہ لڑکی کا ایک دوسرے گاؤں کے باشندے عمرو کے نابالغ لڑکے سے بولایت عمرو نکاح کر دیا۔ زید کا نسبی تعلق قریشی خاندان سے ہے۔ بعد میں زید کو جب یقینی طور پر ثابت ہوا کہ عمرو قوم میراسی سے ہے تو اس نے لڑکی دینے سے انکار کر دیا۔ اب لڑکی اور لڑکا دونوں بالغ ہیں۔ لڑکے اور لڑکے کے باپ کی طرف سے اصرار ہے اور لڑکی اور اس کے والدین کی طرف سے برابر انکار ہے۔ المستفتی ۲۰۴۴ عبداللطیف صاحب۔ چکوال (جہلم) ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۴۲) **جواب** ۔ اگر لڑکے والوں نے اپنا نسب قریشی بتایا تھا اور بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ قریشی نہیں ہیں یعنی ان کا سلسلۂ نسب قبیلۂ قریش کے کسی خاندان تک نہیں پہنچتا تو اس صورت میں لڑکی اور اس کے اولیا کو حق ہے کہ اس نکاح کو فسخ کرالیں کیونکہ لڑکے والوں کی طرف سے دھوکہ دیا گیا ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) زید مذہباً شیعہ تھا اور ہندہ جو اس کی چچا زادہ ہے وہ مذہب اہل سنّت ہے اور زید نے مذہب شیعہ سے روبرو گواہان کے توبہ کرلی ہے۔ اور رشتہ دار اس کے جو شیعہ تھے انھوں نے بھی توبہ کرلی ہے اور کلمہ کی تجدید بھی کرالی ہے، اور زید کو قرآن سر پر اُٹھا کر حلف کو کہا گیا ہے اس نے منظور کرلیا ہے۔ بعد کو صرف حلف منظور کرنے اور آمادہ ہوجانے پر اعتبار اور یقین کرلیا ہے اور اس مجلس میں زید کے توبہ کرنے کے متعلق اور تجدید کرانے کے متعلق دعائے خیر اس لئے مانگی گئی کہ اللہ تعالےٰ اس کو اس مذہب اہل سنت والجماعت پر مستقیم رکھے بعد توبہ وغیرہ کے زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ روبرو دو گواہان جو کہ پہلے شیعہ تھے بعد کو سنت والجماعۃ ہوئے جو کہ زید کے رشتہ دار تھے مطابق شرع شریف کے کیا گیا۔ کیا نکاح زید کا ہندہ سے درست ہے یا نہیں؟

(۲) صورتِ مذکورہ میں بعد نکاح ہوجانے کے ایک مولوی فارسی داں نے شور مچایا کہ نکاح زید و ہندہ کا نہیں ہوا۔ کیونکہ زید شیعہ ہے اور گواہ بھی شیعہ ہیں۔ پھر اس مولوی صاحب کو کہا گیا کہ انھوں نے شیعہ سے توبہ کرلی ہے۔ پھر مولوی صاحب نے کہا کہ اگر توبہ کرلی ہے تو میرے سامنے حلف اُٹھاؤ پھر زید نے اس کے سامنے حلف اُٹھائی۔ اس مولوی نے زید کی قسم پر اور توبہ پر اعتبار نہیں کیا۔ المستفتی نمبر ۲۱۰۷ مولوی مولا بخش (ملتان) ۸ رشوال ۱۳۵۶ھ م ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۳۴۳) **جواب** - (۱) اگر زید نے فی الحقیقت شیعہ مذہب سے توبہ کرلی ہے اور مذہب اہلِ سنّت والجماعۃ قبول کرلیا تو اس کا نکاح ہندہ سنیہ سے درست ہوگیا اور اگر خدانخواستہ بعد میں وہ پھر شیعہ ظاہر ہو تو نکاح فسخ ہوسکے گا۔ فقط

(۲) اگر ان لوگوں نے حلف کرکے توبہ کرلی ہے تو ان کا اعتبار کرلینا جائز تھا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

میں پہلے غیر قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن عرصہ ۳۵ سال کا ہوا کہ میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوا۔ اور اب تک اسلام کی خدمت کرتا چلا آیا ہوں اور بفضلہ تعالےٰ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہوں اور بیوی بھی ایک مسلمان صاحب ایمان اللہ بخش کی لڑکی ہے جو صوم و صلوٰۃ کی پابند ہے۔ میرا ایک لڑکا ہے اور

ایک لڑکی ہے جس کی عمر تقریباً دس سال کی ہے اور قرآن شریف پڑھ رہی ہے۔ میں اپنے لڑکے کی شادی ایک جگہ کرنا چاہتا ہوں اور لڑکی والے بھی بالکل تیار ہیں لیکن ان کے کچھ رشتہ دار کچھ ایسے جاہل ہیں جو اُن کو ورغلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ نومسلم ہے ان کو لڑکی نہیں دینی چاہئے تو ایسے لوگ جو اس نیک کام میں رخنہ ڈالیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۱۰۸ شیخ عبدالرحمن صاحب (دہرہ دون)

۸ رشوال ۱۳۵۶ھ م ۱۲ ردسمبر ۱۹۳۷ء

(۳۴۴) **جواب**۔ نومسلم جو نیک صالح اور صوم و صلوٰۃ کے پابند ہوں ان کو لڑکی دینا جائز، بلکہ موجب اجر و ثواب ہے۔ جو لوگ کہ اس نیک کام میں رخنہ اندازی کرتے ہیں۔ وہ سخت گنہگار ہوں گے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مقلد کا نکاح غیر مقلد کے ساتھ جائز ہے یا نہیں اور کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں۔ معروض یہ ہے کہ میں حنفی ہوں اپنی لڑکی کی کسی غیر مقلد عالم سے شادی کر دی اس پر کوئی عالم ظاہر کرتا ہے کہ وہ حنفی عالم کافر ہو گیا کیونکہ غیر مقلد کافر ہے۔ اس کے ساتھ جس نے نکاح دیا وہ بھی کافر ہے۔ اس کے ساتھ جو چلے گا اور ملت کرے گا وہ بھی کافر ہے۔ ان لوگوں سے سلام کلام بند کرو۔ المستفتی نمبر ۲۲۲۱ مولوی عبدالکریم صاحب (بنگال) ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۴ رجنوری ۱۹۳۸ء

(۳۴۵) **جواب**۔ غیر مقلدوں کو صرف ترک تقلید کی بنا پر کافر کہنا صحیح نہیں اور پھر کسی شخص کو اس بنا پر کہ اس نے اپنی لڑکی غیر مقلد کو شادی کر کے دیدی کافر کہنا غلط در غلط ہے۔ کافر بتانے والے سخت گنہگار ہیں ان کو توبہ کرنی چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک عورت نومسلمہ نے ایک نورباف سے شادی کر لی اس سے تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ایک لڑکی کی شادی اس نے اسی برادری میں کر دیا جس سے لڑکے کے عزیز و اقارب بیحد خوش ہیں لڑکی نہایت پرہیزگار ہے لیکن اب کچھ لوگ اس کی دوسری لڑکی سے شادی کرنے میں گریز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے کفو نہیں ہے اور اس سے کفارۃ و نسل خراب ہو جائے گی۔ پس اس صورت میں چند امور دریافت طلب ہیں۔ نسب باپ سے شمار ہوتا ہے یا ماں سے۔ ہندوستان میں کون کس کا

کفو ہے کیا محض زبانی دعوے سے کفو کا اعتبار ہوگا۔ دراں حالیکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ دو تین پشت کا حال معلوم کر کے اپنے کو اہل برادری شمار کرنے لگتے ہیں۔ نومسلمہ یا وہ لڑکی جس کی ماں صرف نومسلمہ ہے اور باپ قدیم الاسلام ہے ان سے نکاح کرنے کو معیوب سمجھنا اور پرہیز کرنا کیسا ہے۔ اور جو شخص اُن کے ساتھ مناکحت اور اچھے سلوک سے پیش آئے وہ عنداللہ ماجور ہوگا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۶۷ مولانا محمد یاسین صاحب مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور ضلع اعظم گڑھ
۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء

(۳۴۶) **جواب** ۔ نسب کا شمار باپ سے ہوتا ہے۔ ماں نومسلمہ ہے اور باپ قدیم الاسلام تو یہ لڑکی غیر کفو نہیں ہے۔ اس سے شادی کرنا نہ صرف جائز بلکہ ترغیباً فی قبول الاسلام بہتر ہے۔ جو لوگ اس میں مزاحم ہیں، وہ ایک اہم اسلامی مصلحت کو نقصان پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سوال

زید نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح بکر سے کیا لیکن ایک عرصہ گزرنے کے بعد اب جبکہ زید کی دختر بالغ ہوئی زید کو معلوم ہوا کہ بکر اور بکر کے والدین فسق و فجور، زناکاری اور حرام کاری میں مبتلا ہیں حتّٰی کہ بکر بحالت بلوغیت اپنی والدہ کی حرامکاری اور عفت و عصمت فروشی میں ایک طویل عرصے تک اپنے والدین کا مدد و معاون رہا اور خود بھی وہی حرام کی کمائی کھاتا رہا۔ زید چونکہ نہایت شریف اور نجیب الطرفین خاندان کا فرد ہے اس کی دختر نیک اختر اپنی خاندانی روایات سے متاثر ہو کر بکر کے گھر جانے کے لئے مطلق رضامند نہیں ہے۔ اس کا یہ ظن غالب ہے کہ جس شخص نے دیدہ و دانستہ باصحتِ نفس و ثباتِ عقل جب اپنی حقیقی والدہ کے ساتھ یہ ناروا سلوک کیا تو وہ اپنی بیوی کو بھی یقیناً حرام کاری پر مجبور کرے گا اور اس کی آمدنی سے اپنا دوزخ شکم پُر کرے گا۔ لہٰذا بموجب حکم شرع شریف کے ان واقعات و حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے زید کی دختر کو بکر کے ساتھ رخصت کر دینا جائز ہوگا یا ناجائز؟

المستفتی نمبر ۲۵۱۵ شیخ عبدالحامد صاحب (دہلی)
۱۷ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۹ء

(۳۴۷) **جواب** ۔ اگر کوئی شخص نادانستگی کی حالت میں اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دے یہ سمجھ کر کہ

زوج صالح ہے بعد میں ثابت ہو کہ زوج فاسق ہے اور لڑکی بالغہ ہو کر اس نکاح سے ناراضی ظاہر کر دے تو یہ نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے۔

رجل زوج بنته الصغيرة من رجل على ظن انه صالح لايشرب الخمر فوجده الاب شريباً مدمنا وكبرت الابنة فقالت لا ارضى بالنكاح ان لم يعرف ابوها بشرب الخمر وغلبة اهل بيته الصالحون فالنكاح باطل اى يبطل وهذه المسئلة بالاتفاق (كذا فى العالمگيرية ص۳۶۱) پس صورت مسئولہ میں لڑکی اور اس کے اولیاء اس نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں کیونکہ عدم کفاءت کی بنا پر جو تفریق کرائی جائے اس کے لئے قضا شرط ہے۔ ولايكون التفريق بذلك اى بعدم الكفاءة الا عند القاضى اما بدون فسخ القاضى فلا ينفسخ النكاح بينهما۔ عالمگیریہ۔ قلت وهذا معنى قوله اى يبطل فى العبارة المقدمة اى يبطل بفسخ القاضى۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

اہل سنت سید زادی غیر سے منسوب ہو سکتی ہے یعنی شیخ مغل پٹھان سے شادی جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی ۲۵۷۷ اسحاق علی بخاری (لاہور) ۷ صفر ۱۳۵۹ھ م ۱۷ مارچ ۱۹۴۰ء

(۳۴۸) **جواب** ۔ سید زادی نسباً قریش کے قبیلہ سے ہے اور قریش باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں اس لئے سید زادی کا نکاح صدیقیوں، فاروقیوں، عثمانیوں، عباسیوں اور زبیریوں جعفریوں اور دیگر قبائل قریش کی طرف منسوب جماعتوں کے افراد سے ہو سکتا ہے۔ قریش کے علاوہ کسی دوسرے عربی یا عجمی مسلمان سے اگر خود عورت (سید زادی) اور اس کے اولیاء راضی ہوں تو ہو سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

کمترین کو مع اہلیہ دین اسلام قبول کیے ہوئے ۲۳ سال ہوئے۔ اسی مدت میں کمترین کے دو لڑکے ہوئے جن کی عمر ۱۷۔ ۱۹ سال کی ہے۔ ان کی شادی کے لئے مسلمانوں میں پیام بحیثیت مسلمان ہونے کے دیا گیا تو بعض حضرات جن کو اپنی علمیت دینی کا دعویٰ ہے فرماتے ہیں کہ نو مسلم کی اولاد کا نو مسلم کی اولاد سے ہی رشتہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس فتوے سے شادی کالعدم ہو گئی۔

المستفتی نمبر ۲۵۸۴ عبدالرحمن مدرس مدرسہ عثمانیہ (حیدر آباد دکن) ۲۲ صفر ۱۳۵۹ھ م یکم اپریل ۱۹۴۰ء

(۳۴۹) **جواب** - نومسلم کی اولاد کی شادی ہر مسلمان کی اولاد سے ہو سکتی ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ نومسلم کی اولاد کی شادی نومسلم کی اولاد کے ساتھ ہو۔ جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ نومسلم کی اولاد کی شادی نومسلم کی اولاد سے ہونا چاہئے، وہ جاہل اور اسلامی احکام سے ناواقف ہے۔ شریعتِ مقدسہ اسلامیہ نے ہر مسلمان کو خواہ وہ موروثی مسلمان ہو یا نومسلم ہو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ اور ہر مسلم اور نومسلم ایک دوسرے سے مناکحت کا رشتہ کر سکتے ہیں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ جو مسلمان اپنے نومسلم بھائی کو رشتہ دے گا وہ دوہرے ثواب کا مستحق ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک عورت ہندہ نے خلافِ واقعہ باغوار چند اشخاص جو بدنیتی سے اپنے کسی عزیز کے ساتھ عقد کرنا چاہتے ہیں اپنے شوہر پر مظالم و عدم ادائے حقوق زوجہ کا دعویٰ عدالت منصفی میں کرکے فسخ نکاح کی درخواست کی ہے جبکہ عورت اس دعوے میں بالکل خلاف واقع اور جھوٹ کہتی ہو تو ایسی صورت میں کیا بحکم حاکم فسخ نکاح شرعاً ہو سکتا ہے یا نہیں اور در صورت فسخ نکاح اگر وہ عورت از قوم حجام ہو پھر وہ اپنا نکاح بلا مرضی اولیار غیر کفو مثلاً قصاب سے کرے ایسی صورت میں اولیاء کو فسخ نکاح کا حق ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۶۶۳ چودھری عبدالعزیز صاحب (امروہہ۔ مراد آباد) ۲۴ صفر ۱۳۶۰ھ م ۲۳ مارچ ۱۹۴۱ء

(۳۵۰) **جواب** - اگر عورت کا دعویٰ غلط اور خلافِ واقع ہے تو شوہر کو لازم ہے کہ وہ حاکم پر یہ بات واضح کردے اور عورت کے بیان کی غلطی ثابت کردے تاکہ حاکم عورت کو ڈگری نہ دے لیکن اگر حاکم پر عورت کے بیان کی غلطی واضح نہیں ہوئی اور اس نے عورت کو سچا سمجھتے ہوئے نکاح کو فسخ کردیا تو قضاءً یہ فسخ صحیح ہوگا مگر خدا کے نزدیک عورت اور جھوٹا دعویٰ کرنے والے اور اغوا کرنے والے سب گنہگار ہوں گے۔ اور اگر فسخ کے بعد عورت عدت گذار کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلیگی تو نکاح بشرط کفارت و مہر مثل صحیح ہوگا۔ پیشہ کے لحاظ سے کفارت کا فقہار نے اگرچہ اعتبار کیا ہے مگر متقارب پیشوں کو باہم کفو بھی مانا ہے اور اس صورت میں عورت کے اولیار عدم کفارت کے عذر سے نکاح کو فسخ نہ کراسکیں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک بالغہ کنواری لڑکی اہلِ سنت کو ایک شیعہ نے ورغلا کر اغوا کر لیا اور دوسری کسی گمنام جگہ لے جا کر نکاح کیا۔ تین چار مہینوں کے بعد لڑکی کے وارث ممکن ذرائع سے لڑکی کو واپس لائے۔ شریعت کی طرف رجوع کرنے پر پیر مہر علی شاہ مرحوم وغیرہم جیسی ہستیوں اور دو تین علماء کرام نے متفقہ حکم دیا کہ اہلِ سنت اور شیعہ کا نکاح جائز نہیں۔ اس واقعہ کو عرصہ تقریباً بیس سال کا ہو گیا جبکہ اس عورت کا نکاح پڑھا گیا دیگر اہلِ سنت کے ساتھ۔ اب اس وقت اس عورت سے اہلِ سنت مسلمان کے (جس کے ساتھ سنّت طریقے پر روبرو گواہان کے نکاح خواں نے بعد ہر طرح تسلی اور حلف از روئے قرآن مجید کے نکاح پڑھا تھا) پانچ بچے ہیں۔ سب سے بڑی لڑکی بھی بالغہ ہو گئی ہے۔ اب پہلا شخص بطور ضد اور شرارت کے کہتا ہے یا واللہ اعلم اس کا ایمان کیا ہے لیکن اب وہ علانیہ کہتا ہے کہ میں اہلِ سنّت والجماعۃ ہوں اور اس وقت بھی میں اہل سنت والجماعۃ تھا۔ تو اب اتنے عرصے کے بعد اس کے حمایت کرنے والے دیگر علماء لا کر فیصلہ کراتے ہیں کہ یہ دوسرا نکاح ناجائز ہے۔ اب چونکہ جن علمائے کرام نے اس وقت حکم جدید یا نکاح ثانی کا دیا تھا وہ انتقال کر چکے ہیں اور بچوں کا باپ سخت نالاں اور پریشان ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں۔ کہ یہ کیسی شریعت ہے اور اسلام کا کیا حکم ہے کہ جب ایک دفعہ وہی شریعت حکم دیتی ہے اور شیعہ کے ساتھ نکاح ناجائز قرار دیکر بعد تحقیقات کے مجھے نکاح کا حکم ملتا ہے۔ اب جبکہ میں پانچ بچوں کا باپ ہوں تو پھر وہی شریعت میرا نکاح ناجائز بتاتی ہے اس لئے مجبور ہو کر جناب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کہ فتنۂ ارتداد کا ڈر ہے۔

المستفتی نمبر ۲۶۶۷ جناب ملک امام دین صاحب (کراچی)، ۷ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ م ۵ مئی ۱۹۴۱ء

جواب (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) شیعہ مذہب تبرائی والے کا سکوت دعوے سے اس قدر طویل زمانہ تک کہ پہلی اولاد ثانی زوج کی بالغہ بھی ہو گئی ہے دلیل وسند ہے اس بات کی کہ یہ شخص شیعہ ہی ہے اگر اہلِ سنت والجماعۃ ہوتا تو نکاح ثانی کی خبر سنتے ہی دعوی کرتا اپنے نکاح کے منعقد ہو جانے کا اور دوسرے نکاح کے باطل ہو جانے کا لیکن جب اس نے دعوی نہیں کیا تو یہ سکوت و دعوی نہ کرنا اقرار ہے اس کی طرف سے اپنے مذہب کے شیعہ

ہونے کا لہٰذا اس کا دعویٰ اہلِ سنت والجماعۃ ہونے کا غیر معتمد ہے بوجہ تناقض کے اور اس کا دعویٰ قابلِ سماعت نہیں اور اس عورت کا نکاح ثانی صحیح ہے اور اس کی اولاد شوہرِ ثانی سے حلال کی ہے۔ ر ۲۸ یبیع عرضا او دارا فتصرف فیہ المشتری زمانا وھو ساکت تسقط دعواہ۔ رد المحتار جلد ثالث ص ۴۸۶ فقط واللہ اعلم اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(۳۵۱) **جواب** (از حضرت مفتی اعظمؒ) ۔جس وقت شریعت کا فیصلہ ہوا تھا اور ثالثوں نے اس کو شیعہ قرار دے کر عدم جوازِ نکاح کا حکم دیا تھا اسی وقت اس کو لازم تھا کہ اپنا سُنّی ہونا ثابت کرتا اور شیعیت سے تبری کرتا۔ مگر اُس وقت وہ خاموش رہا اور اس کی بیوی کا دوسرا نکاح ہوا اور ایک زمانہ گذر گیا مگر یہ نہ بولا تو اب اس کا اپنے کو سُنّی بتانا اور بقاء نکاح سابق کا ادعا کرنا ناقابلِ قبول ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) ایک بیوہ سیّد زادی اپنی رضا و رغبت سے ایک غیر سیّد سے شرعاً نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(۲) ایک بیوہ سیّد زادی زمانہ کی مجبوریوں سے غیر کفو میں نکاح کرنا چاہتی ہے۔ مگر اس کا دیور محض تعصبِ نسلی اور اس کو تکلیف دینے کے لئے مانع ہے۔ کیا وہ بھاوج کو نکاحِ ثانی سے جبراً روکنے کا حق رکھتا ہے اور تعصب نسلی مشروع ہے۔ المستفتی نمبر ۲۷۰۰ حافظ رحیم بخش صاحب جہلم (پنجاب)

۹ محرم ۱۳۶۱ھ م ۲۷ جنوری ۱۹۴۲ء

(۳۵۲) **جواب** ۔(۱) سیّد زادی کے لئے تمام غیر سید غیر کفو نہیں ہیں۔ بلکہ سیّد زادی کے لئے تمام صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، عباسی، زبیری یعنی شیوخ قریشی کفو ہیں۔ ان میں سے وہ کسی کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ اور سیدزادی بالغہ غیر کفو میں اولیاء کی رضامندی سے یا اس کے اولیاء میں کوئی نہ ہو تو اپنی مرضی سے نکاح کر سکتی ہے۔

(۲) دیور ولی نہیں ہے اور اس کی رضامندی یا نارضامندی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ولی سے مراد عورت کے باپ دادا، بھائی، چچا، تایا وغیرہم یعنی باپ کے خاندان کے عصبات ہیں۔ اور ان میں سے جو قریب تر ہو اس کی اجازت اور عدم اجازت پر حکم ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک کسبی کی ایک لڑکی حرام سے ہے۔ جواب قریب سنِ بلوغ کو پہنچنے کے ہے۔ لیکن ابھی وہ بالکل پاک ہے۔ اُس کی ماں کا قصد ہے کہ اس لڑکی کو اس فعل سے بچائے اور بدین وجہ اس کی ماں مع اپنی اور بہنوں کے بالکل بُرے فعل ہی سے نہیں بلکہ ناچنے گانے وغیرہ سے بھی تائب ہوگئی ہین۔ یہ دیکھ کر ایک شریف مسلمان سیّد نے اُس لڑکی سے عقد کر لیا ہے۔ اب اس کی برادری والے اس غریب سیّد کو اس لئے کہ اُس نے حرام کی لڑکی سے نکاح کر لیا ہے اپنی برادری سے نکالنا چاہتے ہیں اور تنگ کر دیا ہے۔ لہٰذا اول اس لڑکے کا یہ فعل خلافِ شرع ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو لوگ اب اس کو ہر طرح سے تنگ کر کے مجبور کرتے ہیں کہ وہ یا تو طلاق دیدے ورنہ اور بھائیوں کی جہاں شرفا میں نسبتیں ہوئی ہیں وہ چھٹا دی جائیں گی۔ ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

(۳۵۳) **جواب**۔ لڑکی جو حرام سے پیدا ہوئی ہے اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یعنی زنا کا گناہ اس کے والدین سے ہوا ہے اور وہی اس کے مواخذہ دار ہیں۔ ہاں لڑکی کے نسب میں قصور ضرور ہے کہ وہ ولدالزنا ہے اس لئے اگر کوئی شریف النسب اس سے نکاح نہ کرے تو اس کو اس کا اختیار ہے لیکن اگر کوئی شریف لڑکا اس سے نکاح کر لے تو وہ نکاح جائز ہے۔ کیونکہ زوجہ کے شریف نہ ہونے سے نسب میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ لان النسب للآباء۔ اور جبکہ لڑکے کا قصد اس کے ساتھ نکاح کرنے سے یہ بھی ہو کہ وہ زنا اور بُرے افعال سے عفیفہ ہو جائے گی تو لڑکے کے لئے ثواب کی بھی اُمید ہے۔ پس نکاح مذکور جائز اور نافذ ہے۔ اور جو لوگ کہ اس نکاح کو فسخ کرانے کی سعی کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ اور اگر اُن کا مقصد کوئی اور امر مذموم ہو تو وہ گنہگار بھی ہوں گے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

ہندہ ایک ہندو مرد کی زوجہ تھی۔ اس نے اپنے مرد کی زیادتیوں کی وجہ سے اس کے ساتھ رہنا ترک کر کے دوسرے شہر میں سکونت اختیار کی۔ بعدہٗ دینِ اسلام قبول کیا۔ جس کو زمانہ قریب ڈیڑھ سو سال سے زیادہ کا ہوتا ہے۔ اب وہ ہندو شوہر عدالت سے قبضہ عورت کی استدعا کرتا ہے۔ کیا وہ ہندو شوہر اس مسلمان عورت کا قبضہ پا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۷۳۶ دین محمد (ترلام) ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۶ فروری ۱۹۳۶ء

(۳۵۴) **جواب**۔ مسلمان عورت ہندو مرد کی زوجہ نہیں رہ سکتی۔ اسلامی احکام اس کے متعلق بہت صاف اور واضح ہیں جبکہ عورت کے اسلام لانے پر ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے تو عدت بھی گزر چکی ہوگی۔ اور عدت کے گزر جانے کے بعد غیر مسلم مرد کو مسلمہ عورت پر کوئی حق زوجیت باقی نہیں رہتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک پیر صاحب اپنے دادا پر اس طرح درود پڑھاتے ہیں۔ اللھم صل علی محمدٍ الزمان السندی اللواری۔ اپنے دادا کے نام کے ساتھ جل جلالہ وجل شانہ کہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ایک قصبہ کو مکہ اور اس کے نزدیک ایک گاؤں کو مدینہ اور ایک کنوئیں کو چاہِ زمزم اور ایک میدان کو عرفات اور ایک قبرستان کو جنۃ البقیع کے نام سے موسوم کرکے ۹ ذی الحجہ کے دن ۳ بجے ایک کثیر اجتماع کے سامنے ایک بڑے ممبر پر خطبۂ حج پڑھتے ہیں اور بطور سند مریدوں کو حج مبارک کا سرٹیفکٹ دیتے ہیں۔ اور اپنے دادا کے مقبرہ کا طواف وسجدہ کراتے ہیں وغیرہ۔

(۱) ایسے پیر اور اُن کے مُریدوں سے رشتہ ناتا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ (۲) اور جن سے رشتہ ناتا ہو چکا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۶۶۱ احمد صدیق مدیر اخبار "رہبرِ سندھ" کراچی۔ ۵ اگست ۱۹۳۷ء م ۲۷ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ

(۳۵۵) **جواب**۔ یہ پیر اور اُس کے مرید جو ان عقائدِ شنیعہ کے معتقد ہوں ملحد اور زندیق ہیں۔ ان زنادقہ سے علیحدہ رہنا واجب ہے اور ایسے فاسد العقیدہ لوگوں سے رشتہ ناتا کرنا ناجائز ہے لیکن اس کے اقارب میں سے اگر کوئی شخص ان عقائدِ شنیعہ کا معتقد نہ ہو تو محض پیر کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اس پر یہ حکم عائد نہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

آپ کا فتویٰ موصول ہوا تھا اس کو دیکھ کر ایک شخص نے اعتراض کیا ہے کہ اہلِ سنت والجماعۃ کو ایسا فتویٰ دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ چونکہ اہلِ سنت کے نزدیک ہر مسلم مومن ہے، اور ہر مومن کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ اور مومن یا مسلم کی شناخت یہ ہے کہ وہ تین اصول کا قائل ہو۔ توحید، رسالت، قیامت، شیعہ علی العموم تین اصول کے قائل ہیں لیکن اس فتوے میں مفتی صاحب نے صاف نہیں کیا ہے۔ چونکہ شیعہ غالی نصیری کو کہتے ہیں اور تفضیلیہ اہلِ سنت والجماعت کا مذہب ہے جس

مذہب سے اصل میں معاملہ درپیش ہے اس کو بالکل اُڑا دیا ہے۔ یعنی شیعہ اثنا عشری اور علاوہ ازیں کوئی شیعہ اثنا عشری اپنے آپ کو تفضیلیہ یا غالی نہیں کہتا۔ چونکہ زمانہ موجودہ میں تقیہ جائز نہیں ہے۔ اور تبرا اصولِ مذہب اہلِ سنّت سے کسی طرح بھی مانعِ نکاح نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۲۲۶۵ شمشاد حسین ضلع میرٹھ۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

(۳۵۶) **جواب** ۔ تفضیلیہ مذہب اہلِ سنّت والجماعۃ کا نہیں ہے۔ یہ شیعہ مذہب کی ایک شاخ ہے۔ اور غالی سے مراد وہ شیعہ ہیں جو کسی ایسے عقیدے کے قائل ہوں جس سے کفر لازم آتا ہے۔ مثلاً افکِ عائشہ صدیقہؓ یا قرآن مجید میں کمی واقع ہونے کا عقیدہ یا غلط فی الوحی یا الوہیت علی مرتضیٰؓ یا حلتِ تبرا یعنی سب وشتم صحابہؓ وغیرہ۔ اور جواب سابق جو میں نے لکھا تھا وہ صحیح ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک معروف النسب سیدزادی نے غیر قریش میں سے ایک نومسلم یا جولاہا وغیرہ یا پٹھان راجپوت سے بلا رضا ولی کے نکاح کر لیا۔ اب صورتِ مذکورہ میں زید اور بکر کا اختلاف ہے۔ زید کہتا ہے کہ کفو باعتبار اسلام کے جوازِ نکاح کے لئے کافی ہے۔ لہٰذا یہ نکاح جائز اور دُرست ہے اور کفو باعتبار نسب اور مال اور حرفہ کے امر مستحسن ہے۔ ضروری نہیں۔ حسب الارشاد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے۔ کل مؤمن تقی فھو آلی۔ اور حسب الارشاد باری عز اسمہٗ انما المؤمنون اخوۃٌ۔ اور رشتہ کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ اصحاب کرام کے مؤید جواز نکاح مذکور کا ہے۔ بلکہ اگر کوئی چوہڑا مردار خوار مسلمان ہو کر عالم ہو جائے تو معروف النسب سیدزادی کو نومسلم مذکور کے ساتھ نکاح کرنا بہتر ہے بہ نسبت سید معروف النسب جاہل سے۔ کیونکہ شرافت عالم پر آیت ا وتوالعلم درجات شاہد ہے۔ اور فقہائے کرام بھی اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں ان شرف العلم فوق شرف النسب۔ بخلاف سادات کے کہ ان کی شرافت نصی وارد نہیں ہوئی۔ اور بکر کہتا ہے کہ سیدزادی معروف النسب کا نکاح غیر قریش سے خواہ وہ شریف ہو بلا رضا ولی کے ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ الالایزوج النساء الاالاولیاء ولایزوجھن الامن الاکفاء۔ نیز اس میں بے ادبی ساداتِ کرام کی پائی جاتی ہے۔

(۳۵۷) **جواب** - صحت نکاح کے لئے مرد و عورت کا مسلمان ہونا اور عورت کا محرمات میں سے نہ ہونا فی حد ذاتہ کافی ہے۔ قرآن مجید کی نصوص صریحہ اس پر دال ہیں۔ واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم الآیۃ اور فانکحوا ما طاب لکم من النساء۔ اور سنت سنیہ نبویہ نے عملی طور سے اس کی تصدیق کر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب ہاشمیہ کا عقد زید مُعتَقْ سے باوجود زینب کی طرف سے انشراحِ قلب نہ ہونے کے کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی مثالیں صحابہ کرام کے افعال اور طرز عمل میں موجود ہیں کہ نسبی تفاوت ہونے کے باوجود نکاح ہو گئے۔ پس نصوصِ قرآنیہ اور تعامل صحابہ و سلفِ صالحین اس امر پر دلیل قاطع ہیں کہ کفاءت نسبی فی حد ذاتہ صحتِ انعقادِ نکاح کی شرط نہیں ہے۔ اسی وجہ سے غیر کفو کا نکاح جبکہ منکوحہ اور ولی منکوحہ راضی ہو جائے صحیح و نافذ ہوتا ہے۔ یعنی مثلاً کوئی حائک ہاشمیہ سے اس طرح نکاح کرے کہ ہاشمیہ کا والد اور خود ہاشمیہ راضی ہو تو نکاح صحیح و نافذ ہو گا۔ حالانکہ نسبی تفاوت اور عدم کفاءۃ نسبیہ بحالہا موجود اور قائم ہے اور اگر کفاءۃ نسبیہ شرط صحت نکاح ہوتی تو نکاح ولی اور منکوحہ کی رضامندی سے بھی صحیح نہ ہوتا جیسے محرمہ کا نکاح محرم سے باوجود اس کی رضامندی اور ولی کی اجازت کے صحیح نہیں ہوتا۔ (ناتمام)

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۲۷ء)

ایک سنی مسلمان اپنی دختر نابالغ کا نکاح ایک شیعہ سید سے کرنا چاہتا ہے۔ کیا شرعاً یہ نکاح جائز ہو گا؟

(۳۵۸) **جواب** - شیعہ اگر غالی تبرائی ہو تو اس کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح ہی صحیح نہیں ہوتا۔ اور اگر غالی نہ ہو تو نکاح جائز تو ہو جاتا ہے مگر اختلاف عقائد زوجین کی وجہ سے بسا اوقات آپس میں رنجش اور منافرت رہتی ہے۔ اس لئے مناسب نہیں کہ لڑکی کو ہمیشہ کے لئے ایک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

ایک عورت قوم چمار سے تھی اور ایک سید سے اس کی قریب بیس سال سے ملاقات تھی۔ اور

اسی کے گھر میں رہتی تھی۔ اس کے بلا نکاح سات بچے پیدا ہوئے۔ اب ایک ماہ سے اس کی ناراضگی ہو گئی تھی۔ اب اس کے حمل بھی موجود ہے۔ اب اس کا نکاح اسی شخص سے ہو گیا جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ یہ نکاح ہونا ہمارے مذہب میں جائز ہے یا ناجائز؟

(۳۵۹) **جواب**۔ اگر یہ عورت مسلمان ہو گئی ہے اور بیس سال سے کسی مسلمان کے پاس تھی تو اس کا نکاح اس مسلمان سے خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جائز ہے۔ یعنی صرف اس وجہ سے کہ وہ قوم کی چماری ہے نکاح ناجائز نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی وجہ عدم جواز کے شبہ کی ہو تو اس کو بیان کر کے حکم دریافت کیا جائے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۲۷ء)

ایک شخص نے بلا نکاح ایک عورت کو خانہ انداز رکھا۔ اس کے بطن سے اس کا لڑکا جوان ہے۔ آیا اس لڑکے کو لڑکی دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳۶۰) **جواب**۔ اگر وہ لڑکا نیک صالح ہو تو اس کو لڑکی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یعنی اس کا ولدالزنا ہونا جواز نکاح سے مانع نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۲۸ء)

(۱) موجودہ انجیل و توراۃ کے مضامین قبل کے مطابق ہیں یا نہیں؟ (۲) موجودہ انجیل و توراۃ کے معمل اہل کتاب کہلائیں گے یا نہیں؟ (۳) موجودہ انجیل و توراۃ کے معمل کو مشرک، کافر، فاسق کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۴) موجودہ انجیل و توراۃ کے معملان ذکور و اناث سے احناف ان کے قاعدہ و ترکیب سے عقد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۵) اگر موجودہ یہود و نصاریٰ سے عقد کریں تو احناف اپنے طریقے سے کریں یا اُن کے طریقے سے؟ (۶) موحد سے جو رسالت کا قائل نہیں ہے اس سے احناف عقد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۷) شیعہ جو حضرت خلیفۂ اول و دوم و سوم اور بعض دیگر صحابہ کی شان میں خلافِ تہذیب الفاظ استعمال کرتے ہیں اور قرآنِ پاک کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دس پارے کم ہیں۔ ان سے احناف عقد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳۶۱) **جواب** - (۱) موجودہ انجیل و توراۃ محرف ہیں - اُن کے اندر تحریف و تبدیل کا وقوع قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس لئے اُن کے مضامین پر یہ بھروسہ نہیں رہا کہ کونسی عبارت منزل من اللہ ہے اور کونسی تحریف شدہ۔ (۲) ہاں موجودہ توراۃ و انجیل کو ماننے والے اور ان پر عمل کرنے والے اہلِ کتاب کہلائیں گے کیونکہ باوجود خبر تحریف دینے کے بھی قرآن مجید اور احادیث میں ان کو اہلِ کتاب کہا گیا۔ اور اہلِ کتاب کے احکام ان پر زمانۂ نبوی میں جاری کیے گئے۔ (۳) ہاں انجیل و توراۃ پر ایمان رکھنے والے اور عمل کرنے والے جو امورِ شرکیہ کے قائل ہوں مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خدا کہتے ہوں یا حضرت مریم علیہا السلام کو خدا کا شریک بتاتے ہوں وہ مشرک بھی اور کافر بھی ہیں اور فاسق بھی ہیں۔ (۴) موجودہ اہلِ کتاب سے بھی مناکحت یعنی کتابیہ عورت کے ساتھ مسلمان مرد کو نکاح کرنا جائز ہے۔ (۵) اسلام کے طریقے سے۔ (۶) اگر وہ اہلِ کتاب میں سے نہیں ہے تو نہیں کر سکتے۔ (۷) شیعہ جو غالی تبرائی ہیں ان کا حکم اہلِ کتاب کا ہے کہ شیعہ عورت سے سُنّی مرد کا نکاح جائز ہے مگر سنّی عورت کا نکاح شیعہ مرد سے جائز نہیں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۵ رنومبر ۱۹۲۹ء)

ملک برہما کی عورتیں جو کہ بدھ مذہب سے تعلق رکھتی ہیں اُن سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ ان کو ایک دفعہ چھے کلمے صفت ایمان اور خطبہ پڑھ کر نکاح کیا۔ مرد کے پیچھے وہ بُت کو پوجتی ہیں۔ مرد کو معلوم نہیں۔

(۳۶۲) **جواب** - بدھ مذہب کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اہلِ کتاب کے حکم میں نہیں ہیں۔ ہاں اگر وہ ایک دفعہ کلمے کے معنی سمجھ کر کلمہ پڑھ لیں تو وہ مسلمان ہوں گی اور ان کے ساتھ نکاح جائز ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس کے بعد وہ بت پرستی کریں گی تو پھر کافر ہو جائیں گی اور نکاح ٹوٹ جائے گا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

جبکہ زوجین کے درمیان تفرقہ کرنا ضروری ہے شوہر کے غالی شیعہ ہونے کی وجہ سے۔ اور علما کہتے ہیں کہ کافر حاکم کا فسخ کرنا معتبر نہیں۔ تو اب فسخ کرانے کے لئے کونسی صورت اختیار کی جائے۔ اگر شوہر شیعی

عقائد کو لاعلمی کی وجہ سے صحیح (اور ضروری) جانتا ہے تو بیوی کو اس کے ماتحت رہنے کی شرعی گنجائش ہے یا نہیں؟ المستفتی ۲۷۲۷ منیجر انجمن انصار الاسلام ۔ کھیوڑہ ضلع جہلم (پنجاب)
۲۰ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ م ۵ جولائی ۱۹۴۲ء

(۳۶۳) **جواب**۔ اگر شوہر غالی سبی شیعہ ہے یعنی اس کے عقائد ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو ۔ مثلاً قرآن مجید کو صحیفۂ عثمانی بتاتا ہو ، منزل من اللہ نہ مانتا ہو یا اس میں کمی بیشی کا قائل ہو ، یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا یا مظہر خدا یعنی اوتار مانتا ہو ، ان کے اندر خدائی قوتیں ہونے کا معتقد ہو یا غلط فی الوحی کا عقیدہ رکھتا ہو ۔ یعنی یہ سمجھتا ہو کہ وحی حضرت علیؓ پر آئی تھی جبرئیل علیہ السلام سے غلطی ہوئی اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دے گئے ۔ یا افکِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ رکھتا ہو یا اُن کے مثل اور کوئی کفریہ عقیدہ رکھتا ہو تو ایسے شخص کے ساتھ سُنّیہ مسلمہ کا نکاح صحیح نہیں ہوتا ۔ اور جب نکاح صحیح نہیں ہوا تو شرعاً فسخ کی ضرورت نہیں مگر قانونی مواخذہ سے بچنے کے لئے عدالتی کارروائی لازم ہوتی ہے ۔ پس اگر صورت یہی ہو تو اس میں مسلمان حاکم اور غیر مسلم حاکم دونوں یکساں ہیں کیونکہ عورت فی الحقیقت اس کے نکاح میں نہیں ہے ۔ اس کا فیصلہ صرف قانونی گرفت سے بچنے کے لئے ہے ۔ نہ ایک قائم اور ثابت نکاح کو فسخ کرانے کے لئے کہ مسلمان حاکم اسے فسخ کرے ۔ البتہ اگر شوہر غالی شیعہ نہ ہو اور نکاح فی حد ذاتہ منعقد ہو چکا ہو مگر اس کو بوجہ اختلاف عقائد و منازعت باہمی یا اعتداء زوج کی بنا پر فسخ کرانا ہو تو بے شک مسلمان حاکم کا فیصلہ ضروری ہے ۔ غیر مسلم حاکم کا فیصلہ ایک قائم شدہ نکاح کو فسخ کرانے کے لئے کافی نہیں ہے ۔
زوج کا لاعلمی سے کفریہ عقائد رکھنا کوئی عذر شرعی نہیں ہے اور اگر پہلی صورت ہے تو عورت کو اس کی مطاوعت ناجائز ہے اور ہر صورت سے اس کو اس سے علیحدگی کر لینی لازم ہے ۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۲۹ء)

زید ایک بازاری رنڈی لے آیا ہے اور نکاح کرنا چاہتا ہے ۔ مولوی صاحب سے جب نکاح پڑھانے کو کہا تو انھوں نے کہا کہ نکاح درست نہیں ۔ کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ وہ مسلمان کی لڑکی ہے یا ہندو

کی۔ اگر مسلمان کی لڑکی ہو تو اس کا شوہر ہے یا نہیں ؟ بشرط موجودگی شوہر نکاح درست نہیں ہے۔

(۳۶۴) **جواب** ۔ رنڈی اگر مسلمان یا عیسائی یا یہودی ہو اور گمان غالب ہو جائے کہ اس کا کوئی خاوند نہیں ہے تو اس کے ساتھ نکاح دُرست ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ر جولائی ۱۹۳۱ء)

ایک عورت کا عقد ایک شخص کے ساتھ ہوا جس کو عرصہ نو سال کا ہوا اور چار لڑکیاں بھی ہوئیں۔ اب معلوم ہوا کہ وہ قادیانی ہے اور لڑکیوں کو قادیان میں دینا چاہتا ہے۔ عورت علیحدہ ہونا چاہتی ہے۔

(۳۶۵) **جواب** ۔ ہاں اس صورت میں عورت کو حق ہے کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرالے۔ کیونکہ قادیانی فرقہ جمہور علمائے اسلام کے فتوے کے بموجب اسلام سے خارج ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۵ر فروری ۳۴ء)

سُنّی اور شیعہ کے درمیان نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

(۳۶۶) **جواب** ۔ غالی شیعوں اور سنیوں میں مناکحت فساد پر منتج ہوتی ہے۔ نیز اگر لڑکی سُنّیہ اور لڑکا غالی شیعہ ہو تو نکاح ہی دُرست نہیں ہوتا۔ ہاں لڑکا سُنّی اور لڑکی شیعہ ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ر جون ۳۴ء)

(۱) کیا ایک سید زادی ایک امتی کے عقد میں آسکتی ہے ؟ (۲) اگر نہیں آسکتی تو کیوں ؟ (۳) اگر آسکتی ہے تو پھر سید کا امتی سے انسب ہونا کیسے ہو سکتا ہے ؟ (۴) اگر سید زادی امتی کے نکاح میں آسکتی ہے تو خدائے کریم نے رسولِ کریم کی ازواجِ مطہرات کو امت پر کیوں حرام فرمایا اور ان کو امت کی مائیں کیوں کہا ؟ (۵) جب رسول اکرم فداہ امی وابی کی ازواج مطہرات امتی کے نکاح میں نہیں آسکتیں تو آپ کی اولاد امتی کے نکاح کے لئے کیسے حلال ہو گئی ؟ (۶) اگر امتی کے نکاح میں سید زادی نہ آسکتی ہو اور ایک امتی نے ایک سید زادی سے نکاح کر لیا ہو تو اس کے متعلق کیا

حکم ہے ؟ (۷) اگر سید زادی امتی کے لئے حلال نہیں تو کیا اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور طلاق کی ضرورت پڑتی ہے یا نہیں ؟ (۸) اگر طلاق کی ضرورت نہیں پڑتی تو بغیر طلاق لیے نکاح ثانی ہوسکتا ہے ؟ (۹) اگر سید زادی مذہباً شیعہ اور امتی حنفی ہو یا امتی شیعہ اور سید زادی حنفی ہو ؟ (۱۰) اگر امتی کے ساتھ نکاح جائز ہے تو کیوں بڑے بڑے عالم بھی رشتہ نہیں کرتے ؟

(۳۶۷) **جواب** - (۱) سید زادی کسی اُمتی کے عقد میں آسکتی ہے - خواہ وہ اُمتی سید ہو یا نہ ہو۔ (۲) آسکتی ہے - کیونکہ کفاءت شرائط صحت نکاح میں داخل نہیں ہے - (۳) سید کا غیر سید سے نسب کے لحاظ سے اشرف ہونا مسلم لیکن شرف کی کمی زیادتی اور نسب میں تفاوت ہونا اس کا موجب نہیں ہے کہ نکاح درست نہ ہو۔ (۴) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے لئے حضور کے بعد دوسرے لوگوں سے نکاح ناجائز تھا - اس کی وجہ قرآن مجید کا صریح حکم ہے - ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً - ایسا حکم حضور کی اولاد کے لئے موجود نہیں - نہ قرآن پاک میں نہ حدیث میں - نیز ازواج کے لئے دوسرے سے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضور کا نکاح حضور کی وفات سے ٹوٹنے والا نہ تھا تو آپ کی ازواج آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے نکاح میں تھیں اس لئے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔ تیسرے یہ کہ حضور کی وفات ظاہری تھی ویسے آپ حیات ہیں - کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بعد وفات بھی ایک زندگی حاصل ہے جو شہداء کی زندگی سے اقویٰ ہے - اس لئے آپ کی ازواج گویا زندہ خاوند کی بیویاں تھیں جو دوسرا نکاح نہیں کر سکتی تھیں ۔ اُمت کی مائیں احترام کے طور پر کہا گیا - جیسے کہ حضور اُمت کے باپ تھے - مگر یہ وجہ عدم جواز نکاح کے لئے نہیں - ورنہ حضور کی بیویاں بھی بیٹیاں تھیں اُن سے نکاح کیسے ہوسکتا تھا - (۵) نمبر ۲ میں وجہ بیان کی گئی - (۶) آسکتی ہے اور جائز ہے جیسے کہ حضور کی صاحبزادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں باوجودیکہ حضرت عثمان ہاشمی نہ تھے - (۷) محض اس وجہ سے کہ خاوند غیر ہاشمی ہے نکاح نہیں ٹوٹتا ۔ (۸) نہیں : بغیر طلاق کے سید زادی دوسرا نکاح نہیں کر سکتی - (۹) اگر سید زادی شیعہ ہو اور شوہر غیر ہاشمی سُنی ہو تو نکاح جائز ہے - اور اگر سید زادی سُنی ہو اور شوہر غالی شیعہ ہو خواہ ہاشمی ہو یا غیر ہاشمی ناجائز ہے - غالی سے مراد یہ ہے کہ اس پر حکم کفر عائد ہو سکے - (۱۰) عالموں کا سید زادیوں سے احتراماً نکاح نہ کرنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ نکاح ناجائز ہے ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۵ء)

کیا اہلِ کتاب (عیسائی و یہودی) کے ساتھ بموجب شرع محمدی عقدِ نکاح جائز ہے؟

(۳۶۸) **جواب** - اہل کتاب یعنی یہودی اور نصرانی عورتوں سے مسلمان شادی کرسکتے ہیں۔ لیکن کوئی مسلمان لڑکی یہودی یا نصرانی مرد کے نکاح میں نہیں دی جاسکتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۶ء)

زید نے ایک عورت بغیر نکاح کے اپنے گھر میں ڈال رکھی ہے۔ اُس سے عام مسلمانوں کو میل جول رکھنا کیسا ہے؟ نیز اس کی اولاد کا نکاح صحیح النسب مسلمانوں سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۳۶۹) **جواب** - بے نکاحی عورت کو گھر میں ڈال رکھنا حرام ہے۔ اس فعل کا مرتکب فاسق ہے۔ اس سے میل جول اور معاشرتی اسلامی تعلقات قطع کرلینا بغرض زجر و توبیخ جائز ہے۔ بے نکاحی عورت سے جو اولاد ہو وہ اگرچہ ولدالزنا ہے مگر اس کا نکاح صحیح النسب مسلمانوں کے ساتھ ناجائز نہیں۔ اگر کردیا جائے تو صحیح ہوجائے گا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ یکم جنوری ۱۹۳۹ء)

اہلِ سنت والجماعت لڑکی کا نکاح ایک مرزائی سے جائز ہے یا نہیں؟

(۳۷۰) **جواب** - اہلِ سنت والجماعت لڑکی کا نکاح مرزائی سے جائز نہیں۔ کیونکہ مرزائی باتفاق علماء دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

تیرھواں باب
نفقہ وسکونت

سوال

خاوند اپنی بیوی سے اس قدر غافل رہا کہ اس کے نان و نفقہ کی بھی خبر نہ لی اور عورت نے قرض وام کر کے اپنی گزر اوقات کی تو بعد طلاق عورت اپنے اس قرضے کے لینے کی دعویدار ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۳۰۷۱) **جواب** - اگر ایام ماضیہ کا نفقہ قرض وغیرہ سے عورت نے بطور خود پورا کیا قضائے قاضی یا باہمی تراضی سے یہ بات نہ تھی تو خاوند سے نہیں لے سکتی۔ واللہ اعلم

سوال

اگر کوئی شخص چار سال اپنی زوجہ کو نفقہ نہ دے تو کیا وہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے؟

(۳۰۷۲) **جواب** - حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب نہیں ہے کہ چار سال نفقہ نہ دینے کی صورت میں نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ بلکہ ان کا صحیح معتمد مذہب یہ ہے کہ زوج کے نادار ہو جانے پر زوجہ کو قاضی سے نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے لیکن اگر زوج مستطیع ہو اور نفقہ نہ دے تو اس صورت میں اختیار فسخ نہیں خواہ موجود ہو یا غائب۔ فی الشامی لکن الاصح المعتمد عندھم ان لا فسخ مادام موسرا وان انقطع خبرہ و تعذر استیفاء النفقۃ من مالہ کما صرح بہ فی الام صہ ۲ج ۱۱۱ -

سوال

زید اپنی زوجہ کو ماہواری خرچ کے لئے ایک رقم دیا کرتا تھا۔ اس کی زوجہ نے اس رقم میں سے کچھ پس انداز کر کے کچھ اشیاء ضروریات خرید لیں۔ اب زوج یعنی زید فوت ہو گیا۔ لہٰذا وہ اشیاء جو زوجۂ زید نے اپنی اس مقررہ رقم سے خریدی ہیں وہ زید کے ترکہ میں شمار کی جائیں گی یا زوجۂ زید ہی اس کی مالک ہے۔

(۳۰۷۳) **جواب** - خاوند اپنی زوجہ کو خرچ کے لئے جو رقم اپنی رضامندی سے دے وہ زوجہ کی ملک ہو جاتی ہے۔ لہٰذا زید کے مرنے کے بعد جو اشیاء کہ زوجۂ زید نے اس رقم سے خریدی تھیں زید کے ترکہ میں شمار نہ ہوں گی بلکہ وہ زوجۂ زید کی ملکیت ہے۔

سوال

زید نے اپنے خسر کے گھر رہ کر زیور طلائی کی چوری کی اس کے بعد بہانہ سے ایک طلائی زیور اپنی زوجہ سے لے گیا اور اس کو رہن کر کے فرار ہو گیا یعنی خیانت کی اور عرصہ ساڑھے چار سال تک اپنی زوجہ کو نان نفقہ نہیں دیا۔ زید کے فرار ہونے کے بعد ہندہ (زوجۂ زید) کا لڑکا پیدا ہوا جو اب چار سال کا ہے۔ اس کے پیدا ہونے میں صرف آٹھ روپے بھیجے تھے اور خرچ بیس روپے ہوئے تھے۔ اس خرچ میں سے بھی بارہ روپے باقی ہیں۔ اس کے بعد چار سال ہو گئے۔ کوئی حقِ پرورش اس بچے کا بھی نہیں دیا۔ اور زید کا غیر مستطیع ہونا اس سے ثابت ہوا کہ ہندہ کا مہر معجل تھا لہذا نصف مہر ہندہ نے بذریعہ عدالت طلب کیا۔ عدالت سے ہندہ کی مع خرچہ کی ڈگری ہوئی۔ چونکہ زید کی کوئی جائداد نہ تھی۔ لہذا کچھ وصول نہ ہوا۔ پھر زید نے ناداری کی درخواست دی جو منظور ہو گئی اور زید کی نادہندگی اس امر سے ثابت ہے کہ تین آدمیوں سے محلے کے کچھ کچھ سامان خرید کیا تھا۔ ساڑھے چار سال سے ان کو بھی نہیں دیا۔ چونکہ زید کی بدچلنی و نادہندگی اور غیر مستطیع ہونا مذکورہ حالات سے یعنی چوری کرنا، خیانت کرنا، قرض خواہوں کو نہ دینا، ہندہ کو ساڑھے چار سال تک نان و نفقہ نہ دینا۔ بچہ کا حقِ پرورش چار سال تک نہ دینا۔ مہر معجل نصف طلب کرنے پر بھی نادار ہو جانا یہ تو کافی طور سے ثابت ہیں۔ اور کوکین کھانا، شراب نوشی و قمار بازی و زنا یہ چاروں واقعات بھی سُنے گئے ہیں۔ ہندہ و وارثانِ ہندہ نے مہر معاف کرنے پر طلاق لینی چاہی۔ زید نے منظور نہیں کیا۔ پھر مبلغ تین سو روپے علاوہ مہر معاف کرنے کے وارثانِ ہندہ نے بطور خلع کے دینے چاہے جب بھی زید نے طلاق دینا منظور نہیں کیا۔ وارثانِ ہندہ نہایت پریشان ہیں کہ ساڑھے چار سال ہندہ کو بٹھائے ہوئے گزر گئے۔ اب اور کب تک بٹھائے رکھیں۔ اور زید کی مذکورالصدر بدچلنیوں سے کسی طرح امیدِ فلاح نہیں ہوتی۔ لہذا گزارش ہے کہ کیا شرع شریف میں کوئی صورت اس قید سے خلاصی کی بھی ہے یا نہیں؟

(۳۰۴) **جواب** - حنفیہ کے نزدیک زوج کے نفقہ نہ دینے یا نہ دے سکنے کی صورت میں تفریق کا حکم نہیں دیا جاتا۔ مگر امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر زوج کی تنگدستی ثابت ہو جائے تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ عورت کی طلب پر تفریق کر دے۔ متاخرین مشائخ حنفیہ سے منقول ہے کہ اگر ضرورت ہو تو ایسے موقع پر حاکم کسی شافعی کو مقرر کر کے اس کے ذریعے سے نکاح فسخ کرا دے۔ پس آجکل سخت

ضرورت ثابت ہو جانے پر ممکن ہے کہ کسی شافعی المذہب سے جواز فسخ کا فتویٰ حاصل کر کے اس کو کسی مسلم جج یا منصف کی عدالت سے جاری کرا لیا جائے۔ غیر مسلم کا حکم کافی نہ ہوگا۔ واصحابنا لما شاہدوا الضرورۃ فی التفریق استحسنوا ان ینصب القاضی نائباً شافعی المذہب یفرق بینھما (شرح وقایہ مختصراً ص ۱۴۴ ج ۲ مطبع مجتبائی دہلی)

سوال

زید نے مسماۃ عاصمہ سے نکاح کیا۔ اس سے دو بچے تولد ہوئے۔ بعد چار برس کے اس کے والدین نے مسماۃ عاصمہ کو ورغلایا اور زید کے ساتھ بھیجنے سے انکار کیا۔ زید نے عدالت سے چارہ جوئی کی اور وہاں سے مسماۃ عاصمہ اور اس کے والدین پر ڈگری ہوئی اور عدالت نے مسماۃ کو ہدایت کی کہ تم اپنے خاوند کے ساتھ جاؤ۔ مگر وہ اپنے والدین کے کہنے سے نہیں گئی۔ اس صورت میں وہ زید سے اپنا مہر لینے کی حقدار ہو سکتی ہے یا نہیں جبکہ اس کا خاوند لے جانے کو رضامند ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۶۰ چاند خاں (مہو) ۲۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۲ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۳۷۵) **جواب**۔ مہر تو اس کا خاوند کے ذمہ ہے۔ اس بات سے مہر ساقط نہیں ہوا۔ البتہ نفقہ خاوند سے اس وقت تک لینے کی حقدار نہیں جب تک کہ خاوند کے مکان پر نہ آجائے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ہندہ کا نکاح نو برس کی عمر میں ہندہ کے باپ کی ولایت کے ساتھ زید سے ہوا۔ اس وقت ہندہ کی عمر بیس سال ہے۔ زید ہندہ کو اس کے باپ کے گھر سے رخصت نہیں کراتا نہ نان نفقہ دیتا ہے نہ طلاق دے کر اس کو آزاد کرتا ہے۔

المستفتی نمبر ۸۱ جمیل الدین (صوات) ۲ رجب ۱۳۵۲ھ م ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۳۷۶) **جواب**۔ ایسی صورت میں قاضی شرعی کی عدالت میں دعویٰ کر کے خاوند کو نفقہ دینے اور زوجہ کو اپنے پاس رکھنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے یا قاضی فسخ نکاح کا حکم دے سکتا ہے۔ اگر قاضی شرعی میسر نہ ہو تو انگریزی عدالتوں کے مسلمان حکام قاضی کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

بعد از نکاح والدین کو نامادپر شرطیں عائد کرنے کا حق ہے یا نہیں ؟ (۲) کیا زید کے ان الفاظ سے جو اس نے کڑھ کر فاطمہ کے میکہ جاتے وقت کہے تھے طلاق واقع ہو جائے گی جبکہ اس کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی۔ (۳) کیا فاطمہ کا نفقہ زید کے ذمہ اس صورت میں واجب ہے جبکہ وہ بلا رضا زید کے میکہ چلی گئی ہو اور اس کے والدین زید کی غیر موجودگی میں اس کو لے گئے ہوں ؟ (۴) اگر مذکورہ بالا الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی تو فاطمہ کا نان نفقہ زید سے طلب کرنا چاہئے یا نہیں ؟ نیز ولی کو طلب مہر کا حق ہے یا نہیں ؟ کیا فاطمہ اپنے مہر موجل کو معجل طریقے پر زید سے طلب کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں ؟ زید کی نیت طلاق دینے کی نہیں اور فاطمہ اپنے خیال میں سمجھ رہی ہے کہ میں مطلقہ ہو چکی ہوں۔ اگر شوہر حنفی المسلک ہو اور بیوی غیر مقلد ہو تو مسئلہ طلاق و نکاح میں مرد کے مسلک کا اعتبار کیا جائے گا یا عورت کے مسلک کا ؟ المستفتی ۲۹۴ سعید الدین بک بائنڈر بارہ بنکی۔ ۱۴ صفر ۱۳۵۳ھ م ۲۹ مئی ۱۹۳۴ء

(نوٹ) زید کے کہے ہوئے الفاظ رجسٹر میں منقول نہیں ہیں۔ واصف

(۱، ۳، ۴) **جواب** - عورت کا یہ حق تو ہے کہ وہ علیحدہ مکان میں رہنے کا زوج سے مطالبہ کرے۔ اور اس مطالبے کے پورا ہونے تک اگر وہ زید کے گھر نہ آئے تو نفقہ کی مستحق ہوگی۔ علیحدہ مکان سے مطلب یہ ہے کہ ایسی کوٹھڑی جو عورت اور بچوں کے رہنے کے لئے کافی ہو اس کو دی جائے کہ اس میں زوج کے ماں باپ یا دیگر اعزا شریک نہ ہوں۔ باقی بدعات سے اجتناب کرنا تو خالد یہ بات بطور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے زید کو کہہ سکتا ہے۔ اور زید پر خالد کے کہنے کے بغیر بجائے خود بھی لازم ہے کہ سنت کے موافق عمل کرے اور بدعات سے بچے۔ لیکن خالد کو ان باتوں کی بنا پر اپنی بیٹی کو زید کے گھر بھیجنے سے انکار کرنا جائز نہیں اور اس بنا پر روکنے کی صورت میں اس کی بیٹی نفقہ نہیں مانگ سکتی۔ بشرطیکہ زید بھی بیوی کو اس کے عقیدۂ اتباع سنت کے خلاف کرنے پر مجبور نہ کرے۔

زید کے یہ الفاظ جو اس نے بیوی کو کہے تھے صریح طلاق کے نہیں ہیں۔ ان میں نیتِ طلاق ضروری ہے۔ اگر زید نے طلاق کی نیت سے کہے ہوں تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں اور زید کا قول مع قسم کے اس بارے میں مقبول ہوگا کہ طلاق کی نیت نہ تھی۔ مہر مؤجل جو بغیر تعیین مدت کے ہو معجل کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ اس لئے زوجہ اپنے ایسے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے جو صرف مؤجل بلا تعیین مدت کے لکھا گیا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

اگر زید کی منکوحہ بیوی بلا اجازت اپنے شوہر کے اور اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں بھاگ کر میکے چلی جائے اور وہاں سے واپس نہ آنا چاہتی ہو تو ایسی حالت میں وہ نان نفقہ یا مہر وغیرہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۳۲۵ مرزا برکت اللہ بیگ (بارہ بنکی)
۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۴ء

(۳۷۸) **جواب** - اگر عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے چلی جائے اور واپس نہ آئے تو اس زمانے کا نفقہ پانے کی مستحق نہیں ہے۔ بشرطیکہ یہ جانا ناحق ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

محمد یوسف کی شادی بھنو علی کی لڑکی سے ہوئی۔ کچھ عرصہ زن وشوہر کے درمیان محبت رہی اور محمد یوسف سسرال ہی میں مع بیوی رہنے لگے اور اپنا گھر بار بلا مرمت چھوڑ دیا۔ زاں بعد محمد یوسف سفر میں چلے گئے اور جب کچھ عرصے بعد یعنی ایک سال بعد سفر سے واپس آئے تو بھنو علی نے پنچایت بٹھلائی کہ یوسف علی میری لڑکی کو کھانا خرچ نہیں دیتے۔ اس بات پر پنچ نے محمد یوسف کو تنبیہ کی اور بھنو علی نے اپنی رضامندی اس بات پر ظاہر کی کہ محمد یوسف برابر ماہ بماہ خرچ دینے کا ایک شرائط نامہ لکھ دے۔ چنانچہ محمد یوسف نے شرائط نامہ لکھ دیا (جس کی نقل منسلکہ استفتائے ہذا ہے) اور محمد یوسف پھر سسرال ہی میں رہنے لگے۔ ہفتہ دو ہفتہ بعد محمد یوسف اور اُن کی سسرال والوں کے درمیان نااتفاقی ہوگئی اور محمد یوسف نے وداعگی مانگی۔ بھنو علی نے کہا کہ محمد یوسف اپنا مکان بنوائے تو وداعگی میں مجھ کو کچھ عذر نہ ہوگا۔ چنانچہ محمد یوسف نے مکان بنوایا۔ اس کے بعد رخصتی ہوئی۔ اور محمد یوسف اپنی بیوی کو گھر لایا اور بآرام رکھا۔ لیکن لڑکی کے میکے والے محمد یوسف کے خلاف رہے آخر ۲۹ مئی ۱۹۳۱ء کو جبکہ محمد یوسف محرم کا تماشہ دیکھنے گیا ہوا تھا تو اس کے غائبانہ محمد یوسف کی خوشدامن صاحبہ بغیر اجازت محمد یوسف کے اس کی بیوی کو میکے لے گئیں۔ جب محمد یوسف گھر آیا اور بیوی کو غیر حاضر پایا تو سسرال گئے وہاں جاکر تکرار ہوئی اور میکے والوں نے رخصتی سے انکار کر دیا۔ اور لڑکی ابھی تک میکے میں روکی ہوئی ہے۔ اس کے بعد محمد یوسف نے پنچایت میں ایک عرضی دی۔ اس پر پنچ نے رخصتی دلانے کی کوشش کی اور بہت اصرار کیا۔ لڑکی والوں نے

نہ معلوم کس بنا پر رخصتی دینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ لڑکی محمد یوسف کی بیوی نہیں رہی حالانکہ لڑکی کو میکے گئے ہوئے پورا ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا۔ آخر کار پنچ نے مجبور ہو کر محمد یوسف کی عرضی و شرائط نامہ مع مناسب سوالات کے دار العلوم دیوبند بھیج دیا جس کی نقل مع جواب مشمولہ استفتا ہذا ہے۔ اس ہیر پھیر میں شرائط نامہ کے مطابق مہینہ پورا ہو رہا تھا اس لئے محمد یوسف نے مبلغ پانچ روپے خرچہ کے لئے اپنی بیوی کو بھیج دیا لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا اور نہیں لیا۔ اس کے بعد استفتا کا جواب آیا کہ میکے میں خرچ دینا واجب نہیں۔ اس بنا پر محمد یوسف نے میکہ میں خرچ دینا بند کر دیا۔ البتہ رخصتی کے لئے کئی مرتبہ تقاضا کیا اور ہنوز کر رہا ہے۔ لیکن خسر صاحب رخصتی نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ لڑکی مطلقہ ہو گئی۔

نقل اقرار نامہ

میں شیخ یوسف علی پسر شیخ کنی خلیفہ ساکن کھر کپور آگے ہم پنچان کے سامنے اقرار کرتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں کہ ہم اپنی بیوی کو برابر ماہ بماہ خرچ خانہ داری دیں گے۔ اگر دینے میں کسی طرح کی کوتاہی کریں تو ایک ماہ انتظار دیکھ کر آخری دو ماہ تک نہیں دیں تو ہمارا تینوں طلاق واقع ہو جائے گا۔ اس لئے اقرار نامہ پر انگشت نشان دیا کہ وقت پر کام آوے۔ کاتب شیخ امیر علی۔ ۳-۱۰-۳۱-

المستفتی نمبر ۳۴۷ قادر بخش خواجہ (ضلع مونگیر)

۳ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۳۵ء

(۳۷۹) **جواب** - اقرار نامہ میں اس کی تصریح نہیں کہ محمد یوسف اپنی بیوی کو نفقہ اس صورت میں دے گا کہ بیوی اس کے گھر رہے۔ اس لئے محمد یوسف کو دونوں صورتوں میں نفقہ دینا لازم ہے۔ خواہ بیوی محمد یوسف کے گھر رہے خواہ محمد یوسف کی رضامندی یا کسی عذر صحیح شرعی کی وجہ سے میکے میں رہے۔ البتہ اگر بیوی محمد یوسف کی اجازت کے بغیر اور بغیر کسی حق شرعی کے میکے میں رہیگی تو نفقہ کی مستحق نہ ہوگی۔ پس اگر صورت واقعہ میں اس کی بیوی ناحق میکے میں چلی گئی اور بغیر کسی عذر صحیح شرعی کے وہاں رہی تو نفقہ کی مستحق نہیں۔ لیکن اگر وہ محمد یوسف کی کسی ایسی حرکت کی وجہ سے چلی گئی ہے جس پر اسے جانا اور میکے میں رہنا جائز تھا تو وہ نفقہ کی مستحق ہے۔ پہلے مہینہ کا نفقہ محمد یوسف نے مدت کے اندر بھیجا مگر زوجہ نے نہیں لیا تو اس عورت کا مطالبہ تو ساقط

ہوگیا اور اقرار نامہ اس مدت کے لئے غیر مؤثر ہوگیا کیونکہ محمد یوسف نے نفقہ بھیج دیا۔ نہ لینا عورت کا قصور ہے۔ محمد یوسف کی جانب سے خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ نفقہ کم ہونے کا عذر عورت کی جانب سے صحیح نہیں۔ کیونکہ اقرار نامہ میں کوئی مقدار مذکور نہیں۔ اس کے بعد محمد یوسف نے نفقہ نہیں دیا تو اگر عورت میکے میں کسی عذر صحیح شرعی کی بنا پر مقیم ہے تو محمد یوسف کے نفقہ نہ دینے سے طلاق ہوگئی اور پہلی مرتبہ واپس کر دینے کو محمد یوسف اپنے نہ دینے کے عذر میں بیان نہیں کر سکتا۔ اگر عورت ناحق میکے میں مقیم ہے تو بوجہ اس کے کہ وہ نفقہ کی مستحق ہی نہیں محمد یوسف کے نفقہ نہ دینے سے اس پر طلاق نہیں ہوئی۔ کیونکہ اقرار نامہ استحقاقِ نفقہ کی صورت سے ہی متعلق ہو سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

مسماۃ اختری کا نکاح اشتیاق علی سے ہوا بعمر ۱۴ سال۔ دو ڈھائی سال کے بعد رخصتی ہوئی۔ بعد رخصتی کے صرف پانچ یا چھ ماہ خاوند کے گھر رہی۔ جب زیادہ مار پیٹ و نان نفقہ نہ ہونے سے بیمار ہوگئی خاوند نے اس کے باپ کے گھر بحالتِ بیماری بھیج دیا۔ اس کے چار پانچ یوم کے بعد لڑکا پیدا ہوا جو کہ فوراً ہی مر گیا۔ جب سے وہ اپنے باپ کے گھر ہے۔ کیونکہ ۱۸ سال میں قانونِ انگریزی کے مطابق بالغ سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ۱۷ سال میں دعویٰ دائر کر دیا گیا بولایت والد کے۔ اگر وہ ۱۸ سال کی ہوتی تو از خود دعویٰ دائر کر سکتی تھی۔ یہ نقل اقرار نامہ جو ارسالِ خدمت ہے یہ فتویٰ عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ المستفتی نمبر ۷۲۴ حکمت اللہ (آگرہ)

۴ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۲۹ جنوری ۱۹۳۶ء

(۳۸۰) **جواب** - عورت نان نفقہ لینے کی مستحق ہے۔ لیکن خاوند کے گھر رہ کر لے سکتی ہے۔ اپنے والدین کے گھر بیٹھ کر شرعاً نفقہ لینے کی حقدار نہیں۔ نیز گزشتہ زمانے کا نفقہ بھی طلب نہیں کر سکتی۔ یہ اقرار نامہ شرعی طور پر گزشتہ زمانے کا نفقہ دلانے کے لئے کافی نہیں۔ البتہ بشرط خاوند کے گھر پر رہنے کے آئندہ کا نفقہ لینے کی مجاز ہے۔ اگر خاوند مار پیٹ کرتا ہے تو اس کو تنبیہ یا سزا دی جا سکتی ہے یا ضمانت لی جا سکتی ہے کہ آئندہ ایسا نہ کرے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ایک بیوہ نادار کی لڑکی ہے جس کی عمر گیارہ سال کی ہے۔ دھوکے سے ورغلا کر اس کی شادی کرلی اور بیچ والے روپیہ کھا گئے۔ والدہ سے شادی کے وقت حلفیہ قسم کھاکر کہا تھا جب تک بالغ ہوگی نان نفقہ لڑکی کے مکان پر دیں گے۔ عدالت میں لڑکی کا شوہر روٹی کپڑا دینے سے انکار کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں کہیں نوکر نہیں ہوں اور کچھ کام نہیں کرتا ہوں اور لڑکی کو روٹی کپڑا نہیں دے سکتا ہوں۔ عدالت میں شوہر کے خلاف گواہ گزرے کہ یہ بیس روپے ماہوار کا مزدور ہے رنگ سازی کرتا ہے۔ لڑکا ملازمت یا مزدوری سے منکر ہے۔ اسلئے عدالت فتویٰ چاہتی ہے۔

المستفتی نمبر ۷۶۸ مسماۃ منڈو بیوہ دین محمد (آگرہ) ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۸ فروری ۱۹۳۶ء

(۳۸۱) **جواب**۔ اگر عدالت کے نزدیک یہ ثابت ہو کہ اس کے پاس مال ہے تو اس پر نفقہ لازم کردے۔ اور اگر یہ ثابت ہو کہ وہ ظلماً زوجہ کو تنگ کرتا ہے اور نفقہ نہیں دیتا تو اس کو تنبیہ کرکے کہ نکاح فسخ کردیا جائے گا مناسب مہلت دے۔ اگر پھر بھی وہ باز نہ آئے تو نکاح فسخ کردے۔ ہاں عدالت مسلمان حاکم کی ہونی لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید کے نکاح کو صرف ایک دو سال ہوا تھا کہ زید کی منکوحہ کسی باہمی خفگی کے باعث زید کی بلا اجازت وبلا رضا ورغبت گھر سے باہر چلی گئی۔ پھر زید نے اس کو بسیار منت وسماجت کے بعد بلایا۔ پھر چند روز کے بعد زید کی منکوحہ بلا کسی وجہ بلا کسی سبب کے گھر سے باہر چلی گئی اور چار سال تک نہ آئی۔ اب چار سال کے بعد منکوحہ کے لواحقین ورشتہ دار اس کے نان ونفقہ کے عوض بدلا مانگ رہے ہیں۔ کیا قوانین ملتِ اسلامیہ واحکامِ شرعیہ الٰہیہ کی رُو سے نکاح قائم رہ سکتا ہے جبکہ عورت منکوحہ بلا اجازت شوہر گھر سے باہر چلی گئی جس کے سبب نامعلوم ہیں۔ اور کیا مذکورہ بالا صورت میں اس کے اخراجاتِ نان ونفقہ کا کفیل اس کا شوہر ہو سکتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۳۳۴ مولانا آزاد افغانی (بمبئی ۳)

۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(۳۸۲) **جواب**۔ شوہر کے گھر سے عورت کا بلا وجہ اور بغیر سبب چلا جانا نشوز ہے اور ایسی صورت میں نکاح تو قائم رہتا ہے مگر عورت نان نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی جب تک وہ خاوند کے گھر واپس آجائے

نفقہ طلب کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ جس وقت خاوند کے گھر واپس آجائے گی اس وقت سے نفقہ آئندہ زمانے کے لئے طلب کرسکے گی۔ گزشتہ غیر حاضری کے زمانے کا نفقہ آنے کے بعد بھی نہ مانگ سکے گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک عورت اپنے شوہر کے مکان سے ناشزہ ہوکر نکل کر دس میل دور کسی دوسرے مرد سے مل گئی اور اس سے زنا کرتی رہی۔ کئی مہینے کے بعد شوہر نے اس بستی میں جاکر کسی جلسہ میں ایک عالم متدین اور ذوی الاقتدار کمیٹی کے ممبروں کے پاس اپنی بیوی کو اس فعل شنیع سے باز رہنے اور اپنے مکان میں لے جانے کی درخواست کی۔ اس نے اس کو اس زناکار سے تفرقہ کرادیا۔ وہ عورت اپنے شوہر کے آدمی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئی۔ راہ میں پانچ میل کے فاصلہ پر ایک بستی میں ٹھہر گئی۔ ہر چند اس کے شوہر کے آدمی اور اس کمیٹی کے بعض ممبروں نے اس عورت کو اس کے شوہر کے گھر اور بستی میں لے جانے کی کوشش کی۔ لیکن ناکامیاب ہوگئے۔

چند روز کے بعد کئی شریروں کی سازش سے پھر وہ عورت اس زانی سابق کی بستی میں واپس چلی گئی اور اس زانی سے مل گئی اور زنا کرتی رہی۔ اب اس صورت میں سوال یہ ہے کہ مذکورہ عورت کو اپنے شوہر سے نفقہ وغیرہ حاصل کرنے کا حق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو اپنے شوہر کے نفقہ وغیرہ نہ دینے کی وجوہات پیش کرکے قاضی شریعت یا کسی ذی اقتدار پنچایت کے صدر کو اس نکاح کے اس وجہ سے فسخ ہونے کا فتویٰ دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ المستفتی ۱۹۲۶ محمد روح الدین صاحب (کلکتہ)

۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۳۸۳) **جواب** - اس عورت کو اپنے شوہر سے ان حالات کی صحت کی صورت میں نفقہ مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور ان وجوہات سے نفقہ نہ دینے کی بناپر فسخ نکاح کا حکم بھی نہیں دیا جاسکتا۔ ہاں اگر فسخ نکاح اس بناپر ہو کہ خاوند اور پنچایت کے قبضے سے عورت نکل چکی ہے اور زنا میں مبتلا ہے فسخ نکاح کرنے سے وہ زنا سے بچ جائیگی تو اور بات ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

تقریباً چودہ سال ہوئے کہ میری شادی مسماۃ امۃ الرحمٰن بنت شیخ برکت اللہ ساکن دہلی سے ہوئی تھی

اس عرصے میں تین بچے مسماۃ مذکورہ کے بطن سے پیدا ہوئے جن میں سے دو فوت ہوگئے۔ ایک لڑکا مسمّی محمد سلطان عمر سات سال حیات ہے اور اپنی والدہ کے پاس ہے۔ میری مالی حالت ماقبل میں اچھی تھی مگر گزشتہ آٹھ سال سے بتدریج خراب ہوتے ہوتے اب عسرت سے زندگی بسر کرتا ہوں۔ میری اہلیہ اکثر میرے ساتھ کلکتہ میں رہا کرتی تھی مگر جب سے میری حالت خراب ہونے لگی ہے میرے خسر نے اس کو اپنے گھر روک رکھا ہے اور ابتک رکھے ہوئے ہے۔ خط و کتابت کے ذریعہ، خود جا جا کر، اپنے حقیقی بھائی اور بھاوج کو بھیج بھیج کر بیسیوں دفعہ خصوصاً تیسرے چوتھے مہینے بھی اپنے خسر سے التماس کیا کہ وہ میری اہلیہ اور بچے کو رخصت کر دیں جس طرح سے میں بسر اوقات کر رہا ہوں اسی طرح وہ دونوں بھی کریں گے مگر میرے خسر نے ایک نہ سنی اور اب وہ جبراً و قہراً از روئے شریعت و عدالت میری اہلیہ کو مجھ سے علیحدہ کر کے اس کا عقدِ ثانی کر دینا چاہتے ہیں اور مہر کے علاوہ چالیس روپے ماہوار کے حساب سے تین سال کا خرچ خوراک وغیرہ وصول کرنا چاہتے ہیں۔ اب صورت سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے محض میری سابقہ مالی حالت اچھی نہ رہنے کی وجہ سے میری بیوی کو مجھ سے علیحدہ قرار دے کر اس کا نکاح ثانی کیا جاسکتا ہے یا نہیں اور کیا جب میری حالت دس روپے ماہوار بھیجنے اور بیوی پر خرچ کرنے کی نہیں ہے اور اپنی رضا یا میرے خسر کے دباؤ سے میری اہلیہ اپنے والدین کے گھر رہتی ہے۔ تو کیا اس صورت میں بھی مجھ پر میری حسبِ استطاعت ان کا خرچ واجب الادا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۱۶۹ شیخ محمد عثمان دہلوی مقیم حال کلکتہ۔ ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۵ جنوری ۱۹۳۸ء

(۳۸۴) **جواب** ۔نفقہ کی نوعیت اور مقدار معین کرنے میں زوجین کی حالت اور حیثیت کی رعایت رکھنی ہوتی ہے۔ یعنی اگر زوج دس روپے ماہوار قدرت رکھتا ہے اور زوجہ بیس روپے ماہوار کی حیثیت رکھتی ہے تو زید پر پندرہ روپے ماہوار ڈالے جائیں گے اور اگر زید نفقۂ واجبہ ادا نہ کرے تو زوجہ کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اس کے ساتھ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرے زوجہ اپنی خوشی سے قناعت کرے تو وہ اس کی رعایت اور شرافت ہے اور وہ مستحقِ تحسین ہوگی۔

گذشتہ زمانے کا نفقہ طلب کرنے کا زوجہ کو بھی حق نہیں ہے۔ اگر کوئی مسلمان حاکم عدم وصولی نفقہ کی بنا پر نکاح فسخ کر دے گا تو بعد انقضائے عدت وہ دوسرا نکاح کر سکے گی لیکن جب تک کسی مسلمان حاکم کا ایسا فیصلہ صادر نہ ہو دوسرا نکاح ناجائز ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

شوہر حج کو جاتا ہے اور اپنی واپسی تک زوجہ کے نان ونفقہ کے لئے ایک معتبر شخص کے پاس کچھ رقم رکھوا جاتا ہے اور زوجہ کو کہہ جاتا ہے کہ اپنے اخراجات کے لئے فلاں شخص سے برضرورت منگالیا کرے لیکن زوجہ بوجہ شرم اُس سے کچھ نہیں منگاتی اور اپنے والدین سے لے کر خرچ کرتی رہی چنانچہ شوہر کا بواپسی حج جہاز میں انتقال ہو جاتا ہے۔ اورزاں بعد شخص مذکور اس رقم میں سے ۱/۸ حصہ شرعی متوفی کی زوجہ کو دے دیتا ہے اور بقیہ رقم اس کے شوہر مرحوم کی پہلی مرحومہ زوجہ کے لڑکے کو دیدیتا ہے۔ اب سوال صرف اس قدر ہے کہ زوجہ شوہر کے حج کی روانگی سے تا وقت اس کے انتقال اور اس کے انتقال سے تا اختتام اپنی عدت اس کی متروکہ جائداد سے علاوہ اپنے ۱/۸ حصہ کے نان ونفقہ بھی لینے کی مستحق ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۵۲۱ سید عبدالجبار صاحب

۲۸ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ م ۱۷ جولائی ۱۹۳۹ء

(۳۸۵) **جواب**۔ نفقہ کی جو رقم زوجہ نے وصول نہیں کی اور عدت کے زمانہ کا نفقہ زوجہ کو نہیں ملے گا۔ اگر وہ نفقہ کی رقم لیتی رہتی تو بیشک وہ اس کا حق تھا۔ نہ لینے کی صورت میں یہ رقم شوہر کے مودَع یعنی امین کے پاس شوہر کی ملک پر باقی رہی اور اس کے انتقال پر اس کے ترکہ میں شامل ہوگئی اور موت کی عدت کا نفقہ متوفی شوہر کے ترکہ میں واجب نہیں ہوتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۲۷ء)

زید کی منکوحہ بلا اجازت اپنے شوہر کے اپنے اعزا کے اغوا سے فرار ہوگئی اور شوہر سے علیحدہ رہ کر نان ونفقہ اور زرِ مہر طلب کرتی ہے۔ زید اس کے چال چلن سے مشتبہ ہے۔ تو ایسی صورت میں وہ کہاں تک حقوق پانے کی مستحق ہے۔ زید کے والدین اس امر کی کوشش بھی کرتے ہیں کہ زبردستی طلاق دلوائیں۔ حالانکہ زید اپنی منکوحہ کو طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ کیا قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بطور خود شوہر پر دباؤ ڈال کر عورت کو طلاق دلوائے یا تفریق کردے۔

(۳۸۶) **جواب**۔ عورت خاوند کے گھر سے بلا اجازت چلے جانے کی صورت میں اس وقت تک نفقہ کی

مستحق نہیں ہے جب تک کہ خاوند کے گھر واپس نہ آجائے۔ اگر زید کی جانب سے عورت کے ساتھ کوئی زیادتی اور بدسلوکی نہیں کی جاتی ہے تو عورت طلاق مانگنے میں گنہگار ہے۔ اور قاضی کو زبردستی طلاق دلوانے کا حق نہیں ہے اور نہ وہ بلاوجہ تفریق کرانے کا اختیار رکھتا ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ'

چودھواں باب

حقوقِ زوجین

سوال

عمرو زید کے خالو ہوتے ہیں اور ان کا وطن قدیم ایٹھی خطہ اودھ ہے۔ ان کے تعلقات ملازمت حیدر آباد دکن میں ہوئے۔ زید اصل باشندہ کاکوری ضلع لکھنؤ کا ہے اور اس نے خطہ متوسط میں ملازمت انگریزی اختیار کی۔ تعارف و قرابتِ سابقہ کی وجہ سے زید کا نکاح عمرو کی دختر کے ساتھ حیدر آباد میں ہوا۔ اور کوئی شرط کسی قسم کی مہر اور آمد و رفت کے متعلق نہیں ہوئی۔ بعد نکاح عمرو نے اپنی دختر کو زید کے ساتھ متعدد مرتبہ زید کی جائے ملازمت مختلف اضلاع خطہ متوسط پر اس کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ حتیٰ کہ زید کی صلب سے ہندہ دختر عمرو کی تین اولادیں ہوئیں۔ نکاح سے چھ سال کے بعد مسماۃ ہندہ اور خود والد ہندہ کو یہ عذر ہوا کہ زید کے ساتھ سفر دور دراز جائے ملازمت زید پر جانا منظور نہیں۔ کیونکہ ان کا بیان ہے کہ زید کو شرعاً ایسا کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ ہندہ کو اپنے ساتھ سفر میں لے جائے۔ مطالبہ مہر باعثِ انکار سفر نہیں۔ قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ ایسی حالت میں زید کو اپنی زوجہ ہندہ کو اپنی جائے ملازمت و سکونت پر لے جانے کا شرعاً حق ہے یا نہیں۔ اگر ہندہ عذر اذیت و تکلیف دہی پر جانے سے انکار کرے اور اس عذر کو ثابت نہ کر سکے یا بہ ثبوت پیش کردہ اگر ثابت سمجھا جائے تو زید بعد ادخال ضمانت معتبر ہندہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۳۸۷) **جواب**۔ زوج کو اختیار ہے کہ اپنی منکوحہ کو جہاں چاہے رکھے۔ سفر میں جائے تو اس کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم و لا

تضاروھن لتضیقوا علیھن - اور زوجہ کا بے دلیل و بے ثبوت یہ کہنا کہ زوج مجھے تکلیف و اذیت دیتا ہے غیر معتبر ہے جبکہ زوج کے ظاہر حالات سے اس بات کا گمان نہ ہوتا ہو اور وہ حسنِ سلوک کی ضمانت بھی دیدے - قالوا للزوج ان یسکنھا حیث احب ولکن بین جیران صالحین ولو قالت انہ یضربنی ویؤذینی فمرہ ان یسکننی بین قوم صالحین فان علم القاضی ذلک زجرہ ومنعہ عن التعدی فی حقھا والا یسأل الجیران عن صنیعہ فان صدقوھا منعہ عن التعدی فی حقھا ولا یترکھا ثمہ وان لم یکن فی جوارھا من یوثق بہ او کانوا یمیلون الی الزوج امرہ باسکانھا بین قوم صالحین (ردالمحتار ص ۶۸۲ ج ۲) البتہ اگر زوج کی جانب سے ضرر رسانی و ایذا دہی کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں اسے زوجہ کو ساتھ لے جانے کا استحقاق نہیں ہے اور زوجہ کو اختیار ہے کہ وہ سفر میں جانے سے انکار کردے - ثم ذکر عن الفقیھین ابی القاسم الصفار و ابی اللیث انہ لیس لہ السفر مطلقا بلا رضاھا لفساد الزمان لانھا لا تأمن علی نفسھا فی منزلھا فکیف اذا خرجت وانہ صرح فی المختار بان علیہ الفتوی وفی المحیط انہ المختار (ردالمحتار ص ۳۶۹ ج ۲)

سوال

ہندہ منکوحہ زید کی ہے جو بے اذن اپنے خاوند کے اپنے میکہ بوقتِ شب بساعت ۱۲ بجے مع نقد و جنس روپوش ہو کر چلی گئی - ہندہ کا میکہ زید کے مکان سے تقریباً تین سو میل کے فاصلے پر ہے - قبل بھاگ جانے ہندہ کے برادرِ ہندہ واسطے لے جانے اپنی ہمشیرہ ہندہ کے آیا تھا لیکن زید و والدۂ زید نے بہ سبب حاملہ ہونے ہندہ کے رخصت کرنے سے انکار کیا - دو ہفتے بعد یہ واقعہ ہوا - بدین وجہ زید و وابستگانِ زید کا خیال ہے کہ برادر ہندہ ہی مخفی طور سے اس کو اپنے ہمراہ لے گیا ہے - ایسی حالت میں نکاح میں کوئی خلل واقع ہوگا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۳۹ غلام رسول کول مرچنٹ - ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۱۳ مارچ ۱۹۳۴ء

(۲۸۰) **جواب** - ہندہ خواہ اپنے بھائی کے ساتھ گئی ہو یا کسی اور مرد یا عورت کے ساتھ یا تنہا - بہر صورت نکاح میں کوئی خلل نہیں آیا - نکاح بدستور قائم ہے - ہندہ بلا اجازت بھاگ جانے میں خطاکار اور گنہگار ضرور ہے مگر کوئی کفارہ اس کے ذمہ لازم نہیں - سوائے توبہ اور معافی طلب کرنے کے اس

کو چاہئے کہ توبہ کرے اور خاوند سے معافی مانگے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

ہندہ اپنے شوہر زید کی اجازت سے میکے گئی ہوئی ہے وہاں اس کے والدین نے بلا اجازت زید کے اس کو ایک تقریب میں شریک کر دیا۔ بلکہ زید نے ممانعت کا خط بھی لکھ دیا تھا مگر اس کی تحریر پر عمل نہیں کیا گیا۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟ المستفتی ۳۲۴ حاجی حافظ علی محمد (امرار ریاست گوالیار)

۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۴ء

(۳۸۹) **جواب** ہندہ کو بغیر اجازت اپنے شوہر کے تقریب میں شریک نہیں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اگر وہ شریک ہو گئی تو اس کو اپنے شوہر سے معافی مانگنا چاہئے۔ اور شوہر کو مناسب ہے کہ وہ معاف کر دے فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زوج ترکِ وطن کرتا ہے اور زوجہ ترکِ وطن پر رضامند نہیں ہوتی اور سفر پر اس کے ہمراہ جانے کے لئے تیار نہیں ہوتی اور اپنے حقیقی بھائیوں اور باپ وغیرہ کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ آیا اس صورت میں زوج اپنی زوجہ کو اپنے ہمراہ جبراً سفر میں لے جا سکتا ہے یا نہیں؟ زوجہ کے انکار پر زوج جبر و تشدد کرتا ہے۔ آیا یہ فعل اس کا جائز ہے؟ زوجہ باعصمت ہے۔ اپنے بھائیوں کے نہ چھوڑنے کے علاوہ اور کوئی وجہ انکار کی نہیں ہے۔ المستفتی ۴۲۲ مجید چپراسی (دہلی) ۲۰ رجب ۱۳۵۳ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(۳۹۰) **جواب** جبکہ زوج شریف الطبع اور حسنِ سلوک میں آزمودہ ہو اور اس کی غرض اضرار یا ایذائے زوجہ نہ ہو اور وہ مہر بھی کلاً معجلاً یا بعضاً علی الشروط او العرف ادا کر چکا ہو تو وہ سفر معتدل متعارف میں جہاں زوجہ کو کوئی ناواجبی تکلیف پہنچنے کا احتمال نہ ہو اپنے ہمراہ لے جانے اور رکھنے پر جبر کر سکتا ہے۔ اور یہ جبر ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر اس کی غرض اضرار۱ یا ایذا ہو یا اس کا بقرینۂ ظاہرہ شبہ کیا جائے یا مہر۲ کی مقدار واجب الادا ادا نہ کی گئی ہو یا سفر۳ معتدل متعارف نہ ہو بلکہ دور و دراز مقام یا بالکل غیر ملک میں لے جانا چاہے یا زوجہ۴ کو وہاں کوئی ناواجبی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو ان صورتوں میں جبراً لے جانے کا حق نہیں اور جبر کرنا ظلم قرار دیا جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مرد اپنی زوجہ کو بچہ کے دودھ پلانے پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں ؟ نیز روٹی پکانے کے لئے مجبور کر سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۴۹۶ محمد انور (ضلع جالندھر) ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۵ء

(۳۹۱) **جواب** - مرد کو یہ حق نہیں کہ منکوحہ عورت پر بچے کو دودھ پلانے کے لئے جبر کرے بشرطیکہ وہ اتنی استطاعت رکھتا ہو کہ بچے کے لئے دایہ کا انتظام کر سکے ۔ ورنہ ماں پر بچہ کو دودھ پلانا لازم ہے ۔ روٹی پکانے کے لئے بھی جبر نہیں کر سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

عورت اپنے شوہر کو چھوڑ کر دوسرے مرد کے ساتھ چلی گئی ۔ تو شوہر کا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں ؟ ۔ اب شوہر اس کو بلانا چاہتا ہے ۔ المستفتی نمبر ۵۴۱ الٰہی خاں (مگوے) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(۳۹۲) **جواب** - عورت کے چلے جانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا ۔ اگر خاوند اس فعل سے ناراض ہو کر اُسے رکھنا نہ چاہے تو اُسے طلاق دے سکتا ہے ۔ محمد کفایت اللہ

سوال

کوئی بیوی شوہر کا کہنا نہ مانے یعنی اس سے نماز روزہ وغیرہ کے لئے کہا جائے اور وہ اس کے خلاف کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۵۷۰ حاجی محمد حیات (ضلع علی گڑھ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(۳۹۳) **جواب** - نافرمان بیوی جبکہ کسی طرح نہ مانے اور باز نہ آئے تو خاوند کو حق ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے ۔ محمد کفایت اللہ

سوال

(۱) عورت کے کیا کیا حقوق مرد پر ہوتے ہیں اور اُسے عورت کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئیے ؟
(۲) عورت کا خاوند کے لئے کیا فرض ہے اور خاوند کا عورت کے لئے کیا فرض ہے ؟ (۳) ایک فرماں بردار عورت کے حق میں خاوند کی طرف سے زیادتی ہونا کہاں تک درست ہے ؟ (۴) حاکم شرع کو شادی کے جھگڑوں کے بارے میں مطابق شرع فیصلہ دینا چاہئیے یا نہیں ؟

(۳۹۴) **جواب** - (۱) عورت کا نفقہ کھانا، لباس، مکان مہیا کرنا مرد کے ذمہ ہے۔ (۲) خاوند کی اطاعت اور اس کے مال کی حفاظت، اولاد کی پرورش، عصمت کی حفاظت۔ (۳) زیادتی اگر فی الحقیقت زیادتی ہو تو ناجائز اور ظلم ہے۔ (۴) شرع کے مطابق فیصلہ دینا فرض ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(۱) زید کی دو بیویاں ہیں - ایک سے محبت زیادہ ہے دوسری سے کم - نیز ایک سے مباشرت کرتا ہے دوسری سے کبھی اتفاقیہ بادلِ ناخواستہ صحبت کی نوبت آتی ہے۔ جس سے باہمی نزاع اور منافرت پھیل کر یہاں تک نوبت آگئی کہ مذکورہ بیوی زنا پر آمادہ ہوگئی۔ زید کا عذر یہ ہے کہ کھانا کپڑا تو مساوی طور پر دے سکتا ہوں کیونکہ واجب ہے لیکن صحبت کرنی واجب نہیں۔ لہٰذا مجھے اختیار ہے صحبت کروں یا نہ کروں۔ عورت یہ کہتی ہے کہ کھانا کپڑا تو باپ کے گھر بھی تھا: نکاح تو صحبت کی ضرورت کے لئے کیا تھا۔ جب میری صحبت سے نفرت ہے تو مجھے آزاد کردے میری کیوں راہ مار رکھی ہے اس معاملہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟ ان میں مفارقت کرادی جائے یا اسی حالت میں رہنے دیا جائے جب کہ عورت زنا پر مستعد ہے۔

(۲) بکر کی بیوی بکر سے ناخوش اور متنفر ہے اور دوسری جگہ ناجائز تعلق کر رکھا ہے۔ باوجود ہر طرح کی خاطر کے بکر کی بیوی بکر کو منہ نہیں لگاتی اور نہ بکر سے ڈرتی ہے نہ اس کا کہنا مانتی ہے۔ بکر کو ہر طرح کی مجبوری درپیش ہے۔ عورت کی طرف سے بے حد تکلیف پہنچ رہی ہے۔ اس لئے مجبور ہو کر سبکدوش ہونا چاہتا ہے۔ بکر کی مالی حالت یہاں تک گری ہوئی ہے کہ پاس ایک پیسہ نہیں جو عدالت سے چارہ جوئی کرسکے یا عورت کا مہر ادا کرسکے۔

المستفتی نمبر ۹۴۱ محمد قاسم، گنگوہ - ۲۸ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء

(۳۹۵) **جواب** - (۱) اگرچہ قضاءً یہ لازم نہیں کہ ہر عورت سے اس کی باری پر جماع بھی کیا جائے۔ لیکن دیانۃً مرد پر واجب ہے کہ اتنی مدت تک ترکِ جماع نہ کرے جس کی برداشت عورت سے نہ ہوسکے یا اس پر شاق ہو۔ اور جبکہ عورت خدانخواستہ زنا پر آمادہ ہو اور شوہر پھر بھی اس کی حاجت پوری نہ کرے تو مفارقت کردینی لازم ہے۔

(۲) بکر کو ان حالات میں کہ بیوی علانیہ زنا کرتی ہے اور کسی طرح نہیں مانتی اس کو طلاق دیدینی

چاہئے اور مہر کی ادائگی جب ممکن ہو اس وقت کر دے یا عدم ادائگی کی وجہ سے جو تکلیف پہنچے اسے برداشت کرے معلقہ چھوڑے رکھنا صحیح نہیں۔ اور اگر بیوی بکر کے گھر میں نیک عورتوں کی طرح پابندی اور پردے سے نہیں رہتی تو اس کا نفقہ بکر کے ذمہ واجب نہیں۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) کیا اللہ پاک نے قرآن شریف میں کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ تم اپنے والدین کو جو کہ خلافِ شرع کام کرتے ہیں نصیحت و ہدایت کیا کرو۔ بیٹا ماں باپ کو نصیحت کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) زید اپنی زوجہ سے کہتا ہے کہ میرے ماں باپ بھائی بہن وغیرہ کا حقِ خدمت شرعی حکم سے اگر تمہارے ذمہ ہے تو ادا کرنا چاہئے۔ زید کی زوجہ کہتی ہے کہ اللہ کا حکم قرآن شریف میں اور اللہ کے رسول کا حکم حدیث شریف میں مجھے دکھلائیے کہ میں بدل وجان حکم بجالاؤں۔

المستفتی نمبر ۹۸۰ عبدالوحید صاحب (ضلع بلند شہر) ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۶ جون ۱۹۳۶ء

(۳۹۶) **جواب** - (۱) بڑے کاموں سے بچنے اور نیک راہ اختیار کرنے کی نصیحت بیٹا بھی والدین کو نرمی اور ادب کے ساتھ کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت اپنے باپ کو قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہے۔ (۲) زید کے والدین کا ادب اور احترام اور معمولی عرفی خدمت جس میں زوجہ پر کوئی مشقت اور تکلیف نہ ہو کرنی بہتر ہے۔ اس سے زیادہ زوجہ کے ذمہ لازم نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) زوجہ کو شوہر کی تابعداری ضروری ہے یا والدین کی اور وہ بھی اس صورت میں کہ والدین کی فرماں برداری عورت کو شوہر کے جائز حقوق کی ادائیگی میں مانع ہو جس کی وجہ سے شوہر اور زوجہ میں نباہ دن بدن مشکل ہوتا جا رہا ہے۔

(۲) شوہر کے مکان میں شوہر کی والدہ برادرِ کلاں و خورد بھی رہتے ہیں اور حیثیت اتنی نہیں ہے کہ دوسرے مکان میں رہیں لیکن زوجہ اور اس کے والدین ان کے سامنے آنے کو حرام سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس حال میں عورت کا تشدد کہاں تک صحیح ہے؟

المستفتی نمبر ۱۰۸۲ قاری خادم علی مرادآبادی مدرس مدرسہ نئی سڑک (دہلی)
۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء

(۳۹۷) **جواب** - (۱) زوجہ کو شوہر کی تابعداری لازم ہے اور والدین کی خدمت اور اطاعت اس حد تک لازم ہے کہ وہ شوہر کے حقوق میں خلل انداز نہ ہو۔ (۲) عورت کا حق ہے کہ اس کو ایسے مکان میں رکھا جائے جس میں شوہر کے اقارب نہ ہوں۔ دیور اور جیٹھ کے سامنے ہونے سے اگر زوجہ انکار کرتی ہے تو اس انکار میں وہ حق بجانب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کی لڑکی شادی شدہ زیادہ تر اپنے پدر زید کے پاس رہی۔ اخیر مرتبہ بیمار ہو کر اپنے شوہر کے یہاں سے زید کے یہاں آگئی اور یہیں اس کا معالجہ شروع ہوا۔ اس علاج میں زید نے کثیر مصارف کئے ایک عرصہ تک بیمار رہ کر وقت آچکا تھا انتقال ہو گیا۔ اس کے مرنے پر تمامی مصارف بڑی تعداد کے ساتھ زید کے یہاں ہی ہوئے۔ اس نے ایک بچہ شیر خوار دو ڈھائی سالہ چھوڑا۔ اس کی پرورش بھی بڑے پیمانہ پر زید کے یہاں ہوئی۔ اس کی خالہ نے اس کو دودھ پلایا۔ ایک نوکرانی بھی دودھ پلانے کے لئے رکھی گئی۔ اس کی خدمت و پرورش میں زر کثیر صرف ہوا اور اس وقت تک وہ زید کے یہاں موجود ہے۔ جب عمر اس کی ساڑھے تین سال کی ہوئی تو اس کی تعلیم شروع ہونے پر جملہ مصارف اچھی صورت میں ہوتے رہے۔ بچہ کی عمر اس وقت دس سال کی ہے۔ اب بکر اس کا باپ تعلیم کے نام سے اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔ بکر نے عقدِ ثانی بھی کر لیا ہے۔ اس کی بھی اولاد ہے۔ بچہ بکر کے پاس رہنا نہیں چاہتا ہے۔ بکر پکڑ پکڑ کر لے جاتا ہے اور وہ پھر بھاگ کر آجاتا ہے۔ اس کو سمجھایا بھی جاتا ہے تو وہ وہاں جانے سے انکار کرتا ہے۔ بکر کو اس کے ملنے والوں کے ذریعہ سے سمجھوایا گیا کہ بقول تمہارے بچہ کو تم اپنے پاس رکھ کر تعلیم کرانا چاہتے ہو تو جس معیار پر تعلیم کرانے کا خیال ہے وہ لکھ کر دیدیا جائے اس معیار سے دو چند پیمانہ پر زید اس کا نانا اپنے مصارف سے تعلیم کرانے کے لئے تیار ہے مگر بکر اس کا باپ کسی اغراض یا ضد کی وجہ سے اس کو نہیں مانتا۔ زید اس کے نانا کو بچہ کے رکھنے میں سوائے اس کے کہ بچہ آرام سے رہے اور دختر مرحومہ کی یادگار ہے خدا قائم رکھے اور اس کی نسل کا سلسلہ خدا بڑھائے اور اپنی حیات میں ہی اگرچہ دختر مرحومہ شرعاً محروم الارث ہے۔ اس دختر کے حقوق اپنے سامنے

خوشی سے دیدیئے جائیں۔ اس کے علاوہ اور اس کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ کوئی غرض وابستہ نہیں ہے
اور جس قدر صرفہ زید نے زوجۂ بکر کی بیماری اور تجہیز و تکفین میں کیا ہے اس کی ادائیگی کا بکر شرعاً
ذمہ دار ہے یا نہیں اور اسی طرح سے زید نے پسر بکر کی پرورش میں جو کچھ صرف کیا ہے اُس کی
واپسی بکر پر لازم ہے یا نہیں۔ اور عدم ادائیگی مطالبات مذکورہ مانع سپردگی پسر ہے یا نہیں؟

المستفتی ۱۱۶۶ ہدایت محمد خاں صاحب سر رشتہ دار نظامت پرگنہ سرونج
۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۶ء

(۳۹۸) **جواب** ۔ زید نے اپنی مرحومہ لڑکی کے علاج اور تجہیز و تکفین اور بچہ کی پرورش اور تعلیم میں بغیر امر و اذن بکر جو مصارف کیے ہیں ان کا بکر سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ یہ سب تبرع سمجھے جائینگے۔ بچہ کی عمر جب سات سال سے متجاوز ہوگئی تو باپ کو یہ حق ہے کہ بچہ کو اپنی نگرانی میں لے لے۔ اور اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے۔ اگر بچہ کی تعلیم و تربیت نانا کے یہاں قابلِ اطمینان طریق پر ہو رہی ہے اور بچہ نانا کے یہاں رہنے میں خوش ہے تو اس کے باپ کو صلح و رضامندی کے ساتھ اس پر آمادہ کیا جائے کہ بچہ کو نانا کے یہاں چھوڑ دے۔ جبراً بچہ کو اپنے یہاں رکھنے کا نانا کو حق نہیں۔ بالغ ہونے کے بعد بچہ نانا کے یہاں رہنا پسند کرے تو اُسے یہ اختیار حاصل ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) بعض سوالات کا جواب بالتصریح نہ ملنے سے تسکین نہیں ہوئی۔ اگر بکر اپنی اہلیہ کا علاج کرتا تو زید کو کیا ضرورت تھی کہ وہ بکر کے مصارف روک کر اپنے مصارف شروع کر دیتا۔ کیا شوہر کے یہ فرائض میں نہیں کہ بحالت بیماری اہلیہ اس کا علاج کرائے اور علاج میں جو مصارف ہوں اُن کو برداشت کرے۔ کیا یہ شوہر کے فرائض میں نہیں کہ اہلیہ کے مرنے پر اس کی تجہیز و تکفین کرے اور اس کے مصارف برداشت کرے۔ مصارف کا بار اس وقت بکر پر نہیں پڑ سکتا کہ جب بکر مصارف کر رہا ہو اور زید اس کو روک کر اپنے مصارف شروع کرے۔ یہی صورت پرورش بچہ کے مصارف کی ہے۔ کیا ایسی صورت میں بھی ان مصارف پر تبرع ہو سکتا ہے۔

(۲) زید یعنی نانا کو کیا ضرورت ہے کہ جبراً بچہ کو اپنے پاس رکھے یا مصارف برداشت کرے۔

سوال تو یہ ہے کہ بچہ کسی تکلیف سے باپ کے پاس نہ رہنا چاہے اور اپنے نانا کے پاس خود رہنا پسند کرے تو کیا باپ اس کا جبراً بلا رضامندی اس کی لے جا سکتا ہے۔ کیا اس کے باپ کے دعوے پر عدالت بلا رضامندی بچہ اس کو جبر کے ساتھ سپرد کر سکتی ہے۔ کیا یہ بات اخلاقاً بھی درست ہو سکتی ہے؟ المستفتی نمبر ۱۲۴۸ ہدایت محمد خاں صاحب سررشتہ دار نظامت۔ سرونج

۱۹ رمضان ۱۳۵۵ھ م ۵ دسمبر ۱۹۳۶ء

(۳۹۹) **جواب** - (۱) شوہر پر زوجہ مریضہ کا علاج لازم نہیں۔ ہاں شوہر پر تجہیز و تکفین لازم ہے لیکن فاتحہ ایصال ثواب وغیرہ لازم نہیں۔ تجہیز و تکفین میں غالباً زیادہ سے زیادہ بیس روپے خرچ ہوتے ہیں اور وہ بھی اگر متوفیہ کے اقارب بغیر امر زوج کر دیں تو ان کی طرف سے یہ تبرع ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ روک کر کرے بلکہ بغیر امر کرنے کی صورت بھی تبرع ہو گا۔ (۲) جب بچہ نابالغ ہے تو اس کی سمجھ اور ناسمجھی ظاہر ہے اس لئے اس کی اپنی مرضی غیر معتبر قرار دی گئی ہے۔ ابھی اس کا احساس معتبر نہیں ہے کیونکہ ناسمجھی کی عمر ہے۔ بے شک شارع نے اخلاق کو پیشِ نظر رکھ کر ضابطے بنائے ہیں اور ضابطہ کلیہ یہی ہے کہ بلوغ سے پہلے بچوں کی مرضی کا اعتبار نہ ہو ورنہ تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک نومسلمہ عورت جو دینِ اسلام حاصل کرنے کی غرض سے ایمان لائی اس کا مسلمان خاوند جس نے اس کی تعلیم قرآن شریف کا مصمم عہد بھی کر لیا تھا اب تعلیم حاصل کرنے سے روکتا ہے اور اس کو اذیت بھی دیتا ہے اور تنبیہ بھی کرتا ہے تو شخص مذکور کو شریعت کیا حکم دیتی ہے اور جبکہ عورت مذکورہ کے متعلق یہ قوی اندیشہ ہے کہ اگر اس کی منشار کے خلاف کیا جاوے تو بہت ممکن ہے کہ وہ اسلام سے پھر جائے۔ المستفتی نمبر ۱۴۹۸ مولوی عبدالحق صاحب مدرس مدرسہ شمس العلوم (ضلع مراد آباد) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جون ۱۹۳۷ء

(۴۰۰) **جواب** - تعلیم قرآن مجید سے روکنے کا خاوند کو حق نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

میں نے ایک شادی عرصہ ۲۵ سال ہوا جب کی تھی۔ اس عورت سے اولاد بھی پیدا ہوئی۔

بلکہ ایک لڑکا خدا کے فضل سے بعمر ۲۲ سال اب بھی موجود ہے مگر عورت مذکور میں دماغی طاقت بالکل نہیں ہے۔ نہ نیک و بد کی پہچان ہے۔ خاص طور سے گھر کی بربادی اور اپنا جسمانی نقصان خیال کرکے بدرجۂ مجبوری میں نے ایک دیگر عورت سے نکاح کر لیا کیونکہ بغیر اس کے میری زندگی بیکار تھی۔ خیر میں نے نکاح کرکے پھر دو عورتوں کو علیحدہ علیحدہ رکھ دیا۔ مگر عورت سابقہ نے کچھ دن کے بعد کچھ لڑائی جھگڑا خود میرے ساتھ شروع کر دیا۔ میں دھولپور رہتا تھا وہاں اس قدر نوبت پہنچائی کہ باآواز بلند جھوٹا اتہام مجھ کو لگانا شروع کیا کہ میرا شوہر مجھ کو تلوار سے مارنا چاہتا ہے آخر کار یہ بات ہمسایوں کے کان میں پڑی اور پولیس تک کو معلوم ہوئی۔ میں بہ خوف گرفتاری وہاں سے دوسری عورت کو ساتھ لے کر جے پور گیا۔ تب اس نے دھولپور سے خط روانہ کئے اور خرچ طلب کیا۔ خیر میں نے خرچ بھی بھیجنا شروع کر دیا تو پھر اس نے لکھا کہ میں جے پور آنا چاہتی ہوں تو میں نے جے پور بھی بلوا لیا اور یہاں پر بھی اس کو بہت آرام سے رکھا مگر کچھ دن رہنے کے بعد اس نے مجھ کو جھوٹا الزام لگانا شروع کر دیا ہے کہ میرا خاوند مجھ کو زہر دے کر مارنا چاہتا ہے۔ آخر کار پھر بدنامی کے ڈر سے بدرجۂ مجبوری میں نے اس کو اس کی والدہ کے پاس ریاست گوالیار میں بھیج دیا۔ اب آپ سے دست بستہ گزارش ہے کہ اب مجھ کو کیا کرنا چاہئے تاکہ مجھ کو مذہبی کسی قسم کا عذاب نہ ہو۔ میں نے ہر طرح سے کوشش کی اس کو سمجھانے کی اور اس کو اب بھی نان و پارچہ دینے کو تیار ہوں مگر اس کی خراب عادت کی وجہ سے پاس رکھنے سے مجبور ہوں۔

المستفتی نمبر ۲۰۳۰ اسماعیل لوہار (جے پور) ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۴۰) **جواب** - اگر وہ تہمتیں تراشتی ہے اور اس کے رویہ سے مرد کو تکلیف پہنچنے بلکہ قید و بند کی مصیبت پیش آنے کا خطرہ ہے تو پھر وہ اس کو اپنے پاس نہ بلانے اور نہ رکھنے میں گنہگار نہ ہوگا۔ ہاں بہتر یہ ہے کہ کچھ خرچہ بھیج دیا کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک شخص عادل انصاف پسند اہل علم نے ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا۔ بارہ سال تک عورت اس کے گھر میں آباد رہی۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ اس عورت نے اپنے بھائی اور بچوں سے ملنے کی خواہش کی۔ خاوند خود اپنے ساتھ لے گیا۔ وہاں پہنچ کر عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ میں بہت

مدت کے بعد آئی ہوں اس لئے آپ چلے جائیں میں ایک ماہ یا ڈیڑھ ماہ کے بعد آجاؤں گی۔ اب ساڑھے چھ ماہ کا عرصہ ہو چکا شوہر نے متواتر کئی ایک خط تحریر کیے ہیں۔ وہاں سے کبھی تو جواب آتا ہے کہ اسّی روپے روانہ کر دو کبھی جواب آتا ہے کہ بیس روپے یا تیس روپے روانہ کر دو تو آجائے۔ دراصل اب اس کی آنے کی نیت نہیں۔ مجبور ہو کر خاوند نے شرعی طور پر استفتا کیا ہے اور خاوند کا یہ منشا نہیں کہ بلا وجہ طلاق دی جائے اور عورت اپنے پہلے بچوں کے پاس رہنا چاہتی ہے نکاح ثانی کے اس خاوند کے پاس جانے کی نیت نہیں۔ اس فیصلہ کی نسبت جو شرعاً حکم ہو صادر فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۲۰۴۰ حکیم محمد بخش صاحب جالندھری

۱۳ ار رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۸ ار نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۰۲) **جواب**۔ اگر عورت خاوند کے پاس رہنا نہیں چاہتی اور مرد اس کو اس وجہ سے طلاق دیدے تو اس میں مرد کے ذمہ کوئی مواخذہ اور گناہ نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

حاملہ عورت سے کس مدت تک شوہر جماع کر سکتا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۳۶۰ نبی احمد خاں۔ آگرہ

(۴۰۳) **جواب**۔ جب تک عورت کو تکلیف اور حمل کو نقصان نہ پہنچے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) خالد بسلسلۂ روزگار و معاش اپنے وطن سے بہت دور قیام پذیر ہے اور بیوی بچے بھی ساتھ رکھتا ہے چونکہ اس کی بیوی کے والدین اور قریبی رشتہ دار وطن میں رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں خالد پر شرعاً کس قدر عرصہ میں بیوی کو اس کے والدین سے ملا دینا ضروری و لازمی ہے۔

(۲) ملا دینے میں کچھ وقت اور دن کی تعداد شریعت میں ہے یا سال دو سال میں دو چار روز کے لئے بھی ملا دینا کافی ہے۔

(۳) خالد کو اس صورت میں نہایت آرام و راحت ہے کہ جب اس کی بیوی کا ماں باپ سے یا ماں باپ کا بیٹی سے ملنے کو دل چاہے تو خالد آمد و رفت کا خرچہ ان کو بھیج دیوے خسر و خوشدامن دونوں یا ایک آجائیں اور جب تک دل چاہے قیام کریں اور پھر چلے جائیں۔ یہ صورت

شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

(۴) دوسرے قریبی رشتہ دار دادا دادی، نانا نانی، چچا، پھوپی، خالہ، بہن بھائی ان سب سے کس قدر عرصہ میں ملادینا چاہئے اور یہ شرعاً ضروری ہے یا غیر ضروری امور میں سے ہے ؟

(۵) بیوی پر شوہر کے کیا کیا حقوق ضروری و لازم ہیں ؟

(۶) ایک کام شوہر بیوی کو بتلادے جب تک کہ وہ خلافِ شرع نہ ہو اور ایک کام اسی قبیل سے اسی وقت بیوی کا باپ اپنی لڑکی کو بتلادے تو بیوی کو کس کے حکم کی تعمیل ضروری ہے، اور خدا و رسول کی خوشنودی کس شق میں ہو گی ؟

(۷) شوہر بیمار، بیوی بھی بیمار اور دونوں خدمت کے محتاج۔ بیوی پر کس کی خدمت آیا شوہر کی یا باپ کی لازم ہو گی ؟　　المستفتی نمبر ۲۴۱۸ مولوی محمد جمیل کاٹھیاواڑ

۲۵ رجب ۱۳۵۷ھ م ۲۱ ستمبر ۱۹۳۸ء

(۴۰۴) **جواب** ۔ خاوند کے ذمہ یہ لازم نہیں کہ وہ بیوی بچوں کو بیوی کے ماں باپ دادا دادی سے ملانے کے لئے وطن پہنچائے۔ البتہ سفر میں لے جانے کے وقت اگر کوئی وعدہ کیا تھا تو اس وعدہ کو پورا کرنا دیانۃً لازم ہے اور یہ بھی لازم نہیں کہ وہ بیوی کے ماں باپ کو بلانے کے لئے مصارفِ سفر ادا کرے۔ اگر دیدے تو اس کی یہ رواداری اور موجبِ اجر و نیکی ہے۔ بیوی پر شوہر کی اطاعت اور حفظ عصمت اور اس کے گھر کی حفاظت لازم ہے۔ اگر باپ اور شوہر دونوں محتاجِ خدمت ہوں تو شوہر کی خدمت مقدم ہے۔ جو کام کہ شوہر نے بتلایا ہے اگر وہ بیوی کے ذمہ لازم ہو تو بیوی کو اطاعت شوہر کی کرنی چاہئے اور اگر وہ کام بھی ایسا ہو کہ بیوی کے ذمہ لازم نہیں تو اس میں اطاعت بھی لازم نہیں۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) کیا عورت پر شوہر کی اطاعت واجب ہے ؟ (۲) عورتوں کو نماز جمعہ کے لئے مسجد میں جانا جائز ہے یا نہیں ؟ (۳) عورتوں کے لئے قرآن کی تعلیم اور اس کا ترجمہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں ؟ (۴) عورت کو کس جگہ نماز پڑھنی چاہئے ؟ (۵) ترجمہ قرآن سیکھنے کے لئے عورت کو گھر سے باہر جانا درست ہے یا نہیں ؟ (۶) جمعہ کی نماز کو جانے سے شوہر عورت کو روک سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۵۷۵ مستری نور محمد (سیالکوٹ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۷ء

(۴۰۵) **جواب** ۔ (۱) ہاں عورت پر شوہر کی اطاعت امورِ جائزہ میں واجب ہے۔ کسی ناجائز حکم کی اطاعت جائز نہیں۔ (۲) عورتوں کو نماز جمعہ کے لئے مسجد میں جانا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنّت۔ صرف مباح تھا اور وہ بھی عدم غلبۂ فساد کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک لیکن صحابہ اپنے زمانے میں ہی عورتوں کو نماز کے لئے مسجد میں آنے سے منع فرمانے لگے تھے۔ (۳) عورتوں کو بقدرِ ضرورت قرآن مجید کا ترجمہ سیکھنا لازم ہے۔ (۴) عورت کی نماز گھر میں افضل ہے۔ (۵) ترجمۂ قرآن مجید پڑھنے کے لئے عورت گھر سے باہر جانا چاہے اور کوئی بے پردگی اور فتنہ کا خوف نہ ہو تو شوہر کو روکنا نہیں چاہئے اور فتنہ کا خوف ہو تو روکنے کا حق ہے۔ (۶) جمعہ کی نماز سے عورت کو روکنے کا یہی حکم ہے جو نمبر ۵ میں لکھا گیا۔ اور باوجود شوہر کی ممانعت کے چلی جائے تو ثواب کی مستحق نہ ہو گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

باپ کے حقوق کیا ہیں فرزند پر۔ یہاں لوگ اپنے فرزندوں سے چرائی کا کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں فرزندوں پر ہمارا حق ہے۔ علم سے محروم کر رہے ہیں۔ عورت مرد کے کیا حقوق ہیں۔ یہاں لوگ عورتوں سے پانی لکڑی ڈھونا پردہ نہ دینا اور علم سے محروم نماز روزہ سے سستی کراتے ہیں۔ کہتے ہیں ہم عورتوں کو نفقہ دیتے ہیں یہ کام لینا ہمارا حق ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۵۱ حاجی باسو مقام لہمہ زیرین ڈاکخانہ یار خاں۔ ضلع لورالائی (بلوچستان) ۲۴ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲ اگست ۱۹۳۷ء

(۴۰۶) **جواب** ۔ باپ کو فرزند کے مال میں فرزند کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں۔ ہاں کسی سخت حاجت کے وقت بقدر حاجت فرزند کا مال خرچ کرے تو مضائقہ نہیں۔ عورت سے زبردستی پانی بھروانا لکڑیاں منگوانا بھی جائز نہیں۔ اولاد کو یا عورت کو علم سے محروم کرنا بھی ناجائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۳۶ء)

بماہ دسمبر ایک شب کو خمر و اپنی زوجہ رشیدہ سے خواہش مند مراصلت کا ہوتا ہے۔ رشیدہ یہ کہہ کر انکاری ہوتی ہے کہ تم تو مجھ کو روز کے روز ستاتے ہو۔ میں آج ہی تو نہائی ہوں۔ میری صبح کی نماز قضا ہو جائے گی۔ سردی میں مجھ سے سویرے نہیں نہایا جاتا۔ جاؤ تم آوارہ عورتوں کے ساتھ خراب ہو

میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ چنانچہ خمرو عاجز ہو کر اپنے بستر پر سو رہتا ہے۔ رشیدہ اس کہنے سے گنہگار ہوئی یا نہیں؟ اور اگر خمرو رشیدہ کے اس فعل سے ناراض ہو کر مرتکب حرام ہو تو اس کی ذمہ داری رشیدہ پر ہے یا نہیں؟

(۴۰۷) **جواب** - اگرچہ خاوند کے لئے بھی مناسب ہے کہ زوجہ کی صحت اور موسم کی شدت اور غسل کی دقت کا لحاظ رکھے۔ تاہم زوجہ کا انکار بغیر کسی سخت مجبوری کے جائز نہیں۔ اگر فی الحقیقت نمازِ فجر سے پہلے غسل کرنے میں کوئی شرعی عذر ہو تو وہ تیمم کرکے نماز پڑھ سکتی تھی۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو عورت خاوند کی ناراضی میں رات گزارے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ اور رشیدہ کے یہ الفاظ کہ "جاؤ تم آوارہ عورتوں کے ساتھ خراب ہو" سخت گناہ کے الفاظ ہیں۔ رشیدہ کو توبہ کرنی چاہئے۔ لیکن اگر ان الفاظ سے متاثر ہو کر خاوند حرام کاری کا مرتکب ہو تو اسکی ذمہ داری رشیدہ پر نہ ہوگی۔ بلکہ خاوند اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہوگا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ر فروری ۱۹۲۷ء)

(۱) خاوند کے منع کرنے کے باوجود اس کی زوجہ خاوند کا روپیہ اپنی والدہ وغیرہ کو دے دیتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ سب عورتیں ایسا ہی کرتی ہیں۔ (۲) زوجہ مذکورہ بالا امر میں حجت و تکرار کرتی ہے اور خاوند کو دق کرتی ہے جس سے وہ ناراض رہتا ہے۔ الفاظ ناشائستہ بھی بولتی ہے (۳) وہ سمجھتی ہے کہ مجھ پر ماں کا حق ہے۔ ماں کے پیر تلے جنت ہے۔ (۴) انہیں حالات میں وہ تکرار کرکے ایک روز شوہر کے گھر سے بغیر اجازتِ شوہر اپنی ماں کے گھر چلی گئی بعد میں آ گئی۔ (۵) مذکورۂ بالا حالات میں عورت گنہگار ہے یا نہیں اور اب تلافی کی کیا صورت ہے؟

(۴۰۸) **جواب** - (۱) جو روپیہ اور سامان کہ خاوند نے عورت کو اس غرض سے دیا ہے کہ وہ گھر میں خرچ کرے اور خاوند نے عورت کی تملیک نہیں کی اس میں سے عورت کو بغیر اجازت خاوند کے خیرات کرنا بھی جائز نہیں۔ اپنے ماں باپ بھائی کو دے دینا تو کسی طرح مباح نہیں۔ اگر عورت ایسا کرے گی تو یہ دیا ہوا روپیہ اس کے ذمہ رہے گا اور مواخذہ دار رہے گی۔ ہاں اجازت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ صریحی ہو۔ بلکہ یہ بھی کافی ہے کہ خاوند کو علم ہو اور وہ منع نہ کرے۔ اور تملیک کے بعد پھر اجازت لینے

کی ضرورت نہیں۔ (۲) جبکہ خاوند اس کے اس فعل سے ناراض ہوتا ہے تو عورت کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس کا مال بغیر اس کی اجازت کے خرچ کرکے اُسے ناراض کرے اور الفاظ ناشائستہ بولنا تو اور بھی زیادہ بُرا ہے۔ (۳) بے شک ماں کا حق ہے اور ماں باپ کی خدمت اور ان کی رضا جنت کا دروازہ ہے۔ لیکن خاوند کی اطاعت زوجہ پر مقدم ہے۔ خاوند کو راضی رکھ کر ماں باپ کی خدمت کرے۔ (۴) بلا اجازت خاوند کے بغیر کسی حاجت کے جانا جائز نہیں ہے۔ (۵) جو باتیں کہ خاوند کے حق کے خلاف ہو چکی ہیں ان کی معافی طلب کرے اور آئندہ کے لئے ان کے ارتکاب سے احتراز کرے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۲۷ء)

زید اپنی بی بی کا عاشق ہے۔ اپنی بی بی کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ مرجانا پسند کرتا ہے مگر اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اور زوجہ شوہر کے پاس رہنا نہیں چاہتی اور اس کے والدین بھی بھیجنا نہیں چاہتے۔ مگر عقد اور رخصتی ہو چکی ہے اور کچھ عرصے تک وہ زید کے پاس رہ چکی ہے۔

(۴۰۹) **جواب** ۔ جب نکاح اور خلوت وصحبت ہو چکی ہے تو اب بلا وجہ عورت جدائی کا مطالبہ کرنے میں اور اس کے والدین اس کی حمایت کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو عورت بغیر کسی وجہ کے خاوند سے خلع چاہے وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گی۔ پس زوجہ کو لازم ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ نباہ کرے اور خواہ مخواہ جدائی کا مطالبہ نہ کرے۔ اور مرد کو بلا وجہ طلاق دینا ضروری نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۱ء)

زید کا نکاح ایک نابالغ لڑکی سے پانچ سال بیشتر ہوا۔ بعد نکاح دُلہن صرف نوروز دولہا کے گھر رہی۔ دوسری مرتبہ پھر دولہا کے گھر میں ہفتہ عشرہ رہ کر میکے چلی گئی تب سے آج تک دولہا کے گھر نہیں آئی۔ کئی مرتبہ دولہا نے جاکر دولہن کو بُلایا نہیں آئی۔ اس کے باپ نے دولہا کے سامنے دلہن کو گوشہ کرا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ دولہا کے باپ کے سامنے بھی گوشہ کرادیا تھا۔ قریب ایک سال کے ہوا دلہن کے باپ نے خط لکھا کہ دلہن بالغ ہوگئی ہے اب تم آکر لے جاسکتے ہو۔ اس کے بموجب

دولھا اور اقربا وغیرہ دُلہن کے یہاں گئے تو ضیافت وغیرہ دھوم دھام سے ہوئی اور تمام رات خوشی میں گراموفون وغیرہ کے گانے ہوتے رہے۔ صبح کو دولھا والوں نے دلہن کی رخصتی چاہی تو بلا قصد و فساد روانہ کرنے سے انکار کر دیا۔ دولھا اور اس کے اقربا سب مایوس واپس گئے۔ بعد چند دن کے دولھا نے مجبورًا دوسرا نکاح کر لیا۔ اس خبر کو سُن کر دلہن کے باپ نے عدالت میں دولہا کے نام پر دعوٰی مہر اور جہیز کے لئے کر رکھا ہے۔

(۴۱۰) **جواب**۔ دُلہن کی طرف سے بلا وجہ خاوند کے یہاں جانے سے انکار کرنا صریح طور پر زیادتی ہے۔ مہر اگر معجل قرار پایا تھا تو دلہن کو طلب کرنے کا حق ہے اور دولہا کو یہ حق ہے کہ وہ دُلہن کو اپنے گھر لے جائے۔ جہیز تو دلہن کی ملکیت ہے جہاں چاہے رکھے اور جب چاہے طلب کرے۔ مہر اگر معجل نہیں تھا بلکہ مؤجل تھا تو دُلہن کو طلب کرنے کا حق نہیں جب تک کہ طے شدہ اجل (مدت) پوری نہ ہو جائے اور خاوند کو ہر وقت حق ہے کہ دلہن کو اپنے گھر لے آئے۔ فقط واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۲ء)

ایک شخص کو اپنی بی بی پر شک ہے کہ کسی غیر شخص سے زنا کیا ہے۔ مرد چاہتا ہے کہ بی بی کو حلف دے۔ بی بی حلف لینے کے لئے تیار ہے۔ مرد کا شک بغیر حلف کے دُور نہیں ہو سکتا۔ کیا حلف دینا دُرست ہے؟

(۴۱۱) **جواب**۔ اس صورت میں مرد کو اپنے اطمینان کے لئے بی بی سے حلف لے لینے کا مضائقہ نہیں۔ قضاءً بی بی پر حلف لازم نہ ہونا دوسری بات ہے۔ ہاں مرد کو یہ لازم ہے کہ اگر بی بی حلف سے انکار کر دے تو محض اس وجہ سے اس پر ملوث بالزنا ہونے کا یقین نہ کرے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

پندرھواں باب

حقوق والدین و اولاد

سوال

ایک بیوہ عورت کے چار بیٹے ہیں۔ ایک نابالغ اور تین بالغ۔ بالغوں میں سے دو لڑکے بہت غریب ہیں مشکل سے تین تین آنے روز کی مزدوری کرتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک تو اکثر بواسیر کے مرض میں مبتلا رہتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں بہت غریب ہیں۔ تیسرا لڑکا خوش حال ہے پچیس روپے ماہوار کا سرکاری ملازم ہے اور بھی کچھ بچوں کو پڑھا لیتا ہے۔ اس کو مہینہ میں معقول یافت ہوتی ہے۔ وہ دونوں غریب لڑکے اپنی بیوہ ماں اور نابالغ بھائی کو دو روپے ماہوار نفقہ کے لئے دیتے ہیں اور ہاتھ پاؤں سے اکثر خدمت کرتے ہیں۔ اب گزارش ہے کہ تیسرا لڑکا جو خوش حال ہے اس پر بھائی نابالغ اور والدہ کا کیا حق ہے۔ ان دونوں غریبوں کے برابر ہی حق ہے یا کچھ زائد؟

(۴۱۲) **جواب** ۔ اگر وہ دونوں مالکِ نصاب نہیں ہیں یعنی ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کا مال ان کی مِلک میں نہیں ہے اور تیسرا اتنے مال کا مالک ہے تو والدہ اور چھوٹے بھائی کا نفقہ صرف تیسرے کے ذمہ واجب ہے۔ اور اگر یہ دونوں بھی مالکِ نصاب ہوں تو پھر تینوں کے ذمہ واجب ہے۔ لیکن چونکہ ان کی آمدنی میں تفاوت فاحش ہے اس لئے اُن دو غریبوں پر انکی حیثیت کے موافق اور تیسرے مالدار پر اس کی حیثیت کے موافق واجب ہوگا۔ وان کان للفقیر ابنان احدھما فائق فی الغنیٰ والاٰخر یملك نصابا کانت النفقة علیھما علی السواء (عالمگیری) قال الامام شمس الائمة قال مشائخنا رحمھم اللہ تعالیٰ انما تکون النفقة علیھما علی السواء اذا تفاوتا فی الیسار تفاوتا یسیرا واما اذا تفاوتا تفاوتا فاحشا فیجب ان یتفاوتا فی قدر النفقة انتھیٰ (عالمگیری) محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی

سوال

بہن کے حقوق فرض ہیں یا واجب یا سنّت؟

(۴۱۳) **جواب** ۔ حقوق ہمشیرہ سے اگر باپ کے ترکہ میں سے بہن کا حق میراث مراد ہے تو اس

کا ادا کرنا فرض ہے۔ جو نہ دے گا فاسق ہوگا۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ بہن مسکین ہو اور اس کو ضرورت ہو تو اس صورت میں اس کی مدد کرنا واجب ہے۔ و تجب نفقۃ الاناث الکبار من ذوی الارحام وان کن صحیحات البدن اذا کان بھن حاجۃ الی النفقۃ کذا فی الذخیرۃ (ھندیہ) لیکن اگر اس کو ضرورت نہ ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں تاہم اس کے ساتھ سلوک کرتے رہنا ایک اچھا کام اور موجبِ اجر ہے۔ شریعتِ مقدسہ میں صلۂ رحمی کی بہت تعریف آئی ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال

زید نے اپنی حسب خواہش اور دستورِ زمانہ کے موافق بغیر رائے لڑکے لڑکی کے خرچ کر کے شادی کرائی۔ مذکور شادی کا خرچ لڑکے اور لڑکی سے لیا جائے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۸ مینگار عبدالرحمٰن (ضلع نارتھ ارکاٹ) ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۴۱۴) **جواب**۔ باپ نے جو روپیہ اپنی مرضی سے لڑکے اور لڑکی کی شادی میں خرچ کر دیا وہ لڑکے اور لڑکی سے وصول نہیں کر سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

زید کا باپ ایک دوسری شادی کرتا ہے اور اپنی جائداد فروخت کرنے کے بعد زید کی پیدا کردہ جائداد قیمتی چھ ہزار پر قابض ہو کر اپنی دوسری بیوی اور اس کی اولاد پر تقسیم کرتا ہے اور اسی جائداد میں سے مبلغ دو ہزار روپے کا مہر بیوی کا دینا چاہتا ہے۔ اور زید کو جس نے کہ یہ جائداد پیدا کی ہے محروم کرنا چاہتا ہے درآنحالیکہ یہ جائداد زید کی ذاتی آمدنی کے روپے سے خرید کردہ ہے جو کہ زید کے ایک مہاجن کے مشترکہ کاروبار کے منافع سے حاصل ہوا تھا۔ زید کے پاس ثبوتِ ملکیت موجود ہے اگرچہ حقوق والدین کے اولاد پر بہت ہیں لیکن زید کے بھی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور بیوی ہے جن کے حقوق ابھی تک کچھ ادا نہیں ہوئے۔

المستفتی نمبر ۱۲۵ محمد یار خاں جے پور۔ یکم شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۳ء

(۴۱۵) **جواب**۔ زید کے باپ کی یہ کارروائی قطعاً ناجائز ہے کہ زید کی مملوکہ جائداد پر اس طرح تصرف کرے۔ زید کو حق ہے کہ وہ اپنی جائداد کو اپنے والد کے اس بیجا تصرف سے محفوظ رکھنے کے لئے کارروائی کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

اگر کسی کا والد ناراض ہو اس وجہ سے کہ اس کا لڑکا اپنے خسر و خوشدامن کے خلاف ہے اور وہ اپنی بیوی کو میکے اس وجہ سے نہیں بھیجتا ہو کہ وہ لوگ یعنی لڑکی کے ماں باپ دوسری جگہ بغیر طلاق لیے ہوئے شادی نہ کر دیں۔ کیونکہ ایک مرتبہ ان لوگوں نے جبراً کیا تھا۔ اور لڑکے کا والد بھی اس بات کا قائل ہے کہ واقعی ان لوگوں نے حد سے زیادہ میرے لڑکے پر ظلم کیا مگر پھر بھی لڑکے کو دبایا جاتا ہے اور دھمکی دی جاتی ہے کہ میں طلاق دلوا دوں گا۔ لڑکے میں کوئی عیب بھی نہیں بلکہ حافظ بھی ہے۔ اس وجہ سے لڑکا والد کے خلاف ہے۔ اگر والد لڑکے کو عاق کر دے یا صرف ناراض رہے تو کیا اس کی بخشش نہیں ہو سکتی؟ اور حنفی فرقے کے میاں بیوی ہیں اور لڑکا کوئی تکلیف نہیں دیتا ہے اس میں عیب ہے تو صرف اتنا ہے کہ نہ وہ بیوی کو میکے بھیجتا ہے نہ اس کے ماں باپ کے سامنے نکلنے دیتا ہے وہ بھی اس وجہ سے کہ اسے اندیشہ ہے تو کیا اس صورت میں لڑکی کے والدین عدالت سے طلاق لے سکتے ہیں۔ اگر مرد طلاق نہ دے تو کیا عدالت اپنے آپ نکاح حنفی مذہب والے کا فسخ کر سکتی ہے؟ المستفتی ۸۷۵ حافظ ثناء اللہ خاں (ضلع جالون)

۲۵ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۳۶ء

(۴۱۶) **جواب** - والد اگر اولاد سے ناراض ہو اور ناراضی کی وجہ معقول ہو تو بیشک اولاد سے مواخذہ ہوگا اور اگر وجہ معقول نہ ہو تو پھر اولاد سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ شوہر کو یہ حق نہیں کہ وہ بیوی کو اس کے والدین سے نہ ملنے دے۔ اگر اس کو اندیشہ ہو کہ وہ اس کا نکاح کہیں کر دینگے تو اس کی روک تھام کر لے ضمانت وغیرہ کرا دے۔ اگرچہ بیوی کو روکنا اور اس کے ماں باپ سے نہ ملنے دینا ناجائز ہے مگر اس وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہو سکتا۔ محمد کفایت اللہ

سوال

ایک باپ کے تین بیٹے ہیں۔ باپ نے اپنی زندگی میں دو بیٹوں کی شادی کر دی جن پر کافی مال خرچ کیا۔ اب باپ کے پاس بغیر گھر کے اور کوئی مال اور جائداد نہیں۔ چنانچہ باپ نے اپنی زندگی میں اپنا تمام گھر تیسرے بیٹے کے نام جس کی شادی ابھی تک باپ نے نہیں کی تمام سرکاری کاغذات پر درج کر دیا۔ اور شادی شدہ دونوں بیٹوں کو میراث سے محروم کر دیا۔ کچھ مدت

کے بعد باپ مر گیا۔ لہٰذا دونوں شادی شدہ بیٹوں کا حصّہ ہے یا نہیں؟

(۱۷۶) **جواب** ۔ اولاد میں عطیہ کی مساوات لازم ہے۔ جس قدر مال اس نے دو بیٹوں کو بطور تملیک دیا ہو اسی قدر اس بیٹے کو بھی دے سکتا تھا۔ شادی کے فضول مصارف عطیہ نہیں ہیں اور نہ اُن کا شرعاً اعتبار ہے پس اگر یہ مکان جس قیمت کا ہے اس قیمت کا مال دونوں بیٹوں کو بھی دیا تھا تو یہ فعل جائز ہوا۔ اور اگر ہبہ مع القبض ہو چکا تھا تو اب دونوں بیٹے اس میں سے نہیں لے سکتے۔ اور اگر اس مکان کی قیمت اُن بیٹوں کے عطیات سے زیادہ تھی تو باپ اس ناانصافی کا گنہگار ہوا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

کوئی اولاد اپنے والدین کی نافرمانی کرے اور اس نافرمانی کے اندر والدین کو اذیت پہنچے اور خدا کا کلام پڑھنے پڑھانے، بیوی بچوں کو پڑھنے پڑھانے میں روگردانی کرے، باتوں میں والدین کے ساتھ گستاخی کرتا ہو، زبانی اقرار سے قرآن و حدیث کا قائل ہو مگر فعل اور روش سے مخالف ہو، والدین نیک باتوں کی ہدایت کرتے ہوں اور وہ اُلٹا سمجھ کر دل میں تعصب رکھ کر بدلہ لینے پر تیار ہو۔ بات چیت ایسے کرتا ہو کہ کفر عائد ہو جائے تو ایسی اولاد کے ساتھ نشست و برخاست، خورونوش بائی کاٹ کر دینا والدین کی طرف سے جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی ۱۸۱۷ نور محمد بازار توپ خانہ چھاؤنی لکھنؤ
۲۲ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱۷۸) **جواب** ۔ ہاں نافرمان اولاد سے والدین زجر کرنے کی نیت سے مقاطعہ کرلیں تو جائز ہے۔ اور اگر نافرمانی حدِ کفر تک پہنچ جائے تو پھر مقاطعہ کرنا واجب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کا طرزِ عمل اپنے لڑکے بکر کے ساتھ نہایت سخت جابرانہ اور غیر منصفانہ تھا اس کو ہر طرح تنگ اور ذلیل کرتا تھا جلسۂ عام میں بغیر کسی خطا و قصور کے موردِ الزام بنا کر چوری اور غبن اس کے ذمہ ثابت کرتا تھا۔ بکر نے مجبور ہو کر اس کے پاس کی آمد و رفت بدیں خیال ترک کر دی کہ مبادا بمقتضائے بشریت وہ کسی قسم کا جواب دینے پر مجبور ہو جائے ہو موجبِ گستاخی اور بے ادبی ہو۔ اب بھی زید طرح طرح کی دھمکیاں دیتا رہتا ہے۔ اس کے شرعی حقوق سے بھی بکر کو محروم کرنا چاہتا ہے بلکہ معاف بھی نہیں کرتا۔ یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے صورت مت دکھاؤ۔ کیا بصورتِ بالا بکر فاسق ہے۔ اس پر فسق کا اطلاق درست ہے

اور کیا اس کی امامت بلاکراہت صحیح ہے۔ یا مع الکراہت؟ کراہت اگر ہے تو تحریمی یا تنزیہی؟
المستفتی ۲۳۶۰ عبدالستار (مراد آباد) ۲ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

(۴۱۹) **جواب** - اگر بکر اپنے والد کا فرماں بردار ہے اور اس کی طرف سے کوئی گستاخی بے ادبی اور نافرمانی اور ایذا نہیں ہوتی اور اس کے والد کی طرف سے زیادتی اور اعتدا ہے تو بکر فاسق نہیں ہے۔ اور اس کی امامت جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جنوری ۱۹۲۷ء)

میں نے اپنے نومولود لڑکے کا نام غلام احمد رکھا ہے۔ چند بزرگ کہتے ہیں کہ یہ نام نہ رکھو کیوں کہ غلام احمد قادیانیوں کے سردار کا نام تھا۔

(۴۲۰) **جواب** - ایک نام کے ہزاروں آدمی ہوتے ہیں۔ بعض ان میں سے اچھے اور بعض برے ہوتے ہیں۔ یہ نام اس وجہ سے ناجائز نہیں ہو سکتا کہ قادیانی فرقہ کے پیشوا کا نام تھا۔ تاہم اگر آپ بجائے غلام احمد کے محمد احمد نام بدل کر رکھ دیں تو بہتر ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۷ء)

اگر کسی شخص کے ماں باپ بدچلن ہوں اور اس کی اولاد کو سب خویش واقربا حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوں اور وہ خود بھی شرمندگی کے مارے کسی سے بات نہیں کر سکتا تو ایسے والدین سے علیحدہ ہو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۴۲۱) **جواب** - ہاں اگر ماں باپ کی بدچلنی مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اس درجہ کی ہو کہ لوگوں کی نظر میں ذلت اور حقارت ہوتی ہو تو اپنی دینی و عرفی عزت کی حفاظت اور ماں باپ کے افعال ذمیمہ کے خلاف احتجاج کے طور پر ان سے علیحدگی کر لینی جائز ہے۔ لیکن ان کے ساتھ کوئی سختی اور توہین کا برتاؤ نہ کرے اور ان کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا رہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

ایک عورت نے کہ جو اپنی پرورش کردہ پوتی کو جسے ہمیشہ سے گود لے رکھا ہوا اور اپنی اولاد بنا کر پالا ہے

اور بعد شادی کرنے کے محض اس بنا پر عاق کر دیا ہو کہ اپنے شوہر سے طلاق لے اور مہر کی طالب بھی ہو حالانکہ وہ اپنا مہر معاف کر چکی ہو۔ المستفتی منشی محمد احسان اللہ باڑہ ہندو راؤ دہلی

(۴۲۲) **جواب** - عاق کرنے سے کوئی لڑکا یا لڑکی عاق نہیں ہوتے (یعنی شرعاً محروم الارث نہیں ہوتے۔ واصف) یہ ایک فضول خیال لوگوں کے دلوں میں قائم ہو گیا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب صحیح محمد مظہر اللہ غفرلہ امام مسجد فتحپوری دہلی

سولھواں باب

ثبوتِ نسب

سوال

پُھدّو کے ساتھ مسماۃ بستی کا نکاح ہوا۔ جب پُھدّو مر گیا تو پُھدّو کے سوتیلے لڑکے بُلّا نے مسماۃ بستی کو گھر میں ڈال لیا اور بلّا کے تخم سے مسماۃ بستی کے بطن سے ایک لڑکی مسماۃ اَنّو عرف ولین پیدا ہوئی جس کا نکاح بلّا نے مجھ اللہ بندہ کے ساتھ کر دیا اس کا ہم قوم اور ہم برادری ہوں اپنے سامنے اور موجودگی میں کیا۔ اب ولین کے کینبے برادری کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس کے نکاح کو توڑ دیں اور کہتے ہیں کہ یہ ولین ولدالزنا ہے اس کی ابنیت بُلّا سے ثابت نہیں۔ بُلّا اس کا باپ نہیں گو اس کے تخم سے پیدا ہوئی ہے۔ حرام میں تخم کا اعتبار نہیں ہوتا۔ نکاح اس کے باپ کا کیا ہوا نہیں ہے۔ ایک فتویٰ بھی کسی عالم نے اس مطلب میں دے دیا ہے۔ اب علمائے دین سے یہ سوال ہے کہ اس صورت میں جب ولین پیدا ہوئی تو بلّا نے اپنی ولدیت کے ساتھ اس کی پیدائش لکھوائی اور بروقت نکاح کے بھی اپنی ولایت اور ولین کا اپنی بیٹی ہونا لکھوایا۔ تو آیا یہ ولین اس اقرار سے بلّا کی بیٹی ہو سکتی ہے اور بُلّا اس کا باپ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ ولین اپنا نکاح خود توڑ سکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ نکاح باپ کا پڑھایا ہوا تصور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب وهو الملهم للحق والصواب (از مولوی محمد عبدالوہاب حنفی دہلوی) صورت مرقومہ

مسئولہ میں یہ لڑکی ولین ولد الحرام ہے کیونکہ بلّا نے اپنے باپ کی موطوءہ کو کہ یہ بلّا پر دوامی حرام ہو چکی تھی اپنے گھر میں ڈال لیا۔ یہ ولین اس سے پیدا ہوئی۔ اور حرام وطی میں ثبوتِ نسب کے لئے شرعاً دعویٰ شرط ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں نسب کسی سے ثابت نہیں ہوتا۔ مگر جو شخص دعویٰ نسب کا کرے اس سے ثابت ہو جاتا ہے۔ چونکہ بلّا کو نسب کا دعویٰ ہے کہ جب ولین پیدا ہوئی تو بلّا نے اس کی پیدائش اپنی ولدیت کے ساتھ لکھوائی جیسا کہ سائل بیان کرتا ہے۔ اور ولین کے نکاح کے وقت بھی اپنی ولدیت بیان کی اور لکھوائی۔ چنانچہ قاضی نکاح نامہ میں لکھتا ہے۔ انو عرف ولین بنت بلّا۔ جب بلّا نے قاضی کے سامنے اقرار کیا کہ یہ ولین میری بیٹی ہے تب قاضی نے ولدیت لکھی۔ اور ولدیت ولین کی بلّا کی طرف منسوب کی ورنہ قاضی اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھ سکتا تھا۔ لہٰذا یہ اقرار بلّا کی طرف سے دعویٰ نسب کا سمجھا جائے گا اور اس اقرار سے یہ ولین بلّا کی بیٹی ہوگی کیونکہ اقرار ملزم ہے۔ کان الاقرار حجۃ ملزمۃ (مستخلص) جب اس اقرار اور اس دعویٰ سے بلّا ولین کا باپ ثابت ہو گیا تو یہ نکاح باپ کا پڑھایا ہوا متصور ہوگا۔ اور باپ کے پڑھائے ہوئے نکاح کو اولاد یا کنبہ دار نہیں توڑ سکتے جب تک کہ باپ کی ولایت شفقتی میں نقصان نہ ظاہر ہو۔ اور نقصان یہ کہ باپ لالچ سے ایسے کم درجہ کی قوم میں بیٹا یا بیٹی بیاہ دے کہ جس سے ان کو شرم یا عار آتی ہو خاص کر بیٹی کو۔ تو البتہ ایسی صورت میں باپ کا پڑھا ہوا نکاح ٹوٹ سکتا ہے بشرطیکہ یہ لڑکا لڑکی چاہیں۔ کیونکہ یہ امر شفقت کے خلاف ہے۔ سو یہاں یہ بات بھی نہیں ہے۔ اللہ بندہ بلّا کا ہم قوم اور اس کے برابر کا ہے بلکہ لڑکی ولین اللہ بندہ سے کم درجہ کی ہے کہ ولد الزنا ہے لہٰذا یہ ولین از خود یا کنبہ برادری کے لوگ اس کا نکاح نہیں توڑ سکتے جب تک اللہ بندہ طلاق نہ دے۔ اگر ولین اس سے ناراض ہے تو اس سے طلاق لے لے۔ اور ولین کے کنبے برادری کے لوگ جو کہتے ہیں کہ بلّا ولین کا باپ نہیں ہو سکتا کیونکہ ولین وجہ حرام سے پیدا ہوئی ہے تو یہ قول ان کا غلط ہے۔ کیونکہ حرام سے بھی نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ فقہا علیہم الرحمۃ نے ثبوت نسب کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک صورت یہ کہ اس میں بلا دعویٰ نسب ثابت ہو جاتا ہے جیسے نکاح صحیح اور نکاح فاسد میں اگر بچہ پیدا ہو تو بلا دعویٰ ناکح کے ناکح سے ہی اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا۔ اسی طرح کسی کی ام ولد کے ہاں بچہ پیدا ہو تو بلا دعویٰ آقا سے ہی نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ ان تینوں صورتوں میں وطی حلال ہے۔ اور دوسری

صورت میں کہ جہاں وطی حرام ہے وہاں بدون دعوی کے نسب ثابت نہ ہوگا۔ جیسے کسی شخص نے اپنی ام ولد کو مکاتب کر دیا بعد میں اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو بدون دعویٰ اس آقا کے اس سے نسب ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ اس سے وطی اس آقا کو حرام ہے۔ اسی طرح کسی کی ام ولد سے اس کے باپ یا بیٹے نے وطی کر لی یا خود اس نے اس ام ولد کی ماں یا بیٹی سے وطی کی اور اس ام ولد کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو بدون دعوی کے اس آقا سے نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ ان چاروں صورتوں میں یہ ام ولد اس آقا پر حرام ہوگئی ہے۔ غرض حرام وطی میں بلا دعوے کے نسب ثابت نہ ہوگا۔ دعویٰ کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔ تو پس بلّا کا بھی اس ولین سے نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ بلا کو سب جگہ اقرار ہے۔ حاکمِ وقت کے ہاں بھی اور مجلسِ نکاح میں بھی کہ موجودگی ہر خاص و عام ہے اگرچہ اس گناہ کی وعید سخت ہے کہ اس نے اپنی سوتیلی ماں سے حرام کیا۔ اس کا عذاب قیامت میں دیکھے گا یہ امر دیگر ہے۔ یہاں دنیا میں قاعدہ شرعیہ کے مطابق نسب ثابت ہوگیا۔ کیونکہ اس کی وطی پر حرام ہی کا اطلاق آئے گا۔ گو حرام ہذا میں تشدد ضرور ہے تو باعتبار گناہ ہی کے ہے۔ ثبوت نسب کو مانع نہیں ہے۔ قال اصحابنا ثبوت النسب ثلثۃ مراتب۔ احدھا النکاح الصحیح وماھو فی معناہ من النکاح الفاسد والحکم فیہ انہ یثبت من غیر دعوۃ۔ والثانیۃ ام الولد والحکم فیھا ان یثبت النسب من غیر دعوۃ اما اذا کان لا یحل فلا یثبت النسب بدون الدعوۃ کام ولد کاتبھا مولاھا وکذا لو حرم علیہ وطیھا بعد ذلک بوطی ابیہ او ابنہ او بوطیہ امھا و بنتھا لم یثبت النسب ما تلدہ بعد ذلک الا بالدعوۃ۔ عالمگیری۔ قولہ کام ولد کاتبھا مولاھا فانھا اذا اتت بولد لا یثبت من المولے الا اذا دعاہ لحرمۃ وطیھا علیہ۔ شامی۔ ہاں اگر اللہ بندہ بدچلن یا نامرد ہے تو ولین دو چار آدمیوں کو بیچ میں ڈال کر اس سے فیصلہ کر لے خود بخود نکاح نہیں توڑ سکتی۔ فقط۔

حررہ واجابہ خادم الانام محمد عبدالوہاب الحنفی الدہلوی عفا اللہ عنہ الذنوب والآثام ۔ مہر

جواب صحیح ہے۔ کیونکہ فتاوی عالمگیری سے واضح ہے کہ جس عورت سے نکاح درست نہ ہو اور جس کو اس سے نکاح درست نہیں اس نے غلط نکاح پڑھوا لیا اور بچہ پیدا ہوگیا اور اس ناکح نے دعویٰ نسب کا کیا تو دعویٰ کرنے سے نسب ثابت ہوجائے گا۔ کتبہ العاصی مشتاق احمد حنفی عفا عنہ

الجواب صحیح عبدالسمیع مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی۔ عبدالعزیز مدرسہ فتحپوری دہلی۔ شبیر احمد مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی۔ شرف الدین مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی۔ محمد عالم مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی۔ ابو محمد عبدالحق (تفسیر حقانی)

(۴۲۳) **جواب** - (از حضرت مفتی اعظمؒ) جواب مذکور غلط ہے۔ کیونکہ سوال میں مذکور ہے کہ بلّانے مسماۃ بستی کو گھر میں ڈال لیا۔ اس عبارت سے بشہادتِ عرف یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بلّا نے بستی سے نکاح نہیں کیا۔ ویسے ہی گھر میں ڈال لیا اور یہی مطلب مجیب نے بھی سمجھا ہے۔ کیونکہ انھوں نے ثبوت نسب کی اول صورت نکاح صحیح و نکاح فاسد میں اس کو داخل نہیں کیا۔ اور نہ نکاح کا ذکر جواب میں کیا۔ بلکہ محض وطی حرام اس کو قرار دیا ہے۔ پس جبکہ بلّانے بستی سے بغیر نکاح وطی کی تو یہ زنائے خالص ہے۔ اور زنا میں ولدالزنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا اگرچہ وہ دعویٰ کرے۔ حدیث الولد للفراش وللعاھر الحجر اور قصہ عتبہ ابن ابی وقاص وابن زمعہ اس بات پر بصراحت دلالت کرتا ہے۔ اور فقہاء رحمہم اللہ نے یہی تصریح کی ہے کہ ولدالزنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا۔ پس مجیب کا ہر وطی حرام میں خواہ وہ صریح زنا ہو دعوی سے نسب ثابت کرنا صریح غلطی ہے۔ بہت سی صورتوں میں بوجہ شبہۃ المحل نہ ہونے کے باوجود وطی حرام ہونے کے نسب ثابت نہیں ہوتا۔ جیسے مطلقہ ثلثہ سے حالتِ عدت میں وطی کرلی تو باوجود دعوے کے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ہدایہ وغیرہ تمام کتب فقہ میں بہ تصریح موجود ہے۔ شبہۃ الفعل کے مواقع میں بھی وطی حرام ہوتی ہے مگر باوجود دعویٰ نسب ثابت نہیں ہوتا۔ پس صورتِ مسئولہ میں نہ شبہۃ الفعل ہے نہ شبہۃ المحل اس لئے زنائے صریح ہے اور ہرگز نسب ثابت نہیں ہوسکتا۔ قال فی الھدایۃ والنسب یثبت فی الثانیۃ اذا ادعی الولد (ای فی شبھۃ المحل) ولا یثبت فی الاولی وان ادعاہ (ای فی شبھۃ الفعل) لان الفعل تمحض زناء فی الاولی۔ انتھیٰ۔ الھدایہ مع تفسیر یسیر۔ اور یہ مسئلہ ایسا معروف ہے کہ اس پر دلیل بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ پس جبکہ بلّا سے ولین کا نسب ثابت نہ ہوا تو وہ اس کا باپ اور ولین اس کی بیٹی نہیں۔ پس اگر حالت عدم بلوغ میں اس نے نکاح کیا تھا تو ولین کو اختیار فسخ نکاح ہے۔ اگر ولین خود بالغ تھی اور اپنی مرضی سے نکاح کیا تھا تو اب وہ خود یا اس کے کنبہ والے نکاح کو نہیں توڑ سکتے اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ بلّانے بستی سے نکاح بھی کرلیا تاہم ولین کا

نسب بلا سے ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ نکاح باطل ہے۔ ہاں امام صاحب کے نزدیک فقط دفع حد کے لئے کافی ہے نہ کہ ثبوتِ نسب کے لئے۔ عند عامۃ المشائخ۔ فی رد المختار۔ والظاهر ان المراد بالباطل ما وجوده کعدمه ولذا لا یثبت النسب ولا العدة فی نکاح المحارم ایضاً انتہیٰ۔

کتبہ محمد کفایت اللہ عفاعنہ مولاہ

ہمارے مجیب اول کو طول طویل جواب لکھنے کا نہایت شوق ہے۔ فہم خدا دے۔ مجیب اوّل کی تحریر سے اب تو سارے ولد الزنا بھی صحیح النسب ہو گئے۔ چاہے جسے دس روپے دیئے دعوئ نسب کا کرا دیا بس نسب ثابت ہو گیا یہ غلط ہے اور مجیب اول کے مصدقین صرف عالمگیری کی عبارت دیکھ کر معتقد ہوئے ہیں ورنہ غور سے انھوں نے بھی کام نہیں لیا۔ جواب مجیب ثانی نہایت درست اور بہت غور و فہم پر مبنی ہے۔ فقط محمد ابراہیم واعظ دہلوی

جواب الجواب (از مجیب اوّل) مجیب صاحب کو یا تو اس مسئلے پر غور نہیں یا نظر نہیں۔ آج تک نہیں سمجھے کہ زنا میں نفی نسب کی علمائے حنفیہ کے نزدیک کس وجہ سے ہے اور ان کا اس باب میں کیا مذہب ہے۔ مجیب جو مطلقاً نفی کر رہے ہیں تو یہ مذہب علمائے شافعیہ کا ہے نہ علمائے حنفیہ کا۔ حنفیہ عدم شرافت اور پردہ دری کی وجہ سے نسب ثابت نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں کہ نسب میں شرافت ہوتی ہے اور زنا ایک مذموم چیز ہے اس میں شرافت نہیں ہوتی۔ کیونکہ زانی اور مزنیہ کی اس میں ہتک ہے اور ولد الزنا کو ایک طرح کا بڑا کلنک ہے۔ لہٰذا اس میں ثبوت نسب سے عدم شرافت کا ہے تو درحقیقت شرافت کی نفی ہے نہ نفس نسب کی۔ کیونکہ درحقیقت نطفہ تو اسی زانی کا ہے۔ قال الشافعی النکاح امر حمدت علیه والزناء فعل رجمت علیه فانی یکون سببا للنفقه الا تری انه لا یثبت به النسب ولا العدة قلت اجیب بان عدم ثبوت النسب به بکون المقصود من النسب الشرف به ولا یحصل ذٰلک بالنسب الی الزانی۔ عینی شرح هدایه کتاب النکاح ص۳۹۔ اگر علمائے حنفیہ کے نزدیک بالکل نفی نسب کی ہوتی تو زنا میں مصاہرت اور اصولیت و فروعیت ثابت نہ ہوتی اور ولد الزنا زانی پر حرام نہ ہوتی۔ حالانکہ ان کے نزدیک سب کچھ ثابت ہے۔ اور ولد الزنا بھی زانی اور مزنیہ پر حرام ہے۔ ہاں علمائے شافعیہ کے نزدیک اس میں سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی۔ وقال الشافعی الزناء لا یوجب حرمة المصاهرة لانها نعمة فلا تنال بالمحظور ولنا ان الوطی

سبب الجزئیۃ بواسطۃ الولد حتی یضاف الی کل واحد منہما کملا فیصیر اصولہا وفروعہا کاصولہ وفروعہ (ھدایہ) کاصول الواطی وفروعہ واراد بالاصول اٰبائہما وبالفروع اولادھما فی الحل والحرمۃ ۔ کتاب النکاح ۔ جب وطی حلال ہو یا حرام دونوں میں اصولیت اور فروعیت کی حرمت علمائے حنفیہ کے نزدیک ثابت ہے تو نسب بھی ثابت ہوگا۔ کیوں کہ نسب ہی کی جہت سے جزئیت اور حرمت ثابت ہوئی ہے ۔ اگر نسب ثابت نہ ہوتا تو حرمت کیونکر آتی اور جزئیت کیونکر ثابت ہوتی ۔ پس بہ سبب اقرار کے ولین کا نسب ملّا سے ثابت ہے اور ولین بلایہ حرام ہوگئی ۔ کیونکہ فروعیت اس کو لگ گئی ۔ اور بلاّ ولین پر حرام ہوگیا کیونکہ اصولیت اس کو لگ گئی تو پھر بلاّ کے باپ ہونے میں کیا احتمال رہا جو مجیب صاحب انکار کرتے ہیں ۔ اگر شافعی بن کر انکار کرتے ہیں اور سائل کو عدم ثبوتِ نسب کا حکم دیتے ہیں تو سائل حنفی المذہب ہے تو شرعًا یہ جائز نہیں ہے ۔ اور یہ حکم غیر نافذ ہوگا ۔ شامی وغیرہ کتبِ فقہیہ میں تصریحًا مرقوم ہے اور حنفی بن کر حکم دیں تو اس میں دھوکہ دہی ہے اور مجیب کی اس میں دغا بازی ثابت ہوتی ہے اور جو قول فقہا علیہم الرحمۃ کا عدم ثبوت نسب در زنا ہے اس کا مطلب اس سے عدم ثبوت شرافت ہے نہ عدم ثبوت نفس نسب کا ۔ ورنہ اصولیت و فروعیت ثابت نہ ہوتی ۔ اصولیت و فروعیت نسب ہی کے اعتبار سے ہے پھر یہاں مجیب کیونکر انکار کرتے ہیں ۔

اگر بالتقدیر والتسلیم ولین مجہول النسب ٹھہرے گی تب بھی اس کا نسب بلاّ سے ثابت ہوگا ۔ کیونکہ ملّا مدعی ہے ۔ مجہول نسب کا جو شخص مدعی ہوتا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جاتا ہے ۔ یصح اقرار بالولد بشرط ان یکون المقر لہ بحال یولد لمثلہ وان لا یکون المقر لہ ثابت النسب من غیرہ وان یصدق المقر لہ المقر فی اقرارہ اذا کان لہ عبارۃ صحیحۃ (عالمگیری جلد ۴ صہ ۴۲) اذا ادعت المرأۃ صبیًّا انہ ابنہا لم یجز دعواھا حتی تشھد امرأۃ علی الولادۃ ومعنی المسئلۃ ان تکون المرأۃ ذات زوج لانہا تدعی تحمیل النسب علی الغیر فلا تصدق الا بحجۃ بخلاف الرجل لانہ یحمل نفسہ النسب (ھدایہ) قولہ بخلاف الرجل ای یصدق الرجل فی دعوی الولد بدون شہادۃ القابلۃ لان دعوی الرجل اقرار علی نفسہ یوجب النفقۃ والحفظ والتربیۃ (کفایہ باب دعوی النسب صہ ۳۱۴) یہاں خود ولین

اور اس کی ماں اور تمام برادری کو اس کے اقرار کی تسلیم ہے کیونکہ تمام برادری کے سامنے بلّا نے اپنی ولایت سے ولین کا نکاح کیا اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اور نکاح میں بلّا کے ساتھ ولین کی ماں بھی شریکِ حال تھی۔ اور پھر اس نکاح پر عمل درآمد بھی ہوا۔ اللہ بندہ اور اس کی بہن بیان کرتی ہے کہ جب ولین بیمار ہوئی تو اللہ بندہ جہاں خود رہتا تھا ولین کو علاج کی غرض سے لے آیا۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ اس کے ہاں رہی تو خلوت بھی ہو چکی۔ اس وقت ولین چودہ ساڑھے چودہ برس کی تھی اور اس عمر میں لڑکی خاوند کے لائق ہو جاتی ہے اور خاوند کے رشتے کو بھی جاننے لگتی ہے۔ تو ولین اللہ بندہ کو شوہر سمجھ کر اس کے ساتھ آئی کیونکہ ماں نے ضرور کہا ہوگا کہ یہ تیرا شوہر ہے تو پس یہ اس نکاح سے بھی راضی ہو گئی تو اب یہ اس نکاح کو کیونکر توڑ سکتی ہے۔ اور مجیب کو یہ بات بھی معلوم ہو کہ بلّا نے ولین کا نکاح شرع شریف کے حکم سے کیا ہے۔ کیونکہ دعویٰ و اقرار نسب سے بلّا کے اوپر ولین کی حفاظت اور تربیت واجب ہو گئی تھی۔ اور لڑکی کا نکاح کر دینا بابِ حفاظت سے ہے۔ زنا اور حرام سے لڑکی کو بچاتا ہے۔ تو پس بلّا نے شرعی حکم سے نکاح کیا۔ اگر مجیب صاحب کہیں کہ ولین کے اللہ بندہ کے گھر میں آنے کا سوال میں ذکر نہیں ہے تو کوئی قباحت نہیں اور محل اعتراض نہیں۔ ہم نے اللہ بندہ اور اس کی بہن سے دریافت کیا تو انھوں نے منھ زبانی بیان کیا اور مفتی کو یوں ہی چاہئے کہ جب سوال کا کاغذ ہاتھ میں لے تو سائل سے منھ زبانی بھی سن لے تاکہ واقعہ کے مطابق حکم دیوے۔ یہ بات تسلیم پر موقوف ہے۔ اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ دو شخصوں نے ایک لڑکے کا دعویٰ کیا تھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ولد صاحبِ فراش کا ہے اور زانی کے لئے کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ یہی مذہب علمائے حنفیہ کا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی نکاحی یا مملوکہ سے زنا کرے تو نسب صاحبِ فراش سے ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس میں ولد الزنا کی پردہ پوشی اور اس کے لئے شرف ہے۔ اس لئے صاحبِ فراش سے ثابت ہوتا ہے اور یہاں یہ صورت نہیں ہے۔ اگر پھدو زندہ ہوتا اور لیتی پھدو کے نکاح میں ہوتی اور بلّا دعویٰ نسب کرتا تو بلّا سے نسب ثابت نہ ہوتا پھدو سے ہوتا۔ عینی شرح ہدایہ جلد ۲ کتاب الطلاق میں ہے۔ اختصم سعد بن ابی وقاص و عبد اللہ بن زمعۃ فی غلام۔ الحدیث۔ الولد للفراش۔ پس جو قول فقہا علیہم الرحمۃ کا نفی نسب میں ہے تو یا تو یہی صورت مراد ہے یا مراد نفی شرف ہے۔ یہاں جب بلّا نے دعویٰ کر کے اپنی ہتک کی اور ولین کا شرف کھو دیا تو اب شرع کو کیا غرض ہے کہ شرف کا

لحاظ کرکے نسب کی نفی کرے۔ تو پس بلا کا نسب بھی ثابت ہے اور نکاح بھی نہیں ٹوٹ سکتا اور جو فقہا علیہم الرحمۃ نفس نسب کی بھی نفی کرتے تو زنا میں مصاہرت اور اصولیت و فروعیت ثابت نہ کرتے۔

محمد عبدالوہاب الحنفی الدھلوی

جواب الجواب از حضرت مفتی اعظم رحہ۔ ھوالمصوب ۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ مجیب صاحب دعویٰ اجتہاد بھی رکھتے ہیں اور تصریحات اعلام حنفیہ کے خلاف اپنے اجتہاد سے مسائل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں تو حنفی ہوں اور حنفیہ کے مذہب کے مطابق میں نے زنا میں نسب ثابت نہ ہونے کا حکم دیا ہے۔ مگر مجیب صاحب اس حکم کو شافعی مذہب کا حکم بتا کر مجھے دغا باز بتاتے ہیں۔ لیکن مجھے ان کی ایمانداری دیکھنا ہے۔ مجیب صاحب نے خود عینی کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں تصریح ہے کہ " زنا میں نسب ثابت نہ ہونا حنفیہ اور شوافع دونوں کے نزدیک امر مسلم ہے " ہاں شوافع اس کے قائل ہیں کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی اور اس کے لئے عدم ثبوت نسب کو (جو مسلمہ فریقین ہے) حنفیہ پر بطور مقیس علیہ کے پیش کیا کہ اے حنفیہ جب تم زنا میں نسب ثابت نہیں کرتے ہو تو تم کو چاہئے کہ حرمت مصاہرت بھی ثابت نہ کرو۔ اس کے جواب میں علامہ عینی نے کہا کہ بیشک ہم نسب ثابت نہیں کرتے اسلئے کہ ثبوت نسب میں ایک قسم کی شرافت ہے اور ثبوت نسب سے وہی مقصود ہوتی ہے۔ اور زنا میں وہ منتفی ہے کیونکہ زانی کی طرف نسبت ثابت ہونے سے بچے کو کیا شرافت حاصل ہوگی۔ تو چونکہ ثبوت نسب کا فائدہ وہاں منتفی ہے اسلئے نسب ثابت نہیں کرتے۔ رہی حرمت مصاہرت تو اس کا مدار جزئیت پر ہے وہ زنا میں متحقق ہے اس لئے حرمت مصاہرۃ ثابت کرتے ہیں۔ الحاصل عینی عدم ثبوت نسب کو تسلیم کرکے پھر مقیس اور مقیس علیہ میں فرق بتاتے ہیں۔ آپ نے عینی کی عبارت تو نقل کی مگر اس کے معنی نہیں سمجھے۔ یاد رکھئے کہ زنا میں نسب کا ثابت نہ ہونا تو حنفیہ و شافعیہ دونوں کے نزدیک مسلم ہے۔ رہی حرمت مصاہرت تو اس کا مدار ثبوت نسب پر نہیں جیسا کہ آپ سمجھے ہیں۔ اور اس پر قیاس کرکے نسب ثابت کر رہے ہیں۔ اس کا مدار ایک اور بات پر ہے جو بوقت ضرورت ہم سمجھا دیں گے اور دوسری شق یعنی مجہول النسب پر دعوی نسب سے نسب کا ثابت ہو جانا یہ منشائے نزاع سے کھوں دور ہے اس کا یہاں کوئی تعلق نہیں۔ تعجب ہے کہ باوجودیکہ میں نے ہدایہ کی عبارت (جس میں تصریح ہے کہ زنا میں بلا وجود دعوی نسب ثابت نہیں ہوتا) لکھ دی۔ اور شامی کی عبارت (جس میں تصریح ہے کہ نکاح

محارم میں نسب ثابت نہیں ہوتا) نقل کردی پھر بھی آپ کی سمجھ میں نہ آیا اور مجھے شافعی اور دغاباز کہنے لگے۔ کیا یہ کتابیں بھی شافعی مذہب کی ہیں۔ اور پھر شافعی باب عدم ثبوتِ نسب من الزانی میں حنفیہ کے خلاف کہاں ہیں۔ اس میں تو دونوں متفق ہیں۔

اب ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ ولدالزنا کو اپنے باپ زانی مدعی ابوۃ کے ترکہ سے میراث ملتی ہے یا نہیں ؟ اور باپ کو اس کے ترکہ سے حصہ ملے گا یا نہیں ؟ قیاس تو رہنے دیجئے۔ کسی فقہ کی کتاب سے ثابت کیجئے کہ زنا میں نسب ثابت ہوتا ہے۔ اور ولدالزنا کو زانی کی میراث اور زانی کو ولدالزنا کی میراث ملتی ہے۔ حرمتِ مصاہرت پر قیاس نہ کیجئے ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ اگر آپ چاہیں تو علما کی مجلس میں زبانی میرے ساتھ اس مسئلہ کو صاف کرلیں میں تیار ہوں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

سوال

زنے مسماۃ شہر بانو اول بزوجیت زین الدین بود۔ بعدہٗ او طلاق داد۔ وبعد مرور عدتِ طلاق باحیدر نکاح شدہ خلوتِ صحیحہ یافتہ شدہ وبعد چندیوم بہ جہت فرزندان طرفین مابین زوجین۔ تفضیہ شدہ شہر بانو فرار فتہ با زوج اول کہ زین الدین است مخالطت نمودن گرفت وزوج اول راہ یافتہ بعدالت نالش کرد کہ ایں زوجۂ من است طلاق ندادہ ام الغرض بسیارے قضیہ وفساد شدہ حیدر طلاق دادہ است و بعد طلاق حیدر باندرون سہ چار ماہ وضع حمل شدہ است۔ دخترے کہ نامش گلبانو است تولد شدہ است ایں دختر از نسب کیست ؟

ترجمہ:- ایک عورت شہر بانو زین الدین کے نکاح میں تھی اس نے اس کو طلاق دیدی۔ عدتِ طلاق گزر جانے کے بعد حیدر کے ساتھ عورت کا نکاح اور خلوتِ صحیحہ ہوئی۔ کچھ عرصے کے بعد اولاد کے معاملہ میں زوجین کے درمیان جھگڑا ہوا۔ شہر بانو حیدر کے پاس سے چلی گئی اور زوج اول یعنی زین الدین سے دوبارہ تعلقات قائم کرلیے۔ زین الدین نے موقع غنیمت جان کر عدالت میں دعویٰ کیا کہ یہ میری بیوی ہے میں نے اس کو طلاق نہیں دی۔ الغرض جب جھگڑا بڑھتا ہوا دیکھا تو حیدر نے یہی مناسب سمجھا کہ طلاق دیدی جائے۔ حیدر کے طلاق دینے کے بعد چار ماہ کے اندر لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام گلبانو ہے۔ اس لڑکی کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

(۴۲۴) **جواب** - اگر بعد طلاق حیدر در مدت سہ چار ماہ فرزند تولد شدہ نسب ایں فرزند با حیدر ثابت است خواہ او دعویٰ کند یا نہ کند۔ زیرا کہ ہر گاہ کہ طلاق دادن زین الدین وانقضائے عدت وے و نکاح حیدر از جمع شاہدین ثابت است پس ثبوت نسب از زین الدین صورتے ندارد و صحت نکاح حیدر مقتضی ثبوتِ نسب با دوست۔
واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ،
مدرسہ امینیہ دہلی

جواب - حیدر کے طلاق دینے کے بعد اگر تین چار ماہ کے اندر بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب حیدر سے ثابت ہوگا۔ خواہ وہ دعویٰ کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ جبکہ زین الدین کا طلاق دینا اور پھر عدتِ طلاق گزرنے کے بعد حیدر کا اس عورت سے نکاح کرنا تمام گواہوں کے بیانات سے ثابت ہے تو زین الدین کے ساتھ بچہ کا نسب کسی صورت سے ثابت نہیں ہو سکتا اور حیدر کے نکاح کی صحت کی بنا پر بچہ کا نسب حیدر سے ہی ثابت ہوگا۔ واللہ اعلم
محمد کفایت اللہ غفرلہٗ، مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

زن و شوہر کی یکجائی کو چھ ماہ چھ یوم ہوئے کہ ہندہ کے ہاں پورا بچہ پیدا ہوا۔ ایسے غیر شرعی بچہ کی پرورش اور ہندہ کے مہر و چڑھاوے اور خرچ عدت کے واسطے کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۸۰ عزیز خاں دہلی ۔ ۱۲ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۴۲۵) **جواب** - یکجائی کے چھ ماہ چھ دن بعد جو بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ صحیح النسب بچہ ہے۔ اس میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ کم از کم مدتِ حمل چھ ماہ ہے اس لئے بچہ کی پرورش باپ کے ذمہ ہے۔ اگر وہ محض شبہ کی وجہ سے عورت کو طلاق دیدے گا تو عورت کا پورا مہر اور عدت کا خرچہ دینا ہوگا اور جہیز کی مالک تو عورت ہی ہے وہ اپنا جہیز اور چڑھاوا بھی لے جائے گی اور بچے کی پرورش کا نفقہ باپ کے ذمے ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید کی لڑکی اپنے خاوند کے مکان سے اپنے والدین کے مکان پر ماہ رمضان المبارک کی انتیس تاریخ کو گئی اور آٹھ ماہ رہ کر اپنے خاوند کے ہاں رخصت ہو آئی۔ پھر شوہر کے گھر دو بارہ رہ کر اپنے ماں باپ کے گھر پھر چلی گئی۔ اب میکہ میں رمضان کی ۱۵ تاریخ کو لڑکا پیدا ہوا۔ پس اس صورت میں شرع شریف کے موافق لڑکے کی بابت کیا حکم صادر ہوگا۔ بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۱۹۰ عبدالغفور معمار (ضلع رائے بریلی)
۱۲ شوال ۱۳۵۲ھ م ۲۸ جنوری ۱۹۳۴ء

(۴۲۶) **جواب** - یعنی بارھویں مہینے میں لڑکا پیدا ہوا تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لڑکا خاوند ہی کی طرف منسوب اور ثابت النسب ہوگا۔ حمل کی مدت دو برس تک ہے۔ شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

شامی جلد ثانی باب نکاح الکافر میں الولد یتبع خیر الابوین دیناً کے تحت میں تنبیہ بیان کی ہے جس میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ مسلمہ اور نصرانیہ سے جو ولد الزنا پیدا ہوا اُس کو علی مقتضٰی مذہبنا مسلمان نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ اس کا نسب زانی سے ثابت نہیں۔ باقی بعض احکام میں احتیاط کی گئی ہے وہ نظراً الحقیقۃ الجزئیۃ ہے۔ بعد میں مندرجہ ذیل عبارت ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ قلت یظهر لی الحکم بالاسلام للحدیث الصحیح کل مولود یولد علی الفطرة حتی یکون ابواه هما اللذان یهودانه او ینصرانه فانهم قالوا انه جعل اتفاقهما ناقلاله عن الفطرة فاذا لم یتفقا بقی علی اصل الفطرة او علی ما هو اقرب الیها حتی لو کان احدهما مجوسیا والاٰخر کتابیا فهو کتابی کما یاتی۔ وهنا لیس له ابوان متفقان فبقی علی الفطرة ولانهم قالوا ان الحاقه بالمسلم منهما او بالکتابی انفع له۔ ولا شك ان النظر لحقیقة الجزئیة انفع له وایضاً حیث نظروا للجزئیة فی تلك المسائل احتیاطاً فلینظر الیها هنا احتیاطاً ایضاً فان الاحتیاط بالدین اولی ولان الکفر اقبح القبیح فلا ینبغی الحکم به علی شخص بدون امر صریح ولانهم قالوا فی حرمة بنته من الزنا ان الشرع قطع النسبة الی الزانی لما فیها من اشاعة الفاحشة فلم یثبت النفقة والارث لذلك وهذا لا ینفی النسبة الحقیقیة لان الحقائق لا مرد لها فمن ادعی انه لابد من النسبة الشرعیة فعلیه البیان۔ المستفتی ۴۱۲ سنجالوی صاحب جوہانسبرگ (افریقہ)

۲۷ رجادی الثانی ۱۳۵۳ھ م ۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(۴۲۷) **جواب** - اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے بچے پر اسلام کا حکم کرنا ہی ظاہر ہے۔ وجہ یہ کہ حدیث صحیح میں ہے کہ ہر بچہ فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ تو حدیث نے نقل عن الفطرۃ کو ماں باپ دونوں کی طرف نسبت کرکے یہ بتایا کہ

اگر ماں باپ متحد المذہب نہ ہوں تو نقل کا حکم نہیں ہوگا اور بچہ کو اصل فطرت پر باقی قرار دیا جائے گا۔ یا جو فطرت سے قریب تر مذہب ہو اس پر بچہ کو قائم رکھا جائے گا اور صورت مبحوث عنہا میں اس بچہ کے ماں باپ متفق الدین نہیں ہیں تو وہ اپنی فطرت پر رہا اور فطرتِ اسلام ہے تو وہ مسلمان قرار پائے گا۔ نیز فقہا نے یہ بھی کہا ہے کہ بچہ کا الحاق مسلمان یا کتابی (من الابوین) کے ساتھ اس کے لئے انفع ہے تو اس میں بھی شک نہیں کہ موجودہ صورت میں حقیقۃ جزئیّۃ کا اعتبار کرنا اس کے لئے انفع ہے۔ یعنی گو شرع نے اس کا نسب ثابت نہیں کیا لیکن حقیقۃً وہ مسلمان باپ کے نطفہ سے تو متولد ہوا ہے تو اس حقیقی جزئیّۃ کا اعتبار کرنا اس کے حق میں انفع ہونے کے لحاظ سے ضروری ہے۔ نیز جب انھوں نے بنت من الزنا کو زانی کے لئے احتیاطاً حرام بتایا تو دینی معاملہ میں کہ ایک معصوم بچہ کو مسلمان قرار دیں یا کافر زیادہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہئے اور وہ یہی ہے کہ اسے مسلمان قرار دیا جائے۔ بہر حال اس بچہ کو مسلمان قرار دینا اولی و احوط ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق ۱۹۳۳ء میں دی لیکن اندر عدت رجوع کر لیا طلاق منسوخ کردی (۲) ۱۹۳۶ء میں پھر ایک طلاق بتاریخ ۲۹ فروری ۳۶ء کو دی اور دوسری ۱۴ مارچ ۳۶ء کو دی (۳) بعد انقضائے میعاد عدت شوہر نے غلطی سے یہ سمجھ کر ۱۹۳۳ء والی طلاق تو منسوخ کردی تھی وہ تو نہ ہونے کے برابر ہے اور مابعد کی طلاقیں دو ہیں تین نہیں طلاق مغلظہ نہ ہوئی اسی عورت سے تجدید نکاح کر لیا۔ اب سوال یہ ہے:-

(۱) آیا اس عورت سے موجودہ جماع حرام اور بمنزلہ زنا کے ہے۔ (۲) آیا وہ عورت طلاق کے ذریعہ علیحدہ ہو سکتی ہے یا بغیر طلاق کے۔ (۳) آیا وہ عورت حقدار مہر ہے یا نہیں (۴) آیا اس عورت کے ہاں اگر اس شوہر سے بچہ پیدا ہوا تو وہ حلال کا تصور ہوگا یا حرام کا۔ (۵) بصورت تفریق یا عدم تفریق وہ ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۲۲۴ شیخ غلام حیدر صاحب بی۔اے۔ ایل ایل۔بی۔ ایڈووکیٹ (فیروز پور شہر) ۲۸ رجب ۱۳۵۳ھ م ۷ نومبر ۱۹۳۴ء

(۴۲۸) **جواب** - (۱) مطلقہ ثلاثہ سے بدون تحلیل جو نکاح کر لیا وہ صحیح نہیں ہوا اس لئے جو جماع

واقع ہوا ہے وہ حرام ہوا تاہم زنا کے احکام اس پر جاری نہ ہوں گے۔ (۲) جب نکاح صحیح نہیں ہوا تو طلاق کی ضرورت نہیں۔ زوجین پر ایک دوسرے سے علیحدہ گی لازم ہے۔ (۳) اس دوسرے نکاح کے مہر کی عورت حقدار نہیں۔ لیکن اگر جماع ہو چکا ہے تو ایک جماع یا چند مرتبہ زنا کا عقر یعنی عوض ادا کرنا ہوگا۔ عقر کا مطلب یہ ہے کہ اس جیسی عورت سے ایک وطی کی اجرت کا بتقریبِ متقین سے اندازہ کرا لیا جائے۔ (۴) اگر اس وطی سے بچہ پیدا ہو جائے تو وہ اس شوہر کا ثابت النسب بچہ پیدا ہوگا کیونکہ وطی بالشبہ واقع ہوئی ہے۔ (۵) زوجین بصورتِ تفریق یا عدم تفریق ایک دوسرے کے وارث نہیں کیونکہ نکاح فیما بینہما منعقد نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک عورت بیوہ نے اپنے شوہر کے مرجانے کے بعد عرصہ دو سال کے بعد نکاح کیا۔ لیکن جب اس عورت نے نکاح کیا تو اس کو کسی غیر شخص کا چار مہینے کا حمل تھا جو نکاح کے دو ماہ بعد اس نے بچہ جنا فرمایئے یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟　　المستفتی نمبر ۱۲۳۷ مستری صادق علی صاحب (ضلع بلند شہر) ۲۴ شعبان ۱۳۵۵ھ م ۱۰ نومبر ۱۹۳۶ء

(۴۲۹) **جواب**۔ شوہر کی وفات کے دو سال کے بعد جو بچہ ہوا وہ زنا کا بچہ قرار پائے گا۔ اور اس حمل کے زمانہ میں جو نکاح ہوا وہ حاملہ من الزنا کا نکاح ہے اور وہ جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے ہندہ سے نکاح کیا۔ ہندہ حاملہ تھی اور چھ ماہ بعدِ نکاح ہندہ کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اس بنا پر زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق تحریری دیدی۔ طلاق کو عرصہ ایک سال ۸ ماہ کا گزر گیا۔ اب زید و ہندہ برضا و رغبت اپنی پھر نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں۔ (۲) اگر ہندہ حاملہ زید سے تھی تو اس صورت میں نکاح اول جائز تھا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۶۰ حکیم عظمت اللہ صاحب (فرخ آباد) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳ جولائی ۱۹۳۷ء

(۴۳۰) **جواب**۔ ہندہ کا حمل اگر زنا کا تھا خواہ زید سے یا کسی اور شخص سے تو نکاح اول صحیح تھا لیکن

تاریخ نکاح سے چھ ماہ کے بعد بچہ ہوا تھا تو وہ بچہ زنا کا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بچہ زید کا بیٹا قرار پائیگا اگر زید نے طلاق مغلظہ نہ دی ہو تو وہ اپنی مطلقہ بیوی سے نکاح کر سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

کوئی عیسائی کسی مسلم لڑکی کے ساتھ نکاح کی غرض سے مسلمان ہوا۔ پھر بعد میں کوئی کسی قسم کا اسلامی شعار اس میں نہیں پایا گیا اور نہ اس کو کلمہ آتا ہے اور نہ وہ صحیح مفہوم خدا و رسول کا جانتا ہے اور پہلے کی طرح مُردار کھاتا ہے۔ شراب نوشی کو جائز سمجھتا ہے تو اب اس کی عورت کو جو بچہ پیدا ہوگا وہ کیسا ہوگا۔ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے کہ نہیں۔ بعد اسلام اس نے کوئی سجدہ تک نہیں کیا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۳۹ ابراہیم صاحب (جنوبی افریقہ)

۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۷ جولائی ۱۹۳۷ء

(۴۳۱) **جواب** - جو عیسائی کہ مسلمان ہو گیا اور کسی مسلمان عورت سے اس نے نکاح کر لیا تو جب تک اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جس سے اس کو مرتد قرار دیا جا سکے اس کی اولاد کو مسلم قرار دیا جائے گا۔ اور مسلمانوں کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے گا۔ ترکِ اعمال موجبِ فسق ہے مگر موجبِ کفر نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے ہندہ کے ساتھ چند شرائط کے ماتحت برضا و رغبت نکاح کیا۔ تاریخ نکاح سے پورے سات ماہ اور تیرہ یوم کے بعد مسماۃ ہندہ کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا منجملہ شرائط کے جو فریقین میں بوقت نکاح طے ہوئی تھیں ایک شرط مذکورہ ذیل کو فسخ کرانے کے لئے چند مخالفین کے اُکسانے سے زید نے ہندہ پر الزام کیا کہ جو بچہ اس کے بطن سے پیدا ہوا ہے وہ اس کے نطفے سے نہیں ہے بلکہ حرامی ہے اور مسماۃ ہندہ کو جس کو زید نے اس بہانے سے کہ میں تجھ کو تیرے باپ کے شہر میں مکان لے کر رکھوں گا اس کے باپ کے یہاں پہنچا دیا۔ وضع حمل کے دوران میں اور از اں بعد زچہ اور بچہ کے اخراجات کا کفیل ہندہ کا باپ ہو رہا ہے۔ اس کے بعد زید نے بیان کیا کہ اگر شرائط نامہ سے شرط بابت رہائش کرنال آبادی جائے تو میں زچہ اور بچہ کو اپنے وطن

پہنچانے کو تیار رہوں۔

واقعاتِ مذکورہ کی موجودگی میں بروئے شرع شریف یہ امور دریافت طلب ہیں :۔

(۱) وہ بچہ جو تاریخ نکاح سے سات ماہ اور پندرہ یوم کے بعد پیدا ہوا ہے کیا واقعی حرامی ہے ؟ (۲) اخراجات بوقت وضع حمل اور بعدہٗ اخراجاتِ پرورش بچہ اور اس کی والدہ کا کون ذمہ دار ہے ؟ (۳) اگر زید نے ہندہ پر بلا وجہ اتہام لگایا ہے اور اس شرط مذکورہ کو فسخ کرانے کے لئے کوئی اصلیت نہیں ہے تو زید پر کوئی شرعی حد قائم ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۱۳۱ ابو الحسن (کرنال) ۱۵ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۹ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۴۳۲) **جواب** ۔ تاریخِ نکاح سے سات ماہ تیرہ یوم کے بعد جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ بقاعدہ شرعیہ خاوند کا بچہ قرار پائے گا۔ زید نے اگر اپنی منکوحہ پر تہمت لگائی ہے تو وہ سخت گنہگار ہوا مگر صرف اس تہمت کے لگانے سے نہ نکاح ٹوٹا اور نہ بچے کے نسب کی صحت میں کوئی فرق آیا۔ اقرار نامے کی شرط کو چھوڑنے نہ چھوڑنے کا ہندہ اور اس کے اولیاء کو اختیار ہے۔ اخراجات زچگی خاوند کے ذمے ہیں۔ زید اگر اس امر کا اقرار کرے کہ اس نے بچے کو حرامی کہہ دینے میں تہمت لگانے کا ارتکاب کیا ہے تو وہ مجرم ہے اور شرعی عدالت قائم ہوتی تو اس کو سزا دی جا سکتی تھی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

اگر عورت بیوہ ہو گئی اور بیوہ ہونے کے بعد اس کے دیور سے اس کا ناجائز تعلق ہو گیا اور اس کا عقد اسی کے ساتھ ہو گیا۔ عقد ہونے کے بعد ۷ ماہ میں لڑکا پیدا ہوا مگر ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ یہ حمل عقد سے پہلے کا ہے یا بعد کا۔ رہی یہ بات کہ نکاح جائز ہوا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۳۰۶ امیر محمد و نور الدین صاحبان (ریواں) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۲ جون ۱۹۳۸ء

(۴۳۳) **جواب** ۔ اگر بیوہ نے عدتِ وفات پوری کر لی تھی اس کے بعد دیور سے نکاح ہوا اور نکاح سے ۷ ماہ بعد بچہ ہوا تو نکاح بھی درست ہوا اور بچہ بھی حلالی قرار دیا جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

ایک کنواری لڑکی جس کی عمر شادی کے وقت چودہ برس تھی اور بوقت نکاح اس کو قریباً

دو ماہ کا حمل حرام تھا جو اس وقت کسی پر ظاہر نہیں ہوا۔ شادی کے قریباً چھ ماہ بعد سسرال میں جا کر لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکی پیدا ہونے کے بعد اس کے مرد نے بغیر طلاق دیئے اس عورت کو اپنے گھر سے علیحدہ کر دیا اور اس مرد نے دوسری شادی کر لی۔ عورت کی ماں نے یہ مشتہر کر دیا تھا کہ میری لڑکی کو طلاق مل چکی ہے۔ چنانچہ ایک سال بعد اسی عورت سے ایک مرد صالح نے شریعت کے مطابق نکاح کر لیا جس کو اب دو سال کا عرصہ ہوا۔ اب کچھ شک ہوا کہ چونکہ پہلے مرد نے اس عورت کو طلاق نہیں دی تھی اس وجہ سے شاید دوسرے مرد کا نکاح نہیں ہوا۔ لہٰذا اندریں صورت اس عورت کا نکاح دوسرے مرد کے ساتھ جائز رہا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۰۹ عبدالرحیم خاں صاحب (گوڑگانوہ) ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۳ جون ۱۹۳۸ء

(۴۳۴) **جواب** - اگر پہلی شادی کی تاریخ سے چھ ماہ کے بعد لڑکی پیدا ہوئی تھی تو وہ لڑکی خاوند کی لڑکی ہے اور صحیح النسب ہے اور عورت اس کی منکوحہ ہے اور اگر اس نے عورت کو طلاق نہیں دی ہے تو وہ اس کے نکاح میں ہے اور دوسرا نکاح ناجائز ہوا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

اگر کوئی شخص کسی عورت سے جو طلاق کی عدت کے اندر ہے یعنی قبل از اختتام عدت طلاق دیدہ و دانستہ نکاح پڑھالے تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا اور اگر نہیں تو کیوں اور پھر اب کیا ہونا چاہئے۔ اور اس درمیان میں جو اولاد ہو چکی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۴۹۵ منشی عبداللہ صاحب (احمد آباد) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ م ۱۹ مئی ۱۹۳۹ء

(۴۳۵) **جواب** - عدت ختم ہونے سے پہلے معتدہ عورت کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ یہ قرآن پاک کا صریح حکم ہے۔ ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتّٰی یبلغ الکتاب اجلہ۔ پس جو نکاح عدت کے اندر ہوا وہ جائز نہیں ہوا۔ اور اگر باوجود اس علم کے کہ عورت معتدہ ہے نکاح کیا گیا تو اس کا وجود و عدم برابر اور اولاد بھی حرامی ہوئی۔ البتہ اگر شوہر کو عورت کے معتدہ ہونے کا علم نہ ہوا ہو تو اولاد ثابت النسب ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ مغلظہ دی پھر وہ پچھتایا۔ حلالہ کرانے کی غرض سے ایک شخص

دیگر سے نکاح کرادیا۔ اور پھر طلاق دلوادی۔ زوج اول کی طلاق سے سات مہینے گذرنے کے بعد اُس عورت کے بچہ پیدا ہوا۔ اسی سات مہینے میں نکاحِ ثانی اور حلالہ بھی ہوا۔ اب بچہ پیدا ہونے سے معلوم ہوا کہ نکاح ثانی عدت میں ہوا تھا۔ جواب طلب یہ امر ہے کہ یہ نکاح صحیح اور یہ حلالہ معتبر ہوا یا نہیں؟

(۴۳۶) **جواب**۔ سات مہینے کی مدت اتنی مدت ہے کہ اس میں زوج اوّل کی طلاق کی عدت ختم ہو کر دوسرے سے علوق ہونا اور اقلِ مدت حمل میں بچّہ پیدا ہونا ممکن نہیں۔ زوج اول کی عدت گزرنے کے لئے اگر عدت بالحیض ہو کم ازکم انتالیس چالیس روز درکار ہیں اور اُس کے بعد علوق ہو کر وضع حمل سات مہینے میں غیر ممکن ہے۔ لیکن چونکہ عدت طلاق مغلظہ کی ہے اور دوسرے سے نکاح کرلیا ہے اور دو سال سے قبل بچّہ پیدا ہوا ہے اس لئے بچہ کا نسب زوجِ اول ہی سے ثابت ہوگا۔ اور دوسرا نکاح نکاحِ فاسد ہوگا۔ اور حلالہ غیر معتبر سمجھا جائے گا۔ زوج اول کے لئے حلال ہونے کے واسطے کافی نہ ہوگا۔ اذا تزوجت المعتدۃ بزوج اٰخر ثم جاءت بولد ان جاءت بہ لاقل من سنتین منذ طلقھا الاول اومات ولاقل من ستۃ اشھر منذ تزوجھا الثانی فالولد للاول الخ (عالمگیری ص۵۶۰ ج ا طبع مصر) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ وثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا ویدخل بھا الخ (عالمگیری ص۵۰۱ ج ا طبع مصر) کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ، سنہری مسجد دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

زید کی شادی ایک بالغ عورت سے ہوئی۔ زید خود نابالغ ہے۔ عورت سے زید کی نابالغی کی عمر میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ کیونکہ بکر نے زوجۂ زید سے منہ کالا کیا اور بعد میں زبردستی زید سے طلاق دلوا کر زوجۂ زید سے نکاح کرلیا۔

(۴۳۷) **جواب**۔ نابالغ ناقابلِ وطی شوہر کی بیوی سے جو بچہ پیدا ہوا وہ ولد الحرام ہے۔ اس صورت میں زوجۂ زید اور بکر (اگر اقرار زنا کرے) دونوں شرعی سزا (سو کوڑے یا رجم) کے مستحق ہیں لیکن حکومت موجودہ میں شرعی سزا جاری کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو دونوں سے مقاطعہ کرنا جائز ہے۔ جب تک کہ وہ توبہ نہ کریں اور خلوصِ توبہ کا ظن غالب حاصل نہ ہوجائے۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۶ء)

زید کا ایجاب و قبول شرعی بحالتِ بالغی اس کے باپ نے ہندہ بالغہ کے ساتھ بولایت والدہ ہندہ ایک محفل معتبرین اہلِ اسلام میں منعقد کرایا۔ اور وکیل شرعی نے بحضور دو گواہ کے ہندہ سے بھی اجازت حاصل کرلی اور خطبہ نکاح بھی پڑھا گیا۔ علاوہ اس کے زید کے باپ نے زیور و پوشاک و دیگر لوازمات عروسی بھی ہندہ کے لئے بھیج دیا، جن کو ہندہ کے باپ نے وصول کر کے ہندہ کو پہنوایا اور مہر بھی مقرر ہوگیا۔ عاقدین کے خاندان میں رسم برات شادی چڑھانے کی ہے جس میں وہ ڈھول وغیرہ بھی بجاتے ہیں اور منکوحہ کو شوہر کے ساتھ رخصت کرتے ہیں۔ صرف یہی مرحلہ رہ گیا۔ باقی تمام امور شرعی ایجاب و قبول کے بجالائے گئے۔ اب باوجود امور متذکرۂ صدر ایک دوسرا شخص مثلاً عمرو زید کی منکوحہ کے ساتھ اپنا عقد و نکاح بولایت والدۂ ہندہ منعقد کرتا ہے۔ کیونکہ ہندہ کا باپ اُس وقت وفات پاچکا تھا۔ عمرو ہندہ کو اپنے قبضہ میں لے آیا ہے اور اس کے ساتھ آباد ہوتا رہا ہے۔ جس سے ہندہ کو ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں اور عمرو زندہ ہے۔ زید نے کوئی خلوت یا وطی ہندہ کے ساتھ نہیں کی تھی۔ نکاحِ ثانی ہونے پر بعد تقاضا ہندہ کی والدہ نے زید کی اشیائے مرسلہ متذکرۂ بالا کو بجانب زید واپس کر دیا۔ مگر زید سے طلاق حاصل نہیں کی گئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمرو کا نکاح شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے اور اولاد کا نسب عمرو سے ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اب عمرو کا نکاح شرعاً جواز کی حد تک نہیں پہنچ سکتا تو ایسے نکاح کو کیا قرار دیا جائے گا۔ اگر اس کو حرام اور زنا قرار دیا جائے تو کیا نسب نکاح سے ہی ثابت ہوتا ہے یا زنا سے یعنی ملک سے وطی بالشبہ سے بھی؟ اگر نکاح کے سوا نسب ثابت نہیں ہوتا تو ولد الزنا کا نسب بصورت مقر ہونے زانی کے شرعاً کس کی طرف منسوب ہوگا۔ اگر زانی کی طرف منسوب ہوگا تو کیا زانی ان کا وارث بھی ہوگا یا نہیں؟

(۴۳۸) **جواب** بصورتِ مسئولہ میں عمرو کا نکاح ہندہ کے ساتھ جو منکوحۂ زید تھی درست نہیں ہوا۔ اگر عمرو کو اس بات کا علم بھی تھا کہ یہ منکوحۂ زید ہے تو وہ سخت ظالم گنہگار فاسق ہوا۔ اور اگر اُسے علم نہ تھا تو معذور ہوگا۔ اور دونوں صورتوں میں اس کی اولاد کا نسب ثابت ہوگا۔ وھذا اصح بان الشبھۃ فی المحل وفیھا یثبت النسب کما مر (درمختار) ثبوت نسب سے نکاح کا جواز لازم نہیں آتا کیونکہ

محل شبہ میں باوجود وطی حرام ہونے کے بھی نسب ثابت ہو جاتا ہے اور صورت مسئولہ میں عقد کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا۔ اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں نہ حد زنا آتی ہے اور نہ نسب سے محرومی۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۷ء)

ایک شخص کا اپنی خوشدامن سے ناجائز تعلق ہونے کی وجہ سے ایک لڑکا ہے۔ آیا ایسی صورت میں اس کی بیوی اس پر حرام ہے یا نہیں۔ ساس کو لڑکا اسی داماد کے نطفے سے ہے۔ اس کا ثبوت کافی ہے۔ لڑکا حرام کا کہلائے گا یا نہیں؟

(۴۳۹) **جواب**۔ اگر واقعہ صحیح ہے تو شخص مذکور کی منکوحہ زوجہ اس شخص پر حرام ہو گئی۔ اب اس کی بیوی کسی طرح بھی خاوند پر حلال نہیں ہو سکتی۔ اور خوشدامن کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہوا ہے وہ اس شخص کا لڑکا ثابت النسب نہ ہوگا۔ اگر خوشدامن کا خاوند ہو تو اس کی طرف منسوب ہوگا ورنہ وہ ولدالزنا قرار پائے گا۔ صرف ماں سے اس کا نسب ثابت ہوگا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۲۷ء)

زید نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اسی دوران میں بکر کا اس عورت سے ناجائز تعلق ہو گیا۔ عورت کو ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ بعد ازاں اس عورت کو زید نے طلاق دیدی۔ لڑکی کی شکل و شباہت بکر سے ملتی جلتی ہے۔ عورت اور بکر بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ بکر کی اولاد ہے۔ لڑکی اب جوان ہو گئی ہے۔ بہت نیک، پابند شریعت پاکیزہ خیالات رکھتی ہے۔ بکر خاندان قریش میں سے ہے۔ وہ عورت اور زید ارائیں قوم سے ہے۔ خاندان قریش کا ایک لڑکا اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔

(۴۴۰) **جواب**۔ جبکہ وہ لڑکی اس زمانے میں پیدا ہوئی کہ اس کی ماں زید کے نکاح میں تھی تو وہ لڑکی شرعاً زید کی لڑکی قرار پائے گی اور ثابت النسب ہوگی۔ اگر زید اس لڑکی کے متعلق اپنی لڑکی ہونے سے انکار کرے جب بھی وہ زید ہی کی طرف شرعاً منسوب ہوگی اور تاوقتیکہ باقاعدہ لعان نہ ہو اس وقت تک اس کا نسب زید ہی سے ثابت ہوگا اور شکل و شباہت بکر کے ساتھ ملنے سے حکم

نہیں بدلے گا پھر اگر کوئی قریشی لڑکا اس لڑکی سے نکاح کرے گا تو نکاح جائز اور درست ہوگا۔ اور اگرچہ یہ لڑکی راعین قوم کی ہے مگر اس قریشی کی اولاد جو اس کے بطن سے ہوگی قریشی قرار پائے گی۔ کیونکہ نسب میں باپ کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور اولاد کا نسب وہی قرار پاتا ہے جو باپ کا ہوتا ہے۔ اسلئے اس کی اولاد کی شادی وغیرہ قریش میں ہوسکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر ۲۹ء)

ایک معزز مسلمان شخص کا ایک ہندو عورت سے تعلق ہوگیا اور (عقد شرعی کے بغیر) اس کے نطفے سے ہندو عورت کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا تو اس مسلمان شخص کی جائیداد میں سے اس بچے کو حصہ ملے گا یا نہیں؟

(۴۴۱) **جواب** ۔ اگرچہ یہ ثابت بھی ہوجائے کہ یہ بچہ مسلمان کے نطفے سے پیدا ہوا ہے لیکن شریعت کے احکام میں اس بچہ کا نسب اس شخص سے ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ اس مسلمان کی وطی جو ہندو عورت کے ساتھ واقع ہوئی ہے زنا قرار پائے گی اور زنا میں نسب ثابت نہیں ہوتا بلکہ زنا کی سزا جاری ہوتی ہے۔ پس بچے کو اس شخص کی جائداد متروکہ میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر ۳۱ء)

ایک مشرک مع اپنی زوجہ و اولاد کے اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس کی زوجہ رشتے میں اس کی بھانجی ہے۔ کیا اسلام میں داخل ہونے کے بعد وہ اس کے لئے حلال رہ سکتی ہے؟ اور اس کی اولاد اپنے باپ کی وارث ہوگی یا نہیں؟

(۴۴۲) **جواب** ۔ بھانجی سے نکاح شریعت اسلامیہ میں جائز نہیں۔ جب زوجین مسلمان ہوجائیں تو ان کا تعلق زوجیت باقی نہیں رہے گا۔ دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔ اس سے پہلے کی اولاد ثابت النسب ہوگی۔ اور ماں باپ کے ترکہ سے اس کو حصۂ میراث ملے گا۔ فقط محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ یکم اکتوبر ۳۱ء)

زید نے مسماۃ زبیدہ سے نکاح کیا۔ مسماۃ زبیدہ حاملہ تھی مگر زید کو معلوم نہ تھا۔ چار مہینے کے بعد لڑکی پیدا ہوئی۔ لہٰذا یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟

(۳۴۴) **جواب** ۔ اگر مسماۃ زبیدہ نکاح کے وقت غیر منکوحہ و غیر معتدہ تھی اور حمل زنا کا تھا تو زید کا نکاح درست ہو گیا۔ نکاح کی تاریخ سے چھ ماہ گزرنے سے پہلے جو لڑکی پیدا ہو گئی وہ ثابت النسب نہیں ہوگی۔ ولد الزنا قرار پائے گی۔ مگر زید کا نکاح قائم رہے گا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سترھواں باب

تعدّد ازدواج

سوال

آیا یہ حدیث صحیح ہے؟ ذروا الحسناء العقیم وعلیکم بالسوداء الولود۔ یعنی بانجھ حسین عورت کو چھوڑ دو اور سیاہ فام مگر بچے جننے کی صلاحیت رکھنے والی عورتوں سے نکاح کرنا اختیار کرو۔ اگر یہ مفہوم صحیح ہے تو اسلامی نقطۂ نظر سے زن و شو کے تعلقات میں نہ صرف تزلزل پیدا ہو گا ۔ بلکہ خداوند کریم کی مرضی میں صریح دست اندازی ہوگی۔ اور لاکھوں بلکہ کروڑوں عورتیں اس بنا پر چھوڑ دی جائیں گی اور پھر دوسرے لوگ بھی اُن سے نکاح کرنے سے پرہیز کریں گے ۔ یہ خداوند کریم کی مرضی پاک پر موقوف ہے کہ جس عورت کو چاہے صاحبِ اولاد بنائے اور جس کو چاہے بانجھ رکھے۔ انسان کی قوت سے یہ خارج ہے کہ وہ پروردگار کے منشا اور ارادہ میں اس طرح دخل انداز ہو، کیونکہ قرآن پاک میں جا بجا یہ حکم ہے کہ بغیر ہمارے حکم کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ انسان ضعیف البنیان ہے اور اس کے سارے کام مکڑی کے جالے سے بھی کمزور ہیں۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ دریافت طلب ہے کہ آیا کوئی ایسا سرکار دو عالم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص تنگدستی یا افلاس کے خوف سے ایک سے دو عورتیں نہ کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے" اور اس کے ساتھ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ "جو کوئی توالد و تناسل کے خیال سے ایک سے زیادہ عورتیں کرے گا تو خدا تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرمائے گا" اس آخر الذکر مسئلے میں تو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس میں کہ جو

شخص افلاس یا تنگدستی کے خوف سے ایک سے دو عورتیں نہ کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ کسی قدر کھٹک معلوم ہوتی ہے۔ پس آپ سے اس میں صراحت کے ساتھ اطمینان کی ضرورت ہوئی۔ فقط

عطا محمد خاں آمین جی ملازم ریاست کھیتڑی۔ شیخاواٹی راجپوتانہ منتظم زنانی ڈیوڑھی

(۴۴۴) **جواب** - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ اُمّتِ محمدیہ کی کثرت ہو جس کی وجہ سے قیامت میں حضور کو اپنی کثرت پر مفاخرۃ کا موقع ملے اس امر کی ترغیب دی ہے کہ جو عورت زیادہ ولادت کی صلاحیت رکھتی ہو اس سے نکاح کیا جائے۔ اس کے متعلق حضور صلعم کے ارشادات یہ ہیں:-

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم (کنز العمال صفحہ ۲۴۴ جلد ۸) یعنی محبت والی اور قابلِ ولادت عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری اُمتوں پر فخر کروں گا۔ امرأة ولود احب الی اللہ من امرأة حسناء لا تلد انی مکاثر بکم الامم یوم القیامة (کنز العمال صفحہ ۲۶۳ جلد ۸) یعنی قابلِ ولادت عورت خدا کے نزدیک زیادہ محبوب ہے ناقابلِ ولادت حسین عورت سے۔ بیشک میں تمہاری کثرت کی وجہ سے قیامت کے دن اُمتوں پر فخر کروں گا۔ سوداء ولود خیر من حسناء لا تلد۔ الحدیث (کنز العمال صفحہ ۲۳۸ جلد ۸) سیاہ فام مگر قابلِ ولادت عورت ناقابلِ ولادت خوبصورت عورت سے بہتر ہے۔" ان تمام حدیثوں سے معلوم ہو گیا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود کثرتِ اُمت کے اسباب کی ترغیب ہے۔ پس حدیث مذکور فی السوال جس کے الفاظ یہ ہیں:- ذروا الحسناء العقیم و علیکم بالسوداء الولود۔ جو کنز العمال صفحہ ۲۴۲ جلد ۸ میں کامل بن عدی سے منقول ہے۔ اس سے مقصود بھی یہی ترغیب ہے اور ذروا کے معنی ہیں کہ بانجھ عورت اگرچہ حسین ہو اس سے نکاح نہ کرو۔ یہ معنی نہیں کہ نکاحی کو چھوڑ دو یعنی طلاق دیدو۔ اور ظاہر ہے کہ قبلِ نکاح کسی عورت کے عقم کا علم ہو جانا نادر ہے کثیر الوقوع نہیں ہے۔ پس حدیث کے مضمون پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا۔

(۲) یہ حدیث کہ "جو شخص تنگدستی کے خوف سے ایک سے دو عورتیں نہ کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے" میری نظر سے نہیں گزری۔ البتہ حدیث من ترك التزویج مخافة العیلة فلیس منا۔ کنز العمال صفحہ ۲۳۹ جلد ۸ میں دیلمی سے مروی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو محتاجی کے خوف سے نکاح نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ محتاجی کے خوف سے سنّت نکاح کو نہ چھوڑے

کیونکہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ۔ یعنی اگر وہ محتاج ہوں تو اللہ تعالےٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

خلاصہ یہ کہ نفس نکاح پر تو خوفِ محتاجی کو چھوڑ کر نکاح کر لینے کی ترغیب ہے اور خوفِ محتاجی سے نکاح نہ کرنے پر لیس منا کی وعید ہے۔ لیکن تعدد ازدواج کے بارے میں یہ فرمان میری نظر میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

ایک عرصہ سے چند مسائل دریافت کرنے کے لئے خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا آج خدا تعالیٰ نے توفیق خط لکھنے کی دی ہے۔ یاد نہیں لیکن میں نے یہ حدیث دیکھی ہے اور اس کا ترجمہ ایک کتاب کے خالی ورق پر لکھ لیا تھا۔ وھوہذا۔ سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ عثمان بن مظعون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے جی میں آتا ہے کہ خصی ہو جاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا میری اُمت کا خصی ہونا روزہ رکھنا ہے۔ عرض کیا۔ میرے جی میں آتا ہے کہ پہاڑوں میں جا بیٹھوں۔ فرمایا اے عثمان میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کریں عرض کیا میرے جی میں آتا ہے سیاحی کروں۔ فرمایا میری اُمت کی سیاحی ہے خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ حج اور عمرہ۔ عرض کیا میرے جی میں ہے کہ اپنی بیوی خولہ کو طلاق دیدوں اور چھوڑ دوں۔ فرمایا اے عثمان میری امت کی ترک یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے حرام کیا ہے اُس کو چھوڑ دیا جائے یا میری زندگی میں ہجرت کر کے میرے پاس آوے یا میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرے یا اپنے مرنے کے بعد ایک، یا دو یا تین یا چار بیویاں چھوڑ جائے۔ حدیثِ مذکورہ کے متعلق مطلع فرمائیں کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں سے کونسی کتاب میں ہے اور کس درجے کی حدیث ہے اور خط کشیدہ الفاظ اس حدیث میں ہیں یا نہیں؟

اقتباس از کیمیائے سعادت باب النکاح۔ اسی سبب سے صحابۂ کرام اور اگلے بزرگ بے عورت مرنے سے کراہت رکھتے تھے۔ حضرت معاذؓ کی دو بیبیاں تھیں طاعون میں مر گئیں اور خود بھی ان کو طاعون ہوا تو فرمایا کہ میرے مرنے سے پہلے میرا نکاح کرا دو کہ میں بے جورو نہ مروں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مرنے والوں میں رذیل تر وہ ہیں جو بن بیاہے مرتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ

اپنے اہل وعیال کو نفقہ دینا صدقہ دینے سے افضل ہے۔

اقتباس از کتاب تلبیس ابلیس مصنفہ مولنا عبدالرحمان ابن جوزی۔ (۱) ابن عباس کہتے ہیں کہ اس امت میں سب سے افضل ترین وہ تھے جن کی سب سے زیادہ بیویاں تھیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲) شداد بن اوس نے کہا کہ میری شادی کر دو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو وصیت فرمائی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بن بیاہا نہ جاؤں۔ (۳) محمد بن ارشد نے ہم سے بیان کیا کہ مکحول نے ایک آدمی سے روایت کیا کہ ابوذر نے کہا کہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں ایک شخص آیا جس کا نام عکاف بن بشیر تیمی تھا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ اے عکاف تمہاری کوئی بیوی ہے؟ عرض کیا نہیں۔ استفسار فرمایا کوئی لونڈی ہے جواب دیا نہیں۔ استفسار فرمایا کہ تم فارغ البال ہو۔ کہا ہاں میں خوش حال ہوں۔ ارشاد فرمایا تو اس وقت شیطان کا بھائی ہے۔ اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو کوئی راہب ہوتا۔ ہماری سنت نکاح ہے۔ تم لوگوں میں بُرے لوگ بن بیاہے ہیں۔ (۴) مرنے والوں میں رذیل تر وہ ہیں جو بن بیاہے مرتے ہیں۔ (۵) شیاطین کے پاس صالحین کے لئے ترکِ نکاح سے بڑھ کر اور کوئی ہتھیار زیادہ کارگر نہیں ہے۔ (۶) ابوبکر المزدری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے احمد بن حنبل سے سُنا کہتے تھے کہ بن بیاہا رہنا امورِ اسلام سے کسی میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ خود رسول اللہ صلعم نے چودہ نکاح کیے اور نو بیبیاں چھوڑ کر وفات پائی۔ (۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ اکثر اوقات آپ کے گھر میں کھانے پکانے کو کچھ نہ ہوتا تھا۔ اس پر بھی آپ نکاح کو پسند فرماتے تھے۔ اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے تھے اور ترکِ نکاح سے منع فرماتے تھے۔

مولانا! ان ساری باتوں کے متعلق حدیثیں تلاش کرنا اور ان پر غور کرنا جلدی کا کام نہیں ہے اس لئے اگر تلاش میں دیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ مگر میں نہایت عاجزی سے التماس کرتا ہوں کہ مجھ پر کمالِ احسان فرما کر ان اقوال کی سند حدیث سے تلاش کرا دیویں اور یہ کہ ہر ایک حدیث کس کتاب میں ہے اور اس حدیث کا درجہ کیا ہے؟ المستفتی محمد حسین قریشی پنشنر از جالندھر متصل جامع مسجد ۱۲ راگست ۱۹۳۰ء

(۲۴۵) **جواب**۔ احادیث مستفسر عنہا میں سے جن احادیث کا پتہ مل گیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔ بعض اور حدیثیں بھی جو مبحوث سے متعلق تھیں لکھ دی ہیں۔ آپ نے جس غرض سے ان احادیث کا پتہ

نشان دریافت فرمایا ہے۔ وہ غرض ان احادیث سے جو میں نے لکھی ہیں حاصل ہو جائیگی۔ مزید دریافت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے کی ترغیب بہت زوردار الفاظ میں دی ہے اور بے نکاح رہنے سے منع کیا ہے اور خود متعدد نکاح کیے اور بشرطِ قدرت تعدّد نکاح کو بھی پسند فرمایا ہے۔

(۱) عن ابن عباسؓ قال بینا انا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم جالسا اذ دخل علیہ عکاف وکان من سادۃ قومہ فسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرد علیہ ثم قال یا عکاف ھل لک زوجۃ قال اللھم لا قال ولا جاریۃ قال لا قال وانت موسر قال نعم قال انت اذاً من اخوان الشیاطین ان کنت من رھبان النصاری فانت منھم وان کنت منا فسنتنا التزویج ویحک یا عکاف ان من شرارکم عزابکم وما للشیاطین من سلاح ھو ابلغ فی الصالحین من المتعزبین الا المتزوجین فاولئک المبرؤن المطھرون ویحک یا عکاف اما علمت انھن صواحب داؤد ویوسف وکرسف ویحک یا عکاف تزوج والا فانک من المذنبین فقال یا نبی اللہ زوجنی فلم یبرح حتی زوجہ ابنۃ کلثوم الحمیری۔

رواہ الدیلمی کذا فی کنز العمال

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضور صلعم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ عکاف بن بشیر تیمی حاضر ہوئے۔ یہ اپنی قوم کے سرداروں میں سے تھے اور حضورؐ کو سلام کیا۔ حضور نے جواب دیا پھر فرمایا اے عکاف تمہاری بیوی ہے؟ عرض کیا نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کوئی باندی بھی نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اور تم صاحب مقدرت ہو؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا تو پھر تم شیطان کے بھائیوں میں داخل ہو اگر تم نصاریٰ کے راہبوں میں سے ہو تو ٹھیک تم ان میں سے ہو اور تم ہم میں سے ہو تو ہمارا طریقہ تو نکاح کرنا ہے۔ عکاف تیرا بُرا ہو تم میں سے جو لوگ مجرّد ہیں وہ بدترین لوگ ہیں اور بے نکاح رہنے سے زیادہ مؤثر کوئی ہتھیار شیطان کے پاس نہیں ہے جو وہ صالحین پر استعمال کرتا ہے۔ ہاں جو نکاح کر لیتے ہیں وہ پاک صاف رہتے ہیں۔ عکاف تیرا بُرا ہو۔ تمہیں خبر نہیں کہ عورتیں حضرت داؤدؑ، حضرت یوسفؑ اور کرسف کی بیویاں رہی ہیں۔ عکاف تیرا بُرا ہو، نکاح کر ورنہ تو گنہگاروں میں سے ہوگا۔ عکاف نے عرض کیا۔ اے خدا کے نبی آپ ہی میرا نکاح کر دیجئے اور اس جگہ سے اس وقت تک نہ ہٹے جب تک حضورؐ نے کلثوم حمیری کی بیٹی سے ان کا نکاح نہ کر دیا۔

یہ روایت کنز العمال میں دیلمی سے بروایت ابن عباسؓ اور مسند امام احمد سے بروایت ابوذرؓ اور مسند ابویعلی و معجم طبرانی کبیر و شعب الایمان بیہقی سے بروایت عطیہ بن بشر المازنی رضؓ نقل کی گئی ہے اور جمع الفوائد میں بھی اس کو مسند امام احمدؒ سے بروایت ابوذرؓ نقل کیا گیا ہے۔ اس میں لفظ کرسف کے بجائے کرفس ہے۔

(۲) عن ابن جبیر قال قال لی ابن عباس هل تزوجت قلت لا قال تزوج فان خیر هذه الامة کان اکثرهم نساءً یعنی النبی صلی الله علیه وسلم۔ للبخاری کذا فی جمع الفوائد

ابن جُبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے نکاح کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا نکاح کرلو کیونکہ اس امت میں افضل ترین وہ تھے جنکی بیویاں سب سے زیادہ تھیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابن جُبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مکالمہ بخاری شریف میں موجود ہے۔

(۳) عن ابن مسعود الانصاری عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا انفق المسلم نفقة علی اهله ویحتسبها کانت له صدقة (بخاری)

ابومسعود انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مسلمان جو کچھ اپنے اہل و عیال پر بہ نیت رضائے مولیٰ خرچ کرے وہ اس کے لئے صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔

(۴) قال النبی صلی الله علیه وسلم افضل الصدقة ما ترك غنیً والید العلیا خیر من الید السفلیٰ وابدأ بمن تعول (بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہتر صدقہ وہ ہے کہ صدقہ دینے کے بعد بھی دینے والا غنی رہے۔ اور اوپر والا (یعنی دینے والا) ہاتھ نیچے والے (یعنی لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور پہلے اپنے اہل و عیال پر خرچ کر (اسکے بعد غیروں پر صدقہ کر)

(۵) قال النبی صلی الله علیه وسلم مسکین مسکین رجل لیست له امرأة قالوا وان کان کثیر المال قال وان کان کثیر المال۔ مسکینة مسکینة امرأة لیس لها زوج قالوا وان کانت کثیرة المال قال وان کانت کثیرة المال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی بیوی نہ ہو وہ محتاج ہے محتاج ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور اگر وہ بڑا مالدار ہو فرمایا بڑا مالدار ہو جب بھی محتاج ہے اور جس عورت کا خاوند نہ ہو وہ محتاج ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ بڑی مالدار ہو فرمایا اگرچہ بڑی مالدار ہو۔

(رواہ رزین کذا فی جمع الفوائد)

(۶) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم۔ ابوداؤد کذا فی جمع الفوائد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو شوہروں سے محبت کرتی ہوں اور کثیر الولادۃ ہوں کہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

(۷) رد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عثمان بن مظعون التبتل ولو اذن لہ لاختصینا۔ ترمذی

سعدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کو تبتل (یعنی ترک دنیا و ترک تعلقاتِ زوجیت) کی اجازت نہیں دی۔ اگر حضور ان کو اس کی اجازت دیدیتے تو ہم تو خصی بن جایا کرتے۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ کے متعلق وہ طویل روایت جو آپ نے نقل کی ہے باوجود تلاش کے مجھے نہیں ملی۔ نیز حضرت معاذ اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہما کی روایات بھی نظر سے نہیں گزریں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(۱) ایک مرد کون کونسی صورتوں میں کتنے نکاح کر سکتا ہے۔ (۲) ایک مرد کی ایک پہلی بیوی موجود ہے اور اس کو طلاق دیئے بغیر بلا کسی قصور کے اور بغیر اس کی رضامندی کے اس کا حق مارنے کی غرض سے دوسرا نکاح کرلے تو جائز ہو گا یا نہیں؟

(۴۴۶) **جواب**۔ (۱) چار عورتوں تک نکاح میں لاسکتا ہے۔ بشرطیکہ ہر بیوی کے ساتھ انصاف کر سکے اور سب بیویوں کو برابر رکھ سکے۔ (۲) یہ نیت کرکے دوسرا نکاح کرنا ناجائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ایک شخص کی چار بیوی پہلے سے موجود ہیں۔ پانچویں اپنی خواہش سے بلا خواہش مرد کے تیار ہوئی کہ ہم تمہارے ساتھ عقد کریں گے۔ مرد نے مجبوراً عقد اس سے بھی کر لیا۔ اب بستی کے لوگوں نے اسے جماعت سے بند کر رکھا ہے کہ پانچ بی بی کرنا شریعت سے حکم نہیں ہے۔ تم نے کیوں کیا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۱۸۴ جناب قسمت اللہ صاحب (میمن سنگھ) ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جنوری ۱۹۳۸ء

(۴۴۷) **جواب** - ہاں پانچ بیویاں کرنا جائز نہیں لہذا اس پانچویں کا نکاح جائز نہیں ہوا۔ اس کو فوراً اپنے پاس سے علیحدہ کردے اور توبہ کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) زید نے اپنی عورت کو بلا قصور طلاق دی اس کو حمل تھا اور بچہ پیدا نہ ہوا تھا کہ زید نے بیوی کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا۔ زید نے بغیر قصور پہلی بیوی کو طلاق دی۔ ہوئی یا نہیں؟

(۲) چھوٹی بہن سے نکاح کیا وہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) یہ کہ پہلی عورت سے زید خوش ہے اور زید کی یہ مرضی ہے کہ عورت کو حلال کرنا چاہتا ہوں جو نکاح اس کی چھوٹی بہن سے کیا ہے وہ نہیں چاہتا۔

المستفتی ۲۱۸۷ رمضانی شاہ فقیر (جے پور) ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۷ جنوری ۱۹۳۸ء

(۴۴۸) **جواب** - بہن کی عدت پوری ہونے سے پہلے دوسری بہن سے جو نکاح کیا وہ ناجائز ہوا۔ طلاق بے قصور دی تو بُرا کیا مگر طلاق ہوگئی۔ اب اگر مطلقہ سے شوہر خوش ہے اور اس کو رکھنا چاہتا ہے تو اس کا یہ حکم ہے کہ اگر طلاق مغلظہ نہیں دی تھی تو اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ دوسری بہن کو علیحدہ کردے اور اس سے قطع تعلق کرلے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کی ایک بیوی ہے وہ کچھ بیمار اور پیروں سے معذور ہے اور اس سے بیوی جیسا تعلق رکھنے پر جب اس کے کچھ بال بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ سخت مصیبت میں گرفتار اور مرنے کے قریب ہوجاتی ہے تو زید کو ڈاکٹروں نے یہ رائے دی ہے کہ تم اس کے ساتھ اپنا بیوی جیسا تعلق نہ رکھو بلکہ اگر اس کی زندگی چاہتے ہو تو اس کو روٹی کپڑا دیتے رہو اور تم اپنا عقدِ ثانی کرلو۔ اب عقدِ ثانی سے اس کی بیوی رضامند نہیں ہے اور سخت رنج و ملال ظاہر کرتی ہے تو اس صورت میں زید کا عقد کرنا بغیر سابقہ بیوی کی رضامندی کے شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی ۲۲۶۶ مستری محمد عمر صاحب۔ سروٹ دروازہ (مظفر نگر)

۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۸ء

(۴۴۹) **جواب** - بضرورت دوسری شادی کرنا جائز ہے۔ موجودہ بیوی کی اجازت لازمی نہیں۔

ہاں دوسری شادی کے بعد پہلی بیوی کے حقوق کا ادا کرنا لازم ہوگا۔ ورنہ سخت گناہ لازم ہوگا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۰ء)

جناب عبدالعزیز صاحب چودھری ممبر اسمبلی ریاست کپورتھلہ، ریاست کپورتھلہ کی اسمبلی میں "قانون انضباط تعدد ازدواج" کے نام سے ایک مسودہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ موصوف نے اس مسودۂ قانون کو پیش کرنے کی اجازت طلب کرنے سے قبل اس کی ایک نقل حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علمائے ہند کو اظہارِ رائے کے لئے بھیجی۔ اس کے متعلق حضرت موصوف نے تحریر فرمایا۔

(۲۵۰) **جواب** - جناب کا عنایت نامہ مع مسودۂ "قانون انضباط تعدد ازدواج" پہنچا۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ جناب نے جس غرض سے اسے پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے وہ خود اس بل کی تمہید میں مرقوم ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ بہت سے مردوں کی سیاہ کاری سے عورتوں کو مصائب اور تکالیف پیش آرہی ہیں۔ مگر محترمی! میرا مستحکم اور پختہ خیال یہ ہے کہ یہ بل اور اس قسم کے تمام بل بجائے اس کے کہ ان مظالم کو روکیں شریعتِ مطہرہ کے اندر مداخلت کا دروازہ کھولنے اور احکامِ شریعت کو غیر مسلم ججوں کے ہاتھ میں کھلونا بنا دینے کا دروازہ کھول دیں گے۔ سارداا ایکٹ کا معاملہ جناب کے پیشِ نظر ہے۔ جمعیۃ علمائے ہند اور ہندوستان کی دوسری مسلم جماعتیں اور جمعیتیں اس کے مسترد کرانے کے لئے اس وقت گورنمنٹ سے برسرِ پیکار ہیں۔ اس میں بھی زیادہ تر مطمحِ نظر یہی ہے کہ اس کی وجہ سے اسمبلی کے لئے دیگر مذہبی احکام میں مداخلت کا دروازہ کھل گیا ہے اور اس کو مسلمان برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے میری ناچیز رائے اس بل کے قطعی خلاف ہے جو جناب پیش کرنا چاہتے ہیں۔

میری رائے یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا مسودۂ قانون پیش کریں جس کے ذریعے سے مسلمانوں کے شرعی معاملات نکاح طلاق خلع عنین مفقود وغیرہ کے تمام مقدمات فیصل کرنے کے لئے مسلمان قضاۃ کی عدالت قائم کی جائے اور اس مسلم عدالت میں ان مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک مسلم قانون مرتب کیا جائے اور اس کے موافق مقدمات فیصل کیے جائیں۔ یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے بعض غیر مسلم ریاستوں میں اس قسم کے قاضی جن کو ان معاملات کے مقدمات فیصل کرنے کے اختیارات

ہوئے ہیں مقرر تھے۔ اور امریکہ نے اپنی بعض ریاستوں میں ایسی شرعی عدالتیں مسلمانوں کے لئے قائم کی ہوئی ہیں، مسلمانانِ سیلون نے بھی اس مضمون کا مطالبہ اس نئی اسکیم میں پیش کیا ہے جو اصلاح کے لئے زیرِ غور ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مہاراجہ کپور تھلہ ایک روشن خیال والئ ریاست ہیں۔ اگر مسلمان ارکانِ اسمبلی متفقہ طور پر یہ مطالبہ پیش کریں گے تو مہاراجہ اس کی منظوری دیدیں گے۔ آپ اس کی تمہید میں یہ ضرورتِ واقعیہ ظاہر کریں کہ مسلمانوں کے مذہب کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ مسلمانوں کے ــــــــــــ شرعی معاملات میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں ہے۔ بلکہ مذہبی احکام کے بموجب اُن معاملات کا فیصلہ کرنے والا حاکم مسلمان ہونا ضروری ہے۔

اگر آپ کی کوشش سے یہ مطالبہ پورا ہو گیا تو پھر نہ صرف وہ مظالم جو تعدد ازدواج سے پیش آتے ہیں بلکہ عورتوں کے متعلق تمام مظالم کا سدِ باب ہو جائے گا۔ اگر جناب اس مضمون کا بل پیش کرنے کا ارادہ فرمائیں گے تو میں اور میری جماعت پورے طور پر ہر ممکن امداد کے لئے تیار ہوگی۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنی رائے مبارک سے جلد مطلع فرمائیں گے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ ۲۶ مارچ ۱۹۳۲ء

اٹھارواں باب

ضبطِ تولید (برتھ کنٹرول)

سوال

مسئلہ برتھ کنٹرول یعنی ضبطِ تولید پر اکثر آجکل مضمون شائع ہوا کرتے ہیں۔ ڈاکٹروں اور اطبا کی نظر میں کمزور عورتوں کا حاملہ ہونا ان کے اور آئندہ اولاد کے لئے مضر اور خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ حمل کا متواتر ضائع ہو جانا، بار بار اسقاط ہونے کے باعث جسم میں خون کی کمی کا واقع ہونا، یا چند اعصابی امراض میں مبتلا ہو جانا جس کے باعث دل و دماغ کا کمزور ہو جانا، عام طور پر مخدوش زنانہ امراض میں مبتلا رہنا۔ ان صورتوں میں بعض کامل پرہیز صحبت سے بتاتے ہیں جو عرصے تک قائم رکھنا یا تو مشکل ہے یا ازدواجی تعلقات میں تلخی پیدا کرنے کا احتمال رکھتا ہے۔ بعض اطبا جو عالم بھی کہلاتے ہیں

اپنی ادویات کے اشتہاروں میں تذکرہ کرتے ہیں کہ ضبطِ تولید یا برتھ کنٹرول گناہ ہے مگر ان کی گولیاں کھانے سے دو تین سال تک ایسی کمزور عورتوں کو حمل قرار نہیں پا سکتا اور یہ گولیاں ان کی صحت کے لئے ضروری بتائی جاتی ہیں۔ مقصد ان گولیوں کا بھی وہی ہے جو دیگر تراکیب ضبطِ تولید کا ہے یعنی حفظِ صحت و تندرستی اور یہ بھی برتھ کنٹرول ہی کہلائے گا۔ ان صورتوں میں کوئی مؤثر تدبیر ضبطِ تولید کی اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟　　المستفتی ۹۹۴ ایس۔ ایم۔ مرتضیٰ (ٹاٹا نگر)

۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۶ جون ۱۹۳۶ء

(۴۵۱) **جواب** - برتھ کنٹرول یعنی ضبط تولید کے لئے کسی دوا کا استعمال کرنا یا اور کوئی جائز تدبیر عمل میں لانا اگر عورت کی کمزوری یا اس کی صحت کی خرابی کی بنا پر ہو تو مباح ہے۔ لیکن اگر کثرتِ اولاد کے خوف سے یا عورت کے حسن کے قائم رکھنے کے لئے ہو تو یہ مقاصد ناقابلِ اعتبار ہیں اور ضبطِ تولید کے لئے وجہ اباحت نہیں بن سکتے۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۲۸ء)

فرنچ لیدر کا استعمال منکوحہ بیوی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ یہ تھیلی پاک کیونکر کی جا سکتی ہے؟ اور کیا اسے دھو کر دوبارہ استعمال کر سکتے ہیں؟ عزل کے واسطے کیا بیوی کی اجازت ضروری ہے اگر ہے تو کیوں؟

(۴۵۲) **جواب** - فرنچ لیدر کا استعمال منکوحہ بیوی کے ساتھ جائز تو ہے مگر عزل کے حکم میں ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔ یہ تھیلی دھو کر پاک ہو سکتی ہے اور مکرر استعمال میں آ سکتی ہے۔ عزل کے لئے منکوحہ کی اجازت چاہئے کیونکہ اولاد میں اس کا بھی حق ہے۔　　محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

(۴۵۳) تنظیمِ نسل یا ضبط تولید

(ایک ناتمام مضمون جو قلمی مسودہ سے نقل کیا گیا)

کچھ عرصے سے ہندوستان کے اربابِ فکر اور اہلِ قلم کے لئے ایک مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا ہے جسکو تنظیمِ نسل[1] یا ضبطِ تولید یا تحدیدِ ولادت یا برتھ کنٹرول کہا جاتا ہے۔ جہاں تک اصل مسئلے کا تعلق ہے

---

[1] یہ مضمون غالباً اس وقت تحریر فرمایا تھا جبکہ شروع شروع میں ضبطِ تولید کی بحث اخبارات و رسائل میں آئی تھی۔ اس وقت عام طور پر برتھ کنٹرول مشہور تھا۔ آجکل اسی کو فیملی پلاننگ یا خاندانی منصوبہ بندی کہا جاتا ہے۔　　(واصف عفی عنہ فروری ۱۹۷۰ء)

وہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق بنی نوع انسان کی ایک ایسی فطری قوت کے ساتھ ہے جو ابتدائے آفرینش سے خلاق عالم فاطر السموات والارض نے نوعِ انسان میں ودیعت رکھی ہے اور اس قوت اور اس کے صحیح استعمال پر نوع کے بقا اور تکثیر نسل کا مدار ہے۔ جس طرح دوسری فطری قوتیں اپنے استعمال میں مخصوص فطری اور شرعی نظام کی محتاج ہیں اسی طرح یہ قوت بھی فطری اور شرعی نظام کی پابندی سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

مبدائے فیاض نے سلسلۂ توالد و تناسل کے لئے دو رُکن (مرد و عورت) بنائے اور دونوں میں فعل وانفعال یا اختلاط وامتزاج کے اصول پر قوتِ تناسل ودیعت فرمائی۔ مرد و عورت دونوں اس قوت کے حامل ہیں اور اپنی اپنی فطری صلاحیتوں کے موافق اس سے کام لینے پر قدرت رکھتے ہیں۔ مگر ہر ایک کے لئے انفرادی اور اجتماعی استعمال کے فطری اور شرعی قوانین اور حدود ہیں کہ اُن سے تجاوز کرنا فطرت اور شریعت کے نزدیک جرم ہے۔ مثلاً مرد و عورت دونوں کے لئے حرام ہے کہ وہ اس قوت کو انفرادی طور پر جلق یا مساحقت سے ضائع کریں۔ یا نوعی توافق سے بے نیاز ہوکر کسی مخالف نوع (مثلاً حیوانات) کے ساتھ ہوس رانی کریں۔ اسی طرح فطرتِ سلیمہ اور شریعت نے مردوں پر حرام کیا ہے کہ وہ بنی نوع کے کسی فرد (یعنی مرد یا عورت) کے ساتھ غیر محل حرث میں اپنی قوتِ شہوانیہ کو استعمال کر کے تباہ و برباد کریں۔ چونکہ اس فعل خلاف وضع فطرت کی خواہش ابتداءً مرد کی طرف سے ہوتی ہے اس لئے اس بندش اور ممانعت کو ہم نے مردوں کی طرف براہِ راست منسوب کر دیا ہے۔ منفعل (مرد یا عورت) کے ذمہ بھی لازم ہے کہ وہ مطاوعت نہ کرے اور اپنے آپ کو اس فاحشہ اور انتہائی ذلت کے کام سے محفوظ رکھے اور عزتِ انسانیت کو بچائے۔

یہاں تک جن بندشوں اور حدود و قیود کا ذکر کیا گیا ان کے بارے میں قوانینِ فطرت اور محکماتِ شریعت آئینِ عقل اور ضابطۂ اخلاق سب متفق ہیں۔ ان قیود اور بندشوں کے نہ صرف مستحسن بلکہ لازم اور ضروری ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اور یہ ہمارے زیرِ بحث مسئلہ سے بھی متعلق نہ تھیں مگر ہم نے ان کو بعض آئندہ مضامین کی تمہید کے طور پر ذکر کر دیا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث سامنے آتی ہے کہ سلسلۂ تناسل کے یہ دونوں رُکن مرد و عورت فطری قانون کے موافق اپنی قوتوں کو کیف ما اتفق استعمال کرنے میں بھی آزاد ہیں یا اس مرحلے پر بھی ان پر کچھ قیود عائد

کی جاسکتی ہیں۔ تو اس کا جواب بھی صاف ہے کہ ہر مرد اور ہر عورت اس مرحلے پر بھی آزاد نہیں ہے کہ وہ اپنی قوتوں کو علی الاطلاق اختلاط کے لئے استعمال کر سکیں۔ مردوں کے لئے بھی حدود مقرر ہیں اور عورتوں کے لئے بھی اور یہ حدود فطرتِ سلیمہ کی طرف سے اور کبھی شریعت کی طرف سے عائد کی گئی ہیں۔ مثلاً مرد کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ جس عورت سے تعلق ازدواج قائم کرے اس کو ہمیشہ کے لئے شریکِ زندگی بنانے کی نیت سے کرے اور جب تک اس کو خاص رسوم کے ذریعہ اپنی بیوی نہ بنائے اس وقت تک اس کے ساتھ مباشرت نہ کرے۔ ازدواجی تعلق قائم کرنے سے پیشتر کسی آزاد عورت کے ساتھ مباشرت کرنا شرعی اور معاشرتی جرم ہے۔ جس کو عرف عام میں زنا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو بعض قیود کے اضافہ کے ساتھ قانوناً بھی جُرم ہے۔

پھر جو مرد کسی عورت کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہے اُس پر شریعت کی طرف سے لازم ہے کہ وہ عورت محرماتِ شرعیہ میں سے نہ ہو۔ یعنی نہ نسب کے لحاظ سے اس پر حرام ہو نہ مصاہرۃ کے اعتبار سے اور نہ منکوحۃ الغیر ہو اور نہ کسی ایسی عورت کے ساتھ اس کا نکاح میں اجتماع لازم آئے جس کے ساتھ جماع کرنا شرعاً حرام ہے۔

چونکہ ازدواجی تعلق فطرت کے اہم ترین منشا اور غرض کو پورا کرنے کے لئے قائم کیا جاتا ہے یعنی بقائے نوع و تکثیرِ نسل، اس لئے اس تعلق کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے اور دائمی تاحیاتِ زوجین قائم رکھنے کے لئے جتنی باتوں کی ضرورت تھی اسلام نے ان میں سے ہر ایک بات کے متعلق کھلی ہوئی ہدایتیں دیں۔ اور پورا اہتمام کیا کہ زوجین ان کی پوری پابندی کر کے اپنی اپنی زندگی کو بھی شیریں اور پُر لطف بنائیں اور فطرت کے منشا کی بھی علی احسن الوجوہ تکمیل کریں۔ مثلاً نفس تعلق ازدواج کے متعلق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی ملاحظہ ہوں :۔

ازدواج و نکاح کی ترغیب

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج۔ انتہی مختصراً متفق علیہ۔ ترجمہ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص ازدواجی زندگی کا بار اُٹھا سکتا ہے اسے لازم ہے کہ نکاح کرے کہ یہ اس کی نظر کو نیچی رکھنے والا اور شرمگاہ کا محافظ ہے۔

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ حق علی اللہ عونہم المکاتب الذی یرید الاداء والناکح الذی یرید العفاف والمجاھد فی سبیل اللہ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ کذا فی المشکوۃ) ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین شخص ہیں جن کی مدد اللہ تعالےٰ نے خود اپنے فضل وکرم سے اپنے اوپر لازم کرلی ہے۔ مکاتب جو آقا کو طے شدہ رقم ادا کرنا چاہتا ہے اور نکاح کرنے والا جو پاکدامن رہنے کے ارادے سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا۔

(۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا کلہا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ (مسلم شریف کذا فی المشکوۃ) ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا تمام کی تمام انسان کے فائدہ اٹھانے کا سامان ہے اور دنیا کے تمام سامانوں میں سے بہترین سامان نیک عورت ہے۔

(۴) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما استفاد المؤمن بعد تقوی اللہ خیرا لہ من زوجۃ صالحۃ ان امرھا اطاعتہ وان نظر الیہا سرتہ وان اقسم علیہا ابرتہ وان غاب عنہا نصحتہ فی نفسہا ومالہ (ابن ماجہ کذا فی المشکوۃ) ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ کے تقویٰ (یعنی ایمان واعمال صالحہ) کے بعد اس سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں کہ اسے نیک بیوی میسر ہو جائے جو اس کے احکام کی تعمیل کرے اور جب یہ اس کی طرف نظر اٹھائے تو وہ اس کو حسن خلق اور خندہ پیشانی سے مسرور کردے۔ اور اگر یہ کوئی ایسی قسم کھائے جس کا پورا کرنا بیوی کے قبضہ میں ہو تو اس کی قسم پوری کردے اور اگر یہ کہیں چلا جائے تو بیوی اپنے نفس کے رویہ اور مرد کے مال میں خیر خواہی اور اخلاص برتے۔

(۵) عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال رد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عثمان بن مظعون التبتل ولو اذن لہ لاختصینا (متفق علیہ کذا فی المشکوۃ) ترجمہ:۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کی مجرد رہنے کی درخواست نامنظور فرمادی۔ اگر حضور ان کو تجرد کی اجازت دے دیتے تو ہم اپنے آپ کو خصی کرالیا کرتے۔

مذکورہ احادیث اور اسی قسم کی بکثرت روایات تعلق ازدواج کی اہمیت اور اس کی فضیلت

بصراحت تمام ثابت کرتی ہیں۔ اس کے بعد وہ احادیث ملاحظہ ہوں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شریکِ زندگی کے انتخاب میں ان صفات کی طرف توجہ دلائی ہے جو زوجین کی آئندہ زندگی کو پُرکیف اور مسرت سے معمور کرنے والی اوران کے تعلقات کو استحکام بخشنے والی ہیں۔

(۶) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنکح المرأۃ لاربع لمالھا ولحسبھا ولجمالھا ولدینھا فاظفر بذات الدین الخ (متفق علیہ کذا فی المشکوۃ) ترجمہ:۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے نکاح کرنے میں چار چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔عورت کے مالدار ہونے کا۔اس کی خاندانی برتری کا[۱]۔اس کی خوبصورتی کا۔اس کی دینداری کا۔تو تم دیندار عورت حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کرو۔

(۷) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء کم من ترضون دینہ وخلقہ فانکحوہ الا تفعلوا تکن فتنۃٌ فی الارض وفسادٌ الا تفعلوا تکن فتنۃٌ فی الارض و فسادٌ الا تفعلوا تکن فتنۃٌ فی الارض وفسادٌ قالوا یا رسول اللہ وان کان فیہ قال اذا جاء کم من ترضون دینہ وخلقہ فانکحوہ ثلث مرات (ترمذی) ترجمہ:۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمھارے پاس کوئی ایسا شخص پیام لے کر حاضر ہو جس کی دینداری اور خوش خلقی تمھیں پسند ہو تو اُس کا پیام منظور کرکے مخطوبہ لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ کردو۔اگر ایسا نہ کروگے (یعنی نکاح میں دین و اخلاق کا لحاظ مقدم نہ رکھوگے) تو زمین میں فتنہ وفساد پھیل جائے گا۔اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ وفساد پھیل جائے گا۔صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر اس میں کوئی نقص ہو؟ حضورؐ نے فرمایا جب تمھارے پاس ایسا شخص پیام دے جو دین اور اخلاق میں پسندیدہ ہو تو نکاح کردو۔اوراس جملے کو تاکیداً تین مرتبہ فرمایا۔

مذکورہ احادیث میں عورت کی ان صفات کا ذکر فرمایا ہے جو استحکام رشتۂ الفت و محبت کے لئے ضروری ہیں اور ظاہر ہے کہ دینداری اور حُسن خلق ہی ایسی چیزیں ہیں جو عورت کو مراعات حقوق اور حفظِ مراتب پر آمادہ کرسکتی ہیں۔اِسی لئے ان دونوں کو دوسری چیزوں پر مقدم رکھا۔اور ان کی رعایت کو ضروری قرار دیا۔بلکہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے کلمات طیبات بھی ملتے

---

[۱] یعنی نسبی کمتری یا عدم کفاءۃ ۱۲ منہ

ہیں جن میں نری مالداری اور خوبصورتی اور نسبی برتری کو نظر انداز کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

(۸) لا تنکحوا المرأة لحسنها فعسی حسنها ان یردیها ولا تنکحوا المرأة لما لها فعسی مالها ان یطغیها وانکحوها الدینها فلامة سوداء خرماء ذات دین افضل من امرأة حسناء لا دین لها (رواہ سعید بن منصور فی سننہ کذا فی کنز العمال) ترجمہ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت سے محض حسن کی بنا پر نکاح نہ کرو ممکن ہے کہ اس کا حُسن اس کو ہلاکت میں ڈال دے اور کسی عورت سے محض مالدار ہونے کی وجہ سے نکاح نہ کرو۔ ممکن ہے کہ اس کا مال اس کو سرکش اور نافرمان بنا دے۔ ہاں عورت کے دیندار ہونے کی بنا پر نکاح کیا کرو کیونکہ سیاہ فام کن چری عورت (باندی) دیندار ہو تو وہ خوبصورت بے دین عورت سے افضل ہے۔

(۹) لا تنکحوا النساء لحسنهن فعسی حسنهن ان یردیهن ولا تنکحوهن لاموالهن فعسی اموالهن ان یطغیهن فانکحوهن علی الدین ولامة سوداء خرماء ذات دین افضل (رواہ الطبرانی والبیہقی کذا فی کنز العمال) ترجمہ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں سے محض اُن کے حُسن کی وجہ سے نکاح نہ کرو ممکن ہے کہ ان کا حسن ان کے لئے موجبِ ہلاکت ہو جائے۔ اور نہ ان کی مالداری کی بنا پر نکاح کرو۔ ممکن ہے کہ ان کا مال ان کے لئے سببِ رعونت و سرکشی ہو جائے تو تم ان کی دینی صلاحیت پر نکاح کرو اور بیشک ایک سیاہ فام کن چری عورت (باندی) جبکہ دیندار ہو افضل ہے۔ (نا تمام)

اُنیسواں باب

متبنّٰی

سوال

زید نے ایک لڑکے کو متبنّٰی بنا رکھا ہے اور اس کے ہاں حقیقی اولاد بھی موجود ہے متبنّٰی لڑکے سے بہت خاطر مدارات اور اچھی طرح سے اس کی پرورش کرتا ہے اور حقیقی اولاد کے ساتھ اچھی طرح برتاؤ نہیں کرتا اور نہ ان کی تربیت کا خیال ہے۔ آیا اس صورت میں زید حقیقی اولاد کی

حق تلفی کرتا ہے یا نہیں ؟ اور متبنّٰی بنانا درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۷۸ اسلام الدین چاہ رہٹ دہلی - ۱۶ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۳ جنوری ۱۹۳۳ء

(۴۵۴) **جواب** - متبنّٰی بنانا تو درست ہے - لیکن متبنّٰی بنانے سے متبنّٰی کے لئے حقیقی اولاد کے احکام ثابت نہیں ہوتے اور نہ متبنّٰی کو وراثت کا حق حاصل ہوتا ہے - حقیقی اولاد کا حکم اور حقوق متبنّٰی کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوجاتے - اگر یہ شخص متبنّٰی کی خدمت گزاری اور اطاعت شعاری کی وجہ سے اس کی خاطر مدارات کرتا ہے اور حقیقی اولاد کی نافرمانی کی وجہ سے ناراض ہے تو اس میں وہ ایک حد تک معذور ہو سکتا ہے - لیکن اگر حقیقی اولاد بھی اطاعت شعار اور خدمتگزار ہو اور یہ بغیر وجہ معقول متبنّٰی کو اولاد پر ترجیح دے تو بے شک حق تلفی کا مواخذہ دار ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک شخص نے لاوارث ہونے کی وجہ سے ایک لڑکے کو متبنّٰی بنایا لیکن اپنی بیوی سے دودھ نہیں پلوایا - وہ لڑکا ان دونوں کو ماں باپ کہہ کر پکارتا ہے اور وہ دونوں بھی اس کو بیٹا کہتے ہیں یہاں علما کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ بعض تو کہتے ہیں کہ اس بچہ کو بیٹا کہہ کر پکارنا حرام ہے - اور وہ باپ کہہ کر پکارے تو یہ بھی حرام ہے - بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ باپ کہہ کر پکارے تو جائز ہے مگر ان کو جواب دینا حرام ہے۔ المستفتی نمبر ۴۱۸ حکیم مولوی عزیز الرحمٰن (چاٹگام)

۱۷ رجب ۱۳۵۳ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(۴۵۵) **جواب** - اس لڑکے کے لئے جائز ہے کہ یہ اپنے متبنّٰی بنانے والے کو باپ اور اس کی اہلیہ کو ماں کہہ کر پکارے اور ان دونوں کیلئے جائز ہے کہ وہ اس کو بیٹا کہہ کر پکاریں - شریعت میں اس کی ممانعت نہیں - شرعی حکم یہ ہے کہ متبنّٰی بیٹے کو حقیقی بیٹے کے احکامِ شرعیہ نکاح وراثت پردہ وغیرہ میں شریک نہ سمجھا جائے - شفقت اور پرورش کے لحاظ سے بیٹا کہنے اور پکارنے کی ممانعت نہیں ہے - واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

متبنّٰی بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی عبدالستار خاں (ٹونک)

(۴۵۶۱) **جواب** - تبنیت یعنی کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانا یعنی حقیقی بیٹے کے احکام اس پر مترتب کرنا جیسا کہ عرب میں دستور تھا اور اب بھی ہندوؤں اور بعض دوسری قوموں میں مروج ہے منسوخ اور مردود ہو چکا - اس میں کوئی نزاع نہیں - یہ شرعاً اور عقلاً باطل ہے کہ مخلوق میں مار عمرو ابن زید ہو جائے - رہی یہ بات کہ اگر زید عمرو کے بیٹے کو لے کر اپنے بیٹے کی طرح پرورش اور تربیت کا تکفل کرے اور یہ کہے کہ میں نے عمرو کے بیٹے کو بیٹا کر لیا ہے - یعنی مثل اپنے بیٹے کے اس کی پرورش و تربیت کا کفیل ہو گیا ہوں - ہے وہ عمرو ہی کا بیٹا - میرا حقیقۃً بیٹا نہیں ہے ہاں متبنّٰی ہے تو اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں - قرآن پاک کی آیت مَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ اور اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ اور عبارات تفسیر یہ سب اسی تبنیت کے متعلق ہیں جس میں ابنِ حقیقی کے احکام متبنّٰی پر جاری کیے جاتے تھے - اور حقیقی باپ سے نسبت منقطع کر کے متبنّٰی بنانے والے کی طرف مثل حقیقی بیٹوں کے منسوب کر دیا جاتا تھا - لیکن جبکہ یوں کہا جائے کہ زید بیٹا تو محمود کا ہے مگر خالد نے اُسے پرورش و تربیت کے لئے منہ بولا بیٹا بنا لیا ہے - خالد اپنی زندگی تک یا ایک مدت معینہ تک اس کے مصارف کا متکفل ہے - وہ خالد کا وارث نہیں اور کوئی حکم حقیقی بیٹے کا اس پر جاری و ثابت نہیں تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں -

یہ بات کہ کسی حال میں اور مجازاً بھی کسی کو بیٹا کہنا ناجائز ہے - یا یہ کہ فقہ کے بعض مسائل مثلاً کسی مجہول النسب اور ایسے شخص کے بارے میں یہ اقرار کرنا کہ یہ میرا بیٹا ہے جس کا عمر کے لحاظ سے مقر کا بیٹا ہونا ممکن ہو اجرائے احکام کا موجب ہوتا ہے حقیقۃً تبنیت کا جواز ثابت کرنا میرے خیال میں درست نہیں - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

جواب (از نائب مفتی صاحب) بیشک یہ فیصلہ حضرت مفتی صاحب کا نہایت صحیح و درست ہے - تبنیت حقیقی منسوخ اور مردود ہے اور تبنیت مجازی جائز و مشروع ہے - اور فقہا کے بعض مسائل سے تبنیت حقیقی کا جواز ثابت کرنا غلط ہے - فقط حبیب المرسلین عفی عنہ

سوال

ایک شخص نے اپنی وفات سے نو سال قبل ایک لڑکی بعمر یکسالہ کو اپنا متبنّٰی بنایا - اور اپنی وفات سے بیشتر چند معززین کو بلا کر وصیت کی کہ میری وفات کے بعد مذکورہ بالا لڑکی میری جائداد کی

جائز وارث ہوگی۔ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی ۹۱۲ حاجی محمد تقی پانی پت۔ ۱۲ صفر ۱۳۵۵ھ م ۴ مئی ۱۹۳۶ء

جواب (از مولوی حمد اللہ پانی پتی) شریعت میں متبنّٰی بنانے سے مال پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ لہٰذا لڑکی کا وراثت سے کچھ تعلق نہیں۔ مال کے وارث اس کے وارث قریبی بعیدی جو ہوں گے ان کو حق پہنچے گا البتہ چونکہ مرنے والا وصیت کر گیا ہے کہ میرے مال، کو میرے مرنے کے بعد لڑکی متبنّٰی کو دے دینا لہٰذا وصیت کی رُو سے لڑکی کو تہائی مال ملے گا۔ جیسا کسی غیر کو وصیت کر جاتا تو تہائی اس کو ملتی۔ واللہ علم بالصواب۔ حمد اللہ عفی عنہ

(۷۵۷) **جواب** (از حضرت مفتی اعظمؒ) اگر الفاظ یہ تھے جو سوال میں مذکور ہیں کہ "میری وفات کے بعد لڑکی جائز وارث ہوگی" تو یہ لغو ہیں وصیت نہیں۔ ہاں اگر یہ کہا ہو کہ سب ترکہ اس کو دیدینا تو وصیت ہوگی اور ثلث میں جاری ہوگی۔ محمد کفایت اللہ

جواب الجواب (از مولوی حمد اللہ پانی پتی) مولٰنا المکرم زاد الطافکم۔ بعد سلام مودبانہ عرض ہے۔ مشکور ہوں کہ گرامی نامہ جلدی موصول ہوگیا اور جناب نے اصلاح فرما دی۔ اور مجھ سے بار ہلکا ہوگیا ایک سند حاصل ہوگئی۔ لیکن ابھی تک پوری تسکین و انشراحِ صدر حاصل نہیں ہوا، جس کی مجھ کو خاص اپنے لئے ضرورت ہے۔ جناب نے کوئی حوالہ یا دلیل تحریر نہیں فرمائی کہ کیوں الفاظ مذکورۂ سوال لغو ہیں۔ وصیت میں تملیک مضاف الی ما بعد الموت ہے۔ لفظ وصیت کوئی ضروری نہیں بلکہ اور الفاظ سے بھی ہو سکتی ہے۔ وصیت، وراثت میں مشابہت بھی لکھتے ہیں کہ دونوں میں قائم مقامی ہے۔ عاقل بالغ کے کلام کو حتی الامکان صحت پر محمول کرنا چاہئے حقیقت نہ ہو تو مجازی۔ وصیت بعض موقع پر غلط الفاظ سے بھی مان لی جاتی ہے۔ جیسے کوئی وارث کو وصیت کرے تو لغو نہ ہوگی بلکہ موقوف اجازۃ پر ہوگی۔ تمام مال کی وصیت ہوگی تو ثلث میں رکھی جائے گی۔ تو اگر یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں میرا جائز وارث ہے یا ہوگا اور میں یہ وصیت کرتا ہوں تو کیوں اس کو وصیت نہ رکھا جائے اور لفظ جائز کو لغو کر دیا جائے اور وارث کے لفظ کو موصی لہٗ پر محمول کر کے وصیت کے طور ثلث دیدیا جائے۔ فقط

مکرر یہ بھی عرض ہے کہ مرنے والے کی غرض تو یہ ہے کہ اس کو تمام مال دیا جائے پھر بعض بھی نہ ملے تو غرض کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ بعض حضرات دیوبندی اپنا خیال وصیت کا ظاہر کرتے ہیں۔ مگر

دلیل اور حوالہ نہیں اور نہ دستخط۔ میں دوبارہ جناب کو تکلیف دیتا ہوں۔ اُمید ہے کہ اس طرح تحریر فرمائینگے کہ طبیعت یکسو ہو جائے گی۔ والسلام

جواب (از حضرت مفتی اعظمؒ) سوال میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ صرف یہ ہیں (میری وفات کے بعد مذکورہ لڑکی میری جائداد کی جائز وارث ہوگی) یہ ایک جملہ خبریہ ہے۔ انشا پر اسے محمول کرنا اور اس سے انشائے وصیت نکالنا متصور نہیں۔ متوفی کے الفاظ میں وصیت کا لفظ بھی نہیں۔ سائل اپنے بیان میں یہ کہتا ہے: "چند معززین کو بُلا کر یہ وصیت کی تو یہ لفظِ وصیت اس نے استعمال کیا ہے۔ متوفی کے الفاظ میں نہیں ہے۔ متوفی کے الفاظ کا جملہ خبریہ چونکہ غلط اور شریعت کے خلاف ہے کہ ایک غیر وارث کو وہ جائز وارث بتا رہا ہے اس لئے وہ غلط اور لغو ہی ہوگا۔ اس کے سوا اور کوئی اس کا محل نہیں۔ اگر مرحوم کے الفاظ میں یہ ہوتا کہ "میں تمام جائداد کی اس کے لئے وصیت کرتا ہوں۔ یا اپنی تمام جائداد اس کو دیتا ہوں۔ یا میری تمام جائداد اس کو دے دینا۔ یا میری تمام جائداد کا مستحق اس کو سمجھنا۔ یا میں اپنی جائداد کا مستحق اس کو قرار دیتا ہوں۔ یا اپنی جائداد کا وارث اس کو قرار دیتا ہوں۔ تو ان تمام صورتوں میں ہم اس کو وصیت قرار دیتے اور ایک ثلث اس کو دلوا دیتے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید نے بوجہ لاولد ہونے کے ایک لڑکا اپنی سالی یعنی بیوی کی بہن کا پرورش کیا۔ آیا شرعاً وہ زید کا بیٹا ہو سکتا ہے یا نہیں اور زید کے انتقال کے بعد اس کی جائداد میں سے کچھ ترکہ اُس کو پہنچے گا یا نہیں۔ بعد ازاں زید نے ایک مسجد کی تعمیر کی اور اپنی کچھ جائداد اس مسجد کے نام وقف کر دی۔ اب زید فوت ہو گیا۔ اور اس نے اپنے بعد ایک بیوی اور ایک بھتیجہ حقیقی یعنی اپنے بڑے بھائی کا لڑکا اور دو بھانجے یعنی بہن کے لڑکے چھوڑے ہیں مگر زید کا بھائی یعنی بھتیجے کا باپ اور زید کی بہن یعنی بھانجوں کی ماں زید کے سامنے ہی فوت ہو چکے ہیں لہٰذا اب زید کی بقیہ متروکہ جائداد کس طرح پر تقسیم ہوگی، کون کون حقدار ہوگا اور کس کس کو کتنا حق پہنچے گا؟

المستفتی نمبر ۲۱۳۲ حشمت اللہ صاحب امروہہ۔ ۱۶ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۰ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۲۵۸) **جواب** ۔ متبنّیٰ کا کوئی حق بہ نسبت متبنّیٰ ہونے کے نہیں۔ یعنی نہ وہ بیٹے کی طرح میراث

پاسکتا ہے نہ بیٹے کے دوسرے احکام اُس پر جاری ہوتے ہیں۔ اگر زید نے اس کے حق میں کوئی وصیت کی ہو تو وصیت کی رُو سے ایک ثلث ترکہ کے اندر اس کا استحقاق ثابت ہو سکتا ہے۔ اور اگر کوئی وصیت نہ ہو تو زید کا ترکہ اس کی بیوی اور بھتیجے کو ملے گا۔ بیوی کو پہلے مہر دیا جائیگا۔ اور پھر (اگر اور کوئی قرض و وصیت نہ ہو) تو بقیہ ترکہ کی چوتھائی اُس کو بحق میراث دی جائے۔ اور نیز چوتھائی بھتیجے کا حق ہے۔ بھانجوں کا کوئی حق نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

بیسواں باب

نکاح زانی و زانیہ

سوال

ایک شخص نے کسی عورت اجنبیہ غیر منکوحہ غیر معتدہ سے زنا کیا اور اس زنا سے وہ عورت حمل بردار ہوئی۔ زانی اقرار کرتا ہے کہ میرے زنا سے ہے اور مزنیہ بھی اقرار کرتی ہے کہ اسی کا ہے اور کسی سے نہیں۔ لہٰذا ان دونوں کا نکاح کر دیا گیا۔ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۶۵۳ محمد اسحٰق (برما) ۲۴ رجب ۱۳۵۴ھ م ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(۴۵۹) **جواب**۔ غالباً سوال کا منشا یہ ہے کہ زانی اور مزنیہ کا نکاح وضع حمل سے پہلے حالت حمل میں کر دیا گیا تو یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ جبکہ عورت غیر منکوحہ غیر معتدہ تھی تو اس کا نکاح حاملہ من الزنا ہونے کی صورت میں جائز ہے خواہ زانی سے ہو یا غیر زانی سے۔ زانی سے نکاح ہو جائے تو وطی بھی جائز ہے اور غیر زانی سے ہو تو وضع حمل تک وطی ناجائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

مسماۃ سارا کا زید سے ناجائز تعلق تھا اور زید کے نطفے سے حمل بھی قرار پایا۔ لیکن سارا نے زید کو چھوڑ کر عمرو سے نکاح کر لیا۔ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں ؟ دوسرے مسماۃ سارا ابھی تک حاملہ ہے اور اب وہ عمرو کو چھوڑ کر زید سے نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اس کی کیا صورت ہوگی ؟

المستفتی چھجو خاں (دہلی)

(۴۶۰) **جواب**۔ حمل جب زنا سے ہو تو حاملہ کا نکاح زانی اور غیر زانی دونوں سے صحیح ہو جاتا ہے یعنی خواہ زانی سے نکاح کرے یا غیر زانی سے اگر زانی سے ہو تو وہ دورانِ حمل میں وطی بھی کر سکتا ہے اور غیر زانی سے نکاح ہو تو وہ وضع حمل سے پہلے وطی نہیں کر سکتا۔ الغرض صورتِ مسئولہ میں نکاح صحیح ہو گیا۔ اب اگر یہ شخص اس کو طلاق دے کر علیحدہ کر دے تو سارا بعد وضع حمل زید سے (یعنی وہ زانی جس سے حمل تھا) نکاح کر سکے گی۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک عورت کے ساتھ کسی نے زنا کیا۔ اگر وہ شخص چاہے کہ اس کے ساتھ نکاح پڑھائے مدت پوری کرنے کے بعد تو اس کے ساتھ نکاح درست ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۸۶ محمد عبدالقادر (بمبئی) ۲۸ محرم ۱۳۵۵ھ م ۲۱ اپریل ۱۹۳۶ء

(۴۶۱) **جواب**۔ ہاں زانی اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے جس سے اس نے زنا کیا ہے۔ جبکہ وہ عورت منکوحۃ الغیر یا معتدہ نہ ہو اور کسی اور رشتہ کی وجہ سے اس کے لئے حرام نہ ہو۔ زنا کی کوئی عدت نہیں۔ یعنی زنا کے بعد کوئی مدت گزارنے کی شرط نہیں۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مجھ کو دھوکہ دے کر ایک شخص نے میرے لڑکے کا نکاح اپنے رشتہ دار کی لڑکی کے ساتھ کر دیا جس وقت لڑکی رخصت ہو کر اپنے خاوند کے گھر آئی تو معلوم ہوا کہ لڑکی حمل حرام رکھتی ہے۔ دوسرے روز لڑکی مطابق رواج دنیوی اپنے باپ کے گھر چلی گئی۔ جب وہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی تو اس کے حمل کو کسی ذریعہ سے اسقاط کرا دیا گیا۔ چنانچہ چند شہادتیں بھی اسی قصبہ کے لوگوں کی کہ جہاں پر اس کا باپ رہتا ہے گذریں کہ واقعی یہ امر واقع ہوا تھا۔ لہٰذا اس صورت میں اس کا نکاح بروئے شرع شریف ہوا یا کہ نہیں ؟ دوئم یہ کہ بروقت نکاح جو مہر باندھا گیا تھا اس کو وہ لڑکی معاف کر چکی ہے۔ مگر لڑکی اب اپنے باپ کے گھر پر ہے اور میں اس کو بوجہ کراہت کے بلانا نہیں چاہتا ہوں۔ تو کیا وہ ایسی حالت میں مہر کی حقدار ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۳۷۴ نذیر محمد صاحب کانسٹبل دہلی۔ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۸ مارچ ۱۹۳۷ء

(۴۶۲) **جواب** ۔ حمل حرام یعنی زنا کا ہو اور عورت منکوحہ یا معتدۂ غیر نہ ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اور صورتِ مسئولہ میں حمل کا شبہ بھی کوئی معقول نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات پیٹ میں نفخ ریاح وغیرہ کی وجہ سے حمل کا شبہ ہوتا ہے۔ اور یہ قرینہ بھی حمل کے خلاف موجود ہے کہ اگر لڑکی اور اس کے گھر والوں کو حمل گرانا ہی ہوتا تو شادی کرنے اور خاوند کے گھر بھیجنے سے پہلے اسقاطِ حمل کی کارروائی کرتے۔ اور لوگوں کی اس بارے میں شہادت بھی مشکوک ہے۔ پس خاوند اس شبہ کو نظر انداز کر کے اپنی منکوحہ کو اپنے پاس بحیثیت اپنی بیوی کے لانے اور رکھنے کا حق رکھتا ہے۔ اور بیوی اگر مہر معاف کر چکی ہے تو اب اسے مطالبۂ مہر کا حق نہیں ہے۔ اور اگر وہ معافی کی منکر ہو تو معافی کا ثبوت پیش کرنا بذمۂ زوج ہوگا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(۱) اگر کسی لڑکی کا نکاح کیا اور بعد شادی کے معلوم ہوا کہ حاملہ زنا سے ہے تو بعد حمل دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ کیونکہ ہدایہ شریف میں وارد ہے کہ نکاح حبلیٰ درست ہے۔ مگر جماع نہیں اور یہاں دونوں باتیں ہوئیں۔ (۲) اور اگر قصداً حبلیٰ یعنی حاملہ من الزنا کا نکاح کیا اور جماع سے نہ رکا تو نکاح پڑھانے والے کا کیا حکم ہے اور دوبارہ نکاح کیا جائے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۴۳۷ امیر زماں خاں صاحب (برار) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء

(۴۶۳) **جواب** ۔ حاملہ من الزنا کا نکاح درست ہے۔ اگر زوج کو یہ معلوم ہو کہ عورت حاملہ ہے تو اس کے لئے جماع کرنا حلال نہیں۔ بعد وضع حمل کے جماع جائز ہوتا ہے۔ اور اگر اسے حاملہ ہونا معلوم نہ تھا اور جماع کر لیا تو گنہگار نہ ہوگا۔ اور وضع حمل کے بعد دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔ خواہ جماع واقع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

(۲) حبلیٰ من الزنا کا نکاح کر دینا باوجود حاملہ ہونے کا علم ہونے کے درست ہے۔ ہاں زوج کو بتا دینا چاہئے کہ وضع حمل تک وطی نہ کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

زانی مرد و عورت اگر توبہ کر لیں تو اُن کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۴۶۴ خواجہ مصلح الدین صاحب (مغربی خاندیس) ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۳ جون ۱۹۳۷ء

(۴۶۴) **جواب**۔ زانی مرد اور عورت جب توبہ کرلیں تو ان کا باہم نکاح ہو سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک عورت کو زنا سے حمل ہے اور یہ معلوم نہیں کہ کس کا حمل ہے مگر اس عورت کا یہ کہنا ہے کہ بکر کا حمل ہے مگر اس کے مکان پہ دس بارہ مرد جایا کرتے تھے۔ آیا بکر اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور اگر اس نے نکاح کیا تو کیا اس کا نکاح صحیح ہے یا باطل ہے۔

(۲) اگر وہ عورت جس کو زنا سے حمل ہے وہ اقرار نہ کرے کہ اس کا حمل ہے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کس کا حمل ہے تو بھی نکاح صحیح ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۶۸۷ قاضی بدرو میاں محمود میاں۔ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ اگست ۱۹۳۷ء

(۴۶۵) **جواب**۔ جس عورت کو زنا کا حمل ہو اور وہ کسی کی منکوحہ یا معتدہ نہ ہو تو اس کا نکاح حمل کی حالت میں جائز ہے خواہ اس شخص سے جس کا حمل ہے خواہ کسی دوسرے سے۔ مگر جس کا حمل ہے اس کے ساتھ نکاح ہو تو وہ وطی بھی کر سکتا ہے اور دوسرے شخص سے ہو تو بچہ پیدا ہونے سے قبل وہ وطی نہیں کر سکتا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

درمختار کی اس عبارت کا ترجمہ لفظ بہ لفظ تحریر فرمائیں۔ وصح نکاح حبلی من الزنا لا حبلی من غیرہ ای الزنا لثبوت نسبہ ولو من حربی او من سیدھا المقربہ وان حرم وطیھا ودواعیہ حتی تضع۔ المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق امام مسجد دوحد ضلع پنچ محل مورخہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(۴۶۶) **جواب**۔ جو عورت زنا سے حاملہ ہو اس کا نکاح جائز ہے۔ اور جو حاملہ زنا سے حاملہ نہ ہو اس کا حالت حمل میں نکاح جائز نہیں کیونکہ اس عورت کے بچے کا نسب کسی سے ثابت ہوگا۔ اور ثابت النسب بچے کے پیدا ہونے سے پہلے حاملہ کا نکاح درست نہیں ہوتا۔ خواہ یہ ثابت النسب بچہ حربی کا ہو یا عورت کے مولیٰ کا ہو جو اس نسب کا اقرار کرتا ہو۔ البتہ حاملہ من الزنا سے ناکح کو

(جبکہ وہ غیر زانی ہو) وضع حمل سے پہلے وطی کرنا اور دواعی وطی عمل میں لانا حرام ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۳۲ء)

ایک شخص کا ایک حاملہ عورت سے نکاح ہوا۔لیکن عورت کے رشتہ داروں میں کسی کو یہ معلوم نہیں دیا کہ یہ حاملہ ہے۔ایسی صورت میں کیا نکاح پڑھانے والے قاضی اور شرکائے محفل کے نکاح فسخ ہوگئے؟

(۴۶۷) **جواب**۔زنا سے حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے۔جو لوگ نکاح میں شامل ہوئے انھوں نے کوئی گناہ کیا اور نہ ان کے نکاح پر کوئی اثر پڑا۔اور نہ ان پر کوئی کفارہ لازم آیا۔البتہ اگر حمل زنا کا نہ ہو بلکہ ایسا حمل ہو جس میں بچہ ثابت النسب ہوتا ہے تو ایسی حاملہ عورت سے نکاح درست نہیں ہوتا لیکن نکاح میں شامل ہونے والوں کو معلوم نہ ہو تو اس صورت میں بھی وہ گنہگار نہیں ہوتے۔
محمد کفایت اللہ غفرلہ'

سوال

ایک کنواری لڑکی عمر ۱۸ سال کو حمل حرام کا ہوگیا۔اس کا نکاح کرنا ہے۔حمل اس وقت تقریباً چار پانچ ماہ کا ہے۔کیا اس کا نکاح اسی شخص سے ہوسکتا ہے جس کا حمل ہے؟ نکاح کے بعد مباشرت جائز ہے یا نہیں؟ اور کسی غیر آدمی سے کیا جاوے تو مباشرت جائز ہے یا نہیں؟ سنا گیا ہے کہ امام محمد عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی اپنی کتاب جامع البیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر دو مذکورہ بالا صورتوں میں نکاح تو جائز ہے مگر مباشرت ناجائز ہے۔کیا یہ درست ہے؟ براہ کرم جواب دیتے وقت قرآن پاک کی آیت (سورہ طلاق پارہ ۲۹) وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط کا بھی خیال رکھیے گا۔قرآن پاک کی ایک واضح آیت کو چھوڑ کر ہم حدیثوں کی جانب کیوں رجوع کریں۔ المستفتی حافظ ظفر حسن کلکٹر ریلوے۔وزیر آباد گوجرانوالہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء

(۴۶۸) **جواب**۔جو عورت کہ زنا سے حاملہ ہوجائے اس کا نکاح حالتِ حمل میں خود زانی اور غیر زانی دونوں میں سے کسی شخص کے ساتھ درست ہے۔اگر خود زانی سے نکاح ہو جس سے حمل ہے تو اسے حالتِ حمل میں وطی کرنا بھی درست ہے۔اور اگر کسی دوسرے شخص سے نکاح ہوا تو اسے وضع حمل سے پہلے وطی

کرنا درست نہیں ہے۔ زنا سے حاملہ عورت کا نکاح حالتِ حمل میں اس لئے درست ہے کہ شریعتِ مقدسہ میں زنا کی کوئی عدت قرار نہیں دی گئی۔ پس زنا سے حاملہ عورت گویا عدت میں نہیں ہے اس لئے نکاح درست ہے۔ آیت مطہرہ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ الآیۃ اُن حاملہ عورتوں کے حق میں ہے جو نکاح صحیح یا نکاح فاسد میں طلاق یا موت یا متارکت کے زیرِ اثر ہیں اور حاملہ ہوں تو وضع حمل ان کی عدت ہوگی۔ لیکن زنا کی کوئی عدت شریعت سے ثابت نہیں۔ پس حاملہ من الزنا اس آیت کے حکم سے علیحدہ ہے۔ وصح نکاح حبلی من زنا الخ (درمختار)

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۱۳۲۹ھ

اکیسواں باب

نکاح باطل اور فاسد

سوال

زید ایک قصبہ کی مسجد کا پیش امام ہے۔ نکاح خوانی کا رجسٹر بھی اس کے پاس ہے یعنی وہ قصبہ کا قاضی بھی ہے۔ وہ ایک بارات میں لے جایا گیا۔ جس گاؤں میں بارات گئی وہاں مسجد میں کوئی پیش امام نہ تھا۔ برات والوں اور مقامی لوگوں کے اصرار پر زید نے نکاح پڑھایا جس میں باقاعدہ ایک وکیل اور دو گواہ تھے۔ نکاح کے بعد گاؤں کے ایک دوسرے آدمی نے بتلایا کہ لڑکی جس کا نکاح پڑھایا گیا ہے اس کا نکاح پہلے ہوگیا ہے اور ۱۹۴۷ء سے اس کا خاوند پاکستان میں موجود ہے۔ اُسے ہر چند لکھا گیا کہ آکر لڑکی کو لے جائے مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لڑکی جوان تھی۔ اس کی بیوہ ماں نے اور اس کے جملہ رشتہ داروں نے قاضی کو اس کا علم نہ ہونے دیا۔ قاضی (زید) کا حلفیہ بیان ہے کہ اگر اسے نکاح سے پیشتر علم ہوجاتا تو وہ ہرگز نکاح نہ پڑھاتا۔ تو اب (۱) قاضی (زید) کس حد تک قصوروار ہے اور اس کے قصور کی کس طرح تلافی ہوسکتی ہے۔ (۲) نکاح ہوا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ (۳) نکاح خوانی کے روپے قاضی کو لینے جائز ہیں یا ناجائز؟ المستفتی عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور ضلع میرٹھ

(۴۶۸) **جواب** - اس صورت میں کہ لڑکی منکوحہ ہے اور اس کا خاوند زندہ پاکستان میں موجود ہے اس کا دوسرا نکاح جائز نہیں ہوا۔ پہلے اس کے پہلے خاوند سے طلاق لینی یا عدالت میں مقدمہ کر کے نکاح فسخ کرانا اس کے بعد عدت گزارنا لازم تھا۔

امام کو اگر پہلے نکاح کی خبر نہیں تھی تو وہ دوسرا نکاح پڑھانے میں معذور ہے۔ لڑکی اور لڑکی والوں کو لازم ہے کہ وہ دوسرے خاوند سے لڑکی کو علیحدہ کر لیں۔ قاضی کو نکاح کے روپے نہ لینے چاہئیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

میرے خاوند نے نان نفقہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے مجھ کو طلاق دیدی۔ طلاق نامہ مکمل نہ ہو سکا تھا کیونکہ کسی نے کوئی کوشش نہیں کی۔ اِن ہی ایام میں میں بچی کو دودھ پلا رہی تھی اور عدت میں تھی۔ طلاق کے ایک ماہ کے اندر ہی میرا نکاح رات کے دو بجے قاضی کو بلا کر کرا دیا گیا۔ میرے ماں باپ کی غیر موجودگی میں قاضی نے طلاق نامہ پورا نہ ہونے کی وجہ سے میرے دوسرے نکاح کا کاغذ بھی نہیں لکھا اور یہ کہہ دیا کہ میں دونوں کا غذ دیدوں گا۔ لیکن میرے کسی پیروکار نہ ہونے کی وجہ سے یہ کاغذات نہ حاصل کر سکی۔ میرے نکاح کے بعد میرے موجودہ خاوند نے ایک اور نکاح کیا اور اس نے اپنی دوسری بیوی سے پیشہ کرانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد مجھ پر بھی زور دینا شروع کر دیا۔ اور ہر قسم کے دباؤ دے کر مجھ سے حرام کاری کرائی گئی۔ میں جب بھی اس کام سے نفرت کرتی تھی اور اب بھی کرتی ہوں۔ لیکن ایک کمزور عورت ہونے کی وجہ سے اس کے چنگل سے آزاد نہ ہو سکی۔

اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں شرعی حکم حاصل کر کے اپنے لئے راستہ اختیار کروں۔ ایسی صورت میں مجھ کو خدا اور اس کے رسول کے احکام سے آگاہ فرمایا جائے کہ میرا نکاح شرعی نقطۂ نگاہ سے ہوا یا نہیں۔ اگر نہیں ہوا تو میں اس کے چنگل سے آزاد ہونے کے لئے کسی کے مضبوط ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدوں تو کیا مجھ کو عدت یا اور کوئی صورت اختیار کرنی ہو گی؟ المستفتی شاہجہاں بیگم دہلی

(۴۶۹) **جواب** - طلاق کے بعد اس کی عدت پوری کرنی ضروری تھی۔ اگر عدت پوری کیے بغیر دوسرا نکاح کسی اور شخص سے کر دیا گیا تو وہ نکاح حرام تھا۔ عورت کو حق ہے کہ وہ اس نکاح کو فسخ کرائے اور پہلی عدت ختم ہونے کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۳۷ء)

زید نے خالدہ خانم سے برضا و رغبت تقریباً ایک سو آدمیوں کے مجمع میں خالدہ خانم کے مکان پر جو زید کے مکان سے ۲۵ میل کے فاصلے پر ہے نکاح کیا۔ گواہ وغیرہ سب موجود تھے۔ جب زید اپنے مکان پر واپس آیا تو اس نے اپنے رشتہ داروں کے دریافت کرنے پر نکاح ہونے سے انکار کیا۔ اس انکار میں مصلحت یہ تھی کہ اگر یکایک رشتہ داروں کو معلوم ہوگا تو صدمہ ہوگا اور آپس میں رنجش و کشیدگی ہوگی۔ اب ایک ہفتے کے بعد نکاح ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ آیا نکاح رہا یا ٹوٹ گیا؟

(۴۷۰) **جواب**۔ اگر پہلے نکاح حسب قاعدۂ شرعیہ منعقد ہو چکا ہے تو زید کا بغرض اخفا نفی میں جواب دینا موجب فسخ نکاح نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ زید پر کذب بیانی کا الزام عائد ہوگا۔ مگر منعقد شدہ نکاح بدستور قائم اور صحیح رہے گا۔ واللہ اعلم　　محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۶ء)

زید کی عدم موجودگی میں یہ مشہور ہو گیا کہ زید آریہ ہو گیا ہے۔ اس کی زوجہ کا نکاحِ ثانی کر دیا گیا ہے۔ بعد مدت کے عورت کو پتہ چلا کہ زید نے مذہب تبدیل نہیں کیا۔ یہ افترا اور بہتان تھا۔ ایسی صورت میں عورت مذکورہ کیا کرے؟

(۴۷۱) **جواب**۔ اس صورت میں کہ زوجہ نے محض ایک غلط خبر کی وجہ سے نکاحِ ثانی کر لیا تھا نکاح ثانی صحیح نہیں ہوا اور زوجِ اول کا نکاح باقی ہے۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بائیسواں باب

متفرق مسائل

سوال

مسمی امان خاں بہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسماۃ صاحبزادی نے حکیم محمد شریف سے نکاح کیا اور یہ ہر دو

یعنی مسماۃ صاحبزادی اور حکیم محمد شریف اس نکاح سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے درمیان انعقادِ نکاح نہیں ہوا۔ امان خاں انعقادِ نکاح کے دو گواہ پیش کرتا ہے۔ بیان یہ ہے کہ مسماۃ صاحبزادی کا جس روز نکاح ہوا اس روز صرف جان محمد و نور محمد صرف دو اشخاص موجود تھے اور مسماۃ صاحبزادی و حکیم محمد شریف تھے اور کوئی نہیں تھا۔ حکیم نے کہا کہ میں اس سے نکاح کرتا ہوں اور مسماۃ صاحبزادی نے تین دفعہ کہا کہ میں نے تجھ کو اپنا تن بخشا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ امان خاں جو ایک ثالث شخص ہے جس نے دعویٰ نکاح کیا۔ باوجودیکہ مسماۃ صاحبزادی و حکیم محمد شریف انکار کر رہے ہیں۔ اس ثالث شخص کی شہادت پیش کرنے سے نکاح منعقد ہو گا یا نہیں اور باوجود انکار ہر دو کے یہ شہادت قابلِ التفات ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۲۷۶) **جواب** ۔ نکاح پر بغیر دعویٰ احد الزوجین شہادت مقبول نہیں۔ پس جب تک زوجین میں سے کوئی نکاح کا مقر نہ ہو کسی تیسرے شخص کا شہادت پیش کرنا غیر معتبر ہے۔ جن چیزوں میں شہادت بغیر دعویٰ مسموع ہو جاتی ہے وہ خالص حقوق اللہ ہیں۔ نکاح ان میں داخل نہیں۔ واللہ اعلم۔

سوال

زید کہتا ہے کہ مسلمانوں کا نکاح مسجد میں ہونا چاہئے۔ کیونکہ قرونِ اولیٰ میں نکاح مسجد میں ہوتا تھا۔ عمرو کہتا ہے کہ مسجد میں نکاح ہونا اول تو مشابہت بہ نصاریٰ ہے اس لئے کہ ان کے مذہب میں گرجا میں ہی نکاح ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مسجد میں خاص اسی نکاح کے لئے روشنی بہ نسبت ہمیشہ سے زیادہ کرنی اور فرش وغیرہ ہمیشہ سے زیادہ بچھانا اور ہزار ڈیڑھ ہزار آدمیوں کا مسجد میں گھس آنا (جن میں سے اکثر بے وضو اور اکثر بے نمازی ہوتے ہیں) اور بعد نکاح کے اسی مسجد میں مبارکبادی گانا پھر صحن مسجد میں شربت پلانا، مسجد میں شور و غل ہونا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل ہوتا ہے وغیرہ یہ سب خلاف آدابِ مسجد ہیں۔ اس لئے مسجدوں میں نکاح نہیں ہونا چاہئے۔ ان دونوں میں سے کون حق پر ہے؟ بینوا توجروا

(۲۷۳) **جواب** ۔ مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے۔ ویندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ وکونہ فی مسجد یوم جمعۃ (درمختار) قولہ فی مسجد للامر بہ فی الحدیث (ردالمحتار) اور عمرو کا یہ قول کہ اس میں مشابہت بہ نصاریٰ ہے اس لئے صحیح نہیں کہ جبکہ حدیث میں مسجد کے اندر

نکاح کرنے کا حکم وارد ہے تو اب مشابہت کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ فرش زیادہ بچھانا ایک امر مستحسن و مندوب کے لئے ہے اس لئے مضر نہیں۔ ہزار ڈیڑھ ہزار آدمیوں کا گھس آنا بھی موجب کراہت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کثرت جماعت اسباب کراہت میں سے نہیں ہے۔ بے وضو ہونا یا بے نمازی ہونا بھی جواز دخول کو مانع نہیں۔ ہاں نکاح کے بعد بلند آواز سے مبارکباد گانا یا مسجد کے صحن کو شربت سے ملوث کرنا یا مسجد میں شور و غل کرنا یہ باتیں آداب مسجد کے خلاف ہونے کی وجہ سے مسجد میں مکروہ ہیں۔ پس اس سنت کو کہ نکاح مسجد میں ہو جاری کرنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ ان امور کو روکا جائے جو آداب مسجد کے خلاف ہیں۔ نہ یہ کہ اصل سنت کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اگر لوگ ممنوعات سے کسی طرح باز نہ رہیں۔ یعنی مسجد میں نکاح کرنا گویا لازمی اور ضروری طور پر ان منہیات کے وجود کو مستلزم ہو اور اس کی اصلاح نہ ہو سکے تو ایسی حالت میں مسجد میں نکاح نہ کرنا ہی بہتر ہوگا تاکہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو۔ کیونکہ مسجد کا احترام قائم رکھنا ضروری ہے۔

زیادہ روشنی مسجد کے مال سے کرنا قطعاً جائز نہیں۔ ہاں اگر ناکح اپنے مال سے کرے تو بشرطیکہ حد اسراف کو نہ پہنچے جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

سوال

ملک ساؤتھ افریقہ میں یہاں کا قانون ہے کہ اگر عورت کورٹ میں یا میرج آفیسر کے پاس نکاح رجسٹر نہ کرے تو جب مذکورہ عورت کا خاوند مر جائے تو اس کو کچھ حصہ گورنمنٹ کی طرف سے نہیں ملتا۔ مرنے والے کی سب جائداد گورنمنٹ ضبط کر لیتی ہے۔ اگر مرد کی کوئی اولاد ہو تو اس اولاد کا ثبوت گورنمنٹ کو دینا پڑتا ہے۔ اگر گورنمنٹ کو یہ تسلی ہو جائے کہ بے شک یہ اولاد مرد مذکور کی ہے تو پھر گورنمنٹ ضبط شدہ جائداد میں سے یکصد میں سے دس پونڈ کاٹ کر باقی جائداد مذکورہ مرد کی اولاد کو واپس دے دیتی ہے لیکن عورت مذکورہ کو پھر بھی کچھ نہیں ملتا۔ اور اس ملک میں ایک ہی عورت کر سکتا ہے۔ یعنی ایک ہی عورت کرنے کی گورنمنٹ کی طرف سے اجازت ہے۔ اب ساؤتھ افریقہ کے مسلمانوں کو اس صورت میں بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ مسلمان کورٹ یا میرج آفیسر کے پاس نکاح رجسٹر کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر مسلمان اپنی عورت کو رجسٹر کرے تو پھر دوسری شادی نہیں کر سکتا۔ اور اسلام میں چار شادی کرنے کی اجازت ہے۔ اگر عورت رجسٹر کی جائے اور خاوند

مر جائے تو آدھی جائداد عورت کو اور آدھی اس کی اولاد کو مل جاتی ہے۔ گورنمنٹ اس کی جائداد کی مالک نہیں ہوسکتی صرف دو فیصدی اپنی ڈیوٹی لے سکتی ہے۔ لیکن یہاں کی گورنمنٹ نے اتنی رعایت بھی رکھی ہے کہ مسلمان کو چار عورتیں کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن رجسٹرڈ ایک ہی کرا سکتا ہے اور قانوناً صرف وہ رجسٹرڈ عورت اور اسی کی اولاد جائداد کی وارث ہوسکتی ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں ساؤتھ افریقہ کا مسلمان اپنی عورت کو رجسٹرڈ کرا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو اس کی دوسری عورت یا دوسری عورت کی اولاد ہو تو اس صورت میں مذکورہ مرد کی جائداد کیسے تقسیم کی جائے اور کیا عورت رجسٹرڈ کرانے میں از روئے شریعت کچھ نقصان ہے یا نہیں۔ اگر مسلمان عورت کو رجسٹرڈ نہ کریں تو مالدار مسلمان اگر مر جائے تو ایک تو اس کی جائداد کو بہت نقصان پہنچتا ہے دوسرے گورنمنٹ کے نزدیک اس کی یہ اولاد حلال نہیں سمجھی جاتی۔

(۴۷، ۴۸) **جواب** ۔ نکاح کو رجسٹری کرانے کا لزوم اور رجسٹری کرانے کی صورت میں عورت کو نصف جائداد کا مستحق قرار دینا۔ رجسٹری نہ ہونے کی صورت میں جائداد کا ضبط ہو جانا۔ غیر رجسٹرڈ عورت کو میراث کا نہ ملنا۔ صرف ایک عورت کو رجسٹر کر سکنا۔ غیر رجسٹری شدہ عورت سے جو اولاد ہو اس کو میراث نہ ملنا۔ یہ تمام باتیں اسلامی پرسنل لا کے خلاف اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں بیجا مداخلت کی صاف اور صریح صورتیں ہیں۔ مسلمانوں کا پہلا فرض تو یہ ہے کہ وہ ہر جائز اور ممکن طریقے سے اسلامی پرسنل لا کی آزادی کے لئے پوری کوشش کریں اور جب تک ان کو اس میں کامیابی ہو اس وقت تک کے لئے اگر وہ نکاح رجسٹری کرانے میں مصلحت سمجھیں تو کرا سکتے ہیں۔ لیکن رجسٹری شدہ منکوحہ احکام اسلامیہ کی رو سے نصف جائداد کی مستحق نہیں ہے۔ رجسٹری کرانے میں ایک طرف یہ فائدہ تو ہے کہ جائداد ضبط ہونے سے بچ جاتی ہے۔ مگر دوسری طرف یہ نقصان بھی ہے کہ عورت جو اولاد ہونے کی صورت میں ⅛ کی مستحق ہے ½ کی قانوناً مستحق ہو جاتی ہے اور رجسٹری نہ ہونے کی صورت میں تو وہ بھی محروم رہتی ہے اور جائداد ساری حکومت ضبط کر لیتی ہے۔ اس لئے رجسٹری کرانے میں کسی قدر فائدہ ہی ہے۔ تاہم ان تمام غیر شرعی قوانین کو مسلمانوں کے حق میں شرعی صورت پر لانے کے لئے پوری جدوجہد کرنی لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہٗ، مدرسہ امینیہ دہلی
۷ محرم ۱۳۵۰ھ

سوال

مجھ کمترین کی شادی اجمیر شریف میں ہوئی تھی اور شادی میں میرے والد کا روپیہ میری زوجہ کے والدین نے ڈیڑھ ہزار صرف کرایا۔ اس کے علاوہ میری زوجہ کی نانی صاحبہ نے بیچ میں بہت روپیہ لیا۔ اور میری زوجہ کو تین چار مہینے تک میرے پاس بھیجدیئے اور پھر واپس لے جاکر روک لیے۔ اور میں کئی مرتبہ لینے کو گیا مگر نہیں بھیجے اور دیگر مکانوں میں چھپانا شروع کر دیا۔ کیوں کہ وہ میرے پاس آنا چاہتی تھی۔ اور جب اس نے اپنے والدین سے کہا کہ مجھ کو میرے شوہر کے ساتھ بھیجدو تو اس کو ریاست کوٹہ کو بھیجدیئے۔ اس طرح سے ڈھائی تین سال کا عرصہ گزرا۔ اب اجمیر کی عدالت میں میری زوجہ کے نام سے جھوٹا دعویٰ کرادیا کہ "شادی میں یہ وعدہ و شرط ہوئی تھی کہ گھر داماد رہوں گا اور میرے والدین کے مکان پہ دس روز رہ کر اور میرا تمام زیور اور کپڑے لے کر رات کو فرار ہو گیا۔ لہذا میں طلاق لینے کی حقدار ہو گئی ہوں" تو حضرت میری زوجہ کے والدین کی خاص منشا یہ ہے کہ عدالت سے نکاحِ ثانی کی اجازت لے کر اور دوسرے آدمی سے روپیہ لوٹ کر اس کے ساتھ بغیر طلاق نکاح کر دیں۔ اور میں نے گھر داماد رہنے کا شرط او وعدہ قطعی نہیں کیا۔

المستفتی نور محمد لوہار۔ جے پور۔ ۹ر اکتوبر ۱۹۳۴ء

(۴۷۵) **جواب**۔ اگر یہ حالات صحیح ہیں تو زوجہ کے اولیاء جنہوں نے یہ حرکتیں کی ہیں سخت گنہگار ہیں، ظالم ہیں اور اگر تم نے گھر داماد رہنے کی شرط نہیں کی تھی تو ان کا مطالبہ بھی باطل ہے اور بغیر طلاق لیے اگر وہ دوسرا نکاح کر دیں گے تو وہ نکاح بھی باطل ہوگا اور وہ شرعاً و قانوناً مجرم ہونگے۔ فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

اگر خاوند مستی میں آکر عورت کی چھاتی منہ میں لے لے تو جائز ہے یا نہیں؟ عورت کی چھاتی میں دودھ نہیں ہے نہ ان دونوں کی کوئی اولاد ہے۔

(۴۷۶) **جواب**۔ مرد اگر اپنی بیوی کی چھاتی منہ میں لے لے جبکہ چھاتی میں دودھ نہ ہو تو یہ مباح ہے۔ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید کی دلی خواہش یہ ہے کہ اس کی شادی میں رسوم خلافِ شرع مثلاً گانا، باجے، ناچ وغیرہ بالکل نہ ہوں۔ لیکن اس کی برادری کے لوگ اور خود اس کے والدین اس پر مُصر ہیں کہ بغیر گانے باجے اور کنگنا وغیرہ باندھنے کے برادری میں نکاح کسی صورت سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس صورت میں زید کے لئے شرعاً کیا حکم ہے۔ اگر اس صورت سے نکاح کرتا ہے تو ان قبائح کا مجرم ہوتا ہے۔ اگر نکاح نہیں کرتا ہے تو ارتکاب معاصی کا خوف ہے۔ برادری سے باہر نکاح کرنے میں بھی خرابیاں ہیں۔ المستفتی ۱۶۷ محمد عبدالمجید خاں۔ سرونج مالوہ

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ یکم اگست ۱۹۳۳ء

(۴۷۷) **جواب**۔ اگر زید سختی سے ان چیزوں کے ارتکاب سے انکار کردے تو اُمید ہے کہ طریقِ مسنون پر نکاح کردینے کے لئے بھی کوئی نیک افراد تیار ہو جائیں گے صرف تھوڑی سی تاخیر ہوگی تو تاخیر کو برداشت کرتے ہوئے اگر وہ پختہ رہے تو ماجور ہوگا۔

سوال

ایک فریق کہتا ہے کہ مرد اگر مریض ہو جائے تو عورت بغیر طلاق کے خود نکاح کر سکتی ہے۔ یہاں ایک مولوی نے فتویٰ دے کر نکاح کر دیا۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ بغیر طلاق کے نکاح حرام ہے بلکہ طلاق کے بعد عدت گزار کر نکاح درست ہے۔ لہٰذا کون فریق حق پر ہے؟

المستفتی ۲۰۹ محمد اطہر میاں (ضلع بردوان) ۳۰ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۵ فروری ۱۹۳۴ء

(۴۷۸) **جواب**۔ مرد کے مریض ہو جانے پر عورت کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنا دوسرا نکاح کرلے بغیر مرد کے طلاق دینے کے یا کسی حاکم کے حکم سے بوجوہ شرعیہ نکاح فسخ کیے جانے کے۔ اور بعد طلاق یا فسخ کے عدت گزر جانے کے بغیر دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔ جس نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ شوہر کے بیمار ہو جانے پر عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے اس نے غلط فتویٰ دیا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید مع اپنی بیوی کے مسلمان ہوا۔ اولاد نہیں ہے۔ کیا دونوں کا از سرِ نو نکاح کرنا ضروری

ہے؟ المستفتی نمبر ۵۳۲ عبدالرحمٰن ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء

(۴۷۹) **جواب** - اگر میاں بیوی ساتھ ساتھ مسلمان ہوئے ہیں تو ان کا نکاح جدید کرانا لازم نہیں۔ بس جیسے وہ میاں بیوی تھے ویسے ہی رہیں گے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

اگر کوئی امام مسجد ایک مرد اور عورت کا نکاح پڑھا دے اور بعد میں معلوم ہو کہ عورت مذکورہ کا نکاح سابق باقی ہے تو کیا نکاح خواں اور گواہانِ نکاح کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا باقی رہتا ہے؟ المستفتی نمبر ۶۳۴ مولوی نور اللہ (ضلع لائل پور) ۲ رجب ۱۳۵۴ھ م یکم اکتوبر ۱۹۳۵ء

(۴۸۰) **جواب** - نکاح خواں اور گواہوں کا نکاح نہیں ٹوٹتا۔ انھوں نے بے احتیاطی ضرور کی۔ اور جب معلوم ہو گیا کہ عورت منکوحۃ الغیر ہے تو وہ نکاح بھی درست نہیں ہوا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

بیوہ عورت سے جو نکاح کرنا چاہتا ہے لیکن وہ بیوہ اس سے نکاح کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ پھر وظیفہ کے ذریعہ سے یا تعویذ کے ذریعہ اس کا رجحان ہو جاتا ہے۔ وہ نکاح کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ بعد ازاں نکاح ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد عمل کا اثر جاتا رہتا ہے یا کہنے والے کہتے ہیں کہ تو تو انکاری تھی اور نکاح کیوں کیا۔ اب وہ جواب دیتی ہے کہ خود میں حیران ہوں کہ پہلے تو مجھ کو انکار تھا۔ ایک دم میں نے دل سے اقرار کرتے ہوئے نکاح کر لیا۔ اب اسے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اوپر کسی قسم کا عمل تعویذ وغیرہ کا کیا گیا ہے۔ اور مرد بھی اقراری ہوتا ہے کہ ہاں میں نے ایسا کیا۔ یہ عورت فوراً بدظن ہو جاتی ہے۔ آیا یہ نکاح جائز رہا یا نہیں۔ اسی طریقے سے باکرہ بالغہ کے ساتھ مذکورہ بالا عمل ہوتا ہے۔ پھر وہ بھی اس سے بدظن ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی دیکھا گیا کہ خاوند طلاق دینے کو آمادہ نہیں ہے اور اس کو تعویذ وغیرہ کے ذریعہ آمادۂ طلاق کیا گیا۔ اور اس نے طلاق دیدی۔ ایسے حالات میں طلاق صحیح پڑی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۱۴۰ ۵ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۴ اگست ۱۹۳۶ء

(۴۸۱) **جواب** - نکاح اور طلاق سب صحیح اور واقع ہو جاتی ہے جبکہ اختیار اور خوشی سے واقع

ہوں۔ یہ وہم کہ عمل یا تعویذ کے ذریعے سے ایسا ہوا معتبر نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) اگر لڑکی ایک شہر میں ہے اور لڑکا دوسرے شہر میں اور کوئی ایسی شکل نہیں کہ ایک جگہ آسکیں تو اس صورت میں نکاح کی کیا صورت ہوگی۔ (۲) لڑکی بالغ ہے اپنا نکاح اس صورت سے اپنی مرضی کے خلاف کرسکتی ہے یا نہیں۔ (۳) لڑکی کا تحریری قبول جائز ہے یا نہیں۔ (۴) ایجاب کی مفصل عبارت کیا ہوگی۔ (۵) قبول کی عبارت جو لڑکی لکھے گی کیا ہونا چاہئے۔ (۶) ایجاب وقبول ایک ہی کاغذ پر ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ (۷) ایجاب کا کسی قاضی کے سامنے لکھا جانا ضروری ہے یا نہیں۔ (۸) تحریری قبول پر گواہی کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کتنے گواہوں کی۔ (۹) وکیل ہونا لازمی ہے یا نہیں۔ (۱۰) تحریری ایجاب وقبول ہونے کے بعد ان تحریروں کا کسی قاضی کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ (۱۱) نکاح کا خطبہ اس صورت میں کیونکر ہوگا۔ (۱۲) اعلان نکاح لازمی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس مجلس میں، جہاں لڑکا ہے وہاں اعلان ضروری ہے یا جہاں لڑکی ہے وہاں اعلان ضروری ہے۔ (۱۳) رسمِ نکاح کی ادائیگی اور تکمیل کے لئے لڑکے کی طرف سے لڑکی کو کوئی ہدیہ دیا جانا ضروری ہے یا نہیں۔ (۱۴) اس صورت میں ایجاب اور قبول میں دو ایک دن کا فاصلہ پڑیگا اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ المستفتی نمبر ۱۱۸۳ اختر رضوی صاحب (گوالیار)

۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۲ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۴۸۲) **جواب** ۔ ایجاب اور قبول ایک مجلس میں گواہوں کے سامنے ہونا صحتِ نکاح کے لئے لازم ہے خطبۂ نکاح لازم اور واجب نہیں۔ نکاح کا قاضی کے یہاں درج کیا جانا بھی لازم نہیں۔ نکاح کی شہرت دینا مستحسن ہے لیکن صحتِ نکاح کے لئے صرف دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوجانا کافی ہے۔ لڑکی کو کوئی ہدیہ یا مہر کا کوئی حصہ نکاح کے وقت دے دینا مستحسن ہے۔ مگر نکاح کی صحت اس پر موقوف نہیں۔ اگر لڑکی بالغہ ہے تو وہ ولی کی اجازت کی محتاج نہیں۔ یعنی اگر وہ خود اپنا نکاح کرلے گی تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔ بشرطیکہ نکاح غیر کفو میں نہ کیا ہو۔ اگر لڑکی اور لڑکا ایک مقام پر نہ ہوں اور تحریری ایجاب وقبول کرنا ضروری ہو تو یہ بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ لڑکی کا کوئی وکیل لڑکے کے جائے قیام پر آجائے یا لڑکے کا وکیل لڑکی کے جائے قیام پر چلا جائے اور اس کے

ذریعے سے ایجاب وقبول ایک مجلس میں کر لیا جائے ۔اگر توکیل کی صورت نہ ہو سکے تو لڑکا ایک کاغذ پر یہ عبارت لکھے کہ میں فلاں بن فلاں ساکن مقام فلاں نے تم فلانہ بنتِ فلاں ساکنہ مقام فلاں کو بعوض اتنے مہر کے اپنے نکاح میں لیا۔ یہ تحریر جب عورت کے پاس پہنچے تو وہ اس کو دو گواہوں کے سامنے پڑھے اور اُن کو بتلائے کہ فلاں شخص نے مجھ سے نکاح کرنے کے لئے مجھے یہ لکھا ہے اور ایجاب کی عبارت ان کو پڑھ کر سُنائے اور پھر کہے کہ میں نے قبول کیا۔ یعنی گواہ ایک مجلس میں ایجاب و قبول دونوں سُن لیں۔ اِس صورت میں نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اس کے بعد عدالت میں ثبوتِ نکاح کا معاملہ وہ علیحدہ ہے اس کے لئے قانونی ضروریات مہیا کرنی ضروری ہونگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید ایک معزز اور شریف آدمی ہے۔ آٹھ دس سال سے شادی شدہ ہے۔ صاحبِ اولاد بھی ہے مگر کچھ عرصے سے حقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتا۔ کسی بیماری کی وجہ سے وہ اس فعل سے معذور ہے۔ گو وہ نان و نفقہ اور دیگر آسائش کا سامان مہیا کر سکتا ہے۔ زید اپنی عورت کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے طلاق دے کر اسے عقدِ ثانی کی اجازت دینا چاہتا ہے۔ مگر چونکہ وہ ذی عزت شخص ہے لہٰذا وہ اس معاملے کو پردے میں رکھ کر کرنا چاہتا ہے۔ زید کا دلی منشا یہ ہے کہ عورت کا عقدِ ثانی بھی ہو جائے اور عورت اسی کے گھر میں رہے اور بچوں کی دیکھ بھال بھی ہوتی رہے اور اس معاملے کو ماسوائے نکاح پڑھانے والے کے اور شاہدوں کے اور کسی کو علم نہ ہو اور بکر جس سے عقد ہو وہ بھی ان کے ہمراہ رہے۔ اس بارے میں علماء دینِ متین کا کیا خیال ہے اور کیا فتویٰ ہے۔ کیا ایسا عقد جائز ہو سکتا ہے اور جو اولاد بعد میں ہو گی وہ ٹھیک ہو گی؟

المستفتی نمبر ۱۲۸۴ معراج الدین صاحب (رڑکی) ۹ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۳ جنوری ۱۹۳۷ء

(۲۸۴) **جواب** ۔ زوجین یا ان کے وکیلوں کے علاوہ دو شاہدوں کے سامنے ایجاب و قبول ہونا صحتِ نکاح کے لئے کافی ہے۔ نکاح منعقد ہو جائے گا۔ لیکن انعقادِ نکاح کے بعد وہ عورت منکوحۃ الغیر ہونے کی وجہ سے زید کے پاس خلوت میں نہ رہ سکے گی کیونکہ اجنبیہ اور منکوحۃ الغیر ہو گی اور بکر زوجِ ثانی کے لئے اس سے ازدواج کے تعلقات کرنے جائز ہوں گے۔ اولاد بھی بکر کی ہو گی۔ زید طلاق دے کر اور عدت گزر جانے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرا سکتا ہے۔ مگر اس کو اس طرح پر مخفی رکھنا کہ

لوگ زید کی بیوی ہی سمجھتے رہیں اخلاقاً اور شرعاً اور نتیجۃً خطرناک ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

ایک عورت بالکل جوان ہے۔ خاوند اس کا نہایت کمزور ہے۔ اب یہ عورت کسی ہم عمر شخص سے صحبت کرنی چاہتی ہے اور نہایت عاجزی سے سوال کرتی ہے اور اپنی زبان سے اپنا نفس بھی اسی شخص کو بخشتی ہے۔ اس عورت کا سوال پورا کرنا چاہئے یا رد کرنا چاہئے۔ ایک عالم فرماتے ہیں کہ جب انسان کو سوال پورا کرنے کی توفیق ہے تو سوال پورا کر دے۔

المستفتی نمبر ۱۴۳۶ چودھری خیر الدین صاحب (ضلع انبالہ) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء

(۴۸۴) **جواب**۔ جو عورت کسی کی منکوحہ ہے اور اپنے خاوند کے سوا کسی دوسرے شخص سے خواہشِ نفسانی پورا کرنے کا سوال کرتی ہے تو یہ سوال بھی حرام اور اس کو پورا کرنا بھی حرام ہے۔ سوال وہی پورا کرنا جائز ہے جو سوال جائز ہو اور اس کو پورا کرنے میں کوئی گناہ نہ ہوتا ہو۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

ایک مرد مسلمان نے ایک ہندو عورت کو اس کے مرد سے چھڑا کر اپنے گھر میں لونڈی بنا کر رکھ لیا ہے اور اس سے ہمبستر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ باندی کے ساتھ صحبت جائز ہے اور نکاح کرنے سے انکار کرتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کے لئے پیشوائے امت کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور باندی کس عورت کو کہیں گے۔ اور کتنی حیثیت کے لئے باندی جائز ہو سکتی ہے اور کہاں کے لئے اور کس ملک کے لئے باندی کا حکم ہے۔ (۳) اگر کوئی ناجائز فعل کرے اور کہے کہ یہ جائز ہے تو ایسے شخص کو کیا کیا جاوے،

المستفتی نمبر ۱۵۳۴ حافظ محمد اسماعیل صاحب (گنجام) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۷ء

(۴۸۵) **جواب**۔ ہندوستان میں صحیح شرعی طریق پر باندی نہیں مل سکتی۔ کسی ہندو کی بیوی کو اس کے شوہر سے چھڑا کر رکھ لینا اور اس کو باندی سمجھنا جائز نہیں۔ اگر وہ عورت مسلمان ہو گئی ہو اور اس کے خاوند نے مسلمان ہونا قبول نہ کیا ہو اور عدت گزر گئی ہو تو پھر کوئی مسلمان اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ بغیر نکاح اس سے صحبت کرنا حرام ہے اور جو شخص ایسی عورت رکھے اور اس کو حلال سمجھے

وہ سخت فاسق اور گنہگار ہوگا۔ بلکہ ایمان جاتے رہنے کا قوی خطرہ ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک عورت کافرہ جوگن ایمان لائی ہے اور اسلام پر آئی ہے اور پھر اس نے کسی مسلمان کے ساتھ نکاح شرعی کر لیا ہے۔ دوسرے روز اس عورت کا بھائی آیا اور اس سے دو آدمیوں نے پوچھا کہ تو کس کام کے لئے آیا ہے اس نے کہا کہ میری بہن پیر سکندر سے نکل کر موضع مسابو کا میں چلی آئی ہے میں اس کو لے جانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ وہ کنواری ہے یا شادی شدہ ہے۔ اس نے کہا کنواری ہے شادی شدہ نہیں ہے، منگنی ہوئی بھی نہیں۔ اور پھر تیسرے روز اس عورت کا باپ آیا اس نے بھی اسی طرح کہا۔ جب دس روز گذرے تو ایک شخص جوگی آیا۔ اس نے کہا یہ عورت میری ہے اور اس کا منڈوا میرے ساتھ پڑھا ہے اور میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں اور اس کا بھائی بھی مسلمان ہو گیا ہے۔ یہ عورت مجھے دیدو اور اس جوگی نے منڈوے کے گواہ بھی بنا لئے اور اس کے کنواری ہونے کے گواہ بھی موجود ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ بٹی لال بیگ میں بصدارت پیر گلاب علی صاحب ذیلدار بٹی لال بیگ و خان محمد خاں ذیلدار بٹی دلاور اجتماع ہوا اور مجلس عام میں اس جوگی دیندار سے جو مدعی تھا پوچھا گیا کہ تیرا منڈوا کس وقت اور کس طرح اور کس نے پڑھا ہے۔ اس نے کہا کہ میرا منڈوا اور شادی پیشی کے وقت پھر کہا نہیں دیگر اور پھر کہا غروب کے وقت ہوا ہے اور جنڈی کے چوفیر ہم پھرے ہیں اور منڈوے پڑھنے والے مسمیٰ مولچند نے کہا کہ پھیرے لے لو پھیرے لے لو جس طرح تمہارے ماں اور باپ نے لیے ہیں، اور بیو دادا نے لیے ہیں۔ پس اس کے بعد عورت سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں کنواری ہوں یہ میرا خاوند نہیں۔ مدعی کاذب ہے بلکہ میری بھانجی کا خاوند ہے۔ میرا پتر ہے۔ میں اس کی ساس ہوں۔ پس میں نے صدق اور صفائی دل سے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں ان گیدڑ اور گوہ اور سانپ کھانے والوں کے ساتھ ہر گز نہیں جاتی ہوں۔ اور یہ بناوٹی مسلمان ہوا ہے اور انھوں نے جھوٹے دعوئے مسلمانی کے بعد گوہ اور نیولا وغیرہ کا شکار کیا جس کے گواہ مجمع میں موجود تھے۔ المختصر دونوں طرف سے گواہ بھگت گئے ہیں۔ عورت کے کنواری ہونے کے تمام گواہ مسلمان ہیں۔ اور اس مدعی کے گواہ دو مسلمان اور باقی کافر جوگی ہیں۔ ایک مسلمان نے

گواہی دی کہ اس شخص کی شادی اور منڈوا دیگر کے وقت ہوا ہے۔ میں نے دیکھا لا نوانی پھیرا لیتے ہیں لیکن میں نے عورتوں کو پہچانا نہیں کہ کونسی عورت ہے اور کس نے منڈوا پڑھا ہے اور دوسرے گواہ مسلمان نے کہا کہ اس کی شادی اور منڈوا موضع جو سراں میں شام کے وقت ہوئی ہے۔ مگر میں نے عورتوں کو پہچانا نہیں کہ منہ پر نقاب تھا اور پھر باقی جو کافر گواہ تھے انھوں نے بھی اسی طرح مختلف طور پر شہادت دی۔ کسی نے کہا کہ دیگر کے وقت اور کسی نے کہا شام کے وقت اور کسی نے کہا عشا کے وقت۔ کیا اس شخص کا دعویٰ عند الشرع درست ہے یا نہیں اور اس کا اسلام معتبر ہے یا نہیں اور اس کے منڈوے کے گواہوں کے مطابق منڈوے کو نکاح سمجھا جائے گا یا نہیں اور گواہی معتبر ہے یا نہیں اور عورت واپس کی جائے یا نہیں؟ المستفتی ۱۶۰۳ نور احمد صاحب (ضلع منٹگمری)

۶ رجمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۵ جولائی ۱۹۳۷ء

(۴۸۶) **جواب** - کافروں کی گواہی تو بالکل غیر معتبر ہے اور مسلمانوں کی گواہی بھی اس لئے قابلِ قبول نہیں کہ دونوں نے یہ کہا ہے کہ ہم نے عورت کو نہیں پہچانا اور جب عورت کے باپ اور بھائی کا بیان موجود ہے کہ عورت کنواری ہے اور منڈوے کے گواہوں کے بیان بھی مختلف ہیں۔ کوئی دوپہر کا وقت بتاتا ہے کوئی شام کا اور کوئی عشا کے بعد کا، تو یہ گواہیاں سب ناقابلِ اعتبار ہیں اور عورت کا اور اس کے باپ بھائی کا بیان معتبر قرار دیا جائے گا اور عورت کنواری قرار دی جائے گی۔ اور اس کا نکاح مسلمان کے ساتھ جو ہوا ہے وہ قائم رکھا جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے قبل از نکاح خود ایامِ مختلفہ میں مندرجہ ذیل جملے اپنے نکاح کے متعلق کہے ہیں اور اس کی ان مختلف تحریرات میں جو اس نے آمنہ کو دی تھیں منجملہ مختلف اقوال کے یہ اقوال بھی اپنے نکاح کے بارے میں تحریر ہیں۔ (۱) عائشہ مجھ پر حرام ہے۔ (۲) میں عائشہ سے کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ (۳) میں عائشہ سے کبھی شادی نہیں کروں گا۔ (۴) اگر میں نے عائشہ سے نکاح کیا تو مجھ پر حرام ہے۔ (۵) عائشہ اور باقی سب عورتیں مجھ پر حرام ہیں۔ (۶) عائشہ مجھ پر بلفظ کلی حرام ہے۔ (۷) خدا کی قسم میں عائشہ سے شادی نہیں کروں گا۔ (۸) عائشہ بنت عمرو مجھ پر بمنزلہ

بھائی کے ہے یا بہن کے ہے۔ (۹) آمنہ آپ کے سوا مجھ پر عائشہ اور باقی سب عورتیں حرام ہیں۔جملہ نمبر۴ اور نمبر۶ میں زید کو شک ہے کہ یہ دو جملے اس کے منہ سے نکلے ہیں یا نہیں؟

اب قابلِ استفسار یہ ہے کہ وہ عائشہ سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں۔ (۲) وہ عائشہ بنت عمرو سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں۔ (۳) کیا وہ کہیں سے شادی کر سکتا ہے اگر کر سکتا ہے تو کیونکر؟ (۴) قسم واقع ہوئی ہے یا نہیں ،بصورت اثبات کونسی قسم واقع ہوئی ہے۔ (۵) کیا شرع شریف اُسے مجبور کرتی ہے کہ وہ چار و ناچار آمنہ سے وہ تحریرات لاکر رفع شک کرتے ہوئے قاضی کے سامنے پیش کرے۔اس صورت میں جبکہ اس کا آمنہ کے پاس جانے اور تحقیق کرنے میں ہزاروں مفاسد کا فتح باب ہو۔ تو اب اس صورت میں کیا یہاں زید کے لئے کوئی صورت از روئے شریعتِ مطہرہ نکل سکتی ہے کہ نہ تو اسے آمنہ کے پاس برائے مطالبہ تحریرات خود جانا پڑے اور نہ فتح باب مفاسد ہو اور اس کے لئے کسی طریقے سے شادی کرنا جائز ہو جائے۔ نیز اس کے لئے وہ شادی جمیع مخالفات شرعیہ حالیہ و مستقبلہ سے مبرا ہو جائے اور پھر اگر کسی وقت اس کی عائشہ سے شادی ہو جانے کے بعد اسے وہ تحریرات مل گئیں اور اس میں لفظ کلی وغیرہ لکھا تھا تو مستقبل میں اس کی شادی منسوخ و فسخ نہ ہو جائے کوئی ایسی صورت نکال دیجئے۔

المستفتی نمبر ۱۸۴۹ محمد اسماعیل خانقاہ شریف (ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں)

۲۸ رجب ۱۳۵۶ھ م ۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۴۸۷) **جواب**۔فقرہ نمبر۴ و ۶ جن کے زبان سے نکلنے میں ہی شک ہے ان کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔یعنی زید پر اپنے عمل میں ان کا لحاظ کرنا لازم نہیں۔لیکن اگر اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نکل آئے یا گواہوں سے اس کا تلفظ زید کی زبان سے ثابت ہو گیا تو پھر اس کے موافق حکم لازم ہوگا۔ فقرہ نمبر۱ وغیرہ و نمبر۹ اس حال میں کہے گئے ہیں کہ صرف آمنہ زید کے نکاح میں ہے اور عائشہ اور کوئی عورت اس کے نکاح میں نہیں ہے۔پس یہ فقرہ جملہ خبریہ صادقہ ہے اس کا کوئی اثر مستقبل پر نہیں پڑے گا۔ہاں اگر زید اقرار کرے کہ اس کا مقصد اس سے یمین تھی تو اس کے اقرار سے یمین ہو جائے گی۔ فقرہ نمبر۶ جس میں لفظ کلما کا مدخول نہیں وہ بھی بیکار رہے۔ فقرہ نمبر۷ یمین منعقدہ ہے۔اگر عائشہ سے نکاح کیا تو کفارۂ یمین دینا ہوگا۔ اور فقرہ نمبر۸ بھی جملہ خبریہ

صادقہ ہے۔ اس کا مستقبل پر کوئی اثر نہیں اور فقرہ نمبر ۲ و ۳ کا بھی کوئی اثر نہ ہوگا کہ یہ اقرار کی خلاف ورزی ہے۔

پس زید عائشہ سے اور کسی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن عائشہ سے شادی کرنے کی صورت میں فقرہ نمبر ۷ کے بموجب قطعاً اور فقرہ نمبر ۱ و ۵ و ۹ کے بموجب بصورت اقرار یمین کفارہ دینا ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید ایک عورت باہر سے اپنے ہمراہ اپنی جائے سکونت پر لایا اور تقریباً دو سال تک اپنے گھر میں رکھا جس کی عمر تقریباً اس وقت گیارہ سال کی تھی کوئی قابل وقعت شہادت اس امر کی نہیں ہے کہ اس نے اس عورت کے ساتھ باہر نکاح کیا تھا۔ بعدازاں اس کو مطلقہ قرار دے کر دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کر دیا۔ قاضی نکاح خواں نے بوقت نکاح خوانی یہ سوال اٹھایا کہ تاوقتیکہ میرے سامنے کوئی تحریری ثبوت اس بات کا نہیں پیش کیا جائے کہ فی الواقع زید نے عورت کو طلاق دی ہے اور ایام عدت پورے ہو چکے ہیں میں نکاح نہیں پڑھاؤں گا۔ اس کے جواب میں زید نے بتایا کہ میں نے اس کو بطور لڑکی کے رکھا ہے۔ نیز یہ بھی کہا کہ میری خادمہ ہے۔ لیکن قاضی نے بخوف اپنی سبکدوشی کے لئے تحریر کا ہونا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اسی وقت طلاقنامہ لکھا گیا جس میں تقریباً چھ ماہ گزشتہ کی تاریخ لکھی گئی۔ جب گواہوں نے دستخط کر دیئے باوجود اس کا علم ہونے کے کہ طلاقنامہ ابھی درج و تحریر ہوا ہے قاضی نے نکاح پڑھا دیا۔ (۱) کیا یہ نکاح جائز ہے۔ (۲) قاضی اور زید و گواہان کے لئے بصورت ناجائز ہونے کے کیا حکم ہے اور اس کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے؟ المستفتی نمبر ۱۸۵۳ بشیر احمد خاں (روہتک)

۲۹ رجب ۱۳۵۶ھ م ۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(۴۸۸) **جواب**۔ یہ کارروائی تو غلط اور مصنوعی تھی مگر قاضی نے اگر اس علم پر نکاح پڑھایا ہو کہ یہ عورت منکوحہ نہیں تھی۔ اور تحریر طلاق نامہ محض قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے کی ہو تو قاضی مجرم نہ ہوگا

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ہندہ منکوحہ کئی سال سے اپنے گھر بیٹھی ہے۔ اس کا شوہر جو شرعاً بعد عقد ہوا ہے کسی شہر میں گوشہ نشین بنا بیٹھا ہے۔ جب رخصتی کا خط اس کے پاس جاتا ہے تو تاریخ مقررہ میں نہیں آتا ہے بلکہ خود تاریخ معین کرتا ہے اور اس میں بھی نہیں آتا۔ ہم لوگ برابر منتظر رہے کہ آئے اور شادی ہو مگر کئی تاریخیں ٹل گئی ہیں۔

اور یہ قصہ اب کا ہے۔ ورنہ اس سے قبل جب نکاح ہوا تھا دونوں یعنی ہندہ اور اس کا شوہر نابالغ اور نابالغہ تھے ماں باپ کی خوشی پر بچے نے ایجاب وقبول کیا تھا اور باپ کی قدرت سے باہر ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ میرے کچھ اختیارات ان پر ہیں رخصت کیونکر ہوگی اور بچی غریب کا کیا حال ہوگا۔ کچھ شرعی طریقہ ایسا فرمایئے یا اپنا حکم خاص ایسا صادر فرمادیں جس سے بچی یعنی ہندہ کی دادرسی ہوسکے۔ آپ حقیقت میں شرعی حاکم ہیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو اس قسم کے جوابات الجمعیۃ کے احکام وحوادث میں شائع فرمادیں۔

المستفتی ۱۹۲۷ شاہ فضیلت الرحمن صاحب (مونگیر)

۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۴۸۹) **جواب** - اگر عورت کے لئے گزارے اور حفظ صحت کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اور خاوند ان امور کی پرواہ نہیں کرتا تو عورت کو حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرائے اور پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

سہواً یا خطاً منکوحہ عورت کا دوسرے شخص سے نکاح کیا گیا۔ آیا نکاح خواں اور گواہان پر کوئی تعزیر شرعی ہے یا نہیں۔ بصورت ثانی جو یہ کہے کہ مذکورین اشخاص کا نکاح فاسد ہوگیا ہے کیا اس قول کے قائل پر کوئی سزا ہے یا نہیں؟

المستفتی ۱۹۳۳ باگی ولد عبدل (فیروزپور) ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۴۹۰) **جواب** - منکوحہ عورت کا دوسرا نکاح پڑھ دینا اگر زیدہ و دانستہ ہو تو موجب فسق ہے۔ اور اگر پڑھانے والے اور گواہوں کو اس بات کا علم نہ ہو تو وہ معذور ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

دو بھائی ہیں۔ بڑے بھائی کی نکاحی کو چھوٹا بھائی بے طلاق دیئے ہوئے رکھ لیا ہے۔ اس پر کیا کفارہ ہے؟ المستفتی ۱۸۲۹ شاہ محمد صاحب اعظم گڈھ
۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۴۹۱) **جواب** - بے طلاق کے منکوحۂ غیر کو رکھ لینا سخت گناہ ہے۔ خواہ بھائی کی منکوحہ ہو یا کسی اور شخص کی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) ایک ہندو عورت کو ایک مسلمان کے نفس قابو میں آئے ہوئے چھ ماہ کا عرصہ ہو گیا اب شخص مذکور عورت داشتہ کو مسلمان بنوا کر نکاح کرنے کی خواہش کرتا ہے اب سوال یہ ہے کہ موصوفہ مذکورہ کو قبولِ اسلام کے بعد شرعی قید عدت ضروری ہے۔ قید عدت کے بغیر نکاح ہو گیا تو وہ نکاح کیا ہوگا۔

(۲) ایک ہندو عورت شرفِ اسلام کے بعد کسی مسلمان سے ناجائز تعلقات ایک عرصے سے برقرار رکھتی ہے۔ لہٰذا اب دونوں کا نکاح کونسی شرعی سزا کے بعد درست تسلیم کیا جائے گا۔ اس سلسلۂ گزارش میں یہ بھی مطلوب ہے کہ بغیر شرعی سزا نکاح مذکور کیسا ہوگا؟

(۳) زید ایک شادی شدہ مسلمان ہے۔ زید کی عورت عاملہ صحت آفرین صورت اور قابلِ تحسین سیرت رکھتی ہے۔ حیف کہ زید وساوسِ شیطانی سے مغلوب ہو کر ہوسِ نفس کی خاطر ایک ہندو عورت کو مسلمان ہونے کی ترغیب دے کر اور مسلمان بنا کر اپنی زوجیت میں لانا چاہتا ہے۔ یہ بھی واضح خاطر ہو کہ زید مذکور یعنی زید کا نکاح وقوع پذیر ہونے کے بعد زید کی پہلی عورت کے اور اس سے وابستہ رشتہ داروں کے ارمانوں کا خون ہونے کا نہایت اندیشہ ہے لہٰذا زمانۂ حال کے ایک نفس پرست طبقہ پر نظرِ عنایت فرما کر شرعی نقطۂ نظر سے فیصلہ مرحمت ہو کہ زید کے اس نکاح کے معاملہ میں ہم مسلمان تائید کریں یا تردید؟

(۴) ایک مسلمان عورت کی نسبت یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ وہ حاملہ ہے اور اس حالت میں ایک مسلمان اس کو منکوحہ بنانا چاہتا ہے۔ الغرض ان دونوں کا نکاح شرعاً کیسا ہوگا۔ اس معاملے میں

ایک مسلم جماعت افواہ مذکور کی تحقیق کے بغیران دونوں کا نکاح کردے تو شریعت اسلامی اس جماعت کو کیا کہے گی ؟ المستفتی نمبر ۲۰۳۴ منشی سید الطاف حسین صاحب (ضلع گنٹور)

۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۹۲) **جواب** - (۱) ہندو عورت شادی شدہ ہے اور اس کا شوہر موجود ہے تو اس کے مسلمان ہونے کے بعد عدت گزارنی ہوگی ۔ عدت کے بعد وہ نکاح کر سکے گی اور اگر غیر شادی شدہ یا بیوہ ہے تو مسلمان ہونے کے بعد اس سے فوراً نکاح ہو سکے گا ۔ (۲) شرعی سزا جاری کرنے کا مسلمانوں کو اختیار اور طاقت نہیں ۔ عورت و مرد دونوں گنہگار ہیں لیکن اگر وہ آئندہ گناہ سے بچنے کے لئے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو ان کا نکاح آپس میں جائز ہے ۔ (۳) جہاں تک ممکن ہو زید کو سمجھا کر اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے ۔ لیکن اگر وہ کسی طرح نہ مانے تو پھر زوجۂ اولیٰ کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے پر اس کو مجبور کیا جائے اور اگر وہ پہلی بیوی کے ساتھ بدسلوکی کرے تو اس کو بجبر انصاف کی طرف لایا جائے ۔ (۴) اگر وہ عورت معتدہ نہ ہو یعنی طلاق یا موت کی عدت نہ گزار رہی ہو تو اس حاملہ کا نکاح جائز ہے ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک موضع کے مسلمان بیوہ کی شادی کو بہت معیوب سمجھتے ہیں اور اس پر انہیں ضد اور اصرار بھی ہے ۔ بعض بیوائیں مجبور ہو کر بدچلن ہو کر فرار بھی ہوگئیں ۔ مگر انہیں اس رسم کی پابندی کے آگے سب کچھ گوارا ہے تو ایسے گاؤں میں اس خیال کے مسلمانوں کو اپنی بیٹی بیاہنا درست ہے یا ناجائز ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۰۳۵ مسلمانان مسوری ڈاسنہ (میرٹھ) ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۹۳) **جواب** - بیوہ عورتوں کی دوسری شادی کو معیوب سمجھنا بڑا سخت گناہ اور ظلم عظیم ہے ۔ شریعت مقدسہ اسلامیہ نے بیوہ عورتوں کے نکاح کر دینے کی بہت ترغیب دی اور تاکید کی ہے ۔ ہمارے آقا و سرتاج پیغمبران جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے حضرت عائشہ رضؓ کے تمام نکاح بیواؤں کے ساتھ ہی کیے ۔ بیوگی کی وجہ سے اور دوسرا نکاح معیوب سمجھ کر نہ کرنے کی حالت میں جو بیوائیں گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں اس کا وبال اور گناہ ان لوگوں کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جاتا ہے جو نکاح بیوگان کو عیب سمجھتے ہیں اور بیوگان کو نکاح کرنے نہیں دیتے ہیں ۔ اگر مسلمان ایسے لوگوں سے زجراً مقاطعہ

کریں اور اپنی بیٹیاں ان کو نہ دیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ عندہ حسن الثواب لمن تاب و اناب۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

عرصہ پانچ چھ سال سے حفیظ اللہ کا تعلق ایک مسماۃ صغریٰ سے ہوگیا۔ صغریٰ زوجہ ایک دوسرے شخص کی ہے۔ صغریٰ کے شوہر نے یہ کہا کہ جب صغریٰ اس کے مکان سے بلا اجازت و رضامندی چلی گئی اور حفیظ اللہ کے یہاں رہنے لگی تو صغریٰ اس کے نکاح سے باہر ہوگئی۔ لیکن صغریٰ کا شوہر صغریٰ کو فارغخطی دینے پر راضی نہیں ہے۔ حفیظ اللہ کے ایک لڑکی صغریٰ کے بطن سے پیدا ہوئی ہے جس کی عمر چھ ماہ ہے حفیظ اللہ صغریٰ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ امر قابلِ دریافت یہ ہے کہ آیا حفیظ اللہ کا نکاح از روئے شرع صغریٰ کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۱۲۲ نصیر خاں (جھانسی)

۱۴ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۸ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۴۹۴) **جواب**۔ صغریٰ ابھی تک اپنے شوہر کی منکوحہ ہے۔ شوہر کے گھر سے چلے آنے کی وجہ سے اور حفیظ اللہ کے گھر رہنے اور لڑکی پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس کا نکاح باطل نہیں ہوا اور جب تک کہ صغریٰ اپنے شوہر سے طلاق حاصل نہ کرے یا کوئی مسلمان حاکم کسی شرعی وجہ پر فسخ نکاح کا فیصلہ نہ کردے اس وقت تک حفیظ اللہ صغریٰ کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ اس پر لازم ہے کہ فوراً صغریٰ کو اپنے پاس سے علیحدہ کردے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ہم ایک باپ کے تین بیٹے ہیں۔ بڑے کا نام بہادر علی اس سے چھوٹا علی بہادر اور سب سے چھوٹا میں خاکسار حشمت علی جو کہ فی الحال برما شیل کمپنی میں موٹر ڈرائیوری پر ملازم اور آپ سے فتویٰ کا خواستگار ہوں۔ میری شادی ۱۹۱۸ء میں بمقام پوٹھی سید جان کے ساتھ ہوئی۔ ہمارے گھر سے پوٹھی تک ۴۲ میل ہے۔ یہ بات بچے بچے کو معلوم ہے کہ میں برات لے کر وہاں گیا۔ شادی کیا اور ڈولی میں ڈال کر گھر کو لے گیا۔ اس کا ثبوت رجسٹر ڈ بھی ہے۔ اس پر میرا اور سید جان دونوں کا نام درج ہے۔ وہ عرصہ تین سال میرے پاس موجود رہی۔ اس کے بعد میں اس کو والدہ کے پاس چھوڑ کر انگریزی علاقہ میں چلا آیا۔ کیونکہ مجھ کو شادی کا قرضہ ادا کرنا تھا۔ تین سال کے بعد میری والدہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے

بعد ہمارے حقیقی بھائی منجھلے مسمیّ علی بہادر نے میری عورت کے ساتھ تعلقات قائم کرلیے اور زبردستی گھر میں رکھ لیا۔ یہ ایسی بات ہے کہ میں اپنی قوم میں منھ دکھا نہیں سکتا۔ تھوڑے عرصے کے بعد جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے دو تین رجسٹری سرکار کی طرف کی لیکن کچھ فیصلہ نہیں ہوا کیونکہ وہ ملک ہندو راجہ کا ہے۔ علی بہادر نے ایک جعلی کاغذ بنا لیا ہے۔ میرے نکاح سے آگے کا نکاح موجود کرتا ہے جس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ وہاں کے مولوی کے پاس جو رجسٹر ہے اس میں ابھی تک نکاح علی بہادر صاحب درج نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ مولوی ڈرتا ہے۔ اس سے اس کے تین چار بچے بھی پیدا ہوئے۔

المستفتی نمبر ۲۱۲۴ حشمت علی خاں (ضلع ناسک) ۱۴ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۸ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۴۹۵) **جواب** - اگر تمہارے بھائی علی بہادر کا نکاح اس سے نہیں ہوا تھا اور مسماۃ سید جان تمہاری منکوحہ ہے اور علی بہادر نے جعلی کاغذ نکاح کا بنا لیا ہے تو علی بہادر سخت گنہگار اور مجرم ہے اور اس کو سید جان کے ساتھ تعلقات رکھنا حرام ہے اور اس کی اولاد بھی ولدالزنا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ تقریباً دس سال گزار چکا۔ اس عرصے میں اس کی بیوی سے تین لڑکیاں تولد ہوئیں۔ قریب ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا اس کی بیوی فوت ہو چکی۔ اس ڈیڑھ سال کے عرصے میں زید نے اپنی بڑی سالی ہندہ سے (جو اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر برائے ہمدردی اپنی فوت شدہ بہن کے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے زید کے پاس آیا کرتی تھی) صنفی تعلقات پیدا کر لیے۔ ہندہ کو اپنے جائز خاوند سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی بقیدِ حیات ہیں۔ ایسی حالت میں ہندہ کا شوہر نہ ہی اس کو طلاق دینا چاہتا ہے نہ خلع پر راضی ہے۔ ہندہ کے حامیوں کی استدعا پر بھی کان نہیں دھرتا۔ فی الوقت ہندہ اپنے شوہر کے پاس نہیں۔ اب علمائے دین کوئی فیصلہ از روئے شرع دیں تاکہ ہندہ کا تعلق اپنے شوہر سے منقطع ہو جائے اور ہندہ کو زید کے نکاح میں دے دیا جائے۔

المستفتی نمبر ۲۲۹۲ اہلِ جماعت علی نگر ضلع شمالی ارکاٹ (مدراس)

۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۶ جون ۱۹۳۸ء

(۴۹۶) **جواب** - ہندہ کا جب جائز خاوند موجود ہے اور اس سے اولاد بھی ہے تو اس کو اپنے بہنوئی

سے تعلقات پیدا کرنا سخت گناہ اور بے غیرتی کی بات ہے۔

ہندہ کو اپنے شوہر کے پاس واپس جانا چاہئے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس سے علیحدہ کرکے زید سے نکاح کرنے کی سعی کی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

عورت کسی کفر کی وجہ سے مطلقہ ہو جائے اس سے شوہر سابق سال کے بعد نکاح کرسکتا ہے یا نہیں۔ حلالہ وغیرہ کی ضرورت تو نہیں ہے۔ المستفتی نمبر ۲۳۴۱ حافظ محمد اسمٰعیل صاحب (آگرہ)

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

(۲۹۷) **جواب** - عورت جب مرتدہ ہونے کی وجہ سے خاوند کے نکاح سے باہر ہو جائے تو پھر مسلمان ہو کر شوہر سابق سے نکاح کر سکتی ہے۔ اس کے لئے کوئی عدت گزارنا یا حلالہ شرط نہیں ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک لڑکی نابالغ جس کی کہ عمر آٹھ سال یا اس سے کم ہے اس کی شادی اس کے ماں باپ نے کردی۔ لیکن صرف نکاح کیا وداع نہیں کی اور اب یہ لڑکی بالغ ہوگئی۔ چونکہ وارثان لڑکا اور لڑکی میں تنازعہ ہو گیا۔ اس وجہ سے لڑکی اپنے خاوند کے گھر نہیں گئی اور نہ اب جانا چاہتی ہے اور نہ ہی نکاح کے وقت سے اب تک لڑکی کا کبھی تخلیہ اپنے خاوند کے ساتھ ہوا۔ یعنی خاوند نے اس لڑکی کے ساتھ صحبت نہیں کی۔ ایسی حالت میں کیا لڑکی اپنا نکاح کسی اور شخص سے کر سکتی ہے لیکن اس کا پہلا خاوند طلاق دینے پر رضامند نہیں ہے۔ دریافت طلب صرف یہ امر ہے کہ اگر اس لڑکی سے کوئی اور شخص شادی کرلے تو جائز ہے یا ناجائز۔ شرع شریف کا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

(نوٹ) قانون گورنمنٹ کی رو سے دریافت نہیں کیا جارہا ہے بلکہ شرع شریف کی رُو سے کیونکہ مجھے ایک مولوی صاحب نے یہ بتلایا ہے کہ اگر کسی لڑکی کا نکاح نابالغی کی حالت میں ہو یا بالغ ہونے کی حالت میں لیکن نکاح کے بعد تخلیہ نہ ہو یعنی خاوند اور بیوی کا تخلیہ نہ ہو تو عورت مختار ہے کہ اپنا نکاح اگر چاہے تو کسی اور سے کرلے۔ المستفتی نمبر ۲۳۵۰ عبدالغنی صاحب (رہتک)

۳ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۲ جولائی ۱۹۳۸ء

(۴۹۸) **جواب** - یہ جو آپ کو بتایا گیا ہے غلط ہے۔ لڑکی اور اس کے شوہر میں اگرچہ تخلیہ نہ ہوا ہو جب بھی وہ اس کی منکوحہ تو ہے اور جب تک ان دونوں کی علیحدگی طلاق یا خلع یا فسخ کے ذریعہ سے نہ ہو وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ شوہر سے طلاق لی جائے یا خلع کیا جائے یا بذریعہ مسلمان حاکم کے نکاح فسخ کرایا جائے پھر دوسرے شخص سے نکاح جائز ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک لڑکی کا نکاح (جس کی عمر ۱۶ یا ۱۷ سال ہے اور بیوہ یعنی رانڈ ہے) اس کے والدین نے مع رضامندی لڑکی کے ایک لڑکے سے جس کی عمر ۱۲ سال کی ہے کر دیا اور سات یا آٹھ ماہ اپنی سسرال میں رہ چکی ہے۔ اب وہ بھیجتے نہیں کہتے ہیں کہ ہم کو مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ اس کا نکاح نہیں ہوا اور اب وہ دوسری جگہ نکاح کراتے ہیں۔ کیا اس عورت کا نکاح اس بارہ سال کے لڑکے سے نہیں ہوا اور ان کو دوسری جگہ اس کا نکاح کر دینا شرع شریف میں جائز ہے۔ قاضی نے اس کی ماں سے اور اس کے باپ سے اور لڑکی سے اچھی طرح اذن لے کر نکاح پڑھا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۳۵۱ مولوی فضل الرحمن صاحب (حصار) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۲ جولائی ۱۹۳۸ء

(۴۹۹) **جواب** - جب لڑکی کی رضامندی اور اجازت سے نکاح ہوا تو نکاح صحیح ہو گیا۔ اب اس لڑکی کا دوسرے شخص سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اگر کر دیں گے تو ناجائز اور حرام ہو گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(۱) زید ۱۹ سال کی عمر کا ہے نئی شادی ہوئی ہے۔ وہ اپنی منکوحہ کے پاس گیا۔ اس نے منع کیا کہ ہم کو ایام مقررہ ہیں۔ زید ہٹ گیا مگر بسبب تقاضائے جوانی کے صبر نہیں کیا اور اپنی منکوحہ کو فرش بنایا۔ اب زید کے لئے شرعی حکم کیا ہے۔ زید اس کو ادا کرے۔

(۲) زید شرعی حکم ادا کرنے سے پہلے اپنی منکوحہ کے پاس جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۶۸ غلام قادر (الہ آباد) ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۱ جولائی ۱۹۳۸ء

(۵۰۰) **جواب** - ایام مقررہ میں صحبت کرنا ناجائز ہے۔ صحبت کر لی گئی تو زید کو اور اس کی بیوی کو توبہ کرنی چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ زید ڈھائی روپیہ صدقہ کر دے۔ زید کو عورت کے پاک ہونے کے بعد صحبت کرنا جائز

ہے خواہ صدقہ کیا ہو یا ابھی نہیں کیا ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) لڑکے کے باپ نے بلا رضامندی اپنے لڑکے کے اس کو مجبور کر کے ایک بیوہ سے کسی مصلحت کی بنا پر نکاح پڑھا دیا لڑکے نے اس وقت جبراً ہاں کرلی یا خاموشی اختیار کرلی مگر اسی وقت کہہ دیا کہ میں اس نکاح کو قبول نہیں کرتا مجھے منظور نہیں یہ نکاح رہا یا نہیں ؟

(۲) روزِ اوّل یعنی روزِ نکاح سے جس کو بہت عرصہ ہوا بوجہ منافرت باہمی اس وقت تک لڑکے مذکور کا بیوہ سے کوئی تعلق زن و شو نہیں ہوا۔ کیا اندریں صورت زن، شوہر فرضی کی جائداد میں حقدار ہو سکتی ہے ؟

(۳) صورتِ بالا کے علاوہ ایک مرد و عورت فرض کیا جائے کہ نکاح شدہ ہیں کسی وجہ سے باہمی منافرت ہو گئی اور بے تعلقی ہو گئی اور کچھ تعلق نہ رہا تو کس مدت کے بعد ایک دوسرے کے حقوقِ شرعی زائل ہو جائیں گے۔ یعنی مرد اپنے زر و زیور اور عورت اپنے مہر کی مستحقِ طلبی نہ رہیں گے اور اپنے اپنے افعال و اعمال میں شرعی طور پر آزاد سمجھے جائیں گے۔

المستفتی نمبر ۲۳۶۹ شبیر حسین صاحب (پانی پت) ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۱ جولائی ۱۹۳۸ء

(۵۰۱) **جواب**۔ (۱) عقدِ نکاح کے وقت لڑکے نے ایجاب قبول کر لیا تو نکاح ہو گیا۔ اب وہ چھوڑے گا تو یہ طلاق ہو گی اور اگر قبل خلوت چھوڑا تو نصف مہر دینا ہو گا۔

(۲) تعلق ہوا یا نہیں ہوا۔ صحتِ نکاح کی صورت میں عورت حصہ میراث کی مستحق ہو گی۔ اور شوہر کی وفات کی صورت میں مہر بھی پورا ملے گا

(۳) جبکہ زوجین میں نکاح قائم ہو تو خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے ایک دوسرے کے ساتھ احکامِ نکاح متعلق رہتے ہیں جب تک باقاعدہ فسخ یا خلع یا طلاق نہ ہو ہر ایک احکامِ زوجیت کا ذمہ دار ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک مقام پر نکاح اس طرح سے ہوا کہ ایک وکیل اور دو گواہ لڑکی اور لڑکے والے نے مقرر کیے اور اجازت لینے اندر مکان لڑکی کے پاس گئے۔ مہر مقرر کیا۔ لڑکی نے اپنے نکاح کی اجازت

دیدی وہ تینوں صاحب لڑکی سے، اجازت لے کر قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وکیل صاحب سے قاضی صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں لڑکی کی طرف سے وکیل ہوں اور یہ دونوں صاحب گواہ ہیں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ میں وکیل اور گواہ کے خلاف ہوں۔ گواہ اور وکیل کی ضرورت نہیں ہے۔ قاضی صاحب نے یہ کہا کہ لڑکی کا والد خود نکاح پڑھادے تو اولیٰ ہے اور جو پڑھا ہوا نہ ہو تو وہ خود اجازت دیدے۔ اب قاضی صاحب نے اس لڑکی کے والد سے دریافت کیا نہیں اور نہ لڑکی سے دوبارہ دریافت کیا بلکہ اسی شخص سے جو پہلے وکیل بن چکا تھا لڑکی کا نام والد اور دادا کا نام دریافت کیا اور مہر دریافت کیا۔ اس کے بعد دولہا کا نام و والد و دادا دولہا کا نام دریافت کیا۔ اب قاضی صاحب نے دولہا سے یہ نہیں کہا کہ تمہارے نکاح کے یہ وکیل اور یہ گواہ ہیں۔ بغیر گواہ اور وکیل کے قاضی صاحب نے نکاح پڑھادیا ایسی صورت میں نکاح جائز ہوا کہ نہیں۔ جواب سے مطلع فرمائیے گا۔

المستفتی ۲۳۹۷ محمد یعقوب صاحب (بریلی) ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۴ اگست ۱۹۳۸ء

(۵۰۲) **جواب** - اگر مجلسِ نکاح میں لڑکی کا باپ موجود تھا اس کے سامنے نکاح پڑھادیا گیا اور وہ خاموش رہا تو یہ نکاح اس کی اجازت سے پڑھایا جانا قرار پائے گا اور نکاح صحیح ہوگا اور اگر باپ موجود نہ تھا تو یہ نکاح جو قاضی صاحب نے پڑھایا اگر اس میں وکیل سے ایجاب نہیں کرایا تو نکاح فضولی ہوا اور جب لڑکی کو یا اس کے باپ کو خبر ہوئی کہ نکاح ہوگیا اور انھوں نے اس سے انکار نہیں کیا بلکہ لڑکی کو رخصت کردیا یا مبارکباد قبول کی یا اور سامان تیار اور درست کیا تو یہ ان کی طرف سے اجازت ہوگئی اور اگر ابھی تک اس قسم کا کوئی عمل نہ پایا گیا ہو جس سے اجازت سمجھی جائے تو یہ نکاح لڑکی کی (اگر وہ بالغہ ہو) یا اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہے۔ اگر وہ اجازت دیں تو صحیح ورنہ باطل ہوجائے گا۔ فقط　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

مسماۃ فاطمہ بالغہ بیوہ کا نکاح مسمی کاندھل سے برضا و رغبت فریقین ہوا۔ بعد نکاح ابھی مسماۃ کاندھل کے گھر نہیں گئی تھی کہ اس کے متوفی سابق شوہر کے رشتہ داروں نے فاطمہ پر حملہ آور ہو کر زبردستی اُسے اٹھاکر لے گئے اور اس کا نکاح اس کے متوفی شوہر کے بھائی مسمی جیلیا سے کردیا تو کیا

یہ دوسرا نکاح اس کے اصل شوہر مسمی کا ندمل کے طلاق دینے کے بغیر جائز ہوگا۔ اگر جائز نہ ہوگا تو پھر کیا فاطمہ اور جیلیا (جن کے زن وشوہر کے سے تعلقات قائم ہیں) زانی ٹھہریں گے اور کیا یہ دونوں اور وہ لوگ کہ جو اس نکاح میں گواہ اور وکیل بنے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے۔ ان تمام لوگوں پر شریعتِ اسلام نے کیا تعزیر مقرر کی ہے۔ مسلمانوں کو ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟

المستفتی نمبر ۲۳۹۷ علی شبیر (ضلع کرنال) ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۷ اگست ۱۹۳۸ء

(۵۰۳) **جواب**۔ دوسرا نکاح ناجائز ہوا اور زوجین دونوں حرامکاری کی لعنت میں مبتلا ہیں، نکاح پڑھانے والا اور اس میں مدد کرنے والے سب فاسق اور گنہگار ہوئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک لڑکی مسماۃ موہنی جو بالغہ ہے اور جس کی عمر ۱۶ سال آٹھ مہینے ہے بخوشی ورضا مشرف باسلام ہوئی اور مسلمان ہوکر اس کا نکاح مسمی محمد عالم کے ساتھ کر دیا گیا۔ لڑکی کے ہندو باپ نے عدالت میں رجوع کیا۔ عدالت نے لڑکی کے بلوغ، قبولِ اسلام اور نکاح کے جائز قرار دینے کے باوجود لڑکی کو ہندو باپ کے قبضہ میں دیدیا اور مسمی محمد عالم سے ملنے کی اور خط وکتابت کی بھی ممانعت کردی۔

(۱) کیا عدالت کا یہ فعل مداخلت فی الدین ہے یا نہیں؟

(۲) کیا مسلمانوں کو ایسے ناجائز حکم کی پابندی کرنی چاہئے یا نہیں؟

(۳) کیا عدالت ہائی کورٹ کا موجودہ حکم دوسرے صوبجات میں مثال کے طور پر پیش نہ کردیا جائیگا؟

(۴) اگر یہ معاملہ مداخلت فی الدین ہے تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے؟

المستفتی نمبر ۲۵۰۳ مولوی عبدالحی صاحب حقانی (کراچی) ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ م ۷ جون ۱۹۳۹ء

(۵۰۴) **جواب**۔ جبکہ لڑکی بالغہ ہے اور اس نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا اور اس کی رضامندی سے اس کا نکاح اسلامی شریعت کے ماتحت ہوگیا تو اب اُس کو جبراً ہندو باپ کے قبضہ میں دے دینا اسلامی قانون کے لحاظ سے مداخلت فی الدین ہے۔ مسلمان ایسے ناجائز حکم کے پابند نہیں۔ ان کو اس حکم کے منسوخ کرانے کے لئے ہر امکانی جدوجہد کرنی لازم ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے نکاح کی بات چیت ہوئی تو مسماۃ انشاء اللہ جان سے نکاح ہونا قرار پایا لیکن جب قاضی نے ایجاب وقبول کرایا تو بجائے مسماۃ انشاء اللہ جان کے مسماۃ آمنہ بی کے ساتھ آمنہ بی کا نام لے کر ایجاب وقبول کرایا اور رجسٹر میں بھی مسماۃ آمنہ بی لکھا گیا۔ جب رخصت ہوئی تو مسماۃ انشاء اللہ جان کو رخصت کردیا گیا۔ حالانکہ ایجاب وقبول آمنہ بی سے کرایا گیا۔ عندالشرع ایسے نکاح کا کیا حکم ہے؟ ایجاب وقبول کے وقت مسماۃ آمنہ بی کے والد اور بھائی موجود تھے۔ چھ ماہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی۔ مسماۃ انشاء اللہ جان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہو چکی ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۷۳۲ قمر الدین۔ پل بنگش۔ دہلی

۲۸ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ م ۱۳ جولائی ۱۹۴۲ء

(۵۰۵) **جواب** - یہ نکاح آمنہ بی کے ساتھ منعقد ہوا۔ جس کا نام ایجاب وقبول کے وقت لیا گیا۔ مگر چونکہ یہ غلطی ہوئی تو اب اس کے تدارک کی بہتر سبیل یہ ہے کہ انشاء اللہ جان کو شوہر سے علیحدہ کر دیا جائے اور شوہر آمنہ بی کو طلاق دیدے اور اس کے بعد انشاء اللہ جان کے ساتھ اس کا دوبارہ نکاح کر دیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

زید کی زوجہ ایک غیر شخص کے ساتھ چلی گئی۔ بعد چار یوم کے اس کا پتہ لگا اور اس کو لا کر زید کے پاس بھیجدیا گیا۔ آیا وہ زید کے نکاح میں رہی یا نکاح ٹوٹ گیا؟

(۵۰۶) **جواب** - عورت اپنے خاوند کے نکاح میں ہے۔ وہ چاہے تو اس کو بدستور اپنی بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے اور رکھنا نہ چاہے تو طلاق دے کر علیحدہ کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

جو دولہا بوقت نکاح خلاف شرع وضع اور لباس رکھتا ہو یا اس مجلس میں رقص وسرود ہوا، خالص ایمان داروں کو وہاں کیا کرنا چاہئے؟

(۵۰۷) **جواب** - اول دولہا کو حکم دینا چاہئے کہ لباس خلاف شرع کو بدلے اور وضع کی اصلاح کی

بابت اقرار کرے کہ ایسا نہ کروں گا اور گزشتہ پر توبہ کرے۔ اور رقص و سرود کو مجلس سے باہر کرنا چاہیئے اور اگر نہ مانیں تو اٹھ کر چلا آنا چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ محمد کرامت اللہ تلطف حسین عبدالرحمٰن مدرسہ عبدالرب۔ محمد عبدالغنی واعظ انجمن۔ محمد امین الدین مہتمم مدرسہ امینیہ۔ ابو محمد عبدالحق محمد حبیب محمد اکرم مدرس باڑہ ہندو راؤ۔ شبیر احمد عثمانی دیوبندی مدرس فتحپوری۔ محمد عبدالعلی امام کالی مسجد سید عبدالسلام پھاٹک حبش خاں۔ مشتاق احمد مدرس۔ محمد عبدالجبار۔ محمد ابراہیم خلف مولوی محمد حسین فقیر۔ سید ابوالحسن پھاٹک حبش خاں۔ سید احمد امام جامع مسجد دہلی۔ محمد اسحٰق خلف مولوی محمد حسین فقیر۔ محمد اسحٰق تیلی واڑہ۔ سید محمد امام عیدگاہ۔ محمد کاظم دہلوی۔ محمد کاظم علی مدرسہ حسین بخش۔ محمد ابراہیم بلیاوی مدرس دوم مدرسہ فتحپوری دہلی۔ محمد عبدالسبحان۔ عبدالرشید پھاٹک حبش خاں۔ محمد شفیع مدرسہ عبدالرب۔ محمد نظام الدین جھجری سفیر انجمن ہدایت الاسلام دہلی۔

المشتہران۔ حاجی محمد اسحٰق ناظم انجمن۔ حاجی عبدالغنی۔ حافظ محمد صدیق ملتانی۔ حافظ محمد یعقوب پائی والے۔ حاجی عبدالصمد۔

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

شہوت کے غلبہ میں اگر کوئی شخص اپنی عورت کی پستانوں کا مساس کرے تو نکاح تو نہیں ٹوٹتا؟

(۵۰۸) **جواب**۔ اگر مرد اپنی عورت کی پستان کا مساس کرے تو نکاح فاسد ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۶ء)

ایک لڑکی کو اس کی والدہ اپنے رشتہ دار کے پاس بطور امانت چھوڑ گئی تھی جو خود عیالدار تھا۔ جب ہندوستان سے لڑکی کی والدہ واپس آئی تو لڑکی کو اس شخص نے چھپا رکھا تھا۔ لڑکی والدہ کی خبر پاکر اس کے پاس بھاگ کر چلی آئی۔ وہ شخص جس کے پاس یہ لڑکی امانۃً چھوڑی گئی تھی اُس نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ یہ میری منکوحہ ہے۔ عدالت نے نکاح خواں اور گواہ طلب کیئے۔ لیکن وہ نکاح خواں پیش نہ کر سکا۔ لڑکی کا بیان ہے کہ میں جبراً رکھی گئی تھی۔ اور میرا نکاح بالکل نہیں ہوا۔ ہمبستری بھی جبراً کی گئی

تھی جس سے وہ حاملہ ہوگئی۔ عدالت نے مدعی کا دعویٰ خارج کردیا اور لڑکی والدہ کو مل گئی۔ اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو اب تین سال کا ہے۔ اس تین سال کے عرصہ میں نہ تو فرضی خاوند نے لڑکی کی طرف رجوع کیا اور نہ لڑکی نے خاوند کی طرف۔ اب لڑکی کہیں نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

احقر ولایت علی (پشاور)

(۵۰۹) **جواب** - جبکہ مدعی اپنے دعوائے نکاح کا ثبوت ہی پیش نہ کرسکا تو اس کے دعوے کا کوئی اثر لڑکی پر نہیں پڑ سکتا۔ لڑکی جبکہ اس کے دعوے کا جھوٹا ہونا جانتی ہے تو اس کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ فروری ۲۷ء)

(۱) ایک شخص کی زوجہ موجود ہے اور دو نابالغ بچے بھی ہیں۔ اسی دوران میں اس کا ناجائز تعلق سالی سے ہوگیا اور اس کی زوجہ کو معلوم ہوگیا تو وہ اپنے شوہر کے پاس جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) ایک عورت نے شوہر کے ہوتے ہوئے دوسرے مرد سے ناجائز تعلق کرلیا تو نکاح میں فرق آیا یا نہیں؟ اگر مرد کو اس کے تعلق کا علم ہوگیا تو نکاح میں فرق آیا یا نہیں؟

(۵۱۰) **جواب**۔ سالی کے ساتھ ناجائز تعلق ہوجانے کی وجہ سے اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوئی اور نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور جب تک اس کی بیوی اس کے نکاح میں ہے سالی سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

(۲) اگر منکوحہ عورت حرام کاری کرے تو اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا۔ خاوند اگر رکھنا چاہے تو وہ بدستور اس کے پاس رہ سکتی ہے اور جبکہ خاوند کو اس کی حرامکاری کا علم نہ ہو تو اس کے ذمہ کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ جنوری ۲۷ء)

اگر اجنبی عورت آکر کہے کہ میرا خاوند مرچکا ہے یا مجھ کو طلاق ہوچکی ہے (حالانکہ دراصل نہ تو اس کا خاوند مرا ہے نہ اس کو طلاق ہوئی ہے) اور امام اس کا نکاح پڑھا دے تو ایسے امام کی امامت کیسی ہے؟

(۵۱۱) **جواب** - اگر اجنبیہ عورت کے کہنے کا یقین ہو جائے اور اُس کی سچائی کے قرائن موجود ہوں تو نکاح کر لینا جائز ہے۔ اگر شوہر زندہ ہے یا طلاق نہیں ہوئی تھی تو عورت پہلے شوہر کو دلائی جائے گی۔ اور لاعلمی میں نکاح پڑھنے پڑھانے والوں پر کوئی مواخذہ نہیں۔ البتہ اگر ان لوگوں نے عورت کے بیان کو جھوٹ یا مشتبہ سمجھتے ہوئے نکاح پڑھا دیا ہے تو یہ لوگ گنہگار ہوں گے اور ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ مارچ ۲۷ء)

زید اپنی منکوحہ عورت سے فعل خلاف وضع فطرت کرتا ہے۔ اس سے اس کا نکاح ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

(۵۱۲) **جواب** - اپنی بیوی کے ساتھ بھی فعل ناجائز (لواطت) کرنا حرام ہے۔ اس کا ارتکاب کرنے والا بشرط ثبوت تعزیر کا مستحق ہوگا۔ مگر اس فعل کے کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۲۷ء)

ہندہ کے ساتھ زید نے نکاح کیا۔ نکاح کے ساڑھے چھ ماہ بعد لڑکی پیدا ہوئی تو اب زید کو تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں؟ یا نکاح سابق کافی ہے؟

(۵۱۳) **جواب** - نکاح سابق کافی ہے۔ تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۲۷ء)

کل جامع مسجد میں شوہر و زوجہ اہل ہنود داخلِ اسلام ہوئے ہیں۔ بعد ختم رسم ایک صاحب نے امام صاحب سے سوال کیا کہ آیا پھر ان دونوں میں تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ ضرورت نہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۵۱۴) **جواب** - جب کافر میاں بیوی ایک دم مسلمان ہو جائیں اور ان میں کوئی ایسا رشتہ نہ ہو

جس میں اسلام کے قواعد کے بموجب مناکحت حرام ہے تو وہ اپنے سابقہ تعلق ازدواجی پر قائم رہیں گے۔ جدید نکاح کی ضرورت نہ ہوگی۔ لیکن اگر دونوں میں کوئی ایسا رشتہ ہے جو اسلام کے اصول سے مناکحت کو ناجائز قرار دیتا ہے تو ان میں تفریق کردینی پڑے گی۔ اور دونوں بحیثیت میاں بیوی نہ رہ سکیں گے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مئی سنہ ۲۸ء)

کیا شرع میں اس کی کوئی اصل ہے کہ مرد کی تقدیر کی اولاد اور عورت کی تقدیر کا رزق ہوتا ہے۔ اور جب کسی عورت سے نکاح کرنے کے بعد کوئی ترقی یا تنزل یک لخت ہوتا ہے تو کس کی تقدیر پر محمول ہوگا۔ عوام عورت کی تقدیر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

(۵۱۵) **جواب**۔ یہ بات جو مشہور ہے کہ مرد کی تقدیر کی اولاد اور عورت کی تقدیر کا رزق ہوتا ہے یہ بے اصل اور غلط ہے۔ ہر جاندار کا رزق جو انسان ہو یا جانور، مذکر ہو یا مؤنث مقدر ہے اور ہر عورت یا مرد کی اولاد مقدر ہے۔ شادی کے بعد کوئی .... مصیبت یا تکلیف پیش آجائے تو اس کو عورت کی طرف منسوب کرنا بھی نہایت مذموم ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

(۵۱۶) **تحریری بیان بر قانون تعیین عمر رضامندی**

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اگست سنہ ۲۹ء و ۱۶ اگست سنہ ۲۹ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ چند تمہیدی مقدمات بیان کردیئے جائیں جن کو پیش نظر رکھنے سے تفصیلی جواب کی صحت متیقن ہوجائے گی۔

(۱) اسلام میں نکاح کو صرف معاشرتی حیثیت میں نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اس کو مذہبی عمل کی حیثیت بھی دی گئی ہے اور اس پر ثواب اور فضیلت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ پیغمبر اسلام ارواحنا فداہ کا ارشاد ہے۔ النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی (فتح الباری شرح صحیح البخاری) یعنی نکاح میری سنت ہے۔ جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ ہماری جماعت

میں سے نہیں ہوگا اور بخاری شریف میں حدیث مذکور کے الفاظ یہ ہیں۔ واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی (بخاری کتاب النکاح) یعنی میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں تو جو میری سنت یعنی نکاح سے رُوگردانی کرے گا وہ میری جماعت میں سے نہ ہوگا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من تزوج فقد استکمل نصف الایمان فلیتق اللہ فی النصف الباقی۔ (طبرانی فی الاوسط کذا فی جمع الفوائد) یعنی جس نے نکاح کیا اس نے آدھا ایمان تو پکا کرلیا تو چاہیئے کہ دوسرے نصف میں بھی خدا سے خوف کو ملحوظ رکھے۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف بن بشر سے فرمایا تھا۔ ان سنتنا النکاح شرارکم عزابکم واراذل موتاکم عزابکم (جمع الفوائد) یعنی ہماری سنت نکاح ہے۔ تم میں سے جو لوگ مجرّد ہیں وہ بہت بڑے ہیں اور جو مجرد ہی مر جائیں وہ بدترین مُردے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من تزوج ثقۃ باللہ واحتسابا کان حقا علی اللہ ان یعینہ وان یبارک لہٗ (طبرانی فی الاوسط والصغیر کذا فی جمع الفوائد) یعنی جو شخص خدا پر بھروسہ کرکے اور طلبِ ثواب کے خیال سے نکاح کرے گا تو خدا تعالیٰ پر (اس کے وعدہ صادقہ کی بنا پر) لازم ہے کہ اس کی مدد کرے اور برکت عطا فرمائے یعنی اللہ تعالے ضرور اس کی اعانت کرے گا اور ایسے اسباب مہیا کردے گا جو اس کی فراخی اور مسرت وخوش عیشی کے لئے کافی ہوں گے اور اس کو برکت دے گا۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ قد اختلف فی النکاح فقال الشافعیۃ لیس عبادۃ ولھذا لو نذرہ لم ینعقد وقال الحنفیۃ ھو عبادۃ (فتح الباری کتاب النکاح) یعنی نکاح کی شرعی حیثیت میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نکاح عبادت نہیں ہے اور اسی لئے اگر کوئی نکاح کی منت مانے تو منعقد نہ ہوگی۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ نکاح کو عبادت کی حیثیت حاصل ہے یعنی اس پر ثواب مترتب ہوتا ہے اور وہ موجبِ تقربِ خداوندی ہے اور درمختار میں ہے۔ لیس لنا عبادۃ شرعت من عھد آدم الی الآن ثم تستمر فی الجنۃ الا النکاح والایمان۔ یعنی ہمارے لئے کوئی عبادت نکاح اور ایمان کے سوا ایسی نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے جاری ہو کر آج تک قائم رہی ہو اور پھر جنّت میں بھی مستمر رہے۔ اور اسی کتاب میں ہے۔ ویکون سنۃ مؤکدۃ فی الاصح فیاثم بترکہ ویثاب ان نوی ولدًا وتحصینًا۔ یعنی نکاح کرنا سنّتِ مؤکّدہ ہے صحیح قول کی بنا پر۔ پس اس کا تارک گنہگار ہوگا۔ اور جو بہ نیت پاکدامنی

تحصیل ولد نکاح کرے گا وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ ورجح فی النھر وجوبہ للمواظبۃ علیہ والانکار علی من رغب عنہ (درمختار) یعنی (کتاب) نہر (الفائق) میں نکاح کے واجب ہونے کو ترجیح دی ہے اس دلیل سے کہ حضورؐ نے اس پر مواظبت فرمائی ہے اور اعراض کرنے والے پر عتاب کا اظہار فرمایا ہے۔

(۲) سنت نکاح پر عمل کرنے اور ثواب حاصل کرنے کے لئے صرف عقد نکاح کافی ہے۔ مباشرۃ کا وجود ضروری نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عقد نکاح کر لیا اور کسی وجہ سے مثلاً زوجہ کی کم عمری یا بیماری کی وجہ سے مقاربت کی نوبت نہ آئی اور اسی حالت میں مر گیا تو ترکِ سنت کا مؤاخذہ نہ ہوگا۔

(۳) عقدِ نکاح ہونے کے ساتھ لازم نہیں کہ زوجین میں فوراً مقاربت بھی ہو جائے بلکہ اس کے لئے زوجین کی صلاحیت کا لحاظ ضروری ہے۔ جب تک زوجہ جماع کے قابل نہ ہو جائے اس کو شوہر کے پاس بھیجنا لازم نہیں ہے اور خاوند بھی اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ وللزوج المطالبۃ بتسلیمھا ان تحملت الرجل (درمختار) یعنی شوہر اپنی زوجہ کو اپنے پاس لانے کا مطالبہ جب کر سکتا ہے جب کہ زوجہ مرد کے قابل ہو جائے۔ قال البزازی ولا یجبر الاب علی دفع الصغیرۃ الی الزوج (ردالمحتار) یعنی چھوٹی لڑکی جو قابلِ جماع نہ ہو اس کے باپ کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اس کو زوج کے حوالہ کرے۔

(۴) عورت کے قابلِ جماع ہو جانے کے وقت کو عمر کے ساتھ متعین نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ مختلف ملکوں اور مختلف خاندانوں میں نشوونما کے مدارج مختلف ہونے اور آب وہوا کے اختلاف اور جسمانی خصوصیات کے تباین سے عورتوں کی صلاحیت جماع کے اوقات میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ بعض لڑکیاں اپنے قوائے جسمانیہ کی درستی کی وجہ سے نو دس سال کی عمر میں بھی جماع کے قابل ہو سکتی ہیں اور بغیر کسی مضرت و تکلیف کے دس گیارہ سال کی عمر میں بچہ کی ماں بن سکتی ہیں۔ اور بعض لڑکیاں سولہ سترہ سال کی عمر تک بھی اپنی فطری نحافت یا عارضی امراض کی وجہ سے جماع کے قابل نہیں ہوتیں۔ اسی لئے اسلام کے مقننین نے جماع کے لئے عمر کی تعیین کرنے کے بجائے زوجہ کی صلاحیت و طاقت کا اعتبار کیا ہے۔ قال البزازی ولا یعتبر السن (ردالمحتار) یعنی بزازی نے کہا کہ اس بارے میں عمر کا اعتبار

نہیں ہے۔ فان زعم الزوج انہا تتحمل الرجال وانکر الاب فالقاضی یریھا النساء ولا یعتبر السن (ردالمحتار) یعنی اگر شوہر کہے کہ میری منکوحہ مرد کے قابل ہوگئی ہے اور منکوحہ کا باپ کہے ابھی نہیں ہوئی تو قاضی عورتوں کو دکھلا کر معلوم کرے کہ وہ مرد کی طاقت رکھتی ہے یا نہیں اور عمر کا اعتبار نہ کرے۔

(۵) شریعت مقدسہ اسلامیہ نے شوہر کو اس وقت تک بیوی سے جماع کرنے کی اجازت نہیں دی ہے جب تک وہ اس کی متحمل نہ ہو جائے۔ اگرچہ اس کی عمر زیادہ ہی کیوں نہ ہوگئی ہو۔ وان کانت نحیفة مھزولة لا تطیق الجماع ویخاف علیھا المرض لا یحل للزوج ان یدخل بھا وان کبر سنھا وھو الصحیح (فتاوی عالمگیری) یعنی اگر عورت دبلی ہو اور جماع کی طاقت نہ رکھتی ہو اور بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو شوہر کو اس کے ساتھ جماع کرنا حلال نہیں اگرچہ اس کی عمر بڑی ہوگئی ہو اور یہی قول صحیح ہے۔ فی التتارخانیة البالغة اذا کانت لا تتحمل لا یؤمر بدفعھا الی الزوج (ردالمحتار) یعنی تاتارخانیہ میں ہے کہ بالغہ لڑکی بھی اگر جماع کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اس کو خاوند کے حوالہ کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا۔

(۶) نکاح کی صرف یہی غرض نہیں ہے کہ شوہر فوراً بیوی سے مجامعت کر سکے۔ بلکہ شوہر کی نیت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کو تنہائی کا ایک مونس محرمِ راز مل جائے۔ یا اس کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام ہو سکے۔ اور یہ فوائد ایسی لڑکی کے ساتھ نکاح کر لینے سے حاصل ہو سکتے ہیں جو ابھی اپنی کم عمری یا فطری کمزوری کی وجہ سے قابلِ جماع تو نہیں ہوئی مگر بات چیت کر کے دل بہلانے کے لائق ہے۔ یا کھانے پکانے، سینے پرونے کا انتظام خوب کر سکتی ہے۔ اور لڑکی کے اولیا کی نیت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ نکاح کر دینے کے بعد اس کے خاوند سے اس کا مہر وصول کریں اور خود لڑکی پر خرچ کریں اور اس کی کفالت کے بار سے سبکدوش ہو جائیں۔ یا اپنے ضعف اور بڑھاپے میں لڑکی کے رشتہ کی طرف سے مطمئن ہو جائیں اور اطمینانِ قلب سے اپنے بقیہ ایامِ زندگی پورے کریں۔ لابی الصغیرة المطالبة بالمھر (درمختار) ولو کان الزوج لا یستمتع بھا کما فی الھندیة عن التجنیس (ردالمحتار) یعنی چھوٹی لڑکی کا باپ لڑکی کے شوہر سے مہر کا مطالبہ کر سکتا ہے اگرچہ شوہر اس صغیرہ سے فائدہ جماع حاصل نہ کر سکتا ہو۔ صغیرة لا یستمتع بھا زوجھا فللاب ان

یطالب الزوج بمہرھا (فتاوی عالمگیری) یعنی ایک چھوٹی لڑکی منکوحہ ہے جس سے زوج فائدۂ مقاربت حاصل نہیں کرسکتا تو بھی لڑکی کا باپ اُس کے شوہر سے مہر کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ واذا نقد الزوج المھر وطلب من القاضی ان یأمر ابا المرأۃ بتسلیم المرأۃ فقال ابوھا انھا صغیرۃ لا تصلح للرجال ولا تطیق الجماع الی قولہ لا تتحمل الرجال لا یؤمر بتسلیمھا الی الزوج (عالمگیری) یعنی اگر شوہر نے مہر ادا کردیا اور پھر قاضی سے درخواست کی کہ وہ لڑکی کے باپ کو حکم دے کہ اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے حوالے کردے مگر لڑکی کے باپ نے یہ عذر کیا کہ وہ ابھی کم عمر ہے مرد کے قابل نہیں ہوئی اور جماع کی متحمل نہیں ہوگی تو قاضی اس کی تحقیق کرے۔ اگر ثابت ہوجائے کہ فی الحقیقت وہ مرد کے قابل نہیں ہوئی ہے تو خاوند کے حوالے کرنے کا حکم نہ دے۔

(۷) شریعتِ مقدسہ اسلامیہ نے بچوں کے نکاح کے لئے عمر کی کوئی حد معین نہیں کی ہے۔ قرآن مجید یا احادیث یا فقہ میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے کہ اتنی عمر سے پہلے لڑکے یا لڑکی کا نکاح ناجائز ہے۔ بخلاف اس کے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ سال کی عمر والی لڑکی (یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے خود نکاح کیا تھا۔ اور کتبِ فقہ میں صغار یعنی چھوٹی عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاحوں کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ اور قرآن مجید میں نابالغہ لڑکیوں کی عدت بتائی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ عدت نکاح کے بعد ہی لازم ہوتی ہے۔

(۸) اسلام نے نابالغوں کے باپ اور دادا اور دوسرے اولیا کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی ولایت سے نابالغ بچوں کا نکاح کردیں۔ باپ اور دادا کا کیا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے اور دوسرے اولیاء کا کیا ہوا نکاح صحیح تو ہوتا ہے مگر لازم نہیں ہوتا۔ نابالغ اگر بالغ ہوتے ہی ناراضی ظاہر کردے تو بحکم حاکم باختیار فسخ ہوسکتا ہے۔ للولی الصغیر والصغیرۃ ان ینکحھما وان لم یرضیا بذلک کذا فی البرجندی سواء کانت بکرا او ثیبا کذا فی العینی شرح الکنز (فتاوی عالمگیری)، وھو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر و مجنون و رقیق (درمختار) یعنی صغیر اور صغیرہ کے ولی کو اختیار ہے کہ ان کا نکاح کردے اگرچہ صغیر اور صغیرہ راضی نہ ہوں اور لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ اور صغیر اور مجنون اور غلام کے نکاحوں کی صحت کے لئے ولی شرط ہے اور بابِ ولایت و حقوقِ اختیاراتِ اولیا اسلامی فقہیات میں سے ایک عظیم الشان باب ہے۔ ہزاروں احکام اس کے متعلق ہیں۔ بچوں کی نابالغی میں ان کے نکاحوں کا اختیار ان کی مملوکہ

جائدادوں کی حفاظت اور انتظام، ان کی طرف سے دعویٰ کرنا اور ان کی جانب سے مدافعت کرنا۔ یہ سب اولیا کے فرائض و اختیارات میں داخل ہے اور کوئی قانون جو ان حقوق و اختیارات کو سلب یا باطل کرتا ہو اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے نزدیک قابلِ تسلیم ولائقِ قبول نہیں ہو سکتا

مذکورہ بالا آٹھ مقدمات کی تفصیل و تصریح کے بعد میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ کیا لڑکیوں کے نکاح کے لئے کوئی قانونی عمر مقرر کی جاسکتی ہے ؟ کہ اس کی خلاف ورزی پر کسی قسم کی سزا دی جاسکے؟

ہمارا جواب یہ ہے کہ صغیر و صغیرہ کے نکاح کے لئے قانوناً عمر کی تعیین مسلمانوں کے لئے بوجوہ متعددہ نہیں کی جاسکتی جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :

الف ۔ مقدمہ اولیٰ سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام میں عقدِ نکاح کی حیثیت صرف ایک معاشرتی معاملے یا معاہدے کی نہیں ہے بلکہ وہ عبادت اور مذہبی عمل کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ اور اس پر کوئی قانونی پابندی عائد کرنا مذہبی مداخلت ہے جو قانوناً ناجائز ہے۔

ب ۔ عمر معین کر دینے سے یہ خرابی ہوگی کہ بہت سی لڑکیاں جن کے والدین ضعیف العمر ہوں گے اور چاہتے ہوں گے کہ اپنی بچیوں کا نکاح کسی اچھی جگہ اپنے سامنے کر دیں اور ایسی جگہ بھی میسر ہو جائے گی مگر تعیینِ عمر کی قانونی پابندی کی وجہ سے نکاح نہ کر سکیں گے اور رات دن اسی رنج و غم میں رہنے کی وجہ سے ان کی صحت اور دماغ پر تباہ کن اثر پڑے گا۔ اور اگر اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا تو لڑکیاں بے وارث رہ جانے کی وجہ سے تباہ اور خراب حال ہو جائیں گی۔ اور اس خرابی کا حلقہ کم عمری کی شادی سے جو نقصان ہوتا ہے اس سے بہت زیادہ وسیع ہوگا۔

ج ۔ بہت سے نادار والدین جو لڑکیوں کی پرورش کے مصارف کا بار برداشت نہیں کر سکتے اپنی کمسن لڑکیوں کا نکاح ایسے بچوں سے کر دیتے ہیں جن کے سرپرست کل یا بعض مہر ادا کر دینے پر خوشی سے تیار ہو جاتے ہیں اور لڑکی کے والدین وصول شدہ مہر کی رقم سے لڑکی کی پرورش و تعلیم کا انتظام کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی معین عمر تک نکاح سے قانونی ممانعت کر دی گئی تو بہت سی لڑکیوں کی پرورش اور تعلیم کی ایک ممکن صورت ناممکن یا قانونی جرم ہو جائے گی اور وہ فقر و فاقہ کا شکار ہو جائیں گی یا جاہل رہ جائیں گی۔

د ۔ صرف عقدِ نکاح کر دینا کسی تمدنی، عمرانی جسمانی خرابی کا موجب نہیں۔ اور اس کے ذریعہ

سے ایک مذہبی غرض (اتباعِ سنت) اور عمرانی و جسمانی فوائد (سہولتِ پرورش و تیسیر تعلیم) حاصل ہوسکتے ہیں۔ پس اس پر قانونی پابندی عائد کرنے کے لئے کوئی معقول وجہ نہیں۔

۵ —— عقد نکاح کے لئے اگر ایسی عمر مقرر کی گئی جو لڑکی کے بالغ ہوجانے کی عمر ہو مثلاً پندرہ سال تو اس صورت میں یہ قانون اولیا کے اس حق کو جو ولایتِ نکاح کے متعلق انھیں شرعاً حاصل ہے (جیسا کہ مقدمہ ثانیہ میں ثابت کیا گیا) باطل اور زائل کردے گا۔ یعنی اس حق اور اختیار کے استعمال کرنے کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ کیونکہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح کی خود مالک ہوجاتی ہے۔ اور اولیا کی ولایتِ اجبار ساقط ہوجاتی ہے تو گویا بلوغ عورت سے قبل اس کے نکاح کی ممانعت کردینا اس کے مساوی ہے کہ اسلامی قانون کے باب ولایت اور حقوقِ اولیا کو باطل یا منسوخ کردیا جائے۔ اور مسلمان ہرگز اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ وہ حکومت کے اس اقتدار کو اسلامی ابواب کے ابطال کے متعلق تسلیم کریں۔ اور اگر کوئی ایسی عمر معین کی گئی جو یقینی طور پر بالغ ہوجانے کی عمر نہیں ہے مثلاً تیرہ یا چودہ سال تو اس میں اگرچہ حقِ ولایت کا بالکلیہ ابطال لازم نہیں آتا مگر مقررہ عمر سے پہلے تو یقیناً حق ولایت کا بطلان لازم آتا ہے۔ اس کے علاوہ جن خرابیوں کو وضع قانون کے لئے آڑ بنایا جارہا ہے وہ بلوغ سے پہلے کی کوئی عمر معین کردینے سے دفع بھی نہ ہوں گی اور یہ تعیین لغو اور بیکار ہوگی۔

اس کے بعد سوال کے دوسرے حصہ پر بھی غور کرنا ہے کہ لڑکیوں کے عقدِ نکاح کے لئے اگر عمر کی تعیین نہیں ہوسکتی تو وداع کے لئے تعیین کردینے میں تو کوئی خرابی نہیں ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وداع کے لئے بھی عمر کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ مقدمہ رابعہ میں اس کا ثبوت دیا جاچکا ہے کہ عورت کی صلاحیتِ جماع کے وقت کو عمر کے ساتھ متعین نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کا مدار عورت کے جسمانی قویٰ اور بدنی طاقت پر ہے اور اختلافِ ماحول کی بنا پر اس میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ کوئی لڑکی بارہ سال کی عمر میں اتنی تنومند اور طاقت ور ہوجاتی ہے کہ دوسری سولہ سترہ سال کی لڑکیاں بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ پھر عمر کی تعیین کردینے سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسلمانوں میں کم عمری کے زمانے میں نکاح کردینے کا تو تھوڑا بہت رواج ہے مگر کم عمری کے زمانے میں وداع کردینے کا رواج نہیں ہے۔ اگر کہیں ایسا واقعہ ہوجاتا ہے تو شاذ و نادر ہے۔ ایسے شاذ و نادر واقعات کو وضع قانون کے لئے بنیاد قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ اسلامی قانون میں یہ بات موجود ہے کہ خاوند اور اس کے اولیا لڑکی کے اولیا سے اس بات کا مطالبہ نہیں کر سکتے کہ ناقابلِ جماع لڑکی ان کے حوالے کر دی جائے۔ اور اگر بفرض محال لڑکی خاوند کے پاس پہنچ بھی جائے تو خاوند کو شریعتِ اسلامیہ مذہباً مجامعت سے روکتی ہے۔ (دیکھو مقدمہ خامسہ) اس کے بعد مسلمانوں کو کسی قانون کی ضرورت نہیں۔ کمزوری اور ناتوانی جس میں عورت وطی و مجامعت کے لائق نہ ہو صرف کم عمری میں منحصر نہیں۔ بلکہ مریضہ اور حاملہ جو قریب الولادت ہو حائضہ اور نفساء یہ سب عورتیں ناقابلِ وطی ہیں۔ اسلامی قانون ان سب کو شامل ہے اور مجوزہ قانون ان متعدد اقسام کی ناقابلِ جماع عورتوں میں سے صرف ایک قسم کے لئے کچھ چارۂ کار ہو سکتا ہے۔ باقی اقسام کا ضرر بحال خود قائم رہے گا۔ حالانکہ بعض مریضہ عورتوں یا حاملہ عورتوں یا قریب الولادت یا نفاس والی عورتوں سے جو مجامعت کی جاتی ہے وہ بسا اوقات اتنی مُضر ہوتی ہے کہ نابالغہ مراہقہ سے مجامعت اتنی مضر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے صرف عمر رضامندی کی تعیین کر دینے سے اس مضرت کی تلافی نہیں ہو سکتی جو عورتوں کو ان کے خاوندوں کی بے اعتدالی سے پیش آتی ہے۔ زناشوئی کے تعلقات میں بہت سی بے اعتدالیاں جاہل خاوندوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ مثلاً کثرتِ جماع، وطی فی الدبر وغیرہ مگر قانون اس کا علاج کرنے سے ہمیشہ قاصر رہا ہے جس کی وجہ عورتوں کی خلقی حیا اور تعلقاتِ زوجیت کی گوناگوں بندشیں ہوتی ہیں جو عورت کو عدالت تک جانے اور قانونی چارہ جوئی کرنے سے روکتی ہیں۔ پس ان چیزوں کا صحیح علاج مسلمانوں کے لئے مذہبی احکام کی تبلیغ و تفہیم ہے نہ کہ وضع قانون۔

کہا جاتا ہے کہ جبکہ مسلمانوں کا مذہب بھی ان کو کمزور و ناتواں عورت سے جماع کی اجازت نہیں دیتا تو اسی مضمون کا قانون وضع کر دینے میں کیا مضائقہ ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے :-

(۱) اول تو مذہبی حکم کے ہوتے ہوئے وضع قانون کی مسلمانوں کو ضرورت نہیں۔

(۲) دوم یہ کہ یہ معاملہ ایسے ماحول میں ہوتا ہے کہ وہاں قانون کی دسترس نہیں اور اہلِ معاملہ میں سے پانچ فیصدی بھی قانونی چارہ جوئی کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔

(۳) مجوزہ قانون اگر عورت کی صلاحیت اور طاقت کو معیار قرار دیتا تو اس حیثیت سے مسلمان اس

کی مخالفت نہ کرتے بلکہ اس وقت اُن کی مخالفت اس بنا پر ہوتی کہ اس قسم کے مذہبی اور خانگی اُمور میں قانون کی مداخلت ناقابلِ برداشت ہے۔ مگر وہ عمر کو معیار قرار دیتا ہے جو مختلف افراد اور مختلف اقوام کے لئے یکساں طور پر معیار بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ پھر اگر مثلاً قانون نے پندرہ سال کی عمر مقرر کی اور کسی قوم کی لڑکیاں تیرہ برس میں بالغ ہوجاتی ہیں تو ان کے لئے یہ قانون مخالفتِ شریعت کا موجب بھی ہوگا اور وبالِ جان بھی۔ مخالفتِ شریعت کا اس لئے کہ جب لڑکی تنومند اور طاقتور ہے اور بالغ بھی ہوگئی ہے اور اس کو مرد کی خواہش ہے تو شریعت نے مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ اس سے مقاربت کرے۔ لیکن یہ قانون ایک جائز امر کو اس کے لئے جرم قرار دے۔ اس کے علاوہ اگر مرد کو اس صورت میں خیال ہو کہ اگر میں نے مقاربت نہ کی تو عورت بدکاری میں مبتلا ہوجائے گی تو اس پر واجب ہوگا کہ مقاربت کرے۔ پس اس کی حیثیت یہ ہوگی کہ اسلام تو اس پر وطی واجب کرتا ہے اور قانون مذکور اس کو جرم قرار دیتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لامحالہ مذہب کا اتباع کرے گا اور لازم آئے گا کہ قانون اس کو مذہبی فعل کی تعمیل اور اطاعت امرِ خداوندی پر سزا دے جو صریح مذہبی مداخلت ہے۔ نیز لڑکی بالغ اور مشتہاۃ ہوجانے کی وجہ سے مقاربت کی خواہش مند ہوگی مگر قانون اس کو خاوند سے منتفع ہونے میں مانع و مزاحم ہوگا۔ اور اسے مجبور کرے گا کہ وہ ناجائز طریقوں سے اپنی نفسانی خواہش پوری کرے اور وہ اس قانون کی وجہ سے مذہبی مخالفت اور خالق کی معصیت میں مبتلا ہونے پر مجبور ہوگی۔ اور یہ صریح مذہبی مداخلت ہے۔

اور وبالِ جان اس لئے کہ لڑکیوں کو بالغ ہوجانے اور طاقتور ہونے کی صورت میں مردوں سے روکنا اور ان کی حفاظت کرنا بہت مشکل ہے۔ خصوصاً ان متوسط الحال لوگوں کے لئے جو اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں اور ان کے گھروں میں صرف ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں جو بالغ ہوچکی ہیں اور طاقتور بھی ہیں۔ مگر قانونی عمر کو نہیں پہنچیں۔ اگر وہ لوگ ان لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہیں تو کاروبار تباہ ہوتا ہے اور کاروبار میں مشغول رہ کر لڑکیوں کو گھروں میں تنہا چھوڑتے ہیں تو عزت برباد جاتی ہے۔ اس لئے یہ قانونی تعیین ان کے لئے وبالِ جان ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ عمر رضامندی کی تعیین کا قانون تو ایک عرصہ سے ہندوستان میں نافذ ہے اور مسلمان بھی اس کو تسلیم کرچکے ہیں تو اب ان کی مخالفت بے معنی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس

وقت یہ قانون وضع کیا گیا ہوگا اس وقت ماہرانِ علومِ اسلامیہ کے مشورے اور استصواب کے بغیر قانون پاس کر لیا گیا۔ مسلمانوں کے مذہبی حلقوں کو اور پبلک کو اس کی خبر ہی نہ ہوئی۔ اور اس وجہ سے کوئی مخالف آواز بلند نہ ہوئی۔ یا واضع قانون جماعت نے مجارٹی کی قوت سے اس کو پاس کر دیا اور گورنمنٹ کی طاقت نے اس کو نافذ کر دیا۔ کسی قانون کا نافذ ہو جانا نہ اس کی صحت کی دلیل ہے نہ اس امر کی کہ متعلقہ فرقوں کی رضا و تسلیم سے وہ پاس ہوا ہے۔ نظیر کے لئے پبلک سیفٹی بل کا نفاذ (جو بطور آرڈیننس کے نافذ کر دیا گیا ہے) اور تعزیراتِ ہند و دیگر قوانین موجودہ کی سیکڑوں دفعات جو اسلامی احکام کے سراسر خلاف ہیں کافی ہیں۔ دعوائے مہر میں تین سال کی مدت مقرر کر دینا۔ تمادی عارض ہو جانا۔ حق شفعہ کا سال بھر کے بعد ساقط ہو جانا اور اسی قسم کے بہت سے قوانین نافذ ہیں جو شریعت اسلامیہ کے صریحاً خلاف ہیں تو ان کے نفاذ سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں نے انھیں تسلیم کر لیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں پر جبراً ان قوانین کو نافذ کیا جاتا ہے۔ اور وہ مخالفانہ ایجی ٹیشن نہیں کرتے۔

پس صورتِ حاضرہ میں مسلمان نہ تو تعیین عمر عقد نکاح پر راضی ہو سکتے ہیں اور نہ وداع کی عمر معین کرنے کو تسلیم کر سکتے ہیں اور ان کی قطعی رائے ہے کہ کم عمری کی شادیوں یا کم عمری میں مجامعت سے جو نقصانات ہوتے ہیں ان کا وقوع مسلمانوں میں اول تو بہت کم ہے۔ دوسرے اس کا علاج مذہبی احکام کی تبلیغ ہے نہ کہ قانون۔ اور یہ کہ قانون مذکور کی کئی صورتیں مذہبی احکام سے متصادم ہیں اور اس بنا پر وہ مذہبی مداخلت سے خالی نہیں۔

محمد کفایت اللہ (صدر جمعیۃ علمائے ہند)

نوٹ :۔ شاردا بل جب اسمبلی میں پیش ہوا تو حکومت نے رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی۔ یہ کمیٹی تمام ہندوستان کا دورہ کرتی ہوئی ۲۸ رجنوری ۱۹۲۹ء کو دہلی پہنچی اور شہادتیں قلم بند کیں۔ اُس وقت حضرت مفتی اعظم دہلی میں موجود نہ تھے۔ سفر سے واپس آکر آپ نے مندرجہ بالا بیان تحریر فرمایا اور ارکانِ تحقیقاتی کمیٹی کے پاس بھیجا۔

اس کے بعد آپ نے ساردا بل پر ایک مبسوط تبصرہ بنام "سارد ابل کی حقیقت" تحریر فرمایا جو ۲ راکتوبر ۱۹۲۹ء کو ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہوا اور الجمعیۃ مورخہ ۹ راکتوبر ۲۹ء و ۱۲ راکتوبر ۲۹ء

میں بھی شائع ہوا۔ یکم اکتوبر ۲۹ء کو لارڈ گوشن نے جو اُس وقت ہز ایکسلنسی لارڈ اروِن کی جگہ بطور قائم مقام کے تھے ساردا بل پر منظوری کے دستخط کر دیئے تھے۔ ۲۷ / اکتوبر ۲۹ء کو لارڈ اروِن ہندوستان واپس آئے اور مورخہ ۷ / نومبر ۲۹ء کو حضرت مفتی اعظم نے مندرجہ ذیل خط ویسرائے کے نام تحریر فرما کر بھیجا۔ (واصف عفی عنہ)

(۵۱۷) مکتوب بنام وائسرائے ہند

(الجمعیۃ مورخہ ۹ / نومبر ۲۹ء و ۱۳ / نومبر ۱۹۲۹ء)

جناب والا! مسودۂ قانون جو پہلی منزل میں ساردا بل کے نام سے مشہور تھا اب ہز ایکسلنسی وائسرائے کی منظوری کے بعد ایکٹ ۱۹ / بابت ۱۹۲۹ء بن چکا ہے۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ جناب والا کو ان احساسات و جذبات سے باخبر کروں جو مسلمانوں کی طبائع میں اس قانون کے خلاف موجزن ہیں۔ نیز ان وجوہ کی بھی تصریح کر دوں جن کی بنا پر مسلمان اس قانون سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔

(ساردا بل) ایکٹ ۱۹ء بابت ۱۹۲۹ء سے مسلمانوں کی بیزاری کے وجوہ الف۔ گورنمنٹ کے صریح وعدوں اور اعلانوں کے خلاف ہے۔ ب۔ اس سے مذہبی مداخلت ہوتی ہے۔ ج۔ مسلمان قوم کی نارضامندی کے باوجود اس کا اطلاق مسلمانوں پر کیا گیا ہے۔ د۔ اس کی حیثیت آئینی نہیں بلکہ جبری ہے۔ ہ۔ اس قانون کے پاس ہو جانے سے ایک ایسا خطرناک اصول قائم ہو گیا جس سے مسلمانوں کے مخصوص شرعی قانون (پرسنل لا) میں مداخلت کا دروازہ کھل گیا ہے اور اس کے محفوظ رہنے کا کوئی اطمینان نہیں رہا۔

میں ان نمبروں میں سے ہر نمبر پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالتا ہوں۔

(۱) گورنمنٹ برطانیہ نے ہمیشہ اس وعدے کا اعلان کیا ہے کہ وہ مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی۔ ملکہ وکٹوریہ کا ابتدائی اعلان اور ان کے جانشینوں کی پیہم تصدیق و تائید اس دعوے کا کافی ثبوت ہے اور اُس وقت سے آج تک گورنمنٹ نے مسلمانوں کی شادی (میرج) کو مذہبی امور میں داخل رکھا ہے اور اسی حیثیت سے اس کے متعلق تمام مقدمات محمڈن لا کے مطابق فیصل ہوتے رہے ہیں۔ پس ایک ایسے امر کے لئے جو اب تک قانونی طور پر مذہبی امور میں داخل

اور قانونی مداخلت کے ناقابل تھا اسمبلی میں قانون بنانا جس کی مجارٹی غیر مسلم ہے اور اسلام سے قطعاً ناواقف ہے اور گورنمنٹ کی جانب سے اس کی حمایت و تائید ہونا اور سرکاری ارکان کا اس کی موافقت میں ووٹ دینا گورنمنٹ کی قدیم مشتہرہ پالیسی کی قطعاً خلاف ورزی ہے۔

(۲) اس سے مذہبی مداخلت ہوتی ہے۔ اس بات کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ میں مذہبی مداخلت کا مفہوم بھی واضح کردوں۔ مذہبی مداخلت کے مفہوم کی دو جہتیں ہیں :۔

مذہبی مداخلت کے مفہوم کی پہلی جہت | (۱) جن امور کو مذہب نے فرض یا واجب قرار دیا ہو۔ مثلاً نماز، روزہ، حج۔ جب مرد یا عورت بالغ ہوجائے اور قوی الشہوۃ ہونے کی وجہ سے زنا میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ان کے لئے نکاح کرنا وغیرہ۔

(۲) جو امور کہ مذہب کے شعائر میں داخل ہوں۔ مثلاً اذان، ختنہ، بستی سے باہر عید کی نماز کے لئے اجتماع وغیرہ۔

(۳) جن امور کو مذہب نے مؤکد یا مستحسن قرار دیا ہو اُن کی ترغیب دی ہو اور ثواب کا وعدہ کیا ہو۔ مثلاً نفل نماز، نفل روزہ، نفل حج، ایک سے زیادہ قربانی، محلّوں اور عام راستوں پر مسجدیں بنانا وغیرہ۔

(۴) جن امور کو شریعت نے جائز قرار دیا ہو اور اُن پر عمل کرنا ایک مذہبی حق سمجھا جاتا ہو۔ مثلاً ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کرنا۔ قربانی کے مختلف جانوروں میں سے کسی جانور کو منتخب کرنا وغیرہ۔

مذکورہ بالا چاروں قسموں میں جو امور داخل ہیں ان میں سے کسی ایک کو روکنا یا جرم قرار دینا یا ایسی پابندی عائد کرنا جس کا نتیجہ فی الجملہ ترکِ فعل پر مجبور کرنا ہو مذہبی مداخلت ہے۔ اب میں یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ اس قانون کے ذریعے سے جو پابندی عائد کی گئی ہے وہ ان چاروں بیان کردہ صورتوں کے لحاظ سے مذہبی مداخلت ہے۔

مذہبی مداخلت کی پہلی صورت یعنی کسی فرض یا واجب سے روکنا | جبکہ لڑکا اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے بالغ ہوجائے یا لڑکی چودہ سال سے پہلے بالغ ہوجائے اور قوائے جسمانیہ کے قوی اور مستحکم ہونے کی وجہ سے اُس کے زِنا میں مبتلا ہوجانے یا کسی مرض کے پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ولی پر اور خود لڑکے پر اور لڑکی پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ نکاح کرلے۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پیغمبر اسلام (ارواحنا فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من ولد له ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما اثمه على ابيه (رواه البيهقي كذا في المشكوة) ترجمہ۔ جس کسی کو حق تعالیٰ کوئی بچہ (لڑکا یا لڑکی) عطا کرے تو اُسے چاہیئے کہ بچے کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے اور جب بچہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کردے۔ اگر بچہ بالغ ہو گیا اور باپ نے اس کا نکاح نہ کیا اور بچے سے گناہ سرزد ہو گیا تو اس کا وبال اس کے باپ کے اوپر ہوگا۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔ في التوراة مكتوب من بلغت ابنته اثنتي عشرة سنة ولم يزوجها فاصابت اثما فاثم ذلك عليه (رواه البيهقي كذا في المشكوة) ترجمہ۔ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے (یا بالغ ہو کر نکاح کی حاجت مند ہو) اور باپ اس کا نکاح نہ کرے اور لڑکی سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔ اور شریعتِ اسلامی کا اصول یہ ہے کہ انجیل یا توراۃ کا جو حکم پیغمبر اسلام نے نقل فرما کر اس کے خلاف کچھ نہ فرمایا ہو تو وہ مسلمانوں کے لئے بھی شرعی حکم ہو جاتا ہے۔

احکام فقہ اسلامی۔ و[1]حالة التوقان واجب (فتاوی ہندیہ معروف بہ فتاوی عالمگیری) ترجمہ۔ نکاح بوقت شدت حاجت واجب ہے۔ و[2]يكون واجبا عند التوقان فان تيقن الزنا الا به فرض (درمختار) ترجمہ۔ اور شدتِ حاجت کے وقت نکاح واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر بغیر نکاح رہنے میں صدور زنا یقینی ہو جائے تو نکاح فرض ہو جاتا ہے۔ و[3]يجب عند التوقان (البرہان شرح مواہب الرحمٰن) ترجمہ۔ یعنی شدتِ اشتیاق کے وقت نکاح واجب ہو جاتا ہے۔ و[4]صفته فرض وواجب وسنة (الی قوله) اما الاول فبان يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه الا به لان ما لا يتوصل الى ترك الحرام الا به يكون فرضا (بحر الرائق شرح کنز الدقائق) ترجمہ۔ اور احکام شرعیہ میں نکاح کی حیثیت یہ ہے کہ وہ بعض حالات میں فرض اور بعض میں واجب اور بعض میں سنت ہوتا ہے۔ (الی قولہ) فرض ہونے کی حالت یہ ہے کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا کا ایسا خوف ہو کہ بدون نکاح کے زنا سے بچاؤ نہ ہو سکے گا۔ اس حالت میں فرض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کے بغیر حرام سے بچنا ممکن نہ ہو وہ چیز حرام سے بچنے کے لئے فرض ہو جاتی ہے۔ فا[5]ما في حال التوقان قال بعضهم هو واجب بالاجماع لانه يغلب على الظن او يخاف الوقوع

فی الحرام وفی النہایۃ ان کان لہ خوف الوقوع فی الزنا بحیث لا یتمکن من التحرز الا بہ کان فرضا (فتح القدیر شرح ہدایہ) ترجمہ :- شدتِ احتیاج وشدتِ اشتیاق کی حالت میں بعض علماء نے کہا کہ نکاح کرنا بالاتفاق واجب ہے کیونکہ ایسی حالت میں نکاح نہ کرنے سے زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف یا گمان غالب ہوتا ہے اور نہایہ میں ہے کہ اگر زنا میں واقع ہونے کا اتنا خوف ہو کہ بدون نکاح کے بچاؤ نہ ہو سکے تو نکاح کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ اما من احتاج الی النکاح ولم یقدر علی الصبر دون النساء وخشی علی نفسہ العنت ان لم یتزوج فالنکاح علیہ واجب۔ انتہی مختصراً (مقدمات ابن رشد) ترجمہ :- بہرحال جو نکاح کا خواہشمند ہو بغیر عورت کے صبر نہ کر سکے اور زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس پر نکاح واجب ہے۔ وقد یجب فی نحو خائف عنت تعین علیہ (القلیوبی علی شرح منہاج الطالبین فی فقہ الامام الشافعی) ترجمہ - نکاح کبھی واجب بھی ہو جاتا ہے مثلاً اس شخص کے لئے جس کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو۔

پس ایسی صحیح الجسم لڑکی جو تیرہ سال کی عمر میں بالغ ہو جائے اور ایسا صحیح القوی لڑکا جو پندرہ یا سولہ سال کی عمر میں بالغ ہو جائے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور خوف ہو کہ اگر ان کا نکاح نہ کیا گیا تو یہ فواحش میں مبتلا ہو جائیں گے (خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کم ہو) تو ان کا نکاح کر دینا شرعاً واجب یا فرض ہے اور سارد ابل ان کو اس شرعی فرض یا واجب کی ادائگی سے روکتا ہے۔ اس لئے ان صورتوں میں مذہبی مداخلت کی صور چہارگانہ میں سے پہلی صورت متحقق ہو جائیگی۔

دوسری صورت یعنی کسی اسلامی شعار سے روکنا نکاح اسلامی شعار ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اربع من سنن المرسلین الحیاء والتعطر والسواک والنکاح (ترمذی)۔ ترجمہ :- یعنی چار چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنتیں ہیں۔ حیا، عطر لگانا مسواک کرنا نکاح کرنا۔ دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ان سنتنا النکاح شرارکم عزابکم۔ (رواہ ابو یعلی فی مسندہ کذا فی البرہان) ترجمہ نکاح ہماری سنت ہے۔ تم میں سے برے وہ لوگ ہیں جو مجرد ہیں۔ تیسری حدیث میں فرمایا ہے۔ النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ (کذا فی فتح الباری والبرہان) ترجمہ :- نکاح میری سنتوں میں سے ہے تو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرا نہیں۔

پس کسی مسلمان لڑکے یا لڑکی کو جبکہ وہ بالغ ہو چکے ہوں مگر قانونی عمر سے کم عمر رکھتے ہوں یا اُن کے اولیا کو ایک ایسے امر سے روکنا جو شعار اسلامی ہے مذہبی مداخلت کی صُور چہارگانہ میں سے دوسری صورت میں داخل ہے۔

تیسری صورت یعنی جن امور کو مذہب نے مؤکد یا مستحسن قرار دیا ہے اُن سے روکنا قرآن کریم۔ وانکحوا الایامٰی منکم (سورۂ نور) ترجمہ :بے شوہر والی عورتوں اور بے بیوی والے مردوں کے نکاح کردو۔ ایامٰی جمع کا صیغہ ہے اس کا مفرد اَیِّمٌ ہے جو ایسے مرد کے لئے جس کی بیوی نہ ہو اور ایسی عورت کے لئے جس کا خاوند نہ ہو بولا جاتا ہے۔ خواہ یہ بالکل بن بیاہے ہوں یا بیاہے ہوں مگر پھر تنہا رہ گئے ہوں مفردات امام راغب میں ہے۔ الایم ھی المرأۃ التی لا بعل لھا وقیل للرجل الذی لا زوج له۔ یعنی جس عورت کا خاوند نہ ہو اور جس مرد کی بیوی نہ ہو دونوں کو اَیِّم کہا جاتا ہے۔ لسان العرب صفحہ ۳۰۵ جلد ۱۲ میں ہے۔ الایامٰی الذین لا ازواج لھم من الرجال والنساء ورجل ایم سواء کان تزوج قبل او لم یتزوج والایم من النساء التی لا زوج لھا بکرا کانت او ثیبا۔ ترجمہ: ایامٰی اُن مردوں کو جن کی بیویاں نہ ہوں اور اُن عورتوں کو جن کے شوہر نہ ہوں کہا جاتا ہے۔ مرد کو خواہ اس نے شادی کی ہو یا نہ کی ہو مگر بغیر بیوی کے رہ جائے ایم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عورت کو خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ مگر بے خاوند کی ہو ایم کہا جاتا ہے۔ اور انکحوا امر کا صیغہ ہے۔ جو یہاں پر کم از کم استحباب مؤکد کے لئے ہے۔ تفسیر خازن میں ہے۔ والامر المذکور فی الآیۃ امر ندب واستحباب لاجماع السلف علیه (صفحہ ۵۹ جلد ۵)
یعنی صیغہ امر اس آیت میں ندب و استحباب کے لئے ہے کیونکہ سلف کا اس پر اجماع و اتفاق ہے۔
فھی (ای صیغۃ الامر فی قوله وانکحوا) علی الندب لا علی الاباحۃ (مقدمات ابن رشد صفحہ ۲۲ جلد ۲)
یعنی اس آیت میں امر کا صیغہ ندب کے لئے ہے نہ کہ اباحت کے لئے۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من[1] تزوج فقد استکمل نصف الایمان۔ (جمع الفوائد) یعنی جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنا آدھا ایمان کامل کر لیا۔ اور فرمایا۔ من[2] تزوج ثقۃ باللہ احتسابا کان حقا علی اللہ ان یعینه وان یبارك له (طبرانی کذا فی جمع الفوائد) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے بہ نیتِ ثواب نکاح کرے گا خدا تعالیٰ ضرور ہی اس کی امداد فرمائے گا اور برکت دے گا۔ یا[3] علی ثلاث لا تؤخرھا الصلوۃ اذا اتت

والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوًا (رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ) ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اے علی! تین چیزیں ایسی ہیں جن میں تاخیر اور دیر نہ کرنا ۔ نماز جب اس کا وقت آجائے ۔ جنازہ جب تیار ہوجائے ۔ اور بے خاوند کی عورت جب اس کے لائق رشتہ میسر ہوجائے۔

اِن حدیثوں کے علاوہ وہ حدیثیں بھی ملاحظہ کی جائیں جو دوسری صورت کے بیان میں اوپر لکھی جاچکی ہیں ۔ ان تمام احادیث اور ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث سے بھی نکاح کی فضیلت اور اس کا مستحب مؤکد ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے ۔ اور حضرت علیؓ کی روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مناسب رشتہ اور کفو میسّر ہونے پر نکاح میں تاخیر اور دیر کرنی ناجائز ہے ۔ کیونکہ لڑکیوں کے لئے سب سے زیادہ اہم بات یہی ہے کہ اچھے اور لائق خاوند میسر آجائیں اور یہ ہر وقت میسر نہیں ہوتے اس لئے ایسا رشتہ ملنے کی صورت میں نکاح کردینے اور تاخیر نہ کرنے کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔

روایاتِ فقہیہ ۔ ویسنّ حالة الاعتدال (البرہان شرح مواہب الرحمٰن) ترجمہ:۔ نکاح حالتِ اعتدال میں بھی یعنی اگرچہ شدتِ حاجت نہ ہو مسنون ہے ۔ ویکونُ سنة مؤکدة فی الاصح فیاثم بترکه (درمختار) یعنی نکاح سنتِ مؤکدہ ہے ۔ پس اس کے ترک سے گنہگار ہوگا ۔ فھو انه فی حالة الاعتدال سنة مؤکدة (فتاوی عالمگیری) یعنی درمیانی حالت میں نکاح سنّتِ مؤکّدہ ہے ۔ قالَ الحنفیة ھو عبادة (فتح الباری) یعنی حنفیہ کہتے ہیں کہ نکاح ایک عبادت ہے ۔ ولیسَ لنا عبادة شرعت من عھد آدم الی الآن ثم تستمر فی الجنة الا النکاح والایمان (درمختار) یعنی ہمارے لئے کوئی عبادت ایسی نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوکر اب تک قائم رہی ہو اور پھر جنّت میں بھی برقرار رہے مگر نکاح اور ایمان۔

پس قرآن پاک اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہ اسلامی سے نکاح کا مسنون اور کم از کم مستحب مؤکد ہونا ثابت ہوتا ہے اور سارداایکٹ کے ذریعہ سے ایک مدّتِ معینہ تک اس کی ممانعت اور بندش ہوتی ہے ۔ اس لئے یہ مذہبی مداخلت کی تیسری صورت میں داخل ہے۔

تنبیہ:۔ واضح رہے کہ اگر لڑکا اور لڑکی نابالغ اور ناقابل مباشرت بھی ہوں جب بھی ان کے عقدِ نکاح کو منع کرنا اور جُرم قرار دینا مذہبی مداخلت ہے ۔ اور اگر بالغ ہوں مگر ۱۴ اور ۱۸ سال سے کم عمر رکھتے ہوں تو پھر عقدِ نکاح اور مباشرت دونوں پر بندش عائد کرنا مذہبی مداخلت ہے۔

چوتھی صورت یعنی ایسے امور سے روکنا جو صرف جائز ہیں مگر مذہبی حق سمجھے جاتے ہیں | چھوٹے بچوں اور بچیوں کا نکاح کر دینا اگرچہ لازمی اور ضروری نہیں ہے مگر اسلام نے اسے جائز رکھا ہے اور اس سے منع نہیں کیا۔ اور یہ حق ایک اسلامی حق قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ثبوت میں دلائل ذیل ملاحظہ ہوں۔

قرآن کریم۔ وَالّٰلٓائِی یَئِسْنَ من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر والّٰلائی لم یحضن (سورۂ طلاق) ترجمہ:۔ تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں کہ حیض سے (بوجہ پیرانہ سالی) نا اُمید ہو جائیں۔ اگر تمہیں ان کے بارے میں شک و شبہ ہو تو اُن کی عدت تین مہینے ہے۔ اور ان بچیوں کی بھی جنہیں اب تک حیض آنا شروع نہیں ہوا۔

اسلامی قانون نے غیر حاملہ عورتوں کے لئے طلاق کی عدت تین حیض قرار دی ہے۔ مگر جن عورتوں کو پیرانہ سالی کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو یا ایسی منکوحہ لڑکیاں جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا اس آیت میں ان کی عدت بیان کی گئی ہے کہ یہ دونوں قسم کی عورتیں تین مہینے عدت گزاریں۔ اس آیت میں غیر حائضہ نابالغہ لڑکیوں کی عدت کا حکم بیان کرنا اس کی دلیل ہے کہ نابالغہ لڑکیوں کا عقدِ نکاح جائز ہے۔ ورنہ طلاق اور اس کی عدت کا حکم بیان کرنے کے کچھ معنی نہیں ہو سکتے۔

یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے ایسے نکاح ہوتے تھے اور ان کی وجہ سے کم عمر منکوحہ بچیوں کو طلاق دینے کے واقعات پیش آتے تھے اس لئے ان کی عدت بیان کر دی گئی ہے۔ پس اس آیت سے ایسے نکاح کر دینے کا جواز نہیں نکلتا۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق کی عدت بتانا اور نکاح جس پر طلاق مرتب ہوتی ہے اس کے حکم سے سکوت فرمانا نکاح کے جواز کی صریح دلیل ہے۔ اگر ان بچیوں کا نکاح ناجائز ہوتا تو ضرور اس کی تصریح بھی یہیں کر دی جاتی۔ جب اس کے عدم جواز کی تصریح نہیں کی گئی اور ان کی طلاق کی عدت بتائی گئی تو نکاح کے جواز میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَاءِ (سورۂ نساء) ترجمہ:۔ اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیم بچیوں کے بارے میں تم انصاف نہ کر سکو گے، تو انہیں چھوڑ کر اور عورتیں جو تمہیں اچھی معلوم ہوں ان سے نکاح کرو۔

اِس آیت کا مطلب جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے یہ ہے کہ جن لوگوں کی

تربیت میں یتیم بچیاں ہوتی تھیں اور وہ صاحبِ مال یا صاحبِ جمال ہوتی تھیں تو یہ ولی اُن کے ساتھ نکاح کر لیتے تھے اور تھوڑا سا مہر مقرر کر دیتے تھے اور اگر وہ صاحبِ مال یا صاحبِ جمال نہ ہوتیں تو پھر خود نکاح نہیں کرتے تھے اور دوسرے رشتے تلاش کرتے تھے۔ تو حق تعالیٰ نے ان کو اس ناانصافی سے منع کیا ہے۔ فرمایا کہ اگر تم ان بچیوں سے انصاف کا معاملہ نہ کرو اور پورا مہر نہ باندھو تو ان کے ساتھ نکاح مت کرو یعنی اگر اُن کے ساتھ انصاف کرو اور پورا مہر باندھو تو نکاح جائز ہے۔ ممانعت صرف ناانصافی کی صورت میں ہے۔ یہ ایسے اولیا کے لئے حکم تھا جن کے لئے زیرِ تربیت یتیمہ بچیوں کے ساتھ نکاح کر لینا جائز ہوتا ہے۔ جیسے بچا زاد بھائی وغیرہ۔ پس اس آیت سے بھی یتیمہ بچیوں کے ساتھ (صغر سنی میں) نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ صرف ناانصافی کی صورت میں نکاح کرنے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ یہ حکمِ ممانعت اولیا کو اسی حالت میں دیا جا سکتا ہے جبکہ یتیمہ ابھی خود مختار نہ ہوئی ہو اور ولی اپنے اختیار سے ناانصافی کے ساتھ عقد کرلے۔ اور یتیم اور یتیمہ کا اطلاق انھیں بچوں پر آتا ہے جن کے باپ کا انتقال ہو گیا ہو اور وہ ابھی نابالغ ہوں۔

مفردات راغب میں ہے۔ الیتم انقطاع الصبی عن ابیہ قبل بلوغہ (ص ۵۷۲) یعنی بچے کا نابالغی کی حالت میں بن باپ کے رہ جانا یتیمی ہے۔ تاج العروس شرح قاموس میں ہے۔ وھو یتیم مالم یبلغ الحلم فاذا بلغ زال عنہ اسم الیتیم (ص ۱۱۳ ج ۹) یعنی بچہ اُس وقت تک یتیم کہلاتا ہے جب تک بالغ نہ ہو اور جب بالغ ہو جائے تو یتیم کا اطلاق اس پر سے اُٹھ جاتا ہے۔ ایک حدیث میں بھی اس کی تصریح ہے۔ لا یتم بعد الحلم (کذا فی فتح القدیر) یعنی بلوغ کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔

پس جس طرح آیت کے پہلے حصہ سے نابالغہ لڑکیوں کے نکاح کا جواز ثابت ہے اسی طرح دوسرے حصے فانکحوا ما طاب لکم من النساء سے بھی جواز ثابت ہوتا ہے کہ اس میں بالغہ نابالغہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زیرِ تربیت یتیم بچیوں کو چھوڑ کر دوسری جن عورتوں سے چاہو نکاح کرو خواہ وہ بالغہ ہوں یا نابالغہ۔

یہاں پر یہ کہا جاتا ہے کہ نساء کا لفظ بالغہ عورتوں پر ہی بولا جاتا ہے۔ مگر یہ ایسے ہی شخص کا قول ہو سکتا ہے جسے نہ قرآن مجید کے احکام کی خبر ہے نہ الفاظ کی۔ نہ وہ عربی زبان سے واقف ہے نہ عربی لغت سے۔ قرآن مجید میں آیت میراث میں وَاِنْ کُنَّ نِسَاءً موجود ہے۔ یعنی اگر میت کی اولاد میں دو

سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو اُن کا حصہ باپ کے ترکہ میں ⅔ ہے۔ یہاں نساء کا لفظ ہے۔ اور ایک دن کی بچی بھی اس حکم میں داخل ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ نابالغہ لڑکیوں کے لئے باپ یا ماں کے ترکہ میں حصہ نہیں ہے اس لئے کہ وہ لفظ نساء میں داخل نہیں ہیں۔ اسی طرح بہت سی آیتوں میں لفظ نساء میں بچیاں اور پوری عورتیں شامل رکھی گئی ہیں۔

وانکحوا الایامیٰ منکم۔ (سورۂ نور) اس آیت میں بھی بالغہ اور نابالغہ سب داخل ہیں کیونکہ اَیِّم بن عورت کے مرد اور بن شوہر کی عورت کو کہتے ہیں خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ۔ اور جبکہ تیرہ سال کی لڑکی بالغہ ہو جائے یا پندرہ سولہ سال کا لڑکا بالغ ہو جائے تو اس امر استحباب کا اس کے متعلق ہو جانا ظاہر ہے۔ اور بلوغ سے پہلے بھی جبکہ اچھا رشتہ میسر ہوتا ہو تو صرف عقدِ نکاح کر دینا بھی اسی کے ماتحت داخل ہے۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس میں قولی اور فعلی دونوں قسم کی روایتیں موجود ہیں۔

اَلْاَنکاح الی العصبات (رواہ سبط ابن جوزی کذا فی فتح القدیر) ترجمہ۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ بچوں کے نکاح کر دینے کا اختیار عصبات کو ہے۔ وعن عائشة قالت تزوجنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین وبنیٰ بی وانا بنت تسع سنین (رواہ البخاری)۔ ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے میرے ساتھ نکاح اس وقت کیا جب میں چھ سال کی تھی اور زفاف اس وقت کیا جب میں نو سال کی تھی (اور شوہر کے قابل ہو گئی تھیں) وزوّج صلی اللہ علیہ وسلم بنت عمہ حمزة رضی اللہ عنہ من عمر بن ابی سلمة وھی صغیرة (کذا فی فتح القدیر) ترجمہ:۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چچا زاد بہن (امامہ) بنت حمزہؓ کا نکاح عمر بن ابی سلمہ کے ساتھ ایسے وقت میں کر دیا کہ وہ صغیرہ تھیں۔

آثار صحابۂ کرام۔ تزوّج قدامة بن مظعون بنت الزبیر یوم ولدت (فتح القدیر) یعنی قدامہ بن مظعون صحابی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی لڑکی سے اس کے یوم ولادت ہی میں نکاح کر لیا۔ اُمّ کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امھا فاطمة الزھراء رضی اللہ عنہا خطبھا عمر بن الخطاب الی علی فقال انھا صغیرة (الی قولہ) فان رضیتھا فقد زوجتکھا (انتھی مختصراً ما فی الاستیعاب لابن عبدالبر) یعنی حضرت عمرؓ نے ام کلثومؓ کے لئے

جو حضرت علی کی حضرت فاطمہ سے صاحبزادی تھیں اپنے نکاح کا پیغام دیا تو حضرت علی نے عذر کیا کہ وہ بھی بچی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں خاندانِ نبوت کے ساتھ نسبت پیدا کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں تو حضرت علی نے فرمایا کہ اچھا میں اس کے ہاتھ آپ کی خدمت میں ایک چادر بھیجتا ہوں وہ آپ کے سامنے آئے گی۔ اگر آپ اس سے نکاح کرنا پسند کریں تو میں نے آپ کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ (اسی طرح الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں ابن حجر عسقلانی نے بھی ذکر کیا ہے)

روایاتِ فقہیہ ۔ ویجوز نکاح الصغیر والصغیرۃ اذا زوجھما الولی بکرا کانت الصغیرۃ او ثیبا (ہدایہ) یعنی صغیر اور صغیرہ کا نکاح جائز ہے جبکہ ولی ان کا نکاح کرے صغیرہ خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ لقولہ[۲] تعالیٰ واللائی لم یحضن فاثبت العدۃ للصغیرۃ وھو فرع تصور نکاحھا شرعا وتزویج ابی بکر عائشۃ رضی اللہ عنہا وھی بنت ست نص قریب من المتواتر وتزوج قدامۃ بن مظعون بنت الزبیر مع علم الصحابۃ رضی اللہ عنہم نص فی فھم الصحابۃ عدم الخصوصیۃ فی نکاح عائشۃ (فتح القدیر) یعنی صغیر اور صغیرہ کے نکاح کے جواز کی دلیل یہ آیت ہے۔ واللائی لم یحضن۔ کہ اس میں صغیرہ مطلقہ کی عدت بیان کی گئی ہے۔ اور عدت جب ہی ثابت ہو سکتی ہے کہ اس کے نکاح کو شریعت نے معتبر رکھا ہے اور حضرت ابوبکرؓ کی جانب سے حضرت عائشہؓ کی کم عمری (چھ سال کی عمر) میں ان کا نکاح کر دیا جانا ایسی نص ہے جو متواتر کے قریب ہے۔ اور قدامہ بن مظعون صحابی کا حضرت زبیرؓ کی نوزائیدہ بچی سے صحابہ کرامؓ کے علم و اطلاع میں نکاح کر لینا اور کسی کا انکار نہ کرنا اس بات کی نص ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت عائشہؓ کی کم عمری کے نکاح کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں سمجھا۔ ولنا[۳] قولہ تعالیٰ وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء (الآیۃ) منع من نکاحھن عند خوف عدم العدل فیھن وھذا فرع جواز نکاحھن عند عدم الخوف (فتح القدیر) یعنی صغیرہ کے نکاح کے جواز میں ہماری دلیل یہ آیت ہے۔ فانکحوا کہ اس میں ناانصافی کے خوف کی حالت میں یتیمہ بچیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ جب ناانصافی کا خوف نہ ہو تو یتیمہ بچیوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ (اور یتیمہ وہی بچی ہے جو نابالغہ ہو) اجمع[۴] المسلمون علی تزویجہ بنتہ البکر الصغیرۃ (نووی شرح مسلم) یعنی مسلمانوں کا اجماع و اتفاق ہے کہ

باپ اپنی چھوٹی بچی باکرہ کا نکاح کر سکتا ہے۔ لولی الصغیر والصغیرۃ ان ینکحھما (برجندی کذا فی الفتاوی العالمگیریہ) یعنی صغیر اور صغیرہ کے ولی کو یہ حق ہے کہ اُن کا نکاح کردے۔ سواء کانت بکرا او ثیبا (کذا فی العینی شرح الکنز) خواہ لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اسی طرح تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ ان سب کی عبارتیں نقل کرکے میں اس مکتوب کو طویل کرنا نہیں چاہتا۔

پس قرآن مجید اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہ اسلامی نے اولیا کو یہ حق دیا ہے اور یہ حق ان کا شرعی اسلامی حق ہے اس کو سلب کرنا ایسی ہی مداخلت ہے جس طرح کہ ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کرنے کے شرعی حق کو یا گائے کی قربانی کرنے کے شرعی حق کو یا برب شارع مسجد تعمیر کرنے کے شرعی حق کو قانون کے ذریعے سے جُرم قرار دینا مذہبی مداخلت ہے۔

میں یہاں پر یہ بھی واضح کردوں کہ تمام مسلمانوں کا مذہبی اعتقاد یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کا قانون ایسا کامل اور مکمل قانون ہے کہ اس میں قیامت تک کسی ترمیم تبدیل، اضافہ یا کمی کی گنجائش نہیں ہے۔ غیر مسلم تو کجا کسی مسلمان کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ اسلامی قانون کے مقابلے میں کوئی دوسرا قانون وضع کرے یا اس کی تائید و حمایت کرے۔ پس اس اعتقاد و یقین کے ہوتے ہوئے وہ ایک آن کے لئے بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی ایسی جماعت جس میں مسلم و غیر مسلم شریک ہوں اور غیر مسلموں کی اکثریت ہو مسلمانوں کے لئے کوئی قانون وضع کرکے ان کے اسلامی حقوق میں دست اندازی کرے۔

مذہبی مداخلت کے مفہوم کی دوسری جہت | مذہبی مداخلت کے مفہوم کی دوسری جہت یہ ہے کہ مسلمانوں کو قانون کے ذریعے سے کسی ایسے امر کے لئے مجبور کیا جائے جو ان کے مذہب میں ناجائز ہے۔ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ بعض حالات میں اٹھارہ سال سے کم عمر کے لڑکے اور چودہ سال سے کم عمر لڑکی کا نکاح کرنا شرعاً واجب اور فرض ہو جاتا ہے اور ترک نکاح ناجائز اور حرام ہو جاتا ہے۔ اور یہ قانون ان کو تکمیل عمر قانونی سے پہلے ترکِ نکاح پر مجبور کرے گا جو مذہباً ناجائز اور حرام ہوگا۔ اور اس دوسری جہت سے بھی یہ ممانعت مذہبی مداخلت ہوگی۔

مسلمان قوم کی نارضامندی کے باوجود اس کا اطلاق مسلمانوں پر کیا گیا ہے | اس کے ثبوت کے لئے مجھے تطویل کی حاجت نہیں۔ ہز ایکسلنسی سے یہ امر پوشیدہ نہ ہوگا کہ:-

(۱) مسلم ممبران اسمبلی کی اکثریت نے ستمبر ۱۹۲۸ء میں ایک یادداشت جس پر بائیس مسلم ارکان کے دستخط تھے ہوم ممبر کی خدمت میں پیش کردی تھی اور بل سے اپنا اختلاف اس بنا پر ظاہر کیا تھا کہ اس بل سے شریعت اسلامیہ میں مداخلت ہوتی ہے۔ (۲) منتخبہ کمیٹی کے دو مسلمان ممبروں مسٹر محمد یعقوب و مسٹر محمد رفیق صاحبان نے اپنے اختلافی نوٹ میں یہ ظاہر کیا تھا کہ اس بل سے مسلمانوں کے پرسنل لا پر اثر پڑتا ہے اس لئے یہ بل کے اصول کے خلاف ہے۔ (۳) مسٹر غزنوی نے اسی مرحلے پر علمائے اسلام کا ایک فتویٰ بھی ہوم ممبر کو دیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بل مذہب اسلام کے اصول و احکام پر اثر ڈالتا ہے اس لئے شرعاً قابل قبول نہیں (۴) فروری ۱۹۲۹ء میں بھی اس بل کے پیش ہونے کے وقت مسلمانوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ بل اسلامی اصول کے مخالف ہے۔ (۵) ستمبر ۲۹ء میں بھی بائیس مسلمان حاضر ارکان میں سے سولہ مسلمان ممبروں نے بل کو مخالف اصول اسلامی بناتے ہوئے اس سے اپنی بیزاری کا تحریری بیان ہوم ممبر کو دیا۔ (۶) مولانا محمد شفیع داؤدی نے ترمیم پیش کی کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو مسلمان منتخب شدہ ارکان میں سے بارہ نے ترمیم کے موافق اور صرف پانچ نے مخالف رائے دی۔ مسلمان منتخب شدہ انتیس ارکان میں سے صرف سات نے بل کی موافقت میں رائے دی ہے۔ (۷) کونسل آف اسٹیٹ کے تمام مسلمان ممبروں نے (باستثنائے گورنمنٹ کے مسلم ارکان کے) بل کے خلاف تحریری بیان دیا۔ (۸) ۳۰ مارچ ۱۹۲۸ء کو روزانہ "ہمدرد" میں مولانا محمد علی کا ایک بسیط مضمون بل کے خلاف شائع ہوا۔ (۹) ۱۰ اپریل ۱۹۲۸ء کے اخبار الجمعیۃ میں اس کے خلاف مضمون لکھا گیا اور اس کو مذہبی مداخلت بتایا گیا۔ (۱۰) میں نے اپریل ۲۸ء میں ۲۲ سے پہلے تمام ارکان اسمبلی کو تار دیا کہ اس قسم کے قوانین مذہب اسلام میں ناجائز مداخلت ہیں۔ یہ تار ۲۲ اپریل ۲۸ء کے الجمعیۃ میں شائع ہو چکا ہے۔ (۱۱) ۲۶ اپریل ۲۸ء جمعیۃ علمائے ہند کے اخبار الجمعیۃ میں اس پر مبسوط لیڈر لکھا گیا۔ جس کی دوسری قسط ۲۹ اپریل ۲۸ء کے الجمعیۃ میں شائع ہوئی۔ اس میں پوری وضاحت اور دلائل کے ساتھ بتایا گیا کہ اس قسم کے بل اسلامی پرسنل لا پر اثر انداز ہیں اس لئے قابل قبول نہیں۔ (۱۲) ۶ مئی ۲۸ء الجمعیۃ میں نہایت مبسوط مدلل لیڈر لکھا گیا جس کی دوسری قسط ۱۰ مئی ۲۸ء کے الجمعیۃ میں شائع ہوئی۔ (۱۳) ۱۸ مئی ۲۸ء ۲۲ مئی ۲۸ء کے الجمعیۃ میں بھی اس کے خلاف مضامین چھپے (۱۴) ۱۶ اپریل ۲۸ء کے الانصار دیوبند نے اس کے خلاف مضمون لکھا اور اس کو اسلامی پرسنل لا

کے خلاف بتایا۔ (۱۵) ۱۱ر اگست ۲۹ء کو جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس مرکزیہ کے اجلاس مرادآباد نے اس کے خلاف تجویز پاس کی اور وائسرائے اور پریسیڈنٹ اسمبلی اور اراکین اسمبلی کو بھیجی گئی۔ (۱۶) ۱۳، ۱۶ر اگست ۲۹ء کے الجمعیۃ میں ایک میرا طویل مضمون دو قسطوں میں شائع ہوا جس میں اس قانون کی مخالفت کی گئی۔ (۱۷) اس کے بعد الجمعیۃ میں متواتر یکم ستمبر ۲۹ء ۵ر ستمبر ۹ر ستمبر ۱۳ ستمبر ۲۰ ستمبر ۲۴ر ستمبر ۲۸ر ستمبر کو اس کے خلاف مضامین لکھے گئے۔ تار دیئے گئے اور صراحۃً بتایا گیا کہ یہ بل اسلامی پرسنل لا کے خلاف ہے اس لئے مسلمان اسے ہرگز قبول نہ کریں گے۔ (۱۸) پھر اکتوبر ۲۹ء میں یکم اکتوبر ۵ر اکتوبر ۹ر اکتوبر ۱۳ر اکتوبر ۱۶ر اکتوبر ۲۰ر اکتوبر ۲۴ر اکتوبر ۲۸ر اکتوبر کے الجمعیۃ کی اشاعتوں میں برابر اس سے اختلاف اور بیزاری کا اظہار کیا گیا۔ یہ اگرچہ بل کی منظوری کے بعد کے مضامین ہیں مگر میں نے اس لئے ذکر کر دیئے ہیں کہ جناب والا کو مسلمانوں کی عام بیزاری کا بخوبی علم ہو جائے۔ (۱۹) ماہ ستمبر کے وسط سے تمام مسلم پریس اس کی مخالفت اور اظہار بیزاری میں ہم آہنگ ہے۔ جن اخباروں کے مضامین میں نے خود دیکھے ہیں اُن کے نام یہ ہیں:۔ ہمدرد[1] دہلی۔ الجمعیۃ[2] دہلی۔ ملت[3] دہلی۔ انقلاب[4] لاہور۔ زمیندار[5] لاہور۔ سیاست[6] لاہور۔ سچ[7] لکھنؤ۔ صراط[8] شیعہ اخبار لکھنؤ۔ ہمت[9] لکھنؤ۔ الامان[10] دہلی۔ مہاجر[11] دیوبند۔ الانصار[12] دیوبند۔ عصر جدید[13] کلکتہ۔ خلافت[14] بمبئی۔ حقیقت[15] لکھنؤ۔ امارت[16] پٹنہ۔ ترجمان[17] سرحد۔ شہاب[18] راولپنڈی۔ اتحاد[19] پٹنہ۔ الخلیل[20] میرٹھ۔ (۲۰) بالعموم رہنمایان مذہب اور مقتدایان قوم نے اس سے بیزاری کا اعلان کیا۔ مثلاً مولانا محمد علی صاحب۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب۔ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار۔ مولانا محمد عرفان صاحب سکریٹری خلافت کمیٹی۔ میر غلام بھیک صاحب نیرنگ سکریٹری انجمن تبلیغ الاسلام انبالہ۔ مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب دانا پوری۔ شمس العلما سید نجم الحسن صاحب مجتہد۔ مولانا سید ناصر حسین صاحب مجتہد۔ شمس العلما، مولانا سبط حسن صاحب۔ مولانا قطب الدین عبدالوالی صاحب فرنگی محلی۔ مولانا عبیداللہ صاحب بچھرایونی۔ مولانا عمر دراز بیگ صاحب ناظم جمعیۃ علما صوبہ متحدہ۔ مولانا سید ولایت حسین صاحب الہ آبادی وغیرہم۔ (۲۱) مذہبی اداروں اور مذہبی حلقوں نے بھی اس کو مذہب کے خلاف قرار دیا۔ اور اس سے بیزاری کا اعلان کیا۔ مثلاً جمعیۃ علمائے ہند۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ دارالعلوم دیوبند۔ مظاہر العلوم سہارنپور۔ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ۔ اہل حدیث کانفرنس وغیرہ۔ (۲۲) ہندوستان کے بہت سے شہروں اور قصبوں میں جلسے ہوئے جن میں ہزارہا مسلمانوں نے مجمع عام میں بالاتفاق اس بل کے مسلمانوں پر اطلاق

سے ناراضی ظاہر کی اور اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان مقامات اور جلسوں کی روداد بہت طویل ہے اخبارات میں یہ اطلاعات پیہم شائع ہوتی رہتی ہیں۔ (۲۳) ابھی حال میں ۲۷ اکتوبر کو دہلی میں ہندوستان کی متعدد مجالسِ اسلامیہ اور جمعیتہ ہائے قومیہ کے نمائندوں کا ایک جلسہ ہوا ہے اس میں بالاتفاق اس بل سے ناراضی اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے اور اس سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کرانے کے لئے انتہائی قربانی تک کا تہیہ کر لیا گیا ہے۔ یہ تجویز جناب والا کی خدمت میں بھیجی جا چکی ہے۔

ان تمام حقائق و واقعات کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس بل کا اطلاق مسلمان قوم کی ناراضی اور اظہارِ بیزاری اور عدم قبول کے اعلان کے باوجود مسلمانوں پر کیا گیا ہے جو اصولِ انصاف کے خلاف ہے۔

مسلمانوں کے حق میں اس کی حیثیت آئینی نہیں بلکہ جبری ہے فروری سنہ ۱۹۲۷ء میں اس بل کو رائے صاحب مسٹر ہربلاس ساردا نے ایسے مسودے کی صورت میں پیش کیا تھا جو ہندو قوم کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس کے بعد جب مجلسِ منتخبہ[۱] نے اس کو عام کر دیا اور دوبارہ یہ اسمبلی میں فروری سنہ ۲۹ء میں پیش ہوا تو اس پر یہ بجا اعتراض کیا گیا کہ چونکہ یہ بل مسلمانوں کے پرسنل لا پر اثر انداز ہے اس لئے بغیر وائسرائے کی منظوری جدید کے زیرِ غور نہیں آ سکتا۔ اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۶۷ ضمن (۱) کا حوالہ دیا گیا۔ لیکن باوجود اس کے اس پر غور کیا گیا حتّٰی کہ پاس کر دیا گیا۔ یہ کارروائی دفعہ ۶۷ ضمن (۱) کی صریح خلاف ورزی ہے اور جبکہ اصولی طور پر یہ اسمبلی میں وائسرائے کی منظوری کے بغیر پیش نہیں ہو سکتا تھا تو اس کے بعد کی تمام کارروائی مسلمانوں کے حق میں آئینی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر یہ ان پر نافذ کیا گیا تو یہ نفاذ آئینی نہیں بلکہ جبری ہوگا۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ ستمبر سنہ ۲۸ء میں بائیس مسلمان ممبروں نے اس کو اپنے تحریری بیان میں اسلامی پرسنل لا کے خلاف قرار دیا تھا اور مسٹر غزنوی نے ستر علما کا دستخطی فتویٰ بھی اسی مفاد کے لئے پیش کر دیا تھا تو اس کے بعد فروری سنہ ۲۹ء کی یہ کارروائی کہ اس کو بغیر جدید منظوری گورنر جنرل کے اسمبلی میں پیش کر دیا گیا کس طرح قابلِ قبول ہو سکتی ہے؟ اگر اسمبلی کی غیر مسلم اکثریت اس کا فیصلہ کرنے کی بھی مجاز بنا دی جائے کہ کوئی بل اسلامی پرسنل لا کے خلاف ہے یا نہیں تو مسلمانوں کے لئے اس کے سوا چارہ نہ ہوگا

---

[۱] سلیکٹ کمیٹی۔

کہ وہ ہندوستان میں اپنے مذہب کے غیر محفوظ ہو جانے کا یقین کرلیں اور اس قسم کے یقین تو کیا سرسری خیال کے نتائج بھی جناب والا سے مخفی نہ ہوں گے۔

اس قانون کے پاس ہو جانے سے پرسنل لا میں مداخلت کا دروازہ کھل گیا ہے میں جناب والا کی توجہ اس گہرے اور عمیق رخنے کی طرف مبذول کرانا اپنا فرض سمجھتا ہوں جو اس قانون کے پاس ہو جانے سے مذہبی آزادی اور ہر مذہب کے پرسنل لا کی حفاظت کی مضبوط دیوار میں پڑ گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلمان اپنے مذہب اور مذہبی احکام کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور انھیں اس کا بھی یقین ہے کہ اسلام ایک کامل اور مکمل مذہب ہے۔ اس کا قانون، الٰہی قانون ہے جس میں کسی قسم کی اصلاح و ترمیم کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے اُن کے واسطے اس قانون کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اسلام کے قوانین اور احکام نے ان کو ایسے اُمور کی بابت قانون ساز مجالس کا مرہونِ منت ہونے سے ہمیشہ کے لئے بے نیاز کر دیا ہے۔ اگر آج اس رخنہ کو بند نہیں کیا گیا تو پھر جس نظریہ کو پیشِ نظر رکھ کر یہ قانون بنایا گیا ہے اور حفظانِ صحت اور خیر خواہی بنی نوع انسان کا جو شریف جذبہ اس کا محرک بتایا جاتا ہے اُسی نظریہ اور اُسی جذبہ کی بنا پر ایسے ایسے بل پیش ہو سکتے ہیں جن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جائے گا کہ ایک مرد کے لئے ایک سے زائد زوجہ کا ہونا صنفِ نازک پر ظلم ہے اس لئے اس کو قانوناً جرم قرار دیا جائے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواج جائز ہے اور نص قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اسی طرح مستورات کے لئے بے حجابی کی بابت کسی بل کا پیش ہونا کوئی مستبعد نہیں ہے۔ کہا جائے گا کہ برقعہ پوشی سے مستورات کی صحت خراب ہوتی ہے۔ اس لئے مستورات کو پردہ اور حجاب میں رکھنا جرم قرار دیا جائے اور اس کے لئے بھی سزائیں تجویز کی جائیں۔ اور کسی ایسے بل کا آنا بھی ممکن ہے کہ شہر کی عام گذرگاہوں پر کسی قوم کو معابد بنانے کی اجازت نہ دی جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ختنہ کو بچوں پر ظلم قرار دے کر جرم قرار دیا جائے۔ روشن خیال اور شریعتِ اسلامیہ سے ناواقف اشخاص اس قسم کے بلوں کی تائید کریں گے۔ جیسے کہ زیرِ بحث قانون کی حمایت میں اسی قسم کے چند مسلمان کر رہے ہیں۔ اور اس کے بعد جو فتنہ برپا ہوگا اس کا تصور بھی اس وقت ناممکن ہے۔

اور یہ کہ نکاح کو آج تک قانونی طور پر بھی مسلمانوں کے پرسنل لا میں داخل رکھا گیا تھا تو اگر آج اس قانون کے اسمبلی میں آنے اور پاس ہو جانے کی موجودہ صورت کو قبول کرلیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں

کردہ اپنے تمام اسلامی قانون یعنی پرسنل لا کو اسمبلی کی غیر مسلم اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ ہندوستان کی اسمبلی میں مسلمانوں کی اکثریت بظاہر حالات ناممکن ہے۔ اور اس امر کے تصور سے بھی ایک سچے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے۔

میں جناب سے درخواست کروں گا کہ اس معاملہ کو صرف اس نظر سے نہ دیکھیں کہ یہ قانون بچوں کی شادی کے انسداد کے لئے بنایا گیا ہے۔ بلکہ اس کے عواقب و نتائج پر پورا غور فرما کر اس قانون کے ساتھ اس خطرناک نظریہ کا بھی آئندہ کے لئے سد باب کر دیں کہ "مسلمانوں کے پرسنل لا کے متعلق کوئی قانون بھی اسمبلی میں بغیر مسلمان قوم کی متفقہ منظوری کے پیش کیا جا سکتا ہے۔"

اس بل کے لئے فرقۂ شیعہ کی جانب سے کوئی قابلِ اعتنا شہادت ہی نہیں لی گئی اور سُنّی فرقے کی شہادت بھی نہایت کم اور ناقابلِ اعتنا ہے۔ کیونکہ مذہبی اداروں اور اسلامی آزاد حلقوں کی شہادت بہت کم ہے۔ مصر اور بعض دیگر اسلامی حکومتوں کی نظیر پیش کرنی اس لئے فضول ہے کہ اسلامی حکومت اور غیر مسلم اکثریت کے احکام میں تباین ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

اس وقت اس طویل مکتوب کے ملاحظہ کرنے کی جناب کو تکلیف دینے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ سارد ابل نے آخری مرحلہ آپ کی غیبت میں طے کیا۔ اور اس وقت اس بل کے خلاف جس قدر آئینی اور قانونی کارروائیاں ہو سکتی ہیں سب اختیار کی گئیں اور بار بار مختلف طریقوں سے توجہ دلائی گئی مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اب جبکہ آپ تشریف لے آئے ہیں تو میرا فرض ہے کہ میں جناب کے علم کے لئے تمام واقعات کو پیش کر دوں۔ اسی کے ساتھ وہ تمام دلائل و براہین بھی اختصار کے ساتھ درج کر دوں جن کی بنا پر مسلمان اس بل کی مخالفت کرتے ہیں اور بحقِ اہلِ اسلام اسے منسوخ کرانا چاہتے ہیں۔ تاکہ جناب والا ان تمام امور پر غور کر سکیں اور ملاحظہ فرما سکیں کہ مسلمانوں کی اس قانون سے مخالفت کس قدر مضبوط اور مستحکم اصول و دلائل پر مبنی ہے۔ اور یہ کہ جمعیۃ علمائے ہند اور مجلس مشاورت نے جو ایک آخری فیصلہ اس قانون کے خلاف کیا ہے وہ کن ناگزیر حالات و اسباب کی بنا پر ہے۔ اس فیصلہ کی نقل جناب کی خدمت میں روانہ کی جا چکی ہے۔

آخر میں اس مکتوب کی طوالت کی بابت معافی چاہتا ہوں کہ اظہارِ حقیقت کے لئے اتنی طوالت ناگزیر تھی اور جناب کی نصفت پسندی اور آئین نوازی اور فرامینِ شاہی کی حرمت پروری سے یہ امید

رکھتا ہوں کہ جناب اس قانون کو بحقِ اہلِ اسلام منسوخ فرماکر مسلمانوں کو مطمئن فرمائیں گے اور کسی ایسے ابتلاء و آزمائش کا موقع نہ آنے دیں گے جس کی کسی انصاف پسند فرمانروا سے توقع ہی نہیں ہو سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ صدر جمعیۃ علمائے ہند - ۷ نومبر ۱۹۲۹ء

ساردا بل کی حقیقت

مؤلفہ حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند

ساردا بل کیا ہے ؟

مسٹر ہربلاس سارادا نے ہندو سوسائٹی کی اس خرابی کی اصلاح کے لئے کہ ہندوؤں میں عام طور پر لڑکیوں کی شادیاں کم عمری میں کر دی جاتی ہیں خواہ لڑکی کی عمر دو سال کی یا تین سال کی ہی کیوں نہ ہو بلکہ بعض اوقات لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اس کی شادی ہو جاتی ہے اور اکثری حالات میں یہ شادی شدہ لڑکیاں بلوغ سے پہلے ہی اپنے خاوندوں کے پاس چلی جاتی ہیں اور مباشرت کی وجہ سے ان کی صحت پر ایسا ناگوار اثر پڑتا ہے کہ پھر عمر بھر اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور ایسی عورتوں کی اولاد بھی کمزور اور نحیف پیدا ہوتی ہے اور اسی وجہ سے بہت سے بچے صغر سنی میں ہی مر جاتے ہیں اور بہت سی عورتیں کم عمری میں ہی بیوہ ہو جاتی ہیں اور ہندوؤں میں بیوہ کی شادی نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی عمریں تباہ ہو جاتی ہیں اور ہندوؤں کی مردم شماری پر بھی اس کا تباہ کن اثر پڑتا ہے۔ ایک مسودۂ قانون اسمبلی میں پیش کیا تھا اور اس کو ہندوؤں کے ساتھ ہی متعلق رکھا تھا۔

مگر جب اسمبلی میں پیش ہوا تو اس وقت یہ سوال اُٹھایا گیا کہ بل کو ہندوؤں سے ہی مخصوص رکھا جائے یا تمام باشندگانِ ہندوستان کے لئے عام کر دیا جائے۔

بعض مسلم ارکانِ اسمبلی نے اُس وقت بغیر سوچے سمجھے یہ رائے ظاہر کر دی کہ مسلمانوں پر بھی اس کا اطلاق کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

جن مسلم ارکانِ اسمبلی نے یہ رائے ظاہر کی تھی وہ نہ تو احکامِ اسلام سے واقف تھے اور نہ انہوں نے اس کے عواقب و نتائج پر پورا غور کیا تھا۔ محض سرسری طور پر یہ سمجھ لیا کہ کم عمری کی شادیاں صحت پر بُرا اثر ڈالتی ہیں اس لئے اگر ان کے خلاف قانون بن جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ مگر ان ارکان میں سے

بعض ارکان نے جب علمائے اسلام سے گفتگو کی اور اس کے متعلق اسلامی احکام معلوم کیے اور عامۂ مسلمین کے جذبات کا انھیں علم ہوا تو انھوں نے اپنی رائے بدل دی اور آج وہ بل کے مخالفین کی صفِ اول میں ہیں مگر افسوس کہ ابتدائی مرحلہ میں بے سوچے سمجھے اظہارِ رائے سے جو نقصان پہنچ چکا تھا اب ان کے اختلاف سے بھی اس کی تلافی نہ ہوسکی۔ بہر حال وہ بل رائے عامہ سے استصواب کے لئے مشتہر کیا گیا۔ ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر ہوئی جس نے ملک کا دورہ کیا۔ شہادتیں قلم بند کیں اور اس کے بعد تحقیقاتی رپورٹ تیار کرکے پیش کردی۔ اس کمیٹی کے ارکان میں مولوی محمد یعقوب صاحب ڈپٹی پریسیڈنٹ اسمبلی بھی شامل تھے۔ انھوں نے رپورٹ کے ساتھ اپنا اختلافی نوٹ بھی شامل کردیا اس نوٹ میں انھوں نے صاف طور پر ظاہر کردیا کہ مسلمانوں کے معتمد علماء، اور معتبر حلقے اس بل کے مسلمانوں پر اطلاق کو مذہبی مداخلت سمجھتے ہیں اور اس امر پر افسوس ظاہر کیا کہ شیعوں کے نقطۂ خیال کے معلوم ہونے میں بہت کمی رہی ہے اور جب تک ان کا نقطہ خیال معلوم نہ ہوجائے نیز مسلمانوں کے مقتدر علماء اور مذہبی رہنماؤں کے بیانات شاملِ مسل نہ ہوجائیں اس وقت تک بل کا اطلاق مسلمانوں پر کرنے کا فیصلہ نہ کیا جائے۔

تحقیقاتی کمیٹی نے اس سلسلے میں اصل بل میں کچھ ترمیمات کی تھیں اور بل سے علیحدہ اپنی طرف سے کچھ سفارشات پیش کیں۔

اس اثناء میں مسلمانوں کے معتبر حلقوں سے اس کی مخالفت کی گئی اور بہت سے مقتدر رہنماؤں نے صاف طور سے یہ ظاہر کردیا کہ یہ بل اسلامی احکام کے خلاف ہے اور مسلمانوں پر اس کا اطلاق کرنا مذہبی مداخلت ہے۔ مگر گورنمنٹ اس بل کی حمایت کے لئے کھڑی ہوگئی اور سرکاری ممبر نے اعلان کردیا کہ گورنمنٹ بل کی حمایت کرے گی۔

اب کیا تھا جن لوگوں کا مقصد صرف اپنی معاشرتی اصلاح ہی نہیں بلکہ ایک ایسے اصول کو قائم کرادینا تھا جس کے ذریعہ سے آئندہ سینکڑوں اسلامی احکام کے اندر مداخلت کا موقع ہاتھ آجائے وہ اور شیر ہوگئے اور بعض مسلمان ممبروں نے ان کی تائید کرکے اُن کے اس نامبارک مقصد کی تکمیل کردی اور اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ایک ہولناک خطرہ پیدا کردیا۔

اور بل ۲۳ ستمبر ۲۹ء کو اسمبلی میں اور ۲۸ ستمبر کو مجلسِ مملکت میں پاس کردیا گیا۔

بل جس صورت میں پاس ہوا ہے وہ "تیج" مورخہ ۳۰ ستمبر ۲۹ء میں شائع ہوگیا ہے جس کی نقل یہ ہے :-

ساردا بل کی منظور شدہ دفعات

۱- (الف) اس کا نام قانون انسداد شادی بچگان ہوگا۔

(ب) اس کا نفاذ تمام برطانی ہند میں ہوگا۔ برطانی بلوچستان اور سنتھال پرگنہ میں بھی عائد ہوگا۔

(ج) اس پر عمل درآمد یکم اپریل ۱۹۳۰ء سے شروع ہوگا۔

۲- (الف) اس قانون میں "بچہ" سے مراد ۱۸ سال سے کم عمر کا لڑکا اور ۱۴ سال سے کم عمر کی لڑکی ہے۔

(ب) شادی بچگان سے مراد ایسی شادی ہے جس میں دولہا یا دلہن "بچہ" ہو۔

(ج) فریقین شادی سے مراد وہ شخص ہیں جن کی شادی ہو۔

(د) نابالغ سے مراد ۱۸ سال سے کم عمر کا لڑکا یا لڑکی ہے۔

۳- جو مرد ۱۸ سے ۲۱ سال کی عمر کے درمیان بچپن کی شادی کرے گا اسے ایک ہزار روپیہ تک جرمانہ کی سزا دی جائے گی۔

۴- جو مرد ۲۱ سال سے زائد عمر میں بچپن کی شادی کرے گا وہ ایک ماہ تک قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا کا مستوجب ہوگا۔

۵- جو کوئی بچپن کی شادی کا انتظام کرے گا، اس کی رہنمائی کرے گا یا رسم ادا کرائے گا وہ ایک ماہ قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا کا مستحق ہوگا۔ اگر وہ یہ ثابت نہ کر سکے کہ اس کے پاس یہ باور کرنے کی وجوہات تھیں کہ وہ شادی بچپن کی شادی نہیں تھی۔

۶- (الف) اگر کوئی نابالغ بچپن کی شادی کرلے تو وہ آدمی جو ماں باپ یا سرپرست یا کسی دیگر قانونی یا غیر قانونی حیثیت سے اس نابالغ کا انچارج ہو اور جو اس شادی کے لئے کوئی کارروائی کرے یا شادی کی اجازت دے یا لاپرواہی کی وجہ سے اس شادی کو منع نہ کرے اسے ایک ماہ قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا ملے گی لیکن عورتوں کو قید کی سزا

نہیں دی جائے گی۔

(ب) بشرطیکہ برعکس ثبوت بہم نہ پہنچایا جائے یہ تصور کر لیا جائے گا کہ نابالغ کے بچپن کی شادی کرنے میں نابالغ کا سرپرست لاپرواہی کی وجہ سے شادی کو روکنے میں ناکام رہا ہے۔

۷۔ ۱۸۹۷ء کے جنرل کلاز ایکٹ کی دفعہ ۲۵ یا تعزیرات ہند کی دفعہ ۶۴ کے باوجود کوئی عدالت اس قانون کی دفعہ ۳ کے مطابق کسی مجرم کو سزا دیتے ہوئے اس بات کی مجاز نہ ہوگی کہ بصورت عدم ادائیگی جرمانہ ملزم کو قید کی سزا دے سکے۔

۸۔ ضابطہ فوجداری ۱۹۲۶ء کی دفعہ ۱۹۰ کے باوجود پریزیڈنسی مجسٹریٹ یا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سوا کسی بھی عدالت کو اس قانون کے ماتحت کسی بھی جرم کی سماعت یا اس میں دست اندازی کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

۹۔ اس قانون کے متعلق کسی جرم کے بارے میں کوئی عدالت اس وقت تک غور نہیں کرے گی تاوقتیکہ استغاثہ شادی (جس سے وہ جرم تعلق رکھتا ہو) کو ایک سال ہونے سے پہلے پہلے دائر نہ کیا گیا ہو۔

۱۰۔ اس قانون کے ماتحت کسی جرم کی سماعت کرنے والی عدالت بشرطیکہ وہ زیر دفعہ ۲۰۳ ضابطہ فوجداری استغاثہ کو خارج نہ کرے یا تو خود ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۰۲ کی رو سے تحقیقات کرے گی اور یا اپنے ماتحت کسی مجسٹریٹ درجہ اوّل کو ایسا کرنے کی ہدایت کرے گی۔

۱۱۔(الف) مستغیث کا بیان لینے کے بعد اور ملزم کو حاضر ہونے کے لئے مجبور کرنے سے پہلے عدالت (سوائے اس حالت کے جبکہ تحریری وجوہات دی گئی ہوں) مستغیث سے اس معاوضہ کی ادائیگی کے لئے جو زیر دفعہ ۲۵۰ ضابطہ فوجداری اس پر لازم ہو سکتا ہے ایک سو روپیہ تک کی ضمانت کے ساتھ یا بلا ضمانت مچلکہ طلب کرے گی اور اگر وہ ضمانت عدالت سے مقرر کردہ میعاد کے اندر اندر داخل نہ کی جائے تو استغاثہ خارج کر دیا جائے گا۔

(ب) اس قانون کے ماتحت جو مچلکہ لیا جائے گا وہ ضابطۂ فوجداری کے مطابق لیے گئے مچلکہ جیسا ہی سمجھا جائے گا اور اس لئے اس پر ضابطہ فوجداری کا باب عاید ہوگا۔

سارداِبل کا اثر کیا ہوگا ؟

اس قانون پر جو آثار اور نتائج مترتب ہوں گے وہ یہ ہیں :-

(۱) چودہ سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح نہ ہوسکے گا خواہ ایک ہی دن کم ہو اور خواہ کیسی ہی شدید ضرورت ہو اور خواہ لڑکی شرعاً بالغہ ہو چکی ہو۔

(۲) اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکے کا نکاح نہ ہوسکے گا خواہ ایک ہی دن کی کمی ہو اور کیسی ہی شدید ضرورت ہو اور خواہ لڑکا شرعاً بالغ بھی ہو چکا ہو۔

(۳) اگر ایسا لڑکا جس کی عمر ۱۸ اور ۲۱ سال کے درمیان ہو ۱۴ سال سے کم عمر لڑکی سے نکاح کرلے تو اسے ایک ہزار روپیہ تک جرمانہ کی سزا دی جائے گی۔ اگرچہ مقاربت بھی نہ کرے۔

(۴) اگر ایسا لڑکا جس کی عمر ۲۱ سال سے زائد ہو ۱۴ سال سے کم عمر کی لڑکی سے نکاح کرلے تو اس کو ایک ماہ کی قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی دونوں سزائیں دی جائینگی۔ مقاربت کرے یا نہ کرے اس کا کوئی فرق نہیں۔

(۵) جس شادی یا نکاح میں لڑکی کی عمر ۱۴ سال سے کم ہو یا لڑکے کی عمر ۱۸ سال سے کم ہو ایسی شادی یا نکاح کا انتظام کرنے والا، رہنمائی کرنے والا، نکاح پڑھانے والا سب کے سب مجرم ہوں گے اور ان کو ایک ماہ کی قید محض یا ایک ہزار روپیہ تک جرمانہ یا قید و جرمانہ کی دونوں سزائیں دی جائینگی۔ ہاں عورتوں کو قید کی سزا نہ دی جائیگی۔

اس دفعہ کی رو سے ۱۴ سال سے کم عمر شادی شدہ لڑکی یا اٹھارہ سال سے کم عمر شادی شدہ لڑکے کا باپ یا دادا یا یتیم بچی کی ماں، دادی، نانی یا اور جو کوئی مرد یا عورت جو شادی کے انتظام میں شامل ہو یا رہنمائی کرے یا کوئی عالم یا امام یا قاضی جو نکاح پڑھائے یا وکیل یا شاہد بنے سب سزایاب ہوں گے۔ عورتوں کو قید کی سزا نہ ہوگی۔ جرمانہ کی سزا ان کو بھی دی جائیگی۔

(۶) (الف) اگر کوئی لڑکی جس کی عمر ۱۸ سال سے کم ہے کسی ۱۷ سالہ لڑکے سے خود شادی کرلے تو اس لڑکی کا باپ یا دادا یا ماں یا دادی یا کوئی دوسرا قانونی یا غیر قانونی سرپرست بھی مجرم قرار دیا جائے گا اور اس کو ایک ماہ کی قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی دونوں سزائیں دی جائیں گی مگر عورت کو قید کی سزا نہ ہوگی اور یہ فرض کرلیا جائے گا کہ سرپرست اور ولی نے بے پروائی

کرکے یہ شادی ہونے دی ہے (بشرطیکہ اس کے برخلاف ثبوت بہم نہ پہنچایا جائے)
(ب) اگر کوئی لڑکا جس کی عمر ۱۸ سال سے ایک دن بھی کم ہے (اگرچہ وہ شرعاً بالغ ہو چکا ہو اور اس کے قوائے جسمانیہ بھی اچھے ہوں) کسی لڑکی سے خواہ اس کی عمر ۱۸ سال سے زیادہ ہو نکاح کرلے گا تو لڑکے کا باپ یا نانا یا ماں یا دادی یا کوئی دوسرا شخص جو قانونی یا غیر قانونی طور پر اس کا سرپرست ہے مجرم قرار دیا جائے گا اور اس کو ایک ماہ کی قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا دونوں سزائیں دیجائیں گی مگر عورت کو قید کی سزا نہیں دی جائے گی اور (تا وقتیکہ برعکس ثبوت بہم نہ پہنچایا جائے) یہ فرض کرلیا جائے گا کہ لڑکے کے سرپرست یا ولی نے لاپرواہی سے یہ شادی ہونے دی ہے۔

(۷) مسلمانوں کی بچیوں کے وہ تمام نکاح رُک جائیں گے جو وہ اپنی مالی مجبوری کی وجہ سے بڑی لڑکیوں کی شادی کے سلسلہ میں قریب البلوغ لڑکیوں کے صرف نکاح کر دیتے تھے اور ایک ہی دفعہ میں کئی نکاحوں کی تقریبیں ادا کرکے باربار کے مالی بوجھ سے بچ جاتے تھے۔ اسی طرح ضعیف العمر باپ یا کوئی دوسرا ولی جو قریب المرگ ہو اپنی بالغہ مگر ۱۴ سال سے کم عمر بچی کا نکاح بھی نہ کرسکے گا۔ اگرچہ بچی کی والدہ یا کوئی اور نگرانی کرنے والا موجود نہ ہو اور باپ اس کو بغیر کسی سرپرست اور نگراں کے چھوڑ کر مَر رہا ہو۔

(۸) مسلمان بچیاں جو ۱۳ سال کی عمر میں شرعاً بالغ ہوجائیں گی اور شرعی احکام کے بموجب ان کی شادی کرنا ماں باپ کے ذمہ لازم ہوجائے گا ان کے ماں باپ شرعی احکام کے باوجود اُن کا نکاح نہ کرسکیں گے اور کریں گے تو قانوناً مجرم ہو کر سزا پائیں گے۔

(۹) لڑکے پندرہ سال کی عمر میں شرعاً بالغ ہوجاتے ہیں اور اگر ان کے قویٰ اچھے ہوں تو خود اُن پر اور اُن کے اولیا پر واجب ہے کہ وہ ان کا نکاح کردیں۔ لیکن وہ خود اور اُن کے اولیا اس شرعی واجب پر عمل نہ کرسکیں گے اگر کریں گے تو قانون اُن کو مجرم قرار دے کر سزا دے گا۔

(۱۰) قانونی عمر سے کم عمر کی لڑکیاں اور لڑکے جبکہ اپنی جسمانی صحت اور قوت کے لحاظ سے مباشرت کے حاجتمند ہوں گے اور رفع حاجت کا شرعی طریقہ یعنی نکاح اُن کے لئے قانوناً ممنوع ہو گا تو خطرہ ہے کہ وہ ناجائز طریقوں سے حاجت روائی کریں گے اور مسلمانوں میں بھی زنا کی کثرت ہوجائے گی اور مسلمان سوسائٹی بھی مذہبی حیثیت سے تباہ و برباد ہوجائے گی۔ یہ تو مختصر طور پر اُن مفاسد کا بیان تھا جو اس بل

سے براہِ راست تعلق رکھتے ہیں اوراِن مفاسد کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے مفاسد اور مشکلات پیدا ہو جائیں گے مثلاً

(۱۱) ہر نکاح اور شادی کے وقت جب تک سرپرست لڑکیوں اور لڑکوں کی عمروں کا مصدقہ سارٹیفکٹ پیش نہ کریں نکاح خواں نکاح نہیں پڑھائے گا نہ کوئی وکیل وگواہ بننے پر تیار ہوگا۔ اور ایسے سارٹیفکٹ حاصل کرنے میں جو دُشواریاں پیش آئیں گی اور جو مالی بار پڑے گا ہزاروں غریب مسلمان اس کو برداشت کرنے کے قابل نہ ہوں گے۔

(۱۲) اس قانون کے سبب سے تمام نکاحوں اور شادیوں کی رجسٹری کرانی لازم ہوجائے گی، تاکہ قانونی خلاف ورزی نہ ہونے کے لئے سند ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جبریہ رجسٹریشن کس قدر تکلیف دہ اور موجبِ جرم وفساد ہوگا۔

(۱۳) اس قانون کی وجہ سے بچوں کی ولادت درج رجسٹر کرانا اور پھر اس تاریخ کو صحیح صحیح یاد رکھنا لازم ہوگا۔ اور لاکھوں اَن پڑھ مسلمان اس کا التزام نہ کرسکنے کی وجہ سے ملزم اور مجرم قرار پائیں گے اور سزائیں بھگتنی پڑیں گی۔

یعنی باوجودیکہ اُن کی لڑکی چودہ سال کی ہوجائے گی اور وہ قانون کے موافق نکاح کرینگے لیکن اُن کے دشمن جو چلتے پُرزے اور ہوشیار ہوں گے وہ اُن کو قانونی اُلجھن میں مبتلا کردیں گے اور بسا اوقات جیل خانہ تک پہنچانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

(۱۴) اگراس کو قابلِ دست اندازی پولیس قرار دے دیا گیا تو غریب شرفا کی شادیوں، بیاہوں میں پولیس کو طرح طرح کی رُکاوٹ پیدا کرنے کے مواقع بہم پہنچیں گے اور غریبوں کو ناقابلِ برداشت مصائب اُٹھانے پڑیں گے۔

(۱۵) اس قانون کو نافذ کرنے کے بعد اس کے دُنبالے (جن کی سفارش تحقیقاتی کمیٹی نے کی ہے) بطور بائی لاز کے وقتاً فوقتاً بنتے رہیں گے اور خدا جانے کن کن مصائب اور مشکلات کا سامنا ہوگا۔ مثلاً ۱۳ سال کی لڑکی کی شادی ہوجائے تو اس کو خاوند سے علیحدہ رکھنے کے لئے یہ سفارش کی گئی ہے کہ ایک زنانہ پولیس کا محکمہ قائم کیا جائے اور ایسی لڑکیوں کو ماں باپ یا اُن کے اولیا سے علیحدہ کرکے زنانہ پولیس کی نگرانی میں ایک علیحدہ مکان میں سال بھر رکھا جائے اور جب ۱۴ سال

کی ہو جائے تو خاوند کے حوالہ کی جائے اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ بات کہ ان کی دوشیزہ لڑکیاں ان کی نگرانی میں نہ رہیں اور غیروں کے حوالہ کر دی جائیں ناقابلِ برداشت ہے۔

ساردا ایکٹ مسلمانوں کے لئے ناقابلِ قبول کیوں ہے؟

مسلمان اِس بِل کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کر سکتے

اور اس کے متعدد وجوہ ہیں

وجہ اوّل:۔ اس بل کا اطلاق مسلمانوں پر مذہبی مداخلت ہے۔

مذہبی مداخلت کسے کہتے ہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ جن امور کو شریعت مقدسہ اسلامیہ نے مسلمانوں کے لئے جائز کیا ہے اور وہ اُن امور کو کرنے میں شریعت کے نزدیک مجرم نہیں ہیں بلکہ ثواب کے مستحق ہیں اُن کو قانون کے ذریعہ سے مسلمانوں کے حق میں ممنوع اور جُرم قرار دے دیا جائے یہ مذہبی مداخلت ہے اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) مسلمانوں کو شریعتِ مقدسہ نے مسجد میں نوافل پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اس اجازت کے خلاف نوافل کے لئے اُن پر مسجدوں کا دروازہ بند کر دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۲) مسلمانوں کو شریعتِ مقدسہ نے نفلی روزے رکھنے کی اجازت دی ہے۔ اس اجازت کے خلاف کسی ڈاکٹری تجویز پر انھیں نفلی روزے رکھنے سے روک دیا جائے اور روزے کو جرم قرار دیدیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۳) مسلمانوں کو شریعتِ مقدسہ نے نفلی حج کرنے کی اجازت دی ہے۔ پس اگر اُن کو نفلی حج کرنے سے روک دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۴) مسلمانوں کو شریعتِ مقدسہ نے گائے کی قربانی کرنے کی اجازت دی ہے۔ پس اگر اس اجازت کے خلاف اُن کو گائے کی قربانی سے روک دیا جائے اور اس کو جرم قرار دے دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۵) مسلمانوں کے یہاں اذان بلند آواز سے کہنا سنّت ہے۔ پس اگر ان کو بلند آواز سے اذان کہنے سے روکا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۶) مسلمانوں کو استطاعت اور عدل کے ساتھ چار بیویاں کرنے کی اجازت ہے پس اگر اس کو قانوناً روکا جائے اور اس کو جرم قرار دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۷) مسلمان اپنے بچوں کے عقیقہ میں گائے ذبح کر سکتے ہیں۔ پس اگر ان کو قانوناً روکا جائے اور اس کو جرم قرار دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۸) مسلمان اپنی غذا کے لئے گائے کا گوشت استعمال کر سکتے ہیں۔ پس اگر قانوناً ان کو گائے کے گوشت سے روکا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔ اور جس طرح کہ شریعت کے جائز کیے ہوئے امور سے روکنا مذہبی مداخلت ہے۔ اسی طرح ان کو کسی ایسے فعل کا حکم دینا جو شریعت میں ناجائز ہے یا ناجائز فعل کا ذریعہ ہے۔ یہ بھی مذہبی مداخلت ہے۔ اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں :۔

(۱) شریعت میں شراب پینا حرام ہے۔ کسی مسلمان کو شراب پینے کا حکم دینا مذہبی مداخلت ہے۔

(۲) شریعت میں جھوٹ بولنا گناہ ہے کسی کو جھوٹ بولنے پر مجبور کرنا مذہبی مداخلت ہے۔

(۳) شریعت نے زنا کو حرام کیا ہے۔ کسی کو زنا کا حکم دینا یا ایسے اسباب پیدا کرنا جن سے لامحالہ زنا کا ارتکاب ہو جیسے صحیح الجسم معتدل القوے بالغ کو شادی سے روکنا جو اس قانون کا منشا ہے مذہبی مداخلت ہے۔

(۴) شریعت نے بالغہ لڑکیوں کی شادی نہ کرنے اور ان کو یوں ہی بٹھائے رکھنے سے منع کیا ہے۔ پس اُن کو قانوناً شادی نہ کرنے پر مجبور کرنا مذہبی مداخلت ہے۔

مذہبی مداخلت کے معنی کی اس تشریح کے بعد ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ

نفسِ نکاح کا شریعتِ اسلامیہ میں کیا حکم ہے

نکاح کا شرعی مرتبہ

شریعتِ مقدسہ اسلامیہ نے نکاح کو صرف ایک معاشرتی معاہدے کی ہی حیثیت میں منحصر نہیں رکھا ہے بلکہ اس کو معاشرتی معاہدے کی حیثیت سے بڑھا کر ایک عبادت اور فضیلت اور ثواب کا کام بھی قرار دیا ہے۔ اس کے لئے یہ حدیثیں ملاحظہ ہوں :۔

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من سنن المرسلین الحیاء والتعطر والسواک والنکاح (ترمذی) یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں

میں سے ہیں۔ حیا[۱]، عطر[۲] لگانا، مسواک[۳] کرنا، نکاح[۴] کرنا۔

(۲) من تزوج فقد استکمل نصف الایمان۔ الحدیث۔ یعنی حضور انور صلعم نے فرمایا جس نے نکاح کر لیا اس نے نصف ایمان کامل کر لیا۔ اس حدیث میں نکاح کو نصف ایمان فرمایا ہے جس سے اس کا شرعی اور مذہبی عمل ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔

(۳) ان سنتنا النکاح شرارکم عزابکم و اراذل موتٰکم عزابکم۔ (جمع الفوائد)
یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف بن بشر تمیمی سے فرمایا تھا کہ ہماری سنّت نکاح ہے تم میں سے جو مجرد ہیں وہ تم میں بُرے لوگ ہیں اور جو بغیر نکاح مر جائیں وہ مُردوں میں بُرے مُردے ہیں۔

(۴) النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منّی۔ (فتح الباری)
یعنی حضور صلعم نے فرمایا کہ نکاح میری سنّت ہے جو میری سنّت سے اعراض کرے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔

(۵) من تزوج ثقۃ باللہ و احتسابا کان حقا علی اللہ ان یعینہ و ان یبارک لہ۔ (طبرانی فی الاوسط کذا فی جمع الفوائد)
یعنی حضور صلعم نے فرمایا کہ جو شخص خدا کے فضل وکرم پر بھروسہ کر کے اور ثواب کی نیّت سے نکاح کرے گا تو خدا نے اپنے فضل وکرم سے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ اس کی مدد فرمائے اور اس کے لئے برکات عطا کرے۔

پیغمبر اسلام خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ ارشاداتِ عالیہ ہیں جن سے نکاح کی شرعی حیثیت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ صرف ایک معاشرتی معاہدہ نہیں بلکہ ایک شرعی عبادت ہے۔ اس کے بعد علمائے اسلام کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

(۶) وقال الحنفیۃ ھو عبادۃ۔ (فتح الباری) یعنی علماء حنفیہ نکاح کو عبادت قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت حنفی ہے۔

(۷) لیس لنا عبادۃ شرعت من عہد آدم الی الآن ثم تستمر فی الجنۃ الا النکاح والایمان۔ (در مختار) یعنی نکاح اور ایمان کے سوا اور کوئی ایسی عبادت نہیں جو حضرت آدم کے وقت سے شروع ہو کر آج تک قائم رہی ہو اور پھر جنّت میں بھی مستمر رہے۔

(۸) ویکون سنۃ مؤکدۃ فی الاصح فیاثم بترکہ ویثاب ان نوی ولدًا وتحصینا (درمختار)

یعنی نکاح کرنا سنّتِ مؤکّدہ ہے۔ صحیح ترین قول کی بنا پر۔ پس اس کا تارک گنہگار ہوگا اور اگر اولاد اور پاکدامن رہنے کی نیّت سے نکاح کرے (یعنی صرف شہوت رانی مقصود نہ ہو) تو اس کو نکاح کرنے پر ثواب ملے گا۔

(۹) ورجح فی النھر وجوبہ للمواظبۃ علیہ والانکار علی من رغب عنہ (درمختار)

یعنی کتاب نہر فائق میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے کیونکہ اس پر حضورؐ نے مواظبت فرمائی ہے اور نکاح سے اعراض کرنے والے پر عتاب فرمایا ہے۔

ان احادیث اور اقوال علماء سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ نکاح صرف ایک معاشرتی معاہدہ نہیں ہے بلکہ وہ مذہبی عمل کی حیثیت رکھتا ہے اور مذہبی عمل بھی محض مباح یا مستحب کے درجہ کا نہیں بلکہ سنّتِ مؤکّدہ یا واجب کے مرتبہ کا ہے۔ یعنی یہی نہیں کہ اس کا کرنا ثواب کا کام ہے بلکہ شریعت نے اس کی تاکید بھی کی ہے اور نہ کرنے پر ملامت اور عتاب اور گنہگاری کی وعید ہے پس اس شرعی عمل پر قانونی پابندیاں عائد کرنا مذہبی مداخلت ہے۔

بعض ممبرانِ اسمبلی کا اعتراض

بعض مسلم ممبرانِ اسمبلی نے اسمبلی میں شانِ اجتہاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغیر اس کے کہ انہوں نے اسلامی قانون کی ابجد بھی پڑھی ہو اپنے تبحر کی نمائش کے لئے یہ اعتراض کیا کہ اگرچہ اسلامی شریعت نے بچّوں کے نکاح کو جائز رکھا ہے اور ولی کو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو نابالغوں کا نکاح کردے لیکن شریعت نے نابالغوں کے نکاح کرنے کا حکم نہیں دیا یعنی یہ لازم نہیں کیا ہے کہ نابالغ کا نکاح ضرور کردیا جائے۔ پس یہ قانون ایک اختیاری امر پر پابندی عائد کرتا ہے۔ اس لئے یہ مذہبی مداخلت نہیں ہے۔ البتہ اگر یہ کسی لازمی حکم کو روکتا تو مذہبی مداخلت میں داخل ہوتا۔ اسی خیال کو اسلامی اخبارات میں سے "مدینہ" بجنور نے ظاہر کیا ہے اور جو علماء و رہنمایانِ ہندوستان اس کو مذہبی مداخلت کہتے اور سمجھتے ہیں اخبار "مدینہ" کے محترم مدیر اُن کو قدامت پسندی کا طعنہ دیتے ہوئے ساردا بل کو اصلاح کا پہلا اور اہم قدم قرار دیتے ہیں۔

اِس اعتراض کا جواب

اس اعتراض کا جواب ہم دو طرح دیتے ہیں :۔
اوّل یہ کہ مذہبی مداخلت کے یہ معنی کہ کسی فرض یا واجب کو روکا جائے تو مذہبی مداخلت ہے ورنہ نہیں عقلاً ، شرعاً ، عُرفاً ہر طرح غلط ہیں۔

ہم مذہبی مداخلت کے صحیح معنی پہلے بیان کر چکے ہیں اور مثالیں دے کر اس کا مفہوم واضح کر چکے ہیں اور مزید توضیح کے لئے پھر اتنا کہے دیتے ہیں کہ کسی مذہب کے مخصوص اعمال سے اس مذہب کے متبعین کو روکنا مذہبی مداخلت ہے خواہ وہ اعمال اس مذہب میں فرض ہوں یا واجب یا سنّت یا مستحب بلکہ مذہب نے جن امور کو مباح بھی کیا ہے اُن سے روکنا بھی مذہبی مداخلت ہے۔ کیونکہ مذہبی مداخلت نہ کرنے کا اصول عقلی اور قانونی طور پر اسی لئے قائم کیا گیا ہے کہ لوگ آزادی سے ان اعمال کو ادا کر سکیں جنہیں وہ مذہبی اعمال سمجھتے ہیں اور جن کی اُن کے مذہب نے ان کو اجازت دی ہے تاکہ خیالات و افکار میں تصادم نہ ہو اور امنِ عامہ میں خلل نہ پڑے۔

قانونی طور پر آج تک تعزیوں تنڈّوں مورتیوں مگر کیرتن گرنتھ صاحب کے جلوس اسی اصول پر جائز رکھے گئے اور اُن کو مذہبی جلوس قرار دیا گیا اور کبھی یہ سوال نہیں اُٹھایا گیا کہ آیا مذہبًا ایسے جلوس نکالنے فرض ہیں یا نہیں اور مذاہبِ متعلقہ میں ان جلوسوں کو سڑکوں پر گھمانے کے لازمی احکام موجود ہیں یا نہیں۔

اس کے علاوہ ان حضرات کو کبھی یہ خیال بھی آیا یا نہیں کہ اگر (بالفرض) نابالغوں کے نکاح کر دینے کے وجوبی احکام شریعتِ اسلامیہ میں موجود نہیں ہیں تو اسی طرح
(۱) نفل نمازوں کے لئے (۲) نفل روزوں کے لئے (۳) نفلی حج کے لئے (۴) خاص گائے کی قربانی کے لئے (۵) شہر میں دو چار مسجدوں کے ہوتے ہوئے مزید مساجد کی تعمیر کے لئے۔ (۶) عرسوں کے سالانہ اجتماعات کے لئے (۷) خاص گائے کا گوشت کھانے کیلئے (۸) بلکہ مطلقاً گوشت خوری کے لئے (۹) تعزیوں کے جلوس کے لئے (۱۰) مجالسِ میلاد اور مجالسِ وعظ کے انعقاد کے لئے (۱۱) چار نکاحوں کے لئے (۱۲) کفو اور خاندان میں شادی کرنے کے لئے۔

اور اسی قسم کے سینکڑوں ہزاروں اعمال کے لئے بھی شریعت میں وجوبی احکام موجود نہیں ہیں تو کیا اگر ان اعمال کو بند کرنے یا ان پر ناواجب پابندیاں عائد کرنے کے لئے قوانین بنائے

جائیں تو یہ مسلمان ممبرانِ اسمبلی جنھوں نے سارداابل کی اس لئے حمایت کی ہے کہ وہ کسی فرض یا واجب کو نہیں روکتا۔ ان تمام قوانین کی اسی اصول پر حمایت کردیں گے اگر جواب اثبات میں ہے تو بس ؎

گر ہمیں کونسل است وایں ارکان کار مذہب تمام خواہد شد

اور اگر جواب نفی میں ہے تو اُن کا یہ اصول غلط ہو گیا کہ کسی جائز امر پر پابندی عائد کرنا مذہبی مداخلت نہیں ہے اور اُن کو اقرار کرنا چاہیئے کہ جس طرح مذکورۂ بالا اعمال قانونی مداخلت کے متحمل نہیں ہیں اسی طرح نکاح نابالغان بھی قانونی مداخلت کا متحمل نہیں ہے اور اس میں بھی قانونی مداخلت یقیناً مذہبی مداخلت ہو گی۔

ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ ہندوؤں نے گاؤکشی کو بند کرانے کے لئے قانونی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی تو مسلمانوں کے علماء و عمائد دونوں نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ اگر ہمارے حقِ گاؤکشی اور قربانی گاؤ کو بجبر ہم سے چھیننے کی کوشش کی گئی تو ہم پوری طاقت سے مزاحمت کریں گے۔ مسلمانوں کو یہ حق تو ہے کہ قربانی کے جانوروں میں سے وہ جس جانور کو چاہیں اپنی مرضی سے منتخب کرلیں لیکن اگر ان کو جبراً حق گاؤکشی اور قربانی گاؤ سے محروم کرنے کی کوشش کی جائے گی تو ان پر واجب ہو جائے گا کہ اپنا حق قائم رکھنے کے لئے خاص گائے کی قربانی کریں۔ ان فقرات کی سیاہی بھی ابھی خشک نہیں ہوئی ہو گی کہ ہمارے مسلم ممبران نے اس کے بالکل برعکس اسمبلی میں اپنا اجتہادی بیان دے دیا اور نہ صرف بیان دیا بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ اس مسئلہ میں ہم دقیانوسی علماء کی تقلید نہ کریں گے۔ اور علماء پر پھبتیاں بھی کس دیں۔ حالانکہ اس بل کی مخالفت میں سوائے سات آٹھ مسلم ارکانِ اسمبلی کے ہندوستان کے تقریباً تمام رہنما اور مسلم پریس ہم آہنگ ہیں۔ خیر علماء کے خلاف تو وہ جو چاہیں کریں اور کہیں لیکن خدارا اسلام کے اصول اور اسلامی احکام کا احترام تو قائم رکھیں۔

آج جو اصول کہ انھوں نے سارداابل کی حمایت کے لئے قائم کر دیا ہے اس کی ہمہ گیر وسعت کے نتائج پر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ان کی سمجھ میں بھی یہ بات آجانی کچھ مشکل نہیں ہے کہ انھوں نے سوائے چند فرائض و واجبات کے تمام اعمالِ مذہبیہ کو اسمبلی کی غیر مسلم اکثریت کی خوشنودی حاصل کرنے کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ اور دانستہ یا نادانستہ (اور خدا کرے کہ نادانستہ ہی صحیح

تعبیر ہو) اپنے ہاتھ سے اسلامی اصول، اسلامی اعمال اسلامی تہذیب غرض کہ اسلام کے تمام (پرسنل لا) مخصوص قانون کو ذبح کر ڈالا ہے۔

دوم۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قانون کی مقرر کردہ عمر یعنی لڑکی کی چودہ سال اور لڑکے کی ۱۸ سال کی عمر سے پہلے نکاح کرنا یا کرا دینا بھی بعض حالات میں واجب ہو جاتا ہے یعنی جبکہ ان عمروں سے پہلے لڑکی اور لڑکا بالغ ہو جائیں اور ان کی صحت جسمانیہ اچھی ہو قویٰ مضبوط ہوں اور تاخیر نکاح سے اُن کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس وقت ان کو خود نکاح کرنا اور ان کے اولیا کو نکاح کرا دینا لازم و واجب ہو جاتا ہے۔

ایسی حالت میں قانون ان کو اس واجب شرعی سے روکے گا اور مذہبی مداخلت آپ کے بیان کردہ معنی کے لحاظ سے بھی متحقق ہو جائے گی۔ یعنی اگر بالفرض ہم تسلیم بھی کر لیں کہ مذہبی مداخلت کے وہی معنی ہیں جو آپ نے بیان کیے ہیں (حالانکہ وہ غلط ہیں) تاہم یہ قانون مذکورۂ بالا حالات میں اس معنی کے لحاظ سے بھی یقیناً مذہبی مداخلت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور کوئی قانون جو کلی طور پر مذہبی مداخلت کرتا ہو یا اپنے بعض اطلاقات میں مذہبی مداخلت کا امکان رکھتا ہو یقیناً عہد نامۂ ایسٹ انڈیا کمپنی اور اعلانات حکومت برطانیہ کے خلاف ہوگا اور ناقابل قبول ہوگا۔

وجہ دوم:۔ اِس قانون کو قبول نہ کرنے کی مسلمانوں کیلئے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ قانون ایک مہتم بالشان اسلامی حکم ولایت کو باطل کرتا ہے۔

شریعت مقدسہ نے نابالغوں کے اولیاء کو حق ولایت عطا کیا ہے کہ وہ اپنی ولایت سے نابالغ بچوں کا عقد نکاح کر سکتے ہیں اور باب ولایت اسلامی فقہ کے ابواب میں سے ایک مہتم بالشان باب ہے۔

نابالغوں کے متعلق حق ولایت نکاح نابالغی کے زمانے تک محدود رہتا ہے۔ بالغ ہو جانے پر یہ حق ختم ہو جاتا ہے۔ پھر بالغہ لڑکی اور بالغ لڑکا اپنے نکاح کے لئے خود مختار ہو جاتے ہیں (بشرطیکہ وہ مجنون نہ ہوں) حنفیہ کا مذہب یہی ہے اور ہندوستان کی اکثریت حنفی ہے۔

حق ولایت تمام امتِ اسلامیہ کے نزدیک متفق علیہ اصول ہے۔ اور نابالغوں کے اس نکاح کی صحت پر جو جائز ولی نے کیا ہو اُمّت مرحومہ کا اجماع ہے۔

اجمع المسلمون علی تزویجہ بنتہ البکر الصغیرۃ لھذا الحدیث۔ (نووی شرح مسلم) یعنی

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ باپ کو یہ حق ہے کہ اپنی نابالغہ باکرہ لڑکی کا نکاح کر دے۔ للولی الصغیر والصغیرۃ ان ینکحھا وان لم یرضیا بذلک کذا فی البرجندی سواء کانت بکرا او ثیبا کذا فی العینی شرح الکنز (فتاوی عالمگیری) یعنی نابالغہ لڑکی اور نابالغ لڑکے کے ولی کو حق ہے کہ ان بچوں کی رضامندی حاصل کیے بغیر ان کا نکاح کر دے (اور یہ حکم حنفیہ کے نزدیک) باکرہ اور ثیبہ دونوں کے حق میں یکساں ہیں۔

اور بہت سی احادیث ہیں جن سے حق ولایت اور حق انکاح ثابت ہوتا ہے۔ ہم تطویل کے خوف سے ان کو نقل نہیں کر سکتے۔

پس یہ بل جو اسلامی قانون (پرسنل لا) کے ایک اہم باب کو بالکل باطل یا منسوخ کرتا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک ... ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے۔

وجہ سوم :- اس قانون کو قبول نہ کرنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ قانون اسلامی تہذیب اور عصمت کو تباہ کر دے گا۔

جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے اور یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مسلمان عصمت مآب خواتین کے لئے ہوس رانی کے وہ تمام دروازے بند ہیں جو دوسری اقوام کی عورتوں کو حاصل ہیں اور اس صورت میں ان کی عفت و عصمت کی حفاظت کی ایک ہی شکل ہے کہ جس وقت وہ بالغہ ہو جائیں فوراً اُن کی شادی کر دی جائے۔ بلوغ کے لئے عمر کا کوئی معیار معین نہیں ہے بلکہ اس کا مدار جسمانی صحت و قوت اور نوعیتِ غذا اور آب و ہوا کی مساعدت پر ہے۔ بعض لڑکیاں بارہ سال کی عمر میں بالغہ ہو جاتی ہیں اور بعض اس سے پہلے اور بعض اس کے بعد بالغہ ہو جانے اور قوائے جسمانیہ کی صحت و قوت کی حالت میں اگر اُن پر جائز طریقے مسدود کر دیئے جائیں گے تو قوی خطرہ ہے کہ وہ ناجائز راستے اختیار کریں گی اور اس طرح مسلمانوں کے حریم عصمت میں وہ خرابیاں پیدا ہو جائینگی جو ان کی مخصوص تہذیب و تمدن اور ان کی مذہبی پاکی کو تباہ و برباد کر دیں گی اور یہ بات مسلمانوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ کوئی قوم اپنے لئے کسی ایسے قانون کو قبول نہیں کر سکتی جو اس کی مخصوص تہذیب یا اس کے مذہبی تقدس کو تباہ و برباد کر دے۔

آج تک خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے گھر زناکاری اور بدنظری کی اس عام بلا سے محفوظ

ہیں جو یورپ سے سیلابِ عظیم کی صورت میں ایشیا کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ لیکن یہ قانون مسلمانوں کے حریمِ عصمت میں اس سیلاب کے داخل ہو جانے کے لئے ایک وسیع روزن کا کام دے گا اور پھر اس بلا کو حرم ہائے مسلمین سے علیحدہ کرنا محال ہو جائے گا۔

وجہ چہارم :- مسلمانوں کے لئے اِس قانون کے ناقابلِ قبول ہونے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ قانون حضور پیغمبرِ اسلام ارواحنا فداہ اور اکابرِ صحابہ کے افعال کو جرائم کی فہرست میں داخل کرتا ہے

صحیح روایات کی بنا پر ثابت ہے کہ حضور انور صلعم نے حضرت عائشہ رضؓ سے جس وقت نکاح کیا ہے تو حضرت عائشہ رضؓ کی عمر چھ سال کی تھی اور اسی طرح حضرت عمر حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ انھوں نے چھوٹی عمر کی لڑکیوں کا نکاح کیا اور بہت سے صحابہؓ نے چھوٹی لڑکیوں سے نکاح کیے ہیں تو اس قانون کو تسلیم کر لینے کی صورت میں مسلمانوں پر لازم آئے گا کہ وہ اقرار کریں کہ جس عمل کو اُن کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر مقتدر صحابۂ کرام نے کیا ہے وہ جرم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کا مجرمانہ فعل ہونا مسلمانوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

ایک مسلمان اس کے وہم اور تصوّر سے بھی تھرا جائے گا کہ وہ کسی ایسے عمل کا جرم ہونا تسلیم کرے جو اُس کے مولےٰ اور آقائے دوجہاں یا اُن کے مقتدر جانشینوں سے ثابت ہو۔

یہ واضح رہے کہ ان روایات میں صرف عقدِ نکاح کا ذکر ہے اور اس سے کسی شرعی یا اخلاقی خرابی کا ارتکاب ہرگز ہرگز لازم نہیں آتا۔ مقاربتِ زوجہ کے احکام بالکل علیحدہ ہیں اور اس کے لئے اگرچہ عورت کی طاقت اور استطاعت شرط ہے مگر عمر کی تحدید اس میں بھی غیر معقول ہے۔

ساردا بل کی قانونی حیثیت

اگرچہ یہ بل اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ میں پاس ہو چکا ہے مگر ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اِس بل کا نفاذ اُن پر ہرگز ہرگز آئین کے موافق نہیں بلکہ محض جبری ہوگا۔

آئینی نفاذ کی صورت تو یہ تھی کہ مسلم قومیت تمام کی تمام یا اس کی اکثریت اس کو قبول کر لیتی اور اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیتی۔ لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت بلکہ باستثنائے چند ناواقف یا ہندوؤں کو خوش رکھنے کی کوشش کرنے والے

با گورنمنٹ کے پرستار مسلمانوں کے باقی تمام مسلم قوم اس قانون سے بیزار رہے اور اپنی بیزاری کا پورے طور پر اظہار و اعلان کر چکی ہے۔ اس کے لئے دفعات ذیل ملاحظہ ہوں۔

(۱) ستمبر ۱۹۲۸ء میں (حسب بیان مولانا محمد شفیع صاحب داؤدی ممبر اسمبلی) ۲۲ مسلمان ارکانِ اسمبلی کے دستخطوں سے ایک بیان گورنمنٹ کے ہوم ممبر کو دیا گیا جس میں اس قانون کے مسلمانوں پر اطلاق کرنے سے بیزاری کا اظہار کیا گیا تھا اور صاف صاف بتا دیا تھا کہ مسلمان اس قانون کو ہرگز قبول نہ کریں گے۔

یہ واقعہ اس قانون کے پاس ہونے سے ایک سال پہلے کا ہے اور دستخط کرنے والے ممبروں کی تعداد بھی ۲۲ تھی جو مسلم منتخب اراکینِ کونسل کی ۲/۳ کی اکثریت سے بھی زیادہ تھی۔

(۲) "ہمدرد" مورخہ ۳۱ مارچ ۲۸ء میں مولانا محمد علی نے اس بل کے خلاف ایک طویل مضمون لکھا اور اس میں صاف صاف ظاہر کر دیا کہ مسلمان اس بل کو مذہبی مداخلت سمجھتے ہیں اور ہرگز قبول نہ کریں گے۔

(۳) پھر خاکسار نے اپریل ۲۸ء میں ہی تمام مسلم اراکینِ اسمبلی کو بذریعہ مکتوب مطلع کر دیا تھا کہ یہ بل شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہے اور اس کی تنفیذ مذہبی مداخلت ہو گی۔

(۴) ستمبر ۲۹ء میں جبکہ اسمبلی میں بل پیش ہو رہا تھا ۱۶ مسلمان ممبروں نے اپنے دستخطوں سے ایک یادداشت سرکاری ممبر کو دی کہ اس قانون سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کر دیا جائے کیونکہ مسلمان قوم اس سے ناراض ہے اور وہ اسے قبول نہ کرے گی۔ اس وقت کونسل کے ارکان میں کل بائیس ۲۲ مسلمان ممبر حاضر تھے اُن میں سے ۱۶ ممبروں نے اس یادداشت پر دستخط کر دیئے تھے اور ظاہر ہے کہ ۱۶ کا عدد ۲۲ کے ساتھ ۲/۳ کی اکثریت سے کچھ زیادہ ہی نسبت رکھتا ہے۔

(۵) اس کے بعد مولانا محمد شفیع صاحب داؤدی نے باقاعدہ اجلاس میں ترمیم پیش کی کہ اس بل کا اطلاق مسلمانوں پر نہ کیا جائے مگر اس ترمیم کو غیر مسلم اور سرکاری ارکان کی اکثریت سے مسترد کر دیا گیا۔

(۶) اس کے بعد آخری مرحلے پر مسلم ممبرانِ اسمبلی کی کافی تعداد بطور اظہارِ ناراضی اور احتجاج کے اجلاس سے اٹھ کر چلی گئی اور ان کی کوئی پروا نہ کی گئی اور غیر مسلم اور سرکاری ارکان کی اکثریت نے بل

پاس کر دیا۔

(۷) پاس ہو جانے کے بعد مسلم ارکان اسمبلی کا ایک معزز و مقتدر وفد مولوی محمد یعقوب صاحب ڈپٹی پریسیڈنٹ کی قیادت میں حضور وایسرائے کی خدمت میں باریاب ہوا اور اس نے اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ مسلمان قوم اس بل کے خلاف ہے وہ ہرگز اسے قبول نہ کرے گی اس لئے آپ اس بل کی آخری منظوری اس وقت تک نہ دیں جب تک کہ مسلمان اس کے اطلاق سے مستثنیٰ نہ کر دیئے جائیں۔

(۸) کونسل آف اسٹیٹ کے مسلمان ممبروں کی اکثریت نے اس بل سے اختلاف کیا اور مسلمانوں کے استثنا کا مطالبہ کیا۔ مگر ہندو اور سرکاری ممبروں کی اکثریت نے کوئی شنوائی نہیں کی۔

(۹) جس درمیان میں کہ بل اسمبلی میں پیش تھا میں نے بحیثیت صدر جمعیۃ علمائے ہند ۲۱ ستمبر ۲۹ء کو حضور وایسرائے اور پریسیڈنٹ اسمبلی اور مسلم اراکین اسمبلی کو بذریعہ تار مسلمانوں کے احساسات و جذبات سے مطلع کیا کہ مسلمان ہرگز اس بل کو قبول نہ کریں گے اور ان سب سے درخواست کی کہ مسلمانوں کو اس کے اطلاق سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔

(۱۰) ہندوستان کے دیگر عمائد و رہنمایان کے بیانات اخبارات میں شائع ہوئے جن میں مسلمانوں پر اس بل کے اطلاق سے بیزاری کا اظہار کیا گیا۔ ان میں سے چند حضرات کے اسمار گرامی یہ ہیں:۔ مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علمار ہند۔ مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت بہار۔ مولانا محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر سر اقبال صاحب۔ مولانا محمد عرفان صاحب سکریٹری خلافت کمیٹی۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب۔ سید غلام بھیک نیرنگ سکریٹری تبلیغ الاسلام انبالہ۔ مولانا ابو البرکات عبد الرؤف صاحب دانا پوری۔ مولانا عمر دراز بیگ صاحب ناظم جمعیۃ علمار صوبہ متحدہ۔ شمس العلمار مولانا سید نجم الحسن صاحب مجتہد۔ مولانا سید ناصر حسین صاحب مجتہد۔ شمس العلمار مولانا سید سبط حسن صاحب۔ مولانا عبد الوالی قطب الدین صاحب فرنگی محلی۔ مولانا عبید اللہ صاحب بچھرایونی۔

(۱۱) لکھنؤ میں سنی اور شیعہ علمار اور عمائد کا مشترک جلسہ ہوا جس میں باتفاق اس بل کے خلاف تجاویز پاس ہوئیں اور وایسرائے اور پریسیڈنٹ اسمبلی کے پاس نقول بھیجی گئیں۔

(۱۲) مسلم پریس کے تقریباً تمام جرائد مثلاً انقلاب - زمیندار - ملت - الجمعیۃ - سچ - ہمت - ریاست - صراط، شیعہ اخبار لکھنؤ - مہاجر - عصر جدید - الامان - خلافت - حقیقت - امارت - ترجمان سرحد - شہاب - اتحاد - الخلیل نے بل کے مسلمانوں پر اطلاق کے خلاف پُر زور مضامین لکھے اور اس کی آخری منظوری سے پہلے بتا دیا کہ مسلمان اُسے قبول کرنے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہیں۔

(۱۳) ہندوستان کے مختلف مقامات میں جلسے منعقد ہوئے جن میں مسلمانوں پر اطلاق کے خلاف احتجاج کیا گیا تجاویز پاس کی گئیں اور سرکاری افسرانِ متعلقہ کو بھیجی گئیں۔

(۱۴) ہندوستان کے علمی مرکزوں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور اور لکھنؤ کے شیعہ مراکز علمیہ کی طرف سے تار دیئے گئے کہ بل مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول نہیں۔ ان تمام امور کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے تاہم اجمالی طور پر اس بات کے سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ مسلمان قوم نے اپنی ناراضی کا اظہار کرنے کے لئے تمام آئینی ذرائع کا استعمال کر لیا ہے اور مسلمان قوم کے وہ نمائندے جو اسمبلی میں اس کی نمائندگی کرتے ہیں انھوں نے بھی اپنی بڑی اکثریت کے ساتھ مسلمان قوم کی ناراضی ظاہر کر دی ہے۔

ہندوؤں اور سرکاری ممبروں پر لازم تھا کہ وہ مسلمانوں کے معاملے میں غیر جانبدار رہتے۔ ان کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ اپنی اکثریت سے ایسے قانون کو جس کا مسلمانوں کے (پرسنل لا) مخصوص قانون پر مخالفانہ اثر پڑتا ہے پاس کر دیں۔ اگر اس پر ہندو اور سرکاری ممبر رائے نہ دیتے اور صرف مسلمان ارکانِ اسمبلی پر چھوڑ دیا جاتا تو اسمبلی میں ہی مسلمان اس کے اطلاق سے مستثنےٰ ہو جاتے۔ ہمارے علم میں ہندوستان کے طول و عرض میں ایک جلسہ بھی ایسا نہیں ہوا ہے جس میں مسلمانوں نے بل کی حمایت کی ہو اور اظہارِ ناراضی کے لئے بیسیوں جلسے ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ اور مسلمان انتہائی منزل تک جانے کے لئے تیار ہیں۔

سر فضل حسین نے کونسل آف اسٹیٹ میں بل کی حمایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کی نصف قوم یعنی نسوانی طبقہ بل کی حمایت میں ہے۔ ہم اسے ایک بڑے ذمہ دار شخص کی طرف سے صریح غیر ذمہ داری کا بیان سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اگر چند مسلمان خواتین نے جو بعض مردوں کی طرح سے اسلامی قوانین سے ناواقف اور بل کے عواقب و نتائج سے نابلد ہیں اور

نہیں سمجھتیں کہ اس بل سے اسلام کے خاص اصول اور مذہبی اعمال پر کس قدر شدید ضرب پڑتی ہے بل کی حمایت کر دی تو اس سے تمام مسلمان خواتین کو بل کا حامی قرار دیدے دینا سر فضل حسین جیسے ذمہ دار شخص سے بہت بعید ہے۔ان مسلمان خواتین کی تعداد اُن مردوں سے زیادہ نہ ہوگی جو بل کے حامی ہیں۔لیکن اب دنیا دیکھ لے گی کہ حامیانِ بل کی تعداد کو مخالفینِ بل کے ساتھ کیا نسبت ہے۔

ان تمام واقعات کا لحاظ کرتے ہوئے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ بل مسلمانوں پر نافذ کیا گیا تو صرف سات آٹھ مسلمان ارکانِ اسمبلی کی حمایت کے مقابلے میں ارکانِ اسمبلی کی مسلم اکثریت اور تمام قوم کی مخالفت کے باوجود اس کا نفاذ ہرگز آئینی نفاذ نہیں ہوگا۔بلکہ ہندو اکثریت اور حکومت کی طرف سے مسلمانوں پر جبراً نافذ کیا جائے گا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ بعض علاقے کے مسلمانوں میں بھی رواج ہے کہ کم عمر لڑکیوں کی شادی کر دیتے ہیں اور لڑکیوں کو خاوندوں کے پاس بھیج دیا جاتا ہے اور وہ مباشرت کر لیتے ہیں اور اس کا نہایت مضر اثر ان لڑکیوں اور ان کی اولاد پر پڑتا ہے اور اس کے انسداد کی سوائے قانونی مداخلت اور کوئی سبیل نہیں ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو مسلمانوں میں کم عمری کی شادیوں کا رواج بہت کم ہے۔ پھر اگر کسی قدر رواج کہیں ہے بھی تو صرف نکاح کر دینے کا ہے۔ناقابلِ مجامعت عورت کو رخصت کر دینے کا نہیں ہے۔لڑکی خاوند کے یہاں اسی وقت بھیجی جاتی ہے جب مجامعت کے قابل ہو جاتی ہے۔اور ظاہر ہے کہ صرف نکاح کر دینے میں بیان کردہ خرابیوں میں سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

اور اگر بالفرض کوئی شاذ اور نادر واقعہ ایسا بھی ہوا ہو کہ ناقابلِ جماع عورت سے جماع کر لیا گیا ہو تو وہ اپنی قلت و ندرت کے لحاظ سے ناقابلِ اعتبار ہے۔

دوسرے یہ کہ اس خرابی کا وجود اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ ناقابلِ جماع عورت سے

جماع کیا جائے اور ظاہر ہے کہ قابلِ جماع ہونا عمر کے ساتھ معین نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کا حقیقی معیار بلوغ ہے۔

تیسرے یہ کہ اس قسم کی خرابی کا ۱۴ سال اور اس سے زیادہ عمر کی عورتوں میں بھی جبکہ وہ کمزور اور مریض ہوں امکان ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ایسی عورتوں کی تعداد جو باوجود ۱۴-۱۵ سال کی عمر رکھنے کے کمزوری اور بیماری کی وجہ سے ناقابلِ جماع ہوں ایسی منکوحہ لڑکیوں سے کہیں زیادہ ہو جو کم عمری کے باعث ناقابلِ جماع ہوں۔

چوتھے یہ کہ فی ہزار ایک دو عورتوں کے جسمانی نقصان کی وجہ سے (اگر اس قدر ہونا بھی ہو) تمام مسلمان قوم کی فیصدی تقریباً ۷۵ دوشیزہ نوجوان عورتوں کو جو ۱۴ سال سے کم عمر میں بالغ ہوجاتی ہیں اور تقریباً تمام لڑکوں کو جو ۱۵ سال کی عمر میں شرعی طور پر بالغ ہوجاتے ہیں، ایک شرعی حق چھین کر مبتلائے مصائب کر دینا کونسی عقلمندی ہے۔ بالخصوص جبکہ ان پابندیوں سے ان کے دینی و دنیوی مفاد کے تباہ ہونے کا بھی قوی خطرہ ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے

اس بل کا مسلمانوں پر اطلاق یقیناً مذہبی مداخلت ہے اور اس سے اُن کی مخصوص تہذیب اسلامی معاشرت اور اُن کی حریم عفت وعصمت کی بربادی کا قوی خطرہ ہے۔ اس سے ناقابلِ برداشت مصائب اور سختیاں غریب مسلمانوں پر پڑ جائیں گی اور بہت سے حالات میں وہ مذہبی احکام کی رُو سے اس بل کی تعمیل میں گنہگار ہوں گے۔ اور اس سے پیغمبرِ اسلام اور صحابۂ کرام کے افعال پر ناجائز اور دل آزار حملوں کا دروازہ کھل جائے گا جو امنِ عامہ کے لئے بھی تباہ کن ہے۔

اور یہ کہ مسلمانوں کے نمائندوں کی اکثریت اور تمام مسلم قوم اس سے ناراض اور بیزار ہے۔ اس لئے اس کا آئینی طور پر مسلمانوں پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔

ہز اکسلنسی وائسرائے یا تو اسے اپنے اختیارِ خصوصی سے مسلمانوں کے حق میں مسترد کر دیں ورنہ مسلمان اس جبریہ قانون کے خلاف اپنی امکانی طاقت صرف کر دیں گے۔ اور اس کے عواقب ونتائج کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

ہم نے پورے طور پر اتمامِ حجت کر دیا ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

۲ر اکتوبر ۱۹۲۹ء

۲ر اکتوبر تک (جبکہ یہ رسالہ لکھا گیا تھا) یہ اطلاع نہیں ملی تھی کہ وائسرائے (لارڈ گوشن جو اس وقت لارڈ ارون کے بجائے قائم مقام وائسرائے تھے) نے اس بل پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ۴ر اکتوبر کو دفعۃً معلوم ہوا کہ وائسرائے نے یکم اکتوبر کو ہی بل پر اپنی منظوری دیدی ہے۔ ۲۷ر اکتوبر ۲۹ء کو لارڈ ارون ہندوستان واپس آئے اور ۷ر نومبر کو میں نے ان کے نام یہ مبسوط خط لکھا جو درج ذیل ہے۔

محمد کفایت اللہ

(نوٹ) یہ مبسوط خط اوپر درج ہو چکا ہے۔ (واصف)

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)

ایک مسلمان پردیس سے ایک بیوہ عورت قوم کی برہمنی کو ساتھ لے کر اپنے مکان کو آیا۔ یہاں بستی کے لوگوں کو بالکل معلوم نہیں کہ اس عورت اور مرد کا نکاح ہوا یا نہیں اور نہ کسی نے دریافت کیا۔ اسی طرح دونوں کو میاں بیوی کی طرح رہتے ہوئے بیس سال گزر گئے۔ اب ان دونوں میں جھگڑا ہوا اور عورت نے جامع مسجد میں جمعہ کے دن جا کر مجمع عام میں ظاہر کیا کہ میرا ابھی تک اس کے ساتھ نکاح نہیں ہوا۔ عام جماعت پنچوں نے عورت سے ہر قسم کا حال پوچھا۔ اس نے نکاح سے انکار کیا۔ شوہر کہتا ہے کہ بیس سال کا عرصہ ہوا۔ نکاح کے گواہ اور قاضی وغیرہ کوئی بھی موجود نہیں رہے۔ سب مر کھپ گئے۔ ہم شہادت یا ثبوت کہاں سے لائیں۔ شوہر کسی قسم کا ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ اب یہ عورت چھ مہینے سے دوسرے آدمی کے پاس ہے۔ کیا وہ اس سے بغیر طلاق کے نکاح کر سکتی ہے؟

(۵۱۸) **جواب** ۔ چونکہ بیس سال تک دونوں میاں بیوی کی طرح رہتے رہے اور عورت نے اس طویل عرصہ میں یہ ظاہر نہیں کیا کہ اس کا نکاح نہیں ہوا ہے اس لئے اب اس کے کہنے سے مرد کے ذمہ

یہ جرم اور الزام قائم نہیں ہو سکتا کہ اُس نے بے نکاحی عورت کو رکھا۔ اور چونکہ ان دونوں کے زکاح کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے اس لئے عورت کو اب طلاق حاصل کرنے پر مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا وہ دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(الجمعیتہ مورخہ یکم نومبر ۱۹۳۱ء)

زید جو مذہباً مسلمان ہے ایک اسلامی ریاست میں ساردا ایکٹ کو نافذ کرنے کی تحریک پیش کرتا ہے۔ درآں حالیکہ باشندے اس قانون کو ناپسند کرتے ہیں۔ نیز علوم مشرقی کی مخالفت کرتے ہوئے ریاست کے ان مدارس کو جن میں عربی فارسی ادب اور دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے بند کرا دینا چاہتا ہے۔

(۵۱۹) **جواب**۔ زید کی یہ دونوں حرکتیں اسلامی جذبے کے خلاف ہیں اور ان سے اسلامی تہذیب کی تخریب کی سعی جھلکتی ہے۔ جس کی وجہ سے زید اسلام اور مسلمانوں کے سامنے جواب دہ قرار پاتا ہے۔ مسلمانوں کو اس کے اس فعل کے خلاف اظہارِ ناراضگی ونفرت ضروری ہے۔ اور متفقہ سعی سے اس کی کوشش کو ناکام کر دینا چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(الجمعیتہ مورخہ ۲۸ جون ۱۹۳۳ء مطابق ۴ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ)

ہندہ کے منگیتر میں کچھ عیب سُن کر اس کے والدین رشتہ منقطع کر دیتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ اب انھوں نے رشتہ اپنے بھائی کے لڑکے بکر کے ساتھ کر دیا ہے۔ حالانکہ بکر کو علم بھی نہیں۔ بکر جس کے ساتھ ہندہ کی چھوٹی ہمشیرہ کی نسبت کچھ عرصے سے بتائی جاتی تھی اپنی مخالفت ظاہر کیا کرتا تھا۔ اُسے ہندہ پیش کی گئی۔ مگر جن نقائص کی وجہ سے وہ چھوٹی بہن کا رشتہ نہیں چاہتا تھا وہ ہندہ میں بھی موجود تھے انکار کر دیتا ہے۔ اب چونکہ ہندہ کے والدین مشتہر کر چکے تھے۔ قول کو حق ثابت کرنے کے لئے بکر پر اِدھر اُدھر سے زور ڈالنا شروع کیا اور کہا گیا کہ لڑکی کو تعلیم دلوائی جائے گی۔ سینا پرونا سکھایا جائے گا اور بھی مدد کی جائے گی وغیرہ۔ اور بھی سبز باغ دکھائے گئے۔ بکر نے بہت تنگ آ کر رضامندی ظاہر کر دی منگنی کی رسم ادا ہوئی۔ بعد میں بکر نے وہی انکار شروع کر دیا۔

کیونکہ لڑکی کے والدین نے شادی کے لئے کہنا شروع کردیا۔ اور اس لئے بھی کہ لڑکی بدستور اَن پڑھ اور دوسرے وعدے بھی پورے نہیں ہوتے معلوم ہوتے تھے۔ طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اُسے کسی کی مدد کا بھروسہ بھی نہ تھا۔ کچھ شکل سے بھی نفرت تھی۔ بہت سر پھوڑا کہ شادی نہ ہو۔ کسی طرح سے بَلا ٹل جائے مگر والدین نے کوئی پروا نہ کی۔ کیونکہ رشتہ داری کا معاملہ تھا۔ ہندہ کے والدین کو بھی سب علم تھا۔ مگر وہ اس لئے قدم نہ اُٹھاتے تھے کہ بدنامی ہوگی۔ باوجود اس کے کہ بکر کہتا تھا کہ اگر رشتہ ہوگیا تو طلاق دے دوں گا۔ ہندہ کے والدین نے بکر کے والدین پر بہت دباؤ ڈالا اور دھمکیاں دیں کہ اگر جلدی شادی نہ کی گئی تو سب رشتہ دار ملنا چھوڑ دیں گے۔ انھیں مجبوراً انتظامات کرنے پڑے۔ بکر بدستور نہیں نہیں کرتا رہا۔ اور یہ حالت تھی کہ شادی کے ذکر سے خواہ بازار ہو رو پڑتا تھا۔ اور آخری دن تک یہی حالت تھی۔ دعا کرتا تھا کہ کسی طرح رہائی ہو، مگر نہ ہوئی۔ خودکشی اسلام میں منع ہے اس لئے نہ کی۔ گھر سے بھاگا۔ اس لئے کہ نہ کسی رشتہ دار نے مدد کا وعدہ کیا نہ جواب دیا۔ مجبوراً کرنی پڑی۔ اب شادی ہوئے تقریباً ۴½ ماہ ہو چکے ہیں۔ اب بھی ہندہ کے لئے اس کے دل میں پہلے سے زیادہ نفرت ہے اور دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ شکل تک دیکھنے سے نفرت ہے۔ ہندہ میں کوئی بات یا خوبی نہیں جو اس کا دل اپنی طرف لا سکے۔ بکر شادی کو اپنے اوپر ظلم سمجھتا ہے۔ اور یہی رونا روتا ہے۔ ایسی شادی کے متعلق شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

جواب۔ (از نائب مفتی صاحب) اگر بکر بروقت عقد نکاح کے مجبور کیا گیا ہے قبول کر لینے پر تو عقد نکاح صحیح و نافذ نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ زوجین کی رضامندی صحت نکاح کے لئے شرط ہے۔ جیسا کہ نماز کی صحت کے لئے وضو شرط ہے۔ فقط واللہ اعلم حبیب المرسلین عفی عنہ

(۵۲۰) **جواب** (از حضرت مفتی اعظمؒ) الجمعیۃ مورخہ ۴ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں نکاح کے متعلق ایک فتویٰ شائع ہوا ہے۔ سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ "خاوند ایک عورت سے شادی کرنے پر رضامند نہیں تھا مگر اس کے والدین نے اُسے مجبور کر کے اسی عورت سے اس کی شادی کر دی۔ شادی کو ایک عرصہ ہوگیا مگر خاوند اب تک زوجہ کی طرف مائل اور متوجہ نہیں ہے۔" مستفتی نے دریافت کیا تھا کہ آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ مولوی حبیب المرسلین صاحب نے جواب دیا تھا کہ "یہ نکاح چونکہ خاوند کی مرضی کے خلاف ہوا ہے اس لئے صحیح و نافذ نہیں ہوا۔"

اس جواب کے متعلق مولانا عبدالوہاب صاحب نے دربھنگہ سے مجھے اطلاع دی کہ "یہ جواب صحیح نہیں ہے"۔ میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت جواب صحیح نہیں ہے۔ اول تو سوال سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ واقعۂ مذکورہ میں کوئی ایسی زبردستی کی گئی ہو جس کو اکراہ قرار دیا جائے تو جوازِ نکاح میں کوئی شبہ ہی نہیں۔ اور اگر بالفرض اکراہ بھی ہوتا جب بھی صحیح جواب یہی تھا کہ نکاح صحیح ہوگیا۔ کیونکہ نکاح اکراہ میں بھی صحیح ہوجاتا ہے۔ جن صاحب نے وہ سوال بھیجا تھا وہ اپنے سوال کا جواب یہ سمجھیں کہ نکاح تو صحیح ہوچکا ہے البتہ اگر زوجین میں نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو خلع یا طلاق کے ذریعہ سے علیحدگی کرائیں۔ اور زوجین کی زندگی کو تلخی اور کشمکش میں مبتلا رکھنے سے بچانے کی تدبیر کریں۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، مدرسہ امینیہ دہلی (یکم اگست ۱۹۳۳ء)

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۵ رمئی ۱۹۳۴ء)

شادیوں میں عورتیں جو مل کر گیت گاتی ہیں اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمانۂ رسالت میں اس کا ثبوت ہے کہ مدینہ میں انصار کی لڑکیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر گیت گاتی تھیں۔ ایک مصرع یہ تھا و فینا نبی یعلم ما فی غد۔ جس کو حضور نے منع فرمایا تھا۔

(۵۲۱) **جواب**۔ یہ واقعہ دو لڑکیوں کے گانے کا عید کے ایام کا ہے۔ اگر لڑکیاں عید یا شادی کے موقع پر زنانہ مکان میں کہ غیر مردوں تک آواز نہ جائے ایسے اشعار گالیں کہ ان کا مضمون صحیح ہو تو اباحت میں داخل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ر نومبر ۱۹۳۴ء)

ایک شخص اپنی بیوی کو اپنے گھر پر چھوڑ کر واسطے روزگار کے کلکتہ چلا گیا۔ اور برابر خرچ اخراجات کے لئے روپیہ بھیجتا رہا۔ اس درمیان میں اس کی بیوی کا ایک شخص سے ناجائز تعلق ہو گیا۔ جب یہ بات بستی والوں کو معلوم ہوئی تو ان دونوں کو بستی سے نکال دیا۔ وہ لوگ دوسری بستی میں جاکر قیام پذیر ہوئے۔ معلوم ہونے پر وہاں کے لوگوں نے بھی ان دونوں کو نکال دیا۔

عورت وہاں سے اپنے شوہر کے گھر چلی آئی۔ اتفاقاً اسی روز اس کا شوہر بھی کلکتہ سے آگیا۔ جب یہ سب حرکات اس کو معلوم ہوئیں تو اس نے کہا کہ ہم اس کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر اس نے بُرا فعل کیا ہے تو اس کا وبال اس کے سر رہے گا۔ اور بیوی بھی اپنے شوہر کو چھوڑنا نہیں چاہتی ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ بیوی اپنے شوہر پر حلال رہی یا حرام؟

(۵۲۲) **جواب** - بیوی کی بداعمالی سے اس کا نکاح فسخ نہیں ہوا۔ وہ بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں ہے۔ اگر شوہر اس کو رکھنا چاہتا ہے تو رکھ سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۹ر جولائی ۱۹۳۵ء)

زید کی دو بیٹیاں ہیں۔ بڑی بالغہ ہے چھوٹی نابالغہ ہے۔ بڑی کا عقد بکر سے مقرر ہوتا ہے بکر جو زید کا ہمشیر زادہ ہے مع احباب کے آتا ہے۔ نکاح پڑھانے کے لئے قاضی صاحب دلہن کا نام دریافت کرتے ہیں تو زید بھولے سے چھوٹی لڑکی کا نام نکاح کے رجسٹر میں لکھاتا ہے۔ اور دو گواہوں کے روبرو بڑی لڑکی یعنی دلہن سے نکاح پڑھا کر دینے کی قبولی حاصل کرتا ہے۔ لڑکی قبولی دیتی ہے۔ مجلس میں لڑکی کی قبولی سُنائی جاتی ہے۔ قاضی صاحب خطبہ پڑھنے کے بعد نکاح کے صیغے دلہن کے باپ اور دولھا سے تین تین دفعہ کہلواتے ہیں۔ اور صیغے میں ہر بار چھوٹی لڑکی ہی کا نام دوہرایا جاتا ہے۔ نکاح ہونے کے بعد دولھا دلہن کو رخصت کرا کے لے جاتا ہے اور خلوتِ صحیحہ حاصل کرتا ہے۔ اب زید کہتا ہے نکاح میں جو نام لیا گیا وہی نام بڑی لڑکی کا ہے۔ حالانکہ غلط کہتا ہے کیونکہ نکاح میں جو نام لیا گیا ہے اصل میں وہ چھوٹی لڑکی کا نام ہے۔ اور اس کو اسی نام سے داخلِ مدرسہ کیے ہیں۔ وہی نام سے ہمسایہ بُلاتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں نکاح کس سے ثابت ہوتا ہے۔ چھوٹی سے یا بڑی سے؟ اگر چھوٹی سے ثابت ہوا تو بکر کو اپنی متصرفہ دلہن کو رکھنے کا کیا طریقہ ہے؟

(۵۲۳) **جواب** - نکاح اسی لڑکی کا ہوا جس کا نام عقد کے وقت لیا گیا اور رخصتی بڑی لڑکی کی ہوئی۔ بڑی سے خلوت و وطی واقع ہوئی تو یہ وطی وطی بالشبہ ہوئی۔ اب شوہر کو لازم ہے کہ چھوٹی لڑکی کا نام لیکر اس کو طلاق دیدے اور بڑی لڑکی سے جو موطوءہ ہے نکاح کرے۔ نکاح

ایجاب وقبول دو گواہوں کے سامنے کر لینے سے ہو جائے گا۔ چھوٹی لڑکی کی طلاق قبل الخلوۃ ہوگی اِس لئے کوئی عدت لازم نہ ہوگی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کتاب الحجاب

پردے کے احکام وحدود

سوال

اپنی لڑکیوں یا بہنوں کو شادی یا ماتم پرسی میں یا سودا خریدنے کو بھیجنا کیسا ہے۔ اور شادی میں عوام کے سامنے گانا اور منہ کھولنا اور غیر محرم کو مخاطب کرکے گانا سنانا عورتوں کا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

(۵۲۴) **جواب** - عورتوں کو غیر محرم کے سامنے جانا خواہ شادی میں ہو یا ماتم پرسی میں یا اور کسی تقریب میں ناجائز ہے۔ اسی طرح غیر محرموں کے سامنے گانا حرام ہے۔ اگر عورت مجبوری کی وجہ سے سودا وغیرہ لینے جائے تو برقع وغیرہ ایسی طرح اوڑھے کہ کسی کی نظر اس کے بدن پر نہ پڑے۔

سوال

مستورات کو چہرے کے پردے کا کیا حکم ہے؟ زید کہتا ہے کہ پردہ صرف چہرے کا ہونا چاہیئے نہ منہ کا۔ عمرو کہتا ہے کہ پردہ منہ کا ہونا چاہیئے۔

المستفتی نمبر ۲۶۶ محمد طاہر صاحب (ضلع گورداسپور) ۱۴ محرم ۱۳۵۳ھ م ۲۹ اپریل ۱۹۳۴ء

(۵۲۵) **جواب** - عورت کا چہرہ نماز میں پردے کا حکم نہیں رکھتا۔ مگر غیر محرموں کے سامنے آنے جانے میں پردہ کا حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ چہرہ ہی اصل شے ہے جو جاذبِ نظر اور مہیج جذبات ہے۔

سوال

عورتوں کو عیدگاہ میں نمازِ عید کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۱۲ ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۵ء

(۵۲۶) **جواب** - نہیں کہ ان کے جانے میں فتنہ ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

عورت کی ماں کا ماموں سگا یا سوتیلا یا اخیافی اسی طرح اس کی نانی کا سگا یا سوتیلا یا اخیافی ماموں سے پردہ کرنا ہوگا یا نہیں۔ خصوصاً جبکہ ان کے روبرو جانے کی خرم اجازت نہیں دیتی یا دین کے بعض ضروری مسئلے میں خلل کا اندیشہ ہے۔

المستفتی نمبر ۵۷۲ عبدالرشید (ضلع سلہٹ) ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۲ اگست ۱۹۳۵ء

(۵۲۷) **جواب** - اگر ان لوگوں کے سامنے ہونے سے کوئی فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو پردہ کرنا لازم ہوگا۔ محمد کفایت اللہ

سوال

زید نے اپنی زوجہ کی حقیقی ماں یعنی اپنی ساس سے جو کہ شوہر دار ہے دانستہ یہ کہا کہ جس وقت میرے بڑے حقیقی بھائی بکر گھر کے اندر آیا کریں اُن سے پردہ نہ کیا کرو۔ یعنی اُٹھ کر اندر کمرے میں نہ چلی جایا کرو (بکر رنڈوا ہے) زید کا اپنی ساس سے یہ کہنا جائز ہے یا نہیں اور اس کی زوجہ کے اور اس کے نکاح میں کوئی خرابی تو واقع نہیں ہوئی؟ المستفتی نمبر ۹۸۰ عبدالوحید (ضلع بلند شہر)

۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۶ جون ۱۹۳۶ء

(۵۲۸) **جواب** - زید کا اپنی ساس سے یہ کہنا کہ تم میرے بڑے بھائی سے پردہ نہ کیا کرو درست نہیں ہے۔ لیکن اس کہنے سے زید کے نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

دہلی

سوال

اعزا سے پردے کی تحدید کیا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۰۸۲ قاری خادم علی مدرس مدرسہ نئی سڑک دہلی
۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء

(۵۲۹) **جواب** ۔ سوائے محارم کے اور رشتہ داروں سے پردہ ضروری ہے ۔ پردے سے مراد یہ ہے کہ عورت کا بدن غیر محرم نہ دیکھے ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

سوال

(۱) شوہر کے مکان میں شوہر کی والدہ برادرِ کلاں وخورد بھی رہتے ہیں اور حیثیت اتنی نہیں ہے کہ دوسرے مکان میں رہیں ۔ لیکن زوجہ اور اس کے والدین ان کے سامنے آنے کو حرام سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے سخت تکلیف ہوتی ہے ۔ اس حال میں عورت کا تشدد کہاں تک صحیح ہے ؟

(۲) اب تک ہمارے خاندان میں پردے کا یہ طریقہ رہا ہے کہ قریبی رشتہ داروں سے فقط گھونگھٹ اور آنکھوں کی شرم کو ہی کافی سمجھتے ہیں ۔ لیکن دور کے رشتہ داروں سے باقاعدہ پردہ ہوتا ہے ۔ قریبی رشتہ داروں سے سائل کی مراد ماموں ، چچا وپھوپھی زاد بھائی ، ماموں زاد بھائی ، بھانجہ ، خالہ زاد بھائی ، بھتیجہ ہیں ۔ اور یہ سب حقیقی ہیں ۔ ان کی ہر وقت آمد ورفت رہتی ہے ۔ ان کی روک تھام میں آپس میں قطع تعلق کا سخت خطرہ ہے ۔ اس کو دیکھتے ہوئے شوہر کی خواہش ہے کہ قریبی رشتہ داروں سے فقط گھونگھٹ نکال لیا کرو ۔ اس پر عورت کہتی ہے کہ ہم کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور والدین کی جدائی کا ڈر ہے اور والدین کی جدائی پر شوہر کی جدائی کو ترجیح دیتی ہے تو یہ شوہر کی خواہش ان موانعات اور مضرات پر نظر کرتے ہوئے کہاں تک صحیح ہے ۔ ویسے تو شوہر بھی پردے کا سختی سے حامی ہے ۔ المستفتی نمبر ۱۰۸۲ قاری خادم علی مراد آبادی

(۵۳۰) **جواب** ۔ (۱) عورت کا حق ہے کہ اس کو ایسے مکان میں رکھا جائے جس میں شوہر کے اقارب نہ ہوں ۔ دیور اور جیٹھ کے سامنے ہونے سے اگر زوجہ انکار کرتی ہے تو اس انکار میں وہ حق بجانب ہے ۔

(۲) ہاں گھونگھٹ سے رہنا جواز کے لئے کافی تو ہے ۔ لیکن گھونگھٹ کا التزام ایک گھر میں رہ کر ہمیشہ کرنا دشوار ہے ۔ جن لوگوں سے نکاح جائز ہے وہ سب غیر محرم ہیں اور ان سے پردہ کرنے

کا عورت کو حق ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنی زوجہ کو پردہ شرعی دیا ہے حتیٰ کہ اپنے بڑے بھائی کو ادب اور آرام سے کچھ عرصہ بعد شادی کے پردہ کا حکم شرعی سُنا کر پردہ کر دیا ہے چونکہ پہلے بہت عرصہ سے آباو اجداد میں پردہ نہ تھا۔ لہٰذا پردے کی وجہ سے والدہ صاحبہ سخت ناراض ہو گئی ہیں کہ تو اپنے بھائی سے پردہ نہ کرانا ورنہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گی۔ اب عرض یہ ہے کہ اس وجہ سے والدہ صاحبہ کا ناراض ہو جانا قیامت میں کیسا ہوگا؟

المستفتی نمبر ۱۳۸۲ سجن صاحب دین پور شریف ڈاک خانہ خانپور۔ ریاست بہاولپور
۳ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۴ مارچ ۱۹۳۷ء

(۵۳۱) **جواب**۔ حدیث شریف میں شوہر کے بھائی کو عورت کے لئے موت سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پردہ کرنا لازم ہے تو اس شخص نے شریعت کے مطابق کام کیا ہے۔ اس پر والدہ کی ناراضگی اس کے حق میں مضر نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک مکان میں چار بھائی اور ان کے والدین اکٹھے رہتے ہیں۔ بھائیوں میں سے ایک نابالغ اور تین بالغ۔ دو کی شادی ہو گئی۔ مکان تنگ ہونے کی وجہ سے اس میں حصے نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں خورد و نوش میں بھی جدائی ناممکن ہے۔ کیونکہ کوئی روزگاری، کوئی طالب علم، کوئی بے روزگار، اور بسا اوقات ہر ایک بھائی کو اندر جانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ کبھی کوئی چیز مانگی۔ کوئی بات کہی کھانا کھانا وغیرہ ضروریات تمدن روزمرہ واقع ہوتے رہتے ہیں۔ اب پردہ کس طرح کرنا چاہیئے۔ وجہ وکفین ورجلین کی استثنا جائز ہے یا نہیں۔ جواز کی صورت میں قباحت یہ ہے کہ انسان کے چہرہ دیکھنے میں ہی بدخیالی پیدا ہوتی ہے اور عدم جواز کی صورت میں گھر کے کاروبار مشکل۔ اس کے علاوہ بسا اوقات بیبیاں دوسرے بھائیوں کی نظر میں پڑ جاتی ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۵۴۱ عبدالنور صاحب (ضلع سلہٹ)
۱۷ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۷ جون ۱۹۳۷ء

(۵۳۲) **جواب** - ایسی حالت میں عورتوں کو گھر میں احتیاط سے رہنا اور حتی الامکان کھلے منہ سامنے ہونے سے بچنا لازم ہے - امکانی کوشش کریں اور مجبوری سے اچانک سامنا ہو جائے تو صفائی قلب کی حالت میں اس کی معافی کی امید ہو سکتی ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

مرد اپنی ساس کے سامنے بے پردہ آسکتا ہے یا نہیں ؟ اور بیٹے کی ساس باپ کے سامنے بے پردہ آسکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۲۶۶ مولوی محمد ابراہیم صاحب (جیو سلم)
۱۱ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ء

(۵۳۳) **جواب** - بیٹے کی ساس کا باپ کے سامنے بے پردہ آنا درست نہیں - ہر شخص اپنی ساس کے سامنے بے پردہ آسکتا ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

استفتاء

(ماخوذ از کف المؤمنات عن حضور الجماعات مطبوعہ ۱۳۳۴ھ)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ عورتوں کا مجالس وعظ میں جانا جائز ہے یا نہیں ؟ بالخصوص ایسے جلسوں میں جن میں خوش الحانی سے اشعار پڑھے جاتے ہوں اور مجمع میں ہر قسم کے لوگ موجود ہوں - اور (۲) اگر عورتوں کے لئے ایسے موقعوں پر جداگانہ پردے کا بندوبست کر دیا جائے تو آیا اس کا کچھ اثر جواز و عدم جواز میں ہو گا یا نہیں ؟ اور (۳) یہ کہ عورتوں کو ایسے مجامع میں شریک ہونے سے منع کرنے کا خاوند کو حق حاصل ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا -

(۵۳۴) **جواب** - (۱) عورتوں کو فقہائے حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالس وعظ میں جانے سے منع کیا ہے اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لئے مجالس وعظ اور جماعت نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے جو حرام کے قریب ہے - اور اس حکم فقہی کی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاریؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے -

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے - انھوں نے فرمایا کہ اگر عورتوں کی یہ حرکات جو انھوں نے اب اختیار کی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو انھیں

منعت نساء بنی اسرائیل۔ نقلت لعمرۃ او منعن قالت نعم۔ (رواہ البخاری)

مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عمرہ سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں ؟۔ انھوں نے فرمایا ہاں ! ۔ انتہیٰ

اس حدیث سے نہایت صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہی عورتوں کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعتوں میں جانا سببِ فتنہ تھا۔ اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و دیگر اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عورتوں کو جماعت میں آنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں اُس حدیث کے تحت میں جس میں عورتوں کا زمانۂ رسالت پناہی میں عیدین میں جانا مذکور ہے تحریر فرماتے ہیں۔

وقال العلماء كان هذا في زمنه صلى الله عليه وسلم واما اليوم فلا تخرج الشابة ذات الهيئة ولهذا قالت عائشة لو رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل۔ قلت هذا الكلام من عائشة بعد من يسير جدا بعد النبي صلى الله عليه وسلم۔ واما اليوم فنعوذ بالله من ذلك فلا يرخص في خروجهن مطلقا للعيد وغيره۔ (عینی شرح بخاری)

علمانے فرمایا کہ عورتوں کا عیدین میں جانا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس لئے تھا کہ وہ زمانہ خیر و برکت کا تھا اور فتنہ کا خوف نہ تھا۔ اور آجکل جوان عورتیں خوبصورت خوش وضع ہرگز نہ جائیں اور اسی لئے حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی یہ حرکات ملاحظہ فرماتے تو اُن کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک کے بہت تھوڑے دنوں بعد کا ہے اور آج کل تو خدا کی پناہ ! پس مطلقاً عورتوں کو عید اور غیر عید میں جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ انتہیٰ

(من المؤلف) جبکہ علامہ عینی اپنے زمانے میں یہ فرماتے ہیں کہ آجکل کی عورتوں کے حالات سے

خدا کی پناہ! تو پھر ہمارے اس زمانے چودھویں صدی کی عورتوں کا توذکر ہی کیا ہے؟ اور علامہ عینی عمدۃ القاری میں دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

ومذہب اصحابنا ماذکرہ صاحب البدائع اجمعوا علی انہ لایرخص للشابۃ الخروج فی العیدین والجمعۃ وشیء من الصلوۃ لقولہ تعالیٰ وقرن فی بیوتکن ولان خروجھن سبب للفتنۃ واما العجائز فیرخص لھن الخروج فی العیدین ولاخلاف ان الفضل ان لا یخرجن فی صلاۃ (عینی شرح بخاری و بدائع ص۲۷۵ ج۱)

ہمارے اصحاب یعنی علمائے حنفیہ کا مذہب وہ ہے جو صاحب بدائع نے ذکر کیا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جوان عورت کو عیدین اور جمعہ بلکہ کسی نماز میں جانے کی اجازت نہیں بوجہ ارشاد باری تعالیٰ وقرن فی بیوتکن کے۔ اور اس لئے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے ہاں بوڑھیاں عیدین کے لئے جاسکتی ہیں اور اس میں خلاف نہیں کہ افضل بوڑھیوں کے لئے بھی یہی ہے کہ کسی نماز کے لئے نہ نکلیں۔ انتہیٰ

اور بدائع میں ہے :-

ولا یباح للشواب منھن الخروج الی الجماعات بدلیل ماروی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ نھی الشواب عن الخروج ولان خروجھن سبب للفتنۃ والفتنۃ حرام وما ادی الی الحرام فھو حرام۔ (بدائع ص۱۵۷ ج۱)

یعنی جوان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں اس روایت کی دلیل سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا۔ اور اس لئے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے۔ اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز فتنہ کی طرف پہنچائے وہ بھی حرام ہوتی ہے۔ انتہیٰ

اور فتاویٰ ہندیہ معروف بہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :-

والفتوی الیوم علی الکراھۃ فی کل الصلوات لظھور الفساد کذا فی الکافی۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۹۳ ج۱)

یعنی اس زمانے میں فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے۔ کیونکہ ظہورِ فساد کا زمانہ ہے۔

اور بدائع میں ہے :-

واما المرأۃ فلانھا مشغولۃ بخدمۃ

یعنی عورت کا حکم یہ ہے کہ وہ خاوند کی خدمت میں

الزوج ممنوعۃ عن الخروج الی محافل الرجال لکون الخروج سببا للفتنۃ و لھذا لاجماعۃ علیھن ولا جمعۃ علیھن ایضًا۔ (بدائع صـ۲۵۸ ج ۱)

(شرعًا) لگائی گئی ہے اور مردوں کی مجلسوں میں جانے سے (شرعًا) روکی گئی ہے۔ کیونکہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور اسی لئے عورتوں پر جماعت اور جمعہ نہیں۔

(من المؤلف) ان تمام عبارتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو نماز پنجگانہ عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔ اور گھروں سے ان کے نکلنے میں ہی فتنہ ہے۔ اور یہ ممانعت حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ، عروۃ بن الزبیرؓ، قاسمؒ، یحییٰ بن سعید انصاری، امام مالکؒ امام ابو یوسفؒ وغیرہم سے منقول ہے۔ اور ائمہ حنفیہ کا بالاتفاق یہی مذہب ہے جیسا کہ عینی اور بدائع کی عبارتوں سے واضح ہے۔

باوجودیکہ نماز پنجگانہ اور عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں جاتی اور شریک ہوتی تھیں۔ اور یہ جماعتیں فرائض کی جماعتیں ہیں اور شعارِ اسلام میں سے ہیں مگر اختلاف زمانہ اور تغیر حالات کی وجہ سے صحابہ کرام اور ائمہ عظام نے عورتوں کو ان جماعتوں سے روک دیا۔ اور ائمہ حنفیہ نے بالاتفاق عورتوں کے جماعت میں جانے کو مکروہ فرمادیا تو اس سے ہر سمجھ دار شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ جب فرائض کی جماعتوں کا یہ حکم ہے تو وعظ کی مجلسوں میں جانا عورتوں کو کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔ اول تو آج کل وعظ کی اکثر مجلسیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ عورتیں تو عورتیں مردوں کو بھی ان میں جانا جائز نہیں اس وجہ سے کہ اکثر واعظ نام کے مولوی ہوتے ہیں۔ دو چار اردو کی قصے کہانیوں کی کتابیں دیکھیں اور واعظ بن گئے۔ پھر ان کے وعظ میں سوائے قصے کہانیوں، جھوٹی سچی روایتوں، من گھڑت باتوں کے اور کیا ہوگا۔ سو ایسے وعظ میں کسی کو بھی جانا جائز نہیں۔ اور بعض واعظ مولوی بھی ہیں لیکن چونکہ وعظ سے اُن کا مقصود دنیا کمانا ہے اور عوام کو خوش کرنا اور اپنا معتقد بنانا اس لئے وہ بھی عام پسند باتوں کے بیان کرنے میں ہی اپنا فائدہ سمجھتے ہیں۔ اور عوام کو خوش کرنے کے لئے صرف قصے کہانیوں پر وعظ کو ختم کردیتے ہیں۔ مجلس وعظ کی گرمی کے لئے اولیائے کرام کے کچھ فرضی واقعات سُنادیئے۔ کچھ بے سند موضوع روایات بیان کردیں اور اپنا اُلو سیدھا کرلیا۔ ایسے مولویوں کے وعظ میں

بھی جانا مفید نہیں اور کسی مرد و عورت کو ان کے وعظ میں جانا جائز نہیں۔ چنانچہ اس کی تفصیل آخر میں بطور تتمہ بیان کی جائے گی۔

رہے صرف وہ معدودے چند علماء جو فی الواقع عالم بھی ہیں اور وعظ سے ان کا مقصود بھی تعلیم دین اور تبلیغ مذہب اور اشاعت اسلام ہے۔ دنیا طلبی انھیں مقصود نہیں۔ ان کا وعظ رطب و یابس قصوں، جھوٹی سچی روایتوں سے خالی اور پاک ہوتا ہے تو ایسے وعظ میں صرف مردوں کو حاضر ہونا جائز ہے، عورتوں کو نہیں۔ کیونکہ جب فرائض کی جماعتوں میں عورتوں کا جانا مکروہ اور ناجائز ہے تو مجلسِ وعظ میں جانا بدرجہ اولیٰ مکروہ اور ناجائز ہوگا۔ چنانچہ فقہائے کرام نے اس کی تصریح فرمادی ہے اور متعدد معتبر فتاویٰ فقہائے حنفیہ میں یہ مضمون بصراحت موجود ہے جو ناظرین کے اطمینان کے لئے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے :-

ولا یحضرن الجماعات لقوله تعالیٰ وقرن فی بیوتکن، وقال صلی الله علیه وسلم صلاتها فی قعر بیتها افضل من صلاتها فی صحن دارها وصلاتها فی صحن دارها افضل من صلاتها فی مسجدها وبیوتهن خیر لهن۔ الی قوله۔ قال المصنف فی الکافی والفتوی الیوم علی الکراهة فی الصلوٰة کلها لظهور الفساد ومتی کره حضور المسجد للصلاة فلان یکره حضور مجالس الوعظ خصوصاً عند هؤلاء الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء اولی ذکره فخر الاسلام (بحر الرائق ص۳۸۰)	اور عورتیں جماعتوں میں نہ جائیں بوجہ ارشادِ باری تعالیٰ وقرن فی بیوتکن کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی نماز کوٹھڑی کے اندر اُس نماز سے اچھی ہے جو گھر کے صحن میں ہو اور صحن کی نماز اس نماز سے اچھی ہے جو مسجد میں ہو اور اُن کے گھر اُن کے لئے بہتر ہیں۔ الی قولہ مصنف یعنی صاحبِ کنز الدقائق نے کافی میں فرمایا کہ آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے بوجہ ظہورِ فساد کے اور جبکہ مسجد میں نماز کے لئے جانا مکروہ ہوا تو وعظ کی مجلس میں جانا اور بالخصوص ان جاہل واعظوں کی مجلسوں میں جنھوں نے علما کی سی صورتیں بنا رکھی ہیں بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہے۔ یہ فخر الاسلام نے ذکر کیا ہے۔ انتہیٰ۔

اور علامہ بدرالدین عینی شرح کنز میں تحریر فرماتے ہیں :-

ولا یحضرن ای النساء سواء کن شواب	یعنی عورتیں خواہ جوان ہوں یا بوڑھیاں جماعتوں میں نہ

او عجائز الجماعات لظهور الفساد وعند ابی حنیفة للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء وعندھما فی الکل وبه قالت الثلاثة والفتوی الیوم علی المنع فی الکل فلذلک اطلق المصنف ویدخل فی قوله الجماعات الجمع والاعیاد والاستسقاء ومجالس الوعظ ولاسیما عند الجھال الذین تحلوا بحلیة العلماء وقصدھم الشھوات وتحصیل الدنیا۔

(عینی شرح کنز ص ۳۹)

جائیں کیونکہ ظہورِ فساد کا زمانہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے بوڑھیوں کے لئے فجر اور مغرب اور عشا میں جانے کی اجازت مروی ہے۔ اور صاحبین سے تمام نمازوں میں جانے کی۔ اور اسی کے ائمہ ثلاثہ قائل ہیں۔ اور آجکل فتویٰ اس پر ہے کہ تمام نمازوں میں جانا جوان عورتوں اور بوڑھیوں دونوں کو منع ہے۔ اور مصنف کے قول الجماعات میں جمعہ اور عیدین اور استسقا اور وعظ کی مجلسیں بھی داخل ہیں۔ بالخصوص ان جاہل واعظوں کی مجلسیں جو علما جیسی صورتیں بنا لیتے ہیں اور مقصود ان کا اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنا اور دنیا کمانا ہے۔

اور درمختار میں ہے:-

ویکرہ حضورھن الجماعة ولو لجمعة وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذھب المفتی به لفساد الزمان۔

(درمختار ص ۳۹۷ ج ۱)

یعنی عورتوں کا جماعت میں جانا خواہ جماعت جمعہ کی ہو یا عید کی یا وعظ کی، مکروہ ہے اور خواہ جانے والی بوڑھی عورت ہو اور رات کو جائے۔ مذہب مفتی بہ کی بنا پر۔ اور یہ حکم بوجہ ظہور فساد زمانہ کے ہے۔ انتہیٰ

(من المؤلف) بحر الرائق عینی شرح کنز الدقائق اور درمختار کی عبارتوں سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوگئی کہ عورتوں کو مجالس وعظ میں جانا مکروہ اور ناجائز ہے۔ اور بالخصوص ایسے واعظوں کی مجلسوں میں جن کا مقصود دنیا کمانا ہو۔ یعنی اگر واعظ جاہل یا دنیا کمانے والا ہو تو اس کی مجلس میں تو قطعاً ناجائز ہے۔ اس میں تو کلام ہی نہیں۔ عالموں اور اچھے واعظوں کی مجلسِ وعظ میں جانا بھی فسادِ زمانہ کی وجہ سے مکروہ اور ناجائز ہے۔ ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں تحریر فرماتے ہیں:-

ویمکن حمل النھی علی عجائز متطیبات او متزینات او علی شواب ولو فی ثیاب بذلتھن لوجود الفتنة فی خروجھن علی

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زیارت قبور سے جو منع فرمایا ہے تو اس ممانعت کو اُن بوڑھیوں پر جو خوشبو لگا کر نکلیں یا زینت کر کے نکلیں یا جوان عورتوں

قیاس کراھۃ خروجھن الی المساجد (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۲۴۷ ج ۱)
پر خواہ وہ معمولی لباس میں نکلیں محمول کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے گھر سے نکلنے میں ہی فتنہ ہے اور یہ ممانعت ان کے مسجدوں میں جانے کی کراہت پر قیاس کیجاتی ہے۔ انتہی

(من المؤلف) اس عبارت سے اور اسی طرح پہلی عبارتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ عورتوں کا گھر میں سے نکلنا اور جماعتوں میں شریک ہونا موجب فتنہ ہے۔ اور ممانعت کا حکم اس فتنہ سے بچنے کے لئے ہے۔ زیارتِ قبور، جمعہ، عیدین، وعظ، استسقا سب اسی حکم میں داخل ہیں۔

اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جوان عورتیں خواہ بناؤ سنگار کر کے نکلیں یا معمولی حالت میں بہرحال ان کا نکلنا ناجائز ہے۔ اور اگرچہ بعض روایتوں سے بوڑھیوں کے لئے نماز فجر و مغرب و عشا میں جانا بالشرطیکہ زینت اور بناؤ سنگار کر کے نہ جائیں جائز معلوم ہوتا ہے لیکن قول مفتی بہ یہ ہے کہ بوڑھیوں کو جانا بھی جائز نہیں۔ جیسا کہ علامہ عینی کی شرح کنز اور در مختار کی عبارت سے بصراحت ثابت ہوتا ہے۔ اور جبکہ ان عوارض کا لحاظ بھی کیا جائے جو سوال میں مذکور ہیں کہ مجلس وعظ میں خوش الحانی سے اشعار پڑھے جاتے ہیں اور مضامینِ عشقیہ کے اشعار سنائے جاتے ہیں تو ایسے وعظ میں عورتوں کے جانے کا حکم ایسا نہیں ہے جس میں کسی ذی علم کو کچھ بھی تردد اور تامل ہو سکے۔

عن انسؓ قال کان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم حادٍ یقال لہ انجشۃ وکان حسن الصوت فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم رویدک یا انجشۃ لا تکسر القواریر قال قتادۃ یعنی ضعفۃ النساء متفق علیہ (مشکوۃ ص ۴۱۶)
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حُدی خواں تھا۔ اس کا نام انجشہ تھا اور وہ خوش آواز تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے انجشہ! ٹھیرو کہیں شیشیاں نہ توڑ دینا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ شیشوں سے آپ کی مراد عورتیں ہیں۔ انتہی

اس پر مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:۔

امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انجشۃ ان یغض من صوتہ الحسن وخاف الفتنۃ علیھن بان یقع من قلوبھن موقعا لضعف عزائمھن وسرعۃ تاثرھن۔
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجشہ کو حکم فرمایا کہ اپنی آواز کو پست کر دے اور آپ کو خوف ہوا کہ کہیں یہ عورتوں کے دلوں میں کھُب نہ جائے اور فتنہ واقع ہو۔ کیونکہ عورتوں کا استقلال کمزور ہوتا ہے اور اُن کے دل میں

(لمعات کذافی حاشیۃ المشکوٰۃ) یسی باتوں کا اثر بہت جلد ہوتا ہے۔

(من المؤلف) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خوش آواز شخص کو زور سے شعر پڑھنے سے صرف اس لئے منع فرما دیا کہ عورتیں ساتھ تھیں اور اندیشہ تھا کہ اُس کی خوش آوازی کی وجہ سے عورتوں کے دلوں میں کسی قسم کی بدخیالی پیدا ہو جائے اور اس کی خوش آوازی سے متاثر ہو کر فتنہ میں پڑ جائیں۔

پس جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے زمانے کی عورتوں پر جو ہر طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے مشرف تھیں، یہ اندیشہ ہوا کہ خوش آوازی سے وہ بگڑ نہ جائیں تو پھر آجکل کی عورتوں کا کیا ٹھکانہ ہے۔ پس جس طرح کہ مردوں کے لئے غیر محرم کا گانا سننا حرام ہے اسی طرح عورتوں کو مردوں کا گانا سننا حرام ہے۔ اور کسی طرح عورتوں کو ایسے وعظ میں جانا جائز نہیں جہاں خوش آوازی سے اشعار پڑھے جاتے ہوں اور گایا جاتا ہو۔

(۲) رہا یہ امر کہ مجالسِ وعظ میں اگر عورتوں کے لئے کسی خاص طرف پردے کا انتظام کر دیا جائے تو پھر عورتوں کو وعظ میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا ہی مکروہ ہے۔ اور راستہ نکلنے میں ہی چونکہ فتنہ کا احتمال ہے اس لئے اکثر فقہا نے خروج کو ہی ناجائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ جب عورتوں کے لئے جماعت نماز یا وعظ وغیرہ کے لئے گھر سے نکلنے کی اجازت ہو جائے اور وہ نکلنے لگیں تو اب ہر وقت اس کی تحقیقات کرنا بہت مشکل ہے کہ آیا وہ مسجد میں ہی گئی اور وعظ میں ہی حاضر ہوئی یا اور کہیں چلی گئی۔ اور گھر آکر نماز یا وعظ کا بہانہ کر دیا۔ نیز فقہا کا یہ حکم کہ عورتوں کو جماعاتِ نماز و وعظ و جمعہ و عیدین میں جانا ناجائز ہے کیونکہ یہ باعثِ فساد ہے۔ صراحۃً ان روایات سے معلوم ہو چکا جو اوپر لکھی گئی ہیں۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ اسباب فتنہ کیا ہیں؟ سو تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنے کے اسباب یہ ہیں:-

عورت گھر سے نماز یا وعظ کے بہانے سے نکلے اور اپنی خباثتِ نفسانی سے کسی اور جگہ چلی جائے اور گھر والے یہ سمجھیں کہ نماز و وعظ میں گئی ہے۔ جماعت نماز و مجلس وعظ میں جاکر مردوں کی نظریں اس پر پڑیں گی اور اس لئے اندیشہ ہے کہ کسی غیر مرد کا کسی عورت سے ناجائز تعلق ہو جائے۔ عورت کی نظر غیر مردوں پر پڑے گی اور اس لئے احتمال ہے کہ عورت کا کسی غیر مرد پر دل آجائے اور نتیجہ

بُرا پیدا ہو۔

یہ تین احتمال ہیں۔ ان میں سے پہلا احتمال تو اس طرح رفع نہیں ہو سکتا کہ مجلسِ وعظ میں ان کے لئے پردے کا انتظام کر دیا جائے۔ کیونکہ فتنہ کا یہ احتمال تو نفس خروج عن الدار کو لازم ہے۔ بلکہ اس کا علاج اگر ہے تو یہ ہے کہ عورت کے گھر سے نکلنے کے وقت سے اس کی واپسی تک کوئی معتبر شخص جو اس کی حرکات و سکنات کو دیکھتا رہے اُس کے ساتھ رہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی نہیں کرتا۔ اور نہ اس قدر نگہداشت اُن تمام عورتوں کی ہو سکتی ہے جو بصورتِ اجازت نماز یا وعظ میں جانے لگیں گی۔ اور یہی وجہ ہے کہ فقہا نے عورتوں کو جانے ہی سے منع کیا۔ ان کی نظر زیادہ تر اسی احتمال پر تھی۔ اور عورتوں کے حالات بھی اسی کے مقتضی ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کی روایت کے یہ الفاظ مااحدث النساء بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے بدنیتی پیدا کرنے اور ٹٹی کی اوٹ شکار کھیلنے کی نسبت عورتوں کی جانب کی ہے۔ اور روایت یتخذنہ دغلا کا مفہوم بھی یہی ہے۔ یعنی اگر عورتوں کو اجازت خروج عن الدار کی دیدی جائیگی تو وہ اُسے اچھا خاصا بہانہ بنالیں گی۔ اور اس کی آڑ میں اپنی خواہشیں پوری کریں گی۔ ورنہ اگر اس احتمال کی رعایت فقہا کو مدنظر نہ ہوتی تو یہ بات آسان تھی کہ مساجد میں عورتوں کی نماز کے لئے پردے کی جگہ بنادی جاتی اور عورتوں کو جماعت کی شرکت اور وعظ کی مجلس میں حاضری سے فقہا منع نہ کرتے لیکن کسی فقیہ نے کسی کتاب میں یہ ترکیب نہیں لکھی کہ مسجدوں میں عورتوں کے لئے ایک پردے کی جگہ بنادو اور اُن کو جماعت میں آنے دو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے نفس خروج کو موجب فساد سمجھ کر گھر سے نکلنے کو ہی منع فرمادیا۔ اور اسی وجہ سے اکثر فقہا کی عبارت میں اس مقام پر خروج کے ہی لفظوں سے اس مسئلے کو ذکر بھی کیا گیا ہے۔ نیز مندرجۂ ذیل حدیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے :۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطان (رواہ الترمذی)	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے۔ جہاں وہ گھر سے نکلی اور شیطان اس کی تاک میں لگا۔ انتہیٰ

یہاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے گھر سے نکلنے ہی کو محل فتنہ قرار دیا اور فرمایا کہ شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے کہ خود اُسے بہکا کر کسی نامناسب جگہ لے جائے یا کسی مرد کو بہکا کر اُس عورت کی طرف لے آئے اور فتنہ برپا کردے۔ اور اُس روایت پر بکر رنظر ڈالیے جو بحرالرائق کی عبارت میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی اُس نماز کو جو کوٹھری کے اندر پڑھے صحن کی نماز سے بہتر اور اُس نماز کو جو صحن مکان میں پڑھے مسجد کی نماز سے بہتر فرمایا ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ عورت اپنے مکان اور اپنے خیر استتار و اطمینان سے جس قدر دور ہوتی جائے گی اسی قدر احتمال فتنہ قوی ہوتا جائے گا۔ اسی لئے اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ فرما دیا۔ یعنی ان کے گھر اُن کے لئے بہتر ہیں۔ پس ثابت ہوگیا کہ عورتوں کا گھر سے نکلنا ہی محل فتنہ ہے۔ اس لئے مجلسِ وعظ میں پردے کی جگہ مقرر کرنا کچھ مفید نہیں اور نہ اُس کا جواز پر کچھ اثر ہے۔ ورنہ لازم ہے کہ مساجد میں پردے کی جگہ مقرر کرکے اُن کو نمازوں میں حاضر ہونے اور جماعت میں شریک ہونے کی اجازت بھی دیدی جائے اور یہ کسی کتاب سے ثابت نہیں۔

اب دوسرے احتمال پر نظر ڈالیے کہ غیر مردوں کی نظریں عورتوں پر پڑیں گی۔ سو اگرچہ بظاہر یہ وہم ہوسکتا ہے کہ مجلسِ وعظ میں پردے کا انتظام کردینے کی صورت میں یہ احتمال مرتفع ہوجاتا ہے لیکن حقیقت شناس خوب جانتے ہیں کہ مجلسِ وعظ کا پردہ اس احتمال کو بھی رفع نہیں کرسکتا۔ اکثر ایسی بے احتیاطیاں عمل میں آتی ہیں کہ غیر مردوں کی نظر عورتوں پر پڑ جاتی ہے۔ اور ایسے مجمعوں میں شریک ہونے والے حضرات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ مجلسِ وعظ کا پردہ عورتوں پر غیر مردوں کی نظر پڑنے سے مانع ہوتا ہے۔ تاہم تیسرا احتمال کہ عورتوں کی نظر مردوں پر پڑے اس پردے سے کسی طرح مرتفع نہیں ہوتا۔ عورتیں پردے میں سے تمام مجلس کے لوگوں کو جھانکتی تاکتی ہیں اور آج کل کی عورتوں میں یہ مرض ایسا عام ہے کہ شاید فی صدی دو چار عورتیں اس سے مستثنیٰ ہوں تو ہوں ورنہ اتنی بھی نہیں۔ پس یہ احتمال فتنہ اس پردے سے جو مجلس وعظ میں عورتوں کے لئے کیا جاتا ہے کسی طرح مرتفع نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقت پوچھیے تو یہ پردہ کرنا اصل میں عورتوں کو غیر مردوں کے تاکنے جھانکنے کا موقع دینا ہے۔ اس بات سے کوئی شخص واقف کار بروئے ایمان و انصاف انکار نہیں کرسکتا۔ اور یاد رہے کہ جس طرح مردوں کو غیر عورتوں پر نظر ڈالنا حرام ہے اسی طرح عورتوں کو غیر

مردوں کا دیکھنا حرام ہے۔ اس کے لئے حدیث ذیل ملاحظہ ہو:۔

عن ام سلمة رضی اللہ عنہا انہا کانت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و میمونة رضؓ اذا اقبل ابن ام مکتوم فدخل علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یارسول اللہ الیس ھو اعمی لایبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ (رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد) کذا فی المشکوۃ

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میمونہ اور ام سلمہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں کہ عبداللہ ابن ام مکتوم نے جو نابینا تھے آنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے ان دونوں بی بیوں سے فرمایا کہ پردہ کرو۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ تو نابینا ہیں ہمیں نہیں دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا تم دونوں تو نابینا نہیں ہو تم تو انہیں دیکھو گی۔

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوگیا کہ عورت کو بھی غیر مرد پر نظر ڈالنا حرام ہے۔ جبھی تو آپ نے دونوں بی بیوں کو پردہ کرنے کا حکم دے دیا۔

وکان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسدون النقب والکوی فی الحیطان لئلا تطلع النساء علی الرجال ورأی معاذ امرأتہ تطلع فی کوۃ فضربھا۔ فینبغی للرجل ان یفعل کذلک ویمنع امرأتہ عن مثل ذلک۔ (مجالس الابرار ص۵۶۳)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کا یہ طریقہ تھا کہ دیواروں کے سوراخ اور جھروکے بند کردیا کرتے تھے تاکہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں اور حضرت معاذؓ نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ ایک جھروکے سے جھانک رہی تھیں تو ان کو مارا۔ پس مرد کو چاہیئے کہ ایسا ہی کرے۔ اور اپنی بی بی کو ایسی باتوں سے روکے۔

پس واضح طور سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مجلس وعظ کا پردہ کچھ مفید نہیں اور اس برائے نام رسمی پردے سے فتنہ کے احتمال مرتفع نہیں ہوتے۔ بالخصوص احتمال نمبر ایک کے رفع کرنے میں تو اس کو کچھ دخل نہیں۔ حالانکہ اصل الاصول وہی ہے۔ اور احتمال نمبر ۲ بھی بنظر بے احتیاطی اس پردہ سے مرتفع نہیں ہوتا۔ اور احتمال سوم عورتوں کے حالات اور عادات کو دیکھتے ہوئے قطعاً اس پردے سے مرتفع نہیں ہوتا۔ پس اب ناظرین خود ہی انصاف کرلیں کہ اس پردے کا جواز پر کیا اثر ہوسکتا ہے!

یہاں پر یہ بات بھی ذرا قابلِ لحاظ ہے کہ آخر مجلسِ وعظ میں عورتوں کو بلانے اور اُن کے لئے پردے کا انتظام کرنے کا اہتمام کیوں کیا جاتا ہے؟ وعظ کی مجلس میں عورتوں کے لئے اس قدر اہتمام کرنا اور نماز کی جماعت اور جمعہ وعیدین کی شرکت کے لئے مساجد میں پردے کا اہتمام نہ کرنا کس وجہ سے ہے؟ اور اگر اس میں واعظ کی نیت کو دخل نہ ہوتا ہم یہ ترجیح مرجوح ہے جو باطل ہے۔ اور اگر واعظ صاحب کی نیت کو دخل ہو کہ عورتوں سے ان کو زیادہ فائدہ پہنچنے کی اُمید ہے اور معقول رقمیں حاصل ہونے کی طمع۔ تو یہ ایک اور وجہ عدم جواز کی وجوہ مذکورۂ بالا پر مستزاد ہو جائیگی۔

(۳) مجلس وعظ میں جانے سے عورتوں کو منع کرنے کا حق خاوند کو ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مضامینِ سابقہ سے یہ بات معلوم ہو چکی کہ وعظ کی مجلس میں عورتوں کو جانا ہی جائز نہیں۔ پس ایسی مجلس سے روکنے کا حق خاوند کو بدرجۂ اولیٰ حاصل ہوگا۔ کیونکہ خاوند کو فقہائے کرام کی تصریحات کے بموجب یہ حق حاصل ہے کہ ضروری مسائل دریافت کرنے کے لئے بھی عورت کو باہر نہ جانے دے۔ بشرطیکہ خود علما سے دریافت کرکے اُسے بتادیا کرے اور اگر خاوند خود دریافت کرکے نہ بتائے تو عورت کو کسی خاص حادثہ کے وقت بضرورت اُس حادثہ کا حکم دریافت کرنے کے لئے نکلنا جائز ہے بشرطیکہ وہ واقعہ بھی ضروری السوال ہو۔ فقہا کی عبارتیں ملاحظہ ہوں:۔

له منعها من مجلس العلم الا لنازلة امتنع زوجها من سؤالها۔ (درمختار ص۶۸۳ ج ۲)

یعنی خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ عورت کو مجلسِ علم میں جانے سے روکے مگر ایسے وقت کہ اُسے کوئی حادثہ پیش آئے اور خاوند اُس حادثہ کا حکم علما سے دریافت کرکے اُسے نہ بتائے۔ انتہیٰ۔

فان لم تقع نازلة وارادت الخروج لتعلم مسائل الوضوء والصلوٰة ان كان الزوج يحفظ ذلك ويعلمها له منعها۔ (ردالمحتار نقلا عن البحر ص۶۸۳ ج ۲)

اگر کوئی حادثہ پیش نہ آئے اور عورت مسائلِ وضو ونماز سیکھنے کے لئے گھر سے نکلنا چاہے تو اگر زوج یہ مسائل جانتا ہو اور اُسے بتا سکے تو اُسے یہ حق حاصل ہے کہ عورت کو باہر جانے سے روکے۔ انتہیٰ۔

ولا يسعها الخروج ما لم يقع عليها نازلة وان خرجت من بيت زوجها بغير اذنه يلعنها كل ملك في السماء وكل شيء تمر عليه الا الانس والجن فخروجها من بيته

عورت پر جب تک کوئی حادثہ پیش نہ آئے جس کا حکم پوچھنا ضروری ہو گھر سے نکلنا جائز نہیں۔ اور اگر وہ خاوند کے گھر سے بغیر اس کی اجازت کے نکلی تو آسمان کا ہر فرشتہ

بغیر اذنہ حرام علیہا قال ابن الھمام حیث ابیح علیہا الخروج فانما یباح بشرط عدم الزینۃ و تغیر الھیئۃ الی مالا یکون داعیا الی نظر الرجال و استمالتھم۔ (مجالس الابرار ص۵۶۳)	اُس پر لعنت کرتا ہے اور جن چیزوں پر اس کا گزر ہوتا ہے وہ سب لعنت کرتی ہیں سوائے جن وانس کے۔ علامہ ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر نے فرمایا کہ جن موقعوں پر عورت کو گھر سے نکلنے کی اجازت بھی ہے وہ بھی اس شرط سے ہے کہ زینت نہ کرے اور اپنی ہیئت ایسی بنا کر نکلے کہ مردوں کو اس کی طرف توجہ نہ ہو اور ان کے دل اس کی جانب مائل نہ ہوں۔ انتہیٰ

پس ان روایات سے بوضاحت یہ بات ثابت ہوگئی کہ خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عورت کو مجالسِ وعظ سے روکے۔ کیونکہ عورت کو مجلس وعظ میں جانا جائز نہیں اور ناجائز امور سے روکنا اس کے ذمے لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

تتمۂ اُولیٰ

چونکہ اس مضمون میں وعظ اور واعظین کا ذکر آگیا اس لئے نامناسب نہ ہوگا کہ وعظ اور واعظین کے آداب بھی مختصر طور پر ذکر کر دیئے جائیں اور اس کے لئے مجالس الابرار کی عبارت کافی تھی۔ اس لئے اُسے مع ترجمہ نقل کیے دیتا ہوں۔ وھو ھذا۔

الواعظ ینبغی لہ ان یکون عزمہ ھمتہ ان یدعو الناس من الدنیا الی الاٰخرۃ ومن المعصیۃ الی الطاعۃ ومن الحرص الی القناعۃ ویحبب الیھم الاٰخرۃ و یبغض علیھم الدنیا ویعلمھم العبادۃ والتقوی لان الغالب فی طباعھم الزیغ عن منھج الشرع والسعی فیما لا یرضی اللہ تعالیٰ فیلقی فی قلوبھم الرعب و یخوفھم عما یستقبلھم من المخاوف	واعظ کے لئے یہ لائق ہے کہ اُس کا قصد اور ارادہ صرف یہی ہو کہ لوگوں کو دنیا سے آخرت کی طرف بُلائے اور معصیت سے طاعت کی طرف اور حرص سے قناعت کی طرف لائے اور آخرت کی محبت اُن کے دلوں میں اور دنیا سے نفرت پیدا کرے اور ان کو عبادت اور تقوےٰ سکھائے کیونکہ لوگوں کی طبیعتوں میں شرع کی راہ سے کجی غالب ہے اور ایسی چیزوں میں کوشش کرتے ہیں جن سے خدا تعالیٰ راضی نہیں۔ پس واعظ کو چاہیئے کہ ان کے دلوں میں خوف ڈالے اور آنیوالی خوفناک چیزوں سے ڈرائے

تحل صفات باطنهم تتغير ومعاملة ظاهرهم تتبدل وبهذا يدرمنهم الحرص الى الطاعة والرجوع عن المعصية وهذا هو طريق الوعظ والنصيحة وكل واعظ لايكون وعظه هكذا فوعظه وبال على القائل والسامع بل قيل انه شيطان فى صورة الانسان يخرج الخلق عن طريق الحق ويهلكهم فيجب عليهم ان يفروا منه فرارهم من الاسد ومن كان له يد وقدرة يجب عليه ان ينزله من منابر المسلمين ويمنعه عما باشره لانه من جملة الامر بالمعروف والنهى عن المنكر وكذا الوعاظ الذين يشتغلون بالقصص التى يتطرق اليها الزيادة والنقصان والكذب والبهتان وقد ورد نهى السلف عن الجلوس فى مجلسهم لان القصص منها ماينفع سماعه ومنها مايضر سماعه ان كان صدقا فمن فتح على نفسه ذلك الباب يختلط عليه الصدق بالكذب والنافع بالضار قال احمد بن حنبل القصة ان كانت من قصص الانبياء والصالحين فيما يتعلق بامور الدين وكانت صحيحة الرواية فلا ارى به باسا فيحذر الكذب (عالمگیری ج ۵ ص ۳۴۲)

تاکہ ان کی باطنی حالتیں بدل جائیں اور اُن کو عبادت کی حرص پیدا ہو۔ اور گناہوں سے توبہ کریں اور یہی طریقہ ہے وعظ ونصیحت کا۔ اور جس واعظ کا وعظ ایسا نہ ہو تو اس کا وعظ خود واعظ اور سامعین دونوں کے حق میں وبال ہے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ انسانی صورت میں شیطان ہے کہ مخلوق کو طریق حق سے نکالتا اور ہلاک کرتا ہے۔ پس لوگوں پر واجب ہے کہ اس واعظ سے ایسا بھاگیں جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔ اور جس شخص کو قدرت ہو وہ ایسے واعظ کو مسلمانوں کے منبر سے اُتار دے اور وعظ سے روک دے یہ بھی منجملہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ہے۔ اور اسی طرح وہ واعظ ہیں جو قصے بیان کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور ایسے قصے جن میں زیادتی کمی اور جھوٹ بہتان شامل ہوتا ہے سُناتے ہیں۔ اور سلف صالحین سے ایسے قصہ گو واعظوں کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے کیونکہ بعض قصے مفید ہوتے ہیں اور بعض مضر۔ اگرچہ سچے بھی ہوں تو جو شخص قصے بیان کرنے کی عادت ڈال لیتا ہے اُس پر سچے جھوٹے قصے مختلط ہو جاتے ہیں اور نافع ومضر کی تمیز نہیں رہتی۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ قصہ اگر انبیاء وصالحین کا قصہ ہو اور دین سے تعلق رکھتا ہو اور اس کی روایت اور سند بھی صحیح ہو تو میں اس کے بیان میں مضائقہ نہیں سمجھتا۔ پس جھوٹے قصوں سے بچنا لازم ہے۔ انتہی

لکن یجب علیہ ان یحترز عن خلط کلامہ البدعۃ لما ذکر فی الاحیاء ان الواعظ مہما فرج کلام البدعۃ یجب منعہ ولا یجوز حضور مجلسہ الا علی قصد الرد علیہ ان قدر وان لم یقدر لا یحضر مجلسہ وکذا مہما کان کلامہ مائلا الی الارجاء و تجرئۃ الناس علی المعاصی وزاد بسببہ رجاء الخلق علی خوفہم فہو منکر یجب منعہ یکون فسادہ عظیما.

(مجالس الابرار ص ۲۸۲)

لیکن واعظ پر واجب ہے کہ اپنے کلام کو بدعت کی آمیزش سے بچائے۔ کیونکہ امام غزالیؒ نے احیاء میں ذکر کیا ہے کہ واعظ جب اپنے کلام میں بدعت کی آمیزش کرے تو اسے وعظ سے روکدینا واجب ہے اور اسکی مجلس میں جانا جائز نہیں مگر رد کرنے کے قصد سے۔ اگر قدرت ہو رد کرنے کی تو جائے اور قدرت نہ ہو تو نہ جائے۔ اور اسی طرح جب واعظ کا کلام لوگوں کو امیدوار بنانے کی طرف مائل ہو اور گناہوں پر جرأت دلائے اور اس کے وعظ سے مخلوق کی اُمید بڑھ جائے اور خوف کم ہو جائے تو ایسا وعظ بُرا ہے۔ اُس کا روکنا واجب ہے کیونکہ اس کا بُرا اثر بہت عظیم ہے۔ انتہی

وذکر فی موضع اٰخر من الاحیاء ان ھذا الزمان زمان لا ینبغی ان یذکر فیہ للخلق اسباب الرجاء وسعۃ رحمۃ اللہ تعالی لان ذکرھا یہلکہم بالکلیۃ لکنہا لما کانت اخف علی النفوس والذ فی القلوب ولم یکن غرض الوعاظ الا استمالۃ القلوب واستنطاق الخلق بالثناء علیہم کیف ما کانوا اما لوا الی الارجاء حتی ازداد الفساق فسادا و المنہمکون فی طغیانہم تمادیا۔

(مجالس الابرار ص ۲۸۴)

اور احیاء العلوم میں دوسری جگہ مذکور ہے کہ یہ زمانہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں اُمید اور وسعتِ رحمتِ خداوندی کے اسباب بیان کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ ایسی چیزوں کا ذکر لوگوں کو بالکل ہلاک کردے گا۔ مگر چونکہ یہ باتیں لوگوں پر ہلکی ہیں۔ اور اس میں مزہ آتا ہے اور واعظوں کی غرض بھی صرف یہی ہوتی ہے کہ لوگ ان کی طرف مائل ہو جائیں اور انکی تعریفیں کریں خواہ وہ کیسے ہی ہوں۔ اس لئے واعظوں نے صرف اُمید و ثواب کی باتیں بیان کرنا اختیار کر لیا یہاں تک کہ فاسقوں کا فسق اور بڑھ گیا اور سرکشی زیادہ بڑھ گئی۔ انتہی۔

الامام یجب علیہ ان یقوم بمصالح الرعیۃ ویرتب فی کل قریۃ وفی کل

اور یہ بیان کرکے کہ وعظ امیر یا مامور کا حق ہے لکھتے ہیں کہ شرط ماموریت اس لئے کہ امام پر واجب ہے کہ رعیت

محلۃ عالما متدینا یعلم الناس دینھم فینظر فی العلماء فیمن یری فیہ علما و دیانۃ وحسن عقیدۃ یاذن لہ ان یعظ الناس ومن لایری فیہ ھذہ الصفات لایاذن لہ فی الوعظ لئلا یوقع الناس فی البدعۃ والضلالۃ کما ھو واقع فی ھذا الزمان۔

کی مصلحتوں کا انتظام کرے اور ہر بستی اور ہر محلہ میں ایک دیندار عالم مقرر کرے کہ وہ لوگوں کو تعلیم دین کی دیا کرے۔ پس امام جس شخص میں علم اور دیانت یعنی پرہیزگاری اور اچھے عقیدے دیکھے اس کو وعظ کہنے کی اجازت دے اور جس میں یہ باتیں نہ ہوں اُسے وعظ کی اجازت نہ دے تاکہ وہ لوگوں کو بدعات میں مبتلا نہ کردے اور گمراہی میں نہ ڈالے جیساکہ اس زمانہ میں واقع ہو رہا ہے۔ انتہیٰ

(مجالس الابرار صفہ ۴۸)

ان تمام عبارتوں کا مطلب واضح ہے۔ کسی مزید شرح اور بیان کا محتاج نہیں۔ اس لئے خاکسار اسی قدر پر اکتفا کرتا ہے اور خدا تعالےٰ سے ہدایت اور استقامت کی دعا کرتا ہے۔

تتمۂ ثانیہ

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب عورتوں کو مجالسِ وعظ میں جانا ناجائز ہے تو اُن کے لئے وعظ و پند کا دروازہ ہی بند ہوگیا۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نہیں وعظ و پند کا دروازہ اب بھی مفتوح ہے۔ بند نہیں ہوا لیکن شرط یہ ہے کہ شرعی طریقے سے وہ اس پر کاربند ہوں۔ اور وہ طریقہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں واعظ عالم متقی کو بلاکر وعظ سُن لیا کریں۔ مگر اس میں یہ شرط لازمی ہے کہ عورتیں صرف اُسی گھر کی ہوں یا اُس کے آس پاس اتنے قریب مکانوں کی ہوں کہ ان کا مکان وعظ میں آنا گویا خروج عن المکان ہی نہ ہو۔ اور یہ کہ مجلسِ وعظ میں سوائے واعظ یا گھر کے آدمیوں کے غیر مردوں کا مجمع نہ ہو اور واعظ کا بیان بھی قرآن مجید و حدیث شریف و سیرت سلفِ صالحین کے موافق ہو۔ جھوٹے سچے قصّے۔ موضوع روایتیں بیان نہ کرتا ہو۔ واعظ کا مقصود بھی تعلیم اور پند و نصائح ہو اور سننے والیوں کا مقصود بھی دین سیکھنا اور خدا رسولؐ کے ذکر سے برکت و نصیحت حاصل کرنا ہو تو ان صورتوں سے عورتوں کو وعظ سُننا اور واعظ کو ایسی مجلس میں وعظ کہنا جائز ہے۔ مگر یاد رہے کہ آجکل گھروں پر وعظ کرانے کا ایک عام دستور ہے اور عورتیں رسمی طور پر گھروں میں وعظ کراتی ہیں۔ ان رسمی وعظوں میں اکثر ایسی بے احتیاطیاں ہوتی ہیں جو شریعت میں ناجائز ہیں۔ اول تو وعظ سے مقصود ہی صرف رسم کا پورا کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے دُور

دُور سے عورتیں آگر جمع ہوتی ہیں۔ جن کے اتنے دُور سے آنے کو حرمتِ خروج لازم ہوجاتی ہے۔ کیونکہ خروج کے مفاسد متحقق ہوجاتے ہیں۔ پس ایسے وعظوں کا حکم وہی ہے جو عورتوں کے مجالسِ وعظ میں جانے کے متعلق پہلے بیان ہوچکا۔ خاص عورتوں کے مجمع میں واعظ کا وعظ کرنا حدیثِ ذیل سے ثابت ہوتا ہے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال النساء للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا علیك الرجال فاجعل لنا یوما من نفسك فوعدھن یوما لقیھن فیہ فوعظھن الحدیث۔ (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کی مجالسِ وعظ و پند پر مرد ہم سے غالب ہیں یعنی وہ روز حاضر رہتے ہیں اور انکی وجہ سے ہمیں حاضری کا موقع نہیں ملتا۔ اسلئے آپ ہمارے لئے اپنی جانب سے کوئی دن مقرر فرمائیں تو آپنے اُنسے ایک دن کا وعدہ فرمایا اور اُس روز آپنے عورتوں کے پاس تشریف لے جاکر وعظ فرمایا۔

وفی روایۃ سھل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال موعدکن بیت فلانۃ الخ (فتح الباری)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) اول یہ کہ باوجودیکہ جماعات نماز میں عورتیں مردوں کے ساتھ مساجد میں شریک ہوتی تھیں مگر وعظ و پند کی مجالس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی مردوں کے مجمع میں حاضر نہیں ہوتی تھیں اور اپنے عدم حضور کی وجہ مردوں کا حاضر ہونا بیان کر کے ایک جداگانہ دن مقرر فرمانے کی درخواست کی۔ (۲) دوسرے یہ کہ عورتوں کے مجمع میں واعظ عالم متقی کو جانا اور وعظ کرنا جائز ہے اور یہ ضرورتِ شرعیہ ہے جس کا ثبوت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ہوگیا۔ پس اگر عورتوں کا مجمع اُن منکرات سے خالی ہو جو اوپر مذکور ہوئے اور وہ وعظ کی درخواست کریں تو عالمِ متدین کو وہاں جاکر وعظ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

کتبہ العبد الاواہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ مدرس مدرسۃ الامینیۃ الواقعۃ بدہلی

(۱۳۳۴ھ)

(۵۳۵)

صلوۃ الصالحات

مطبوعہ ۱۳۳۴ھ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد شعبان ۱۳۳۴ھ میں ایک صاحب نے خاکسار کے سامنے ایک سوال پیش کیا۔ وہ یہ کہ عورتوں کا مجالسِ وعظ میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ سائل حنفی تھا اس لئے خاکسار نے حنفی مذہب کے موافق جواب تحریر کر دیا۔ اور سادات فقہائے حنفیہ کی عبارتیں نقل کر دینا کافی سمجھا۔ جواب کسی قدر طویل ہو گیا۔ اس لئے اسے رسالہ کی شکل میں مرتب کر کے اس کا نام کف المؤمنات عن حضور الجماعات رکھ دیا۔ اور حاجی عبد الرحمن صاحب نے اسے چھپوا کر شائع کر دیا۔

مجھے اس وقت یہ بیان کرنا ہے کہ نہ میں نے رسالہ کف المؤمنات کسی مخاصمت کی بنا پر لکھا تھا اور نہ مجھے اتنی فرصت ہے کہ میں ایسی باتوں میں پڑ کر اپنا وقت ضائع کروں۔ مجھ سے مسئلہ پوچھا گیا تھا میں نے جو کچھ حق سمجھا ظاہر کر دیا۔ حنفی مذہب کے لحاظ سے تو اس میں حکم کراہت کا کافی ثبوت موجود ہے۔ اور فقہ حنفی کی معتبر کتابیں وہی حکم دیتی ہیں جو کف المؤمنات میں لکھا گیا ہے۔ اس لئے اگر کوئی حنفی عالم اس سے اختلاف کرتا تو یقیناً اصول حنفیہ کو چھوڑ کر اس کو انداز تحریر اختیار کرنا پڑتا۔ اور ایسی حالت میں مجھے اس کی طرف التفات کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

لیکن آج ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ کو ایک رسالہ مسمیٰ عید احمدی میری نظر سے گزرا۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کے مؤلف کوئی مولوی عبد الستار صاحب کلانوری ہیں۔ اور وہ نہ صرف مؤلف کف المؤمنات کو بلکہ علامہ عینی کو صراحۃً اور ائمہ حنفیہ و دیگر بزرگانِ دین کو کنایۃً یہ الزام دیتے ہیں کہ انہوں نے حدیث کا خلاف کیا۔ ارشادِ نبوی کی مخالفت کی۔ حدیثوں کا مطلب نہیں سمجھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا وغیرہ۔

یہ سب کچھ تو ہوا لیکن عید احمدی کو اول سے آخر تک دیکھئے تو ایک دو سطریں بھی ایسی نہ ملیں گی جنہیں کف المؤمنات کے کسی مضمون کا معقول جواب کہا جا سکے۔ اور باوجود دعوائے حدیث دانی احادیث کی خبر نہیں۔ حدیثوں کے معنی و مفہوم سے مَس نہیں۔

اگرچہ عید احمدی کسی اہلِ علم و فہم کے نزدیک تو قابلِ التفات بھی نہیں۔ لیکن محض اس خیال سے

کہ عوام کو کہیں یہ دھوکا نہ ہو جائے کہ واقعی حنفیہ کا یہ کہنا کہ عورتوں کا نکلنا مکروہ ہے بے دلیل بات ہے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا جائے اور احادیث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور آثار صحابہ کرام واقوال سلفِ صالحین سے اس کا پورا ثبوت دے دیا جائے میں نے نفس مسئلہ کو واضح کرنے کے خیال سے یہ تحریر لکھی ہے۔ اُمید ہے کہ اہلِ علم وفہم اس سے نفع اُٹھائیں گے اور مسئلے کی حقیقت سے واقف ہو کر بے راہی سے بچیں گے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

واضح ہو کہ حضرات فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ اس کا انکار نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں نماز پنجگانہ اور عیدین کی جماعت میں حاضر ہوتی تھیں۔ وہ اس کا نہایت بلند آواز سے اقرار کرتے ہیں۔ پس حنفیہ کے سامنے اور اُن کے مقابلے میں ایسی حدیثیں جن سے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں عورتوں کا جماعت میں جانا ثابت ہوتا ہو پیش کرنا مفید نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ آیا اب بھی یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ تو اس بحث اور اس کے متعلقات کو ہم متعدد فصلوں میں مفصل طور پر بیان کرتے ہیں۔

(۱) آیا مردوں کی طرح عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونے کی تاکید تھی یا نہیں؟

اس باب میں کوئی حدیث ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جس سے عورتوں کے لئے جماعتوں کی حاضری مؤکد ثابت ہوتی ہو۔ ہم نے جہاں تک کتبِ حدیث کو دیکھا اور شروحِ حدیث کا مطالعہ کیا ہمیں کوئی روایت ایسی دستیاب نہیں ہوئی۔ بلکہ چند احادیث سے اس کا خلاف ثابت ہوتا ہے۔

حدیث (۱) عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لولا ما فی البیوت من النساء والذرية اقمت صلوة العشاء وامرت فتیانی یحرقون ما فی البیوت بالنار۔ (رواه احمد۔ مشکوۃ)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشا قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم کرتا کہ گھروں میں آگ لگا دیں۔

یہ وعید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لئے فرمائی تھی جو جماعتِ عشا میں حاضر نہ ہوتے تھے۔ اس حدیث سے ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن مردوں کو

جو جماعتِ عشا میں حاضر نہ ہوتے تھے آگ سے جلا دینے کی سزا دینے کا ارادہ فرمایا مگر عورتوں بچوں کا گھر میں ہونا اس کی تکمیل سے مانع آیا۔ عورتوں کا اس حدیث میں ذکر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ وہ جماعت میں حاضر ہونے کی مکلف نہ تھیں اور جماعت اُن کے ذمہ مؤکد نہ تھی۔ ورنہ وہ بھی اسی جرم کی مجرم اور اور اسی سزا کی مستوجب ہوتیں۔ اور ان کا گھروں میں ہونا مردوں کی سزا کے لئے مانع نہ ہوتا۔ لیکن چونکہ وہ اس غیر حاضری میں شرعی مجرم نہ تھیں اس لئے ان کے جل جانے کا خیال مردوں کی سزا دہی میں بھی مانع ہوگیا۔ اسی طرح تمام وہ حدیثیں جو آگے آتی ہیں اس امر کی دلیل ہیں کہ عورتوں کے ذمہ جماعت میں شریک ہونا ضروری نہ تھا۔

(۲) آیا عورتوں کو گھروں میں نماز پڑھنا افضل تھا یا مسجد میں؟

حدیث (۲) عن ام سلمة رضی الله عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال خیر مساجد النساء قعر بیوتهن (رواہ الامام احمد والبیهقی۔ کذا فی کنز العمال)

ترجمہ۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا عورتوں کے لئے بہترین مسجد ان کی کوٹھریوں کا اندرونی حصہ ہے۔

حدیث (۳) عن ام سلمة رضی الله عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم قال صلوة المرأة فی بیتها خیر من صلوتها فی حجرتها وصلوتها فی حجرتها خیر من صلوتها فی دارها وصلوتها فی دارها خیر من صلوتها فی خارج (رواہ الطبرانی فی الاوسط کذا فی کنز العمال)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی نماز جو اندرونی کمرہ میں ہو وہ دالان کی نماز سے بہتر ہے اور دالان کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے اور صحن کی نماز گھر سے باہر کی نماز سے بہتر ہے۔

حدیث (۴) عن ام حمید امرأة ابی حمید الساعدی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لها قد علمت انك تحبین الصلوة معی وصلوتك فی

ابو حمید ساعدیؓ کی بیوی ام حمیدؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو۔ حالانکہ تمہاری وہ نماز جو اندرونی کوٹھری میں ہو وہ دالان کی نماز سے بہتر ہے اور

بیتك خیر من صلوتك فی حجرتك و صلوتك فی حجرتك خیر من صلوتك فی دارك وصلوتك فی دارك خیر من صلوتك فی مسجد قومك وصلوتك فی مسجد قومك خیر من صلوتك فی مسجدی (رواہ الامام احمد وابن حبان۔ کذا فی کنز العمال)

دالان کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے اور گھر کے صحن کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور محلہ کی مسجد کی نماز میری مسجد (مسجد نبوی) کی نماز سے بہتر ہے۔

حدیث (۵) واوردہ الهیثمی فی مجمع الزوائد وزاد۔ فامرت فبُنِیَ لها مسجد فی اقصیٰ بَیتٍ فی بیتها واظلمه فکانت تصلی فیه حتی لقیت اللہ عزوجل۔ قال الهیثمی رجاله رجال الصحیح غیر عبد اللہ ابن سوید الانصاری ووثقه ابن حبان۔

اور اس حدیث کو ہیثمی مجمع الزوائد میں لائے ہیں اور اس میں اتنی زیادتی اور ہے کہ ام حمیدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنکر اپنے گھر والوں کو حکم دیا اور ان کیلئے ان کے گھر کی ایک اندرونی کوٹھری میں جو نہایت تاریکی میں تھی نماز کی جگہ بنادی گئی اور یہ اس میں نماز پڑھتی رہیں یہاں تک کہ خدا سے جا ملیں حافظ ہیثمی نے کہا کہ اس روایت کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے عبداللہ بن سوید انصاری کے۔ تو ان کو ابن حبان نے ثقہ بتایا ہے۔

حدیث (۶) عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال صلوۃ المرأۃ فی بیتها افضل من صلوتها فی حجرتها وصلوتها فی مُخْدَعِهَا افضل من صلوتها فی بیتها۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی نماز کوٹھری میں بیرونی کمرے کی نماز سے بہتر ہے۔ اور کوٹھری کے اندر چور گھر کی نماز کوٹھری کی نماز سے بہتر ہے۔ (چور گھر سے مراد وہ چھوٹی سی کوٹھری ہے جو گھر کے بالکل اندرونی حصہ میں اشیائے نفیسہ یا روپیہ پیسہ رکھنے کیلئے بناتے ہیں)

حدیث (۷) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه قال صلوۃ المرأۃ فی بیتها افضل من صلاتها فی حجرتها

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ عورت کی کوٹھری کی نماز دالان کی نماز سے بہتر ہے۔ اور دالان کی نماز گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور گھر کے صحن

وصلاتها فی حجرتها افضل من صلوتها فی دارها وصلوتها فی دارها افضل من صلاتها فی ماسواها ثم قال ان المراۃ اذا خرجت استشرفها الشیطان۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد)

کی نماز اور جگہوں کی نماز سے بہتر ہے۔ پھر کہا کہ بے شک عورت جہاں نکلی اور شیطان اس کی تاک میں لگا۔ طبرانی نے اسے معجم کبیر میں روایت کیا اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

حدیث (۸) وعنہ انہ کان یحلف فیبلغ فی الیمین ما من مصلی للمرأۃ خیر من بیتها الا فی حج او عمرۃ الا امرأۃ قد یئست من البعولۃ وھی فی منقلیها قلت ما منقلیها قال امرأۃ عجوز قد تقارب خطوها رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون۔ (مجمع الزوائد)

اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ قسم کھاتے تھے اور سخت قسم کھاتے تھے کہ عورت کے لئے اس کی کوٹھری سے بہتر اور افضل کوئی مسجد نہیں مگر حج اور عمرہ میں سوائے اس عورت کے جو خاوند کی خواہش سے بے نیاز ہونے کی عمر تک پہنچ گئی ہو اور اپنے منقلین میں ہو۔ راوی نے پوچھا کہ منقلین میں ہونے سے کیا مراد ہے۔ فرمایا ایسی بڑھیا کہ ضعف پیری کی وجہ سے اس کے قدم قریب قریب پڑنے لگیں۔ طبرانی نے معجم کبیر میں اسے روایت کیا اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔

حدیث (۹) وعنہ ما صلت امرأۃ من صلوۃ احب الی اللہ من اشد مکان فی بیتها ظلمۃ رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون۔ (مجمع الزوائد)

اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ عورت کی کوئی نماز خدا کو اُس نماز سے زیادہ محبوب نہیں جو اس کی تاریک تر کوٹھری میں ہو۔

حدیث (۱۰) وعن عبد اللہ بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأۃ عورۃ وانها اذا خرجت استشرفها الشیطان وانها اقرب ما تکون الی اللہ وھی فی قعر بیتها رواہ الطبرانی

اور عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے فرمایا کہ عورتیں ستر یا پردہ کی چیز ہیں اور بیشک جہاں وہ گھر سے نکلی شیطان اس کی تاک میں لگا۔ اور بیشک وہ خدا سے زیادہ قریب اُسی حالت میں ہوتی ہے جبکہ اپنی کوٹھری میں ہوتی ہے۔ اسے طبرانی نے ثقہ راویوں کے طریقے

ورجاله موثقون ۔ (مجمع الزوائد)

سے روایت کیا ہے ۔

حدیث (۱۱) وعن عبد اللہ بن مسعودؓ قال انما النساء عورۃ وان المرأۃ لتخرج من بیتھا وما بھا من بأس فیستشرفھا الشیطان فیقول انک لاتمرین باحد الا اعجبتیہ وان المرأۃ لتلبس ثیابھا فیقال این تریدین فتقول اعود مریضا او اشھد جنازۃ او اصلی فی مسجد وما عبدت امرأۃ ربھا مثل ان تعبدہ فی بیتھا۔ رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات۔ (مجمع الزوائد)

اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے فرمایا کہ عورتیں سرتا پا پردہ کی چیز ہیں اور بیشک عورت گھر سے ایسی حالت میں نکلتی ہے کہ اس کے اندر کوئی عیب نہیں ہوتا پھر شیطان اسکی تاک میں لگ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تو جس کے سامنے سے گزریگی اُسے اچھی لگے گی ۔ اور بیشک عورت لباس پہنتی ہے تو گھر والے پوچھتے ہیں کہ کہاں کا ارادہ ہے تو کہتی ہے کسی بیمار کو دیکھنے جاتی ہوں یا موتی میں جاتی ہوں یا مسجد میں نماز کو جاتی ہوں ۔ حالانکہ عورت کی کوئی عبادت اس سے بہتر نہیں کہ اپنی کوٹھری میں عبادت کرے ۔ اسے طبرانی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ۔

اِن تمام حدیثوں سے مفصلۂ ذیل باتیں صراحۃً ثابت ہوتی ہیں :۔

۱ عورتوں پر جماعت میں حاضر ہونے کی تاکید نہیں بلکہ برخلاف اس کے ان کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے ۔ (دیکھو تمام احادیث مذکورہ)

۲ عورتوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جماعتوں میں حاضر ہونا محض رخصت واباحت کی بنا پر تھا ۔ نہ کہ تاکید یا فضیلت واستحباب کی بنا پر ۔ (دیکھو حدیث نمبر ۴ و ۵)

۳ باوجود اس رخصت واباحت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور تعلیم ان کے لئے یہی تھی کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں ۔ اور اسی کی ترغیب دیتے تھے اور فضیلت بیان فرماتے تھے ۔ (دیکھو حدیث نمبر ۴ خصوصاً)

۴ حدیث چہارم میں اُس زیادتی سے جو حافظ ہیثمی نے نقل کی ہے صراحۃً یہ بات ثابت ہے کہ ام حمید رضی اللہ عنہا نے آپ کی تعلیم و ترغیب پر عمل کر کے مدۃ العمر اپنی کوٹھری کے اندر نماز پڑھی ۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا عین اتباع اور آپ کی خواہش کی تعمیل تھی ۔

۵ حدیث دہم سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورت کے گھر سے نکلنے کو

محل فتنہ فرماتے ہیں اور اپنی کوٹھری میں رہنا اُس کے لئے باعث تقرب الی اللہ۔ اور اسی لئے حدیث نمبر ۸ و ۹ میں حضرت ابن مسعودؓ مبالغہ سے قسم کھاکر اُس کی ہر نماز کو گھر کی کوٹھری میں افضل فرماتے ہیں۔

حدیث ۶ دوم سوم چہارم میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت کی کوٹھری کے اندر کی نماز دالان کی نماز سے افضل اور دالان کی نماز صحن دار کی نماز سے افضل اور صحن کی نماز مسجد محلہ کی نماز سے افضل اور مسجد محلہ کی نماز مسجد نبوی کی نماز سے افضل ہے۔ پس اس میں کیا شبہ رہا کہ عورتوں کو جماعت میں اور مسجدِ نبوی میں حاضر ہونا کسی استحباب و فضیلت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ محض مباح تھا۔

پس کس قدر افسوس ہے ان لوگوں کے حال پر جو عورتوں کو مسجد میں بلاتے اور جماعتوں میں آنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کی مرضی و منشار کے خلاف انھیں تعلیم دیتے اور غضب یہ ہے کہ اُسے سنّت بتاتے ہیں اور اپنے اس فعل کو احیائے سنّت سمجھتے ہیں۔ اگر عورتوں کے لئے جماعتوں میں حاضر ہونا سنّت ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کی نماز سے مسجد محلہ کی نماز کو اور مسجد محلہ کی نماز سے گھر کی نماز کو افضل کیوں فرماتے، کیونکہ اس صورت میں گھر میں تنہا نماز پڑھنا عورتوں کے لئے ترکِ سنّت ہوتا تو کیا ترکِ سنّت میں ثواب زیادہ تھا اور سنّت پر عمل کرنے میں کم۔ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دے کر گویا ترک سنّت کی ترغیب دیتے تھے۔ شاید یہ لوگ اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ اور اپنی مسجدوں کو مسجدِ نبوی سے زیادہ افضل سمجھتے ہیں۔

مسجدِ نبوی میں ایک نماز پر بروایت حضرت انسؓ پچاس ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے:۔

حدیث (۱۲) عن انس بن مالك رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم صلوۃ الرجل فی بیته بصلوۃ الی قوله علیه السلام وصلوته فی مسجدی بخمسین الف صلوۃ الحدیث رواہ ابن ماجہ (مشکوٰۃ)	حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی نماز گھر میں تو ایک ہی نماز شمار ہوتی ہے (الی قولہ) اور اس کی نماز میری مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہوتی ہے۔

جبکہ مسجدِ نبوی کی اس فضیلت کے باوجود عورت کی مسجد محلہ کی نماز مسجد نبوی کی نماز سے افضل فرمائی

گئی اور گھر کی نماز مسجد محلہ کی نماز سے افضل بتائی گئی اور دالان کی نماز صحن کی نماز سے افضل اور کوٹھری کی نماز دالان کی نماز سے افضل ہوئی تو اس سے نہایت واضح طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ عورت جس قدر اپنے پردے اور تستّر کی جگہ سے دُور ہوتی جاتی ہے اُسی قدر ثواب کم ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ جس قدر گھر سے دُوری ہوتی جائیگی فتنہ کا احتمال قوی ہوتا جائے گا۔ ورنہ کمی ثواب کی کوئی وجہ نہیں۔ دیکھو مردوں کے دور جانے میں چونکہ یہ احتمال فتنہ نہیں ہے اِس لئے دُور جانے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

حدیث (۱۳) عن ابی موسی الاشعریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعظم الناس اجرا فی الصلوٰۃ ابعدھم فابعدھم ممشی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثواب میں وہ لوگ بڑھے ہوئے ہیں جو نماز کے لئے دُور سے آتے ہیں اور ان سے زیادہ وہ جو اُن سے زیادہ دُور سے آتے ہیں۔

حدیث (۱۴) وعن جابر رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبنی سلمۃ حین ارادوا ان ینتقلوا اقرب المسجد دیارکم تکتب اٰثارکم دیارکم تکتب اٰثارکم انتھی مختصراً (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بنی سلمہ نے مسجد نبوی کے قریب آجانے کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ اپنے گھروں میں رہو۔ دُور سے آنے میں تمہارے قدموں کا ثواب لکھا جائے گا مکرر یہی فرمایا۔

پھر یہ رخصت واباحت بھی ان شرطوں کے ساتھ مشروط تھی کہ عورت خوشبو لگا کر نہ جائے۔ لباسِ فاخرہ پہن کر نہ نکلے۔ بجتا ہوا زیور پہن کر نہ آئے۔ دیکھو احادیث ذیل :۔

حدیث (۱۵) عن زینب الثقفیۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرجت الی العشاء فلا تمسن طیبا۔ (رواہ ابن حبان کذا فی الکنز)

زینب ثقفیہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت جب عشا کی نماز کے لئے نکلے تو ہرگز خوشبو نہ لگائے۔

حدیث (۱۶) وعنھا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا شھدت احدٰکن العشاء فلا تطیب تلک اللیلۃ۔ (رواہ مسلم)

اور انہیں زینب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت عشار کی نماز میں جانے کا ارادہ کرے تو اُس رات خوشبو نہ لگائے۔

حدیث (۱۷) وعن زینب امرأۃ عبد اللہ قالت قال لنا رسول اللہ صلی اللہ

اور عبد اللہؓ کی بیوی زینبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم عورتوں سے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت

علیہ وسلم اذا شھدت احدٰکن المسجد فلا تمس طیبا (رواہ مسلم) — مسجد میں آئے تو خوشبو نہ لگائے۔

حدیث (۱۸) وعن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لیخرجن وھن تفلات۔ (رواہ ابوداؤد) قولہ وھن تفلات ای غیر متطیبات یقال امرأۃ تفلۃ اذا کانت متغیرۃ الریح کذا قال ابن عبد البر وغیرہ۔ قالہ الشوکانی وفی المعالم التفل سوء الرائحۃ یقال امرأۃ تفلۃ اذا لم تطیب (عون المعبود) ویلحق بالطیب ما فی معناہ من المحرکات کالداعی الشھوۃ کحسن الملبس والتحلی الذی یظھر اثرہ والزینۃ الفاخرۃ (عون المعبود)

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خدا کی بندیوں کو خدا کی مسجدوں سے نہ روکو لیکن وہ ایسی حالت میں جائیں کہ میلی کچیلی ہوں قولہ وھن تفلات یعنی تفلات کے معنی یہ ہیں کہ خوشبو لگائے ہوئے نہ ہوں۔ امرأۃ تفلۃ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو متغیرۃ الرائحہ ہو۔ اسی طرح ابن عبدالبر نے کہا ہے یہ شوکانی کا بیان ہے۔ اور معالم میں ہے کہ تفل کے معنی ناگوار بو کے ہیں۔ امرأۃ تفلۃ جب کہا جاتا ہے کہ خوشبو لگائے ہوئے نہ ہو۔ اور خوشبو کے حکم میں تمام وہ چیزیں شامل ہیں جو خواہشات نفسانی کو حرکت میں لانیوالی ہیں جیسے عمدہ لباس اور وہ زیور جس کے آثار ظاہر ہوں اور پُر تکلف زینت۔

ان حدیثوں سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو مسجدوں میں آنے کی جو اجازت اور رخصت تھی وہ ان قیود اور شرائط کے ساتھ تھی۔ تو ظاہر ہے کہ ان شرطوں پر عمل نہ ہونے کی حالت میں ان کے لئے اجازت دینا گویا خلافِ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت دینا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آجکل مساجد میں جانیوالی اور عیدین میں حاضر ہونیوالی عورتیں ان قیود و شروط پر عمل کرتی ہیں؟ کیا وہ عمدہ لباس زیب تن کر کے نہیں جاتیں؟ یا بجتا ہوا زیور پہنے ہوئے نہیں ہوتیں؟ اور کیا وہ میلے کچیلے متغیر الرائحہ کپڑوں میں جانے کے حکم پر عمل کرتی ہیں؟ اگر کوئی شخص خواہ مخواہ زبردستی سے یہ دعویٰ کرے کہ ہاں ایسا ہی کرتی ہیں تو اس کے جواب کے لئے ناظرین آگے آنیوالی فصل سوم کو ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن منصف مزاج جو ہٹ دھرمی کو بُرا سمجھتے ہیں وہ یقیناً انھیں شروط کا خلاف دیکھ کر اور صریح احکام نبویہ کی مخالفت مشاہدہ کر کے یہیں سے سمجھ لیں گے کہ آجکل عورتوں کے لئے وہ اباحت اس وجہ سے نہیں رہی کہ وہ شروط اباحت پر عمل نہیں کرتیں۔ اور ان سے عمل کرانا بھی مشکل ہے۔

تکملہ:۔ اگرچہ ان تمام حدیثوں کے دیکھنے کے بعد کسی سمجھدار شخص کو اس میں شبہ نہیں رہیگا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کا جماعتوں میں حاضر ہونا محض رخصت و اباحت کے طور پر تھا۔ نہ کہ فضیلت و استحباب کے طور پر۔ لیکن آجکل کے مدعیانِ عمل بالحدیث لوگوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ عورتوں کا جماعتوں میں جانا عیدین میں حاضر ہونا سنّت ہے بلکہ سنت بھی مؤکدہ ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ سنّت مؤکدہ اُسے کہتے ہیں جس کے تارک پر ملامت ہوتی ہے اور ترک پر اصرار کرنے والا مستحقِ سزا ہوتا ہے جیسے جماعت کہ مردوں کے لئے سنّتِ مؤکدہ ہے۔ اگر کوئی شخص جماعت میں حاضر نہ ہو تو مستحقِ ملامت ہوگا اور ترک پر اصرار کرنے والا اور ترک کی عادت ڈالنے والا مستحقِ سزا ہوگا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز میں حاضر نہ ہونے والوں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ انھوں نے جماعت عشا میں حاضر نہ ہونے کی عادت کرلی تھی۔ پس اگر عورتوں کے لئے جماعت سنّتِ مؤکدہ ہوتی تو اُمِ حمیدؓ جنھوں نے مدۃ العمر گھر کی کوٹھری میں نماز پڑھی مستحقِ سزا ہوتیں۔ بلکہ اگر جماعت عورتوں کے لئے مستحب اور افضل بھی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمِ حمیدؓ کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب نہ دیتے۔ حالانکہ وہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کی رغبت اور خواہش رکھتی تھیں۔

اس گروہ کی اس غلط بیانی کے طلسم کو توڑنے کے لئے ہم اُن حدیثوں کو یہاں پر ذکر کرتے ہیں جنھیں یہ عمل بالحدیث کا دعوی کرنے والے لوگوں کو سُنا سُنا کر عورتوں کا جماعتوں میں حاضر ہونا سنّت بتاتے ہیں اور اُن احادیثِ نبویہ کے صحیح معنی پیش کرتے ہیں جن سے ناظرین انصاف پسند خود موازنہ کرلیں گے کہ ان مدعیانِ عمل بالحدیث کا دعوی ان حدیثوں سے کہاں تک ثابت ہوتا ہے۔

حدیث (۱۹) لاتمنعوا النساء حظوظھن من المساجد اذا استاذنکم۔	عورتوں کے مساجد میں سے حصّوں کو نہ روکو۔ جب وہ اجازت مانگیں۔
حدیث (۲۰) لایمنعن رجل اھلہ ان یاتوا المسجد (احمد)	کوئی شخص اپنے اہل کو مسجد میں جانے سے نہ روکے۔
حدیث (۲۱) لاتمنعوا نساء کم المساجد (ابوداؤد)	اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔
حدیث (۲۲) اذا استاذنت امرأۃ احدکم الی المسجد فلا یمنعھا۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)	جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو ہرگز اُسے منع نہ کیا جائے۔

یہ حدیثیں عید احمدی میں اسی طرح لکھی ہیں ہم نے بعینہٖ اُسی سے یہاں نقل کردی ہیں لیکن ان حدیثوں میں کیا ہے؟ صرف یہ کہ خاوندوں کو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکنے کی ممانعت ہے۔ ان

حدیثوں سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ عورتوں کو مسجدوں میں جانا مستحب یا سنتِ مؤکدہ ہے۔ عورتوں کو چونکہ آپ کے زمانے میں مسجدوں میں جانا مباح تھا تو اس اباحت و رخصت سے فائدہ اُٹھانے کا حق انھیں حاصل تھا اس لئے مردوں کو ان کے روکنے سے منع فرمایا تاکہ اُن کا یہ حق زائل نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اُس وقت عورتوں کے مسجد میں آنے کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ عورتوں کو تعلیم کی بہت حاجت تھی اور اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ مسجد میں حاضر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال نماز کو دیکھیں اور سیکھیں۔ کوئی بات پوچھنی ہو تو خود پوچھ لیں۔ (کذا قال الشیخ المحدث الدھلوی) تیسرے یہ کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ فتنہ و فساد سے مامون تھا۔ اس لئے اس وقت مردوں کا عورتوں کو روکنا خوف فتنہ کی وجہ سے نہ ہوتا۔ بلکہ محض شیخی اور تکبر کی بنا پر ہوتا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو فرمایا کہ عورتوں کو نہ روکیں۔ (کما فی حجۃ اللہ البالغۃ)

حدیث (۲۳) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد (بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو رات میں مسجد جانے کی اجازت دو۔

حدیث (۲۴) عن ابن عمرؓ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اذا استاذنکم نساءکم باللیل الی المسجد فاذنوا لھن۔ (بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہاری عورتیں رات کو مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو اجازت دے دو۔

اِن حدیثوں سے بھی صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی رخصت و اجازت تھی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر عورتوں کو جانا ضروری ہوتا تو خاوندوں سے اجازت مانگنے کی قید نہ ہوتی۔ (فتح الباری) کیونکہ ضروری عبادات کے لئے اجازت مانگنا ضروری نہیں۔ نیز اس سے استحباب بھی ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

حدیث (۲۵) عن ابن عباسؓ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یخرج بناتہ ونساءہ فی العیدین رواہ البیھقی و ابن ماجۃ (تلخیص الحبیر)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عورتوں اور بیٹیوں کو عیدین میں لے جاتے تھے۔

اس روایت سے بھی صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کو عیدین میں جانے کی رخصت و اباحت تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی صاحبزادیوں اور بیویوں کو

عیدین میں لے جاتے تھے۔ لیکن صرف لے جانے کے ثبوت سے استحباب یا سنت ہونے کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ اس کی نظیر مندرجہ ذیل حدیث ہے :-

حدیث (۲۶) عن عائشة رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبل بعض نسائہ وھو صائم وکان املککم لاربہ۔ (بخاری ومسلم۔ کذا فی التلخیص) وفی روایة وایکم یملک اربہ کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یملک اربہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے اور آپ اپنی خواہش پر تم سب سے زیادہ قابو رکھتے تھے۔ اور ایک اور روایت میں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اپنی خواہش پر اس قدر قابو رکھتا ہے جس قدر نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے تھے۔

اس حدیث سے باوجود ثبوت فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بحالتِ روزہ بیوی کا بوسہ لینا سنت یا مستحب ہے۔ بلکہ حضرت عائشہؓ اشارۃً یہ بتاتی ہیں کہ لوگوں کو ایسا نہ کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر قادر تھے اس لئے بوسہ سے تجاوز کرنے کا احتمال نہ تھا۔ اور لوگوں میں چونکہ نفس پر قادر ہونے کی صلاحیت کم ہے اس لئے تجاوز کا احتمال قوی ہے۔ انکو اس سے پرہیز کرنا افضل ہے

حدیث (۲۷) قالت ام عطیة امرنا ان نخرج فنخرج الحیض والعواتق وذوات الخدور فاما الحیض فیشھدن جماعة المسلمین و دعوتھم ویعتزلن مصلاھم۔ (بخاری)

ام عطیہؓ فرماتی ہیں ہم کو حکم کیا گیا کہ خود بھی جائیں اور حائضہ اور جوان اور پردہ نشین عورتوں کو بھی عیدگاہ میں لے جائیں لیکن حائضہ عورتیں صرف مجمع اور دعا میں شریک رہیں اور نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔

حدیث (۲۸) عن ام عطیةؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخرجوا العواتق وذوات الخدور لیشھدن العید ودعوة المسلمین ولیجتنبن الحیض مصلے الناس۔ (رواہ ابن ماجہ)

ام عطیہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوان عورتوں اور پردہ نشینوں کو نکالو (یا لے جاؤ) یہ سب عید اور دعا میں حاضر رہیں اور حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔

یہ دونوں حدیثیں آج کل کے عاملان بالحدیث کی قوی سے قوی دلیلیں ہیں۔ کیونکہ ان میں امر کا لفظ اور صیغہ موجود ہے جس سے وہ تاکید یا کم از کم استحباب ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ ان حدیثوں کا اصل مفہوم سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ ہم اس کی پوری تفصیل بیان کرتے ہیں :-

واضح ہو کہ امر کا صیغہ تین معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی اس سے وجوب مراد ہوتا ہے جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور کبھی استحباب جیسے فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ اور کبھی اباحت جیسے اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا۔ اور کُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ اگرچہ امر کی اصل وجوب ہے۔ لیکن جب قرائن سے ثابت ہو جائے کہ وجوب مراد نہیں تو استحباب یا اباحت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

اب یہاں پر یہ دیکھنا ہے کہ عیدین میں عورتوں کے جانے کے بارے میں جو امر کا صیغہ اختیار کیا گیا ہے اس میں اس سے کیا مراد ہے۔ تو یاد رہے کہ وجوب تو یقیناً مراد نہیں۔ کیونکہ اس کا کوئی قائل نہیں کہ عیدین میں عورتوں کا جانا فرض ہے۔ (وجوب سے مراد اس موقع پر فرضیت ہی ہے) عیدین کی نماز بھی اور عیدین میں جانا بھی مردوں پر تو فرض ہے نہیں پھر عورتوں پر فرض ہونے کے کیا معنی؟ اور چونکہ مدعیانِ عمل بالحدیث بھی فرضیت کے قائل نہیں اس لئے ہمیں اس کے متعلق مزید بیان کی حاجت نہیں۔ اب رہا دوسرا احتمال کہ امر استحباب کے لئے ہو تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی نہیں۔ اور اس کی کئی دلیلیں ہیں۔ اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صریح ارشاد ملاحظہ کرو جن میں آپ عورت کی کوٹھری کی نماز کو مسجد کی نماز سے افضل فرماتے ہیں۔ اور اسی فصل میں ہم مفصل طور پر نقل کر چکے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کی نماز سے (جس میں پچاس ہزار نماز کا ثواب ہے) عورتوں کی کوٹھری کی نماز کو کئی درجہ افضل اور بہتر فرماتے ہیں اور اس کے سوا اس کی کوئی وجہ نہیں کہ عورت جس قدر اپنے حیز استتار اور پردہ کی جگہ سے دور ہوتی جاتی ہے اسی قدر ثواب کم ہوتا جاتا ہے۔ (دیکھو حدیث نمبر ۳-۴-۵-۶) پس یہ وجہ بعینہ یہاں موجود ہے کہ مجمع میں جانا، مردوں پر نظر پڑنا، دن اور روشنی کا وقت ہونا یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔ پس اُن حدیثوں کے صحیح مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیدین میں جانے کا امر استحباب کے لئے نہیں۔ کیونکہ ان حدیثوں میں عید کی نماز کا استثنا موجود نہیں ہے۔ دوم یہ کہ جمعہ اور نماز ہائے پنجگانہ فرض نمازیں ہیں اور ان کی جماعتوں میں حاضر ہونا عورت کے لئے بہتر اور افضل نہیں تو عید جو فرض نہیں اس میں حاضر ہونا کیونکر افضل و اولیٰ ہو سکتا ہے؟ سوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین میں جانے والی عورتوں کے لئے کوئی ترغیب اور فضیلت بیان نہیں فرمائی جس سے ثابت ہو کہ اُن کو عیدین میں جانا مستحب و مستحسن امر ہے۔

پس جبکہ امر وجوب کے لئے نہیں اور استحباب کے لئے بھی نہیں تو لامحالہ اب صرف رخصت واباحت کے لئے ہوا۔ اور آپ کے ارشاد کا صحیح مفہوم یہ ہوا کہ عورتوں کو عیدین میں جانے دو یا جانا چاہیں تو منع نہ کرو۔ کیونکہ

ان کے لئے جانا مباح ہے اور اس کے ہم قائل ہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کا جانا مباح تھا۔

(۳) عورتوں کو جماعتوں میں آنے کی جو رخصت واباحت تھی وہ اب بھی ہے یا نہیں؟

واضح ہو کہ جناب سرورِ عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت تھی۔ لیکن آپ کے زمانے کے بعد ہی صحابۂ کرام کے سامنے ہی حالت بدل گئی اور فتنہ وفساد وبدنیتی شروع ہو گئی۔ اور خود صحابۂ کرام نے ہی عورتوں کو منع کرنا شروع کر دیا۔ اور ان کی یہ ممانعت خدا اور رسول کے حکم سے ہی ماخوذ تھی جیسا کہ ناظرین عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے۔ پس علمائے حنفیہ رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں کہ عورتوں کے لئے اب اجازت نہیں ہے کہ وہ جماعتوں میں حاضر ہوں بلکہ ان کو گھروں میں نماز پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو افضل اور بہتر تھا لیکن اب ضروری ہو گیا۔ اس حکم کے لئے حنفیہ کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں :-

(الف)

حدیث (۲۹) عن عائشة رضی اللہ عنها قالت لو ادرك رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل۔ الحدیث۔ بخاری۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی یہ حرکات ملاحظہ فرماتے جو انھوں نے اب ایجاد کی ہیں تو ان کو مسجدوں سے روک دیتے۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔

حدیث (۳۰) وقد ثبت ذلك من حدیث عروة عن عائشة موقوفا اخرجه عبد الرزاق باسناد صحیح ولفظه قالت کن نساء بنی اسرائیل یتخذن ارجلا من خشب یتشرفن للرجال فی المساجد فحرم اللہ علیهن المساجد وسلطت علیهن الحیضة وهذا وان کان موقوفا لکن حکمه حکم الرفع لانه لایقال بالرأی — فتح الباری عون المعبود نیل الاوطار۔ زرقانی

بنی اسرائیل کی عورتوں کا مسجدوں سے روکا جانا اس حدیث سے ثابت ہے جو عبد الرزاق نے صحیح سند کے ساتھ بواسطہ عروہؓ حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں حضرت عائشہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں لکڑی کے پاؤں بنا لیتی تھیں تاکہ ان پر اونچی ہو کر مسجدوں میں مردوں کو جھانکیں تو اللہ نے ان پر مسجدیں حرام کر دیں اور حیض ان پر مسلط کر دیا گیا۔ اور یہ روایت اگرچہ حضرت عائشہ پر موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ ایسی بات محض رائے اور قیاس سے نہیں کہی جاتی۔

حافظ ابن حجر، قاضی شوکانی، علامہ زرقانی شارح موطا امام مالک، صاحب عون المعبود۔ ان سب نے روایت نمبر ۳۰ کو حکماً مرفوع مانا ہے اور صحیح ہونا تسلیم کیا ہے۔ پس اس حدیث سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

بنی اسرائیل کی عورتیں مسجدوں میں نماز پڑھنے آتی تھیں اور انھیں آنے کی اجازت تھی۔ جب انھوں نے یہ حرکت کی کہ لوگوں کو دیکھنے کے لئے لکڑی کے اونچے پاؤں بناکر جھانکنا شروع کردیا اور بدنیتی ان میں پیدا ہوئی تو خدا نے اُن پر مسجدوں میں آنا حرام کردیا۔ پس بنی اسرائیل کے لئے خدا کا حکم عورتوں کی بدنیتی اور فساد کے وقت یہ تھا کہ مسجدوں میں آنا اُن پر حرام ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کی حدیث نمبر ۲۹ سے صراحۃً یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عورتوں نے ایسی حرکتیں ایجاد کی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو یقیناً منع فرما دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں مسجدوں سے روک دی گئی تھیں۔ پس بدنیتی اور فساد کا پیدا ہونا تو حضرت عائشہ کی حدیث سے ثابت ہوگیا۔ اور بدنیتی اور فساد پیدا ہونے کے وقت عورتوں پر مسجدوں میں آنے کی حرمت خدا کے اس حکم سے ثابت ہوئی جو بنی اسرائیل کی عورتوں کو دیا گیا تھا۔ پس یقیناً اُمتِ محمدیہ کی عورتوں کو بوجہ بدنیتی اور فساد پیدا ہوجانے کے خدا کے حکم سے مسجدوں میں جانا حرام ہوا۔ یہ اس لئے کہ پہلی امتوں میں جو خداوندی احکام تھے اگر وہ منسوخ نہ ہوئے ہوں تو ان کی پیروی اور اتباع ہمارے اوپر اسی طرح ضروری اور لازم ہے جیسے کہ اپنی شریعت کی پیروی اور اتباع لازم ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا کہ اُن کی یعنی انبیائے سابقین کی ہدایت یعنی شریعت کی اقتدا کرو۔

حدیث (۳۱) فقال ابن عباس رضی اللہ عنہ نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم ممن امران یقتدی بھم (بخاری)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تمھارے نبی اُن میں سے ہیں جن کو انبیائے سابقین کی اقتدا کا حکم کیا گیا ہے۔

مگر چونکہ پہلی شریعتوں کی کتابیں محفوظ نہیں۔ اس لئے ان کی موجودہ کتابوں کے احکام کی تعمیل ہمارے ذمہ اس لئے ضروری نہیں ہے کہ موجودہ احکام کا احکامِ خداوندی ہونا یقینی نہیں ہے۔ لیکن جب کسی حکم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمادیں کہ یہ شرائع سابقہ میں سے کسی شریعت کا حکم تھا اور ہماری شریعت میں وہ حکم منسوخ نہ ہوا ہو تو یقیناً اس پر عمل کرنا ہمارے ذمہ اپنی شریعت کے حکم کی طرح ضروری اور لازمی ہے اور جبکہ اس حدیث صحیح سے یہ ثابت ہوگیا کہ فتنہ وفساد کے وقت بنی اسرائیل کی عورتوں پر خدا تعالیٰ نے مسجدوں میں آنا حرام فرمادیا تھا تو یقیناً یہی حکم اُمتِ محمدیہ کی عورتوں کے لئے بھی واجب الاتباع اور خدا کا حکم ہے۔ اور اُن پر مسجدوں میں آنا اسی حکمِ خداوندی کی بنا پر حرام ہے۔ یہ دلیل نہایت صاف اور واضح ہے اور کسی قسم کا اس میں شک وشبہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے اجزا میں ایسی دو صحیح حدیثیں اور ایک آیت

قرآنی ہے جو اس مدعا پر نہایت واضح طور سے دلالت کرتی ہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ بعض لوگ اس پر یہ شبہ کریں جو ذیل میں مندرج ہے۔ اس لئے تتمیماً للفائدہ اُسے مع جواب کے ذکر کیا جاتا ہے۔

شبہ نمبر(۱) پہلی شریعتوں کے احکام ہمارے لئے اس وقت واجب الاتباع ہوتے ہیں کہ ہماری شریعت میں اُن احکام کے خلاف حکم نہ آیا ہو۔ اور صورت متنازع فیہا میں ایسا نہیں ہے بلکہ ہماری شریعت نے اس حرمت کے حکم کے خلاف عورتوں کو مسجدوں میں آنے کی اجازت دی تو پہلا حکم حرمت کا نسوخ ہو گیا اس لئے اُس حکم سے اب حرمتِ خروج نساء پر استدلال کرنا گویا ایک حکم منسوخ سے استدلال کرنا ہے۔

جواب - یہ خیال غلط ہے کیونکہ اسی حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں مسجدوں میں نماز پڑھتی تھیں اور ان کے لئے مسجدوں میں آنے کی اجازت تھی لیکن جب انھوں نے بدنیتی اور فساد شروع کیا اُس وقت اُن پر مسجدیں حرام ہوئیں تو شریعت بنی اسرائیل کا حکم یہ ہوا کہ وجود فتنہ وفساد کے وقت عورتوں کو مسجدوں میں آنا حرام ہے اور ہماری شریعت نے اس حکم کو منسوخ نہیں کیا۔ رہی عورتوں کے آنے کی اجازت تو وہ بوجہ فتنہ وفساد نہ ہونے کے تھی۔ یہ اجازت جو فتنہ وفساد نہ ہونے کے زمانے میں تھی اس حکم حرمت کی ناسخ نہیں ہو سکتی جو فتنہ وفساد کے وقت کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس بدنیتی اور فساد کا نہ ہونا جو حکم حرمت وممانعت کی علت ہے حضرت عائشہ رضی کی حدیث ۲۹ سے صراحۃً ثابت ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حرکات ملاحظہ فرماتے یا ان حرکات کا زمانہ پاتے۔ اور یہ الفاظ اس امر میں صریح ہیں کہ آپ کے زمانے میں وہ حرکات فتنہ وفساد پیدا نہ ہوئی تھیں۔ پس اُس وقت کی اجازت یقیناً اس حکم حرمت کے مخالف اور اس کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

شبہ نمبر(۲) یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتنہ نہ تھا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بعض لوگ عورتوں کو تاکنے کے خیال سے پچھلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے۔ اور بعض متقی اگلی صفوں میں جانا چاہتے تھے تاکہ عورتوں پر ان کی نظر نہ پڑے۔ جن کے متعلق آیت ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستاخرین ٥ نازل ہوئی ہے۔ اور ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک صحابی نے ایک عورت سے جبراً زنا کیا اور دوسرا شخص شبہ میں پکڑا گیا۔ اور قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سنگسار کرنے کا حکم فرمادیں کہ اصل مجرم نے ایک بے گناہ کو پھنستا ہوا دیکھ کر خود اقرار کیا اور سنگسار کیا گیا۔ پس جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس قسم کے واقعات کا ہونا ثابت ہے تو یہ کہنا کیونکر

صحیح ہوسکتا ہے کہ آپ کے زمانے میں بوجہ امن عن الفتنہ کے اجازت تھی اور بعد میں فتنہ کی وجہ سے ممانعت ہوگئی۔

جواب ۔ بنی اسرائیل کی عورتوں پر مسجدوں کے حرام ہونے کا حکم عورتوں کی بدنیتی کی وجہ سے تھا۔ اور حضرت عائشہ رضؓ نے بھی اپنے قول میں نئی حرکات ایجاد کرلے کی نسبت عورتوں کی طرف کی ہے۔ پس اِن دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جو فتنہ و فساد حکم ممانعت کی علت ہے وہ عورتوں کی نیت کا فساد ہے۔ اور اس آیت و حدیث سے جو شبہ میں ذکر کی گئی ہیں مردوں کی بدنیتی ثابت ہوتی ہے نہ کہ عورتوں کی۔ اس لئے یہ واقعات منشائے حکم سے خارج ہیں۔ اور اصل یہ ہے کہ اگر عورت کی نیت پاک صاف ہو تو مردوں کی بدنیتی سے اس قدر جرائم واقع نہیں ہوسکتے جس قدر عورتوں کی جانب سے بدنیتی ہونے کی حالت میں ہوسکتے ہیں۔ اس لئے بنی اسرائیل کی عورتوں میں جب بدنیتی ہوئی اس وقت حکم حرمت نازل ہوا تھا۔ اسی طرح امتِ محمدیہ میں حکم حرمت اس وقت ہوا جب عورتوں میں بدنیتی پیدا ہوئی۔

اگر عورتوں مردوں کی بدنیتی کے تفاوت سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تاہم یہ واقعات موجبِ شبہ نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک دو واقعات کا ہوجانا آپ کے زمانے کو فتنہ و فساد کا زمانہ نہیں بنا سکتا۔ فتنہ و فساد کے زمانے سے مراد ایسا زمانہ ہے جس میں اس قسم کے واقعات بکثرت ہونے لگیں۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالت آپ کے بعد پیدا ہوئی تھی۔

(ب) حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث مذکور سے استدلال کا دوسرا طریق یہ ہے کہ وہ فرماتی ہیں:۔

لو ادرک النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء بعدہ لمنعھن المساجد۔ متفق علیہ۔ (التلخیص الحبیر)

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی یہ حرکات پاتے جو انھوں نے آپ کے بعد ایجاد کی ہیں تو ضرور اُن کو مسجدوں سے روک دیتے۔

اس حدیث سے صراحۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں عورتوں کی حرکات ناشائستہ کا ظہور نہ ہوا تھا آپ کے بعد ہوا ہے تو حضرت عائشہ کے کلام کا مطلب یہ ہوا کہ ان حرکات کے وجود کو حکم ممانعت لازم ہے۔ اور اس لزوم کی تاکید کے لئے لام تاکید داخل کر کے انھوں نے لَمَنَعَھُنَّ فرمایا۔ یعنی ضرور منع فرمادیتے۔ پس حضرت عائشہ رضؓ کے اس کلام سے وجود حرکات و حکم ممانعت میں لزوم ثابت ہوگیا۔ اس لئے جب یہ ثابت ہوجائے کہ حرکات ناشائستہ کا وجود ہوگیا ہے تو بحکمِ لزوم حکم ممانعت خود ثابت ہوجائے گا۔ ورنہ تلازم صحیح نہیں رہے گا۔ اور خود اسی حدیث سے حرکاتِ ناشائستہ کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد ثابت ہے۔ پس اس کا لازم یعنی

حکم ممانعت خود بخود بحکم تلازم ثابت ہوگیا۔

شبہ نمبر (۱) حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس دلیل پر شبہ کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے اس قول سے عورتوں کے لئے مطلقاً ممانعت نہیں نکلتی۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ نے حکم ممانعت کو ایسی شرط پر معلق کیا ہے جس کا وجود نہ ہوا تو اس حکم ممانعت کا بھی وجود نہ ہوگا۔ کیونکہ انتفائے شرط کو انتفائے مشروط لازم ہے۔ اس لئے یوں کہا جاسکتا ہے لم یرہ فلم یمنع فاستمر الحکم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن حرکات کو نہیں دیکھا اس لئے عورتوں کو منع نہیں فرمایا۔ تو مسجدوں میں آنے کی اجازت ان کے لئے مستمر اور باقی رہی۔

جواب۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا تو صحیح ہے کہ آپ نے اُن حرکات کو نہیں دیکھا پس منع نہیں فرمایا لیکن آگے یہ فرمانا فاستمر الحکم محل نظر ہے کیونکہ ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے اسی قول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وجود حرکات کو حکم ممانعت لازم ہے۔ پس حافظ ابن حجرؒ کا یہ فرمانا کہ باوجود حرکات ناشائستہ پائے جانے کے اجازت کا حکم مستمر اور باقی ہے کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ ہاں اگر حافظ ابن حجر اس تلازم کو نہ مانیں یعنی یہ فرمائیں کہ وجود حرکات ناشائستہ کو ممانعت کا حکم لازم ہی نہیں جیسے کہ ان کے قول بناءً علی ظن ظنتہ سے سمجھا جاتا ہے تو اس کے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ ہمیں حضرت عائشہ کے قول سے استدلال کرنا مقصود ہے اور اُس قول سے تلازم ثابت ہوتا ہے۔ یعنی حضرت عائشہؓ وجود حرکات ناشائستہ پر حکم ممانعت کو لازم قرار دیتی ہیں۔ اور حافظ ابن حجرؒ اسے نہیں مانتے اور حضرت عائشہ کا خیال اور گمان بتاتے ہیں۔ ہم حضرت عائشہؓ کے قول سے استدلال کرتے ہیں نہ کہ حافظ ابن حجر کی رائے سے۔ دوسرے یہ کہ حضرت عائشہؓ نے وجود حرکات ناشائستہ پر حکم ممانعت کو جو لازم بتایا ہے یہ صرف ان کا خیال اور گمان نہیں ہے بلکہ وہ اسے خدا کا حکم سمجھتی ہیں۔ اور ان کے پاس بنی اسرائیل کی عورتوں والی روایت اس کی زبردست دلیل موجود ہے۔ پس جبکہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ وجود حرکات ناشائستہ اور حکم ممانعت میں لزوم ہے تو حافظ ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ آپ نے وہ حرکات نہیں دیکھیں اور منع نہ فرمایا اس لئے حکم اجازت مستمر اور باقی ہے کسی طرح صحیح نہیں۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ شیرۂ انگور جب تک اس میں نشہ پیدا نہ ہوا ہو اس کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ لوکان مسکرا لحرم شربہ یعنی اگر یہ مسکر ہوتا تو اس کا پینا حرام ہوتا۔ لیکن اگر کوئی کہے لم یکن مسکرا فلم یحرم فاستمر الحکم تو یہ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ یعنی چونکہ وہ مسکر نہیں تھا اس لئے حرام نہیں تھا اور حکم حلت مستمر اور باقی ہے۔ یعنی وجود مسکر (ملزوم) کے بعد بھی حکم حلت باقی ہے اور حکم حرمت (لازم) متحقق نہیں ہوا۔ یہ ہرگز صحیح نہیں۔

شبہ نمبر (۲) حافظ ابن حجرؒ نے اس دلیل پر یہ بھی شبہ کیا ہے کہ اگر وجود فتنہ کو حکم حرمت لازم ہوتا تو خدا کو تو معلوم تھا کہ فتنہ پیدا ہونے والا ہے۔ اس نے حکم حرمت کیوں نہیں بھیجا؟

جواب - خدا کو بے شک معلوم تھا کہ فتنہ پیدا ہونے والا ہے۔ لیکن پیدا تو نہ ہوا تھا۔ اور پیدا ہونے سے پہلے اس کا حکم بھیجدینا لازم نہیں۔ ورنہ احکامِ وقتیہ میں سے کوئی حکم بھی حافظ ابن حجرؒ کے اس اعتراض سے نہیں بچ سکتا۔ مثلاً تیمم کا حکم اُس سفر میں نازل ہوا جس میں حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا تھا۔ اور ایسے میدان میں تھے کہ وہاں پانی نہ تھا۔ جب لوگوں کو پریشانی ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ سے عائشہؓ کی شکایت کی اور حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو برا بھلا بھی کہا اور تکلیف بھی پہنچائی۔ اُس کے بعد حکم تیمم نازل ہوا۔ تو اگر حافظ ابن حجرؒ سے کوئی کہے کہ خدا کو تو معلوم تھا کہ ایسی ضرورتیں پیش آئیں گی کہ پانی نہ ملے گا۔ اس نے پہلے سے حکم تیمم کیوں نازل نہ کر دیا تھا؟ اسی طرح ہزاروں احکام ہیں جو خاص خاص وقتوں میں اسبابِ خاصہ کے وجود کے بعد نازل ہوئے ہیں .... اُن سب پر یہی شبہ ہوگا تو جو جواب حافظ ابن حجرؒ اُن کا دینگے وہی ہم اُن کے اس اعتراض کا دیں گے۔

دوسرے یہ کہ بیشک وجود فتنہ کا خدا تعالیٰ کو علم تھا۔ اور وہ حکم حرمت بھی نازل فرما چکا تھا۔ یعنی بنی اسرائیل کی عورتوں پر مسجدوں کو حرام کر چکا تھا۔ اور وہی حکم ہمارے لئے بھی حکم تھا۔ اس لئے جداگانہ حکم نازل فرمانے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس حکم سابق کو ہمارے سامنے نقل کر دینا کافی تھا۔

شبہ نمبر (۳) حافظ ابن حجرؒ نے یہ بھی شبہ کیا ہے کہ اگر فتنہ کی وجہ سے حکم ممانعت لازم بھی ہو جب بھی انھیں عورتوں کے لئے ہونا چاہیئے جو بدنیتی اور فتنہ کی مرتکب ہوں۔ تمام عورتوں کو منع کرنا صحیح نہیں۔

جواب - جبکہ عورتوں میں بدنیتی اور فساد پیدا ہو جائے تو اس کی تحقیق کرنا کہ کس میں بدنیتی اور فساد ہے مشکل بلکہ تقریباً محال ہے۔ اگر بعض عورتوں کے لئے اجازت رہے تو تمام عورتیں اسی حیلے سے آسکتی ہیں کہ ہمارے اندر بدنیتی نہیں۔ اگر مسجدوں کے دروازوں پر محتسب کوڑا لیئے ہوئے بھی کھڑا رہے تاہم وہ نیک نیت اور بدنیت عورت میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بدنیتی اور بدخیالی ایک باطنی امر ہے جس پر کسی کو سوائے علام الغیوب کے اطلاع نہیں ہو سکتی تو ایسی حالت میں خاص بدنیت عورتوں کو روکنے کی کوئی سبیل نہیں۔ اس لئے سداً للباب تمام عورتیں حکم کراہت میں شامل ہونی ضروری ہیں تاکہ اس فتنہ کا پورا دروازہ بند ہو جائے۔ اور اس کی نظیر شریعت میں یہ ہے کہ منافق اور یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر راعنا کہتے تھے اور خلافِ ادب معنی مراد لیتے تھے اور مخلص مسلمان بھی راعنا کہتے تھے۔ ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ ہماری طرف دیکھیے۔ یہی معنی صحیح اور درست تھے لیکن چونکہ اس لفظ کے استعمال کرنے میں منافقین اور یہود کو بے ادبی اور گستاخی کا موقع ملتا تھا اور بظاہر کوئی صورت اس کی نہ تھی کہ صرف گستاخی کی نیت سے کہنے والوں کو روکا جائے اس لئے عموماً مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے خدا تعالیٰ نے منع فرما دیا۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا۔ پس اسی طرح یہاں بھی، بلکہ بدنیت اور نیک نیت عورتوں میں امتیاز مشکل ہے اس لئے سداً للباب تمام عورتوں کو روکنا ضروری ہے۔ اور بنی اسرائیل کی عورتوں

والی روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عموماً عورتوں پر مسجدیں حرام کردی گئی تھیں اس لئے حافظ ابن حجرؒ کا یہ شبہ بھی صحیح نہیں۔ (ج)

حدیث (۳۲) عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال کان الرجال والنساء من بنی اسرائیل یصلون جمیعاً فکانت المرأۃ اذا کان لھا خلیل تلبس القالبین تطول بھما لخلیلھا فالقی اللہ علیھن الحیض فکان ابن مسعودؓ یقول اخرجوھن من حیث اخرجھن اللہ۔ الحدیث (مجمع الزوائد۔ وقال رجالہ رجال الصحیح)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کے مرد اور عورتیں ساتھ ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور جب کسی عورت کا کوئی یار ہوتا تو وہ لکڑی کے پاؤں پہن کر آتی تاکہ اونچی ہوجائے اور یار کو دیکھنے کا موقع ملے تو خدا نے ان عورتوں پر حیض ڈال دیا۔ پھر ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں کو مسجدوں سے نکالو جس طرح خدا نے انہیں نکالا ہے۔

حافظ ہیثمی نے فرمایا کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

حدیث (۳۳) وعن ابی عمرو الشیبانی انہ رای عبداللہ یخرج النساء من المسجد یوم الجمعۃ ویقول اخرجن الی بیوتکن خیر لکن۔ مجمع الزوائد۔ وقال رجالہ موثقون)

ابو عمرو شیبانی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جمعہ کے روز عورتوں کو مسجد سے نکالتے تھے اور فرماتے تھے کہ نکلو اپنے گھروں کو جاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ (حافظ ہیثمی نے فرمایا کہ اس کے راوی معتبر ہیں)۔

ان روایتوں سے یہ باتیں صراحۃً معلوم ہوئیں کہ حضرت[1] عبداللہ ابن مسعودؓ عورتوں کو جماعتِ جمعہ میں مسجد سے نکالتے تھے۔ لوگوں[2] کو فرماتے تھے کہ عورتوں کو مسجدوں سے نکالو۔ بنی[3] اسرائیل کی عورتوں کا واقعہ بیان کرکے کہ وہ بوجہ بدنیتی اور فساد کے مسجدوں سے نکالی گئیں مسلمانوں کو بھی وہی حکم دیتے ہیں اور اس کو خدا تعالیٰ کا حکم قرار دیتے ہیں۔

پس چونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت (۳۳) بھی حکماً مرفوع ہے اور حضرت عائشہ کی روایت کے قریب المعنیٰ ہے اور اسناد بھی اس کی معتبر ہے جیسا کہ حافظ ہیثمی نے اس کی تصریح فرمادی اس لئے ان دونوں حدیثوں سے یہ بات صراحۃً ثابت ہوگئی کہ عورتوں میں بدنیتی اور فساد پیدا ہونے کے وقت خدا تعالیٰ نے انہیں مسجدوں سے نکالنے کا حکم دیا ہے۔ پس ان کے لئے مساجد میں آنا مکروہ تحریمی ہوا۔

اس کے بعد اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے بعد مساجد میں عورتوں کے آنے کو مکروہ سمجھنے والے یا منع کرنے والے کون کون صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین و فقہا و محدثین ہیں۔

حدیث (۳۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کانت امرأۃ لعمر تشھد صلوۃ الصبح والعشاء فی الجماعۃ فی المسجد فقیل لھا لم تخرجین وقد تعلمین ان

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی عشا اور فجر کی نماز کے لئے مسجد میں جاتی تھیں تو ان سے کہا گیا کہ تم کیوں جاتی ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ تمہارے جانے

عمرؓ یکرہ ذلک ویغار قالت فما یمنعہ ان ینھانی قالوا یمنعہ قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ۔ رواہ البخاری وابن ابی شیبہ کذا فی الکنز۔

کو مکروہ سمجھتے ہیں اور انھیں غیرت آتی ہے۔ انھوں نے فرمایا تو پھر وہ مجھے منع کیوں نہیں کر دیتے۔ لوگوں نے کہا کہ منع کرنے سے انھیں یہ ارشادِ نبوی مانع ہے کہ خدا کی بندیوں کو خدا کی مسجدوں سے نہ روکو۔

اس روایت سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ صبح کی اور عشا کی نماز میں بھی عورتوں کے مسجد میں جانے کو مکروہ سمجھتے تھے اور غیرت کرتے تھے۔ اور ان کی یہ غیرت یقیناً خوفِ فتنہ کی وجہ سے تھی جس کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ غیرت محمودہ فرماتے ہیں۔ موطا امام مالکؒ میں یہ روایت اس طرح ہے کہ جب عمرؓ کی بیوی اُن سے مسجد میں جانے کی اجازت مانگتیں تو حضرت عمرؓ خاموش ہو جاتے تھے لیکن بخاری کی اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ کی خاموشی رضامندی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ کراہت و ناخوشی کی وجہ سے تھی۔ اسی طرح علامہ زرقانی شرح مؤطا میں سکوت کی وجہ حضرت عمرؓ کی ناخوشی ہی بیان فرماتے ہیں۔ فیسکت لانہ کان یکرہ خروجھا للصبح والعشاء۔

رہا یہ شبہ کہ حضرت عمرؓ اگر مکروہ سمجھتے تھے تو منع کیوں نہ فرماتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قصہ حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہ بنت زید کا ہے۔ انھوں نے حضرت عمرؓ سے نکاح کرتے وقت یہ شرط کر لی تھی کہ مجھے مسجد میں نماز کے لئے جانے سے نہ روکیں۔ اس لئے حضرت عمرؓ منع تو نہ فرماتے تھے کہ خلافِ عہد نہ ہو مگر جانے سے ناخوش ضرور ہوتے تھے اور مکروہ سمجھتے تھے۔

اگر یہ شبہ ہو کہ جب ان کے نزدیک جانا مکروہ تھا تو نکاح کے وقت اس شرط پر ہی کیوں راضی ہوئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورتوں کی حالت فتنہ و فساد کے اس درجہ تک نہ پہنچی ہو کہ حضرت عمرؓ ان کے نکلنے کو مکروہ سمجھتے اس لئے شرط کر لی اس کے بعد یہ حالت فتنہ و فساد کی پیدا ہوئی تو مکروہ سمجھنے کے باوجود ایفائے عہد کے خیال سے منع نہ فرماتے تھے۔ اور اس حدیث میں منع نہ کرنے کی جو وجہ مذکور ہے کہ وہ ارشادِ نبوی لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ کی مخالفت کے ڈر سے منع نہ فرماتے تھے۔ اس میں اول تو اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمرؓ سے یہ وجہ منقول ہے۔ ممکن ہے کہ لوگوں کا یہ خیال ہو۔ دوسرے اس پر یہ شبہ ہے کہ اگر وہ ارشادِ نبوی کی وجہ سے منع نہ فرماتے تھے تو مکروہ کیوں سمجھتے تھے؟ اصل بات یہ ہے کہ اُن کا مکروہ سمجھنا خوفِ فتنہ کی وجہ سے تھا۔ اور منع نہ کرنا ایفائے عہد کی وجہ سے۔ اور خوفِ فتنہ کی وجہ سے مکروہ سمجھنا ارشادِ نبوی لا تمنعوا الخ کے مخالف نہیں ہے۔

والرابع انہ مکروہ وقد حکاہ الترمذی عن الثوری وابن المبارک وھو قول مالک و ابی یوسف وحکاہ ابن قدامۃ عن النخعی ویحیی ابن سعید الانصاری الخ (نیل الاوطار)

اور چوتھا قول یہ ہے کہ عورتوں کا عیدین میں جانا مکروہ ہے۔ اور اس قول کو ترمذی نے سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک سے نقل کیا ہے۔ اور ابن قدامہ نے ابراہیم نخعی اور یحیی بن سعید انصاری سے نقل کیا ہے۔

قال اصحابنا یستحب اخراج النساء غیر ذوات الهیئات والمستحسنات فی العیدین دون غیرهن واجابوا عن اخراج ذوات الخدور والمخباة بان المفسدة فی ذلک الزمن کانت مامونة بخلاف الیوم ولهذا صح عن عائشةؓ لورای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مااحدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل. قال القاضی عیاضؒ واختلف السلف فی خروجهن للعیدین فرای جماعة ذلک حقاعلیهن منهم ابوبکرؓ وعلیؓ وابن عمرؓ وغیرهم و منهم من منعهن ذلک منهم عروة والقاسم ویحیی الانصاری ومالک وابو یوسفؒ اجازه ابوحنیفة مرة ومنعه اخری. (نووی عون المعبود)

ہمارے اصحاب شوافع کہتے ہیں کہ صرف ایسی عورتوں کو جو وضعدار اور حسین نہ ہوں عیدین میں لے جانا مستحب ہے نہ کہ وضعدار اور حسینوں کو اور حدیث میں جو پردہ نشینوں کو لے جانے کا ذکر ہے اس کا جواب ہمارے اصحاب نے یہ دیا ہے کہ اُس زمانے میں فتنہ وفساد سے امن تھا بخلاف موجودہ زمانے کے ۔ اور اسی لئے حضرت عائشہؓ سے بسند صحیح یہ ثابت ہے انہوں نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی یہ نئی حرکات ملاحظہ فرماتے تو مسجدوں سے روک دیتے۔ جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ عورتوں کے عیدین میں جانے کے بارے میں سلف صالحین میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت تو اُن کے جانے کو حق سمجھتی ہے۔ ان میں سے ابوبکرؓ اور علیؓ اور ابن عمرؓ وغیرہم ہیں اور دوسری جماعت عورتوں کو عیدین میں جانے سے منع کرتی ہے۔ ان میں سے عروہؓ اور قاسمؒ اور یحییٰ انصاریؓ اور امام مالکؒ اور امام ابویوسفؒ ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے ایک بار اجازت دی اور دوسری بار منع فرما دیا۔

ومنها خوف فتنة کامراة اصابت بخورا اولا اختلاف بین قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استاذنت امراة احدکم الی المسجد فلا یمنعها وبین ماحکم به جمهور الصحابة من منعهن اذ المنهی عنه الغیرة التی تنبعث من الانفة دون خوف الفتنة والجائز (من الغیرة) مافیه خوف الفتنة وذلک قولہ صلی اللہ علیہ وسلم الغیرة غیرتان۔ وحدیث عائشة ان النساء احدثن۔ (حجة اللہ البالغة)

اور ان عذروں میں سے جن کی وجہ سے جماعت میں نہ جانا جائز ہے خوف فتنہ ہے جیسے کوئی عورت خوشبو لگا کر جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ "جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو اُسے منع نہ کرو" اور جمہور صحابہ کے حکم ممانعت میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ حدیث میں جو منع کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف شیخی اور تکبر کی وجہ سے جو غیرت پیدا ہو کر روکنے کا سبب بنتی ہے یہ غیرت منع ہے اور صحابہ نے جس غیرت کی وجہ سے عورتوں کو روکا وہ غیرت خوف فتنہ کی وجہ سے ہے اور یہ غیرت جائز ہے اور یہی مطلب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الغیرة غیرتان کا۔ اور یہی مطلب ہے حضرت عائشہؓ کی حدیث ان النساء احدثن کا۔

ان عبارتوں سے صراحۃً ثابت ہوگیا کہ عورتوں کو نماز پنجگانہ کی جماعتوں اور عیدین سے روکنے والے یا اُن کے جانے

کو مکروہ کہنے والے مندرجہ ذیل حضرات ہیں۔

جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم (حجۃ اللہ البالغہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (حدیث نمبر ۲۹ و ۳۰) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (حدیث نمبر ۳۲ و ۳۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (حدیث نمبر ۳۴) سفیان ثوری رحؒ عبد اللہ ابن مبارکؒ (ترمذی) امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، ابراہیم نخعیؒ، یحییٰ بن سعید الانصاریؒ (نیل الاوطار) حضرت عائشہؓ کے بھانجے عروۃ ابن زبیرؓ، قاسمؒ، امام ابو حنیفہؒ (نووی و عون المعبود)

اس بیان سے ناظرین اچھی طرح سمجھ لیں گے کہ عورتوں کو مساجد اور عیدین میں لے جانے سے روکنے کی ابتدا خود صحابۂ کرام کے زمانے سے ہوئی۔ اور ممانعت کا منشاء خدا تعالیٰ کا وہ حکم ہے جو بوقت فتنہ و فساد بنی اسرائیل کی عورتوں کے لئے نازل ہوا تھا۔ اور صحابہ کرام کے زمانے سے آج تک ایک جماعت محدثین و فقہا کی منع کرتی چلی آتی ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔

اس مضمون کو دیکھ کر اگر عورتوں کے دل میں یہ مایوسی پیدا ہو کہ وہ مسجد نبوی کے اس ثواب سے محروم رکھی گئیں جو مردوں کے لئے بیان فرمایا گیا ہے کہ ایک نماز پر پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے تو ان کی تسلی کے لئے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ ان کو اس میں کوئی مایوسی نہ ہونی چاہیئے بلکہ خوش ہونا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کے لئے گھر بیٹھے ان کی نماز کو مسجد نبوی کی نماز سے بہتر بنا دیا۔ (دیکھو حدیث نمبر ۴) مردوں کو تو کچھ مسافت طے کر کے جانا پڑتا جب وہ ثواب ملتا۔ اور عورتوں کو گھر کی نماز ہی مسجد کی نماز سے افضل قرار دیدی گئی۔ تو عورتوں کے لئے خوشی اور شکر یہ کا موقع ہے نہ کہ رنج اور مایوسی کا۔ دوسرے یہ کہ گھروں سے باہر نکلنا اور مجمعوں میں شریک ہونا خدا نے مردوں کے لئے مخصوص کر دیا ہے اور اسی طرح جہاد و وعظ و خطبہ و امامتِ کبریٰ و قضا وغیرہ بہت سے کام ہیں جو مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ پس جیسے کہ عورتوں کو ان کاموں میں حسب ارشادِ خداوندی ولا تتمنوا ما فضل اللہ مردوں کی حرص کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح جماعت نماز میں یہ خیال نادرست ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی کام کیسا ہی خوشنما اور بظاہر نیک کیوں نہ ہو لیکن ہمارا حق یہی ہے کہ اپنے خیال کو خدا اور رسول کی مرضی کے تابع رکھیں۔ جسے خدا اور رسول افضل اور بہتر بتائے اسی کو افضل اور بہتر سمجھیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی گھر کی نماز کو اپنی مسجد کی اور اپنے ساتھ کی نماز سے افضل اور بہتر فرمایا ہے۔ پس عورتوں کی اطاعت شعاری اسی میں ہے کہ اسی کو افضل اور بہتر سمجھیں اور اپنے اس خیال کو کہ مسجد میں جماعت کا ثواب زیادہ ہوگا، چھوڑ دیں۔ **بعض مدعیانِ عمل بالحدیث** لوگوں کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے مقابلے میں صحابہ کی ممانعت قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ حدیث مرفوع کے مقابلے میں صحابہ کا قول حجت نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ ایک دھوکا یا غلط فہمی ہے۔ حدیث مرفوع کے سامنے قول صحابی اس وقت حجت نہیں ہوتا جبکہ دونوں میں

تعارض ہو اور کسی طرح وہ تعارض اُٹھ نہ سکے - اور یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت بوجہ عدم فتنہ کے تھی اور صحابہ کی ممانعت وجود فتنہ کی وجہ سے - جیسے کہ حدیث عائشہؓ نے اس کی تصریح کردی - پس حدیث مرفوع اور قول صحابہ میں کوئی تعارض نہیں ہے - دوسرے یہ کہ ممانعت صرف صحابہ کا قول یا فعل نہیں ہے بلکہ حدیث نمبر ۵ سے جو حکماً مرفوع ہے وجود فتنہ کے وقت خدا کی طرف سے حکمِ ممانعت ثابت ہے اور اس صورت میں حدیث مرفوع صرف قول صحابی سے چھوڑنا لازم نہیں آتا جیسا کہ فصل سوم میں مفصل گزر چکا ہے -

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین -

کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایۃ اللہ اوصلہ اللہ غایۃ متمناہ - مدرسہ امینیہ دہلی یکم ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

(۱) کیا عورت اپنا تمام بدن باستثنائے وجہ وکفین وقدمین مستور کر کے ضرورۃً (مثل تحصیل علم، خانگی امورات اعزہ واقارب سے ملنا وغیرہ) اپنے مکان سے باہر جاسکتی ہے؟ (۲) کیا عورت بہ ہیئتِ مذکورہ بالا یا برقعہ اوڑھ کر اپنے شوہر کے ہمراہ بغرض تفریح باہر جاسکتی ہے؟ (۳) زید نے اپنی بی بی کو بہ ہیئتِ مذکورہ بالا ضرورۃً باہر نکلنے کی اجازت دے رکھی ہے اور یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ بطیب خاطر جتنا پیدل چل سکتی ہے اس کو خواہ مخواہ ڈولی یا یکہ کا محتاج نہ ہونا چاہیئے - کیا یہ درست ہے؟

(۵۳۶) **جواب** - اگرچہ چہرہ اور کفین کا پردہ نماز میں ضروری نہیں اور شرعاً براہ راست اُن کا چھپانا فرض نہیں مگر فسادِ زمانہ کی وجہ سے متاخرین نے چہرہ اور ہاتھوں کو بھی غیر محرموں کے سامنے کھولنے سے منع کیا ہے اور یہی مروّجہ پردہ ہے - بوقت ضرورت امن عن الفتنہ کی حالت میں منہ ہاتھ کھولنا جائز ہوگا - برقع کے ساتھ باہر نکلنا اور اپنی ضروریات کے لئے باہر جانا جائز ہے - اپنے خاوند کے یا کسی محرم کے ساتھ عورت بغرض سیر برقع کے ساتھ باہر جاسکتی ہے - محمد کفایت اللہ غفرلہٗ، مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۷ء)

مسلمان عورتوں کو غیر مسلم عورتوں سے پردہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟

(۵۳۷) **جواب** - غیر مسلمہ غیر معتمد علیہا عورتیں جن کے میل سے کوئی دینی ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو اُن سے پردہ اور یکسوئی کرنی چاہیئے - محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۲۸ء)

وہ عورتیں جو فاحشہ ہوں۔ بیباک آوارہ خراب چال چلن رکھنے والی، تھیٹر میں پارٹ کرنے والی اور مردوں کا رنگ اختیار کرنے والی جو زنانہ اسکولوں کا معائنہ کرتی پھرتی ہوں۔ نیز وہ عورتیں جن کا اصل مقصد تبلیغ عیسائیت ہے اور علی العموم گھروں میں دستکاری سکھانے کے بہانے سے آتی جاتی ہیں۔ ایسی عورتوں سے عام مسلمان عورتوں کو پردہ کرنا چاہیے؟

(۵۳۸) **جواب** - ہاں ایسی عورتوں سے جن سے مضرت دینیہ یا اخلاقیہ پہنچنے کا ظن غالب ہو مسلمان عورتوں کو پردہ کرنا چاہیے نہ اس حیثیت سے کہ عورت سے عورت پردہ کرے بلکہ اس مضرت کے خیال سے جس کے پہنچنے کا ظن غالب ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۵ جنوری ۱۹۳۲ء)

آزاد مؤمنہ کا پردہ اجنبیوں اور نامحرموں کے سامنے آنے میں کس قدر ہے؟ کیا برقع اوڑھنا واجب ہے؟ یا چہرہ اور ہاتھ کھول کر نکلنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اس شخص کی نسبت شرع کا کیا حکم ہے؟ جو عورتوں کو گھر میں بیٹھے رہنے پر مجبور کرے چار دیواری سے نکلنے نہ دے۔

(۵۳۹) **جواب** - پردے اور حجاب کے حکم کا مدار خوف فتنہ پر ہے اور ظاہر ہے کہ چہرے پر نظر پڑنی اس بارے میں زیادہ مؤثر ہے اس لئے فقہائے کرام نے مؤمنہ حرہ کے لئے اجانب کے سامنے کشف وجہ کو ناجائز قرار دیا ہے۔ احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں اگر منہ چھپانے کا حکم موجود نہیں ہے تو منہ کھولنے کی بھی صریح اجازت نہیں ہے۔ اشارات و دلالات نصوص سے پردہ یعنی ستر وجہ کی ہی تائید ہوتی ہے اور یہی احوط و اسلم ہے۔ پس برقع اوڑھ کر نکلنا اوفق بالشرع والحکمۃ ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۶ء)

ہر سال اکثر مسلمان عورتیں عید الفطر کے دوسرے روز عید گاہ میں بطور سیر و تفریح آتی ہیں۔ گزشتہ سال چند اشخاص نے عورتوں کو عید گاہ جانے سے روک دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عورتیں دیگر مقامات یعنی جھنڈے والا، قدم شریف، بھوری بھٹیاری کا محل وغیرہ پر چلی گئیں جہاں کہ ان کی بے پردگی وغیرہ کا احتمال زیادہ ہے۔ ایسی صورت میں اگر عورتوں کو عید گاہ جانے دیا جائے تو شرعاً کیسا ہے؟

(۵۴۰) **جواب** - عورتوں کے لئے گھر سے باہر جا کر کسی ایک جگہ جمع ہونا اور میلے کی شکل بنانا درست نہیں۔ نہ عید گاہ میں نہ کہیں اور۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

تم الجزء الخامس من کفایت المفتی ویلیہ الجزء السادس فیہ کتاب الطلاق

عکس تحریر حضرت مفتی سید نصیب علی صاحب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سنت فجر بعد اقامت فرض اوسی مقام پر ادا کرنا کیسا ہے۔ صف کی برابر پڑہنا یا صف کے پیچھے مگر بغیر کسی حاجز وحائل کے پڑہنا یکسان ہے یا متفاوت الحکم۔ اور درصورت حاجز نہ ہونے کے اوس مقام پر پڑہ لینا بہتر ہے یا چھوڑ دینا۔ بیّنوا توجروا

الجواب واللّٰہ الملہم للحق والصّواب

عن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ

ترجمہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جبکہ نماز کی تکبیر کہی جاوے پہر کوئی نماز سوائے فرض کے نہیں (پڑہنا چاہیئے) ہے۔ اس عموم سے سنت فجر کی ممانعت بھی ثابت ہوتی تھی مگر چونکہ اس حدیث کو ابن عیینہ وحماد بن زید وحماد بن سلمہ نے ابوہریرہ سے موقوفاً روایت کیا ہے اور سنت فجر آکد السنن ہے اور صحابہ سے سنت فجر کا بعد اقامت فرض پڑہ لینا بھی ثابت ہے

روی الطحاوی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ دخل المسجد وقد اقیمت الصلوٰۃ فصلی رکعتی الفجر فی المسجد الی اسطوانۃ وذلک بمحضر حذیفۃ وابی موسی وروی مثلہ عن عمر بن الخطاب وابی الدرداء وابن عباس ذکرہ ابن بطال فی شرح البخاری عن الطحاوی وعن محمد بن کعب قال خرج عبد اللہ بن عمر من بیتہ فاقیمت صلوٰۃ الصبح فرکع رکعتین قبل ان یدخل المسجد ثم دخل فصلی مع الناس وذلک مع علمہ باقامۃ الصلوٰۃ ومثلہ عن الحسن ومسروق والشعبی انتہی کذا فی غنیۃ المستملی پس ان وجوہ ثلاثہ سے معلوم ہوتا ہے

کہ سنت فجر عموم حدیث سے مستثنے ہے اسی لئے فقہاء حنفیہ اوسکے پڑھ لینے کی اجازت بعد اقامت فرض دیتے ہین۔ لیکن اوسی مقام پر بغیر کسی حائل کے پڑہنا مکروہ ہے اور مخالط صف ادا کرنا سخت مکروہ ہے اسلئے کہ ان صورتونمین مخالفت جماعت لازم آتی ہے اور صحابہ کرام جن سے سنتونکا پڑہنا ثابت ہے وہ اسی صورت سے ثابت ہے کہ یا تو خارج مسجد یا اسطوانہ یا ساریہ کے پیچھے پس ان ہی صورتون سے جائز ہوگا۔

فی غنیۃ المستملی ثم السنۃ المؤکدۃ التی یکرہ خلافہا فی سنۃ الفجر وکذا فی سائر السنن ہو ان لا یاتی بہا مخالطا للصف بعد شروع القوم فی الفریضۃ ولا خلف الصف من غیر حائل وان یاتی بہا اما فی بیتہ وہو الافضل او عند باب المسجد ان امکنہ ذلک بان کان ثمہ موضع یلیق للصلوۃ وان لم یمکنہ ذلک ففی المسجد الخارج ان کانوا یصلون فی الداخل او فی الداخل ان کانوا فی الخارج ان کان ہناک مسجدان صیفی وشتوی وان کان المسجد واحدا فخلف اسطوانۃ ونحو ذلک کالعمود والشجرۃ وما اشبہہا فی کونہا حائلا والاتیان بہا خلف الصف من غیر حائل مکروہ ومخالطا للصف کما یفعلہ کثیر من الجہال اشد کراہۃ لما فیہ من مخالفۃ الجماعۃ۔ خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ جب نماز فرض شروع ہوجاوے تو سنت یہ ہے کہ سنت فجر کو مکان مین پڑہے اور افضل یہی ہے یا دروازہ مسجد پر پڑہے (یعنی مسجد کے باہر کما صرح بہ القہستانی وسیأتی ذکرہ) اگر وہان پر کوئی جگہ نماز کے لائق ہو اور اگر دروازہ مسجد پر ممکن نہ ہو تو باہر والے درجہ مین پڑہے

اگر جماعت فرض اندر ہو یا اندر پڑہے اگر جماعت باہر ہو اور اگر مسجد کا ایک ہی درجہ ہو تو ستون کے پیچھے یا اور کسی آڑ والی چیز کے پیچھے پڑہے - اور صف کے پیچھے بغیر حائل کے پڑہنا مکروہ ہے اور صف کی برابر مخالطِ صف ہوکر پڑہنا جیساکہ اکثر جاہل کرتے ہین سخت مکروہ ہے - اس عبارت سے خوب معلوم ہوگیا کہ افضل مکان مین پڑہنا ہے - پہر مسجد کے باہر دروازہ مسجد پر اگر جگہ ہو - پہر باہر والے درجہ مین اگر جماعت اندر ہو یا اندر والے درجہ مین اگر جماعت باہر ہو - پھر کسی ستون یا آڑ کے پیچھے پڑہنا چاہئے -

رہا یہ کہ اگر درجہ بھی ایک ہو اور کوئی آڑ بھی نہ ہو تو کیا کرے اوسکا حکم یہ ہے کہ سنت کو چھوڑ دے فرض مین شریک ہوجائے **فی الدر المختار** بل یصلیھا عند باب المسجد ان وجد مکانا والاترکھا لان ترک المکروہ مقدم علی فعل السنۃ **وفی رد المحتار** قولہ عند باب المسجد ای خارج المسجد کما صرح بہ القہستانی وقال فی العنایۃ لانہ لو صلاھا فی المسجد کان متنفلا فیہ عند اشتغال الامام بالفریضۃ وھو مکروہ فان لم یکن علی باب المسجد موضع للصلوۃ یصلیھا فی المسجد خلف ساریۃ من سواری المسجد واشدھا کراھۃ ان یصلیھا مخالطا للصف مخالفا للجماعۃ والذی یلی ذلک خلف الصف من غیر حائل ومثلہ فی النہایۃ والمعراج **قولہ والاترکھا** قال فی الفتح وعلی ھذا ای علی کراھۃ صلاتہا فی المسجد ینبغی ان لایصلی فیہ اذا لم یکن عند بابہ مکان لان ترک المکروہ مقدم علی فعل السنۃ غیر ان الکراھۃ تتفاوت فان کان الامام فی الصیفی فصلاتہ ایاھا فی

الشتوی اخف من صلاتها فی الصیفی وعکسه واشد ما یکون کراهة ان یصلیها مخالطا للصف کما یفعله کثیر من الجہلة انتہی

پس ان عبارتوں سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ اگر مسجد کے دروازے پر جگہ نہو اور مسجد میں کوئی موقع آڑ کا نہو تو ایسی صورتمیں سنتونکو چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ آڑ نہونے کی صورتمیں یا تو مخالط صف ہوکر پڑہیگا اور یہہ سخت مکروہ ہے یا صف کے پیچھے بغیر حائل کے پڑہیگا اور یہہ بہی مکروہ ہے اور کراہت کے ساتھ ادا کرنے سے چھوڑ دینا اچھا ہے لان ترک المکروہ مقدم علی فعل السنة واللہ اعلم بالصواب

جواب صحیح بہت درست ہے سنت فجر موکد ہے اگر ادا کی

کتبہ

العبد الضعیف الراجی رحمة مولاہ محمد کفایت اللہ

موکدہ ہی حتی الامکان مطابق سنت

اوصلہ اللہ غایة مایتمناہ حرر لاربع خلون من

فی النہایة انما انہ لیصلی فی المسجد

شوال المکرم سنہ ۱۳۱۹ھ

وان تامن الجماعة فلان سنت الفجر اکدھا قال النبی علیہ الصلوٰة والسلام صلوھما وان طردتکم الخیل واما عند باب المسجد فلان الاشتغال بالنفل عند اشتغال الامام مکروہ

انتہی واللہ اعلم وحکمہ احکم

وصلی اللہ

کتبہ

محمد اعظم عفی اللہ ما اجرم

۹ شوال المعظم سنہ ۱۳۱۹ھ فی بلدہ مبارک ہاپوڑ

الجواب صواب

عبید الحق عفی عنہ

الجواب صحیح

۱۰

اعضا کی گوشت لٹکنی لگتا ہی یا بوجہ قوت و توسط کی گٹھا ہوا رہتا ہی تو آپکا جسم پر گوشت
گٹھی ہوئی جسم کا تھا یعنی آپ قوی المزاج بھی بہت تھی اور گوشت نہیں تھا توسط سے
زیادہ بڑھا ہوا نہ تھا۔ آپ نہایت قوی المزاج صحیح الطبیعۃ تھی قوی تمام آپکی
درست اعضا تمام موضوع قوت کا وہ حال کہ غزوہ خندق میں جب ایک کنکریلی
زمین آگئی اور تمام صحابہ اوسکی کھودنے سے عاجز ہوگئی آپنے ایک کدال میں کھود ڈالے
اور ایسے ہی جرأت و ہمت اور ایسے جود و سخاوت صلے اللہ علیہ وسلم قولہ سواء
البطن والصدر یعنی پیٹ اور سینہ برابر تھا نہ اسلئے کہ بعضوں کا پیٹ بوجہ ضعف
و زیادتی گوشت کی آگی کو نکلا ہوا ہی عریض الصدر سینہ چوڑا تھا کہ علامت
شجاعت و شہامت کی ہے۔ انور المتجرد یعنی آپکا جسم متجرد نورانی تھا متجرد سے
ظاہر تو وہ جسم معلوم ہوتا ہی جو کپڑوں سے کھلا رہتا ہی ~~اور وجہ~~ اوسکی منہ المتجرد
ہونکی ~~بھی نورانی~~ اور وہ اکثر اور جسم سے خراب رنگ ہو جاتا ہی کیونکہ دھوپ
وغیرہ اوسپر اکثر پڑتی ہے اسوجہ سے اوسپر تغیر آجاتا ہی لیکن آپکا وہ جسم بھی
انور تھا فما ظنک بالمستور ۔ یا متجرد سے مراد متجرد عن الشعر ہی یعنی جو جسم کہ
بالوں سے خالی تھا وہ انور تھا تو اس وقت میں وجہ انوریت کی ظاہر ہی
حاجت بیان نہیں رکھتی فافہم ۔ قولہ عاری الثدیین والبطن مما سوی ذلک یعنی
سوا اوس ایک لکیر بالوں کی جسکو مسربہ کہتے ہیں اور بال پیٹ اور پستانوں پر نہ تھی
ہاں مونڈھوں اور ذراعوں پر بقدر ضرورت بال تھی جسکو آگے بیان کرتے ہیں
قولہ اشعر الذراعین والمنکبین واعالی الصدر۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ان
مواضع پر بال بہت کم تھی اسوجہ سے اکثر روایات میں الفاظ یہ نہیں اور جن میں ذکر ہے
وہ اون کے معارض نہیں قولہ طویل الزندین زند کہتے ہیں پہونچے کی ہڈی کو
تو یا تو مراد زند سی صرف وہی ہڈی ہی یعنی وہ طویل تھی یا مراد تمام ذراع ہے
یعنی ذراعین طویل تھی اور ذکر زندین قبیل تسمیۃ الکل باسم الجزء سی ہوگا

عکس تحریر حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ - مسودہ تعلیقات شمائل ترمذی کا ایک صفحہ
سنہ ۱۳۱۲ھ

سوالات بیضاوی شریف سنہ ۱۳۲۸ھ

عکس تحریر حضرت مفتی اعظم رح

(۱) والهداية دلالة بلطف ولذلك تستعمل في الخير وقوله تعالى فاهدوهم الى صراط الجحيم على التهكم - ومنه الهداية وهوادي الوحش لمقدماتها - والفعل منه هدى واصله ان يعدى باللام او الى فعومل معه معاملة اختار في قوله تعالى واختار موسى قومه

اس عبارت کا صاف مطلب اور ہدیہ اور ہوادی کی وجہ اشتقاق بیان کرو۔

(۲) والعالم اسم لما يعلم به كالخاتم والقالب غلب فيما يعلم به الصانع وهو كل ما سواه من الجواهر والاعراض فانها لامكانها وافتقارها الى مؤثر واجب لذاته تدل على وجوده - اس عبارت کا صاف مطلب تحریر کرو۔

(۳) والايمان في اللغة عبارة عن التصديق مأخوذ من الامن كان المصدق امن المصدق من التكذيب والمخالفة واما في الشرع فالتصديق بما علم بالضرورة انه من دين محمد صلعم كالتوحيد والنبوة والبعث والجزاء -

اس عبارت کا صاف مطلب تحریر کرو۔

محمد [illegible]

۵ شعبان سنہ ۱۳۲۸ھ

سوالات ترمذی شریف سنہ ۱۳۲۸ھ

عکس تحریر حضرت مفتی اعظم (۲)

(۱) عن ابن عبد اللہ بن مغفل قال سمعنی ابی وانا فی الصلوٰۃ اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال ای بنی محدث ایاک والحدث قال وقد صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومع ابی بکر وعمر ومع عثمان فلم اسمع احدا منہم یقولہا فلا تقلہا۔ اذا انت صلیت فقل الحمد للہ رب العلمین۔ اس حدیث کا مطلب بیان کرو اور بتاؤ کہ کیسکی دلیل ہے۔ اور امام شافعی رح۔ کا مذہب اور اونکی دلیل بھی بتاؤ۔

(۲) فی حدیث الاعرابی۔ فقال اذا قمت الی الصلوٰۃ فکبر ثم اقرأ بما تیسر معک من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع حتی تعتدل قائما ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا الحدیث

اس کا ترجمہ کرو اور بتاؤ کہ اس حدیث سے حنفیہ کیا استدلال کرتے ہیں

(۳) توضا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسح علی الخفین والعمامۃ۔ یہ حدیث حنفیہ کے موافق ہے یا مخالف۔ اگر مخالف ہے تو جواب کی فکر کرو اور صاف تقریر لکھو۔

۸ شعبان سنہ ۱۳۲۸ھ

محمد کفایت اللہ

عکس تحریر حضرت مفتی اعظم رح

سنہ ۱۳۲۸ھ

سوالات میر زاہد رسالہ

(۱) کعلم الباری تعالیٰ - لا یخفی علیك ان العلم فی العلم الحضوری نفس المعلوم فیلزم علی تقدیر کون علم الواجب علماً حضوریاً عدم علمہ تعالیٰ قبل وجود المعلوم واستکماله بالغیر وزیادة صفة العلم علیه

اس اعتراض کی صاف تقریر کرو اور اگر یاد ہو تو اس کا جواب بھی بتاؤ

(۲) قال العلامة الشیرازی فی درة التاج ان کلا منهما ینقسم الی التصور والتصدیق والجمهور علی ان مورد القسمة هو المعنی الاول ومن الافاضل من ذهب الی انه هو المعنی الثانی -

اس عبارت کا مطلب اور منهما کا مرجع اور اول و ثانی کی تشریح کرو -

(۳) قلت من البین ان الصورة الحاصلة من الشیٔ حکایة عن ذلك الشیٔ واتحاد الحکایة مع المحکی عنه محال والتغایر الاعتباری لا ینفع ههنا فتدبر

اس عبارت کی تشریح کرو - اگر یہ بھی بتاؤ کہ یہ کس شبہ کا جواب ہے تو بہت اچھا ہو -

محمد کفایت اللہ

۸ شعبان ۱۳۲۸ھ

جلد پنجم

سنه ١٣٠٢٨

سوالات [illegible] رساله

[illegible]

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ

كفايتُ المفتی

جلد ششم

کتابُ الطلاق

جامع ومؤلف

حفیظ الرحمان واصفؔ

مکتبۂ حقانیہ ملتان پاکستان

جلد ششم

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمد اللہ العلی العظیم ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد - یہ کفایت المفتی کی جلد ششم قارئین کے پیش نظر ہے۔ جلد اوّل کے دیباچہ میں عرض کیا گیا تھا کہ جو فتاوی جمع کیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ اول وہ فتاوی جو مدرسہ امینیہ کے رجسٹروں سے لیے گئے ہیں۔ ایسے فتاوی کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام ومختصر پتا اور تاریخ روانگی بھی درج ہے۔ بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ جواب دیگر کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔ دوسرے وہ فتاوی جو سہ روزہ الجمعیۃ سے لیے گئے ہیں۔ ان میں لفظ سوال کے نیچے اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے۔ تیسرے وہ فتاوی جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کیے گئے یا مطبوعہ کتب سے لیے گئے۔

لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاوی کی کل تعداد ظاہر کرنے کے لیے سیریل نمبر ہے۔ یہ جلد ششم جو آپ کے پیش نظر ہے اس میں درج شدہ فتاوی کی اقسام کی تفصیل یہ ہے:۔

رجسٹروں سے ۳۱۸ الجمعیۃ سے ۷۱ متفرق ۸۳ - کل ۴۷۲

کفایت المفتی جلد اوّل سے جلد ششم تک کے کُل فتاوی کی تعداد تین ہزار سولہ ۳۰۱۶ ہوئی۔

اب انشاء اللہ جلد ہفتم آئے گی جو کتاب الوقف سے شروع ہوتی ہے۔ والحمد للہ اولاً وآخراً

احقر حفیظ الرحمان واصف

کتابُ الطلاق

پہلا باب

فصل اول

طلاق دینا اور طلاق پڑنا

سوال

زید نے اپنی منکوحہ کو اپنے مکان پر بیٹھ کر بوجہ ناراضگی تین طلاق شرعی دے کر حق زوجیت سے علیحدہ کر دیا اور اپنے مکان سے نکال دیا اور مسماۃ مطلقہ اس وقت روبرو گواہان موجودہ اپنے والد کے مکان پر جو تقریباً پچیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے چلی گئی اور وہاں جا کر اس نے ایام عدت بموجب احکام شرع شریف پورے کیے۔ چنانچہ جب والد مسماۃ مطلقہ کا انتقال ہو گیا تو کوئی وسیلہ نان و پارچہ کا نہ رہا۔ اس وجہ سے مسماۃ مطلقہ بجائے دیگر عقد کرنا چاہتی ہے اور زید طلاق دہندہ عقد نہیں کرنے دیتا اور کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ شرعاً اسے طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اس کو بجائے دیگر نکاح ثانی کا حق ہے یا نہیں؟ مگر وقت طلاق سوائے گواہوں کے کوئی تحریر نہیں ہوئی تھی۔

(۱) **جواب** ۔ جبکہ زید نے اپنی منکوحہ کو تین طلاقیں دیدیں تو اب زید کا اس سے کوئی تعلق نہیں

رہا۔ قال اللہ تعالیٰ فان طلقها فلا تحل له حتّٰی تنکح زوجاً غیرہ۔ رہی یہ بات کہ وہ طلاق دینے ہی سے انکار کرتا ہے تو اس کے ثبوت میں گواہوں کی شہادت کافی ہے۔ ثبوتِ طلاق اور وقوعِ طلاق کے لئے تحریر کی ضرورت نہیں۔ صرف تلفظ سے بھی طلاق پڑجاتی ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں جبکہ مسماۃ مطلقہ ثلثہ اپنی عدت پوری کرچکی ہے تو وہ جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ اعلم

سوال

زید نے اپنی عورت کو بغیر الفاظ صاف تین طلاق دیا۔ یعنی یوں کہا ایک تلاک دو تلاک تین تلاک۔ یہ الفاظ کے کوئی معنی نہیں پھر طلاق کیونکر ہوسکتا ہے۔ الطلاق کے معنی تفریق کے ہیں۔ اب غلط لفظ بولنے سے طلاق کے معنی کیا ہوگا۔ بعض کتب میں صاف لفظ کی قید ہے۔

المستفتی ع ۳۹۸ غلام الرحمٰن (رنگون۔ برما) ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۴ء

(۲) **جواب**۔ لفظ تلاک اگر کسی عالم کی زبان سے نکلا ہے جو طلاق کہنے پر قادر بھی تھا اور وہ دعویٰ کرے کہ میرا مقصود طلاق دینا نہیں تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر وہ یہ دعویٰ نہ کرے یا کسی بے پڑھے آدمی کی زبان سے نکلا ہے تو طلاق واقع ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ کما ھو روایۃ شمس الائمۃ الحلوانی۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید کا اپنی بیوی سے کسی بات میں جھگڑا ہوا۔ خالد کو جب اطلاع ملی تو زید سے کہا کہ تو نے ایسی سرکش بیوی کو جو تجھ سے جھگڑتی ہے ابتک رکھا ہے۔ زید نے کہا تو کیا کروں۔ خالد نے کہا طلاق دے دو زید نے کہا میں تو جانتا نہیں ہوں کہ کس طرح طلاق دی جاتی ہے۔ خالد نے کہا کہ اس طرح طلاق دی جاتی ہے کہ ایک۔ دو تین طلاق دے دی۔ خالد کے بتلانے پر زید نے بعینہٖ وہ الفاظ کہہ دیئے۔ اس صورت میں طلاق پڑی یا نہیں؟ المستفتی ع ۹۷۳ مولوی کبّڑ صاحب (ضلع نواکھالی)

۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۴ جون ۱۹۳۶ء

(۳) **جواب**۔ زید کی زبان سے جو الفاظ خالد نے ادا کرائے اُن کے موافق طلاق پڑگئی۔ کیونکہ زید نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ان الفاظ سے اس کی بیوی پر طلاق پڑے گی ان الفاظ کا تلفظ کیا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۳۱ء)

ایک شخص نے اپنی عورت کو دل میں طلاق دی ہے کسی آدمی کے سامنے نہیں دی۔ لوگوں نے کہا ہے کہ عورت نے نکاح کرلیا ہے۔ بعد ازاں وہ اپنے خاوند کے گھر آگئی ہے۔

(۴۹) **جواب** - طلاق اگر صرف دل میں خیال کرنے کے طور پر دی ہے زبان سے تلفظ نہیں ادا کیا نہ آہستہ نہ زور سے، تو طلاق نہیں ہوئی۔ جب تک طلاق کے الفاظ زبان سے ادا نہ ہوں طلاق نہیں ہوتی۔ عورت نے نکاح کرلیا ہے اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ یعنی اگر وہ منکوحہ تھی اور اس نے کسی دوسرے سے نکاح کرلیا تو یہ دوسرا نکاح ہی باطل ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

فصل دوم

طلاقِ صریح

سوال

ایک شخص کی عورت اپنے شوہر سے تکلیف پاکر بغیر اجازت اپنے شوہر کے، اپنے والد کے گھر چلی گئی۔ شوہر نے چند آدمیوں کے رُوبرو جو صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں یہ الفاظ کہے کہ وہ میری عورت بغیر میری اجازت اپنے میکے چلی گئی اب میرے نکاح سے باہر ہے۔ اب اس کو جیسے گویا اپنی ماں بہن سے برتاؤ کیا اور میری اس عورت کو طلاق ہے طلاق ہے۔ اب آپ سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں ؟

(۵۰) **جواب** - صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوگئی۔ اور وہ عورت اس شخص کے واسطے بغیر حلالہ جائز نہیں۔ یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا او عبدا طائعا او مکرھا کذا فی الجوھرۃ النیرہ (عالمگیری ص ۳۸۲ ج ۱)

فصل سوم

کنایاتِ طلاق

سوال

زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنے ماموں سے بُرا تعلق رکھتی ہے اس لئے تو اپنے باپ کے گھر جائے تو مجھے ضرور ہمراہ لے لیا کر۔ جتنے روز تو اپنے باپ کے یہاں رہے گی میں تیرے ہمراہ ہونگا اگر میرے بغیر تو اپنے باپ کے گھر ایک روز بھی رہی تو تو میرے کام کی نہیں اور میرے تیرے کچھ نہیں۔ (زید کی بیوی کا ماموں زید کی بیوی کے باپ کے یہاں رہتا ہے) زید نے اپنی بیوی سے ایک بار یہ بھی کہا کہ تو قرآن شریف اٹھا کر قسم کھا کہ اس سے بُرے تعلقات سے بری ہوں۔ زید کی بیوی نے قرآن شریف لے کر قسم کھائی کہ میرے ماموں سے میرا کوئی بُرا تعلق نہیں ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد زید کی بیوی اپنے والد کے گھر جانے لگی تو زید بھی ہمراہ گیا اور جتنے روز زید کی بیوی اپنے والد کے یہاں رہی زید بھی اس کے ہمراہ رہا۔ پھر دوسری مرتبہ زید کی عورت اپنے والد کے گھر گئی اس وقت بھی زید اس کے ہمراہ گیا۔ وہاں جا کر زید کی بیوی اپنے دوسرے ماموں کے یہاں جو دیہات میں رہتے ہیں جانے لگی۔ زید نے اپنی بیوی کو وہاں جانے سے منع کیا مگر وہ نہ مانی اور چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد زید اپنی سسرال سے اپنے گھر واپس آگیا اور زید کی بیوی اپنے دوسرے ماموں کے گھر رہ کر پھر اپنے والد کے گھر آگئی۔ تقریب دو ماہ کا ہوا وہ اپنے والد کے مکان پر ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ زید نے جو الفاظ اپنی بیوی کو کہے تھے کہ "اگر میرے بغیر تو اپنے باپ کے یہاں ایک روز بھی رہی تو تو میرے کام کی نہیں اور میرے تیرے کچھ نہیں" تو زید کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی طلاق بائن پڑ گئی۔ زید اس کے جواب میں کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو نماز کی پابندی کے لئے بطور ڈرانے کے مذکورہ الفاظ کہے تھے طلاق کی نیت نہیں تھی۔ المستفتی نمبر ۲۹ عبد الرحیم صاحب موٹا وراچھہ ضلع سورت

۳ شعبان ۱۳۵۲ھ م ۲۲ نومبر ۱۹۳۳ء

(۶) **جواب** اگر زید ان الفاظ کو بہ نیت طلاق کہنے سے انکار کرتا ہے تو زید کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا اور طلاق واقع نہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے بلا کسی نیت اور ارادہ مستقلہ اور تذکرہ کے اپنی اہلیہ سے لفظ "جاؤ چلی جاؤ" کہا۔ مگر اس وقت طلاق کا تخیل یکایک آگیا۔ زید نے ایسی حالت میں جبکہ نہ وہ غصہ تھا اور نہ طلاق کا ذکر تھا دورانِ گفتگو

میں بلا ارادہ کے "دُور ہو جاؤ" کہا اور اس وقت طلاق کا خیال اس طریقہ سے آگیا کہ اس سے اگر طلاق مراد لے لیں تو کیا حرج ہے یا یہ خیال میں آیا کہ اس سے طلاق مراد لے لینا چاہیئے۔ ان دونوں طریقوں میں سے اگر دماغ میں یہ چیز آئی ہو تو طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ زید بہت شکی واقع ہوا ہے جس سے خود نہایت پریشان ہے اور اب بیٹھے بیٹھے طلاق کا تخیّل آجایا کرتا ہے۔ ان صورتوں میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۷۰ معرفت ناظم دار الاشاعت مونگیر۔ ۷ ارمحرم ۱۳۵۳ھ م ۲ رمئی ۱۹۳۴ء

(۷) **جواب** - اہلیہ سے یہ الفاظ "جاؤ چلی جاؤ" کہنے کے بعد یعنی ان الفاظ کا تلفظ ختم ہونے کے بعد اگر یکایک طلاق کا تصور آگیا خواہ اس طرح کہ "اگر اس سے طلاق مراد لے لیں تو کیا حرج ہے" یا اس طرح کہ "اس سے طلاق مراد لے لینا چاہیئے"، تو یہ وقوع طلاق کے لئے کافی نہیں ہے جبکہ صورت یہ تھی کہ الفاظ کا تلفظ کرنے سے قبل نہ طلاق کا ارادہ تھا نہ ذکر۔ تلفظ ہو چکنے کے بعد کا مذکورہ بالا تصور مؤثر نہیں ہو سکتا۔ لان النیة لا تعمل فیما مضی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے پنچوں کے روبرو یہ بیان دیا ہے کہ میں نے اپنے تنازعہ کی وجہ سے بیوی کو یہ کہا کہ کیا تجھ کو ماں کہنا پڑے گا؟ اس کے جواب میں بیوی نے یہ کہا کہ میرا مہر دے دو۔ اس پر میں نے کہا کہ مہر معاف کر دے تو میں طلاق دے دوں گا۔ زید کی بیوی سے پوچھا گیا تو اس نے بھی یہی بیان دیا کہ زید کا بیان ٹھیک ہے۔ اس کے بعد تین گواہوں نے یہ بیان دیا کہ زید نے ہمارے سامنے بیوی سے یہ کہا کہ میں تجھ کو ماں کہتا ہوں تو میرے گھر سے نکل جا۔ زید کی بیوی نے اس سے مہر طلب کیا اس نے کہا کہ اس وقت میرے پاس مہر نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۶۶۸ حاجی عبد القادر (ناگپور) ۵ رشعبان ۱۳۵۴ھ م ۳ رنومبر ۱۹۳۵ء

(۸) **جواب** - گواہ اگر معتبر لوگ ہوں تو ان کی گواہی سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ مانی جائے گی اور زید کا بیان قابلِ سماعت نہ ہو گا۔ لیکن گواہوں کے بیان میں بھی طلاق کا لفظ نہیں ہے اور جو الفاظ مذکور ہیں ان سے طلاق نہیں پڑتی اور زید چونکہ اس بیان سے منکر ہے اس لئے اس سے نیت کا استفسار نہیں ہو سکتا اس لئے مذکورہ صورت میں طلاق کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

جس شخص نے برسرِ اجلاس حکومت انگریزیہ موجودہ اپنی زوجہ کے بارے میں یہ کہا کہ یہ میری عورت بدچلن و بد اطوار ہوگئی۔ اب اس سے اور مجھ سے کچھ سروکار نہیں۔ میں اس بد وضع عورت کو نہیں چاہتا۔ حاکم نے بھی بہت کچھ شوہر سے کہا کہ اس عورت کو تم لے جاؤ مگر اس نے سخت انکار کیا۔ آج عرصہ ایک برس کا ہوتا ہے کہ شوہر نے کوئی خبر گیری نہ کی، بلکہ جس سے بھی کہا یہ کہا کہ مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ تو یہ کہنا شوہر کا طلاق بالکنایہ ہوگا یا نہیں ؟ خاص کر اس صورت میں جبکہ فتنہ پیدا ہونے کا خوف ہو اور زوجہ مذکورہ پر نان نفقہ کی تنگی ہے۔ اور زوجہ نے بھی حاکم کے سامنے یہ کہا کہ میں ایسے شوہر سے پناہ مانگتی ہوں جو ظالم اور نشہ خوار ہے۔ اس پر شوہر نے بھی مذکورہ بالا جملہ کہا تھا کہ مجھ سے اور عورت سے کوئی سروکار اور واسطہ نہیں۔

المستفتی ۷۸۸ سید اکرام حسین صاحب (سہسرام) ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۹ فروری ۱۹۳۶ء

(۹) **جواب** - صورتِ مسئولہ میں قرائن ایسے ہیں کہ وقوعِ طلاق کا حکم راجح ہے عورت کو بد وضعی کے ساتھ متصف کرنا اور پھر اپنی بے تعلقی کو ان الفاظ سے ادا کرنا یہ سب قرائن ایسے ہیں کہ اس نے یہ الفاظ بہ نیتِ طلاق کہے اس لئے عورت کو طلاق ہو چکی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید نے اپنی بیوی کو غصہ میں مار پیٹ کر مکان سے باہر کر دیا اور کہا تو اپنے باپ کے مکان پر چلی جا اور پھر چند گھنٹے کے بعد مکان میں داخل کر لیا اور مل بیٹھے۔ اس کے بعد لڑکی کے والد کو خبر ہوئی۔ کئی روز بعد وہ اس کو اپنے مکان لے گئے۔ لڑکی کے والد کو بعض لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ اب لڑکی کو وہاں نہ بھیجو بلکہ اس کا نکاح دوسری جگہ کر دو اور کسی مولوی صاحب سے فتویٰ لے لو۔ ایک مولوی صاحب اس پر تیار ہو گئے کہ میں فتویٰ دیتا ہوں طلاق ہو گئی ہے۔ صورتِ مسئلہ مولوی صاحب نے یہ قائم کی کہ خاوند کو بلایا اور دو گواہ اس بات کے کہ لڑائی ہوئی یا نہیں تم دونوں کے درمیان؟ خاوند نے کہا کہ بے شک لڑائی ہوئی اور میں نے لڑائی میں ضرور یہ لفظ کہے کہ تو اپنے باپ کے گھر چلی جا۔ کیونکہ میری ماں کے اور بیوی کے درمیان لڑائی تھی ماں کو میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ بیوی کو میں نے مارا بھی اور کہا تو اپنے باپ کے گھر چلی جا۔ میں نے طلاق نہیں دی اور نہ طلاق کی نیت سے میں نے یہ کہا۔

بلکہ جس طرح لڑائی جھگڑے میں کہا کرتے ہیں اسی طرح کہا۔ دونوں گواہوں نے بھی یہی کہا کہ ہم نے لفظ طلاق تو سُنا نہیں ہے۔ یہی لڑائی ہوتے ہوئے سنی ہے اور یہ بھی کہہ رہا تھا کہ اپنے باپ کے گھر چلی جا۔ اس پر مولوی صاحب موصوف نے فتویٰ دیا کہ طلاق کے اردو میں یہی معنی ہوتے ہیں کہ چلی جا۔ اب اس پر گواہوں کی کیا ضرورت ہے طلاق ہوگئی۔ اور نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا۔ یہ صحیح ہوا یا غلط؟ المستفتی ۸۲۹ محمد اسمٰعیل (ضلع مظفر نگر) ۱۲ محرم ۱۳۵۵ھ م ۵ اپریل ۱۹۳۶ء

(۱۰) **جواب**۔ شوہر اگرچہ اقراری ہے کہ میں نے مار پیٹ کے بعد غصہ کی حالت میں کہہ دیا کہ باپ کے یہاں تو چلی جا لیکن طلاق کی نیت سے شوہر انکاری ہے۔ لہٰذا اس صورت میں طلاق نہیں پڑی اور نکاح شوہر اول کا بدستور سابق قائم ہے۔ تو باوجود قائم ہونے نکاح شوہر سابق کے دوسرا نکاح باطل وناجائز ہوگا۔ شوہر ثانی پر لازم ہے کہ اس عورت کو شوہر سابق کے سپرد کر دے ورنہ بذریعہ عدالت کے شوہر اول اپنی زوجہ کو لے سکے گا۔ والحاصل ان الاول یتوقف علی النیۃ فی حالۃ الرضا والغضب والمذاکرۃ الخ ردالمحتار جلد ۲ ص ۵۰۵۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی۔

الجواب صحیح محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھ سے مجھے کچھ مطلب نہیں۔ یا تُو ہماری کوئی نہیں۔ اور نیت اس سے صرف ڈرانا مقصد ہے تو طلاق ہوئی یا نہیں؟ المستفتی ۱۰۰۷ عبدالستار (گیا)

۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(۱۱) **جواب**۔ یہ الفاظ اگر طلاق کی نیت سے نہ کہے جائیں تو طلاق نہیں ہوتی۔ محمد کفایت اللہ

سوال

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور ساتھ ہی دستاویز لکھ دی جس میں مندرجہ ذیل عبارت ہے۔ اگر اتفاقاً میں اپنی عورت کو بلا خوراک و پوشاک دیئے بلا حفاظت چلا گیا اور بھاگ جانے کی حالت میں تین ماہ میں نے نفقہ وغیرہ نہ دیا تو ایسی عورت سے لادعویٰ رہوں گا۔ میرے نکاح کے عورت پر کوئی حق اور حقوق نہ رہیں گے۔ میرے نکاح کے سب حق باطل اور رد سمجھے جائیں گے۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ لفظ لادعویٰ اور میرے نکاح کے حق اور حقوق نہ رہیں گے کنایات طلاق بنکر

طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۱۰۱۸ مولانا فضل احمد صاحب مدرس مدرسہ مظاہر العلوم محلہ کھڈہ۔ کراچی۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(۱۲) **جواب** - ان الفاظ سے (عورت سے میں لادعویٰ رہوں گا۔ میرے نکاح کے عورت پر کوئی حق حقوق نہ رہیں گے۔ میرے نکاح کے سب حق باطل اور رد سمجھے جائیں گے) یقیناً طلاق مراد ہے۔ قطع تعلق کا مفہوم ادا کرنے میں یہ بالکل واضح اور صاف ہیں اس لئے خلاف ورزیٔ شرائط کی صورت میں طلاق واقع ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

کسی مقدمے کے دوران میں جب حاکم نے زید سے کہا کہ تو اپنی بیوی کو لے جا تو اس نے برسر عدالت اپنی بیوی کے متعلق یوں کہا کہ یہ عورت میرے لائق نہیں ہے میں اس کو نہ لے جاؤں گا اس کے جو دل میں آئے کرے یہی اس کا فیصلہ ہے۔ ایک مولوی صاحب سے استفتا کیا گیا جس پر مولوی صاحب موصوف نے جواباً تحریر فرمایا کہ یہ الفاظ خط کشیدہ عرفاً محتمل طلاق ہونے کی وجہ سے کنایات سے شمار ہونگے لہٰذا مذاکرۂ طلاق و حالت خصومت و غضب میں واقع ہونے کی وجہ سے طلاق بائنہ ہوگی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کیا واقعی طلاق ہوگئی اور ہوگئی تو ایک یا ایک سے زائد۔ المستفتی نمبر ۱۹۱۴ سید محمد افضال الحق صاحب (ٹماٹا نگر)

۱۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۳) **جواب** - ان الفاظ میں فی الحقیقت طلاق کی تصریح نہیں ہے اس لئے زوج کی نیت دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ کہے کہ میں نے طلاق دینے کی نیت سے ہی کہے تھے تو ایک طلاق بائن کا حکم دیا جائے گا۔ اور اگر وہ نیتِ طلاق کا انکار کرے تو اس سے قسم لی جائے گی اور قسم کھالے تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

مسماۃ پیاری دختر شمشو کا عقدِ نکاح مسمی اسماعیل سے عرصہ دس بارہ سال ہوئے کہ ہوا تھا۔ لیکن اب عرصہ چھ سال سے مسمی مذکور بالکل لاپتہ ہے اور وہ بدچلن تھا ایک عورت کو اغوا کرکے لے گیا تھا اور جاتے وقت دس بارہ آدمیوں کے روبرو یہ بھی مسماۃ مذکورہ کو کہہ گیا تھا کہ جاؤ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔

اب میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ میرے پاس تمہارے لئے روٹی کپڑا دینے کے لئے کچھ نہیں ہے مسماۃ مذکورہ جوان العمر ہے۔ نان و نفقہ سے بھی تنگ رہتی ہے لہذا اس صورت میں کیا وہ عقد ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۲۶ سمند خاں نمبردار (روہتک) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۴) **جواب** - اگر خاوند جاتے وقت یہ لفظ کہہ گیا تھا کہ جاؤ میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔ اب میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا اور یہ واقعہ بھی صحیح ہے کہ وہ کسی عورت کو اغوا کر کے لے گیا ہے تو اس عورت منکوحہ کو چھوڑ دینے کے معنی طلاق دیدینے کے ہی ہیں اور عورت کو حق ہے کہ وہ دوسرا نکاح کرے۔ قانونی مواخذہ سے بچنے کے لئے لازم ہے کہ اس کے ان الفاظ کے سننے والے لوگوں کی شہادت پیش کر کے عدالت سے نکاح ثانی کی اجازت حاصل کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱۵) **جواب دیگر** - لفظ "چھوڑ دی" اگر طلاق کی نیت سے کہا ہے تو طلاق ہو گئی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک شخص کی عورت کو ایک دوسرا شخص بھگا کر لے گیا اور لے جانے کے بعد پھر وہی شخص جو عورت کو لے گیا ہے تین بار اس عورت کے زوج کے پاس آیا کہ تم اس معاملہ کا فیصلہ کر دو تو زوج نے جواب دیا کہ میں اپنی عورت کو اپنی ماں کی جگہ سمجھتا ہوں میں نے چھوڑ دیا ہے۔ کیا عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۵۰ غلام قادر (ضلع ہزارہ) ۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۶) **جواب** - اگر عورت کے خاوند نے اس سوال پر کہ عورت کا فیصلہ کر دو یہ جواب دیا تھا کہ میں اس عورت کو ماں کی جگہ سمجھتا ہوں اور میں نے چھوڑ دیا تو عورت پر طلاق ہو گئی۔ اس کے بعد زمانۂ عدت کے اندر عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی ہے۔ لیکن عدت گزرنے کے بعد اس کو دوسرا نکاح کرنا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ہمارا ایک بھائی ہے جس نے اپنی عورت کو بولا کہ جا تو ہمارے گھر سے چلی جا کہ تیرا فلاں آدمی کے ساتھ ناجائز تعلق ہے۔ میرے گھر سے چلی جا نہیں تو میں تجھ کو ماروں گا۔ پھر وہ لڑکی اپنی مائی کے پاس چلی گئی اور مائی کے آگے سب حال خاوند کا بیان کیا کہ وہ مجھ پر یہ الفاظ بولتا ہے اور گھر سے نکال دیا ہے۔

پھر اس لڑکی کی بڑی ہمشیرہ اس کو نال لے کر پھر وہ اس کے گھر آئی اور ہمشیرہ کو گھر چھوڑ دیا۔ جب پھر اس خاوند نے دیکھا اور پھر وہی کلمات اس نے بولے بڑی سالی کے روبرو اور کہا کہ اپنی بہنی کو لے جا۔ اس کو میں ہرگز نہیں رکھتا کہ اس کا فلاں آدمی کے ساتھ تعلق ہے۔ غرض کہ اس لڑکی کو بڑی بہن یعنی ہمشیرہ تین دفعہ اس کے گھر چھوڑنے کو گئی مگر اس لڑکی کو خاوند نے نہیں رکھا۔ پھر وہ اپنی مائی کو چلی گئی۔ لڑکی کی مائی بیوہ ہے اور پھر عرصہ ایک سال ہو گیا ہے جس میں اس لڑکی کے خاوند نے کوئی خبر نہیں لی ہے پھر ایک سال کے بعد اس لڑکی کے خاوند نے اپنی برادری کا میلہ اس لڑکی اور اس کی مائی کے پاس لائے ہیں کہ راضی نامہ کر لو۔ اب لڑکی نہیں مانتی اور بولتی ہے کہ میرا اس کے ساتھ نکاح نہیں ہے اب اس جھگڑے میں بھی چھ ماہ ہو گئے ہیں کہ جو آدمی راضی نامہ کے واسطے آتا ہے اس کو بولتی ہے کہ اس خاوند کا میرے ساتھ نکاح نہیں ہے اور اس بات کا کافی ثبوت بھی ہے اور گواہ بھی اس وقت ہیں کہ جب اس نے اپنی بیوی کو بولا کہ جا چلی جا تیرا فلاں کے ساتھ ناجائز تعلق ہے اس لڑکی کا قصور نہیں ہے اس کے خاوند کا قصور ہے اور اس کے ساتھ ایک تین سال کی لڑکی بھی اس خاوند سے ہے اور وہ اس عورت نے خاوند کو دیدی ہے اور کہتی ہے کہ تو لڑکی لے جا میں نہیں جاتی کہ سر مجلس تو نے ہم کو گھر سے نکال دیا اب میرا تیرا نکاح جاتا رہا ہے۔ آیا اس لڑکی کا نکاح باقی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۶۹ مستری فضل حسین صاحب (جہلم) ۲۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۷) **جواب** - اگر اس کا خاوند اقرار کرے کہ میں نے جو الزام ناجائز تعلق کا لگایا تھا وہ غلط تھا اور قسم کھائے کہ میں نے جو کہا تھا کہ چلی جا اس سے طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو یہ عورت اس کے ساتھ جا کر رہ سکتی ہے نکاح باقی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) طلاق کے لئے آیا لفظ کا اظہار ضروری ہے یا مفہوم سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ آیا اشارہ یا کنایہ یا دلالت حال سے طلاق واقع ہوتی ہے؟

(۲) اگر مرد اپنی عورت سے غصہ کی حالت میں چند دفعہ حسب ذیل کلمات کہے تو کیا طلاق پڑ جائے گا اور اگر ایسی صورت میں طلاق واقع ہو تو مرد کو اپنی عورت سے رجوع ہونے کی کیا صورت ہے۔

مثلاً مرد اپنی عورت سے چند بار کہے ۔ بیں تم سے بیزار ہوں ۔ مجھے تم سے تکلیف ہے ۔ بیں تم سے اس وقت علیحدہ ہوتا ہوں ۔ تم سے میرا دل شکستہ ہے ۔ تم سے مایوسی ہے ۔ میں تمہارے لئے ایک بلا ہوں ۔ تم سے بعض وقت علیحدہ رہنے میں راحت ہے ۔ تمہارے حق میں خرابی ہے ۔ ایسی زندگی بیکار ہے ۔ کیا بدقسمتی ہے ۔ اب حد ہو گئی ۔ کوئی راستہ معلوم نہیں ہوتا ہے ۔ صفائی کی کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی ہے ۔ یا اللہ توبہ اور اسی قسم کے بعض کلمات ہوں اور اس وقت کبھی عورت بھی جواب دے کہ میری زندگی خود تلخ ہے ۔ اب کوئی فائدہ نہیں ہے ۔ بدقسمتی ہے اسی قسم کے بعض کلمات ہوں ۔ مذکورہ بالا کلمات ؏۲ کے اظہار کرتے وقت اگر مرد اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور غصہ دفع ہونے کے بعد وہ اپنی عورت سے بدستور ملتا ہو تو اس کا کیا حکم ہے ؟ المستفتی ؏۲۱۸۱ جناب منصور الحق صاحب پٹنہ (بہار)

۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۵ جنوری ۱۹۳۸ء

(۱۸) **جواب** ۔ ان تمام جملوں میں سے صرف دو جملے نمبر ۱ و ۲ ایسے ہیں (جن پر سرخ نشان لگا دیا ہے) کہ اگر ان کو طلاق کی نیت سے کہا ہو تو طلاق ہو گی اور اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق نہیں ہو گی ۔ اور باقی جملے محض بیکار ہیں ان سے طلاق نہیں ہوتی ۔ طلاق کی نیت ہو جب بھی طلاق نہیں ہوتی ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

اگر مرد اپنی عورت سے چند بار یہ کہے میں تم سے بیزار ہوں ۔ میں تم سے اس وقت علیحدہ ہوتا ہوں اور غصہ کی حالت میں ہو ۔ جواب میں ان دو جملوں پر سرخ نشان لگا دیا گیا ہے کہ اگر یہ دو جملے طلاق کی نیت سے کہے ہوں تو طلاق ہو گی ورنہ نہیں ۔

(۱) ان دو مذکورہ جملوں کو کہتے وقت یا طلاق ظاہر کرتے وقت اگر طلاق کا خیال آئے لیکن طلاق کی نیت و ارادہ نہ ہو تو کیا حکم ہے ؟

(۲) ان جملوں کو اگر طلاق کی نیت یا ارادے سے کہا ہو تو طلاق پڑ جانے پر مرد اپنی عورت سے کیونکر رجوع کر سکتا ہے یا مل سکتا ہے اس کی کیا صورت ہے ؟

المستفتی ؏۲۲۰۸ جناب منصور الحق صاحب (پٹنہ) ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء

(۱۹) **جواب** - اگر طلاق کی نیت سے یہ جملے کہے گئے ہوں تو پھر شوہر اپنی عورت سے تجدیدِ نکاح کر سکتا ہے بغیر تجدیدِ نکاح کے رجعت صحیح نہیں ہے - طلاق کا خیال آنے سے کیا مطلب ہے - اور نیت وارادۂ طلاق نہ ہونے سے کیا مراد ہے یہ فرق ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

میں ایک مصیبت زدہ غریب اہلِ حدیث کی لڑکی ہوں مصلحتِ خداوندی سے میری شادی ایک شخص امی آدمی حنفی المذہب سے ہوگئی جو بالکل نااہل ہے - تقریباً بیس برس کا زمانہ میری شادی کو گزرتا ہے اس مدتِ دراز تک کبھی بھی زن وشو میں اتحاد جیسا کہ زن وشو میں ہونا چاہیئے نہیں ہوا برابر نفاق اور رنج سے زندگی گزرتی ہے - میرے ہر ایک کام خانگی یا عبادت ، تلاوت ، دینی کتابیں پڑھنا پڑھانا ، پند ونصائح کرنا غرضکہ ہر ایک کام ان کو ناپسند ہے - کہتے ہیں کہ تو سب کام زبردستی کرتی ہے - مجھ کو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تیرا کچھ حق ادا نہ کریں گے خوشی ہو تو مکان میں رہ یا چلی جا - تو تو اپنی خوشی سے ہے اس لئے خدا ہم سے کچھ پوچھ نہ کرے گا - اور کہتے ہیں کہ میرا ارادہ تو گیارہ برس سے طلاق دینے کا ہے مگر دین مہر سے مجبور ہوں اور اسی طرح برابر کہتے رہتے ہیں کہ نہ تو میری کوئی ہے نہ میں کوئی تیرا ہوں - میں کہتی ہوں کہ تب میرا فیصلہ کر دیجئے تو کہتے ہیں کہ ہم بار بار کیا فیصلہ کریں جو کرنا تھا سو کر دیا - ہم بھڑوا مرد نہیں ہیں ، ہم خدا پرست ہیں نفس پرست نہیں ہیں - ہم نے رُخ جو موڑ لیا سو موڑ لیا - ہم جدا ہو گئے سو ہو گئے - اب کتنا ہی کوئی سمجھائے گا مان نہیں سکتا ہوں - نہ ملت ہوئی ہے نہ قیامت تک ملت ہوگی - اس طرح پر زندگی میری تلخ ہے - میں کہتی ہوں کہ جب ہمارے کام بالکل ناپسند ہی ہیں تو مجھ کو طلاق دیدیجئے تو کہتے ہیں کہ ہرگز ہرگز طلاق نہ دونگا زندگی بھر جلاتا رہوں گا - غرضیکہ کسی صورت سے مجھ کو نہ اخلاق وملّت سے رکھتے ہیں نہ ہی طلاق دیتے ہیں - میں کس طرح سے اُن سے جان خلاصی کروں - حنفی جماعت والوں کو میں دیکھتی ہوں کہ اس طرح کے معاملات اپنے امیر شریعت پھلواری پٹنہ بہار میں پیش کر کے خلع کرا کر جان خلاص کرا لیتی ہیں مجھے بھی اکثر لوگ کہتے ہیں کہ تم بھی امیر شریعت پھلواری پٹنہ بہار کو درخواست دو ورنہ عدالتی کارروائی کرو - لہٰذا میرا خیال ہے کہ میری جماعت کے جو سردار ہیں اُن سے میں درخواست کر کے کیوں نہ اپنی سبکدوشی کرالوں - کیونکہ عدالتی کارروائی کرنے کی ہم میں یا والدین میں صلاحیت ہی نہیں ہے -

اور پنچایت بھی یہاں کی اچھی نہیں ہے۔ شعبان ۶۰ھ سے مجھ کو گھر سے نکال دیا ہے۔ میں نے پنچایت میں بھی درخواست کی تھی تو پنچایت نے ان کو سمجھا بجھا دیا۔ مگر پنچ کی باتوں کو بھی نہیں مانا تو پنچ نے کہا کہ تم اب اپنے میکے میں چلی جاؤ۔ ہم لوگ کیا کریں جبکہ وہ کسی کی بات ہی نہیں مانتا ہے بالکل نااہل ہے۔ غرضیکہ میں اپنے میکے چلی آئی ہوں۔ پہلی رمضان المبارک ۶۰ھ سے میکے میں ہوں۔ والدین کو اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ میری پرورش کریں۔ لہٰذا مجھے آپ لوگ بہت جلد کوئی تدبیر خلاصی کی بتلائیں۔ المستفتی ۲۷۱۹ ہاجرہ خاتون (پٹنہ) ۵ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ دوشنبہ

جواب ۔ از مولانا ثناء اللہ امرتسری ۔ صورت مرقومہ میں ایسے الفاظ (نہ تو میری کوئی ہے نہ میں تیرا کوئی ہوں) بجائے خود موجب طلاق ہیں کیونکہ مفہوم اس کا جدائی ہے۔ جس روز خاوند نے ایسے الفاظ کہے اسی روز سے عدت شمار ہوگی جس کی میعاد تین حیض ہے۔ لقولہ تعالےٰ۔ والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء۔ واللہ اعلم۔ (بقلم رضاء اللہ ثنائی) (المفتی ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری)

(۲۰) **جواب** ۔ از مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ ۔ یہ الفاظ خود تو طلاق کے الفاظ نہیں ہیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ طلاق کی نیت اور ارادہ سے اس قسم کے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ نیت طلاق ہونے کا حکم یا بولنے والے کے اقرار پر دیا جاسکتا ہے یا قرائن حالیہ سے۔ یہاں خط میں اس کی تصریح مذکور ہے کہ ہرگز ہرگز طلاق نہ دوں گا زندگی بھر جلاتا رہوں گا۔ اس تصریح کے بعد تو نیت طلاق نہ ہونا معین ہوجاتا ہے۔ اس لئے ان الفاظ کی بنا پر طلاق واقع ہونے اور عدت شروع کردینے کا حکم درست نہیں۔ ہاں اگر حالات یہی ہیں اور شوہر کی طرف سے یہ زیادتی اور ظلم ہورہا ہے تو آپ کو حق ہے کہ یا تو امارت شرعیہ کے دارالقضاء میں رجوع کریں یا ایکٹ نمبر ۸ ۱۹۳۹ء کے ماتحت کسی مسلمان جج کی عدالت میں دعویٰ کرکے اپنا نکاح فسخ کرالیں پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کرسکیں گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔ ۴ جمادی الاول ۱۳۶۱ھ م ۲۱ مئی ۱۹۴۲ء

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۲۷ء)

ایک عورت جس کی خاوند سے ناراضگی رہتی ہے اس کو خاوند کوئی آٹھ دس دفعہ کہہ چکا ہے کہ

میں تجھ کو چھوڑتا ہوں تو میرے گھر سے نکل جا۔ اس نے ایک اور عورت ناجائز طور سے گھر میں ڈال رکھی ہے۔ زوجہ پر دباؤ ڈال کر گھر سے نکل جانے پر مجبور کر دیا اور وہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھی ہے۔

(۲۱) **جواب** - خاوند کے اس کہنے سے کہ "تجھ کو چھوڑتا ہوں میرے گھر سے نکل جا" اُس عورت پر طلاق واقع ہوگی جبکہ نیت طلاق کی ہو۔ اگر وہ نیتِ طلاق کا انکار کرے تو اس سے قسم لی جائے گی۔ پھر اگر قسم کھالے تو اس کا قول معتبر سمجھا جائے گا اور جب تک طلاق کا فیصلہ نہ ہو عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ / نومبر ۲۷ء)

چند ماہ گزرے کہ یہاں پر نزدیک کے قریہ میں ایک شخص جو حنفی مذہب رکھتا ہے اس نے اپنی عورت کو طلاق دینا چاہا۔ جماعتِ مسلمین کے لوگ اس کو بار بار روکتے چلے آئے۔ ایسا کئی بار ہو گیا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر ایک دن اس نے جماعتِ مسلمین اور نائب قاضی کے رُوبرو اپنی عورت کو لاکر ایک ہی محفل میں تین بار اپنی عورت سے کہا کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا اور جماعت و نائب قاضی سے کہا کہ تم گواہ رہو۔ لوگوں نے کہا کہ طلاق نامہ لکھ دے۔ اُس نے کہا کہ اتنے گواہ ہیں طلاق نامہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس وجہ سے لوگ بھی خاموش ہو گئے۔ اب اس عورت کی عدت پوری ہونے کے بعد شوہر کہتا ہے کہ میں نے ایسا طلاق نہیں دیا اور رجوع کرنے کو کہتا ہے۔

(۲۲) **جواب** - اگر مرد نے یہ لفظ (میں نے تجھ کو چھوڑ دیا) تین بار کہا ہے تو اس کی عورت پر طلاق بائن ہو گئی اور وہ اس کے نکاح سے باہر ہو گئی۔ ہاں دوبارہ وہ شخص اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ عورت بھی رضامند ہو۔ حلالہ کی ضرورت نہیں۔ اور جب گواہ موجود ہیں تو اس کا انکار معتبر نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ / جولائی ۳۱ء)

زید نے اپنی کنواری منکوحہ کو باوازِ بلند شارعِ عام پر کھڑے ہو کر تین چار بار کہا کہ حرام زادی،

بدمعاش، آوارہ، بدچلن، ناپاک کُتیا ہے۔ میں نے تجھے تھوک کر چھوڑ دیا۔ زوجہ میکے میں ہے اُس نے بھی زید کی آواز سُنی۔ (زید کو اُس کے چال چلن پر بدگمانی ہے)

(۲۳) **جواب** - زید نے اگر یہ الفاظ طلاق کی نیت سے کہے تھے تو اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو گئی۔ اگر عورت غیر مدخول بہا ہے۔ یعنی نہ تو زید نے اُس سے وطی کی ہے اور نہ خلوتِ صحیحہ ہوئی ہے تو زید کے ذمّہ نصف مہر لازم ہوگا اور وطی یا خلوت ہو چکی ہے تو پورا مہر واجب الوصول ہوگا۔ اگر وہ نیت طلاق کا انکار کرے تو اس کو قسم کھانی ہو گی۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۱ء)

زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ "جا میرے گھر سے نکل جا۔ قسم قرآن شریف اور حلف شریف کی تو آج سے میری ماں اور بہن کی جگہ پر ہے"۔ کیا وہ زید کی زوجیت سے خارج ہو گئی؟

(۲۴) **جواب** - اگر زید نے یہ الفاظ کہ "جا میرے گھر سے نکل جا۔ تو میری ماں بہن کی جگہ ہے" طلاق کی نیت سے کہے ہیں تو طلاقِ بائن واقع ہو گئی۔ اب اگر زید کی زوجہ راضی ہو تو نکاح ہو سکتا ہے۔ حالتِ غضب میں کہنے سے طلاق پڑ جانے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ غضب نیت طلاق کے لئے کافی قرینہ ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جون ۱۹۳۴ء)

(۱) ازدواجی زندگی کے تعلقِ ناپسندیدہ سے گھبرا کر اگر کوئی شخص بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کرے کہ اے خدائے برتر تو اس رشتے کو منقطع کرا دے۔ اور کوئی شخص اس کی طرف سے اُس کی زوجہ کو خط لکھ دے کہ میں نے قطع تعلق کیا (اور اس خط کا اسے علم بھی نہیں) ایسی صورت میں رشتہ منقطع ہوا یا نہیں؟ (۲) اُس کی زوجہ نے اس سے کہا کہ تم نے ایسا کیوں لکھا۔ اُس نے لکھنے سے انکار کیا اور لاعلمی ظاہر کی۔ زوجہ نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا۔ شوہر نے غصہ ہو کر کہا کہ ہم نے لکھا تو پھر ہم کو بلایا کیوں؟ جواب میں عورت نے کہا کہ صفائی کر دو۔ یہ کیا ہوا؟ (۳) پھر اس نے کہا کہ اگر تمہارے والدین تم کو جانے سے روکتے ہیں تو میں پوشیدہ طور سے چلنے کا سامان کرتا ہوں تم چلنے کو تیار رہو۔

نہیں ؟ عورت نے کہا کہ ہاں تیار ہوں ۔شوہر نے کہا کہ اگر تم نے وقت پر دھوکا دیا تو ہم سے تم سے کوئی تعلق نہیں تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر ۔لیکن عین وقت پر زوجہ نے دھوکا دیا اور جانے سے انکار کیا۔ اس کا کیا حکم ہے ؟

(۲۵) **جواب** ۔(۱) رشتہ منقطع نہیں ہوا ۔ (۲) یہ بھی رشتہ منقطع کرنے کے لئے کافی نہیں ۔(۳) اس صورت میں اگر شوہر نے یہ الفاظ بہ نیت طلاق کہے ہوں تو زوجہ کے انکار کرنے پر طلاق بائن ہو جائیگی اور پھر تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل چہارم

نابالغ کی طلاق

سوال

چھوٹا لڑکا اور لڑکی یعنی نابالغ لڑکا اور نابالغ لڑکی ہو اور ولی ایجاب وقبول کریں ۔ابھی وہ لڑکا اور لڑکی نابالغ ہیں اور طلاق کی ضرورت پڑ جائے تو ولی لڑکے کا طلاق دے سکتا ہے یا لڑکا بھی طلاق دے سکتا ہے ؟

(۲۶) **جواب** ۔ نابالغ کی طلاق قبل از بلوغ معتبر نہ ہوگی ۔کیونکہ وقوع طلاق کے لئے زوج کا بالغ ہونا شرط ہے ۔یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا الخ (ھندیہ ص ۳۷۶) ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل (ایضاً)

سوال

ایک عورت عاقلہ بالغہ کا نکاح باتفاق اولیا نابالغ صبی سے کیا گیا ۔دو چار سال گزرنے کے بعد بہ سبب بعض مفاسد اولیا کا خیال ہے کہ نکاح فسخ کرا کے کسی بالغ مرد سے کیا جائے ۔حنفیہ کے نزدیک طلاق بھی واقع نہیں ہوتی ۔اب اس خاص صورت میں جبکہ مفاسد یعنی زنا وغیرہ کا خوف ہے اور ہمارے ملک بلوچستان میں زنا کار کو قتل کر دیتے ہیں تو شرعاً کسی صورت سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۵۸۹ عبداللطیف (ٹھل سندھ)

۴ رجمادی ۱۳۵۴ھ م ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۲۷) **جواب**۔ فریقین یعنی عورت اور نابالغ کے اولیاء کسی نیک متقی عالم کو حکم بنادیں۔ بہتر ہے کہ حکم حنبلی المذہب یا اہلِ حدیث ہو وہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے ماتحت فسخ نکاح کا حکم کردے اور اس کے فیصلے پر عمل کیا جائے۔ اس میں منشائے فسخ عدم تیسیر وصول نفقہ ہوگا۔ یا امام مالک کے مذہب کے موافق خوف زنا کو منشا قرار دے کر نکاح کردیا جائے۔ فقط محمد کفایت اللہ

جواب۔ (از نائب مفتی صاحب) اگر شوہر صبی نابالغ اس قدر سمجھ رکھتا ہے کہ طلاق دینے سے عورت اپنے شوہر سے علیحدہ اور بے تعلق ہوجاتی ہے تو موافق مذہب امام احمد بن حنبل کے ایسے نابالغ کی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ حنفی مذہب کا حاکم بھی بوجہ ضرورتِ شدیدہ کے وقوع طلاق کا فیصلہ کرسکتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں نابالغ سے طلاق دلواکر مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دے کر اس طلاق کی تنفیذ و تصحیح یعنی وقوعِ طلاق کا فیصلہ حاصل کرلیا جائے۔ فتاویٰ شامی میں ہے۔ (قوله وجوزه الامام احمد) ای اذا کان ممیزا یعقله بان یعلم ان زوجته تبین منه کما هو مقرر فی متون مذهبه فافهم۔ جلد ثانی ص ۲۶۲ واللہ اعلم۔

حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

عمر بکر دونوں ماں جائے بھائی ہیں عمر کی لڑکی نابالغہ تھی اور بکر کا لڑکا نابالغ ہے۔ قانون شاردا بل کے خوف سے نابالغ بچوں کا نکاح دونوں بھائیوں نے کردیا تھا اور اس خیال سے بھی کہ ان بچوں کے جوان ہونے کے بعد بوجہ خانگی تنازعات شاید یہ سلسلہ نسبت قائم نہ رہ سکے۔ انہی خیالات کی مجبوری سے نکاح کردیا۔ اتفاق زمانہ کہ لڑکا اس وقت ۱۱ سال کا ہے اور ابھی جوان ہونے میں دیر ہے اور لڑکی جوان ہوچکی ہے اور اب اس کی پاکدامنی اور عصمت پر بدنما دھبہ لگنے کا اندیشہ ہے۔ چند معزز مہربان برادری نے باہمی فیصلہ کیا کہ عمر اپنے پاس سے بکر کو مبلغ ۶۰ ساٹھ روپے کا زیور نقرئی و طلائی ادا کرے اور مبلغ چھتیس ۳۶ روپے بابت مہر معاف کرے اور لڑکی کی عدت کا نان پارچہ بھی چھوڑ دے اور نکاح کا جوڑا بھی دے دیوے۔ چنانچہ یہ سب دیا دلایا گیا اور بخوشی فریقین جلسۂ عام میں بکر اور اس کے نابالغ پسر نے لڑکی کو طلاق دیدی اور آزاد کرکے اجازت دیدی کہ لڑکی کا نکاح ثانی کردیا جائے۔ لڑکی اس فعل سے بہت خوش ہوئی۔ عمر نے بکر سے یہ بھی اقرار

کیا ہے کہ بکر کے لڑکے کی شادی میں حسب حیثیت میں کچھ مدد کروں گا۔ اب حالاتِ مذکورہ پر کیا حکم دیا جاتا ہے؟　المستفتی نمبر ۱۱۰۵ میاں جی محمد یوسف خاں صاحب (ضلع گوڑگانوہ)

۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۵ اگست ۱۹۳۶ء

(۲۸) **جواب** - باپ کو نابالغ بچوں کا نکاح کر دینے کا تو اختیار ہوتا ہے مگر طلاق دینے کا حق نہیں ہوتا اور حنفیہ کے نزدیک نابالغ کی طلاق صحیح نہیں ہوتی ہاں امام احمد بن حنبل کے نزدیک سمجھ دار اور ہوشیار لڑکے کی طلاق پڑ جاتی ہے۔ پس اگر لڑکی کے گناہ میں مبتلا ہو جانے کا قوی خطرہ ہے تو امام احمدؒ کے مذہب کے موافق عمل کر لینا جائز ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ فریقین کسی کو حکم بنا کر معاملہ اس کے سپرد کر دیں اور وہ امام احمدؒ کے مسلک کے موافق وقوعِ طلاق کا فیصلہ کر دے۔ فقط　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید حنفی المذہب اپنے نابالغ پنج سالہ لڑکے کا ایک بالغہ عورت کے ساتھ نکاح پڑھ دیتا ہے اور ایک ماہ کے بعد اس کو طلاق دے کر اس عورت کا دوسری جگہ پر نکاح کر دیتا ہے۔ آیا (۱) طلاقِ صغیر یا طلاقِ ولی صغیر مذہب حنفی میں واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (۲) طلاق ولی صغیر جو بمذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جائز لکھی ہے حنفی المذہب اس پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں۔ اگر کر سکتا ہے تو کس موقع اور کن شرائط پر؟ (۳) اگر طلاق واقع نہیں ہو سکتی تو ایسے شخص کی از روئے شرع شریف کیا سزا ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور تعلقات رکھنا برتاؤ کرنا کس طرح چاہیئے۔ (۴) جس شخص نے اس عورت کا دوبارہ نکاح کیا ہے اس کے ساتھ تعلقات رکھنا برتاؤ کرنا جائز ہے یا نہیں۔ (۵) اور جن لوگوں نے اس بُرے کام میں امداد کی ہے ان کے ساتھ تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ (۶) اور ان کی مباشرت کو جماع کہا جائے گا یا زنا اور جو اولاد اس سے پیدا ہو گی وہ حلالی ہو گی یا حرامی یعنی ولد الزنا۔

المستفتی نمبر ۱۴۰۱ غلام سرور شیخ صاحب (ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں)

۲۸ محرم ۱۳۵۶ھ م ۱۱ اپریل ۱۹۳۷ء

(۲۹) **جواب** - صغیر یا ولی صغیر کی طلاق حنفی مذہب کی رُو سے واقع نہیں ہو سکتی۔ اِلّا یہ کہ ایسا

نکاح موجبِ فتنہ ہو اور جوان عورت کے لئے شوہر کے بلوغ کا انتظار کرنا تقریباً ناممکن ہو تو ایسی حالت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔ ان کے نزدیک صبی ممیز کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چھ سات برس کا لڑکا صبی ممیز کی حد میں داخل ہے۔ بعض بچے پانچ سال کی عمر میں بھی ممیز کی حد میں شامل ہو سکتے ہیں۔ بہر حال معاملہ مسئول عنہا میں اگر کوئی مجبوری ایسی پیش آگئی ہو کہ اس نکاح کا باقی رکھنا ناممکن ہو گیا ہو تو عمل بمذہب الامام احمد کی گنجائش تھی۔ اور اگر یہ فعل محض عدم مبالاۃ یا اغراضِ نفسانی کے ماتحت کیا گیا ہے تو موجبِ ملامت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کے دو لڑکے تھے جن میں سے ایک شادی شدہ اور دوسرا نابالغ تھا۔ زید نے نابالغ لڑکے کا نکاح ایک بالغہ لڑکی سے کر دیا۔ بعد عرصہ کے بڑے لڑکے کی عورت فوت ہو گئی۔ زید نے بڑے لڑکے کا نکاح ایک نابالغ لڑکی سے کر دیا۔ اب از روئے مصلحت زید دونوں بھائیوں کے نکاح کا تبادلہ کرانا چاہتا ہے۔ یعنی طلاق کروا کر چھوٹے لڑکے کی منکوحہ کا نکاح بڑے لڑکے کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اور بڑے لڑکے کی منکوحہ کا نکاح چھوٹے لڑکے سے کرنا چاہتا ہے۔ مفصل فیصلہ شرعی تحریر فرمائیں۔ المستفتی ۱۸۳۰ مولوی محمد بخش موضع میاں جی سلطان ضلع جھنگ

۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۳۰) **جواب** - اگر چھوٹا لڑکا بالغ ہو گیا ہے تو وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے سکتا ہے اور اگر ابھی نابالغ ہے تو اس کی طلاق معتبر نہ ہو گی۔ اگر پندرہ سال عمر ہو گئی ہو تو بالغ قرار دیا جائے گا اور طلاق معتبر ہو گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک لڑکا جو کہ نابالغ ہے اس کی شادی ہو چکی ہے اور اگر وہ خود یا اس کے ولی عورت کو طلاق دینا چاہیں تو جائز ہے یا نہیں۔ اگر اس عورت نے کسی غیر شخص سے شادی کر لیا تو جس شخص کے ساتھ شادی ہوئی اور اس مولوی نے جس نے جان بوجھ کر نکاح پڑھا یا اس کے لئے کون سا کفارہ ہوتا ہے۔ المستفتی ۲۲۵۰ شیخ رمضان علی صاحب (بسنی) ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۹ جنوری ۱۹۳۸ء

(۳۱) **جواب** - نابالغ لڑکے کی طلاق معتبر نہیں اور اس کے ولی کو یہ حق نہیں کہ نابالغ لڑکے کی بیوی کو طلاق دیدے - پس ایسی حالت میں نابالغ منکوحہ کا نکاح دوسری جگہ جائز نہیں اور جس نے پڑھایا اور جو شریک ہوئے سارے گنہگار ہوئے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنے لڑکے عمر کا نکاح اپنی بھانجی زینب سے کیا جس کا ولی بھی یہی ہے - زینب بالغ ہے اور عمر نابالغ ہے - اس بلوغ اور عدم بلوغ کی وجہ سے نااتفاقی ہوئی - اب زید چاہتا ہے کہ زینب کو مطابق شرع شریف کے طلاقیں مل جائیں - بچہ حالت عدم بلوغ میں طلاق دیدے یا کہ باپ کو طلاق دینے کی اجازت ہے یا نابالغ کے بلوغ کا انتظار کیا جائے -

المستفتی ۲۳۴۲ محمد شریف بصیر پور (منٹگمری) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

(۳۲) **جواب** - حنفیہ کے نزدیک نابالغ کی طلاق معتبر نہیں - لڑکے کے بلوغ کا انتظار کرنا ہوگا -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

فصل پنجم

نسبت یا اضافتہ طلاق

سوال

زید نے اپنی زوجہ سے کسی بنا پر لڑنا جھگڑنا شروع کیا - رفتہ رفتہ غصہ ہو کر مار پیٹ کرنے لگا تو اس کے بعض عزیز و اقارب نے اس کو اس کی زوجہ سے بیچ بچاؤ کر کے علیحدہ کیا مگر وہ باز نہیں آتا تھا تو انہوں نے زبردستی پکڑ کے مار دھکیل کے باہر دور کیا - اس درمیان میں زید نے یہ کہہ دیا کہ تجھ کو طلاق ہے - پھر جب کسی نے اس کا مونھ بند کیا تو کشاکشی کر کے ایک دو منٹ کے اندر اندر دوبارہ یوں کہہ دیا کہ تجھ کو سات - اس قدر کا زید بھی اقرار کرتا ہے مگر سننے والے چند آدمی اس بات کے گواہ ہیں کہ لفظ طلاق بھی زید نے کہا ہے (یعنی تجھ کو سات طلاق) مگر زید اقرار نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ میں نے تو طلاق کا لفظ کہا ہی نہیں - غرضیکہ دوبارہ زید نے جو یہ کہا کہ تجھ کو سات - اس میں اختلاف ہے کہ سات طلاق کہا جیسا کہ گواہ کہتے ہیں یا فقط سات جیسا کہ زید فقط تنہا کہتا ہے - بخلاف اول دفعہ کے

کہ اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ زید بھی اقرار کرتا ہے کہ پہلی مرتبہ میں نے اپنی زوجہ کو طلاق دی پس اس خاص صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔ اگر ہوگی تو کونسی طلاق ہوگی۔ زید نے جو مخاطب کی ضمیر تجھ کو استعمال کی ہے اس کا مرجع اس خاص صورت میں اس کی زوجہ ہے یا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے؟ جبکہ زوجہ اس کی اس قدر فاصلے پر ہو کہ سن سکتی ہے مگر بعض وجوہات سے سنائی نہ دیا جاتا ہو۔ زید نے تصریح کر دی کہ لفظ تجھ کو سے میری مراد میری زوجہ ہے۔ پھر دوسرے روز اپنی اس تصریح کے خلاف بیان کیا کہ میری مراد میری زوجہ نہیں تھی۔ پس اس خاص واقعہ میں زید کا یہ بیان اس کی تصریح کے خلاف مقبول عند الشرع ہوگا؟ باوجودیکہ زید کا یہ بیان غیر ناشی عن الدلیل ہے بلکہ اس کی تصریح پر (کہ لفظ تجھ کو سے میری مراد میری زوجہ ہے) قرائن و آثار موجود ہیں۔ لڑنا جھگڑنا غصہ ہو کر مار پیٹ کرنا، بیچ بچاؤ کرانے سے باز نہ رہنا منہ بند کرنے پر کشاکشی کرنا وغیرہ غرض کہ زید کی تصریح پر دلالتِ حال موجود ہے۔ اگرچہ اب وہ اپنی تصریح کے خلاف بیان کرتا ہے۔ بینوا توجروا۔

(۳۳) **جواب** - صورت مسئولہ میں زید کی زوجہ پر تینوں طلاقیں پڑ گئیں۔ اگرچہ اس نے صرف لفظ سات ہی کہا ہو۔ کیونکہ طلاق کے موقع پر اس عدد کا معدود طلاق ہوگی لاغیر۔ ولو قال انت طالق بثلاث وقعت ثلاث ان نوی ولو قال لم انو لا یصدق اذا کان فی حال مذاکرة الطلاق والاصدق ومثلہ فی الفارسیۃ تو سہ علی ماھو المختار للفتوی (ھندیہ ص ۳۸۱ ج ۱) اور جبکہ اس کی زوجہ مطلقہ ثلثہ ہو گئی تو اب بغیر حلالہ اس کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی۔ نیز زید کا یہ اقرار کہ لفظ تجھ کو سے میری مراد میری زوجہ ہے اور دلالتِ حال یہ دونوں اس امر کے لئے کافی ہیں کہ تجھ کو کی مخاطب اس کی زوجہ ہو۔ لہٰذا اب اس کا انکار غیر معتبر ہے۔ یقع طلاق زوج اذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا او عبدا طائعا او مکرھا کذا فی الجوھرۃ النیرۃ (ھندیہ ص ۳۷۶ ج ۱)

سوال

زید اپنی بیوی ہندہ کو اس کے ماں باپ کے گھر سے بلانے کے واسطے گیا۔ ہندہ نے آنے سے انکار کیا۔ ہندہ کہتی ہے کہ میں اس وقت یا آجکل نہ جاؤں گی۔ زید نے غصہ ہو کر کہا کہ ایک طلاق، دو طلاق تین طلاق ہے۔ قال الفاظ الطلاق بغیر نسبتہ۔ یعنی اس طرح نہ کہا کہ تجھ پر طلاق یا تو طلاق

ہے۔ اور زید نے یہ الفاظ دوسرے مکان میں جاکر اپنی زبان سے نکالے۔ آیا ہندہ پر تین طلاقیں واقع ہوئیں یا نہیں ؟

(۳۴) **جواب** ۔ چونکہ غصہ کا موقع ہے۔ نیز اس کی بیوی سے جھگڑا ہوا اس لئے ظاہر یہی ہے کہ اس نے بیوی کو ہی طلاق دی ہے۔ اور وہی اس کے ذہن میں مراد تھی۔ نسبت یا اضافت طلاق صراحۃً ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح عورت کا سامنے موجود ہونا وقوع طلاق کے لئے شرط نہیں۔ پس صورتِ مسئولہ میں اس کی بیوی مطلقہ ثلثہ ہوگئی اور بدون حلالہ اس کے لئے حلال نہیں۔ ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ (ردالمحتار)

سوال

زید کی والدہ وساس کے درمیان ایک عرصے سے خانگی جھگڑے ہو رہے تھے۔ زید سخت بیمار ہے۔ ایک روز زید کے برادرِ خورد نے زید کی والدہ سے کہا کہ اماں یہ جھگڑے ختم نہ ہوں گے ہم اور تم کہیں چلیں۔ ان دونوں کو یہاں رہنے دو۔ اور زید کا بھائی اپنی والدہ کو لے جانے لگا۔ زید نے کہا کہ تم نہ جاؤ میں اس جھگڑے کو ہی ختم کیے دیتا ہوں اور یہ کہہ کر کہا کہ میں نے طلاق دی۔ یہ الفاظ اپنی والدہ سے مخاطب ہو کر کہے۔ پھر اس کے بعد جوش میں آکر صرف طلاق طلاق طلاق پانچ چھ مرتبہ کہا لیکن اپنی زوجہ کا نام ایک مرتبہ بھی نہیں لیا اور نہ اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ اور زید کا خیال بھی یہی تھا کہ صرف لفظ طلاق کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔ زوجہ گھر میں موجود تھی لیکن اس نے الفاظ مذکورہ نہیں سنے۔ المستفتی نمبر ۳۱۱ ۲۲ صفر ۱۳۵۳ھ م ۶ جون ۱۹۳۴ء

(۳۵) **جواب** ۔ زید کے ان الفاظ میں جو سوال میں مذکور ہیں لفظ طلاق تو صریح ہے لیکن اضافت الی الزوجہ صریح نہیں ہے، اس لئے اگر زید قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ نہیں کہے تھے تو اس کے قول اور قسم کا اعتبار کر لیا جائے گا اور طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید نے اپنی منکوحہ کے بارے میں بحالتِ غصہ زبان سے تین طلاق کا لفظ نکالا بلا اضافت

کسی کے۔ زید نے جو تین طلاق کا لفظ زبان سے نکالا تو زید کے دل میں کچھ نہیں تھا۔ بینوا توجروا۔

المستفتی ۳۹۴ مولوی عبد الخالق (رنگون) ۲۹ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۴ء

(۳۶) **جواب** - اگر زید نے زبان سے صرف یہ لفظ نکالا "تین طلاق" اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا تو ظاہر ہے کہ اس میں اضافتِ طلاق نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ لفظ سوال طلاق کے جواب میں کہے ہوں مثلاً زوجہ یا اس کے کسی ولی یا رشتہ دار نے زید سے کہا کہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دو۔ اور زید نے کہا کہ تین طلاق " تو اس صورت میں قرینہ حالیہ اضافۃ الی المنکوحہ کے ثبوت کے لئے کافی ہوگا۔ اور قاضی طلاق کا حکم کردے گا۔ سوال میں غصہ کی حالت کا ذکر ہے۔ لیکن غصہ کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض صورتیں تو سوال طلاق کی حالت کا حکم رکھتی ہیں اور بعض نہیں۔

اب چونکہ مجلس قضا کا وجود بھی نہیں اسلئے حکمِ دیانت یہ ہے کہ زید کو کہا جائے کہ اگر تو نے اپنی بیوی ہی کو یہ لفظ کہا تھا تو طلاقِ مغلظہ ہوگئی۔ اور اگر بیوی کو نہیں کہا تھا تو طلاق نہیں ہوئی۔ یہ تو عند اللہ حکم ہے۔ اور لوگوں کے اطمینان کے لئے اس سے حلف لے لیا جائے۔ اگر وہ حلف سے کہدے کہ میں نے بیوی کو تین طلاق نہیں کہا تھا تو لوگوں کو بھی اس کے تعلق زناشوئی سے تعرض نہیں کرنا چاہئے۔ اور بیوی بھی اس کے پاس رہ سکتی ہے۔ اور اگر وہ قسم سے انکار کرے تو زوجین میں تفریق کردی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید نے خود اپنی زبان سے یہ کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں حسینہ سلطان کو ساتھ دو گواہوں کے دوبارہ وسہ بارہ بھی ان الفاظ کے ساتھ کہا اور یہ بھی کہا۔ پردہ واجب ہے کریں چاہے نہ کریں طلاق دیتے وقت میں (زید) نے یہ نہیں دیکھا کہ بیوی کہاں ہے اور کتنے فاصلے پر ہے۔ اس وقت چھ ماہ کا حمل ہے اور ایک لڑکی ۲ سال کی موجود ہے۔ اس وقت میری (زید کی) کوئی غصہ کی حالت نہیں تھی اور نہ کوئی نشہ تھا۔ میرے ذہن میں حسینہ سلطان ہی نام تھا۔ یہ میرا خود (زید) کا ہی صحیح بیان ہے۔ زید کی بیوی کے خالو اور بہنوئی مندرجہ بالا وقوعہ سے اتفاق رکھتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ لڑکی کا نام صحیح حسینہ خانم ہے اور طلاق کے الفاظ کے وقت زید کی پشت کی طرف قریب دو تین گز کے فاصلہ پر موجود تھی جس نے طلاق کے الفاظ کو نہیں سُنا۔

المستفتی ۱۱۳۸ محمد احمد دہلی - ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۲ اگست ۱۹۳۶ء

(۳۷) **جواب** - سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ خاوند نے طلاق دیتے وقت عورت کا نام حسینہ سلطان لیا ہے حالانکہ اس کا صحیح نام حسینہ خانم ہے جو نکاح نامہ میں مذکور ہے اور لڑکی کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ نہ اس کے باپ کا نام لیا۔ اگر وہ صرف حسینہ کہتا تو وقوع طلاق کا حکم ہو سکتا تھا کہ وہ نام کا اختصار ہوتا۔ لیکن حسینہ سلطان کہنا تبدیل کر دیتا ہے اور اس سے وقوعِ طلاق کا حکم نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی حسینہ سلطان اس کی بیوی نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے ذہن میں تصور یہی ہو کہ بیوی کو طلاق دے رہا ہوں۔ مگر طلاق الفاظ سے پڑتی ہے نہ کہ تصور سے۔ اور تبدیلیٔ نام کی صورت میں وقوعِ طلاق کے لئے یہ لفظ کافی نہیں جیسے غلام حسین آزاد ہے کہنے سے غلام علی آزاد نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسرا نام ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

شخصے مسمی بدین محمد در زبان بنارسی خود میگوید من بسبب زد و کوب زوجہ ام او گفتہ است تو مرا طلاق بدہ من بعد آں گفتہ ام یک طلاق دو طلاق سہ طلاق نام تو حبیبت ندانم ایں سخن گفتہ من از خانہ بیرون شدہ رفتہ ام پس دریں صورت زوجہ دین محمد شرعاً بسہ طلاق مطلقہ خواہد گردید یا نہ۔

المستفتی نمبر ۱۳۵۰ مولوی محمد عزیز الرحمٰن صاحب نواکھالی متعلم دار العلوم دیوبند

۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(۳۸) **جواب** (از مولوی مسعود احمد نائب مفتی دار العلوم دیوبند) اس صورت میں دین محمد کی زوجہ پر تین طلاق واقع ہو گئی اور وہ مغلظہ بائنہ ہو کر شوہر پر حرام ہو گئی۔ اب بدون حلالہ کے دین محمد دوبارہ اس کو اپنے نکاح میں نہیں لا سکتا۔ قال اللہ تعالیٰ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ الآیہ فقط واللہ اعلم مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دار العلوم دیوبند

۱۰ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

جواب صحیح ہے مگر دین محمد نے اگر ایک طلاق دو طلاق سہ طلاق سے اپنی منکوحہ مراد نہیں لیا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی ورنہ ہو جائے گی۔ لو قال امرأۃ طالق ۔ او قال طلقت امرأۃ و قال لم اعن امرأتی یصدق ویفھم منہ انہ لو لم یقل ذلک تطلق امرأتہ الخ شامی ج ۲ کتاب الطلاق باب الصریح صفحہ ۶۶۴ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد سہول عثمانی عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند۔ مہر دار الافتاء دیوبند

الجواب صحیح ماقالہ الاستاذ الحاج مولانا محمد سہول مدظلہٗ

محمد اعزاز علی عفرلہٗ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

جواب (از مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی)۔ صورت بالا میں منکوحہ پر تین طلاق واقع ہوگئیں۔ شوہر نے یک طلاق دو طلاق سہ طلاق سے اپنی منکوحہ مراد لی ہو یا نہ لی ہو سوال میں صاف طور پر موجود ہے کہ میاں بیوی میں پہلے جھگڑا ہوا۔ یہاں تک کہ مارپیٹ کی نوبت پہنچی ایسی حالت میں منکوحہ کہتی ہے "مرا طلاق بدہ" شوہر اسی وقت اسی مجلس میں منکوحہ کی طلب طلاق کے جواب میں کہتا ہے یک طلاق دو طلاق سہ طلاق بلکہ غیظ و غضب کی حالت میں کہتا ہے "نام تو چیست ندانم"، یعنی تیرا نام جانتا تو نام لے کر طلاق دیتا۔ یا اب میں تیرا نام لینا ہی نہیں چاہتا ان حالات میں الفاظ طلاق میں اضافت و نسبت کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ جھگڑا مارپیٹ اور پھر نتیجہ کے طور پر منکوحہ کا مطالبہ طلاق ایسی حقیقتیں ہیں جن کی موجودگی میں اس معاملہ کو شوہر کی نیت و قول پر محول نہیں کیا جاسکتا۔ شوہر خواہ کچھ کہے منکوحہ پر طلاقیں پڑگئیں۔ علامہ شامی نے بحر سے جو جزئیہ نقل کیا ہے وہ اس معاملہ سے غیر متعلق ہے۔ اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ عام اور سادہ حالات میں شوہر اگر یوں کہدے "امرأۃ طالق" اور جب اس سے دریافت کیا جائے تو کہے ان الفاظ سے مطلب اپنی منکوحہ کو طلاق دینا نہیں تھا تو صرف دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ درمختار میں ہے "قالت لزوجها طلقني فقال فعلت طلقت" یہاں منکوحہ کی طلب پر شوہر نے محض فعلت کہا تب بھی طلاق پڑگئی۔ کیوں؟ محض قرینہ طلب کی وجہ سے جیسا کہ شامی میں ہے "اى طلقت بقرينة الطلب" فتاوی عالمگیری میں حسب ذیل جزئیات موجود ہیں۔ قالت لزوجها "مرا طلاق ده" فقال الزوج داده است او كرده است يقع نوى اولم ينو ولا يصدق فى ترك النية الخ سئل شمس الائمة الاوزجندى عن امرأة قالت لزوجها لوكان الطلاق بيدى لطلقت نفسى الف تطليقة فقال الزوج من نيز هزار دادم ولم يقل دادم ترا قال يقع الطلاق فقط والله تعالى اعلم۔ عتیق الرحمٰن عثمانی مفتی دیوبند

۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

ہذا الجواب صحیح وهو مبنى على حكم القضاء اى لا يصدق الزوج انه لم ينو امرأته۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے نہایت غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو یہ الفاظ دو عورتوں کے سامنے جو ایک کوٹھے میں اُن کے پاس بیٹھی تھی اور ایک صحن میں بیٹھی تھی کہے۔ایک طلاق دو طلاق تین طلاق چار طلاق۔زید کو خود الفاظ یاد نہیں۔سو اس قسم کی طلاق کا کیا حکم ہے اور پھر وہ اس کی بیوی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی ۲۰۰۶ اصغر حسین صاحب (مظفر نگر) ۲۰ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۴ نومبر ۱۹۳۶ء

(۳۹) **جواب** ۔الفاظ طلاق گو صریح ہیں مگر نسبت الی الزوجہ صریح نہیں ہے۔اس لئے خاوند اگر حلفِ شرعی کے ساتھ یہ کہہ دے کہ بیوی کو طلاق دینے کے لئے یہ الفاظ نہیں کہے تھے تو میاں بیوی بحیثیت میاں بیوی کے رہ سکتے ہیں یعنی طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنے والد سے نئی تزویج کے مکالمے میں جھگڑا و فساد کر کے پانچ آدمیوں کے سامنے کہا کہ "کیا تین طلاق دوں" ان پانچوں شاہدوں میں سے دو شاہد شہادت دیتے ہیں کہ زید نے یہ کلام کہا "کیا تین طلاق دوں" اور باقی تین شاہد شہادت دیتے ہیں کہ زید نے صرف تین طلاق کہا۔پس ان میں سے تین شاہد کی شہادت "تین طلاق" کی بنا پر عدم وقوع طلاق کا حکم نافذ ہو گا یا نہیں ؟ المستفتی ۲۰۶۸ شاہ بان (اکیاب) ۱۹ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۰) **جواب** ۔صرف لفظ "تین طلاق" سے جب تک کوئی اور قرینہ حالیہ یا مقالیہ اضافتِ طلاق کے لئے نہ ہو وقوع طلاق کا حکم نہ ہو گا۔اور دو شاہد جو "کیا تین طلاق دوں" کا تلفظ بیان کرتے ہیں وہ تو وقوعِ طلاق کے لئے مفید نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کی کسی معاملہ میں کسی سے حجت ہوئی۔غصہ کی حالت میں اپنے منہ سے یہ تین بار کہا کہ میں نے اُسے طلاق دیا مگر اس کی آواز کسی نے نہیں سُنا۔زید کہتا ہے کہ اپنی آواز میں نے نہیں سُنی لیکن سمجھ گیا۔یہ معاملہ تنہائی کا بیان کیا گیا ہے لیکن اس خطرے کا اظہار دوسروں سے کہہ دیا کہ میں نے اپنے منہ سے تین بار کہا کہ اسے طلاق دیا اور اپنی بیوی سے بھی کہہ دیا کہ میں نے اپنے منہ سے تین بار کہا کہ اسے

طلاق دیا۔ پھر زید کی بی بی نے زید سے کہا کہ ایک خط میرے والد کے پاس میری طرف سے بھیج دو کہ مجھے طلاق مل چکی ہے۔ زید نے خط بھی بھیج دیا یہی مضمون لکھ کر اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اگر طلاق پڑ گئی تو زید رجوع کر سکتا ہے یا نہیں اور رجوع کرنے کا طریقہ کیا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۲۰۰ محمد مصطفیٰ حسین انصاری (کانپور) ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جنوری ۱۹۳۸ء

(۴۱) **جواب** ۔ زید کے ان الفاظ میں کہ (میں نے اسے طلاق دیا) اسے کا اشارہ اپنی زوجہ کی طرف تھا تو طلاق ہو گئی ۔ بشرطیکہ زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے ہوں۔ اگر زبان سے الفاظ ادا نہیں ہوئے صرف دل میں تصور تھا تو طلاق نہیں ہوئی اور اگر لفظ اس سے مراد اس کی بیوی نہ تھی تو طلاق نہیں ہوئی پہلی صورت میں طلاق مغلظہ ہے اور رجعت جائز نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص اپنی عورت سے جھگڑا کر کے غصہ کے مارے کہا ۔ طلاق ، طلاق ، طلاق ۔ اس وقت وہ عورت اپنے گھر سے دس یا بارہ ہاتھ دور دوسرے کے مکان میں رہ کر سنتی ہے ۔ اس کے بعد شوہر نے اپنے مکان میں آکر کہا بالائی جاؤ یہ بات عورت سن سکی ہو یا نہیں سن سکی ہے ۔ بعد ازاں وہ عورت شوہر کے مکان میں جب آئی تو شوہر نے اس کو مارنا چاہا تو عورت بولی تم نے مجھ کو طلاق دے دیا تو پھر کیوں مارو گے ۔ مرد نے جواب دیا کہ میں نے طلاق نہیں دیا ۔ اس وقت سے غالباً ۳½ مہینے ہو گئے ہیں عورت اپنے والد کے مکان میں رہتی ہے مگر کبھی کبھی زوج کے مکان میں آمد و رفت کرتی ہے ۔ اب شخص مذکور کہتا ہے کہ اس وقت میری طلاق کی نیت نہ تھی ۔

المستفتی نمبر ۲۲۰۴ فضل الرحمٰن صاحب (آسام) ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(۴۲) **جواب** ۔ اگر شوہر نے صرف یہی الفاظ کہے ہیں ۔ طلاق ، طلاق ، طلاق ۔ یعنی عورت کا نام نہیں لیا ۔ اس کی طرف اشارہ نہیں کیا اور کوئی قرینہ بھی عورت کو معین کرنے کا نہ تھا تو طلاق نہیں ہوئی ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید نے ہندہ کو ایک لڑائی کے سلسلہ میں جو گھر میں دوسرے لوگوں سے ہو رہی تھی غصہ میں آکر یہ کہتے ہوئے کہ اگر میری زندگی تباہ کرنا تھی اور اسی طرح پریشان کرنا تھا تو میری شادی کیوں کی

گئی۔ تین مرتبہ یہ کہا کہ میں نے طلاق دی۔ حالانکہ زید اور ہندہ میں آج تک کوئی رنجش نہ ہوئی اور نہ اب ہے۔ ایسی حالت میں ازروئے شریعت کیا حکم ہے۔ طلاق ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی تو اب کیا صورت ہوسکتی ہے؟

ہندہ یہ بھی کہتی ہے کہ اگر میری شادی کسی دوسرے کے ساتھ کی گئی تو میں جان دیدوں گی ازروئے شریعت جو حکم ہو مرحمت فرمائیں اور امام شافعیؒ کے مذہب سے بھی اس مسئلہ میں روشنی درکار ہے کہ ان کے مذہب میں کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۴۶۳ محمد احمد صاحب۔ لکھنؤ ۱۹ محرم ۱۳۵۸ھ م ۱۱ مارچ ۱۹۳۹ء

(۴۴۳) **جواب** ۔ اگر خاوند نے اپنی بیوی کو یہ لفظ (میں نے طلاق دی) تین مرتبہ کہہ دیئے تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ ان لفظوں میں بیوی کا نام اور اس کی طرف اضافت مذکور نہیں ہے اس لئے اگر زید اقرار کرے کہ اس نے یہ الفاظ بیوی کو کہے ہیں یا کوئی قرینہ حالیہ موجود ہو جس سے یہ بات متعین ہو جائے کہ یہ الفاظ بیوی ہی کو کہے گئے ہیں تو یہی حکم ہے جو اوپر لکھا گیا۔ اور اگر کوئی قرینہ نہ ہو اور زوج بھی اقرار نہ کرے تو پھر ان الفاظ سے وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

قمر الدین اور شجو محمد کے مکان میں محفل کے اندر طلاق اور گواہوں کی زبان بندی کے لئے قمر الدین نے توکی محمد و دانشت محمود و حفیظ الدین و صالح محمود ان چار آدمیوں کو بلایا۔ اس میں مکان کے لوگ بھی شریک تھے۔ وجہ اس کی پان سپاری کھانا تھا۔ اس کے بعد صالح محمود نے کہا کہ قمر الدین رات بہت ہوگئی۔ ہم لوگوں کو کیوں بلایا ہے۔ اس کے جواب میں مہر محمد نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بی بی کو طلاق دینے کے لئے ہم لوگوں کو بلایا ہے۔ اس کے بعد سب لوگوں نے کہا کہ بولو قمر الدین۔ قمر الدین نے کہا کہ کس طرح کہنا ہوتا ہے تم لوگ ہم کو سکھلادو۔ اس وقت طلاق کے الفاظ کسی نے اس وجہ سے نہیں سکھلایا کہ لفظ طلاق زبان پر لانے سے اس کی بی بی چھوٹ جائیگی اس کے بعد توکی محمد کی بیوی مر گئی تھی اس لئے طلاق کا خطرہ نہ تھا۔ سب لوگوں نے کہا کہ تم سکھلادو۔ اس نے سکھلانا شروع کیا۔ توکی محمد نے قمر الدین سے کہا کہ کہو قمر الدین ایک طلاق دو طلاق تین طلاق

بائن کہہ دیا۔لیکن طلاق دیتے وقت اس کی بی بی کا نام یا میری بی بی کر کے نہیں کہا اور کس کو طلاق دیا ہے۔پنچایت والوں نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔مکرر بیان۔قمر الدین نے کہا کہ میں نئی شادی کروں گا۔میرے ماموں میری پہلی بیوی کو طلاق نہ دینے سے نکاح میں شرکت نہیں کرتا،اس لئے مجبور ہو کر طلاق دیا۔توکی محمد نے جو کچھ سکھلایا اسی کے مطابق میں نے اس کے ساتھ ساتھ ویسا ہی کہا۔میرے دل میں اپنی بی بی کو طلاق دینے کی نیت نہ تھی۔

(۱) پہلا گواہ توکی محمد۔قمر الدین ہم کو پان سپاری کھانے کے واسطے اپنے مکان میں بلا کر لایا ہم نے آکر دیکھا کہ مفیظ و دانشت و صالح محمود و مہر محمد وہاں پر موجود ہیں۔صالح محمود نے کہا قمر الدین رات بہت ہو گئی کیوں ہم کو بلایا ہے کہو۔مہر نے کہا قمر الدین شیخ اپنی بی بی کو طلاق دیں گے اس لئے بلایا ہے۔قمر الدین نے کہا کس طرح کہنا ہوتا ہے وہ میں نہیں جانتا آپ لوگ ہم کو سکھلا دیجئے۔اس وقت کسی نے اس خوف سے الفاظ طلاق نہیں سکھلایا کہ جو لفظ طلاق زبان پر لائیں گے ان کی بی بی ان سے چھوٹ جائے گی۔اس کے بعد توکی محمد کی بی بی مر گئی تھی اس لئے سب لوگوں نے توکی محمد سے کہا کہ طلاق کے الفاظ قمر الدین کو سکھلاؤ تب توکی محمد نے سکھلایا ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن۔قمر الدین نے اس کے ساتھ ویسا ہی کہا۔اس کے بعد پنچایتی اس سے کوئی بات پوچھے بغیر چلے گئے۔

(۲) دوسرے گواہ دانشت محمود نے بھی توکی محمد کی طرح کہا۔بیان یہ ہے کہ طلاق دینے کے وقت قمر الدین نے میری بی بی کہہ کر طلاق نہیں دیا۔

(۳) تیسرے گواہ صالح محمود نے کہا کہ قمر الدین نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے واسطے ہم کو بلایا ہے ہم نے آکر دیکھا کہ بابر علی و دانشت و مفیظ الدین و توکی محمد و مہر و شہر و زین الدین وہاں پر موجود ہیں۔ہم نے کہا کہ رات بہت ہو گئی ہے قمر الدین نے ہم لوگوں کو کیوں بلایا ہے کہو۔مہر نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے قمر الدین اپنی بی بی کو طلاق دیں گے اس لئے ہم لوگوں کو بلایا ہے۔اس کے بعد قمر الدین سے پوچھا۔قمر الدین نے جواب دیا کہ طلاق نہ دے کر کیا کروں۔اس سے ہمارا کام نہیں چلتا۔اس کے بعد توکی محمد نے کہا کہ قمر الدین کہو ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن۔قمر الدین نے بھی ویسا ہی کہا۔قمر الدین نے کیوں طلاق دی۔پنچایتی یہ بات بغیر پوچھے چلے گئے۔

(۴) چوتھا گواہ پیر علی۔قمر الدین نے اپنے بھائی کو بلانے کے واسطے بھیجا۔میں نے ان کے

بھائی سے پوچھا۔ کیوں بلاتے ہو۔ اس نے کہا کہ میرے بھائی اپنی بی بی کو طلاق دیں گے اس لئے بلایا ہے۔ میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ صالح محمود اور توکی محمد و شنجو محمود و ضمیر الدین و مہر سب لوگ پان تمباکو کھا رہے ہیں۔ اس کے بعد صالح محمود نے کہا۔ قمر الدین کیوں ہم لوگوں کو بلایا ہے۔ اس وقت قمر الدین پس و پیش کرنے لگے۔ مہر نے کہا قمر الدین اپنی بی بی کو چھوڑ دیں گے اس لئے بلایا ہے۔ توکی محمود نے سکھلا دیا۔ ایک طلاق، دو طلاق تین طلاق۔ قمر الدین ساتھ ساتھ اسی طرح کہا۔

(۵) پانچواں گواہ مہر محمد۔ قمر الدین نے میرے گھر میں جا کر کہا میری شادی ہے۔ میری پہلی بیوی کو طلاق دینا چاہیئے۔ ذرا میرے گھر میں چلو۔ بعد میں ہم نے آکر دیکھا۔ دانش مفیظ دو آدمی بابر علی پوچھا۔ قمر الدین کیوں بلایا۔ میں نے کہا اس کی بیوی کو طلاق دے گا۔ قمر الدین نے کہا میری بی بی کو طلاق دیوے گا۔ قمر الدین نے کہا کس طرح سے طلاق دیتا ہے میں نہیں جانتا ہوں۔ توکی نے کہا۔ ایک طلاق۔ دو طلاق۔ تین طلاق بائن۔ قمر الدین ساتھ ساتھ اسی کو کہا۔

(۶) چھٹا گواہ۔ شنجو محمد۔ قمر الدین اس کی بی بی کو طلاق نہ دینے سے میری لڑکی کو نہیں دینگے۔ قمر الدین نے کہا میری بی بی کو طلاق دیں گے۔ اسی بات پر چند آدمیوں کو بلا کر ان کے سامنے اپنی بی بی کو طلاق دیا۔ صلحا۔ توکی۔ دانش۔ مفیظ۔ بابر علی۔ مہر۔ شہر۔ منا محمود وغیرہم۔ نے کہا قمر الدین ہم لوگوں کو کیوں بلاتے ہو۔ مہر نے کہا قمر الدین اس کی بی بی کو چھوڑ دیں گے۔ قمر الدین نے کہا طلاق کس طرح دینا ہوتا ہے ہم نہیں جانتے۔ توکی نے سکھلایا۔ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن اسی طرح ساتھ ساتھ قمر الدین نے بھی ویسا ہی تین دفعہ کہا۔ پنچایتی یہ پوچھے بغیر کہ کس کو طلاق دیا۔ چلے گئے۔

(۷) ساتواں گواہ منا محمد۔ صلحا وغیرہ وہاں پر تھے۔ قمر الدین نے کہا کہ میری بی کو طلاق دیں گے۔ میرے مکان کی طرف چلو۔ صلحا نے پوچھا قمر الدین کیوں بلاتے ہو۔ مہر نے کہا کہ قمر الدین اس کی بی بی کو چھوڑ دیں گے۔ توکی نے الفاظ طلاق سکھلا دیا۔ یعنی ایک طلاق۔ دو طلاق تین طلاق بائن۔

(۸) آٹھواں گواہ بائیو ماموند نے قمر الدین سے پوچھا کہ تیری پہلی بی بی کو طلاق دیا ہے یا نہیں۔ قمر الدین بولا۔ میں نے میری پہلی بیوی کو طلاق دیا اس محفل کی بہت آدمی اس کے شاہد ہیں۔ کہ

قمر الدین نے اپنی پہلی بی بی کو طلاق دیا۔ المستفتی ۲۵۶۹ محمد نور الحسن صاحب۔ عالم نگر۔ رنگپور
۲۵ محرم ۱۳۵۸ھ م ۵ مارچ ۱۹۴۰ء

جواب ۔ (از قاضی عبد الجبار صاحب ربانی۔کوڑیگرام) مذکورہ صورت میں قمر الدین کی بی بی پر طلاق واقع نہیں ہوتی بوجہ نہ پائی جانے اضافت کے کیونکہ ہر گواہ نے اپنی گواہی میں کہا کہ قمر الدین طلاق دینے کے وقت نہ اپنی بی بی کا نام لیا اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا۔ اگرچہ دو ایک گواہوں سے معلوم ہوا کہ وہ طلاق دینے کے قبل اپنی بی بی کا ذکر کیا تھا اور قمر الدین بھی دوسری شادی کرنے کی وجہ سے طلاق کے الفاظ کہنے کو مجبوراً اقرار کیا ورنہ اس کی گواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق دینے کی نیت نہ تھی اور مجبوری کی حالت میں نیت رہنا بھی غیر مظنون ہے۔ ھکذا کتب فی قاضی خاں والعالمگیریۃ و ردالمحتار۔ واللہ اعلم۔ الراقم قاضی عبد الجبار ربانی۔کوڑی گرام

جواب ۔ (از مولوی عبد العزیز صاحب جونپوری) چونکہ سوال میں طلاق صریح ہے اس لئے قضاءً نیت کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا۔ خصوصاً مذاکرۂ طلاق کے وقت تو کنایۃً بھی بغیر نیت واقع ہو جاتی ہے۔ چہ جائیکہ صریح۔ اور بحر الرائق صـ۲۷۴ میں ہے۔ لو قالت المرأۃ انا طالق فقال الزوج نعم کانت طالقا۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ سوال کے جواب میں اضافت کیا لفظ طلاق کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب قمر الدین کا یہ بیان ہے کہ اپنی پہلی بی بی کو جب تک میں طلاق نہ دوں میرے ماموں شرکت نہیں کریں گے اور مجھے شادی کرنی ہے۔ اور اس طلاق کے لئے محفل بھی منعقد کی گئی اور قمر الدین نے طلاق دینے کا طریقہ سیکھنا چاہا اور سکھلایا گیا تو یقیناً یہ کہنا پڑے گا کہ قمر الدین نے اپنے ماموں کا مطالبہ پورا کیا۔

لہذا قرینہ حالیہ و مقالیہ دونوں سے اضافت پائی گئی۔ گو کہ الفاظ طلاق کے ساتھ اضافت متصل نہیں۔ پس ایسی صورت میں قضاءً یہ حکم دینا پڑتا ہے کہ قمر الدین کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی اور بغیر تحلیل رجوع نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم حررہ ناچیز عبد العزیز صدر مدرس مدرسہ کرامتیہ ملاٹولہ (جون پور)

(۴۴) **جواب** ۔ (از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ) ھو الموفق ۔ اگرچہ طلاق صریح ہے مگر اضافت

صریحہ نہیں۔ اور تمام شہادتوں سے باستثنا شہادت نمبر ۸ صراحۃً ثابت ہے کہ قمر الدین نے طلاق کا تلفظ سیکھنے کی غرض سے کیا ہے۔ نیت ایقاع و انشا کا ثبوت و قرینہ نہیں ہے۔ مجلس میں سوال طلاق بھی نہیں ہے۔ ایک شخص کا یہ کہنا ہے کہ قمر الدین نے اپنی بی بی کو طلاق دینے کے لئے یہ مجمع کیا ہے۔ شہادت نمبر ۸ سے اتنا ثابت ہے کہ قمر الدین نے اقرار طلاق دینے کا کیا ہے۔

پس زیادہ سے زیادہ اقرار طلاق سے ایک طلاق کا حکم دیا جا سکتا ہے۔

مجلس میں جو لفظ طلاق بغرض تعلیم مذکور ہے۔ اس میں اس کا قول کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دینے کی نیت نہیں کی تھی معتبر و مقبول ہونا چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۴ء)

بحالتِ غصہ زید نے اپنی عورت کو تین مرتبہ یہ الفاظ کہے طلقتُ طلقتُ طلقتُ۔ یہ الفاظ عورت کے کہنے پر جبکہ کسی بات پر جھگڑا تھا کہہ دیئے تھے۔ یہ واقعہ اگست ۱۹۳۳ء کا ہے۔ غصہ فرو ہو جانے کے بعد عورت زید سے دریافت کرتی ہے کہ کیا نتیجہ ہوگا ان الفاظ کا؟ تو زید نے جواب دیا کہ ہم نے لفظ طلاق شیطان کے لئے استعمال کیے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ طلاق عورت کے کہنے پر دی گئی اور شیطان کا لفظ بعد میں بڑھا دیا۔ کیا حکم ہے؟ دوبارہ پھر ۲۵ جون ۱۹۳۴ء کو عورت نے شوہر کو کوسا اور طلاق مانگی۔ زید نے اپنی عورت کا نام لے کر کہا کہ میں نے طلاق دی۔ دوسری اور تیسری دفعہ بغیر نام لیے کہا کہ میں نے طلاق دی طلاق دی۔

(۴۵) **جواب** ۔ طلاق مغلظ تو پہلے ہی واقعہ میں ہو چکی۔ اگرچہ الفاظ میں صراحۃً عورت کی نسبت نہیں ہے۔ یعنی اس نے طلقت کہا ہے طلقتک نہیں کہا۔ لیکن سوال میں مذکور ہے کہ عورت کے طلاق مانگنے پر یہ الفاظ کہے گئے۔ اس لئے قرینۂ حالیہ ثبوتِ اضافت کے لئے کافی ہے۔ قاضی شرع اس کے کہنے کو کہ میں نے شیطان کو طلاق دی تسلیم نہیں کرے گا۔ تاہم اگر فی الحقیقت اس نے شیطان کو دل میں مراد لے کر طلاق کے الفاظ کا تلفظ کیا تھا تو عند اللہ جائز تھا کہ وہ عورت کو بدستور بیوی سمجھے۔ دوسرے واقعہ میں بھی اضافتِ صریحہ موجود نہیں۔ اس میں بھی قضاءً تین طلاقیں ثابت ہوں گی اور اگر خاوند عورت کو طلاق دینے کا انکار نہ کرے اور کوئی مطلب نہ بتائے تو طلاق مغلظ ہے اور رجعت

کاحق نہیں رہا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۳۶ء)

زید اور ہندہ سے جھگڑا ہوا۔ ہندہ نے زید کو طعنہ دیا۔ میری ہی بدولت ساس سسر والا ہوا جوروالا ہوا۔ دو بچوں والا ہوا۔ زید نے حالتِ غصہ میں ہندہ سے اپنی بیوی کی غیر موجودگی میں کہا۔ تیری ہی بدولت ہوا ہے تو لے طلاق طلاق طلاق طلاق طلاق ایک ہی سانس میں آٹھ دس مرتبہ طلاق طلاق کہہ دیا۔ اور خود ہی اکثر لوگوں سے تذکرہ بھی کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدیا۔

(۴۶) **جواب**۔ اس گفتگو سے جو زید اور ہندہ کے درمیان ہوئی زید کی بیوی پر طلاق نہیں ہوئی کیونکہ اس میں بیوی کا نام اور کوئی قرینہ اس کے لئے نہیں ہے۔ ہاں زید نے لوگوں کے سامنے جب اقرار کیا کہ میں نے بیوی کو طلاق دیدی ہے تو اس اقرار سے وہ قضاءً ماخوذ ہوگا اور اس کی بیوی پر وقوعِ طلاق کا حکم دیا جائے گا۔ اگر طلاق کی کوئی صفت (مثلاً بائن یا مغلظہ) اس نے اقرار میں ذکر نہیں کی ہو تو طلاق رجعی کا حکم ہوگا اور عدت کے اندر رجوع کر سکے گا۔ اور عدت کے بعد تجدیدِ نکاح کا حق ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل ششم

کتابتِ طلاق

سوال

ایک شخص کا نکاح عرصہ آٹھ سال کا ہوا ایک لڑکی کے ساتھ ہوا تھا جس کی عمر اب ۲۲ سال کی ہے۔ اس کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس لڑکی کے پھوپھا نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی غرض سے اس کے شوہر سے طلاق چاہی۔ اس نے طلاق دینے سے انکار کیا۔ پس پھوپھا نے اپنا سر پھوڑ کر عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا اور ایک دوسرے شخص کو کچھ روپیہ دے کر اس سے بھی ایک مقدمہ دائر کرا دیا۔ عدالت میں پیشی ہوئی اور مچلکے لے لیے گئے اور بظاہر کوئی صورت سوائے سزا یابی کے نظر نہ آئی تو چند لوگوں نے ہر دو فریقین کو بلایا اور آپس میں صلح کی تحریک کی۔ لیکن ان

لوگوں نے سوائے اس کے اور کوئی جواب نہیں دیا کہ لڑکی کا شوہر لڑکی کو طلاق دیدے تو ہم صلحنامہ داخلِ عدالت کردیں۔ ثالث حضرات نے کاتب کو بلا کر اسٹامپ ہردو کے نام سے خریدا اور کاتب سے طلاق نامہ لکھوایا۔ معلوم نہیں کہ اس کا کیا مضمون ہے۔ اس لڑکی کا شوہر ایک جگہ بیٹھا ہوا رو رہا تھا کہ کاتب نے اٹھ کر اس کے انگوٹھے میں سیاہی لگا کر نشان لے لیا۔ اس نے طلاق وغیرہ کا کوئی لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالا۔ تو یہ طلاق شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

(۴۷) **جواب** - کوئی دوسرا شخص اگر کسی کی منکوحہ کا طلاق نامہ لکھے تو شوہر کو مضمون کا علم اور اقرار طلاقنامہ کہ یہ میرا ہی ہے ایقاع طلاق کے لئے ضروری ہے۔ صورتِ مسئولہ میں شوہر کو معلوم نہیں کہ اس کاغذ میں کیا لکھا گیا ہے اور نہ وہ اقرار ہی کرتا ہے۔ لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی۔ یہ لڑکی بدستور اس کی زوجہ ہے۔ ولو استکتب من آخر کتابا بطلاقها وقرأه علی الزوج فاخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به الیها فاتاها وقع ان اقر الزوج وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقرانه کتابه۔ اھ ملخصا (رد المحتار مختصرا)

سوال

ایک شخص کی بیوی کے ورثا نے ایک کاغذ پر اس شخص سے ناجائز دباؤ ڈال کر دستخط لیے ہیں جس میں طلاق کے الفاظ تھے آیا شرعاً یہ طلاق باطل ہے یا نہیں؟

(۴۸) **جواب** - ناجائز دباؤ سے مراد اگر یہ ہے کہ اس کو مارنے یا بند رکھنے کی دھمکی دی تھی اور دھمکی دینے والے اس پر قادر بھی تھے تو اس کے دستخط کردینے سے طلاق نہیں ہوئی بشرطیکہ اس کے ذہن میں یہ بات آگئی ہو کہ اگر میں نے دستخط نہیں کیے تو یہ مجھے ضرور ماریں گے یا بند کریں گے لیکن اگر یہ حالت نہ تھی اور پھر بھی اس نے دستخط کردیئے تو اگر یہ دستخط کرنے کا اقرار کرتا ہو کہ باوجود اس علم کے کہ اس میں طلاق لکھی ہوئی ہے پھر بھی میں نے دستخط کیے ہیں تو طلاق واقع ہو جائیگی۔ ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدا او مکرها فان طلاقه صحیح (درمختار مختصرا) وفی البحران المراد الاکراه علی التلفظ بالطلاق فلو اکره علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ههنا۔ کذا فی الخانیة (ردالمحتار) واللہ اعلم

سوال

ایک شخص بوجہ ناموافقت اپنی زوجہ کے مفقود ہوگیا ہے۔ مفقود الخبر ہونے کے کچھ دنوں بعد اس نے ایک طلاقنامہ گجراتی زبان میں جس کا ترجمہ ذیل میں لکھا جاتا ہے نفافہ میں بند کرکے بھیجدیا۔
نقل طلاقنامہ - بائی رفان بائی بنت عمر بھائی عرف جھانکہ والا۔ تحریر کنندہ عبدالکریم ولد عثمان بھائی جھانکہ والا بعد سلام۔ میں کہتا ہوں کہ تم کو میں طلاق دیتا ہوں۔ تو آج سے ہماری بہن برابر ہے۔ تم کو اور مجھ کو بھائی بہن کا علاقہ ہے اور تمہارے ہمارے درمیان کچھ ذرہ برابر علاقہ نہیں رہا۔ تم کو طلاق دیتا ہوں۔ طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے۔ تاریخ ۶ رشوال۔ دستخط بقلم خود۔ تمہارے مہر کا روپیہ مبلغ پچالیس روپے (للعہ) حسب رواج ہے۔ سو میری ملکیت سے دیں گے۔ باقی ہماری ملکیت سے تم کو دخل دینا نہ چاہیئے۔ یہ مضمون تھا جو عرض کیا گیا۔

(۴۹) **جواب**۔ اس صورت میں اگر زوجہ کو اس امر کا یقین یا گمان غالب ہو جائے کہ یہ خط میرے خاوند کا ہی لکھا ہوا ہے تو دیانۃً اسے عدت گزار کر دوسرا نکاح کرنا جائز ہے۔ اس دوسرے نکاح کے جائز ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شرعاً اس خط سے طلاق ثابت ہو گئی بلکہ اس کا اثر صرف اس قدر ہے کہ عورت کو (جبکہ اسے یقین یا گمان غالب وقوع طلاق کا ہو گیا ہے) دوسرا نکاح کرنے سے روکا نہیں جائے گا اور وہ شرعاً گناہگار نہ ہوگی۔ صرحوا بان لھا التزوج اذا اتاھا کتاب منہ بطلاقھا ولو علی ید غیر ثقۃ ان غلب علی ظنھا انہ حق وظاھر الاطلاق جوازہ فی القضاء حتی لو علم القاضی یترکھا الخ (ردالمحتار)

سوال

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تحریری طلاق دی۔ تحریر پر دو آدمیوں کی گواہی ہے مگر ان گواہوں کی حالت یہ ہے کہ پہلا سود خوار اور یہاں کا وطن دار نہیں ہے کچھ عرصے سے یہاں پر رہنے آگیا ہے اور فی الحال تو یہیں رہتا ہے۔ دوسرا گواہ افیون کھانے والا اور مدک کا پینے والا ہے۔ اور یہ دونوں گواہ جھوٹے اور ناقابلِ اعتماد ہیں۔ المستفتی نمبر ۱۱۸ بسم اللہ خاں۔ ضلع مغربی خاندیس
۲۸ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۳ء

(۵۰) **جواب**۔ اگر خاوند نے فی الواقع طلاق دی ہے اور وہ طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے تو محض اس

وجہ سے کہ چونکہ گواہ ناقابلِ شہادت ہیں۔ طلاق غیر مؤثر اور ناقابلِ اعتبار نہیں ہو سکتی بلکہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر خاوند منکر ہے اور اس کے طلاق دینے کا اور کوئی ثبوت سوائے ان گواہوں کے بیان کے نہیں ہے تو ایسے گواہوں کی گواہی سے طلاق ثابت نہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے اپنی لڑکی مسمّاۃ ہندہ کی شادی بکر کے ساتھ کر دی۔ کچھ عرصہ کے بعد فریقین میں سخت نزاع واقع ہو گئی۔ بکر نے رخصت کرانے کا دعویٰ عدالتِ مجازہ میں کر دیا۔ سرکاری حکم کے موافق ہندہ دو سپاہیوں کے ذریعہ رخصت ہو کر بکر کے ہمراہ کر دی گئی۔ جب بکر رخصت کرا کر لے چلا تو بیچ راستہ سڑک پر ہندہ بیٹھ گئی اور اپنے شوہر کے ساتھ جانے سے انکاری ہو گئی۔ بکر نیز اس بستی کے بہت سے لوگوں نے سمجھایا مگر ہندہ جانے پر راضی نہ ہوئی اور بھاگ کر ایک ٹھاکر رام سنگھ کے مکان میں گھس گئی۔ ٹھاکر مذکور نے قانون کا خیال کرتے ہوئے ہندہ کو اپنے گھر سے باہر کر دیا۔ اور سختی سے سمجھاتے ہوئے یہاں تک کہا کہ اگر تو اپنے شوہر کے ہمراہ نہ جائے گی تو میں تجھے چار آدمیوں سے بندھوا کر بھیجوں گا۔ مگر کچھ خیال نہ کرتے ہوئے ہندہ سڑک پر ہی بیٹھی رہی اور کہنے لگی بکر نے مجھے ہزاروں قسم کی بے جا تہمتیں لگائی ہیں اس لئے میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ شوہر (بکر) نے بہتیرا سمجھایا مگر وہ کسی طرح نہ مانی۔ مجبوراً بکر ٹھاکر مذکور کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرا زیور ہندہ سے دلایا جائے میں اس کو خود نہ رکھوں گا طلاق دیتا ہوں۔ آپ طلاق نامہ لکھ دیجئے میں انگوٹھے کا نشان بنا دوں گا۔ ٹھاکر نے اس کو بھی بہت کچھ سمجھایا لیکن بکر طلاق نامہ لکھوانے سے باز نہ آیا۔ ٹھاکر نے دو مسلمان گواہوں اور کئی سو ہندو گواہوں کے روبرو جو اس وقت اتفاقیہ پہنچ گئے تھے طلاق نامہ لکھ دیا جس پر بکر نے اپنے انگوٹھے کا نشان بنا کر گواہوں سے جو موقع پر موجود تھے کہا کہ تم لوگ دستخط بنا دو۔ لہٰذا گواہوں نے دستخط بنا دیئے۔ طلاقنامہ حسب ذیل ہے:۔

مینکہ چنو باوا ولد فیروز ساکن موضع کھیرا اسٹیٹ میہر حال مقیم جھتاری جو کہ رخصت کرانے کی ڈگری میں نے عدالت سے اصرار کرا کر بذریعہ پنجاب خاں چپڑاسی بسمی کنگی کے یہاں سے رخصت کرا پایا مگر مسماۃ مذکور میرے ہمراہ جانے اور میری زوجیت میں رہنے سے قطعی انکاری ہے چند بھلے آدمیوں کے سمجھانے پر بھی انکار سے باز نہیں آتی۔ ایسی حالت میں اپنی راضی خوشی و بہ درستگی

ہوش و حواس طلاق دے دینا ٹھیک سمجھتا ہوں اس لئے جو میرے زیورات مسماۃ رجی کے جسم پر تھے واپس لے کر تین طلاق دے دیا اور جو روپیہ مطالبہ ڈگری کا ۱۲ روپے ۱۳ آنے کنگی والد رجی مدعاعلیہ کے تھا وہ رقم روبرو گواہان حاشیہ ٹھاکر رام سنگھ ساکن موضع پونڑی کے ہاتھ سے وصول پالیا اس لئے رسید لکھ دیا کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آوے۔ طلاق لکھنے کے کچھ دن بعد بکر کو نہ جانے کیا خیال پیدا ہوا یا واللہ اعلم کسی نے اس کو بہکایا۔ لہٰذا طلاق نامہ لکھنے کے کچھ ہی دن بعد طلاق نامہ لکھنے اور دینے سے انکاری ہے۔ اور پھر اپنی مطلقہ کو رخصت کرانے کی کوشش کر رہا ہے اور ٹھاکر مذکور کے پاس پہنچ کر کچھ لالچ دے کر کہا کہ طلاقنامہ کو چاک کر ڈالو۔ میری برادری کے اکثر لوگ اس طلاق کے خلاف ہیں مگر طلاقنامہ ہندہ کے والد کے پاس پہنچ چکا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ شوہر طلاق دے چکا اور طلاق نامہ لکھ چکا بکر کا انکار کچھ کارآمد ہو سکتا ہے یا طلاق شرعاً مان لی جائیگی؟ المستفتی نمبر ۱۹۹۹ شیخ کنگی منہون (انوپ پور)

۴ رمضان ۱۳۵۶ھ ۹ نومبر ۱۹۳۷ء

(۵۱) **جواب** - اگر زید نے طلاق دیدی ہے اور طلاق نامہ لکھ دیا تھا تو طلاق ہو چکی ہے اور زید کو اب اس بیوی کو رکھنا حرام ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص لال حسین نے اپنی منکوحہ کو طلاق نامہ لکھوا کر دیا اور کاتب نے جو غیر مسلم تھا پڑھکر سُنایا تو اس نے طلاق نامہ کی زبان سے تردید کی اور کہا کہ میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں نہیں دیں بلکہ میں شرعی طلاق دینا چاہتا ہوں۔ حاضرین نے اس کو نصیحت کی کہ تم کسی قسم کی طلاق نہ دو۔ لیکن وہ کسی طرح نہ مانا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اسی طلاق نامہ پر دستخط کر دئیے، جس کے مضمون کی اس نے زبان سے تردید کی تھی۔ اور اپنے ہاتھ سے دستخط کرنے کے بعد وہی اسٹامپ طلاقنامہ عورت کے حوالے کر دیا۔ کچھ دنوں بعد اب وہ عورت کو اپنے گھر واپس لے آیا ہے حالانکہ طلاقنامہ جس میں تین طلاقیں مندرج تھیں اور وہ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اچھی طرح سب مضمون طلاق جانتا تھا لہٰذا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کے تردیدی زبانی قول کے اوپر اعتبار کر کے طلاقِ رجعی قرار دی جائے گی یا اس کے بعد کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دستخط پر اعتبار کیا جائے گا جو اس

نے بطور تصدیق لکھ کر وہی طلاق نامہ عورت کے سپرد کیا۔

المستفتی نمبر ۲۲۸۶ مولوی محمد زماں خاں صاحب (بلوچستان) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ

م ۵ جون ۱۹۳۸ء

(۵۲) **جواب** ۔ اگر یہ شخص تعلیم یافتہ ہے اور اس نے زبان سے تردید کرنے کے بعد پھر اسی طلاقنامہ پر جس میں تین طلاقیں لکھی ہوئی تھیں اپنی خوشی سے دستخط کر دیئے اور طلاقنامہ عورت کو دیدیا تو اس کی عورت پر طلاقنامہ میں لکھی ہوئی طلاقیں پڑ گئیں اور وہ زبانی بیان اور رد تردید جو دستخط سے پہلے کی تھی بیکار ہو گئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید اور ہندہ زوجین ہیں۔ ان میں باہمی کچھ نزاع ہوا۔ وقتِ نزاع ہندہ نے زید سے کہا کہ تم مجھے طلاق دے دو۔ زید نے ہندہ سے کہا کہ اگر تو اپنا مہر معاف کر دے تو میں تجھ کو طلاق دے دوں۔ اس کے جواب میں ہندہ نے کہا کہ میں اپنا مہر تو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ یہ سُن کر زید وہاں سے خاموش چلا گیا۔ اور اس تذکرہ کو انھیں شرطیہ الفاظ کے ساتھ اپنے باپ سے آ کر کہا۔ اس کے کئی دن بعد زید کی عدم موجودگی میں اس کے باپ نے ایک منشی سے طلاق نامہ لکھوایا۔ منشی نے زید کی جانب سے اس مضمون کا طلاقنامہ لکھا کہ میں نے اپنی زوجہ فلاں کو طلاق مغلظہ دی اور معافی مہر طلاقنامہ میں نہیں لکھی اور دو فرضی گواہوں کے نام بھی اُس طلاقنامہ پر لکھ دیئے۔ دونوں گواہ باوجود عادل نہ ہونے کے انکاری بھی ہیں۔ بعدہٗ زید کو بُلوا کر کہا گیا کہ تمہاری زوجہ طلاقنامہ طلب کرتی ہیں اس لئے یہ طلاقنامہ لکھ دیا گیا ہے تم اس پر اپنے دستخط کر دو۔ چونکہ زید سوائے اپنے دستخط کرنے کے اور کچھ بھی پڑھنا لکھنا نہیں جانتا اس لئے اس نے اس منشی سے دریافت کیا کہ اس طلاقنامہ میں وہ شرط معافی مہر کی بھی لکھی ہے یا نہیں تو منشی نے کہا کہ ہاں لکھی ہے اور طلاقنامہ زید کو پڑھ کر سُنا کر کہا کہ طلاقِ مغلظہ معافی مہر کی شرطیہ طلاق ہی کو کہتے ہیں۔ منشی کے یقین دلانے سے زید نے اس طلاقنامہ پر دستخط اپنے کر دیئے اس کے بعد زید کا باپ زید کو مع اس طلاقنامہ کے حاکمِ مجاز کے پاس لے گیا حاکمِ مجاز کے سامنے زید نے اس طلاقنامہ کو سُن کر اس کی تصدیق کی۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید جو مطلق جاہل اور بالکل ناخواندہ شخص ہے لفظ مغلظہ کے

معنی ہرگز نہیں جانتا اور نہ اس کو بوقت دستخط اور تصدیق کے لفظ مغلظہ کے معنی اصلی سمجھائے گئے بلکہ وہ لفظ مغلظہ سے وہی شرط معافی مہر مندرجہ بالا ہی سمجھا جیسا کہ بوقت دستخط کرانے کے اسکونشی نے سمجھا دیئے تھے تو اس صورت میں زید کی جانب سے اس کی زوجہ ہندہ پر کوئی طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو ایک طلاق ہوئی یا تین طلاق جو حکم بموجب مسئلہ شرعیہ ہو اس سے مطلع فرمایا جائے۔ اجر ہوگا۔ المستفتی نمبر ۲۳۵۳ عبدالقدوس صاحب۔ ٹونک (راجپوتانہ)

۴ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۲ جولائی ۱۹۳۸ء

(۵۳) **جواب** ۔ جبکہ زید ناخواندہ ہے۔ خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تو اس کی طرف سے طلاق بالکتابت اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جبکہ اس کو لکھا ہوا مضمون صحیح طور پر سنا دیا اور سمجھا دیا گیا ہو اور جب اس کو طلاق نامہ سنایا گیا اور اس نے دریافت کیا کہ اس میں معافی مہر کی شرط بھی درج ہے تو اس کو غلط بتا دیا گیا کہ ہاں درج ہے اور بتا یا گیا کہ مغلظہ کے معنی یہی ہیں کہ طلاق بعوض معافی مہر کے ہو۔ اور یہ سن کر اس نے دستخط کیے تو اس کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں پڑی۔ کیونکہ یہ طلاقنامہ در حقیقت وہ طلاقنامہ نہیں ہے جس پر اس نے دستخط کیے تھے۔ اس نے تو طلاق بعوض معافی مہر پر دستخط کیے ہیں اور طلاق نامہ بعوض معافی مہر کے نہیں ہے لہذا دستخط غیر معتبر ہیں۔ دستخط تو جدا رہے اگر کوئی شخص ایسی عربی فارسی عبارت کا تلفظ بھی کر دے جس کے معنی نہ جانتا ہو تو اس تلفظ سے بھی طلاق نہیں پڑتی یعنی دیانۃً فی ما بینہ و بین اللہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کما لو قالت لزوجھا اقرأ علی اعتدی انت طالق ثلاثا ففعل طلقت ثلاثا فی القضاء لا فی ما بینہ و بین اللہ اذا لم یعلم الزوج ولم ینو بحر عن الخلاصہ (شامی) اور رجسٹری کرا دینے سے بھی دیانۃً طلاق نہیں پڑی۔ ظن انہ وقع الثلاث علی امرأتہ بافتاء من لم یکن اھلا للفتوی وکلف الحاکم کتابتھا فی الصک فکتب ثم استفتی ممن ھو اھل للفتوی فافتی بانہ لا تقع والتطلیقات الثلاث مکتوبۃ فی الصک بالظن فلہ ان یعود الیھا دیانۃ ولکن لا یصدق فی الحکم اھ (شامی) یہاں صورت یہ ہے کہ اس نے اپنے خیال میں ایسے کاغذ پر دستخط اور ایسے کاغذ کی بوقتِ رجسٹری تصدیق کی ہے جس میں طلاق بعوض معافی مہر لکھی ہے۔ پس ان دستخطوں اور اس تصدیق سے وہ طلاق واقع نہیں ہو سکتی ہے جو ایسی نہ ہو۔ طلاق میں جد اور ہزل مساوی ہیں مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ خواہ معنی الفاظ سے واقف ہو،

یا نہ ہو طلاق پڑجاتی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ کے معنی تو جانتا ہو مگر طلاق دینے کا ارادہ نہ ہو محض مذاق اور ٹھٹول کے طور پر تلفظ کرے تو طلاق پڑجاتی ہے اور مغلظہ کے معنی نہ جاننا کوئی مستبعد نہیں ہزاروں آدمی ایسے ہیں کہ وہ لفظ مغلظہ کے معنی نہیں جانتے تو ان پر اس لفظ کے تلفظ سے طلاق واقع ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا چہ جائیکہ کتابت پر دستخط کردینا کہ یہ صورت تلفظ سے کمزور ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

بیوی کے چند رشتہ داروں نے جبریہ خاوند سے یہ لکھوالیا کہ مسماۃ فلاں بنت فلاں زوجہ اپنی کو اپنی لڑکی لے کر تین طلاقیں دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے خارج کردیا۔ فقط دستخط خاوند فلاں۔ مورخہ ۲ راگست ۱۹۳۸ء

(نوٹ) لڑکی خاوند کو نہیں دی اور عورت کو تین ماہ کا حمل ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں۔ خاوند سے مذکورہ بالا تحریر جبریہ لکھوائی گئی اور خاوند نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا۔　المستفتی ۲۳۹۱ اکرام اللہ خاں (نیو دہلی) ۱۰ رجمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۸ راگست ۱۹۳۸ء

(۵۴) **جواب** - اگر تحریر مذکور جبراً لکھوائی گئی ہے اور زبان سے طلاق نہیں دی گئی تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ تحریری طلاق اس وقت پڑتی ہے کہ خاوند اپنی مرضی سے تحریر لکھ کردے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

فصل ہفتم

انشاء واخبار

سوال

ہندہ زید کے نکاح میں دس سال سے ہے۔ عرصہ ایک ماہ کا ہوا کہ ہندہ اپنے میکے سے پانچ آدمیوں کو اور زید کے قریب کے موضع سے چار آدمیوں کو لے کر زید کے مکان پر آئی اور ان سب لوگوں کے سامنے ہندہ نے یہ کہا کہ زید نامرد ہے مجھ کو طلاق دلوا دیجئے۔ لوگوں نے زید سے دریافت کیا کہ تو نامرد ہے؟ زید نے کہا کہ میں نامرد نہیں ہوں بلکہ ہندہ مجھ کو قریب نہیں جانے دیتی۔ تب لوگوں نے کہا

کہ اچھا بھائی تو چند روز اور رہ - ہم لوگ تجربہ کریں۔ ہندہ نے کہا کہ میں ایک ساعت نہیں رہ سکتی ہوں تب لوگوں نے زید کو ڈانٹا اور کہا کہ جب وہ نہیں رہے گی تو کیوں پریشان ہوتا ہے طلاق دے دے۔ زید خاموش ہو گیا۔ آخر ایک آدمی اُٹھا اور کہا کہ تو کہہ کہ ہم نے فلاں کی لڑکی کو طلاق دی۔ زید نے بوجہ دہشت کے مجبور ہو کر کہا۔ ہم نے قبول کیا ہمارے خدا نے قبول کیا۔ لفظ طلاق وغیرہ زبان پر کچھ نہیں لایا۔ تب حاضرین نے کہا کہ ایسا طریقہ طلاق دینے کا نہیں ہے۔ بلکہ قصبہ بادشاہ پور قریب ہے بازار کے روز اہلِ برادری موجود ہوں گے اور عالم لوگ بھی وہاں موجود ہیں وہ لوگ جس طریقہ سے کہیں گے اس طریقہ سے طلاق دی جائے گی۔ آخر کار تاریخ مقرر کی گئی۔ لیکن تاریخ مقررہ پر نہ ہندہ حاضر ہوئی نہ زید۔ اس کے بعد زید دو مرتبہ ہندہ کو لینے گیا مگر ہندہ اور وارثانِ ہندہ یہی کہتے ہیں کہ ہندہ کو طلاق ہو گئی اور زید یہ کہتا ہے کہ نہ میں نے طلاق دی اور نہ دوں گا۔ لہٰذا فرمایئے کہ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

(۵۵) **جواب** - صورتِ مسئولہ میں اجنبی شخص کے اس کہنے پر کہ تو کہہ کہ فلاں کی بیٹی کو ہم نے طلاق دی۔ زید کا یہ کہنا کہ ہم نے قبول کیا ہمارے خدا نے قبول کیا۔ موجب وقوع طلاق نہیں۔ کیونکہ اجنبی شخص نے زید کی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے کہ زید کی اجازت سے وہ صحیح ہو جاتی۔ بلکہ زید کو انشائے طلاق کا حکم کیا ہے۔ زید کا یہ کہنا کہ ہم نے قبول کیا انشائے طلاق نہیں ہے بلکہ وعدۂ امتثالِ امر ہے۔ پھر اگر اس نے طلاق دی ہوتی تو پڑتی اور نہیں دی تو صرف وعدہ خلافی ہوئی۔ وقوع طلاق کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

سوال

منکہ شفیق احمد خلف منشی علی احمد قوم قریشی ساکن مراد آباد محلہ مقبرہ حصہ دوئم مکان کا ہوں جو کہ دعوکا دے کر عقد نکاح و وداع ساتھ مسماۃ نجیب النساء بنت ممتاز حسین قوم شیخ ساکن بریلی محلہ گندہ نالہ حال مراد آباد محلہ کہنہ مغلپورہ علیحدہ شدہ ریلوے مراد آباد سے جس کے مرض کنٹھ مالا ہوتا رہتا ہے رخصتی سے پیشتر بذریعہ ادل بدل کر دوسری لڑکی کو دکھلا کر کنٹھ مالا والی کو رخصت کیا۔ عرصہ تقریباً چھ ماہ ہوا طلاق شرعی بالمواجہہ نجیب النساء حسب شرع و حسب خواہش مسماۃ بوجہ نا اتفاقی باہمی وجوہات مندرجۂ بالا مسماۃ مذکورہ کو طلاق دیدی اور ادا کر دیا تین مرتبہ کہ جا میں نے طلاق دیدی تجھ کو۔ اب کوئی

تعلق میرا کسی قسم کا نہ رہا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ لہٰذا قانوناً اب بحالت صحتِ نفس و ثباتِ عقل زدرستی حواسِ خمسہ بخوشی خاطر طلاق نامہ لکھ دیا کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے فقط

زید کے والد نے زید سے اس مضمون کا کاغذ لکھوایا جس کی نقل اوپر درج ہے۔ زید نے باوجودیکہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا۔ محض والد کے ڈر سے یہ کاغذ لکھ دیا۔ والد اس کو محکمہ رجسٹری میں لے گئے اور رجسٹرار کے سامنے اس کے ہاتھ سے پیش کرایا۔ رجسٹرار نے زید سے پوچھا کہ تم نے طلاق دیدی ہے تو زید نے کہا کہ ہاں دے ہی دی ہے۔ دوبارہ دریافت پر جواب مذکور دیا۔ بوجہ سماعت میں نہ آنے کے رجسٹرار کے واقعہ یہ ہے کہ کاغذ میں جو لکھا گیا ہے کہ عرصہ تقریباً چھ ماہ کا ہوا طلاقِ شرعی تا لفظ نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ نہ اس کے قبل کوئی طلاق دی گئی تھی۔ اور نہ اس کاغذ کے سوا کوئی اور طلاق نامہ لکھا گیا۔ بس یہی مضمون جس کی نقل اوپر درج ہے لکھا گیا اور اسی کی رجسٹری کرائی گئی۔ اور صرف وہ لفظ جو رجسٹرار کے جواب میں کہے گئے زبان سے ادا کیے گئے اس صورت میں زید کی بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں؟

(۵۶) **جواب**۔ اگر واقعہ یہ ہے جو سوال میں مذکور ہے تو طلاق کے کاغذ میں جو کچھ لکھا ہے وہ وقت تحریر سے چھ ماہ بیشتر کی ایک خبر ہے۔ بوقتِ تحریر انشائے طلاق کے الفاظ نہیں ہیں اور خبر بھی حسبِ بیان سائل جھوٹی ہے جو دیانۃً موجب وقوعِ طلاق نہیں ہوئی، اس لئے جہاں تک کاغذ اور اس کی تحریر کا تعلق ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ جھوٹ اور خلافِ واقعہ ہے تو دیانۃً طلاق نہیں ہوئی۔ اب اس کے بعد جب رجسٹرار نے پوچھا کہ تم نے طلاق دیدی ہے اور اس کے جواب میں زید نے کہا کہ ہاں دے ہی دی۔ یہ سوال اور جواب بھی ماضی سے متعلق ہے۔ رجسٹرار کے سوال میں لفظ "دیدی ہے" میں لفظ "ہے" اس کی دلیل ہے۔ اور جواب میں لفظ "ہی" جو دیدی کے درمیان آگیا ہے وہ بھی اسی کی دلیل ہے کہ زمانۂ گزشتہ میں دیدینے کا ذکر ہے۔ اس وقت انشائے طلاق مقصود نہیں۔ اور چونکہ یہ جواب بھی جھوٹی خبر ہے اس لئے اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اس سے طلاق نہیں ہوئی۔ لہٰذا یہ کاغذ اور سوال و جواب کوئی بھی دیانۃً وقوعِ طلاق کا حکم دینے کے لئے کافی نہیں ہیں۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی

۱۴ اپریل سنہ ۱۹۳۱ء

سوال

ایک شخص نے شادی کی ہے مگر چند وجوہات کی بنا پر اس نے سفید اسٹامپ کاغذ برائے طلاق خرید کیا اور اسی سادہ اسٹامپ کاغذ پر جو کہ طلاق کی نیت سے خریدا تھا دستخط کر کے اپنے رفقاء کے حوالہ کیا اور منہ سے کچھ نہ بولا۔ اس کے بعد اس کے رفقاء نے اس کو عرضی نویس سے پُر کرایا اور اس کی غیر موجودگی میں اس کاغذ پر گواہوں کی شہادتیں وغیرہ تحریر کرائی گئیں۔ اس کے بعد ان رفقاء نے یہ اسٹامپ اس کی بیوی کو بھیج دیا اور شخص مذکور کو یہ تحریر مذکور نہ سنائی گئی اور نہ ہی اس کے رُوبرو وہ تحریر لکھی گئی اور نہ اس نے پڑھی۔ نہ اس نے منہ سے کچھ کہا تھا۔ جب وہ طلاقنامہ اس کی بیوی کو ملا تو چند آدمیوں نے شخص مذکور سے پوچھا کہ کیا تو نے طلاق دے دی ہے تو وہ " ہاں " میں جواب دیتا رہا۔ یعنی کہ اس نے طلاق دیدی ہے مگر اس اسٹامپ کی رُو سے جواب دیا گیا کوئی نئی طلاق کی نیت نہیں تھی۔ آیا اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں اور ہو گئی تو ایک یا تین؟

المستفتی نمبر ۲۹۱ محمد حسین صاحب (گوجرانوالہ) ۸ صفر ۱۳۵۳ھ م ۲۳ مئی ۱۹۳۴ء

(۵۷) **جواب** - سادہ اسٹامپ کاغذ پر دستخط کرنے سے کوئی طلاق نہیں پڑی۔ اگرچہ دستخط کرنے کے بعد لوگوں نے اس پر طلاق لکھوالی۔ ہاں لوگوں کے سوالات کے جواب میں اس کے یہ کہنے سے کہ طلاق دیدی ہے اقرارِ طلاق ثابت ہوتا ہے۔ اور اس اقرار سے اگرچہ متعدد بار کیا گیا ہو ایک ہی طلاق ثابت ہو گی۔ بشرطیکہ سوال میں کسی خاص قسم کی طلاق (مثلاً بائن یا مغلظہ) کا ذکر نہ ہو۔ محض یہ دریافت کیا گیا ہو کہ کیا تم نے طلاق دیدی ہے؟ یہ اقرار اگرچہ اس خیال پر کیا گیا ہو کہ اسٹامپ میں طلاق لکھی گئی ہے۔ جب بھی یہ حکم بالطلاق کے لئے کافی ہے۔ بہر حال اگر طلاق مغلظہ کا اقرار نہیں ہوا ہے۔ تو یہ شخص اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے۔ اس کی عمر اس وقت سترہ سال کی ہے لیکن اس نے طلاق کسی کے سامنے نہیں دی اور نہ بیوی کو مکمل یقین ہوتا ہے کہ واقعی مکمل طلاق دی جا چکی ہے مگر اس نے اپنے دل میں مکمل ارادہ کر لیا ہے کہ طلاق دی جا چکی ہے اور بعد ازاں جو کوئی بھی اس سے پوچھتا ہے اسے یہی جواب دیتا ہے کہ طلاق دی جا چکی ہے۔ مہر ادا کیا نہیں ہے۔ عرصہ تین سال کے بعد وہ عورت اس کے گھر

آجاتی ہے اور وہ پھر اس سے مباشرت کر بیٹھتا ہے اور اس کے مکمل ایک سال بعد یعنی بارہ ماہ بعد اس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوتی ہے جو کہ بہت گوری چٹی ہوتی ہے۔ حالانکہ ان دونوں افراد میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے۔ اس اثنا میں جبکہ اُسے طلاق دینے کا وقت تھا وہ خاوند کا گھر چھوڑ کر اپنے گھر چلی جاتی ہے۔ میلے وغیرہ جو کہ دیہات کے ہوتے ہیں خوب حصہ لیتی ہے اور بارہا اُسے منع کیا گیا منع نہیں ہوئی۔ اس کی عمر تقریباً بیس سال ہے زیادہ فاحشہ نہیں معلوم دیتی۔ واللہ اعلم طلاق کسی خاص طریقہ سے نہیں دی جاتی ہے۔ محض دلی مصمم ارادہ ہوتا ہے اور جب کبھی دل سے آواز آتی ہے۔ طلاق کی ہی آتی ہے۔ اللہ کے خوف سے رجوع ہونا چاہتا ہے ورنہ طبیعت قطعی نہیں چاہتی۔ کیا طلاق ہو چکی۔ حالانکہ ایک دو تین جس طرح طلاق کا طریقہ ہے نہیں دی گئی اور ویسے جب کسی نے پوچھا اس نے طلاق کہا۔ المستفتی نمبر ۱۸۰۱ دین محمد کلرک سنٹرل کوآپریٹو بینک

۱۵ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۵۸) **جواب** - طلاق محض دل کے ارادے سے نہیں ہوتی زبان سے طلاق کے الفاظ ادا کیے جائیں تو طلاق پڑتی ہے۔ پس اگر شخص مذکور نے زبان سے طلاق نہیں دی ہے تو طلاق نہیں ہوئی اور لوگوں کے سامنے یہ اقرار کرنا کہ طلاق ہو چکی ہے دیانۃً وقوعِ طلاق کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ یہ اقرار خلاف واقع ہے اور اس صورت میں بچہ انھیں زوجین کا بچہ قرار پائے گا رنگ کے اختلاف کا کوئی اثر نہیں ہے۔ پس اس صورت میں کہ طلاق زبان سے نہ دی گئی ہو۔ میاں بیوی میں اخبار یا اقرار خلاف واقع سے طلاق نہیں ہوئی ہے یہ حکم فیما بینہ وبین اللہ ہے۔ قاضی اقرار پر طلاق کا حکم کر دیتا ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ہم پنچان یعنی شیخ حافظ عبدالحی صاحب و شیخ خادم حسین صاحب و شیخ نتھو صاحب و شیخ عبدالعزیز صاحب ساکنانِ شہر الہ آباد و معتبر بخش چودھری صاحب بائیس کراری و منگو صاحب ساکن جیتھا پور و شیخ گجو صاحب و شیخ بابو صاحب و شیخ عیدو صاحب و شیخ مولا بخش صاحب و شیخ رمضان علی صاحب و شیخ الہ دین صاحب ساکنان کشما و معتبر بخش صاحب ساکن چورادیہہ و شیخ ولی محمد صاحب کراری کے روبرو زید کا اپنی زوجہ کے طلاق دینے کا معاملہ پیش ہوا تو پنچان نے

زید و اس کی زوجہ کا بیان حلفی لیا۔

(۱) بیان زید کی زوجہ کا ۔میں اپنے حلف و ایمان سے کہتی ہوں کہ یہ مجھ کو بغرض بلانے کے آئے اور مجھ سے کہا ۔میں نے بوجہ اپنی ماں اور بھائی کی علالت کے جانے سے انکار کیا ۔اس پر انہوں نے میری ماں کے رُوبرو مجھ کو طلاقِ ثلاثہ دیا بوقفہ ایک ایک کر کے ۔اور ایک طمانچہ مار کر کہا کہ اب جاتا ہوں کبھی نہ لے جاؤں گا اور تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو سؤر کھاؤں ۔

(۲) بیان زید ۔اپنے حلف و ایمان سے کہتا ہوں کہ میرے اور میری زوجہ کے درمیان میں بحث ضرور ہوئی مگر میں نے طلاق نہیں دیا ۔طلاقن ضرور کہا ۔

(۳) شہادت بیان زوجہ کی ماں کا ۔میں اپنے حلف و ایمان سے کہتی ہوں کہ میرے رُوبرو زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دیا ۔ان دونوں کے بیان و شہادت کے گوش گذار ہونے پر پنچان غور کر رہے تھے کہ زید کی ماں بھی ساتھ زید کے آئی تھی ۔پنچان سے عرض کیا کہ میں کہتی ہوں کہ میرا لڑکا ہی جھوٹا ہے اور بیوی سچی ہے ۔پنچان ان کی غلطیوں کو معاف کریں ۔اگر پھر ان کے درمیان میں کوئی شکایت واقع ہوئی تو میں خود آکر طلاق دلوا دوں گی ۔لہذا آپ کی خدمتِ بابرکت میں التماس ہے کہ اس معاملہ میں شرعاً طلاق ہوا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۶۰۴ کریم بخش صاحب (الہ آباد)

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ م ۲۱ مئی سنہ ۱۹۴۰ء

(۵۹) **جواب** ۔اس سوال میں زید کا جو بیان لکھا ہے اور پنچوں کے دستخط ثبت ہیں اس میں زید کا اقرار موجود ہے کہ میں نے ہندہ کو طلاقن ضرور کہا ۔اس اقرار سے ثابت ہو گیا کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دی اسی لئے اس کو طلاقن (یعنی طلاق دی ہوئی عورت) کہا ہے ۔پس یہ اقرار حکم وقوع طلاق کے لئے کافی ہے ۔

اگرچہ اس لفظ سے طلاقِ رجعی ثابت ہوتی ہے لیکن اگر اس کے بعد مدتِ عدت میں رجوع نہ کیا تو بھی طلاق بائن ہو گئی ۔اب اگر ہندہ زید کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے پر راضی ہو تو زید کے ساتھ نکاح ہو سکے گا اور راضی نہ ہو تو وہ خود مختار ہے جس شخص سے چاہے نکاح کر سکتی ہے ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

دہلی

سوال

زید نے حالتِ اشتعال میں اپنی والدہ سے کہا کہ "اگر تم فلاں کام نہ کرو تو میں اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دوں گا۔" اس کی والدہ نے جب امر مذکورہ پر عمل نہ کیا تو زید نے انتہائی غضب کی حالت میں یہ سمجھتے ہوئے کہ میری شرط پوری نہیں ہوئی لہٰذا شرط کے مطابق اس پر طلاق پڑ گئی ہے۔ اپنی زوجہ سے کہا کہ "تم پر تین طلاقیں پڑ گئی ہیں اور تم مجھ پر حرام ہو گئی ہو۔" اس کے بعد زید کی والدہ نے زید کی شرط کے مطابق مطلوبہ کام کر دیا۔ کیا زید کی زوجہ مطلقہ قرار دی جاسکتی ہے؟ اس واقعہ سے آٹھ روز پہلے زید کے دماغ پر ایک ضرب بھی لگی تھی۔ جس کا اثر اس کے دماغ پر موجود تھا۔

المستفتی نمبر ۲۷۵۹ حافظ محمد شفیع خواجہ سیٹھی محلہ خواجگان شہر بھیرہ ضلع شاہپور

۹ صفر ۱۳۶۲ھ م ۱۵ فروری ۱۹۴۳ء

(۶۰) **جواب**۔ زید کے دماغ پر چوٹ کا اثر ہو یا وہ صحیح الدماغ ہو دونوں صورتوں میں اس کی بیوی مطلقہ نہیں ہوئی۔ کیونکہ تعلیق میں اُس نے لفظ "دیدوں گا" استعمال کیا ہے۔ جس کا اثر یہ نہیں ہے کہ شرط پوری ہونے پر خود طلاق پڑ جائے۔ اور بعد میں اُس نے یہ خبر دی ہے کہ "تم پر تین طلاقیں پڑ گئی ہیں اور تم مجھ پر حرام ہو گئی ہو۔" اور خبر سے طلاق نہیں پڑتی بلکہ انشاء سے پڑتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید بحالتِ غصہ دو شخصوں کو بُلا کر اپنے مکان پر لے گیا اور اپنے چھوٹے بھائی سے یہ کہا کہ جاؤ والد صاحب کو بُلا لاؤ۔ جس وقت زید کے والد آئے تو اس نے اپنے والد سے کہا کہ میں اس کو طلاق دیتا ہوں کیونکہ یہ منہ زور ہے۔ زید کے والد نے غصہ ہو کر کہا کہ اس طرح سے طلاق نہیں ہوتی ہے اور زید نے گواہوں سے یہ کہا کہ میں اس کو طلاق دیتا ہوں۔ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق۔ اور بلکہ سات منٹ کے بعد زید نے مکان کے اندر سے کچھ سامان نکال کر مسماۃ کو دیا اور کہا کہ اس مکان سے چلی جاؤ۔ لیکن مسماۃ مکان چھوڑ کر نہیں گئی اور اب تک اسی مکان میں ہے۔

المستفتی ظہور الدین ولد جمال الدین مستری ساکن ریاست اندور۔ ۱۵ صفر ۱۳۵۰ھ

(۶۱) **جواب**۔ اگر زید اقرار کرے کہ اس نے لفظ "دیتا ہوں" اس نیت سے کہا تھا کہ میں نے

طلاق دی تو اس کی بیوی پر طلاقِ مغلظہ پڑ گئی - لیکن اگر وہ کہے کہ "طلاق دیتا ہوں" سے مراد یہ تھی کہ طلاق دینے کا ارادہ تھا تو طلاق نہ ہوگی۔ فقط محمد کفایت اللہ غفرلہٗ، مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

زید جب اپنے گھر آیا تو دیکھا کہ زید کا باپ زید کی زوجہ کو بُرا بھلا کہہ رہا ہے - اچانک زید کی زبان سے "ایک دو تین طلاق دیسے" نکل گیا۔ فقط اتنا ہی بولا - بدون اضافت اور خطاب کے - نہ زوجہ کو دیکھا ہے نہ زوجہ کی طرف خطاب کیا ہے - المستفتی ۱۱۲۷ مولوی حمد اللہ (ضلع نواکھالی)

۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اگست ۱۹۳۶ء

(۶۲) **جواب** - اگر لفظ "دیسے" خبر کا لفظ ہے - انشاء کی جگہ استعمال نہیں ہوتا اور لفظ "دیم" انشاء کی جگہ استعمال ہوتا ہے تو لفظ "دیسے" کہنے سے اس وقت طلاق نہیں پڑتی مگر اقرار بالطلاق ثابت ہوتا ہے - اور یہ اقرار کاذب ہوگا کیونکہ پہلے طلاق دی نہیں ہے اور اقرار کاذباً سے عنداللہ طلاق نہیں پڑتی - لیکن قضاءً اس کا قول مانا نہیں جائے گا اور قاضی تفریق کا حکم کردے گا - لو اراد به الخبر عن الماضی کذباً لا یقع دیانۃً (انتہٰی - شامی) وفی موضع آخر ولو اقر بالطلاق کاذباً او ھازلاً وقع قضاءً لا دیانۃً (انتہٰی - شامی ص ۴۲۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

فصل ہشتم
مطلقہ کا حقِ میراث

سوال

زید نے اپنے مرض الموت (دق وسل) میں نکاح کیا اور تین ماہ بعد اس نے اپنی منکوحہ کو تحریری طلاق اپنے مرنے کے ۲۴ گھنٹے قبل دی جو کہ زوجہ تک نہ پہنچی - دریافت طلب یہ امر ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور زوجہ مطلقہ کو ترکہ ملے گا یا نہیں؟

(۶۳) **جواب** - اگر زوجین کے درمیان وطی یا خلوت کا اتفاق ہو چکا ہے تو بیوی کو حصہ میراث ملیگا کیونکہ خاوند کا انتقال عدّت کے اندر ہو گیا - لیکن اگر وطی یا خلوت کی نوبت نہیں آئی تھی تو عورت کو میراث نہ ملے گی - یہ حکم اس وقت ہے کہ زوج نے تحریری طلاق اپنی خوشی سے بغیر جبر و اکراہ بطور تنجیز کے دی

ہو یعنی وقوع طلاق، عورت تک خبر طلاق یا تحریر طلاق پہنچنے پر معلق نہ ہو اور تحریر کے وقت اس کے ہوش و حواس بھی درست ہوں۔

فصل نہم

حاملہ کی طلاق

سوال

زید نے اپنی عورت کو لڑائی جھگڑے اور غصہ کی حالت میں طلاق دیدی اس کے بعد پھر رجوع کر لیا۔ زید کہتا ہے کہ عورت پر بحالتِ حمل طلاق نہیں پڑتی ہے۔ میں نے تو تنبیہاً ایسا کیا تھا۔

(۶۴) **جواب** - طلاق تو حاملہ پر بھی پڑ جاتی ہے اور بہر صورت خواہ مذاقاً یا تنبیہاً یا ایقاعاً کہی جائے واقع ہو جاتی ہے۔ پس اگر شخص مذکور نے ایسی طلاق دی تھی جس میں رجعت ہو سکتی ہے تو اس کا رجوع کرنا صحیح ہے اور اگر طلاق بائن یا مغلظ دی تھی تو رجوع کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ بائن میں نکاح جدید کر کے رجوع ہو سکتا ہے اور مغلظ میں بدون حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایامِ حمل میں زوجہ پر طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتی ہے تو نان نفقہ ایامِ حمل کا دینا ہوگا یا نہیں۔ بصورتِ طلاق کس عمر تک کے لڑکے اور کس عمر تک کی لڑکیاں خاوند کو ملیں گی اور کس عمر تک کی زوجہ کو ملیں گی؟ المستفتی نمبر ۸۸ عبدالقادر خاں بھوری دروازہ دہلی

۷ رجب ۱۳۵۲ھ م ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۶۵) **جواب** - ایامِ حمل میں بھی طلاق واقع ہو سکتی ہے۔ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ وضع حمل تک کا نفقہ بھی دینا ہوگا۔ جدائی ہو جانے کے بعد سات سال یا اس سے زیادہ عمر کے لڑکے اور بالغہ لڑکیاں والد لے سکتا ہے اور سات سال سے کم عمر کے لڑکے اور نابالغہ لڑکیاں والدہ کی پرورش میں رہیں گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

دہلی

سوال

ایک شخص نے اپنی عورت کو حمل کی صورت میں طلاق دیدی ہے تو یہ طلاق ہوگئی یا نہیں اور اب وہ عورت میکے میں بیٹھی ہے اور بعد وضع حمل عورت تین برس سے میکے میں ہے اور مرد پر کیا کفارہ ہے اور طلاق ہوگیا ہے تو بغیر حلالہ کیسے نکاح پڑھا سکتے ہیں؟

المستفتی نمبر ۱۸۲۹ شاہ محمد صاحب موضع پسرام پور ضلع اعظم گڑھ
۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۶۶) **جواب** ۔حمل کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق ہوجاتی ہے۔جس قسم کی ہوگی وہی پڑیگی۔ اگر تین طلاقیں دی ہیں تو بغیر حلالہ کے نکاح نہیں ہوسکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ،دہلی

فصل دہم

طلاق کے متعلق عورت کا اخبار

سوال

ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے میرے خاوند نے طلاق دیدی ہے اور میری عدت بھی گزر چکی ہے اور میں اب نکاح کرنا چاہتی ہوں ۔چند آدمیوں نے اس کو قسم دی اس نے قسم بھی کھالی ۔اس بنا پر ایک شخص نے اس سے نکاح کرلیا۔بعد ایک ماہ کے اس کا پہلا خاوند ظاہر ہوگیا۔اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ نکاح خواں اور گواہان اور دیگر حاضرینِ مجلس پر شرعاً کوئی تعزیر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۶۷) **جواب** ۔صورتِ مسئولہ میں جس شخص نے اس عورت سے نکاح کیا ہے خود اس پر اور دیگر حاضرین کسی پر گناہ نہیں۔ہاں جبکہ اس کا خاوند ظاہر ہوگیا تو یہ اس کا نکاح باطل ہوگیا۔ لو قالت امرأۃ لرجل طلقنی زوجی وانقضت عدتی لا بأس ان ینکحھا (درمختار)

سوال

عرصہ ہوا کہ زید نے اپنی منکوحہ کو بحالت صحت نفس وثباتِ عقل وہوش بحالتِ غصہ تین طلاق ایک مجلس میں دی تھیں۔اس کے گواہ زید کا بڑا بھائی بھتیجی بڑے بھائی کا داماد اور بہت سے رشتہ دار

اور عورتیں ہیں۔ اور تمام قصبہ میں اس کی شہرت ہے۔ اب زید کے انتقال کے بعد منکوحہ مطلقہ زید اپنی کسی غرض سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ زید نے مجھ کو طلاق نہیں دی۔ صورتِ بالا میں اگر طلاق واقع ہوگئی تو عدتِ طلاق کا نان نفقہ شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟

(۲) شخص مذکور نے طلاق دینے اور عدت گزرنے کے بعد اگر یہ طریقِ عمل اختیار کیا ہو کہ مطلقہ سے تعلقاتِ زوجیت تو منقطع کر دیئے اور کوئی واسطہ نہ رکھا لیکن مطلقہ کی امداد اور کچھ اپنی سہولت کے پیشِ نظر ضروری مصارف کا متکفل ہوگیا اس کو مکان میں رکھا۔ اس سے اپنا کھانا پکواتا رہا۔ اس سے طلاق پر کوئی اثر پڑا یا نہیں؟ المستفتی ۶۹ متولی سعید جھنجھانہ ضلع مظفر نگر

۲۵ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۶۸) **جواب**۔ اگر زید نے منکوحہ کو تین طلاقیں دیدی تھیں تو تینوں طلاقیں پڑ گئیں طلاق کی شہادت جبکہ گواہ معتبر اور عادل ہوں مقبول ہوگی۔ عدت واجب ہوگی اور عدت کا نفقہ زوج کے ذمہ ہوگا۔

(۲) اس واقعہ سے طلاق پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

فصل یازدہم
انشاء اللہ کہہ کر طلاق دینا
سوال

ایک شخص کی بیوی اور والدہ کے مابین تکرار ہوئی۔ شخص مذکور جب مکان پر آیا تو والدہ نے اس سے شکایت کی۔ اس نے اپنی والدہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ انشاء اللہ تین طلاق دیتا ہوں۔ مگر اس کی نیت صرف طلاق رجعی دینے کی تھی اور یہ الفاظ بیوی کی عدم موجودگی میں زبان سے ادا کیے۔ المستفتی ۳۵۸ عبدالغنی (سوجت مارواڑ)

۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۳۰ جون ۱۹۳۴ء

(۶۹) **جواب**۔ سوال میں الفاظ "انشاء اللہ تین طلاق دیتا ہوں" مذکور ہیں۔ لفظ انشاء اللہ کے ساتھ جو طلاق دی جائے وہ واقع نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں پڑی۔

محمد کفایت اللہ

فصل دوازدہم
شہادتِ طلاق
سوال

زید کی لڑکی کو محمود ہمیشہ مارپیٹ کیا کرتا تھا - ایک روز زید اپنی لڑکی کو بلانے گیا - اس روز بھی اتفاق سے وہ اپنی بیوی کو مار چکا تھا - اس نے زید سے کہا کہ تم اپنی لڑکی کو لے جاؤ میں نے اس کو طلاق دیدی ہے - اب یہ میرے گھر پر نہ آئے اور پھر اپنی گھر والی کی طرف منہ کرکے کہا کہ اب تو اپنے باپ کے ساتھ جاتی ہے نکل جا میرے گھر پر اب تو نہ آئیو میں نے تجھ کو طلاق طلاق طلاق دی اور لڑکی کے منہ پر طمانچہ مار کر گھر سے نکل گیا - زید اپنی لڑکی کو لے کر خاموشی سے چلا آیا - اب محمود طلاق سے انکار کرتا ہے - کہتا ہے کہ میں نے تو طلاق نہیں دی۔ المستفتی نمبر ۵۲۸ حاجی عبدالحکیم - باڑہ ہندو راؤ - دہلی

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۰ جولائی ۱۹۳۵ء

(۷۰) **جواب** - اگر محمود نے طلاق دیدی ہے تو طلاق ہو گئی ہے لیکن اگر وہ طلاق دینے سے انکار کرتا ہے تو قاضی کے سامنے طلاق ثابت کرنے کے لئے شہادت کی ضرورت ہے اور دو۲ گواہ نہ ہوں تو پھر محمود سے حلف لیا جائے گا - اگر وہ حلف کرے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے تو قاضی طلاق نہ ہونے کا فیصلہ کردے گا - لیکن اس فیصلہ سے عورت محمود کے لئے اگر وہ فی الحقیقت طلاق دے چکا ہے حلال نہ ہوگی اور مدۃ العمر وہ حرام کاری میں مبتلا رہے گا - فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک آدمی نے اپنی عورت کو طلاق دیا دو آدمیوں کے سامنے - بعد کو دونوں آدمیوں سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے انکار کیا - دوبارہ پھر طلاق دیا تب عورت دوسرے مکان میں چلی گئی اور تین روز تک وہاں مقیم رہی اور عورت کو زبردستی اپنے مکان میں لے گئے - مرد بالکل جاہل اور بدچلن ہے - اب لوگوں سے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ لوگ انکار کرتے ہیں - لڑکی بہت نیک چلن ہے - اسی کا بیان ہے کوئی گواہ نہیں کہتا - عورت یہ کہتی ہے کہ اگر مجھ کو خاوند کے یہاں روانہ کریں گے تو میں جان دیدونگی - المستفتی نمبر ۷۹ محمد رفیع صاحب سوداگر چرم (ضلع میدنی پور) یکم ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۵ فروری ۱۹۳۶ء

(۱۷) **جواب** - اگر فی الحقیقت طلاق دی ہے تو طلاق پڑ گئی۔ عورت کو اس کے پاس نہیں بھیجنا چاہیئے۔ اور خلاصی کی سبیل نکالنی چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے خالد کو الزام دیا کہ اے خالد تو نے اپنی منکوحہ ہندہ کو میرے سامنے تین طلاقیں دیں۔ اور خالد و ہندہ سراسر انکار کرتے ہیں۔ زید اور خالد نے فیصلے کے لئے ایک قاضی صاحب پر اتفاق کیا۔ مگر ہندہ نے سراسر انکار کیا۔ اور کہا کہ یہ قاضی صاحب ضرور میرے خلاف فیصلہ کریں گے۔ زید و خالد فیصلے کے لئے قاضی صاحب کے پاس حاضر ہوئے تو زید نے بحیثیت مدعی ہونے کے یہ دعویٰ کیا کہ خالد نے میرے روبرو اپنی منکوحہ ہندہ کو تین طلاقیں دیں اور خالد نے اس دعوے سے انکار کیا۔ قاضی صاحب نے مدعی سے شہادت کا مطالبہ کیا۔ تو مدعی نے دو گواہ پیش کیے۔ قاضی صاحب نے خالد سے سوال کیا کہ ان دو گواہوں کی شہادت پر جو فیصلہ مرتب ہوگا وہ تجھے منظور ہے یا نہیں۔ خالد نے کہا اگر فلاں گواہ مسمّٰی بکر حلف اللہ کہہ کر شہادت دے تو مجھے منظور ہے۔ قاضی صاحب نے گواہ مسمّٰی بکر کو کہا کہ زید نے جو دعویٰ کیا ہے اس دعوے کے ثبوت کے لئے قسم اُٹھا کر تو شہادت دینے کے لئے تیار ہے یا نہیں؟ بکر نے کہا کہ پہلے خالد قسم اُٹھائے کہ میں نے ہندہ کو تین طلاقیں نہیں دیں تب میں قسم اُٹھاؤں گا۔ لیکن قاضی نے بکر کو کہا کہ مدعا علیہ کا حق قسم کھانے کا نہیں ہے لہٰذا قسم تمہیں ہی اُٹھانی پڑے گی۔ بیان بکر ہے کہ واللہ باللہ تاللہ خالد نے میرے سامنے ہندہ منکوحہ کو تین طلاق دیں، بیان گواہ مسمّٰی عمرو کہ خالد نے میرے سامنے منکوحہ کو تین طلاق دیں۔ اگر میری شہادت کاذبہ ہو تو میری منکوحہ مجھ پر طلاق ہے۔ قاضی صاحب نے یہ فیصلہ سُنا دیا کہ خالد کی منکوحہ ہندہ تین طلاق۔ خالد پر حرام ہے۔ اب علمائے اسلام کا آپس میں اختلاف ہوگیا۔ اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ قاضی صاحب کا فیصلہ نافذ نہیں ہوا۔ المستفتی نمبر ۱۷۵۰ مرزا خاں۔ ۷ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۳ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۷۲) **جواب** - کسی شخص کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے جبکہ زوج اور زوجہ دونوں طلاق کے منکر ہوں یہ دعویٰ نہیں ہے کیونکہ دعویٰ اپنا حق طلب کرنے کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اجنبی اس اخبار میں اپنا حق طلب نہیں کر رہا بلکہ ایک حق اللہ یعنی حرمت زوجہ علی زوجہا کی خبر دے رہا ہے جو حقیقۃً شہادت ہے۔ پس اس کا یہ قول دعویٰ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور اس بنا پر اس کا

یہ قول غیر مجلس قضا میں لغو ہے۔ اور اس لغو قول کی وجہ سے یہ خصم نہیں بن سکتا۔ اور جب یہ خصم نہیں ہوا تو اس کی اور زوج کی جانب سے تحکیم صحیح نہیں ہوئی کیونکہ تحکیم خصمین کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور صورت مسئولہ میں خصمین کا وجود ہی نہیں ہوا۔ پس حَکَم کے سامنے جو شہادتیں ہوئیں وہ بھی غیر معتبر اور حکم کا فیصلہ بھی غیر معتبر۔ ہاں اس معاملہ میں یہ اجنبی بھی ایک شاہد ہے اور طلاق کی شہادت دینے کے لئے دعویٰ بھی شرط نہیں مگر شہادت ادا کرنے کے لئے مجلس قضا شرط ہے۔ اگر یہ اجنبی قاضی شرعی کے سامنے مجلس قضا میں جاکر شہادت دیتا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے اور قاضی اس شہادت پر کارروائی کرتا تو وہ درست ہوتی۔ بشرطیکہ شاہد کی طرف سے ادائے شہادت میں تاریخ طلاق سے غیر ضروری تاخیر نہ ہوتی۔ کیونکہ قاضی شرعی کو یہ حق ہے کہ وہ حقوق اللہ کی حفاظت کے لئے کارروائی کرے۔ اور حَکَم اسی وقت قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے جب خصمین اس کو اپنی طرف سے فیصلہ کا حق دیں اور جب تک خصومت متحقق نہ ہو تحکیم متحقق نہیں ہو سکتی۔ پس صورت مسئولہ میں لفظ قاضی صاحب سے مراد اگر حکم ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو میرے نزدیک یہ تمام کارروائی عبث ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ دوسرے علمائے متبحرین سے بھی تحقیق کی جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۲۵ء)

ہندہ سے زید کی شادی کو عرصہ چار سال کا ہوا اور ایک بچہ دو سال کا موجود ہے۔ بعد شادی ہندہ برابر اپنی سسرال میں شوہر کے ساتھ رہی۔ عرصہ تین ماہ کا ہوا کہ ہندہ کا حقیقی بھائی ہندہ کو میکے لے آیا۔ بعد دو ڈھائی ماہ کے جب زید رخصت کرانے کو ہندہ کے میکے گیا تو آٹھ دس روز خوب اچھی طرح سے میل کے ساتھ میاں بی بی رہے۔ جب رخصتی کو کہا گیا تو ایک روز ہندہ نے یکایک اپنے ماں باپ سے یہ اظہار کیا کہ میرے شوہر زید نے خلوت میں آج شب کو مجھے طلاق دیا ہے۔ اس پر زید کو جو خلوت میں بے خبر سویا ہوا تھا جگایا گیا اور دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے ہرگز طلاق نہیں دیا۔ یہ بات عورت کسی کے ورغلانے سے کہتی ہے اور مجھ پر جھوٹا بہتان لگاتی ہے۔ بعد اس کے زید قسم کھاتا ہے کہ اگر میں نے طلاق دیا ہو تو میرا خاتمہ کافروں کے ساتھ ہو۔ معاملہ خلوت کا ہے۔

گواہ کوئی نہیں ہے۔

(۷۳) **جواب** - جبکہ طلاق کے گواہ نہیں ہیں تو اس صورت میں زید کا قول مع حلف معتبر ہوگا اور ہندہ کا قول غیر معتبر ہوگا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۲۷ء)

کیا یہ درست ہے کہ جو عورت دوسرے شخص سے ناجائز تعلق کرلے اور اس کا خاوند کسی دوسری عورت سے ناجائز تعلق کرلے تو ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

(۷۴) **جواب** - شوہر کے کسی اجنبیہ عورت سے یا بیوی کے کسی اجنبی شخص کے ساتھ ناجائز تعلقات سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۷ء)

نعیمہ زوجہ زید بدون طلاق بکر کے ساتھ ناجائز تعلق کرکے چلی گئی۔ چند روز کے بعد پھر شوہر کے گھر واپس آگئی۔ زید نے اس کو رکھ لیا۔ پھر دوبارہ نعیمہ غیر مرد کے ساتھ بھاگ گئی پھر کچھ عرصہ کے بعد واپس آئی۔ زید نے پھر بھی رکھ لیا۔ لوگوں نے طعنہ دیا تو زید نے اس سے نکاح ثانی کرلیا۔ لیکن پھر نعیمہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر غیر مرد کے ساتھ فرار ہوگئی اور برسوں غائب رہی۔ زید نے عاجز ہوکر ایک مرد مسلمان معتبر کے سامنے نعیمہ کو تین طلاق دیدیا۔ لیکن اس کے بعد نعیمہ پھر شوہر کے پاس آئی۔ اب زید نے نعیمہ کو بدون تجدید نکاح رکھ لیا ہے۔ اور زید طلاق دینے سے بھی انکار کرتا ہے۔

(۷۵) **جواب** - جبکہ زید طلاق دینے سے انکار کرتا ہے اور ایک آدمی کی گواہی سے طلاق کا ثبوت نہیں ہوتا تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ زید سے قسم لے لیں۔ اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ میں نے طلاق نہیں دی تو اس کا اعتبار کرلیں اور اسلامی تعلقات جاری رکھیں۔ اگرچہ ایسی عورت کو جو بار بار فرار ہوتی رہی ہے رکھ لینا زید کی غیرت و حمیت سے تعلق رکھتا ہے۔ تاہم اگر زید نے طلاق نہ دی ہو تو عورت اس کی منکوحہ ہے اور اسے رکھ لینے کا حق ہے۔ عورت کے بھاگ جانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ،

فصل سیزدہم
حالتِ نشہ میں طلاق دینا

سوال

(الجمعیۃ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۳۵ء)

ایک مسلم عاقل بالغ نے بحالتِ سُکر بیوی کی کسی حرکت کے سبب غیظ و غضب سے از خود رفتہ ہو کر دو عورتوں کی مواجہت میں کہا " بلاؤ چار آدمی کے سامنے طلاق دیں " اور بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "اِس حرام زادی کو طلاق دیتے ہیں، اس حرام زادی کو طلاق دیتے ہیں، اس حرام زادی کو طلاق دیتے ہیں" زاں بعد طلاق اپنے باپ کے استفسار پر انکار کرتا ہے کہ ہم نے ہرگز طلاق نہیں دیا۔ نیز ہمیں طلاق یاد نہیں ہے۔ دراں حالیکہ خود مطلقہ اور گھر کی دو عورتیں گواہ ہیں۔ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(۷۶) **جواب**۔ انشائے طلاق کے لئے اصل لفظ صیغۂ ماضی ہے (یعنی میں نے اس کو طلاق دی) اگر یہ لفظ ہوتا تو وہ انشائے طلاق کے معنی اور نسبت الی الزوجہ میں صریح ہوتا کہ نیت کی حاجت نہ ہوتی۔ اور حالتِ سُکر میں زجراً وقوعِ طلاق کا حکم دیا جا سکتا۔ لیکن سوال میں جو لفظ مذکور ہے وہ صیغۂ ماضی نہیں ہے بلکہ (طلاق دیتے ہیں) صیغۂ حال ہے اس کو انشا کے لئے استعمال کرنے میں نیت کی حاجت ہے کہ یہ لفظ انشاء کے لئے استعمال کرنے کا قصد کیا گیا ہو۔ ولا نیۃ للسکران۔ پس اس صورت میں وقوعِ طلاق کا حکم دینا اس کو مستلزم ہوگا کہ گویا زجراً اس کی نیت انشاء ہونے کا حکم پہلے دیا گیا اور پھر وقوعِ طلاق کا حکم دیا گیا۔ قواعد فقہیہ سے وقوعِ طلاق کا زجراً حکم دینا تو ثابت ہے لیکن کسی نیت اور ارادے کا زجراً ثابت کر دینا میرے خیال میں ثابت نہیں۔ پس صورتِ مسئولہ میں وقوعِ طلاق کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ فقط　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

زید کو چند فقیروں نے مل کر گانجہ پلایا اور وہ بالکل مست و بیہوش ہو گیا۔ اس اثنا میں ایک فقیر

نے زید کی بی بی کو اپنی مجلس میں بلانے کا حکم دیا۔ زید کی بی بی نے وہاں آکر اس فقیر کی بے عزتی کی اور خوب ڈانٹا۔ زید نے اسی نشہ میں اپنی بی بی کو کہا کہ میں نے تم کو تین طلاق دیا۔ پھر ہوش میں آکر پشیمان ہوا اور ایک عالم سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ زید نے اپنی بی بی کو گھر بلالیا۔ اور ساتھ رہتے ہوئے مدت گزر گئی اور ایک لڑکا بھی پیدا ہوا۔ اب بعض علماء کہتے ہیں کہ بغیر تحلیل کے وہ عورت اس کے لئے جائز نہیں ہوئی۔

(۷۷) **جواب** ۔ نشہ کی حالت کی طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ نشہ اپنے علم واختیار سے استعمال کیا ہو۔ اگر کسی نے دھوکہ دے کر یا زبردستی نشہ پلا دیا اور اس حالت میں طلاق دی گئی تو وہ طلاق نہیں پڑتی۔ پس صورت مسئولہ میں اگر دوسری صورت واقع ہوئی تھی یعنی نشہ اپنے علم واختیار سے استعمال نہیں کیا تھا تو طلاق نہیں ہوئی تھی اور اگر پہلی صورت تھی تو طلاق ہو گئی تھی اور حلالہ ضروری تھا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید نے شب کے دو بجے شراب کے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو زدوکوب کیا اور کہا کہ تجھے طلاق ہے۔ اس وقت اس مکان میں زید اور اس کی بیوی اور زید کے والد صرف تین ہی آدمی موجود تھے۔ زید کے والد کا حلفیہ بیان ہے کہ میرے لڑکے نے ایک مرتبہ طلاق کا لفظ کہا تو میں نے اسے روکا اور خبردار کیا اور وہاں سے اسے علیحدہ کر رہا تھا کہ اس نے دوسری مرتبہ بھی طلاق کا لفظ کہا۔ اتنے میں میں نے اسے علیحدہ کر کے تنبیہ کیا۔ دوسرے روز جب لڑکی کے والدین نے یہ خبر سنی تو آکر اپنی لڑکی کو لے گئے۔ پھر کسی نے زید سے پوچھا کہ تم نے کیا اپنی بیوی کو طلاق دیا تھا تو اس نے کہا کہ ہاں دیا تھا جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ کتنی طلاق دیا تھا تو کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کیونکہ میں نشہ میں تھا۔ لڑکی سے پوچھا گیا کہ تم نے کتنی مرتبہ طلاق کا لفظ سنا تھا وہ کہتی ہے کہ میں مار پیٹ کی وجہ سے بدحواس تھی میں نے صرف طلاق کا لفظ سنا مگر یہ معلوم نہیں کتنی مرتبہ کہا۔ اس واقعہ کے چھ ماہ بعد زید کے والد لڑکی کے والدین کے پاس گئے اور حلفیہ بیان کیا کہ زید نے صرف دو مرتبہ طلاق دیا ہے۔ اور وہ بھی نشہ کی حالت میں، طلاق نہیں ہوا تم لڑکی کو بھیج دو۔ انہوں نے کہا کہ عالم سے پوچھو۔ ایک مقامی عالم سے یہ واقعہ من وعن بیان کر دیا اور ان کا بتایا ہوا کفارہ ادا کر کے میاں بیوی کو ملا دیا گیا۔ جس کو تقریباً پانچ سال گزر چکے ہیں۔

اور دونوں میں زن وشوئی کے تعلقات قائم ہیں۔ برادری کے لوگ کہتے ہیں کہ نشہ کی طلاق ہوگئی تھی لہٰذا یہ تعلقات ناجائز ہیں۔ المستفتی نمبر ۶۰۳ عبدالحکیم (ناگپور) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۹ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۷۸) **جواب** - ہاں نشہ کی حالت کی دی ہوئی طلاق ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک مرتبہ یا دو مرتبہ صریح لفظ طلاق سے طلاقِ رجعی ہوتی ہے۔ پس اگر عورت کی عدت پوری نہ ہوئی ہو تو اندرونِ عدت رجعت صحیح ہوئی۔ اور اگر عدت گزر چکی تھی تو دوبارہ نکاح کرنا ضروری تھا۔ بغیر تجدیدِ نکاح میاں بیوی کو رہنا درست نہیں تھا۔ اب فوراً دونوں کا نکاح پڑھ دینا چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

فصل چاردہم

طلاق کی اقسام

سوال

خاکسار نے یہ مسئلہ غایۃ الاوطار شرح اردو در مختار نولکشوری کے صفحہ ۹۲ پر لکھا ہوا دیکھا ہے۔ باب الطلاق جلد ثانی۔ (عبارت) البدعی ثلث متفرقۃ او ثنتان بمرۃ الخ (اردو ترجمہ) اور طلاق بدعی یہ کہ تین طلاق دینا جدا جدا یا دو طلاق یکبارگی یعنی ایک لفظ سے الخ آگے چل کر خود ہی لکھتے ہیں۔ یہ سب صورتیں طلاقِ بدعی کی ہیں۔ سو جب تین طلاق متفرق بدعی ہوئیں تو یکبارگی تین طلاق دینا بطریقِ اولیٰ بدعی ہوگا اور اگر طہر میں طلاقِ بدعی دے کر رجعت کرے گا تو طلاق بدعی باقی نہ رہیگی (غایۃ الاوطار جلد ثانی) (علاوہ ازیں آٹھ قسمیں طلاقِ بدعی کی بتائی ہیں۔ وہاں پر لکھا ہے) (۱) ایک طہر میں تین متفرق طلاق دینا (۲) تین طلاق ایک لفظ سے ایک طہر میں دینا (۳) اس طہر میں طلاق جس میں وطی ہو چکی ہے۔ عرض یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین بار یکبارگی کہنا بدعی ہے اور بدعی میں رجوع کا حق ہے۔ یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں یا اس کا مطلب کچھ اور ہے۔ دوسری وطی والے طہر میں طلاق دینا بھی بدعی ہے اور شخص مذکور نے اس طہر میں جس میں طلاق دی ہے وطی بھی کی ہے۔ طلاق بدعی دے کر رجعت کرنے سے بدعی باقی نہیں رہے گی! کیا مطلب ہے شخص مذکور کا نکاح ثانی کر دیا گیا تو اس کا نکاح اگر اس طرح بلا حلالہ درست نہ ہو! ور وہ حرام ہو تو اس کو روک دیا جائے یا جو صورت حکم وارشاد کے مطابق ہو عمل میں لائی جائے۔ المستفتی نمبر ۱۱۱۷ سلطان محمد (رہتک) ۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۸ اگست ۱۹۳۶ء

(۷۹) **جواب** - ہاں ایک طہر میں تین طلاقیں ایک لفظ سے یا تین مرتبہ متفرق طور پر دینا بدعی طلاق ہے۔اور تین طلاقیں دینے کے بعد رجعت نہیں ہو سکتی حلالہ ضروری ہے۔جس طہر میں وطی کی ہے اس میں ایک طلاق بھی دی جائے تو یہ بدعی ہو گی۔لیکن ایک یا دو طلاقیں دے کر اسی طہر میں رجعت کرلے تو یہ جائز ہے اور طلاق بدعی نہ رہے گی۔یعنی بدعی طلاق دینے کا گناہ رجعت کر لینے سے معاف ہو جائیگا۔ غرض تین طلاقیں یکدم ایک لفظ میں دینے کے بعد رجعت جائز نہیں۔اسی طرح متفرق طور پر دینے سے تین پوری ہو جانے کے بعد رجعت جائز نہیں۔ رجعت اسی صورت میں جائز ہے کہ وطی والے طہر میں یا حالتِ حیض میں ایک یا دو طلاقیں دی ہوں۔ان صورتوں میں رجعت ہو سکتی ہے۔بدعی کی آٹھ قسمیں جو غایۃ الاوطار میں مذکور ہیں ان میں سے تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں، آٹھویں صورتوں میں رجعت جائز ہے۔مگر پانچویں سے آٹھویں تک صورتوں میں ایک یا دو طلاقیں ہوں تین نہ ہوں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فصل پانزدہم

ایک مجلس میں تین طلاقیں

سوال

(۱) زید نے اپنی زوجہ کو بدیں الفاظ طلاق نامہ جبکہ وہ حیض سے تھی حالتِ غضب میں تحریر کر کے دیا کہ ہندہ بنت بکر کو تینوں طلاق ساتھ دیتا ہوں راقم زید بن فلاں۔تو اس صورت میں عندالشافعی رح یا عند احمد رح یا مالکی رح طلاق واقع ہو گی یا نہیں اگر واقع ہو گی تو کتنی؟ (۲) زید اگر یہ کہے اپنی زوجہ کو کہ میں نے تجھے طلاق بدعی دی تو اس کہنے اور حالتِ حیض میں تینوں ساتھ دینے میں کچھ فرق ہے یا نہیں (مذہب ثلثہ مذکورہ میں) (۳) دیگر یہ کہ حالتِ غضب میں طلاق دینے سے حنفیہ کے علاوہ اور اماموں کے نزدیک طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں۔یہاں پر سوائے علمائے احناف کے اور کوئی عالم نہیں ہے نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی اور نہ یہ معلوم ہے کہ ہندوستان میں ہے بنا بریں جمعیۃ علماء ہند کے جید علماء کی خدمت میں یہ استفتا شافعیہ و مالکیہ و حنابلہ کے مذہب کے متعلق جواب حاصل کرنے کے لئے روانہ کیے گئے ہیں۔قوی امید ہے کہ علمائے احناف خصوصاً علامہ مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ جواب

سے مطلع فرما کر عند اللہ ماجور و مشکور ہوں گے۔ المستفتی نمبر ۱۱۷۰ مسٹر ایم۔ اے مایت (جوہانسبرگ۔ افریقہ)
۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۸۰) **جواب** ۔ایک لفظ سے یا ایک مجلس میں تینوں طلاق دینے سے تینوں طلاقیں پڑجاتی ہیں اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ حیض کی حالت کی طلاق بھی پڑجاتی ہے۔ البتہ اگر ایک دو طلاق دی گئی ہوں تو رجعت لازم ہوتی ہے۔ تین طلاق حالتِ حیض میں دیدی جائیں تو ائمہ اربعہ کے نزدیک طلاقِ مغلظہ ہوجائے گی۔ البتہ بعض اہلِ ظاہر اور روافض کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں نہیں پڑتیں۔

(۲) اگر حیض میں یہ کہے کہ میں نے تجھے طلاق بدعی دی تو ایک طلاق ہوگی اور رجعت واجب ہوگی۔

(۳) حالتِ غضب کی طلاق بعض حنابلہ کے نزدیک واقع نہیں ہوتی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۶ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

میں اپنے میکہ میں تھی۔ میرا شوہر ماتم پُرسی کو آیا اور دن بھر رہا۔ بعد مغرب اس نے میرے بھائی سے کہا کہ میں دوسری بیوی کرنا چاہتا ہوں۔ اس بیوی سے (میری طرف اشارہ کرکے) مجھے کوئی واسطہ نہیں اسے چاہے وہ اختیار ہے میں نے اس کو چھوڑ دیا مجھے میرا زیور دیدو۔ تب میرے بھائی نے محلہ کے پانچ شخصوں کو بلایا جو کہ صاحبِ علم اور مذہب سے واقف تھے۔ انھوں نے میرے شوہر کو بہت سمجھایا۔ پر وہ باربار وہی جملے کہتا رہا کہ میں دوسری بیوی کرنا چاہتا ہوں میرا زیور مجھے دیدو۔ تب ان شخصوں نے کہا کہ ایسے جملے کہنے سے بیوی کو طلاق ہوجاتا ہے۔ تب میرے شوہر نے کہا کہ مجھے دوسری بیوی کرنا ہے اور میری طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس لئے میں نے اس کو طلاق دیا طلاق دیا طلاق دیا۔ پھر میں نے خود پوچھا کہ کیا آپ نے مجھے طلاق دیا تو کہا کہ ہاں میں نے تجھے طلاق دیا میں نے تجھے طلاق دیا میں نے تجھے طلاق دیا۔ جب وہ طلاق دے چکا تو ان شخصوں نے مجھے زیور دے دینے کی نسبت کہا۔ پر میں نے زیور دینے سے انکار کیا۔ کیونکہ کل زیور میں سے کچھ زیور میری مشقت کا تھا اور کچھ میرے میکہ میں سے بعد شادی کے ملا تھا۔ پر میرے شوہر نے جھوٹا سچا حق ہر زیور کے لئے بتا کر اور جب کچھ

نہ بن پڑا تو مہر زیور کے وقت طلاق پر طلاق دے کر کل زیور لیا۔ مغرب کے وقت سے رات کے ایک بجے تک طلاق کا استعمال ہوتا رہا۔ طلاق کے کچھ دن بعد اُس نے دوسری بیوی کرلیا۔ اب کچھ عرصہ کے بعد وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دیا اور کہتا ہے کہ میرا ایک گواہ ہے (جو اس کا حقیقی ماموں ہے)۔

(۸۱) **جواب**۔ اگر واقعہ یہی ہے جو سوال میں مذکور ہے تو تینوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اور عورت بدون حلالہ کے شوہر کے لئے جائز نہیں ہوسکتی۔ عورت کے لئے دو گواہوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوسکتی ہے اور جب پانچ گواہ موجود ہیں تو پھر ثبوت میں کیا کلام ہے؟ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

فصل شانزدہم
طلاق مشروط بمعافیٔ مہر
سوال

زید نے اپنی سسرال میں جاکر برائے روزگار سکونت اختیار کرلی۔ چند روز بعد وہ ارادہ وطن آنے کا کرتا ہے اور اپنے خسر سے اپنی زوجہ کی رخصت کا طالب ہوتا ہے۔ زید کا خسر کہتا ہے کہ اگر رہنا ہے تو میرے ہی مکان پر رہو لڑکی کو تمھارے مکان پر رخصت نہ کروں گا۔ اگر تم کسی قسم کی زیادتی کروگے تو میں تدارک کروں گا بہتر یہ ہے کہ تم طلاق دے دو ورنہ واپس چلے جاؤ۔ زید واپس آکر اپنے چچا کو ہمراہ لے کر پہنچتا ہے اور رخصت کا طالب ہوتا ہے نوبت بخشش مہر منجانب مستماۃ و نوبت طلاق پہنچتی ہے۔ بعد تحریر دستاویزات جس وقت نوبت نشانی انگوٹھا پہنچتی ہے وہ انکار کر دیتی ہے کہ میں مہر بخشوں نہ طلاق لوں۔ اس طرف زید انکار کرتا ہے کیونکہ یہ معاملہ عفتہ کا درمیان خسر و چچا لڑکے و لڑکی کے درمیان کا تھا بعدہٗ وہ دونوں کاغذ پھاڑ دیئے گئے۔ زید اپنی زوجہ کو رخصت کراکر واپس آتا ہے۔ اہل برادری کہتے ہیں کہ جب تک نکاح دوبارہ نہ ہو جائے حقہ پانی میں ہم شریک نہ ہوں گے۔ غرضیکہ نکاح دوبارہ ہوتا ہے۔ اس حالت میں نکاح اوّل جائز رہا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۸۷۵ مہر علی صاحب (ننگلہ رسول پور۔ آگرہ)

۴ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۸۲) **جواب**۔ جبکہ طلاق معافیٔ مہر کے ساتھ مشروط تھی اور عورت نے معافیٔ مہر سے انکار کر دیا تو

طلاق نہیں پڑی نکاحِ اول باقی ہے۔ تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہ تھی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

فصل ہفدہم

حق مطالبہ طلاق

سوال

(۱) ایک عورت کی شادی عرصہ سات آٹھ سال سے ہوئی زوجہ نیک طبیعت، ایماندار، نیک چلن ہے۔ اس کا خاوند بڑا بدمزاج ہے اور رات دن تکالیف دیتا رہتا ہے اور بلاناغہ روزانہ مارپیٹ کرتا رہتا ہے۔ عورت کو قطعی نہیں چاہتا، نان و نفقہ میں بھی کمی کرتا ہے۔ زوجہ مارپیٹ سے ہمیشہ خوف زدہ رہا کرتی ہے اور شوہر اس کا برابر شدید مارپیٹ کرتا ہے۔ مارکوٹ سے ہمیشہ بیوی بیمار رہا کرتی ہے۔ کیا ایسی صورت میں عورت اپنے شوہر سے شرعاً طلاق لے سکتی ہے؟

(۲) شوہر بدمزاج ہے۔ زوجہ کی تعمیلِ حکم کرتے ہوئے بھی شوہر اس کو ہمیشہ مارکوٹ کرتا رہتا ہے اور نہیں چاہتا اس سلسلہ میں کئی مرتبہ عورت کو کہتا ہے کہ تو چلی جا تجھے طلاق ہے اور اپنے گھر سے باہر نکال دیتا ہے۔ لیکن ایک یا دو مرتبہ لفظ طلاق کہہ کر رک جاتا ہے۔ تیسری مرتبہ اپنے منہ سے طلاق کا لفظ نہیں کہتا۔ ایک مرتبہ طلاق کا لفظ کہہ کر زوجہ کو اس کے شوہر نے گھر سے باہر نکال دیا۔ اس کے باپ کے یہاں زوجہ رہی۔ اس کے بعد عورت اپنے میکے میں ہی تھی کہ بیس روز بعد پانچ سات آدمی مسلمان معتبر ساتھ لاکر زوجہ کا شوہر اپنے گھر بلا لایا۔ شوہر کا باپ موجود تھا۔ پھر وہی زوجہ کے باپ و تایا کو بھی بلا لایا۔ تمام اشخاص کے سامنے دو مرتبہ زوجہ کے خاوند نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی۔ اس طرح سے تین مرتبہ طلاق دی اور کہا کہ اب میں اس عورت کو نہیں رکھنا چاہتا۔ کیا ایسی صورت میں شرعاً طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۸۹۲ شیخ محمد حسین صاحب (راجپوتانہ) ۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۸۳) **جواب**۔ (۱) ہاں شوہر کی اس تعدی پر زوجہ کو حق ہے کہ وہ طلاق یا خلع کا مطالبہ کرے اور زوج کو لازم ہے کہ وہ یا تعدی سے باز آئے یا زوجہ کو چھوڑ دے۔

(۲) جب شوہر تین طلاق دیدے خواہ ایک دفعہ خواہ فاصلے سے اور فاصلہ کتنا ہی ہو جب تین طلاقیں پوری ہو جائیں گی تو طلاقِ مغلظہ پڑ جائے گی۔ صورتِ مسئولہ میں سوال سے ظاہر ہوتا ہے، کہ طلاقوں کا مجموعہ تین سے زیادہ ہو چکا ہے اس لئے عورت پر طلاقِ مغلظہ ہو چکی ہے اور اسی وقت سے ہوئی ہے جب طلاقوں کا مجموعہ پورا ہوا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

فصل ہیجدہم

تنجیز و تعلیق

سوال

زید شام سے مجلسِ سماع میں ۱۲ بجے شب تک موجود رہا۔ جب مجلس ختم ہوئی اپنے گھر آیا اور اپنی بی بی کے مکان کے اندر داخل ہوا۔ زید کی بی بی اپنے بچے کے پاس تھی جس کی عمر بیس روز کی تھی۔ زید نے اُسے اُٹھا کر یہ کہا کہ اس وقت ہم تم سے ہمبستر ہوں گے۔ زید کی بی بی مذکور نے یہ کہا کہ ہم اس وقت حالتِ نفاس میں ہیں۔ حالتِ حیض و نفاس میں مرد کو ہمبستر ہونا نہیں چاہئیے خدا کا حکم نہیں ہے۔ مگر زید نے اس کی بات کو نہیں سمجھا اور دوبارہ خواہش ظاہر کی۔ اس پر زید کی بی بی نے زید سے یہ کہا کہ اگر زبردستی کرو گے تو تمہاری والدہ کو اُٹھا کر یہ بات کہدیں گے اس پر غصہ ہو کر زید نے کہا کہ اگر والدہ سے میری اس وقت جا کر کہہ دو گی تو تم کو طلاق دیدیں گے۔ پھر وہ اپنا ہمبستر ہونے کا خواہش ظاہر کیا۔ بوجہ اصرار زید کے وہ اپنے مکان سے اُٹھ کر اپنی خوشدامن کی طرف چلی۔ اس وقت اس کی خوشدامن بے خبر نیند میں سوئی ہوئی تھی لہٰذا اپنی خوشدامن کو جگا نہیں سکی۔ واپس اپنے گھر میں زید کے پاس آئی۔ زید کو یہ شبہ ہوا کہ میری والدہ سے جا کر کہہ دیا ہے۔ زید نے اسی وقت اسی گھر میں بی بی کو تین طلاق دیدیں اور باہر چلا آیا۔ جب صبح کو لوگوں نے زید سے یہ دریافت کیا کہ تم نے اپنی بی بی کو رات طلاق کیوں دیا تو زید نے یہ کہا کہ میری بات میری والدہ کو جا کر کہی ہے۔ ہم نے غصہ کی حالت میں طلاق دیدی۔ اس پر لوگوں نے زید کی والدہ سے دریافت کیا تو اس کی والدہ نے کہا کہ ہم کو زید کی بی بی نے کچھ نہیں کہا اور نہ وہ میرے پاس آئی ہے اور زید کی بی بی سے بھی یہ بات دریافت کی گئی تو اس نے یہ کہا کہ ہم نے کوئی بات اپنی خوشدامن سے نہیں کہی

اور نہ جگایا بلکہ واپس چلی آئی۔ لہذا گذارش یہ ہے کہ زید کی بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں۔ اگر طلاق ہوگئی تو عورت کی عدت کتنی ہوگی۔ المستفتی نمبر ۲۲۸۱ محمد قیوم صاحب۔ دربھنگہ

۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۶ جون ۱۹۳۸ء

(۸۴) **جواب**۔ اگر زید نے عورت کو طلاق دیتے وقت معلق طور پر طلاق دی ہو یعنی یوں کہا ہو کہ اگر تو نے میری بات میری ماں سے کہی ہے تو تجھے طلاق۔ اور عورت نے اس کی ماں سے وہ بات نہیں کہی تو طلاق نہیں ہوئی۔ لیکن اگر اس نے تعلیق نہیں کی تھی تو طلاق ہوگئی اور اب اس کی عدت تین حیض آنے پر پوری ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل نوزدہم
تخییر طلاق
سوال

زید نے اپنی اہلیہ کو ایک تحریر ۱۷ مئی ۱۹۴۲ء کو دی اور اس نے اس وقت پڑھ بھی لی بعد ازاں ۲۶ مئی ۴۲ء تک دونوں مثل زن و شو ایک مکان میں رہتے رہے اور تعلقات زن و شو قائم رہے۔ ۲۶ مئی ۴۲ء کو اطلاع دی اور ایک تحریر ۳۰ مئی ۴۲ء کو زوجہ زید نے دی۔ دونوں کی نقلیں درج ذیل ہیں۔ پس اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کونسی ہوئی؟

(نقل تحریر شوہر) محترمہ! السلام علیکم۔ میں نے آپ کے مطالبہ پر بہت غور و خوض کرنے کے بعد جو فیصلہ کیا ہے اس سے آپ کو مطلع کر دینا بہت ضروری سمجھتا ہوں۔ دنیاوی تعلقات یا خدا اور رسول کی طرف سے جو حق مجھ کو حاصل ہے اس کا مختار آپ کو کرتا ہوں۔ یعنی اگر آپ واقعی مجھ سے علیحدگی کا فیصلہ کریں تو میں آپ کی راہ میں مخل نہیں ہوں گا بلکہ آپ کا اپنے فیصلہ سے مطلع کر دینا کافی ہوگا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ میری گستاخیوں کو معاف فرماتے ہوئے اپنے فیصلہ سے مطلع فرمائیں۔

۱۷ مئی ۱۹۴۲ء

(نقل تحریر زوجہ) جناب ...... وعلیکم السلام۔ آپ کی تحریر مجھ کو ملی۔ میں نے کافی غور کیا۔ آپ کی تحریر سے مجھے اتفاق ہے۔ میں آپ کو زبانی بھی مطلع کر چکی ہوں اور اس تحریر کے ذریعہ پھر مطلع

کرتی ہوں کہ میں نے طلاق منظور کیا۔ اب مجھے آپ سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور کسی قسم کا تعلق زن و شو باقی نہیں رہا۔ ۳۰ رمئی ۱۹۴۲ء

المستفتی نمبر ۲۷۲۱ محمد فخر الہدیٰ کلکتہ - ۲۶ جمادی الاول ۱۳۶۱ھ م ۱۱ جون ۱۹۴۲ء

(۸۵) **جواب** - زید کی تحریر میں تخییر و تفویض ہے اور عموم اوقات کا کوئی لفظ نہیں ہے اس لئے وہ مقید بالمجلس ہے۔ یعنی جس مجلس میں زوجہ نے وہ تحریر پڑھی تھی اسی مجلس میں اُسے طلاق ڈال لینے کا حق تھا۔ جب اس مجلس میں اس نے اپنے اوپر طلاق نہیں ڈالی تو وہ اختیار جو اُسے دیا گیا تھا باطل ہوگیا۔ پھر ۲۶ رمئی تک دونوں کا باہم زن و شو کی طرح رہنا بھی مبطل اختیار ہے۔ لہٰذا ۲۶ رمئی کو زوجہ کی طرف سے زوج کو زبانی اطلاع دینا اور ۳۰ رمئی کو تحریر دینا بیکار ہے اور پھر تحریر بھی مہمل ہے یعنی اس سے یہ نہیں نکلتا کہ تخییر کے حق کو وہ استعمال کر کے خود طلاق لے رہی ہے بلکہ یہ نکلتا ہے کہ زوج نے اسے طلاق دی ہے وہ اُسے منظور کرتی ہے۔ حالانکہ زوج نے اپنی تحریر میں اُسے طلاق نہیں دی بلکہ اسے اپنے اوپر طلاق ڈالنے کا اختیار دیا تھا لہٰذا زوجہ پر کوئی طلاق نہیں پڑی ہے اور وہ بدستور زید کے نکاح میں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

فصل بستم
طلاق غیر مدخولہ
سوال

ایک شخص کا صرف نکاح ہوگیا ہے لیکن ابھی رخصت نہیں ہوئی۔ وہ اپنی بیوی کو فی الفور طلاق دینا چاہتا ہے۔ ایک ہی وقت میں تو کس طرح دے؟ ایک دم تین مرتبہ کہدے یا وقفہ دے کر؟

(۸۶) **جواب** - غیر مدخولہ کو ایک طلاق دے دینا کافی ہے۔ ایک ہی طلاق سے وہ بائن ہو جاتی ہر حالتِ طہر میں طلاق دینا بہتر ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

مدرسہ امینیہ دہلی

فصل بست ویکم
متفرقات
سوال

زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھ کو ثلاث ایک طلاق بائن دیا تم جاؤ، تو اس کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوں گی ؟

(۸۷) **جواب** - زید کے اس قول سے کہ میں تجھ کو ثلاث ایک طلاق بائن دیا" اس کی بیوی پر تین طلاقیں پڑیں اور وہ مطلقہ مغلظہ ہو گئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کی شادی و نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا۔ ہندہ سے زید نے بتاریخ ۱۶ ارمئی ۳۳ء وطن چلنے کے لئے کہا۔ ہندہ نے انکار کیا۔ اس پر زید نے ہندہ کو طلاق دیدی۔ ہندہ اس وقت حاملہ تھی۔ ہندہ کے ۷ رجون ۳۳ء کو وضع حمل ہوا۔ ہندہ کا خود اور اس کے والدین کا بیان ہے کہ زید نے تین چار مرتبہ طلاق دی یہ کہہ کر کہ "میں نے تجھ کو طلاق دی" زید انکاری ہے۔ مگر حاکم کی رائے میں تین چار مرتبہ طلاق دینا ثابت نہیں۔ البتہ ایک واقعہ یہ ثابت ہے کہ وقوعہ طلاق کے مابین مابعد زید اور زید کے خسر خود نائب قاضی صاحب ریاست بھوپال کے پاس گئے اور ان کے روبرو ایک استفتا پیش کیا اور واقعات زبانی زید کے خسر نے بیان کیے جن کی زید نے تردید نہیں کی۔ اس استفتا اور واقعات سے جو زید کے خسر نے بیان کیے نائب قاضی صاحب نے یہ نتیجہ نکالا کہ طلاق رجعی ہو گئی طلاق بائن نہیں ہوئی۔ نیز زید کا ادعا ہے کہ نائب قاضی صاحب کے حکم کے بعد اس نے اپنے خسر کے سامنے رجعت کی لیکن یہ ثابت نہیں ہے۔ دوسری رجعت زید نے عدالت کے روبرو بتاریخ یکم نومبر ۳۳ء دوران حلفی بیان خود کی اور ہندہ کے وضع حمل ۷ رجون ۳۳ء کو ہو چکا تھا۔ لہٰذا بربنائے واقعات مندرجہ بالا کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مابین زید و ہندہ طلاق وارد ہوئی یا نہیں ؟ المستفتی ۲۱۹ عبدالحنیف خاں

۱۴ ارذی قعدہ ۱۳۵۲ء م ۲۴ ر فروری ۱۹۳۴ء

(۸۸) **جواب** - اس سوال میں وہ واقعات درج نہیں جن سے طلاق ہونے یا نہ ہونے کا حکم دیا جا سکے۔

اسی طرح صحت رجعت وعدم صحت کا حکم بھی۔ اس سوال کا جواب اسی قدر ہوسکتا ہے کہ ثبوتِ طلاق کے لئے شہادتِ شرعیہ کی ضرورت ہے۔ نائب قاضی کے سامنے زید کے خسر کا بیان شہادتِ طلاق کا کام نہیں دے سکتا۔ اور رجعت عدت کے اندر ہوسکتی ہے۔ اگر طلاق کا ثبوت ہو جائے تو عدت اس کی وضع حمل پر ختم ہو جاتی ہے۔ وضع حمل سے پہلے رجعت ہوئی تو معتبر ہوگی ورنہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ

سوال

ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق دینے کے وقت پوچھا کہ تم کو کچھ ہے (یعنی حمل ہے؟) اس نے جواب میں کہا کہ ہم کو کچھ نہیں ہے۔ اس شخص نے کہا کہ اگر کچھ ہو تو اس کا میں ذمہ دار نہیں ہوں اور اس نے تین طلاق پوری دی اور چند آدمیوں کے سامنے طلاقنامہ لکھ دیا اور پھر چند روز کے بعد اس نے کہا کہ میں نے شرطی طلاق دی ہے اور جھوٹے گواہ لے جا کر مفتی سے فتویٰ لا کر اس عورت کو کام میں لاتا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۷۰ نیگ مسلم نورانی کلب ڈیگون

۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۹ جولائی ۱۹۳۴ء

(۸۹) **جواب** ۔ اگر شخص مذکور بلاشرط طلاق دے چکا ہے اور تین طلاقیں دی ہیں تو اس کی زوجہ اس کے لئے حرام ہو چکی ہے جن لوگوں نے جھوٹی گواہی دی وہ سخت گنہ گار اور فاسق ہوئے اور انکی جھوٹی گواہی کی بنا پر اور مفتی کے فتوے کی وجہ سے وہ عورت اس شخص کے لئے حلال نہیں ہو جائیگی۔ کیونکہ مفتی کا فتویٰ تو بیانِ سائل پر ہوتا ہے۔ اگر بیان جھوٹا ہو تو مفتی اس کا ذمہ دار نہیں اور نہ اس کے فتوے سے حرام چیز حلال ہو سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

زید کی منکوحہ عورت آٹھ ماہ میں بچہ جن چکی ہے۔ اب زید کو کچھ دماغی عارضہ ہو گیا۔ زید کو وہم ہوا کہ میری زوجہ نے مجھ پر جادو کروا دیا ہے۔ اس خیال پر زوجہ کو مارا بیٹھا۔ اس نے اپنی جان کے خوف کے باعث اپنے عزیزوں کو اطلاع دی جنھوں نے زید کو مار پیٹ کر نکال دیا۔ زید قریب ایک سال کے بعد اپنی زوجہ کے پاس گیا اور کہا کہ تم نے میری ہمدردی نہیں کی ہے اس لئے میں جاتا ہوں اگر تم چاہو تو طلاق نامہ کاغذ پر لکھ دوں۔ عورت نے جواب دیا کہ اب مجھ کو دوسرا خاوند کرنا نہیں ہے جو تم سے طلاق لوں۔ تمھاری خوشی ہو آنا یا نہ آنا۔ اب تین سال کے بعد زید اپنی جورو سے متفق ہونا چاہتا ہے۔

اس واسطے زید دریافت کرتا ہے کہ عورت مذکورہ میرے نکاح میں سے خارج تو نہیں ہوئی۔
المستفتی نمبر ۲۳۷ مستری صادق علی صاحب (ضلع بلند شہر) ۲۴ شعبان ۱۳۵۵ھ م ۱۰ نومبر ۱۹۳۶ء

(۹۰) **جواب** - صرف اس کہنے سے کہ میں جاتا ہوں تم چاہو تو طلاق لے لو اور عورت کا یہ کہنا کہ مجھے دوسرا خاوند کرنا نہیں ہے جو تم سے طلاق لوں تمہاری خوشی ہو آنا یا نہ آنا اس سے طلاق نہیں ہوئی۔ میاں بیوی باہم زوجین کی طرح رہ سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

میری شادی ہوئے عرصہ سات سال کا ہوا۔ میری اہلیہ ناخواندہ جاہل مزاج اور نافرمان ہے جب سے میری شادی ہوئی ہے میں کبھی خوش نہیں ہوں۔ ہمیشہ نااتفاقی ہی رہتی ہے۔ اس وقت دو لڑکے ہیں۔ تین بچے ہوئے پہلا لڑکا قضا کر گیا۔ دوسرا چار سال کا ہے، تیسرا شیر خوار ہے۔ میری پہلے سے منشا دوسرے نکاح کی ہے۔ لیکن میری اہلیہ اس کے خلاف ہے۔ اسی رنجش کی وجہ سے اس نے عہد کر لیا ہے کہ میں اگر تم سے تعلق رکھوں گی تو اپنے باپ اور بھائی سے تعلق رکھوں گی۔ تو میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے۔ میرے نکاح میں ہے یا نکاح سے باہر ہو گئی۔ مہر پانچسو روپے دو سرخ دینار ہے۔ علاوہ اس کے وہ بچوں کو نہیں چھوڑنا چاہتی ہے اس لئے کل باتوں سے مجھے مطلع فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۱۵۳۹ سید احمد علی صاحب (ضلع رائے پور ریاست کھیر اگڑھ)
۱۷ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۷ جون ۱۹۳۷ء

(۹۱) **جواب** - اہلیہ کے اس عہد کر لینے سے طلاق نہیں پڑتی اور نہ اس سے وطی کرنا شوہر کے لئے ناجائز ہوتا ہے۔ شوہر وطی کر سکتا ہے۔ اگر اہلیہ نے عہد مؤکد بقسم بھی کیا ہو جب بھی مرد کے لئے کچھ حرج نہیں۔ اس کو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اور بس آپ اس کو مسئلہ سمجھا کر اس سے تعلقاتِ زوجیت قائم کریں۔ اور جب اس کے بطن سے اولاد ہے تو اسی کے ساتھ نباہ کرنے کی کوشش کریں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید نے اپنی بیوی کو پنچایت کے روبرو طلاق دیدی اور عورت کو گھر سے نکال دیا۔ وہ عورت اپنے بھائی کے پاس چلی گئی۔ اُس کا بھائی پنچایت لے کر آیا۔ اس نے زید سے پوچھا تم نے طلاق کیوں

دی۔اس نے کہا میں نے نہیں رکھنی اس لئے طلاق دیدی۔آپ بتائیں کہ اس عورت کو طلاق واقع ہوئی یانہیں؟ المستفتی نمبر ۲۴۰۸ فضل الدین ٹیلر ماسٹر (جالندھر) ۵ رجب ۱۳۵۶ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۷ء

(۹۲) **جواب**۔جبکہ شوہر نے طلاق دیدی تو طلاق ہوگئی۔طلاق کتنی مرتبہ دی یہ معلوم نہ ہوا۔اگر ایک یا دو مرتبہ لفظ طلاق کے ساتھ طلاق دی ہو تو رجعت ہو سکے گی اور تین مرتبہ دی ہو تو طلاق مغلظہ کا حکم ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مسماۃ ننھی بیگم زوجہ عبدالغنی ولد وزیر علی خاں ساکن قصبہ اجھانی ضلع بدایوں وارد حال شہر دہلی تخمیناً عرصہ دو سال سے اپنے شوہر سے نان نفقہ وصول کرنے سے عاجز ہے اور ضروریات کو پورا کرنے میں محتاج ہے۔اور اس نے کئی مرتبہ کہاکہ میں نے تجھ کو طلاق دی اور میں اپنے چچازاد بھائی کے یہاں چلی گئی۔ایسی صورت میں میرے واسطے کیا حکم ہے؟ نشانی انگوٹھا مسماۃ ننھی بیگم

مورخہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ م ۲۰ جولائی ۱۹۳۳ء

(۹۳) **جواب**۔اگر خاوند کئی مرتبہ یہ کہہ چکا ہے کہ میں نے تجھ کو طلاق دی تو عورت پر طلاق ہو چکی ہے وہ عدالت میں طلاق دینے کا ثبوت پیش کر کے حکم تفریق حاصل کر سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۲۷ء)

ایک مرد ہے جس کے نکاح میں عرصہ آٹھ سال سے ایک عورت تھی جس کو ہمیشہ مرد مذکور نکالا کرتا تھا اور چودہ بار مرد مذکور نے طلاق دیا تھا۔عورت چلی جاتی تھی پھر بلا کر رکھ لیتا تھا۔مگر کبھی درمیان فریقین کے اتفاق نہ رہا۔آخری مرتبہ نکال دینے کے بعد مرد نے اپنی دوسری شادی بھی کر لی۔ایسی صورت میں کہ وہ اس سے بے تعلق ہو چکا ہے عورت کے لئے کیا حکم ہے؟

(۹۴) **جواب**۔اگر واقعہ یہ ہے کہ چودہ بار مرد طلاق دے چکا ہے تو نکاح قائم رہنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔رجعت کا حق بھی دو طلاق تک رہتا ہے۔تیسری طلاق کے بعد عورت مطلقہ مغلظہ ہو جاتی ہے۔ پس بصورت صدق واقعہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۲۷ء)

ایک شخص نے اپنی بیوی سے تین بار کہا کہ تم کو چھوڑ دیا۔ لیکن یہ الفاظ حالتِ غضب میں کہے تھے۔ بعدہٗ شوہر نے انکار کردیا کہ میں نے کوئی طلاق نہیں دی۔ اس معاملہ میں چار شخص موجود تھے۔ ایک اہلِ ہنود، ایک والد عورت کا اور دو شخص دیگر۔ یہ چار شخص حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ خاوند نے واقعی الفاظ مذکورہ کہے ہیں۔ مگر جو شخص دوسرے ہیں وہ خاوند کے مخالف ضرور ہیں۔

(۹۵) **جواب** ۔ اگر خاوند نے یہ الفاظ کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا طلاق کی نیت سے کہے ہوں تو ایک طلاق بائن پڑی اور نیت طلاق نہ ہو تو طلاق نہیں ہوئی۔ اگر وہ نیتِ طلاق کا انکار کرے یا ان الفاظ کے کہنے سے ہی منکر ہو اور گواہ بھی نہ ہوں یا قابلِ اعتماد نہ ہوں تو خاوند کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۲۷ء)

ایک مسلمان کے گھر غیر کی منکوحہ عورت دس بارہ سال سے رہتی ہے اور اس مرد کے اس عورت کے بطن سے چند بچے بھی پیدا ہوچکے ہیں۔ وہ عورت اپنے شوہر کے گھر ہرگز نہیں جاتی اور شوہر اس کو طلاق نہیں دیتا۔ یہ نکاح بغیر طلاق کے کسی طرح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ عورت مرد مذکور پر کسی طرح حلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟ عرصہ مدید کی موانست اور بچوں کی محبت بھی مانع مفارقت ہے۔

(۹۶) **جواب** ۔ اس عورت کا پہلے خاوند سے نکاح کسی صورت سے فسخ کرایا جائے۔ اور کوئی صورت ممکن نہ ہو تو کم از کم ایلا کی صورت پیدا کر کے چار ماہ کے بعد وقوع طلاق کا حکم دیا جائے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۵ جون ۱۹۳۴ء)

ایک مولوی جو نماز پنجگانہ کا پابند نہیں، ہر روز سینما دیکھتا ہے۔ قوالی اور گانا سنتا ہے۔ ساری

رات گانے کی محفل میں جاگے اور نمازِ فجر کے وقت سو جائے اور اپنے متبعین سے یہ عہد لے کہ تم پر ہماری تابعداری ہر طرح فرض ہے۔ اگر اس کے خلاف کیا تو تمہاری عورت پر طلاق پڑ جائے گی۔ اس کے چیلے یہ سن کر جواب نہیں دیتے بلکہ سب کے سب تسلیم کرتے ہیں۔ کیا واقعی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں ان کی عورتوں پر طلاق پڑ جائے گی؟

(۹۷) **جواب**۔ یہ شخص اگرچہ نام کا عالم ہو مگر درحقیقت عالم نہیں ہے جاہل ہے۔ اس کی متابعت کرنا ناجائز ہے۔ اور اس کا خلاف کرنے سے کسی شخص کی بیوی پر طلاق نہیں پڑے گی۔ کیونکہ محض اس کے اس کہنے سے کہ جو میرا خلاف کرے گا اس کی بیوی پر طلاق ہو جائیگی کوئی طلاق معلق نہیں ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

دوسرا باب
فسخ وانفساخ
فصل اول
عمر قید زوج
سوال

عرصہ تقریباً سات سال کا ہوا جبکہ سائلہ کی عمر تقریباً سات سال کی تھی اور قطعی نابالغہ تھی۔ بلا علم و اجازت و بلا رضامندی سائلہ نکاح سائلہ ہمراہ محمد صدیق ولد محمد دین ہوا تھا جس میں رضامندی محض بزرگان فریقین کی تھی۔ اس وقت زوج کی عمر تقریباً چودہ سال تھی۔ بعد نکاح زوجہ برمکان زوج بہ سبب علالت خسر مرحوم عرصہ ڈیڑھ سال ہوا۔ صرف ڈیڑھ ماہ کے لئے گئی تھی اور اس دوران میں کسی قسم کا کوئی واسطہ زوجہ کا زوج سے نہیں ہوا۔ اور نہ تاہنوز زوجہ یہ جانتی ہے کہ زوج سے کیا واسطہ اور تعلق ہوتا ہے۔ اب تقریباً ڈیڑھ دو ماہ گذرے کہ زوج کو ایک مقدمۂ قتل میں جنم قید ہو گئی ہے جس کی مدت کم از کم بیس سال ہوتی ہے۔ زوجہ کی عمر اس وقت چودہ پندرہ سال ہے اور

کوئی اثاثہ ایسا نہیں ہے جس سے وہ اپنی گذراوقات کر سکے اور دل کو مار سکے۔ نیز زوجہ کی خوشی اور رضامندی زوج کے ساتھ نہیں ہے اور زوج کا باپ بھی زندہ نہیں ہے۔ اب وہ نکاحِ ثانی کس طرح کر سکتی ہے؟ المستفتی ۱۷۱ مسماۃ کبیرؔا معرفت منشی محمد صدیق مختار عام ہمدرد دواخانہ دہلی

۱۰ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۲۸ دسمبر ۱۹۳۳ء

(۹۸) **جواب**۔ ایسی حالت میں کہ خاوند کو عمر قید ہوگئی ہے اور کوئی اثاثہ بھی زوجہ کے نفقہ کے لئے نہیں چھوڑا تو کوئی مسلمان حاکم اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ بعد حکم فسخ عورت دوسرا نکاح کر سکے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ایک شخص کو کالے پانی کی سزا ابتعین ۲۰ سال کی ہوئی ہے اور اس کی بیوی جوان ہے۔ وہ اس عرصہ تک نہیں رہ سکتی اور اپنی شادی کرنا چاہتی ہے تو ایسی صورت میں عقدِ ثانی کا کیا حکم ہے؟

المستفتی ۲۲۳ قاضی عبدالرؤف دھولانہ ضلع میرٹھ۔ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۳ مارچ ۱۹۳۴ء

(۹۹) **جواب**۔ اگر ممکن ہو تو اس قیدی شوہر سے طلاق حاصل کر لی جائے۔ لیکن اگر حصولِ طلاق کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر یہ حکم ہے کہ اگر عورت اتنی طویل مدت تک صبر نہ کر سکتی ہو یا اس کے نفقہ کی کوئی صورت خاوند کی جائداد وغیرہ سے نہ ہو تو کسی مسلمان حاکم سے نکاح فسخ کرا لیا جائے۔ اور بعد فسخ نکاح وانقضائے عدت دوسرا نکاح کر دیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۲۷ء)

زید بمقدمہ خون ریاست نیپال میں گرفتار ہوا اور سولہ برس تک حوالات میں رہا۔ اب اس کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا اور سزا دائم الحبس کی دی گئی۔ زید اپنی زوجہ کو نہ طلاق دیتا ہے، نہ نان نفقہ دیتا ہے۔ کیا ایسی صورت میں اس کی زوجہ بغیر طلاق دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟

(۱۰۰) **جواب**۔ اس صورت میں عورت حاکمِ مجاز سے اپنا نکاح فسخ کرا کے اور عدت گزار کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ بغیر حکم فسخ دوسرا نکاح جائز نہیں ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ غفرلہ،

فصل دوم

نافرمانی زوجہ

سوال

مسماۃ کرم جی بنت جمال الدین کی شادی رحمت اللہ سے ہوئی۔ عرصہ دس سال تک زن و شو میں اتفاق رہا اور دو لڑکیاں بھی ہوئیں۔ ازاں بعد نفاق و رنجش باہمی کی وجہ سے مسماۃ اپنے والدین کے گھر رہی۔ کئی سال تک دخلِ زوجیت کا مقدمہ عدالت ہائی کورٹ تک پہنچا۔ رحمت اللہ کامیاب ہوا۔ مگر مسماۃ کو جب عدالت سے سپرد کیے جانے کا حکم ہوا تو مسماۃ مع اپنی دختران اور برادر خورد کے شہر سے فرار ہوگئی۔ گیارہ سال تک روپوش رہی۔ اپنی گزر اوقات طریقۂ ناجائز سے متفرق شہر و دیار میں کرتی رہی۔ اس وقت تک شوہر نے کوئی پتہ رسی نہیں کی۔ مسماۃ اسی صورت سے گذر کرتی ہے اور ہر دو دختران کی شادی بھی کردی۔ اب سوال یہ ہے کہ مسماۃ اپنے شوہر کے نکاح سے علیحدہ ہوگئی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۸۱ عبدالرحمٰن خاں جے پور

۲۲ رمضان ۱۳۵۲ھ ۹ جنوری ۱۹۳۴ء

(۱۰۱) **جواب**۔ مسماۃ مذکورہ ابھی تک رحمت اللہ کی زوجیت سے علیحدہ نہیں ہوئی۔ علیحدگی کے لئے لازمی ہے کہ یا تو رحمت اللہ طلاق دے کر علیحدہ کرے یا پھر کوئی مسلمان حاکم ان دونوں کی صورت حالات معلوم کر کے جب اجتماع اور نباہ کو ناممکن سمجھے تو ان کا نکاح فسخ کر کے تفریق کا حکم دے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

فصل سوم

عدم نان نفقہ

سوال

میری منکوحہ بیوی نے عدالتِ انگریزی پنجاب میں دعویٰ دائر کیا کہ چونکہ میرے شوہر نے ساڑھے تین سال سے نان نفقہ ادا نہیں کیا لہٰذا مجھے نکاحِ ثانی کرنے کی اجازت دی جائے۔ عدالت

نے میری حاضری کا سمن جاری کیا۔ چونکہ میں غیر ملک میں تھا۔ میں نے جوابِ دعویٰ تحریری روانہ عدالت کیا جو کسی خاص وجہ سے عدالت میں پیش نہیں کیا گیا۔ میری بیوی نے جو فتوے عدالت میں پیش کیے اس میں یہ تحریر ہے کہ اگر شوہر بیوی کے حقوق ادا کرنے سے انکار کرے اور خرچ بھی نہ دے تو جدائی ہو سکتی ہے۔ پیشتر اس کے کہ عدالت مجھ سے کوئی تحریر طلب کرے عدالت نے سمن بذریعہ اشتہار جاری کر کے یکطرفہ ڈگری دے کر میری بیوی کو نکاح ثانی کی اجازت دیدی کیونکہ میرا جوابِ دعویٰ عدالت میں پیش نہیں ہوا۔ المستفتی ۳۶۲ ۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م یکم جولائی ۱۹۳۴ء

(۱۰۲) **جواب** - عدالت کو خاوند سے جواب لینا چاہیئے تھا اور اگر وہ نفقہ دینے یا طلاق دینے سے انکار کرتا تو پھر وہ فسخِ نکاح کا حکم کر سکتی تھی، لیکن اگر مسلمان حاکم نے فسخ نکاح کا حکم اس بنا پر کر دیا ہے کہ خاوند کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا اور نہ موصول ہونے کی امید تھی تو اس کا حکم صحیح ہو گیا۔ اور اگر انقضائے عدت سے قبل خاوند آجائے اور بیوی کے حقوقِ نفقہ ادا کر کے اسے راضی کر لے تو بیوی اس کو مل سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک عورت عظمن نامی کا عرصہ ۱۴ - ۱۵ سال ہوئے ایک شخص زید کے ساتھ نکاح ہو چکا ہے۔ نکاح کے سال بھر ہی کے اندر شوہر نے ناراضی سے اس کو اس کے میکے پہنچا دیا اور اس وقت سے آج تک ایک کوڑی خرچ کو نہ دی اور نہ کوئی خبر لی اور نہ عورت کے بلانے کی خواہش کی۔ کئی بار اس کے شوہر سے کہا گیا کہ اگر تم کو اسے رکھنا منظور نہیں تو اسے طلاق دے دو تو وہ کہتا ہے کہ طلاق ہی سی ہے۔ مجھے کیا وہ جو چاہے کرے۔ چونکہ عورت کو کھانے پینے کی تنگی رہی اس لئے اس کا ایک شخص سے ناجائز تعلق ہو گیا اور وہ اس کا کفیل ہے۔ بستی والے کہتے ہیں کہ تو نکاح کرے نکاح پڑھنے والے کہتے ہیں کہ جب طلاق نہیں ہوئی تو نکاح کیسے ہوگا۔

المستفتی ۷۲۶ حافظ محمد وجاہت حسین (ضلع اٹاوہ) ۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء

(۱۰۳) **جواب** - یہ صحیح ہے کہ عورت جب تک پہلے شخص کے نکاح میں ہے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا، لیکن جبکہ زوج اول طلاق نہیں دیتا تو اول تو لوگوں کو چاہیئے کہ اسے مجبور کریں کہ یا تو اپنی بیوی سے نباہ کرے اور اس کا کفیل ہو یا طلاق دیدے۔ اگر وہ نہ مانے تو اس کا مقاطعہ کر دیں اور عورت

عدالت میں بوجہ عدم کفالت شوہر کے فسخ نکاح کا دعویٰ کر دے۔ اور عدالت تحقیقات کر کے اگر ثابت ہو جائے کہ فی الحقیقت شوہر کا ظلم ہے تو نکاح کو فسخ کر دے۔ یہ حکم مسلمان حاکم کی عدالت سے حاصل کیا جائے اور بعد حصول حکم عدت پوری کر کے عورت کا دوسرا نکاح کر دیا جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک شخص نے اپنی شادی کی۔ شادی ہو جانے پر قریب چار برس ہو چکنے تو وہ عورت کو لینے جاتا ہے نہ اس کو کچھ خرچ دیتا ہے۔ لڑکی کے ماں باپ چاہتے ہیں اور کہلاتے ہیں دو برس سے مگر اس کا شوہر نہ اس کا خسر لینے نہیں آتا اور نہ کچھ جواب دیتا ہے۔ کیا کیا جائے؟

المستفتی نمبر ۸۰۶ منشی مقبول احمد (جھکوہی) ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(۱۰۴) **جواب** ۔ اس لڑکی کا نکاح کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے فسخ کرانا چاہئیے۔ اور جب نکاح فسخ کر دیا جائے تو پھر دوسرا نکاح ہو سکے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک شخص اپنی زوجہ کو بغیر نان ونفقہ اور مکان سکنی کے چھوڑ کر چلا گیا اور اس کی زوجہ جوان عین شباب میں تھی۔ اس نے بشدت تمام پورے دو سال انتظار کھینچ کر اپنی حالت بعض علمائے کرام کے سامنے پیش کی اور اپنی ہر قسم کی ضرورت سنائی۔ اس پر علمائے اہل حدیث نے اس کو فسخ نکاح کی اجازت دی۔ اور ایک عالم نے اس کا نکاح فسخ کر دیا۔ اب اس نے دوسری جگہ اپنا نکاح کر لیا ہے۔ یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۸۷۶ محمد اسمٰعیل (ضلع لائلپور) ۲۵ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۳۶ء

(۱۰۵) **جواب** ۔ اگر عورت مجبور و مضطر تھی تو اس کا نکاح فسخ کر دینا اس حالت میں جائز تھا۔ مگر فسخ کرنے کا حق یا تو با اختیار حاکم کو یا جماعت مسلمین باشرع کو تھا۔ کسی ایک عالم کو یہ حق نہیں تھا۔ اس لئے نکاح ثانی جائز نہیں ہوا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے اپنی زوجہ کو عرصہ نو سال سے ترک کر رکھا ہے نہ اس کو اپنے مکان پر لے جاتا ہے نہ

نان ونفقہ کی خبر گیری کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے۔ عورت جوان ہے ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ نیز وہ اپنا مہر لینے کی حقدار ہے یا نہیں؟

(۱۰۶) **جواب** ۔ زوجہ کو حق ہے کہ مسلمان جج کی عدالت سے ایکٹ ۸ ۱۹۳۹ء کے تحت اپنا نکاح فسخ کرالے پھر عدت پوری کر کے دوسرا نکاح کر سکے گی ۔ زوجہ اپنا مہر لینے کی حقدار ہے ۔

سوال

آج ایک عرصہ دراز ہوا زید اپنے مکان پر نہیں آتا ہے اور نہ اپنی عورت کو خوراک و پوشاک کا خرچ ادا کرتا ہے ۔ زید کے والدین غریب ہیں ۔ وہ عورت اپنے باپ کے گھر میں آکر پرورش ہوتی ہے ۔ اس اثناء میں ایک خط زید نے بذریعہ ڈاک اپنے والد کے نام روانہ کیا ۔ اس خط میں زید لکھتا ہے کہ میری عورت کی چوڑیاں توڑ دو ۔ اس ملک اڑیسہ میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی عورت بیوہ ہوتی ہے تو اس کی چوڑیاں توڑ دی جاتی ہیں ۔ وہ خطاب گم شدہ ہے مگر اس خط کے پڑھنے والے دو شخص گواہی دیتے ہیں کہ اس خط میں زید کی لکھائی (ہینڈ رائیٹنگ) موجود ہے اور اس میں وہ لکھتا ہے کہ میری عورت کی چوڑیاں توڑ دو ۔ وہ عورت نوجوان ہے اور کسی سے نکاح کرنا چاہتی ہے ۔ اس صورت پر اس گم شدہ خط کے مضمون کے موافق عورت پر طلاق واقع ہو سکتی ہے یا نہیں اور وہ عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ۔ المستفتی نمبر ۱۳۴۱ مولوی شیخ غلام صاحب (اڑیسہ)

۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۸ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۰۷) **جواب** ۔ اس خط پر تو طلاق کا حکم نہیں دیا جا سکتا ۔ مگر جب زوجہ کے نان ونفقہ کی کوئی صورت نہ ہو یا وہ بغیر شوہر کے اپنے نفس کو حفاظتِ عصمت پر قادر نہ سمجھے تو کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے وہ اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور بعد حصول حکم فسخ وانقضاء عدت وہ دوسرا نکاح کر سکے گی ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

سوال

مسماۃ تمیز النساء کا نکاح چار سال کا عرصہ ہوا کہ مسمی عبدالکریم سے ہوا تھا ۔ اس نے چار سال کے اندر نہ حق زوجیت ادا کیا اور نہ نان ونفقہ دیا بلکہ جب کبھی گئی مار پیٹ کر نکال دیا ۔ مجبور ہو کر اس نے عدالت میں نان ونفقہ و مہر کا دعویٰ دائر کیا چنانچہ وہ ڈگری ہو گیا ۔ پھر بھی اس نے کچھ نہیں دیا ۔

مجبوراً اس کو قید کرا دیا۔ نہ وہ طلاق دیتا ہے اول نہ زرِ مہر ادا کرتا ہے اور نہ نان و نفقہ دیتا ہے۔ اس میں اتنی طاقت ہے کہ وہ زرِ خرچہ قید ادا کرتا رہے اور نہ اس میں طاقت ہے کہ بسر اوقات کرے چونکہ جوان العمر ہے۔ لہٰذا وہ بیٹھ نہیں سکتی۔ اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ وہ مرتد ہو کر کسی غیر مذہب کے ساتھ چلی جاوے۔ لہٰذا علمائے دین سے سوال ہے کہ خدا کے واسطے کوئی ایسی سبیل بتایئے کہ جس سے وہ اس مصیبت سے نجات پائے۔ آپ کو اجرِ عظیم ہوگا۔

المستفتی ۱۴۷۴ جناب قاضی بشیر الدین صاحب (میرٹھ) ۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۷ رجون ۱۹۳۷ء

(۱۰۸) **جواب**۔ ایسی مجبوری اور ضرورت کے وقت عورت کو حق ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرالے۔ کوئی مسلمان حاکم فسخ نکاح کا حکم دے سکتا ہے اور بعد حصول حکم فسخ و انقضاء عدت عورت دوسرا نکاح کرنے کی مجاز ہوگی۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ہندہ کی شادی ہوئے تقریباً چودہ سال گزرے ہیں اور ایک لڑکا بارہ سال کا ہے لیکن تقریباً ۹ سال ہوگئے کہ ہندہ کے شوہر نے بیوی بچے کی کوئی خبر نہیں لی اور نہ روٹی کپڑا دیا۔ اس عرصہ میں ایک دفعہ جہاں کہ ہندہ کا شوہر تھا اس کے پاس اس کے بیوی بچے کو لے کر گئے۔ لیکن اس نے کوئی خبر گیری ان کی نہ کی بلکہ اس نے گھر میں آنا چھوڑ دیا۔ دوسرا موقع اس کو ایک اور آیا کہ وہ اپنی بیوی بچے کے ساتھ رہے لیکن وہ وہاں سے بھی چھوڑ کر چلا گیا۔ اب ۹ سال گذر گئے ہیں کہ بیوی بچے کی روٹی کپڑے کی یا خرچ وغیرہ کی کوئی خبر نہ لی۔ اس صورت میں شرع کیا اجازت دیتی ہے؟

المستفتی ۱۸۳۴ حاجی محمد بشیر صاحب۔ ریاست جیند (ضلع دادری)

۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۰۹) **جواب**۔ بیوی کو حق ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرالے اور پھر عدت گذار کر دوسرا نکاح کرلے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک عورت کی شادی ہوئے۔ چار پانچ مہینے شوہر کے پاس تھی۔ بعدہٗ نا اتفاقی کے باعث شوہر نے زوجہ کو اس کے والدین کے گھر پہنچا دیا اور خود نے دوسری زوجہ سے نکاح کرلیا۔ اس کو آج سات

سال ہو گئے۔ سات سال کی مدت میں شوہر نے زوجہ کی کوئی بھی طرح سے خبر گیری نہیں کی۔ نہ نان و نفقہ پہنچایا اور شوہر کو اس مذکورہ زوجہ سے نفرت بھی ہے مگر زوجہ میں کسی بات کا عیب نہیں اور شوہر طلاق بھی نہیں دیتا۔ زوجین مقلد شافعیہ ہیں۔ سات سال نان و نفقہ نہ بھیجتے ہوئے بغیر طلاق کے ثانی نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ شوہر کرنے پر راضی ہے۔

المستفتی نمبر ۱۹۱۶ سید کمال الدین صاحب (ضلع قلابہ) ۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۱۰) **جواب**۔ بغیر طلاق یا فسخ کے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ ہاں قاضی سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ بعد فسخ کے عدت گذار کر دوسرا نکاح کر سکے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

مسماۃ زینب کا نکاح بحالت نابالغی اس کے والدین نے زید کے ساتھ کر دیا۔ لڑکی ہنوز نابالغہ تھی کہ زید سنگاپور چلا گیا جس کو تقریباً بارہ سال ہو گئے۔ وہاں زید نے دوسری شادی کر لی اور اس کی زوجہ ثانیہ سے دو بچے بھی پیدا ہوئے۔ اپنی زوجہ اولیٰ یعنی زینب کی کوئی خبر گیری نہیں کرتا۔ اتنے زمانے کے بعد صرف تیس روپے اور خط روانہ کیا جس کو آٹھ ماہ ہوتے ہیں۔ ہر چند کوشش کی جاتی ہے کہ وہ مکان آئے یا اپنی زوجہ اولیٰ کو بھی اپنے پاس بلا دے۔ مسماۃ زینب سخت پریشان ہے اور اب مجبوراً عقد ثانی کرنے کے لئے بے چین اور تیار ہے کیونکہ اس کے والدین بھی قضا کر گئے ہیں جس کی وجہ سے اور بھی اس کی زندگی وبال جان ہے۔ شوہر نہ خرچ دیتا ہے اور نہ اپنے پاس سنگاپور بلاتا ہے اور نہ خود آتا ہے۔ ایسی صورت میں زینب مذکورہ کے عقد ثانی کی کیا صورت ہے۔ اس کا نکاح ثانی صحیح ہوگا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۴۱ حافظ ولی اللہ صاحب (اعظم گڈھ)

۲۱ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۱۱) **جواب**۔ زینب کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرے اور حاکم بعد تحقیقات بر بنائے عدم وصول نفقہ و خطرۂ عصمت نکاح فسخ کر دے اور پھر بعد عدت نکاح ثانی کر لے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

میں ایک غریب دکھیا ہوں محنت مزدوری کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتی ہوں۔ میری ایک

بڑی بیٹی جس کی شادی کو چودہ سال ہو گئے ہیں۔اس کے خاوند میں اور اس میں کھٹ پٹ ہو گئی ہے۔ آٹھ یا نو سال سے میرے پاس ہے اور اس کی پانچ سالہ لڑکی بھی یہیں پر ہے۔آٹھ سال کے عرصہ میں مجبوراً اس کا خاوند ایک ماہ تک یہاں رہا ہے اور اب وہ نہ تو لڑکی کا خرچ دیتا ہے نہ بیوی کا۔وہ خرچ دینے کے قابل ہی نہیں ہے کیونکہ وہ کما نہیں سکتا۔آخر کار لاچار ہو کر مقدمہ چارہ جوئی سے نکاح فسخ کرا یا گیا اور دوسرا سال نکاح ٹوٹنے کو ہونے والا ہے مگر یہاں پر جو مولوی صاحبان ہیں وہ اس بات کے برخلاف ہیں۔خاص کر پیر سید فیض الحسن جو احرار کے بڑے لیڈر رہیں کہتے ہیں کہ جب تک خود خاوند طلاق کا لفظ نہ کہے یا لکھ کر نہ دے دوسرا نکاح جائز نہیں اور وہ طلاق تو دیتا نہیں اور لڑکی بھی بڑی نیک اور باعلم ہے اور اگر اُسے ذرا بھی آرام ہوتا تو طلاق لینے کی ضرورت نہ تھی۔وہ بالکل نکما ہے۔ اس سے اتنا بوجھ اُٹھایا نہیں جاتا۔خیر جس طرح خدا کو منظور تھا اب میں آپ کو اس لئے تکلیف دیتی ہوں کہ برائے خدا اس مسئلہ کو حل کریں کہ لڑکی کا نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں۔میں تو شرع پر چلنے والی ہوں۔میں سخت مجبور ہوں۔مہربانی سے میرے حال پر ترس کریں اور فتویٰ بھیجیں۔

المستفتی نمبر ۱۹۹۷ زینب بی بی (سیالکوٹ) ۳ رمضان ۱۳۵۶ھ ۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۱۲) **جواب** ۔اگر نکاح فسخ کرنے والا حاکم مسلمان تھا تو فسخ صحیح ہو گیا۔اور بعد انقضائے عدت عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور اگر حاکم غیر مسلم تھا تو فسخ صحیح نہیں ہوا اس لئے اب کسی مسلمان حاکم سے فسخ کرانے کی سعی کرنی چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

گپو مسلمان اپنی عورت کو بارہ سال سے چھوڑ دیا ہے اور جس وقت چھوڑا تھا اپنا نکاح ایک دوسری عورت سے کر لیا تھا۔کچھ روز کے بعد وہ عورت مر گئی تو پھر اس نے تیسرا نکاح کر لیا۔ شادی شدہ عورت کو نہ طلاق دیتا ہے نہ اپنے پاس بلاتا ہے، نہ کھانے کو دیتا ہے۔یہ عورت سخت مصیبت میں ہے اور نہ قاضی جی کہیں نکاح ہونے دیتے ہیں۔کہتے ہیں کہ جب تک اس کا خاوند طلاق نہ دے نکاح نہیں ہو سکتا یا کہتے ہیں کہ ایسا فتویٰ لاؤ تو نکاح پڑھاؤں۔ایسی حالت میں علماء کیا فرماتے ہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۴۶ شیخ ممتاز صاحب (ضلع ہوشنگ آباد)

۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۱۳) **جواب** - اگر خاوند عورت کو نہ طلاق دیتا ہے نہ نفقہ دیتا ہے اور نہ اس سے فیصلہ اور سمجھوتہ کرتا ہے تو عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے - حاکم بعد تحقیقات اگر مرد کی طرف سے زیادتی اور ظلم کا مشاہدہ کرے تو اس کو نکاح فسخ کر دینے کا حق ہے - بعد حصول حکم فسخ وانقضاء عدت عورت دوسرا نکاح کر سکے گی - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک عورت منکوحہ کا نکاح ہوئے عرصہ قریب دس سال کا ہوا مگر نکاح کے بعد منکوحہ کا خاوند صرف چھ ماہ عورت کے پاس رہ کر افریقہ چلا گیا - افریقہ گئے ہوئے زوج کو عرصہ نو برس کے اوپر گذر گیا - عورت منکوحہ کا خاوند خوراکی و پوشاکی قدرے قلیل روانہ کیا کرتا ہے - جو خرچہ افریقہ سے روانہ کرتا ہے وہ منکوحہ کے خورونوش کے لئے کافی ووافی نہیں ہے - خوراکی و پوشاکی کے لئے از حد تکلیف گوارا کرتی ہے اور فی الحال عورت منکوحہ کی عمر پچیس سال ہے - یعنی عالمِ شباب ہے اور منکوحہ کو اس کا خاوند افریقہ بھی نہیں بُلاتا ہے اور عورت منکوحہ کے خاوند نے افریقہ میں دوسرا نکاح کر لیا ہے اور افریقہ میں اس عورت سے تین اولادیں ہیں اور منکوحہ کا خاوند یہاں بھی نہیں آتا ہے اور عورت منکوحہ کو طلاق بھی نہیں دیتا ہے - مذکور الصدر منکوحہ اپنے زوج کے مذکورہ شدائد سے عاجز ہے جو کہ واقعی ایک انسان ہر ممکن صورت سے برداشت نہیں کر سکتا لہٰذا اس کا نکاح فسخ کرنے کی کیا صورت ہے - کیا کسی حاکم کے روبرو کسی امام کے نزدیک ائمہ اربع میں سے فسخ ہو سکتا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۳۴۶ میجر عبدالکریم صاحب (کاٹھیاواڑ) ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۸ جون ۱۹۳۸ء

(۱۱۴) **جواب** - اس صورت میں امام مالک رحؒ کے مذہب کے موافق نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے کیونکہ جوان عورت کے حقوقِ زوجیت ادا نہ کیے جائیں اور اس کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو تو مسلمان حاکم نکاح فسخ کر سکتا ہے اور حنفیہ بھی ضرورتِ شدیدہ میں اس پر عمل کر سکتے ہیں - فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص اپنی بیوی کو ۵ - ۶ برس سے نان نفقہ نہ دیوے خبر گیری نہ کرے ، نہ رکھے نہ طلاق دیوے ، نہ عدالت مجازہ میں حاضر آوے تو کیا اس کا یہ ظلم جائز ہے - کیا ایسی عورت مجبوراً اس کے نکاح

میں بندھی رہے گی۔ کیا اس کو اسلام چھوڑنے ہی سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ کیا اسلام ایسا سخت گیر اور یکطرفہ مردوں کو اختیار اور حقوق دینے والا ناانصاف مذہب ہے؟ کیا اسلام میں عورت کو اس طرح پھنسا کر چھوڑ دیا جانا جائز ہے۔ کیا قانونِ اسلامی کے مطابق عورت خلع نہیں کرا سکتی؟

المستفتی نمبر ۲۴۰۳ قاضی سید محمد رمضان علی کاظمی۔ ضلع ہمیر پور (یو۔پی)

۲ رجب ۱۳۵۷ھ م ۲۹ اگست ۱۹۳۸ء

(۱۱۵) **جواب**۔ ان حالات میں کہ شوہر نہ نان و نفقہ دیتا ہے نہ عورت کو آباد کرتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے اور عورت کے گزارے اور حفظ عصمت کی کوئی شکل نہیں ہے۔ عورت کو حق ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اپنے نکاح کے فسخ کا دعویٰ پیش کرے اور حاکم شوہر کے ان مظالم کی تحقیقات کرکے نکاح فسخ کردے اور عورت کو نکاح ثانی کی اجازت دیدے تو عورت عدت پوری کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اگر عدالت میں کوئی مسلمان حاکم نہ ہو اور مسلمانوں کی کوئی پنچایت ایسی ہو جو اس قسم کے معاملات کا فیصلہ کرنے کی طاقت رکھتی ہو تو وہ پنچایت بھی نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ اس کا فیصلہ بھی شرعی طور پر کافی ہوگا۔ عدالت شریعت ایکٹ نمبر ۲۶ ۳۷ء کی رو سے نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۸ء)

ایک لڑکی کی شادی گیارہ سال کی عمر میں اس کے والد نے کردی تھی۔ اس کا شوہر آٹھ نو یوم رہ کر چلا گیا اور ملک آسام میں شادی کرکے رہائش اختیار کی اور اپنی زوجۂ اوّل کے پاس آج تک دو سال میں نہ کوئی خط و کتابت کی ہے نہ نان و نفقہ کی خبر ہے۔ اب کیا کیا جائے؟

(۱۱۶) **جواب**۔ جبکہ خاوند کی زندگی اور مقام قیام معلوم ہے تو اس سے ہر ممکن طریقہ سے نان نفقہ یا طلاق حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور جب ناکامی اور مایوسی ہوجائے تو حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق تفریق کا فتویٰ حاصل کرکے کسی حاکمِ بااختیار سے اس کے موافق حکم حاصل کرلیا جائے اور پھر عدت گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کرلیا جائے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

فصل چہارم
نااتفاقی زوجین

سوال

تقریباً تین چار سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ ایک عورت مسماۃ سکینہ کا نکاح ایک شخص مسمی موسیٰ سے ہوا تھا۔ موسیٰ کے باپ نے سکینہ کے باپ سے کہا تھا کہ اگر تو بڑی لڑکی کا نکاح میرے لڑکے سے کردے تو میں تجھے اور تیرے بچوں کو دکان تجارت کے لئے کرادوں گا (موسیٰ کے باپ نے نکاح کے بعد کوئی دکان نہیں کرادی) سکینہ زیادہ سے زیادہ دو تین ماہ اپنے خاوند کے مکان پر رہی ہوگی۔ غالباً زوجین کے درمیان ناچاقی کی وجہ سے آپس میں دل شکنی رہی۔ موسیٰ سکینہ سے اور سکینہ موسیٰ سے خوش نہیں معلوم ہوتی تھی۔ موسیٰ کا باپ چاہتا تھا کہ کسی طرح گھر ہو جائے اور ہمیشہ اسی کوشش میں رہا۔ مگر بظاہر زوجین کی ناچاقی کی وجہ سے موسیٰ کے باپ کو کامیابی نہیں ہوتی تھی۔ یہ بھی سننے میں آتا ہے کہ موسیٰ کہتا ہے کہ یہ لڑکی مجھے نہیں چاہیئے۔ اگر میرا باپ کوشش کرتا ہو کہ ہمارے گھر میں لاکر رکھیں تو وہ اپنے لئے کوشش کرتا ہوگا۔ اب یہ حالت بڑھ گئی کہ جب موسیٰ کے باپ کی طرف سے کوئی اس لڑکی کو بلانے جاتا ہے تو سکینہ کا باپ کہتا ہے کہ لڑکی کو نان نفقہ نہیں پہنچا اور میں غریب آدمی ہوں لہذا مجھے اس کا بندوبست کردیجئے اور پھر لے جایئے۔ یہ جھگڑا بڑھتا رہا۔ نکاح سے پہلے کچھ مدت سکینہ کا باپ اور ان کے بھائی بھی موسیٰ کے باپ کے گھر رہے تھے۔ موسیٰ کے باپ نے تنگ ہو کر سکینہ کے باپ پر مقدمہ دائر کر دیا کہ یہ میرے مکان پر اتنا عرصہ رہا اس کی خوراکی پوشاکی کی یہ رقم ہوئی۔ موسیٰ کے والد کو جج منٹ مل گیا۔ اس کے بعد موسیٰ کے والد نے ایک شخص مسمی محمد صاحب کو سکینہ کے بلاوے کے لئے بھیجا۔ جب وہ شخص سکینہ کے والد کے پاس گیا اور اس نے کہا کہ تم سکینہ کو اس کے خاوند کے ہاں بھیجدو تو سکینہ کے والد نے پھر وہی عذر پیش کیا کہ نہ تو وہ لوگ نان نفقہ دیتے ہیں اور جج منٹ لے کر مجھے اور مالی نقصان پہنچایا۔ شخص مذکور نے اسے پانچ پونڈ کا چک اپنے پاس سے دیا اور نیز ایک تحریر لکھ دی کہ اگر وہ (موسیٰ کا باپ) جج منٹ کی رقم تم سے طلب کرے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ (شخص مذکور کا بیان

ہے کہ یہ میں نے موسیٰ کے باپ کے کہنے سے لکھ دیا تھا) اب سکینہ کے باپ نے اپنی لڑکی کو خاوند کے گھر بھیج دیا۔ تقریباً تین روز وہاں رہی۔ تیسرے دن موسیٰ دو اور لڑکیوں کو لے کر آیا خود باہر کھڑا رہا اور ایک عورت گھر میں گئی۔ سکینہ سے مخاطب ہو کر کہا "تو کون ہے؟" اور یہاں کیا ڈھونڈتی ہے؟ سکینہ نے جواب دیا کہ یہ میرے خاوند کا گھر ہے۔ گھر میں آنے والی عورت بولی موسیٰ تو میرا خاوند ہے اور ہم نے کورٹ میں نکاح کیا ہے لہٰذا تو چلی جا اور اگر تجھے لڑنا ہے تو آ باہر نکل! موسیٰ کے باپ نے یہ حالت دیکھ کر آنے والی عورت کو سمجھا کر واپس کر دیا اور موسیٰ بھی چلا گیا۔ اس کے بعد موسیٰ کے باپ نے سکینہ سے کہا کہ میرا لڑکا میرے کہنے میں نہیں اس لئے بالفعل تو اپنے باپ کے گھر چلی جا۔ یہ کہہ کر موسیٰ کا باپ سکینہ کو اس کے باپ کے گھر چھوڑ آیا۔ اب موسیٰ کے والد نے مذکورہ بالا ایگریمنٹ جو اسے ملا تھا اس کی رُو سے سکینہ کے باپ پر وارنٹ نکالا۔ سکینہ کے باپ نے دفاع میں اس تحریر کو پیش کیا جو محمد صاحب نے لکھ دی تھی۔ مجسٹریٹ نے اول لڑکے اور لڑکی کو بلا کر سمجھایا کہ آپس میں مل جل کر رہو۔ سکینہ نے کہا کہ نہ یہ مجھ سے راضی تھا نہ میں اس سے راضی تھی۔ میرے اور اس کے باپ نے مل کر ہمارا عقد کرا دیا (عقد بطریق اہل سُنّت والجماعت ہوا تھا) لڑکے نے کہا کہ جو زیورات ہم نے دیئے تھے وہ یہ لے کر نہیں آئی اس لئے میں اسے نہیں رکھتا۔ مجسٹریٹ نے یہ بھی سمجھایا کہ کیا تو زیورات کا بھوکا ہے یا اپنی عورت کا مگر لڑکا یہ کہتا رہا کہ جب تک سکینہ زیورات لے کر نہ آئے میں اسے نہیں رکھتا۔ اب کھلے کورٹ میں کارروائی شروع ہوئی۔ موسیٰ کہہ رہا ہے کہ زیورات جو ہم نے دیئے تھے لے کر نہ آئے تو میں نہیں رکھتا۔ سکینہ نے کہا کہ زیورات جو آپ نے دیئے تھے ان میں سے ہمارے پاس چھ چوڑیاں اور کان کی بالیاں باقی ہیں۔ ہار وغیرہ ہم بیچ کر کھا گئے کیونکہ آپ کی طرف سے ہمیں نان نفقہ نہیں ملا اور ہم لوگ غریب ہیں۔ جو زیورات لڑکی کہتی تھی کہ میرے پاس ہیں وہ کورٹ میں پہن رکھے تھے۔ سکینہ اور اس کے باپ کی طرف سے پیروی کرنے والا وکیل جرح میں موسیٰ سے پوچھتا ہے کہ یہ لڑکی سکینہ اس وقت جس حال میں ہے اسے میں تجھے سپرد کرتا ہوں تو تیری عورت کر کے اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا مجھے یہ قبول نہیں مجھے یہ نہیں چاہیئے۔ جرح۔ تو مجسٹریٹ کے روبرو حلف اٹھا کر زبان دے رہا ہے میں تجھ سے دوسری بار پوچھتا ہوں کہ سکینہ کو تیری عورت سمجھ کر کہ اس موجودہ

حال میں ہے اسی طرح تو تیری عورت سکینہ کو قبول کرنے پر راضی ہے ؟ جواب میں راضی نہیں۔ وکیل نے تیسری بار پھر پوچھا۔ جواب میں موسیٰ نے کہا کہ میں کہہ چکا کہ میں لینے کے لئے تیار نہیں ہوں ۔ اس وقت تقریباً چھ سات مسلمان کورٹ میں موجود تھے جو مذکورہ بالا سوال و جواب سن رہے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ سوال و جواب سے طلاق پڑجاتی ہے یا نہیں ؟ اگر طلاق پڑجاتی ہے فبہا ورنہ پھر کیا کیا جائے ۔ تین چار سال کے عرصہ میں لڑکی اپنے خاوند کے ہاں محدود عرصے تک رہی یعنی بمشکل سب ملا کر دو تین ماہ ۔ نہ تو لڑکی کو نان نفقہ ملتا ہے اور نہ خاوند کے ساتھ رہنے کا موقع ملا اور نہ زوجین میں اتفاق ہے ۔ اگر سکینہ موسیٰ سے خلع کی درخواست کرتی ہے تو موسیٰ چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ولا تمسکوھن ضراراً لتعتدوا۔ نیز فرمایا ہے ۔ فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقہ ۔ اس صورت میں سکینہ کو صرف فسخ نکاح کا دعویٰ کرنے کا حق ہے ۔ مگر بدقسمتی سے نہ یہاں قاضی ہے نہ حاکم مجاز۔ مجسٹریٹ یا جج وغیرہ جو ہیں وہ عیسائی یا یہودی ہیں۔ مسلمانوں کی کوئی پنچایت وغیرہ بھی نہیں ہے ۔ مسلمان کمزوری یا دیگر اسباب کی بنا پر اس قسم کے معاملے میں دخل دینے کے لئے تیار بھی نہ ہوں گے۔ علمائے دین ہیں مگر وہ بھی اپنے سیٹھوں کے زیر احسان اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کی جدائی کس طرح کی جائے ؟ المستفتی ۱۸۷ دیا اینڈ کمپنی جوہانسبرگ ساؤتھ افریقہ

۱۶ رجمادی الاولیٰ ۵۳ھ م ۲۸ راگست ۱۹۳۴ء

(۱۱۷) **جواب** ۔ ان جوابوں سے جو وکیل کے سوالوں پر موسیٰ نے دیئے ہیں طلاق تو نہیں پڑی۔ لیکن ان حالات میں عورت کو حق ہے کہ وہ فسخ نکاح کی درخواست کرے ۔ اور مجسٹریٹ اگر غیر مسلم ہو تو اس سے درخواست کی جائے کہ وہ اس مقدمہ کو فیصلہ کے لئے کسی مسلمان کے سپرد کردے اور وہ مسلمان فریقین کے بیان اور شہادت وغیرہ لے کر جب دیکھے کہ ان میں باہم اتفاق سے رہنے اور حقوقِ زوجیت ادا کرنے کی کوئی صورت ممکن نہیں تو فسخ نکاح کا حکم کردے ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے نکاح کیا ۔ زوجہ عرصہ پانچ چھ سال تک زید کے مکان میں رہی ۔ اناں بعد میاں بیوی

کی آپس میں نا اتفاقی ہونے کی وجہ سے زید نے بغیر طلاق کے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا۔ اب وہ اپنے باپ کے مکان میں ۴ سال تک بیٹھی رہی اسی امید میں کہ زید بلوائے مگر ہنوز زید نے عرصہ تک مطلق پروا نہیں کی اور نہ بلوائی۔ اپنی شادی دوسری جگہ کر لی۔ اتنے عرصہ بعد مسماۃ مذکور کا اس کے والد نے نکاح ثانی کر دیا۔ اس کے نکاح کی زید کو چنداں وقت اطلاع دی مگر زید نہ آیا اور نہ کچھ وجہ رکاوٹ پیش کی۔ نکاحِ ثانیہ ہونے کے بعد زید نے آن کر مقدمہ دائر کیا۔ مدعی مدعا علیہ کی زبانی سُن کر کورٹ نے یہ فیصلہ دیا۔ جو لڑکی زید کے نطفہ سے تھی اس لڑکی کا نان نفقہ حق پرورش کی رقم اس کی والدہ کو دے کر دختر مذکورہ کو لے جاؤ۔ یہ حکم عدالت سے پاکر اپنے ملک کو روانہ ہوا پھر نہیں آیا اور نہ دختر کی طلبی کی۔ اتنے عرصہ بعد خاوند ثانیہ بھی فوت ہو گیا۔ اب وہ عورت بطریقِ بیوہ لاند بیٹھی ہے۔ گذر معاش کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اب وہ نکاحِ ثالث کرنا چاہتی ہے۔ چند مسلمان قصبہ ہذا کے معترض ہیں اور مفتیان سے فتوے کی درخواست کرتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۱۲۶ سید محمد رشید ترمذی (مہی کانٹھا) ۱۴ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۸ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۱۱۸) **جواب** ۱۔ شوہر اوّل سے فیصلہ کر لینا چاہیئے یا کسی مسلمان مجسٹریٹ سے یہ فیصلہ حاصل کر لیا جائے کہ نکاح اول فسخ کر دیا گیا اور نکاح ثانی کی اجازت ہے۔ جب دوسرا نکاح ہو سکے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے والد نے زید سے کر دیا۔ زید اس وقت بالغ تھا۔ لڑکی اس وقت سنِ بلوغ کو پہنچ چکی ہے مگر چند وجوہ کی بنا پر اپنے شوہر کے گھر جانے پر رضامند نہیں اور اپنا نکاح فسخ کرانا چاہتی ہے۔ کیا اس لڑکی کا نکاح فسخ ہو سکتا ہے اگر ہو سکتا ہے تو فسخ بذریعہ عدالت کرایا جائے یا متعلقہ فتویٰ ہی کافی شافی ہے

المستفتی نمبر ۲۳۰۱ عبداللہ چپراسی (مالیر کوٹلہ) ۱۴ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۳ جولائی ۱۹۳۸ء

(۱۱۹) **جواب** ۔ لڑکی نکاح جن وجوہ سے فسخ کرانا چاہتی ہے وہ وجوہ کسی مسلمان حاکم یا کسی ثالث مسلّمِ فریقین کے سامنے پیش کرے۔ اگر حاکم یا ثالث ان وجوہ کو معقول اور موجبِ فسخ سمجھے گا تو نکاح فسخ کر دے گا۔ کوئی فتویٰ فسخ نکاح کے لئے کافی نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۳۱ء)

تقریباً پانچ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا مگر زید نے کبھی خوشی سے بیوی کے پاس جانا منظور نہ کیا۔ والدین کے کہنے سے اس کے پاس گیا بھی تو کوئی اظہار خواہش نفسانی کا نہیں کیا۔ اور نہ کرنے کی امید ہے۔ ہندہ اس سے طلاق لینا چاہتی ہے مگر وہ طلاق نہیں دیتا۔ اب کیا کرنا چاہیے۔

(۱۲۰) **جواب**۔ اگر زید عنین ہے اور اس وجہ سے ہندہ سے مقاربت نہیں کرتا تو بقاعدۂ عنین مرافعہ الی الحاکم و امہال یکسال کے بعد تفریق ہو سکتی ہے۔ اور اگر عنین نہیں ہے محض زوجہ کے ساتھ بکدلی اور الفت نہ ہونے کی وجہ سے مقاربت نہیں کرتا تو اس کو لازم ہے کہ طلاق دیدے یا خلع کی صورت کر کے اس سے علیحدگی کرائی جائے۔ اگر اس پر آمادہ نہ ہو تو پھر حاکم مسلم نکاح کو فسخ کر سکتا ہے فقط۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ مدرسہ امینیہ دہلی

فصل پنجم

صِغر سنیٔ زوج

سوال

ایک نا بالغ لڑکی معمرہ آٹھ نو سالہ کا نکاح اس کے باپ نے ایک نا بالغ لڑکے معمرہ پانچ سالہ کے ساتھ کر دیا تھا جس کو عرصہ قریب چھ سال کا گزرا۔ اب لڑکی کی عمر پندرہ سال کی ہو چکی ہے اور اب وہ بالغہ ہے۔ لیکن بد قسمتی سے لڑکے کی عمر دس گیارہ سال کی ہے اور اس کو بالغ ہونے کے لئے آٹھ سال کا عرصہ درکار ہے۔ لڑکی اتنی طویل مدت تک اس لئے انتظار نہیں کرنا چاہتی کہ ایسے انتظار سے اس کی عصمت و عفت خطرے میں ہونے کے علاوہ ناموافقتِ عمر کے باعث لڑکی کو اپنی زندگی کا مستقبل صریحاً تلخ و تاریک نظر آرہا ہے اور آئندہ فلاح و بہبودی کی کوئی امید نہیں۔ بنابریں وہ اپنے باپ کی غفلت و بے احتیاطی سے کیے ہوئے نکاح کو فسخ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن نابالغ لڑکے کا باپ انفساخِ نکاح پر رضامند نہیں ہے۔ آیا لڑکی کو از روئے فقہ حنفی عدالت سے تنسیخ نکاح کرانے کا حق ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ لڑکا اور لڑکے کا باپ حنفی ہیں اور لڑکی اور لڑکی کا باپ شافعی

ہیں۔ المستفتی ۱۷۷ جنگی خاں شیروانی۔ ہمتا آباد (ریاست حیدرآباد)

۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۹ فروری ۱۹۳۶ء

(۱۲۱) **جواب**۔ اس صورت میں فقہ مالکی کی رُو سے بربنائے خوف زنا فسخ نکاح کا حکم ہو سکتا ہے۔ اور حنفی ضرورتِ شدیدہ میں فقہ مالکی پر عمل کر سکتا ہے فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک لڑکا اور ایک لڑکی کا نکاح ہوا۔ دونوں کی عمریں تقریباً چھ سال تھیں اور لڑکے کا والد انتقال کر چکا تھا اور لڑکے کی طرف سے اس کا دادا ولی تھا اور لڑکی کا والد زندہ تھا اور وہی ولی تھا اور اس وقت لڑکے کے دادا کا انتقال ہو چکا ہے اور لڑکی کا والد زندہ ہے اور اس وقت لڑکے اور لڑکی کی عمر تقریباً ۱۴ یا ۱۵ سال کی ہے اور جب سے نکاح ہوا لڑکی اپنے باپ ہی کے گھر پر موجود ہے اور لڑکے کے گھر نہیں گئی اور نہ ہی کبھی خلوت ہوئی ہے اور لڑکا بوجہ مسکین اور یتیم ہونے کے لاغر معلوم ہوتا ہے اور لڑکی کا والد زندہ ہے اس لئے لڑکی فربہ اور ہوشیار معلوم ہوتی ہے۔ اب رہا یہ معاملہ کہ لڑکی کے والد نے اپنی لڑکی سے عدالت میں یہ عرضی دلوائی ہے کہ مجھ کو طلاق ملنی چاہیئے۔ ہم سب لوگ لڑکے کو سمجھا چکے ہیں کہ تو طلاق دیدے لیکن لڑکا اس بات کو نہیں مانتا اور کہتا ہے بس طلاق نہیں دیتا۔ المستفتی ۲۳۸۱ فیض محمد (ریاست جیند)

۲۵ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۴ جولائی ۱۹۳۸ء

(۱۲۲) **جواب**۔ اگر لڑکی بالغہ ہو چکی ہے اور طاقتور و توانا ہے اور لڑکا ابھی نابالغ اور کمزور ہے اس کے بالغ ہونے میں بظاہر اتنی دیر ہو کہ لڑکی خواہشِ نفس کو برداشت نہ کر سکے اس کے مبتلائے زنا ہو جانے کا غالب گمان ہو تو ایسی حالت میں مسلم حاکم نکاح فسخ کر سکتا ہے۔ اگر حاکم بعد تحقیقات کے نکاح فسخ کر دینا ضروری سمجھے اور فسخ کر دے تو عورت دوسرے شخص سے نکاح کر سکے گی۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنی لڑکی مسماۃ زینب بی بی عمر کے لڑکے عبداللہ جو کہ چھوٹی عمر والے کو دیکر ایک اسٹام بھی تحریر کیا گیا۔ اب لڑکی ایک سال سے جوان ہے اور لڑکا عبداللہ تخمیناً ۹ سال کی عمر کا

ہے۔ فریقین کو اندیشہ ہو رہا ہے فسادات زمانہ دیکھ کر کہ کہیں لڑکی کسی دیگر شخص کے ساتھ ناجائز تعلق پیدا کر کے نکل نہ جائے عمر کہتا ہے زید کو کہ تم اپنی لڑکی زینب کی کسی دوسری جگہ شادی کر دو۔ اس طرف سے اجازت ہے۔ کیا ازروئے شریعت لڑکی زینب بی بی عبداللہ کے علاوہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۴۳۶ غلام مصطفےٰ (صوبہ سرحد) ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۱۲ جنوری ۱۹۳۹ء

(۱۲۳) **جواب** - اگر لڑکی بالغہ ہو چکی اور اس کا شوہر ابھی نابالغ ہے اور اس کے بلوغ تک انتظار کرنے میں لڑکی کی عصمت خراب ہونے کا خطرہ ہے تو اس صورت میں کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے اور بعد حصول فیصلۂ فسخ دوسرا نکاح ہو سکے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک لڑکی جس کی عمر اٹھارہ انیس سال ہے اس کا نکاح ایک لڑکے سے جس کی عمر آٹھ نو سال ہے کر دیا گیا۔ چونکہ فتنہ کا سخت خطرہ ہے۔ کیا تفریق کی کوئی صورت ہو سکتی ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۶۶۲ مولوی نصیر بخش بہاولپور ۲۳ صفر ۱۳۶۰ھ م ۲۲ مارچ ۱۹۴۱ء

(۱۲۴) **جواب** - اگر لڑکی کے مبتلائے معصیت ہونے کا قوی خطرہ ہو تو کوئی مسلمان حاکم اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

گزارش ہے کہ حضرت علامہ مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ نے اس جواب کا حوالہ طلب فرمایا ہے۔ براہ کرم جلد تحریر فرمائیں۔

(۱۲۵) **جواب** - خاص اس صورت میں کہ لڑکا نابالغ ہو اور لڑکی بالغہ ہو جائے اور اس کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو مخصوص جزئی نظر سے نہیں گزری۔ مگر جواب میں جو حکم لکھا گیا ہے وہ اس پر مبنی ہے کہ ابتلائے زنا کا خطرہ اور حبس شہوت کا ضرر، ضرر عدم نفقہ سے قوی ہے۔ اور مفقود میں تضرر بعدم النفقہ و تضرر بحبس الشہوۃ دونوں کو عذر قرار دیا گیا اور تضرر بحبس الشہوۃ کو اقوی قرار دے کر اس کے لئے چار سال کی مدت بھی ضروری نہیں سمجھی۔ بلکہ فوراً فسخ نکاح کی اجازت مالکیہ نے دے دی۔ اور صورت مسئول عنہا میں تضرر بحبس الشہوۃ بوجہ نابالغی و عدم صلاحیت شوہر کے یقینی ہے جس کے لئے کسی انتظار کی ضرورت نہیں۔ جیسے کہ مفقود میں اس خاص صورت (خوف زنا)

میں نہیں رکھی گئی۔ یہ بات کہ زوجۃ المفقود میں خوفِ زنا کی صورت میں تاجیل ضروری نہیں سمجھی گئی ــــ حیلۂ ناجزہ کے صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۲ میں موجود ہے۔ مگر امرأۃ مفقود کے بارے میں یہ روایات ہیں نیز اس صورت میں ضرورت کی وجہ سے امام احمد ابن حنبل کے مذہب کے موافق نابالغ ممیز سے طلاق دلواکر اس کے نفاذ کا حکم بھی دیا جاسکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ

فصل ششم
زوج کا مفقود الخبر ہونا

سوال

مساۃ ظہیر النساء بنت سکندر خاں سندھور کا نکاح سات سال کی عمر میں سکندر خاں نے عزیز محمد ولد اسد علی کے ساتھ جس کی عمر اُس وقت ۹ سال تھی کر دیا تھا۔ عقد کے کچھ دنوں بعد عزیز محمد پردیس چلا گیا جس کو اب دس برس کا زمانہ ہوگیا۔ دو سال تک اس کی خبر تھی۔ اب آٹھ سال سے وہ بالکل لاپتہ ہوگیا کچھ خبر اس کی نہیں ہے، نہ خط وغیرہ آتا ہے لڑکی کی رخصتی نہیں ہوئی۔ اب لڑکی کی عمر بیس سال ہے اس کا باپ بھی بہت غریب ہے۔ لڑکی کی گزر مشکل ہے و نیز شباب کا زمانہ ہے فتنہ کا اندیشہ ہے۔ المستفتی نمبر ۱۱۱۹ محمد حیات صاحب (پرتاب گڑھ)

۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۱ اگست ۱۹۳۶ء

(۱۲۶) **جواب**۔ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے پہلا نکاح فسخ کرا لیا جائے تو دوسرا نکاح بعد انقضائے عدت ہوسکتا ہے فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) مسلمان حاکم ہمارے ضلع میں کوئی نہیں ہے جس کی عدالت میں مساۃ ظہیر النساء کا معاملہ حسب الارشاد پیش کیا جائے۔ (۲) عدالت میں مقدمہ باقاعدہ دائر کر کے مساۃ ظہیر النساء کا نکاح ثابت کرنا اور پھر اشتہار وغیرہ کرانا جس میں کم از کم پچیس روپے صرف ہوگا اور مساۃ بوجہ غربت اور اس کا باپ بوجہ مفلسی بالکل مجبور ہیں بمشکل گزر ہوتی ہے۔ اب چار سال یا بدرجۂ مجبوری ایک سال مساۃ کا اپنے مفقود الخبر شوہر کا انتظار کرنا نہایت دشوار ہے۔ سخت فتنہ کا اندیشہ ہے۔

المستفتی نمبر ۱۱۲۰ محمد حیات صاحب (پرتاب گڑھ) ۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۱ اگست ۱۹۳۶ء

جواب (از نائب مفتی دارالعلوم دیوبند) اگر مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت میں مقدمہ دائر کرنا بوجہ افلاس و تنگدستی کے دشوار ہو تو چند دیندار مسلمانوں کی پنچایت جس میں ایک معتبر اور مستند عالم بھی ہو قائم مقام قاضی کے ہو کر خدمات قاضی انجام دے سکتی ہے اور ایک سال کی مدت مقرر کرنا لازمی ہے اور تفصیل اس مسئلہ کی رسالہ الحیلۃ الناجزہ اور رسالہ المرقومات للمظلومات میں موجود ہے جو دارالاشاعت دیوبند سے ملتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح محمد سہول مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۷ ربیع الاول

(مکرر استفسار از حضرت مفتی اعظم رح)

سوال

حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے پہلا نکاح فسخ کرا لیا جاوے۔ اس کے بعد انقضائے عدت کے بعد دوسرا عقد ہو سکتا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ میرے ضلع میں مسلمان حاکم نہیں ہے اور عدالت میں مقدمہ دائر کرنے سے یہ امر بھی مانع ہے کہ کم از کم پچیس روپیہ صرف ہوگا مستفتی بہت غریب آدمی ہے۔ دیوبند سے بھی استفتا منگایا گیا ہے۔ مفتی صاحب نے بھی عذر مذکورہ بالا کی بنا پر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کسی عالم معتبر کے سامنے یہ معاملہ طے کرا دیا جائے۔ لیکن مفتی صاحب نکاح فسخ کرانے کے بعد ایک سال کی میعاد انتظار کی مقرر فرماتے ہیں۔ حضور والا وہ عورت اور اس کا باپ بہت پریشان ہیں۔ دس گیارہ سال اس عورت نے کسی نہ کسی طرح گزر کیا لیکن اب معاملہ بہت نازک ہے۔ اور سخت اندیشہ فتنہ کا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۱ محمد حیات صاحب (پرتاب گڑھ)

(۱۲۷) **جواب** - (از حضرت مفتی اعظم رح) دیوبند کا جواب میں نے دیکھا اس میں پنچایت مقرر کر کے جس میں کم از کم ایک معتبر عالم بھی ہو اس کے سامنے مقدمہ پیش کرنے کو لکھا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ کسی عالم سے فیصلہ کرا لیا جائے تو واضح رہے کہ کسی ایک عالم کا فیصلہ کافی نہ ہوگا۔ پنچایت ضروری ہے اور پنچایت اس جماعت کا نام ہے جس کو قوم کی طرف سے ایسے فیصلے کرنے کا اختیار دیا گیا ہو۔ اور قوم میں اس کے فیصلے نافذ ہوتے ہوں تو ایسی پنچایت کا وجود بھی مسلمان حاکم کے وجود کی طرح مشکل ہے!

اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ مفتی کے بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک لڑکی کا خاوند پانچ سال سے مفقود الخبر ہے۔ سشن کورٹ نے خاوند کی گم شدگی کی بنا پر فیصلہ دیدیا ہے کہ بروئے قانون لڑکی دوسری شادی کر سکتی ہے۔ اندریں باب فتویٰ شریعت کیا ہے اس کا جواب بدیں نمط موصول ہوا کہ "اگر سشن جج مسلمان تھا اور اس نے خاوند کی گم شدگی کی بنا پر یہ فیصلہ دیا ہو بعد تحقیقات کے کہ لڑکی دوسرا نکاح کر سکتی ہے تو اس کا نکاح سابق فسخ ہوگیا۔ اور دوسرا نکاح کرنا جائز ہوگیا۔ اب توضیح طلب امر یہ ہے کہ فیصلہ دینے والا حاکم سشن جج مسلمان نہیں ہے لیکن ریاست نے اسے ہر قسم کے فیصلے کا مختار و مجاز قرار دیا ہے تو کیا ایسی شکل میں کہ اس مقدمہ کے لئے حاکم مسلم کا تعین متعذر ہے۔ حاکم غیر مسلم کا فیصلہ اس باب میں معتبر نہ ہوگا اور اگر نہیں تو فسخ نکاح کی کونسی صورت ممکن ہو سکتی ہے؟

المستفتی نمبر ۱۷۷۷ غلام رسول تکیہ بوٹے شاہ۔ ریاست جیند

۱۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱۲۸) **جواب**۔ غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں۔ صورت مسئولہ میں یہ ممکن ہے کہ سشن جج غیر مسلم سے درخواست کی جائے کہ وہ اس معاملہ کے لئے کسی مسلمان عالم کو مجاز کر دے کہ وہ شرعی فیصلہ کر دے اور پھر سشن جج اس کے فیصلہ کو اپنی عدالت سے نافذ کر دے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید شوہر طاہرہ تقریباً ۸ اسال سے لاپتہ ہے۔ اس کی کوئی خبر اس وقت سے اب تک نہیں ملی۔ کیا طاہرہ عقد ثانی کر سکتی ہے؟ المستفتی نمبر ۱۸۳۸ امداد بخش صاحب (اٹاوہ)

۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۲۹) **جواب**۔ طاہرہ اپنا نکاح کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے فسخ کرا کر اور عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک لڑکی کا شوہر جس کی عمر تخمیناً چوبیس پچیس سال کی ہے - یہ لڑکا آج چار برس سے لاپتہ ہے لڑکی لڑکے کے وارثوں سے کہتی ہے کہ یا تو میرا روٹی کپڑے کا بندوبست کر دیا مجھے اجازت مل جائے تاکہ میں نکاح کر لوں - لڑکی کے والدین نہیں ہیں - لڑکی بذاتِ خود محنت مزدوری کر کے شکم پروری کرتی ہے - لڑکے کے وارث بھی غریب ہیں - وہ پرورش کرنے کو تیار نہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تیرا دل نکاح کرنے کو چاہتا ہے بیشک کر لے ہم منع نہیں کرتے - اس صورت میں نکاح کر دینا بہتر ہے یا نہیں اور لڑکی بھی دونوں باتوں میں راضی ہے - چاہے وارث نکاح کی اجازت دیں یا روٹی کپڑا - المستفتی ۲۳۰۷ حاجی منشی فتح محمد صاحب (کرنال) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۲ جون ۱۹۳۸ء

(۱۳۰) **جواب** - لڑکی کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرالے اور نکاحِ ثانی کی اجازت حاصل کرلے تو دوسرا نکاح بعد انقضائے عدت کر سکے گی - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

زید اپنی منکوحہ بیوی کو جو کہ لاوارث لڑکی تھی کسی کے گھر بڑی ہوئی عرصہ قریباً چار سال ہوئے بغیر طلاق دیئے چھوڑ کر چلا گیا جس کا ابھی تک پتہ معلوم نہیں ہے - لڑکی اپنے مربی باپ کے گھر رہتی ہوئی ناجائز تعلق کر کے حاملہ ہوئی اور لڑکا پیدا ہوا - اب گھر والے لڑکی سے سخت ناراض ہیں اور ہر وقت جنگ وجدل میں رہتے ہیں - اس کے اصل زوج کا پتہ نہیں - لڑکی سخت تکلیف میں ہے - اس کا نکاح مسلمانوں کی پنچایت نے فسخ کر دیا ہے - بعض مولوی اعتراض کرتے ہیں کہ نکاحِ ثانی نہیں ہو سکتا -

(۱۳۱) **جواب** - اگر وہ پنچایت جس نے لڑکی کا نکاح فسخ کیا ہے اس بستی کے مسلمانوں کی مسلمہ پنچایت ہے جس کو اس قسم کے اختیارات حاصل ہیں تو نکاح کا فسخ صحیح ہوا اور لڑکی بعد انقضائے عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور اگر مسلمہ پنچایت نہیں تو کسی مسلمان حاکم سے نکاح فسخ کرایا جائے تو فسخ صحیح ہوگا - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل ہفتم

کفاءت

سوال

ایک بے وقوف باپ نے جو کہ کانوں سے کم سنتا ہے اور آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا ہے اپنی نابالغہ لڑکی کا عقد ایک حرامی لڑکے سے اس لڑکے کی والدہ و چچا کی ولایت میں کر دیا ہے وہ اس طرح کہ لڑکی کے بہنوئی نے لڑکی کے والد کو بہت کچھ ورغلایا اور اس پوشیدگی کے ساتھ یہ عقد کرایا کہ جس وقت لڑکی کے خاص عزیز بھائی چچا وغیرہ کوئی موجود نہ تھے یہ کہا گیا کہ گورنمنٹ سے ساردا بل پاس ہو چکا ہے کہ کوئی شخص نابالغ لڑکا لڑکی کی شادی اگر کرے گا تو مجرم گردانا جائے گا۔ عجلت میں نکاح ہو گیا۔ نہ لڑکی کے والد نے کوئی بات دریافت کی لڑکے کے متعلق اور نہ لڑکے کے چچا والدنے ذکر کیا کہ یہ لڑکا حرامی ہے۔ اگر لڑکی کے چچا بھائی دادا وغیرہ موجود ہوتے تو یہ نکاح ہرگز نہ ہونے دیتے جب لڑکی بالغ ہوئی اس کو رخصت کرنا چاہا لیکن اس نے بالکل انکار کر دیا کہ میں ہرگز حرامی لڑکے کے یہاں رہنا نہیں چاہتی چاہے خودکشی کرلوں یا تمام عمر بیٹھی رہوں۔ جب لڑکی کے ساس وسسر اور اس کے والد وغیرہ سمجھا کر مجبور ہو گئے اور اس نے منظور ہی نہ کیا۔ بحالتِ مجبوری لڑکی کا والد مولٰنا عبدالسلام جبلپوری کی خدمت میں حاضر ہوا اور تحریر جواب اس مضمون کا چاہا۔ کہ میں نے اپنی نابالغہ لڑکی کا عقد ایک حرامی لڑکے سے کر دیا ہے اور بروقت نکاح مجھ کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ لڑکا حرامی ہے مولانا صاحب نے فتویٰ دے دیا کہ لڑکی کو اختیار ہے کہ وہ شریف النسب سے اپنا عقد کر سکتی ہے۔ ایسا فتویٰ ایک شخص کو بتایا تو اُس شخص نے فتویٰ صحیح سمجھ کر لڑکی سے عقد کر لیا۔ اب برادری کے لوگوں کا کہنا ہے کہ لڑکی کے باپ کو ضرور معلوم تھا کہ یہ لڑکا حرامی ہے۔ مولانا صاحب سے انھوں نے غلط سوال کیا ہے کہ مجھ کو معلوم نہ تھا۔ اس لئے یہ دوسرا نکاح جو لڑکی نے اپنی مرضی سے کیا ہے جائز نہیں ہے۔ لڑکی دوسرے شوہر سے حاملہ بھی ہے اور برادری والے حمل حرام قرار دیتے ہیں۔

المستفتی ۱۲۱۳ امجد علی صاحب بند ملکھنڈ۔ ۱۶ رجب ۱۳۵۵ھ م ۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(۱۳۲) **جواب** ۔ نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے ناواقفیت سے اگر غیر کفو میں کر دیا تو نکاح

تو ہو گیا۔ لیکن یہ معلوم ہونے کے بعد کہ لڑکا غیر کفو ہے خود اس کو اور لڑکی کو بعد البلوغ نکاح فسخ کرانے کا حق ہے۔ کوئی مسلمان حاکم اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ فسخ کرانے سے پہلے جو دوسرا نکاح کر دیا گیا وہ صحیح نہیں ہوا۔ البتہ چونکہ دوسرا نکاح اس بنا پر کیا گیا کہ پہلے نکاح کو ایک عالم نے ناجائز بتا کر دوسرے نکاح کی اجازت دے دی تھی اس لئے دوسرے خاوند کی وطی وطی بالشبہ واقع ہوئی اس لئے وہ زنا کا مجرم نہ ہوگا۔ اور وہ بچہ جو اس وطی سے پیدا ہوگا اس دوسرے خاوند کا نہیں بلکہ پہلے خاوند کا قرار دیا جائے گا بشرطیکہ وہ اس کے نسب سے انکار نہ کر دے کیونکہ ابھی تک وہ پہلے کی منکوحہ ہے اور الولد للفراش وللعاہر الحجر منکوحہ کے لئے قاعدہ کلیہ ہے۔ اب پہلے نکاح کو بذریعہ عدالت یا پنچایت فسخ کرانے کے بعد دوسرے خاوند سے دوبارہ نکاح پڑھا جاوے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

واضح ہو کہ ایک فتویٰ درباب فسخ نکاح ایسے شخص کے جو قادیانی مذہب اختیار کرلے بدیں مضمون آیا ہے کہ اگر شخص مذکور فرقہ قادیانیہ کا متبع ہے تو لڑکی کا نکاح اس سے فسخ کرالیا جائے۔ تفریق کے لئے قانونی طور پر عدالت کا فیصلہ لازمی ہے۔ (دستخط) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

اب اس فتوے میں یہ امر تصریح طلب ہے کہ فسخِ نکاح کی کیا صورت ہو؟

(ا) کیا بدون اس کے کہ خاوند سے طلاق دلائی جائے عدالت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ تفریق کرادے۔

(ب) اگر احیاناً اصولِ دین سے ناواقف ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے عدالت فسخ نکاح (برخلاف فتویٰ شریعت) ضروری قرار نہ دے تو والدین زوجہ مسلمہ کیا کریں۔

(ج) کیا ارتداد کی کوئی شکل مستوجب فسخِ نکاح بدون فیصلۂ عدالت ہے۔ اگر ہاں تو کیا قادیانی مذہب میں شامل ہونا اس قسم کا ارتداد نہیں جس سے نکاح ازخود ٹوٹ جاتا ہو؟

المستفتی نمبر ۱۵۸۵ عبداللہ صاحب (سنگرور۔ جیند) ۳ رجمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۱۲ رجولائی ۱۹۳۷ء

(۱۳۳) **جواب** ۔ (ا) ہاں عدالت اس کی شرعاً مجاز ہے کہ فسخ کا حکم کردے۔

(ب) جس طرح ممکن ہو تفریق کی سعی کریں۔ بھاولپور میں ایک فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہ جامعہ عباسیہ

بھاولپور سے طلب کریں۔

(ج) ہاں ارتداد سے شرعاً تو نکاح فسخ ہو جاتا ہے، لیکن عدالت کا فیصلہ قانونی مؤاخذہ سے بچنے کے لئے لازمی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ایک ہندو عورت اپنے شوہر سے جدا ہو کر مسلمان ہو گئی اور ایک بزرگ سے بیعت حاصل کر کے سرٹیفکٹ حاصل کر لیا۔ مسلمان ہونے کے ایک سال بعد اس کا شوہر اپنی زوجہ کو مجبور کر کے زوجیت میں لینے کا خواستگار ہے۔ حسب احکام شرع شریف رائے عالی سے مشرف فرمادیں کیونکہ مسماۃ حسب خواہش شوہر خود زیر حوالات کر دی گئی ہے۔

المستفتی نمبر ۱۶۶۲ سکریٹری اسلامی بورڈ (گوالیار) ۲۷ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۵ اگست ۱۹۳۷ء

(۱۳۴) **جواب** - احکامِ شرعیہ کے بموجب عورت جب مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر باوجود علم کے مسلمان نہ ہو اور عدت گزر جائے تو ان دونوں کا تعلقِ زوجیت منقطع ہو جاتا ہے۔ سال بھر کا زمانہ اتنا زمانہ ہے کہ اس میں عدت گزر چکی ہو گی اس لئے وہ عورت اب اس کی زوجہ نہیں، اور اگر بالفرض عدت نہ گزری ہو جب بھی وہ مسلمان ہو کر تو عورت کا مطالبہ کر سکتا ہے لیکن غیر مسلم ہونے کی صورت میں مطالبہ کا کوئی حق نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱۳۵) **جواب دیگر** - کوئی عورت مسلمان ہونے کے بعد ہندو کی زوجیت میں نہیں رہ سکتی، اگر عدت کے اندر کسی مسلمان سے شادی کرے تو نکاح درست نہیں اور عدت گزرنے کے بعد نکاح کرے تو نکاح جائز ہو گا۔ اور وہ مسلمان کی منکوحہ ہو جائے گی۔ اور نکاح نہ کرے بے شوہر کے رہے جب بھی ہندو شوہر سابق اس کو نہیں لے سکتا۔ کیونکہ ہندو مسلمان عورت کا شوہر نہیں ہو سکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

میری عمر بوقتِ نکاح سولہ سال کی تھی۔ میرے نکاح کو عرصہ چار ماہ کا ہوا۔ میرے والد نے بغیر میری رضامندی کے میرا نکاح ایک ایسے شخص سے کر دیا جس کا بد دماغ بد چلن ہونا بعد میں ثابت ہوا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی بد دماغی سے اپنی خودکشی کا ارادہ کر لیا تھا اور کثیر تعداد میں افیون

وگرڈ تیل کھالیا تھا۔ مگر بعد میں علاج معالجہ سے صحت ہو گئی۔ ایسے بد دماغ سے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ یہ خیال رہے کہ ابھی تک رخصتی کی نوبت نہیں آئی ہے۔ لیکن ہاں لڑکے والے میرے والد کو رخصت کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ اب جبکہ میرے والد صاحب کو ان تمام باتوں کا پتہ چل گیا وہ بھی رخصت کرنا نہیں چاہتے اور نفرت کرتے ہیں۔ اگر جبراً میری رخصتی کی گئی تو جان کھونے پر آمادہ ہوں۔ المستفتی نمبر ۱۶۹۴ رئیسہ خاتون۔ ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۸ اگست ۱۹۳۷ء

(۱۳۶) **جواب** ۔ بالغہ عورت کا نکاح بدون اس کی رضامندی کے نہیں ہو سکتا۔ باپ بھی اگر بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت حاصل کیے بغیر کر دے تو نکاح لڑکی کی رضامندی پر موقوف رہتا ہے۔ اگر وہ نکاح کی خبر پاکر انکار کر دے یا نارضامندی ظاہر کر دے تو نکاح باطل ہو جاتا ہے اور رضامندی کا اظہار کر دے تو نکاح قائم رہتا ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اگر تم نے نکاح کی خبر پانے کے وقت نارضامندی کا اظہار کر دیا ہو تو نکاح باطل ہو چکا ہے اور اگر اذن دیا ہو یا رضامندی کا اظہار کیا ہو تو نکاح قائم ہے۔ اب اگر خاوند کے کوئی ایسے حالات ظاہر ہوئے ہوں جو پہلے معلوم نہ تھے اور ان حالات کی بنا پر نباہ ناممکن ہو یا دشوار نظر آتا ہو تو کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید نے اپنی لڑکی مسماۃ ہندہ جو سنی المذہب ہے، کا عقد خالد (جس نے بوقت عقد نیز اس سے چند روز پیشتر مسماۃ ہندہ کے کے والد زید کے اس شبہ کو کہ خالد قادیانی مذہب رکھتا ہے بایں عبارت "میں حنفی المذہب اہل سنت والجماعت ہوں۔ اگر میرے خسر مجھ کو اس کے برعکس دیکھیں تو وہ اپنی لڑکی کو علیحدہ کرا سکتے ہیں۔ تحریراً و تقریراً زائل کر دیا تھا) سے کر دیا۔ اب ۵ ماہ کے بعد وہ کہتا ہے کہ میں تو قادیانی ہوں اور بوقت عقد بھی قادیانی تھا اگرچہ مصلحۃً میں نے اپنے قادیانی ہونے کو چھپالیا تھا۔

(الف) یہ عقد ہندہ کا خالد سے درست ہوا یا نہیں۔ (ب) اگر جائز و درست ہوا تو اب اگر اس کے اس اقرار سے کہ میں قادیانی ہوں نکاح فسخ ہوا یا نہیں۔ (ج) اگر فسخ ہوا تو محض اس کے اس اقرار پر خود بخود یا کسی دیگر شخص سے فسخ کرایا جائے گا یا نہیں۔ (د) کیا اس کی اس تحریر سے کہ جو مذکور الصدر ہے کہ اگر میرے خسر مجھ کو اس کے برعکس دیکھیں تو اپنی لڑکی کو علیحدہ کرا سکتے ہیں۔ طلاق واقع ہوئی یا نہیں جبکہ وہ اس وقت برعکس ہے۔ (س) اگر طلاق ہو گئی یا نکاح خود بخود فسخ ہو گیا یا دوسرے سے فسخ کرایا گیا تو اب ہندہ کا نکاح دوسرے شخص سے کر سکتے ہیں یا زید

سے طلاق لینے کی ضرورت ہوگی۔ المستفتی نمبر ۲۰۷۰ حافظ احمد سعید صاحب (حیدر آباد دکن)

۲۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۳۷) **جواب** - (ا) یہ عقد درست نہیں ہوا۔ (ج) قانونی مواخذہ سے بچنے کے لئے بذریعہ حاکم فسخ کرالیا جائے ورنہ شرعاً فسخ کرانے کی ضرورت نہیں (د) یہ تحریر تو وقوعِ طلاق کے لئے کافی نہیں ہے۔ (ز) دوسرے شخص سے نکاح کرنے کے لئے صرف قانونی طور پر اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ہندہ ایک نوجوان عورت ہے اس کا شوہر زید اشد زناکار و رنڈی باز ہے اور وہ اپنی بی بی کا حقوقِ زوجیت کما حقہٗ ادا نہیں کرتا ہے۔ مشیتِ الٰہی اس کے شوہر زید کو کسی جرم زناکاری میں سات برس کی قید ہوئی ہے۔ اب ہندہ نے اپنے شوہر زید پر بایں مضمون ایک مقدمہ عدالت میں دائر کیا ہے کہ میرا شوہر زید میرے حقوقِ زوجیت کما حقہ ادا نہیں کرتا ہے۔ اکثر اوقات رنڈی بازی وغیرہ امر ناشائستہ میں مصروف رہتا ہے۔ علاوہ بریں میرے شوہر زید کی کوئی جائداد وغیرہ کچھ بھی نہیں جس سے میں پرورش پاسکوں۔ باوجود اس کے میں ایک نوجوان عورت ہوں۔ اپنی شہوت تھامنا مجھ پر سخت دشوار ہے۔ لہٰذا حضور کے پاس درخواست کرتی ہوں کہ حضور میرے حق میں نیک فیصلہ عنایت فرمائیں۔ عدالت نے تو بمطابق قانون سرکاری ہندہ مذکورہ کو اختیار دید یا ہے کہ تم کو اختیار ہے چاہے تم اپنے شوہر زید کا انتظار کرو یا دوسری جگہ نکاح میں بیٹھو۔ اس سے تم پر سرکاری قانون مزاحم نہ ہوگا۔ اب حضراتِ علمائے کرام سے سوال یہ ہے کہ دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۰۵ ابو عبد الصمد (بنگال)

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۱ جون ۱۹۳۸ء

(۱۳۸) **جواب** - اگر یہ حاکم مسلمان تھا تو اس کا یہ حکم ہندہ کے عمل کے لئے کافی ہے اور وہ بعد انقضائے عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ عدت حاکم کے فیصلہ کے وقت سے شروع کی جائے لیکن اگر حاکم غیر مسلم تھا تو ہندہ کو کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے نکاح فسخ کرانا ضروری ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء)

میں مسماۃ سکینہ دختر فہیم الدین عرض پرداز ہوں کہ ۱۹۲۵ء میں جبکہ میری عمر گیارہ سال کی تھی - ایک شخص ضمیر الحسن پسر ابو الحسن نے میرے والد کو دھوکا دے کر اور یہ کہہ کر کہ میں اہل سنت والجماعت ہوگیا ہوں میرے ساتھ نکاح کر لیا - اور نکاح کے بعد اس نے اپنا وہی طریقہ رکھا اور مجھ کو شیعہ بننے پر مجبور کیا اور سخت تکلیفیں پہنچائیں - میں اس کے مذہب سے سخت بیزار ہوں اور کسی سنت جماعت سے نکاح کرنا چاہتی ہوں - میری عمر اٹھارہ سال ہے - میرے ماں باپ بالکل نادار ہیں -

(۱۳۹) **جواب** - اگر خاوند نے عورت کے باپ کو یہ بتایا تھا کہ میں اہل سنت والجماعت ہوگیا ہوں اور اسی بنا پر باپ نے نکاح کر دیا تھا - بعد نکاح معلوم ہوا کہ وہ سنی نہیں ہوا بلکہ ابھی تک شیعہ ہے تو لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت کے ذریعہ سے اپنا نکاح فسخ کرالے - اور اگر خاوند غالی شیعہ تبرائی ہو تو نکاح ہی درست نہیں ہوا ہے - بذریعہ عدالت فیصلہ کرا کے عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے - فقط　محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

فصل ہشتم

زوج کا مخبوط الحواس یا مجنون ہونا

سوال

زید کو خالد نے غلط بیانی سے یہ دھوکا دیا کہ میرے لڑکے میں بجز کم علمی کے اور کوئی نقص نہیں ہے اور اس پر زید کو اپنی صداقت دیانتداری کے واسطے پورا اطمینان دلایا - اس پر زید نے مطمئن ہو کر اپنی لڑکی کا نکاح خالد کے لڑکے سے کر دیا - مگر شادی کے بعد واقعہ اس کے خلاف ثابت ہوا - یعنی (۱) لڑکے میں دماغی خرابی پائی گئی - مثلاً کبھی گھر سے بھاگ کر نکل جانا - کبھی آنا کبھی رونا، کبھی لڑنا، وحشیانہ حرکت کرنا، لڑکی کا خاص روپیہ لے کر خرچ کر دینا، زیور فروخت کے لئے طلب کرنا، زن و شو کے واقعات کو غیروں سے بیان کرنا - (۲) خالد کا لڑکا نہ قرآن صحیح پڑھ سکتا ہے اور نہ نماز ہی کا پابند ہے، حالانکہ

زید کو یہ کہا گیا تھا کہ وہ نماز کے پابند ہیں۔ لڑکی تعلیم یافتہ اور صوم وصلوٰۃ کی پابند ہے۔ زید خود بھی نہایت محتاط اور صوم وصلوٰۃ کا پابند انسان ہے۔ (۳) خالد کا لڑکا نہ تو عقل معاش ہی صحیح رکھتا ہے۔ نہ خط و کتابت ہی معمولی طریقہ سے کر سکتا ہے۔ حالانکہ خالد نے ان چیزوں کے متعلق اطمینان دلایا تھا۔
(۴) خالد کے لڑکے میں نہ تو تعلیم ہے نہ تربیت ہے حالانکہ خالد نے یہ اطمینان دلایا تھا کہ ان کی تربیت درست ہے۔ (۵) ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ لڑکی کو لڑکے سے علیحدہ رکھا جائے ورنہ اس کی صحت پر اس کا خراب اثر پڑے گا اور لڑکے کو بغرض علاج رانچی لے جایا جائے۔ ان حالات میں زید کی لڑکی نہایت پریشان ہے۔ بیمار ہو کر ناتواں ہوگئی ہے اور چاہتی ہے کہ میرا نکاح اس سے فسخ کر دیا جائے۔ آیا شریعت اسلامیہ کے آئین میں صورت مذکورہ میں فسخ نکاح کی اجازت ہے۔ اگر اجازت ہے تو اس کے فسخ کرانے کی صورت کیا ہے؟ المستفتی نمبر ۱۲۸۶ سید ابوالبقا محمد صاحب (پٹنہ)
۲۱ شوال ۱۳۵۵ھ م ۵ جنوری ۱۹۳۷ء

(۱۴۰) **جواب**۔ اگر ۱ و ۵ صحیح ہیں یعنی وہ شخص صحیح الحواس نہیں ہے اور اطبا و ڈاکٹر زوجین کے اجتماع کو لڑکی کے لئے مضر بتاتے ہیں۔ اور اگر لڑکی کے نفقہ کی کفالت وہ نہ کر سکتا ہو بلکہ اس کے برعکس لڑکی کا زیور تلف کرنا یا تلف کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو ان صورتوں میں کوئی مسلمان حاکم لڑکی کا نکاح فسخ کر سکتا ہے۔ یہ فسخ بربنائے اختلال حواس ہو تو حنفی مذہب کے موافق اور بربنائے عدم کفالت نفقہ ہو تو امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے موافق ہوگا اور ضرورت شدیدہ کے وقت حنفیہ اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص نے ہوش حواس کی حالت میں نکاح کیا۔ عقد کرنے کے ایک سال بعد دیوانہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ اسے پابہ زنجیر رکھنا پڑتا ہے۔ اس میں کھانے کمانے کا بالکل ہوش نہیں۔ لڑکی جب شوہر کے مکان پر رہتی ہے تو سخت تکلیف پہنچتی ہے۔ کبھی کبھی جان کا خطرہ بھی ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے لڑکی اپنے والدین کے مکان پر چلی گئی۔ تقریباً دس سال سے اپنے والدین کے مکان ہی پر رہتی ہے۔ اور اس کے تمام خرچ و اخراجات والدین ہی اٹھا رہے ہیں۔ لڑکی والوں کی نیز لڑکے والوں کی یہ خواہش ہے کہ اگر فسخ نکاح ہو سکتا ہو تو کسی اور کے ساتھ لڑکی کا عقد کر دیا جائے کیونکہ لڑکی جوان ہے۔ عمر صرف

۲۵ سال کی ہے. ابھی تک کوئی بال بچہ نہیں ہوا ہے۔ آیا مذہب اہلِ سنت والجماعت میں فسخ نکاح ہو سکتا ہے کہ نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۳۳۹ منشی سید مظفر حسن صاحب رضوی کیمبے اسٹیٹ (ضلع کیرا)

۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۸ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۴۱) **جواب**۔ ہاں اہلِ سنت والجماعت حنفی مذہب کے موافق بھی مجنون کی بیوی اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور اب کہ جنون کو دس بارہ سال کا عرصہ ہو گیا ہے بغیر کسی مزید مہلت کے کوئی حاکم نکاح فسخ کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ہندہ زید کے نکاح میں عرصہ تیس سال سے ہے اور تقریباً بیس سال سے زید بالکل پاگل ہے آیا ہندہ اس حالت میں نکاحِ ثانی کر سکتی ہے؟ اور ہندہ اس کے نکاح میں ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۳۵۷ محمد یعقوب صاحب (دہلی) ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۶ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۴۲) **جواب**۔ اگر زید بالکل مجنون اور حقوقِ زوجیت ادا کرنے کے ناقابل ہے اور اس کا کوئی اثاثہ بھی نہیں ہے جو زوجہ کے نفقہ کے لئے کافی ہو اور زوجہ اس حالت پر زیادہ صبر نہیں کر سکتی تو ایسی حالت میں اسے حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنے خاوند کے مجنون ہونے کی بنا پر نکاح فسخ کرائے اور عدت گزار کر نکاحِ ثانی کرلے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

لڑکی مسماۃ بیگم بی بی قوم میراسی عرصہ گیارہ سال سے شادی شدہ ہے اور ایک لڑکی اور ایک لڑکا تولد ہوا ہے اور اب اس کا خاوند پاگل ہو گیا ہے اور اس لڑکی کو خرچ وغیرہ کی بہت تکلیف ہے۔ اور لڑکی کی اور کوئی سبیل نہیں ہے۔ لاچار ہو کر بے چاری مانگتی پھرتی ہے۔ اس کا خاوند اس عورت کی کوئی دین و دنیا کی حاجت ادا کرنے کے قابل نہیں ہے

المستفتی نمبر ۱۸۷۱ مولوی محمد قاسم علی صاحب (ضلع لائل پور) ۴ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۱۴۳) **جواب**۔ یہ عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دے کر اپنا پہلا نکاح فسخ کرائے اور بعد حصول حکم فسخ عدت گزار کر دوسرا نکاح کرلے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک عورت کے اس کے خاوند سے تین بچے ہیں۔ خاوند اس کا دیوانہ ہو چکا ہے۔ عرصہ چھ سال سے عورت مذکورہ اپنے خاوند کے گھر سے اس وجہ سے نکل آئی ہے کہ وہ اس کو دیوانگی کی وجہ سے مارتا پیٹتا ہے۔ عورت مذکورہ نان ونفقہ سے بھی تنگ ہے۔ کیونکہ ماں باپ اس کے بہت تنگ ہیں۔ بغیر خاوند کے عورت مذکورہ کا گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں کیا عورت مذکورہ بغیر طلاق اپنے خاوند سودائی کے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ آیا اس کے لئے شریعت میں کوئی طریقہ دوسری جگہ نکاح کرنے کا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۶۵ چودھری غلام رسول (گوجروالہ)

۲۶ شعبان ۱۳۵۶ھ م یکم نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۴۴) **جواب** - یہ عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرائے تو دوسری جگہ بعد عدت نکاح کر سکے گی۔ جب تک فسخ نکاح نہ ہو دوسری جگہ نکاح جائز نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(۱) ایک عورت کو اس کے خاوند نے (جس کو مرض مالیخولیا کی تقریباً ۱۶ سال سے شکایت ہے اور جو چرس بھنگ پینے کا بھی عادی ہے) گھر سے نکال دیا اور خود فقیرانہ زندگی بسر کرنی شروع کر دی عورت مذکورہ عرصہ پانچ سال اپنے والدین کے پاس ٹھیری۔ اس کے اور اس کے بچوں کے کھانے کا بوجھ عورت مذکورہ کے والدین برداشت کرتے رہے۔ اس عرصہ میں اس کے خاوند نے اس عورت کو لانے کی کوئی تجویز نہیں کی۔ اسی عرصہ میں عورت مذکورہ کے والدین کا انتقال ہو گیا عورت مذکورہ اس گاؤں کے نمبردار کے کہنے پر اپنے بال بچوں سمیت اپنے خاوند کے گھر آئی۔ اس کے خاوند نے اس کو پھر بھی تنگ کرنا شروع کیا اور کئی کئی دن تک نہ ہی بچوں کو اور نہ اس عورت کو کھانے کو دیا۔ خاوند مذکورہ دو ماہ ٹھہر کر پھر کہیں چلا گیا اور فقیرانہ بھیس میں باہر پھرتا رہا اور تین سال تک واپس نہ آیا۔ اس کے جانے کے بعد ہی زمین قرض خواہوں نے لے لی۔ عورت مذکورہ تین سال تک محنت مزدوری کر کے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتی رہی۔ تین سال کے بعد اس کا خاوند پھر واپس آ گیا اور عورت مذکورہ کو مار پیٹ کر کے گھر سے نکال دیا۔ لوگوں کے کہنے سننے پر اس کو گھر آنے دیا۔ گاؤں کے

معتبر لوگوں نے اس کے خاوند کو سمجھایا کہ وہ اپنی بیوی کو ناحق تنگ نہ کرے لیکن وہ باز نہیں آیا اور پھر پہلے کی طرح گھر سے چلا گیا اور تقریباً دو سال تک لاپتہ رہا۔

(۲) عورت مذکور کے خاوند نے اس کے ساتھ مجامعت کرنی تقریباً عرصہ بارہ سال جب سے کہ وہ فقیر ہو گیا تھا بالکل ترک کر دی تھی۔ یہ بات عورت مذکورہ کے بیان سے ثابت ہوتی ہے۔ اس کا یہ بھی ثبوت ہے کہ اس کا چھوٹا بچہ تقریباً چودہ سال کا ہے اور نکاح ثانی کے بعد اب اس کی گود میں ایک لڑکی ہے۔

(۳) عورت مذکور نے اپنے خاوند کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اپنے خاوند سے کہا کہ یا تو مجھے طلاق دے دو یا کھانے پینے کو دو اور میری جائز خواہشات کو بھی پورا کرو۔ اس کے خاوند نے نان و نفقہ دینے سے بھی انکار کر دیا اور طلاق دینے سے بھی انکار کر دیا۔ آخر کار وہ عورت تنگ ہو کر عیسائی ہو گئی۔ اس کے عیسائی ہونے سے موجودہ گورنمنٹ کے قانون کے مطابق اس عورت کا نکاح ٹوٹ گیا۔ پھر عورت مذکورہ عرصہ چھ ماہ کے بعد مسلمان ہو گئی اور پھر کسی دوسرے مسلمان کے ساتھ نکاح کر لیا۔

(۴) آیا یہ نکاح جائز ہے یا کہ ناجائز؟

المستفتی نمبر ۲۱۴۶ چودھری محمد بخش صاحب (لائل پور) ۲۳ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۷ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۱۴۵) **جواب** - اگر یہ واقعات صحیح ہیں جو سوال میں مذکور ہیں تو عورت کا نکاح ثانی صحیح ہو گیا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

میرا شوہر بعارضہ صرع مدت سے بیمار ہے۔ عرصہ ہفت سال علاج کیا گیا مگر آرام نہ ہوا۔ اب دس ماہ سے مجنون ہو کر گھر سے نکل گیا ہے۔ ڈاکٹر اور حکیم اس کو لاعلاج بتا رہے ہیں۔ میرے چھوٹے کمسن بچے ہیں۔ بوجہ افلاس تنگ آگئی ہوں۔ عمر کے لحاظ سے جوان ہوں۔

(۱۴۶) **جواب** - خاوند کے مجنون ہو جانے کی صورت میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ضرورت شدیدہ میں حاکم مجاز کو نکاح فسخ کر دینے کی گنجائش ہے۔ لیکن حاکم مجاز سے حکم فسخ حاصل

کرنے سے قبل دوسرا نکاح کر لینا جائز نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۲۷ء)

ایک شخص بصحتِ عقل و تندرستی بدن تقریباً تین چار برس اپنی منکوحہ کے ساتھ بسر کرتا رہا۔ چنانچہ اسی زوجہ سے اس کا ہفت سالہ لڑکا بھی ہے۔ پھر وہ شخص مجنون ہوگیا اور چھ برس سے مجنون ہے۔ اس کے ورثا نے باقاعدہ اس کا علاج بھی نہیں کرایا۔ عورت جوان ہے اور زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے کسی صورت سے اس کا نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۱۴۷) **جواب** - حضرت امام محمد رحمۃ اللہ کے قول کے بموجب شوہر کے مجنون ہوجانے کی صورت میں نکاح فسخ ہوسکتا ہے۔ مگر فسخ کے لئے حاکمِ مجاز کے فیصلہ کی ضرورت ہے۔ وہ جنونِ حادث میں ایک سال کی مہلت بغرض علاج دے کر سال بھر کے بعد اگر جنون زائل نہ ہو تو عورت کی طلب پر نکاح فسخ کرسکتا ہے۔ یہ اختیار حکم (یعنی ثالث مسلم فریقین) کو بھی حاصل ہوتا ہے لیکن حاکم یا حکم کے فیصلہ کے بغیر نکاح فسخ نہیں ہوسکتا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۲۸ء)

ایک شخص نوجوان ضلع جلپائی گوڑی کا باشندہ تقریباً ڈیڑھ سال سے مرض جنون میں مبتلا ہے۔ ناداری کی وجہ سے کسی اچھے حکیم یا ڈاکٹر یا وید سے علاج کرانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ نہ سرکاری پاگل خانے میں بھیجا گیا جس سے مرض کے اچھے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کیا جاتا۔ شخص مذکور کی بیوی نوجوانی اور مفلسی سے تنگ آکر مستفتی ہوئی کہ نکاحِ ثانی درست ہے یا نہیں۔ بعض علماء نے بمجرد پاگل ہونے اس کے شوہر کے نکاح سابق کو فسخ قرار دے کر نکاحِ ثانی کا فتویٰ دیدیا اور نکاح کر بھی دیا۔ دوسرے علمانے تاتحقیق عدم استرداد صحت، عدم جواز کا فتویٰ دیا۔ اب دو جماعت ہو گئی ہے اور نااتفاقی کی خلیج وسیع تر ہوتی جارہی ہے۔ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور عدم جواز نکاح کی صورت میں زانی اور زانیہ کو توبہ کے ساتھ ساتھ کیا کفارہ ادا کرنا چاہئے؟

(۱۴۸) **جواب** - جبکہ ڈیڑھ سال سے زوج جنون میں مبتلا ہے اور اس مدت میں افاقہ نہ ہوا تو بغیر

مزید انتظار کے امام محمدؒ کے قول کے بموجب تفریق جائز ہے۔ مگر حکم تفریق کے لئے حاکم با اختیار یا حَکَم کا فیصلہ ضروری ہے۔ نیز حکمِ تفریق کے بعد عدت بھی گزارنی ہوگی۔ (اگر عورت مدخول بہا تھی) یہ مراتب پورے کر لیے گئے تھے تو نکاح ثانی درست ہوا ورنہ ناجائز۔ ناجائز ہونے کی صورت میں تفریق یا تجدید ضروری ہے۔ اور گزشتہ کی تلافی کے لئے صرف توبہ کافی ہے۔ کوئی کفارہ لازم نہیں۔

محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۲۹ء)

میری شادی میرے والد نے صغر سنی میں شیخ نصیر الدین سے کر دی تھی کہ میرے شوہر کو جذام کا مرض لاحق ہوا۔ اب میں عرصہ تیس برس سے بالغ ہوں اور اپنے والد کے گھر زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں۔ مجھے اپنے شوہر کے ساتھ رہنا منظور نہیں۔ کیونکہ وہ مرض ناقابلِ علاج میں گرفتار ہے۔ اور عرصہ چار برس سے اپنی سسرال نہیں گئی، نہ جانے کے لئے تیار ہوں۔ طلاق مانگتی ہوں تو طلاق نہیں دیتا اور میں خلع کی استطاعت نہیں رکھتی۔

(۱۴۹) **جواب** ۔ جذامی شوہر کی بیوی حاکم با اختیار کی عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست دے کر حکم فسخ حاصل کر سکتی ہے۔ حاکم امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بموجب نکاح کو فسخ کر سکتا ہے اور بعد حصول حکم فسخ عدت پوری کر کے عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۳۶ء)

زید عرصے سے مرگی میں مبتلا ہے اور مرض کی وجہ سے ایک سال سے اس کی زبان بند ہے۔ بول نہیں سکتا۔ ایک عالم نے فتویٰ دیا کہ زید کی زوجہ کو طلاق ہو گئی۔ کیونکہ اس قدر مریض کا نکاح نہیں رہ سکتا۔ اس فتوے کو حق سمجھ کر اس کی بیوی کا دوسری جگہ نکاح کر دیا گیا۔

(۱۵۰) **جواب** ۔ شوہر کے مریض ہونے کی صورت میں خود بخود طلاق نہیں پڑ جاتی خواہ کتنا ہی سخت مرض ہو۔ پس صورتِ مسئولہ میں یہ نکاح جو بدون طلاق کے پڑھا دیا گیا صحیح نہیں ہوا اور جس نے اس نکاح کے جواز کا فتویٰ دیا اس نے سخت غلطی کی۔ محمد کفایت اللہ

فصل نہم
زوج کا ظلم و زیادتی

سوال

مجبور و بے کس عورتیں جو شوہروں کی ہر قسم کی زیادتی اور ظلم برداشت کرتی ہیں۔ ان کے لئے خلاصی کی شرعاً کوئی صورت ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۵۰۰ محمد شبیر دمعوبی (بنارس)

۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جون ۱۹۳۷ء

(۱۵۱) **جواب** - مظلوم عورتوں کو ظالم شوہروں کے پنجۂ ظلم سے چھڑانے کے لئے ایک مسودہ قانون اسمبلی میں پیش ہونے والا تھا۔ مگر ابھی تک اس کے متعلق کوئی تسلی بخش صورت نہیں نکلی ہے کوشش کی جارہی ہے کہ ایسا قانون بن جائے اور مالکی مذہب کے موافق نکاح فسخ کیا جاسکے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک لڑکی بعمر پچیس چھبیس سال جس کی شادی کو عرصہ دس بارہ سال کا ہوچکا دورانِ شادی میں خاوند نے طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں اور اب عرصہ پانچ سال سے مطلق خبر نہیں لی۔ ایک لڑکی بھی جس کی عمر قریب پانچ ہی سال کی ہے اس کے پاس رہتی ہے۔ کئی مرتبہ اس کے شوہر سے کہا گیا کہ اپنی بیوی کو لے جاؤ یا فیصلہ کردو مگر وہ کسی طرح رضامند نہ ہوا بلکہ اور یہ سمجھ گیا کہ نہ میں رکھوں نہ میں چھوڑوں۔ لڑکی کی عمر اس قابل نہیں کہ وہ بیٹھی رہے۔ اب تک اس نے محنت مزدوری سے گزر کی۔ اس نے فعل مختاری کی درخواست دی تھی جو کہ منظور ہوگئی۔ وہ چاہتی ہے کہ کہیں بیٹھ کر بقایا زندگی بسر کروں۔ اب جناب سے التماس ہے کہ جناب بذریعہ فتویٰ اجازت دیں کہ لڑکی کا اس حالت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۸۱۹ ایم نذیر حسین سوداگر چرم صدر بازار دہلی۔ ۲۲ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱۵۲) **جواب** - عدالت سے خود اختیاری تو مل گئی۔ اب اس کی ضرورت ہے کہ فریقین کسی کو ثالث بنادیں اور وہ تحقیقات کے بعد فسخ نکاح کا حکم کردے اور پھر عورت عدت پوری کرکے دوسرا نکاح

کرلے۔ اگر شوہر ثالثی پر آبادہ نہ ہو یعنی کسی کو ثالث نہ بنائے تو عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ کرکے نکاح فسخ کرالے۔ اگر مسلمان حاکم نکاح فسخ کرنے کا فیصلہ دیدے تو پھر بعد انقضائے عدت وہ دوسرا نکاح کرسکے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھائی عمر کے بیٹے کے ساتھ کردیا تھا۔ جب وہ سسرال بھیجی گئی تو کچھ عرصہ کے بعد ساس وغیرہ نے اس کے ساتھ جھگڑا شروع کردیا۔ ہوتے ہوتے اس اثنا میں اس کی ساس و زید کے بھائی عمر نے زید کی لڑکی پر زنا کا الزام لگایا جس کو زید اور زید کے تمام طرفدار بہتان عظیم تصور کرتے ہیں۔ لیکن عمرو عمر کے طرفدار اس کو حقیقت خیال کرتے ہیں۔ اسی دن سے لڑکی زید کے گھر میں ہے جس کو عرصہ تین سال کا گذرنے والا ہے۔ نہ تو وہ گھر سے لے جاتے اور نہ طلاق ہی دیتے ہیں بیچ میں لٹکائے ہوئے ہیں۔ بہت دفعہ عمر کے پاس بڑے بڑے معزز آدمی بھیجے گئے کہ کوئی فیصلہ کرو۔ مگر وہ کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔

المستفتی نمبر ۱۸۳۱ مستری عطاء اللہ لائسنسدار لوہار مسلم بازار۔ ڈیرہ اسماعیل خاں

۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۱۵۳) **جواب** - اگر خاوند زید کی لڑکی یعنی اپنی زوجہ کو آباد نہیں کرتا اور نہ طلاق دیتا ہے تو زید کو حق ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ کرکے نکاح کو فسخ کرالے۔ حاکم بعد تحقیقات نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔ بعد حصول حکم فسخ وانقضائے عدت دوسرا نکاح ہوسکے گا۔ الزام زنا بھی موجب لعان ہے اور بعد لعان تفریق ہوسکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

میں مسماۃ کرم جان عرصہ گیارہ سال سے مجھ کو میرے خاوند عبدالہادی نے گھر سے نکال دیا۔ نکالنے پر میں اپنے بھائی کے گھر چلی آئی۔ ہر چند معتبرین شہر سے میں نے صدا کی اور اپنے خاوند کے پاس جرگہ لے گئی کہ مجھے آباد کریں یا خرچہ دیں مگر میرا کوئی حیلہ کارگر نہ ہوا۔ آخر کار میں نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔ میرا بھائی ایک مفلس شخص ہے۔ میں نوجوان عورت ہوں۔ خرچہ سے لاچار اگر شریعت محمدیہ کے علماء سے استدعا کرتی ہوں کہ کوئی صورت شریعت نے ہم بے کس ولاچار

عورتوں کے لئے تجویز فرمائی ہے؟ کہ اگر خاوند نان ونفقہ نہ دے اور عورت لاچار ہو تو کیا وہ عورت عندالشرع کسی حیلے سے مطلقہ ہو سکتی ہے؟ نفس امارہ بہت غالب ہے۔ عرصہ کثیر کے بعد اب لاچار آکر استدعا کرتی ہوں۔ اب صبر کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اگر شریعت کی وجہ سے طلاق ہو سکتی ہے تو برائے خدا میری جان کو اس آفت سے بچائیں۔ اگر کوئی جائیداد ہوتی تو گذارا کرتی۔

المستفتی نمبر ۲۰۲۸ مستری فضل الہٰی (ضلع کیمل پور) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۵۴) **جواب**۔ اگر شوہر بیوی کو آباد نہیں کرتا اور طلاق بھی نہیں دیتا تو عورت کو کوئی حاکم مجاز یا با اختیار جرگہ یا با اختیار قاضی نکاح فسخ کر کے خاوند کے ظلم سے بچا سکتا ہے۔ با اختیار حاکم یا جرگہ یا قاضی نکاح فسخ کر دے تو فسخ صحیح ہے اور پھر عورت عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکے گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

خادمہ ایک مالگذار کی دختر ہے۔ قریباً ۱۵ برس کی عمر میں میرا عقد کیا گیا۔ میں اپنے خاوند کے پاس ۴ - ۵ سال رہی۔ اس وقت میری عمر قریباً بیس بائیس سال کی ہے۔ اسی درمیان یعنی بمدت زوجیت میرے خاوند نے مجھے طرح طرح کی ایذا و تکلیفیں پہنچائیں اور دوسرے شخص سے میری آبرو ریزی کرانے کی کوشش کی اور کہا کہ تو میرے کام کی نہیں۔ ان سختیوں اور وجوہات سے میں اسے چھوڑ کر اپنے ماں باپ کے گھر آگئی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ مجھے طلاق دیدے مگر وہ مجھے طلاق نہیں دیتا۔ میں اس سے ڈیڑھ سال سے علیحدہ ہوں۔ میں اس شخص کے گھر بالکل نہیں جانا چاہتی۔ میری جوانی کی عمر ہے۔ مجھ سے برداشت بھی نہیں ہو سکتی۔ بغیر طلاق لیے میں دوسرا نکاح بھی نہیں کر سکتی اس لئے حضور کی خدمت میں ملتجی ہوں کہ مجھے شرعی حکم مرحمت فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۱۸۷ ابس بی ولد عبدالہادی (چھیند واڑہ) ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جنوری ۱۹۳۸ء

(۱۵۵) **جواب**۔ اگر شوہر کے مظالم ناقابل برداشت ہوں اور وہ طلاق بھی نہ دے اور عورت کی عصمت خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ اور بعد حصول فسخ وانقضائے عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

میری شادی یکم اپریل ۱۹۳۵ء جسے آج تین سال ہوتے ہیں مسمی محمد غوث ولد فتح محمد قوم پٹھان پیشہ ملازمت سے ہوئی تھی۔ مذکور نے ایک ہزار کا مہر سادہ مع بیس۲۰ روپے خرچہ پاندان وغیرہ کے ساتھ اس شرط سے تحریر کیا تھا کہ وہ میری والدہ کے گھر میرے ساتھ رہے گا اور خود مجھے کہیں دہلی سے باہر یا دوسرے محلہ میں نہیں لے جائے گا اور مجھ سے اخلاق سے پیش آئیگا۔ اس نے یہ بھی اقرار کیا تھا کہ وہ کنوارا ہے اور اس سے پیشتر اس کی شادی نہیں ہوئی ہے۔ حالانکہ میری شادی کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سراسر دھوکہ تھا وہ شادی شدہ ہے۔ شادی ہونے کے بعد وہ مجھ سے بیجا سوء سلوک کرتا رہا اور بداخلاقی سے پیش آتا رہا، طرح طرح کے فریب کرکے میرا ذاتی زیور اور روپیہ عیاشی میں برباد کرتا رہا اور مجھ سے کنارہ کش رہا اور مجھ سے لا پروا ہوگیا۔ مجھے باہر ملتان لے جانا چاہتا تھا مگر میں اس کے چال چلن سے یہاں تک خائف تھی کہ مجھے خطرہ لاحق تھا میں نہیں گئی، کیونکہ وہ مجھے فروخت کرنا چاہتا تھا۔ بعد ازیں اس نے میری والدہ پر اور مجھ پر مقدمہ چلایا کہ اس کا فرنیچر وغیرہ ہم نے ضائع کر دیا ہے۔ مقدمہ ہمارے حق میں رہا اور خارج ہوگیا۔ میرے والد بزرگوار رخصت ہو چکے ہیں صرف میری ماں میری وارث ہے۔ میں شوہر مذکور کے گھر میں نہیں رہنا چاہتی اور وہ مجھے طلاق نہیں دینا چاہتا بلکہ کافی رقم طلاق دینے کی طلب کرتا ہے حالانکہ قانوناً مہر اور خرچہ تین سال کا میں اس سے وصول کر سکتی ہوں۔ مگر بوجہ غربت اور اپنی عزت کے کچھ نہیں کر سکتی۔ ایک مسلمان عورت کی حیثیت سے سخت پریشان ہوں۔

المستفتی ۲۲۸۲ منور خانم بنت آغا حسین دریا گنج دہلی۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۸ء

(۱۵۶) **جواب** - اگر واقعات مذکورۂ سوال صحیح ہیں تو عورت کو حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دے کر اپنا نکاح فسخ کرالے اور پھر عدت گذار کر دوسرا نکاح کرے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

(۱) عورت وقتِ عقد نابالغ تھی۔ اہلِ برادری نے ناکح کا چال چلن خراب معلوم کرکے اس سے ایک اقرار نامہ اس مضمون کا تحریر کرایا کہ اگر میں اپنا چال چلن ایک سال کے اندر درست نہ

کرسکوں تو میری زوجہ و اس کے وارثان کو اختیار ہو گا کہ وہ دوسری جگہ منسوب کرلیں مجھ کو کسی قسم کا عذر نہ ہو گا۔ اس اقرار نامہ کو تین سال گذر گئے۔ اب اسلامی بورڈ کے اجلاس میں مسماۃ کی درخواست پیش ہے کہ جس شخص سے میرا مشروط نکاح بزمانۂ نابالغی ہوا تھا وہ بربنا رشرط نویسندۂ دستاویز منسوخ فرما کر دوسرے عقد کی اجازت دی جائے۔ ایسی صورت میں آں قبلہ کی کیا رائے ہے؟ شہادت پیش کردہ سائلہ سے نویسندہ دستاویز کا اس وقت تک بدچلن ہونا ثابت ہے۔ پس احکام شرعی سے بورڈ کو مطلع فرمایا جائے۔ مجریہ بورڈ اسلامی گوالیار ۱۵۵؍ ۱۱ ؍ مئی ۱۹۳۸ء

(۲) ایک عورت کے شوہر نے وقت شادی چند معاہدات کے ساتھ ایک دستاویز لکھی اور اس میں یہ شرط درج کی کہ اگر معاہدات کی پابندی میری جانب سے نہ ہو تو یہ دستاویز طلاق نامہ تصور کی جائے۔ شادی کے بعد ہی شوہر لاپتہ ہو گیا۔ مسماۃ کی درخواست ہے کہ جب شوہر لاپتہ ہے تو پھر دستاویز کی پابندی کون کرے۔ لہٰذا مجھ کو دوسرے عقد کی اجازت دی جائے۔ اسلامی بورڈ نے مسمّی مذکور کے نام گزٹ میں نوٹس شائع کرایا مگر نہ وہ حاضر ہوا نہ اس نے کوئی جواب دیا جس سے اس کا لاپتہ ہونا ثابت ہے۔ تین چار سال سے لاپتہ ہے شہادت سے ثابت ہے۔

المستفتی ۲۲۹۹ سکریٹری اسلامی بورڈ (گوالیار) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۷ رجون ۱۹۳۸ء

(۱۵۷) **جواب** - (۱) اقرار نامہ نکاح کے بعد تحریر کیا گیا ہو اور اس کی شرائط کی خلاف ورزی کی گئی ہو تو بورڈ کو حق ہے کہ وہ عورت کو شرائط اقرار نامہ کے ماتحت آزادی دے کہ وہ بقاعدۂ شرعیہ نکاحِ ثانی کرے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

(۲) شوہر کے لاپتہ ہو جانے کی صورت میں عورت کا گزارہ ممکن نہ ہو یا اس کی عصمت خطرے میں ہو تو بورڈ کو حق ہے کہ وہ نکاح کو فسخ کر کے عورت کو آزادی دیدے اور عورت کو آزادی ملنے کے بعد عدت گزار کر نکاح ثانی کر لینا جائز ہو گا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) درخواست کنندہ رابعہ بی زوجہ منظور عالم ساکن اسٹیٹ ریوان عرض کرتی ہے۔ مدرسہ کو فدویہ جو درخواست دے رہی ہے اس درخواست پر شرعاً میرا فیصلہ کیا جائے۔ خدا و رسولؐ نے حنفی وسنّی کے لئے جو ارشاد کیا ہے۔

(۲) میرے شوہر منظور عالم میں ایک عیب تو یہ ہے کہ ان کو اغلام بازی کا شوق ہے وہ عورت سے محبت نہیں رکھتے۔ میں نے ان کو تین سال تک سمجھایا کہ یہ بدفعل چھوڑ دے لیکن وہ نہیں چھوڑتے اس لئے میں اُن سے بیزار ہوں اور ان کی زوجیت میں رہنا نہیں چاہتی۔ اس بات پر شرعاً فیصلہ چاہتی ہوں۔

(۳) میرے بیاہتا خاوند نے مبلغ گیارہ سو پچیس روپئے جو مہر کا دیا تھا اس کا زیور بنا دیا تھا۔ وہ زیور جناب منظور عالم صاحب کے مکان سے چوری چلا گیا۔ اب میرے پاس ایک پیسہ تک نہیں ہے مجھ کو دو تین روز کا فاقہ گذرتا ہے اور میرا ایک بچہ نابالغ جو بیاہتا خاوند کی طرف سے ہے۔ ہم ماں بچے بھوکے مرتے ہیں کوئی پُرسانِ حال نہیں ہے۔ موجودہ خاوند سے کھانے کپڑے کو مانگتی ہوں تو کوئی جواب نہیں ملتا۔ وہ خاوند مجھ کو لینے نہیں آتا، نہ خرچ دیتا ہے ۱۳ ماہ گذرے خاوند بیوی سے بے فکر ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ ایسے خاوند پر شرعاً کیا حکم عائد ہوتا ہے۔

(۴) اگر علمائے دین نے اس معاملہ کا فیصلہ نہیں کیا تو اب میں علمائے دین کے سامنے قسم کھا کر قرآن شریف کی کہتی ہوں کہ میں اس پیٹ کے لئے چاہے عیسائی بن جاؤں یا آریہ پھر مجھ پر آپ لوگ کوئی بدنامی نہ دینا۔ میں حرام کر کے پیٹ بھرنا نہیں چاہتی چاہے فاقہ میں دن نکل جائیں۔ اگر اسلامی فیصلہ نہ ہوگا تو عیسائی بن جاؤں گی یا آریہ یہ حرام نہیں کروں گی اس لئے اپنی درخواست علمائے دین کے سامنے پیش کرتی ہوں جو سچا حکم خدا و رسول کا ہو وہ حکم پندرہ دن کے اندر دیا جائے ورنہ کوئی جواب نہ ملنے پر اسلامی دعوے سے علیحدہ ہو جاؤں گی پھر مجھے کوئی بدنامی نہ دینا۔　　المستفتی نمبر ۲۳۳۰ رابعہ بی زوجہ منظور عالم بلاسپور (سی پی)

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۲ جون ۱۹۳۸ء

(۱۵۸) **جواب** - جبکہ خاوند اس قدر خطاکار اور ظالم ہے کہ بیوی بچے کو نفقہ نہیں دیتا اور نہ حقوقِ زوجیت ادا کرتا ہے تو عورت کو حق ہے کہ وہ حاکم کے ہاں دعویٰ کر کے اپنا نکاح فسخ کرائے اور پھر عدت گذار کر دوسرا نکاح کرلے فقط۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۲۷ء)

ایک نوجوان شریف عورت شادی شدہ ہے مگر اس کا خاوند اس کو نہ تو گھر میں آباد کرتا ہے۔ نہ اس کے نان نفقہ کا ذمہ لیتا ہے جس کو عرصہ دس سال کا گزر گیا ہے۔ عورت کے والدین نادار ہیں۔ جب اس سے طلاق طلب کی جاتی ہے تو چار پانچ ہزار روپے طلب کرتا ہے۔

(۱۵۹) **جواب**۔ اس پر مہر اور نان نفقہ کی نالش کر کے دباؤ ڈالا جائے یا برادری وغیرہ سے دباؤ ڈال کر طلاق حاصل کی جائے۔ کیونکہ جب تک اس سے فیصلہ نہ کیا جائے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اپریل ۲۸ء)

مسماۃ ہندہ کو اس کے شوہر نے تیرہ چودہ سال سے ترک کر دیا ہے۔ نہ اس کے خورو نوش کا کفیل ہے اور نہ مکان کا بندوبست کرتا ہے اور نہ زرِ مہر دیتا ہے نہ طلاق دیتا ہے۔

(۱۶۰) **جواب**۔ جبکہ خاوند از راہِ شرارت زوجہ کے خورو نوش کا کفیل نہیں ہوتا اور نہ حقوقِ زوجیت ادا کرتا ہے تو بذریعہ برادری یا حکومت کے اس کو طلاق دینے پر مجبور کرنا چاہئیے۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکمِ بااختیار نکاح کے فسخ کا حکم دے سکتا ہے اور بعد حکم فسخ عورت عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ.

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

ایک شوہر اور زوجہ کے درمیان سخت نزاع اور عداوت پیدا ہو گئی ہے۔ شوہر نے عورت پر مقدمہ فوجداری ۴۹۸ تعزیراتِ ہند برپا کر کے اس کو اور اس کے آشنا کو قید بھی کرا لیا ہے اور حفظِ امن دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری بھی لی جا چکی ہیں۔ اب وہ عورت بوجہ خوف جان محنت مزدوری کر کے گزارہ کرتی ہے۔ خاوند اس کو ضرر رسانی کی خاطر طلاق بھی نہیں دیتا۔ عورت جوان ہے اور خاوند بوڑھا ہے۔ عورت اس سے طلاق حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہونے کی وجہ سے

تبدیلِ مذہب کرنے کے لئے تیار ہے۔ہم نے اس کو روک رکھا ہے۔

(۱۶۱) **جواب**۔ اگر زوجین میں اب باہم اتفاق اور نباہ کی صورت نہیں ہے بلکہ عورت کو اپنی جان کا خوف ہے تو وہ کسی مسلمان حاکم یا ثالث کے ذریعہ سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔اور بعد حصولِ حکم فسخ و انقضائے عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

فصل دہم
تعدّد ازدواج
سوال

ایک لڑکی کی شادی بحالتِ نابالغی اس کی ماں اور بھائی نے اور قریبی رشتہ داروں نے ایک بالغ لڑکے سے کردی اور رخصتی تاہنوز نہ ہوئی۔اب لڑکی بالغ ہو چکی ہے۔شوہر نے بعد شادی ایک عیسائی عورت کو داخلِ اسلام کرکے نکاح کر لیا۔اس عورت سے تین بچے بھی ہو چکے ہیں۔ان حالات کو سن کر لڑکی اپنے شوہر کے پاس جانے سے انکار کرتی ہے اور لڑکی کے وارثان بھی بھیجنے سے انکار کرتے ہیں اور خاوند طلاق دینے سے انکار کرتا ہے۔ایسی حالت میں لڑکی فسخ نکاح کا مطالبہ کرتی ہے۔اس کے لئے شریعتِ اسلامیہ کیا طریقہ بتلاتی ہے؟

المستفتی عبدالرحمن۔محلہ دودمیان۔نصیر آباد (راجپوتانہ) ۱۹ جنوری ۱۹۵۱ء

(۱۶۲) **جواب**۔ دوسرا نکاح کر لینا تو طلاق کی وجہ نہیں بن سکتا۔اگر اور کوئی معقول وجہ ہو تو اس کی بنا پر عدالت میں مقدمہ کرکے نکاح فسخ کرایا جائے اور اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کردے تو پھر مسلمان پنچایت سے بھی فسخ کرایا جائے۔مسلمان پنچایت بھی فسخ کردے تو لڑکی آزاد ہو گی اور دوسرا نکاح کر سکے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ،دہلی

فصل یازدہم
حرمتِ مصاہرت
سوال

میری دوسری بیوی ایک بدمعاش آدمی سے مل کر جھوٹا الزام خاوند کے اوپر لگا کر نکاح ... فسخ کرانے کا دعویٰ کرتی ہے۔ کہتی ہے کہ سوتیلے لڑکے نے میرے ساتھ زنا کیا ہے۔ وہ اپنی ہی زبان سے ثابت کرتی ہے موقع کی کوئی شہادت نہیں۔ خاوند نے اپنی زبان سے اس کو کوئی تہمت نہیں دی ہے۔ نہ ثابت ہوئی ہے اور نہ اس سوتیلے لڑکے کی زبان سے ثابت ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ میری ماں ہے اور زنا کوئی نہیں ہوا یہ صرف جعل بناتی ہے۔ آپ لکھیں کہ نکاح جائز ہے یا حرام ہے اور فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ خاوند اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا ہے اپنے گھر آباد کرنا چاہتا ہے۔ یہ فریب سے نکلنا چاہتی ہے۔ المستفتی نمبر ۱۹۸۳ چراغ دین بلاسپور (شملہ)

۲۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۶۳) **جواب**۔ اگر عورت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس کے شوہر کے لڑکے نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے اور وہ لڑکا انکار کرتا ہے تو عورت کا قول معتبر نہیں۔ اس کو لازم ہے کہ یا تو چار گواہ چشم دید پیش کرے جو زنا کی چشم دید گواہی دیں ورنہ یہ عورت خود تہمت لگانے کی سزا پائے گی۔ اگر چار گواہ زنا کی گواہی دینے والے نہ ہوں اور شوہر زنا کو تسلیم نہ کرے تو نکاح فسخ نہیں ہو سکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فصل دوازدہم

ارتداد

سوال

پہلے ایک عورت مسلمان تھی پھر وہ ایک مرد مسلمان کے ہمراہ بھاگ آئی اور بھاگ کر آریہ سماج میں دونوں مرد و زن داخل ہو گئے۔ عرصہ دو یا تین سال کا ہوا کہ دو تین بچے پیدا ہوئے۔ اس کے بعد وہ دونوں شخص کہتے ہیں کہ ہم فیروز پور پنجاب میں دونوں شخص مسلمان ہو گئے۔ اب ان کا نکاح ہوا اور اس عورت کا پہلا خاوند حیات ہے اور اب یہ چرچا ہوا کہ جتنے اشخاص اس نکاح کے اندر تھے ان سب کا نکاح ٹوٹ گیا۔ المستفتی نمبر ۲۰۰۰ عبدالعزیز محرم نگر صوبہ دہلی

۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۶۴) **جواب** - عورت کے آریہ ہونے کی وجہ سے پہلے خاوند کا نکاح ٹوٹ گیا اور اب دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد عورت اور اس شخص کو جو بہکا کر لایا تھا سزا اسلامی حکومت دے سکتی تھی اور مجبور کر سکتی تھی کہ عورت پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرے لیکن اب اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے عورت نے اس شخص سے جو نکاح کر لیا ہے یہ نکاح منعقد ہو گیا اور اس میں شریک ہونے والے مجرم نہیں ہیں۔ اور نہ ان کے نکاح ٹوٹے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(۱) ایک شخص نے دورانِ گفت گو میں کہا کہ شریعتِ ظاہری تو عین کفر ہے۔ زبان سے یہ جملہ نکلنا داخلِ ارتداد ہے یا نہیں۔ اگر داخلِ ارتداد ہے تو ارکانِ ایمان اور تجدیدِ نکاح ضروری ہیں؟

(۲) ایک عورت جس کا سن ۲۰ سال ہے اور اس سے پہلے دو شوہروں سے یعنی ایک کے بعد دوسرے سے طلاق خود حاصل کرنے کے بعد اب تیسرا نکاح کیا اور تیسرے شوہر کے گھر سے اپنی ماں کے گھر بخوشی گئی اور وہاں کچھ دن رہ کر اس شوہر کے پاس آنے سے بضد انکار کچھ دن تنگ کرتی رہی لیکن ماں بہن وغیرہ کے سمجھانے سے اس شرط پر شوہر کے پاس آنے کا اقرار کیا کہ چلی تو جاؤں گی مگر نعوذ باللہ خدا اور رسول کو نہیں مانوں گی۔ جب اس کے کلماتِ مذکور پر لعن کیا تو دوسرے دن توبہ کر کے شوہر کے گھر آئی۔ شوہر سے نہ کوئی جھگڑا تھا اور نہ شوہر کو کلماتِ مذکورہ کا علم تھا اس لئے یکجائی بھی ہوئی۔ اس کے بعد کلماتِ مذکورہ کا شوہر کو علم ہوا۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ شوہر بلا علم کلماتِ مذکور مرتکب فعل یکجائی جو ہوا ہے اس کی وجہ سے کسی سزا کا مستحق ہوا یا نہیں۔ اگر ہوا تو کیا صورت اس سے برارت کی ہے۔

(۳) اب اس عورت پر تجدیدِ نکاح لازم ہے یا نہیں؟

(۴) اور اگر شوہر اس کو اپنی زوجیت میں اسے نہ رکھنا چاہتا ہو تو جدید طلاق کی ضرورت ہے یا صرف وہی کلماتِ ارتداد علیحدگی کے لئے کافی ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۰۱۰ شجاعت حسین صاحب (آگرہ) ۹ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۶۵) **جواب** - (۱) ہاں اس کلام کے ظاہری معنی ارتداد کے موجب ہیں اور ان کے کہنے سے کہنے والا اسلام سے نکل جاتا ہے۔ پس اس کو توبہ کرنا اور از سرِ نو تجدیدِ نکاح کرنا لازم ہے۔

(۲) شوہر پر کوئی گناہ اور مواخذہ نہیں ہے۔

(۳) عورت کے ان کلمات کی بنا پر تجدید نکاح احتیاطاً لازم ہے۔

(۴) جدید طلاق کی ضرورت تو نہیں مگر طلاق دے دینا احتیاطاً بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۹ راگست ۲۹ء)

زید قادیانی ہو گیا ہے۔ اس کی منکوحہ بیوی بوجہ غیرت و اسلامی حمیت اس کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی اور نکاح فسخ کرانا چاہتی ہے۔

(۱۶۶) **جواب** - مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کے متعلق جماہیر علمائے اسلام کا فتویٰ شائع ہو چکا ہے کہ یہ لوگ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے ایسے مسائل ہیں جو اسلام کے قطعی اور یقینی مسائل ہیں انھوں نے انکار کیا ہے یا ایسی تاویلات باطلہ کی ہیں جو کفر کے حکم سے نہیں بچا سکتیں۔ مثلاً حضور خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت سے انکار کرنا حالانکہ ختم نبوت کا مسئلہ قطعی اجماعی ہے۔ مرزا صاحب کا دعوائے نبوت دعوائے رسالت دعوائے معجزات وغیرہ توہین انبیاء علیہم السلام تکفیر امت محمدیہ کہ ان کے نزدیک تمام غیر احمدی مسلمان کافر ہیں۔ اس بنا پر کوئی مسلمہ عورت کسی قادیانی کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ شوہر کے قادیانی بن جانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ہائی کورٹ بہار و مدراس فسخ نکاح کے فیصلے بھی کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

سوال

ہندہ کو کسی نے مشورہ دیا کہ تو عیسائی ہو جا۔ اس نے کہا کہ میں راضی ہوں۔ یا کسی شخص نے کسی دوسرے سے یوں کہا کہ ہندہ سے کہہ دو کہ وہ عیسائی ہو جائے۔ اس طرح کسی عورت کو عیسائی بننے کی ترغیب دینا یا اس کو عیسائی بنانے کے لئے کسی سے مشورہ کرنا، یہ تمام امور شرعاً کیسے ہیں؟ یہ لوگ مرتد ہیں یا نہیں؟ ان کے نکاح باقی رہے یا نہیں؟ اگر نکاح ٹوٹ گئے تو عدت گزارنی ضروری ہے یا نہیں؟

(۱۶۷) **جواب** - مرتد ہونا تو انتہائی جرم ہے - مگر مرتد ہونے کا کسی کو مشورہ دینا، ارتداد میں سعی کرنا یہ بھی کفر ہے - جن لوگوں نے کسی کو مرتد ہونے کا مشورہ دیا یا مرتد بنانے کی سعی کی وہ خود بھی کافر ہو گئے - ان کو اپنے ایمان کی تجدید اور توبہ کے ساتھ نکاح کی بھی تجدید کرنی چاہیئے - عدت کے اندر اور عدت کے بعد ہر صورت میں تجدیدِ نکاح ہو سکتی ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

فصل سیزدہم

ولی کا سوءِ اختیار

سوال

مولوی الٰہی بخش و شرف الدین بایں رشتہ رشتہ دار تھے کہ مولوی الٰہی بخش کا دادا حقیقی اور شرف الدین کا باپ دونوں حقیقی بھائی تھے اور شرف الدین و مولوی الٰہی بخش آپس میں مخالف بہت رہتے تھے - مولوی الٰہی بخش اور ان کے والد فوت ہو گئے اور مولوی الٰہی بخش کی لڑکیاں تین نابالغہ رہ گئیں اور ان کا متوتی صرف مردوں میں سے شرف الدین ہی رہا - اب ان لڑکیوں کے نکاح اپنے لڑکوں سے کر دیئے ہیں - شرف الدین پہلے اس کے اور اب بھی مولوی الٰہی بخش ان کی زوجہ اور اولاد اور اس کے باپ وغیرہ سے بدسلوکی کرتا چلا آیا ہے تو اب شرف الدین موقع پا کر یہ نکاح کرتے ہیں اور ایک لڑکی کا نکاح تو اپنے لڑکے غلام محمد سے کیا ہے جو کہ پہلے شادی شدہ ہے جس کو دوسری شادی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ پہلی شادی اس کی ابھی ہوئی ہے اور وہ اپنے گھر میں خوش آباد ہے اور اس کی اولاد بھی ہو رہی ہے - غرضیکہ اس کو دوسری شادی کی ضرورت نہیں ہے - شرف الدین صرف اپنے غیظ و غضب کو پورا کرنے کے لئے مولوی الٰہی بخش مرحوم کی یتیمہ کو سوکن پر نکاح کیا ہے تاآنکہ کالمعلقہ رہے اور زندگی اس کی خراب گزرے جس سے اس کی والدہ وغیرہ جلیں - غرضیکہ شرف الدین نے جو نکاح یتیمہ ہائے مولوی الٰہی بخش کے اپنے لڑکوں سے کیے ہیں ان میں اس نے شفقت اور رحم ہرگز نہیں کیا بلکہ اپنے غیظ و غضب کو پورا کرنا چاہا ہے اور سوءِ اختیار اختیار کیا ہے - چنانچہ اب شرف الدین نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا ہے کہ بازوہائے یتیمہ مولوی الٰہی بخش کی مجھے ملیں - کیونکہ ان کی لڑکیوں کا میرے لڑکوں

سے شرعاً نکاح ہے۔ بعدازاں لڑکیوں کی جو رشتہ دار عورتیں ہیں مثلاً والدہ وغیرہ وہ بہت مصیبت میں ہیں اور ناراض ہیں۔ کیونکہ شرف الدین جو کہ مولوی الٰہی بخش کا اور ہمارا دشمن تھا وہ ہماری لڑکیوں کا قبضہ لے کر بہت تنگ کرے گا بیان ماسبق سے ظاہر ہوا کہ شرف الدین نے ثبت نکاح کر کے یتیمہ ہائے مولوی الٰہی بخش سے شفقت و رحم متولیانہ اختیار نہیں کیا بلکہ سوءِ اختیار اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اپنے نفسانی طمع غیظ و غضب کو پورا کرنا چاہتا ہے اور مال جو کہ شادی ہائے لڑکوں پر خرچ ہوتا وہ بھی بچت میں رہا ہے اور ان نکاحوں میں یتیمہ ہائے مولوی الٰہی بخش کی کوئی بہتری نہیں سوچی جس سے سوءِ اختیار ظاہر معلوم ہوتا ہے۔ سو فرمایئے کہ ایسے متولی سوءِ اختیار والے کا نکاح نافذ ہوگا یا نہیں۔ علاوہ ازیں جو کہ لڑکی غلام محمد سے سوکن پر نکاح کر دی گئی ہے وہ اب بالغہ ہو چکی ہے۔ بالغہ ہوتے ہی بلا تاخیر اس نے نکاح کو رد کر دیا ہے۔ یعنی اولین قطرہ خونِ حیض آتے ہی اس نے نکاح کو رد کر دیا ہے اور اس پر گواہ بھی بنا دیئے ہیں اور عمر اس کی پتہ نہیں کہ کتنی ہے صحیح پتہ نہیں چل سکتا کیونکہ تاریخ ولادت معلوم نہیں ہے لہٰذا ارشاد فرمایئے کہ سرے سے نکاح ہوئے ہیں یا نہیں۔ اگر ہوئے ہیں تو مر دمذکور سے نکاح فسخ ہو جائے گا یا نہیں اور فسخ نکاح کس طرح پر ہوگا۔ ہندو منصف یا جج جو کہ ریاست بھاولپور کا مسلمان نواب حاکم ہے یہ نکاح بعد از درخواست فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں یا کہ مسلمان حاکم ہونا شرط ہے۔ اگر مسلمان حاکم ہونا شرط ہے تو بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۰۸۱ ابوالحسن صاحب بھاولپور۔ ۲۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۳۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(۱۶۸) **جواب**۔ شرف الدین کی عداوت اور دشمنی اگر ثابت ہو تو حاکم بعد تحقیقات ان نکاحوں کے فساد کا حکم کر سکتا ہے اور اگر یہ بات نہ ہو تو پھر لڑکیوں کو خیارِ بلوغ تو یقیناً حاصل ہے۔ اور ایک لڑکی جس نے بالغ ہوتے ہی نکاح کو رد کر دیا ہے وہ نکاح بحکمِ حاکم مسلمان فسخ ہو جائیگا۔ مسلمان حاکم کی شرط لازم ہے۔ کیونکہ قاضی کے لئے اسلام شرط ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

دہلی

فصل چہاردہم
شوہر کا عنین ہونا
سوال

مسماۃ نادری بنت غفور بخش کی لڑکی کی شادی احمد بخش عرف لالہ کے ساتھ کردی گئی۔ شادی کو عرصہ دس سال کا ہوگیا ہے۔ ابھی تک کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا نہیں ہوئے۔ مسماۃ نادری کی زبانی معلوم ہوا کہ میرا شوہر نامرد ہے۔ اب اس کی شادی دوسری جگہ کی جارہی ہے۔ ایسی حالت میں شرعاً نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟　المستفتی نمبر ۲۲۱۵ حافظ نظام الدین آگرہ
۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء

(۱۶۹) **جواب**۔ مسماۃ نادری کی شادی بغیر طلاق کے دوسری جگہ نہیں ہوسکتی۔ شوہر اول طلاق دے یا بوجہ نامرد ہونے کے حاکم نکاح فسخ کرے اور پھر عدت گزر جائے جب دوسرے شخص سے نکاح ہوسکے گا۔ نادری کو یہ حق ہے کہ اپنے شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے وہ عدالت میں نکاح فسخ کرانے کی درخواست کرے۔ حاکم قاعدۂ شرعیہ کے مطابق شوہر کو سال بھر کی مہلت بغرضِ علاج دے گا اور سال بھر میں اگر شوہر کی حالت درست نہ ہوئی تو مسماۃ نادری کی دوسری درخواست پر حاکم بعد تحقیقات نکاح فسخ کردے گا۔　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

فصل پانزدہم
اغوار
سوال

ایک عورت مسماۃ ہندہ نکاح شدہ ہے اور دو تین بار سسرال بھی ہو آئی ہے۔ بعدہٗ مسمیٰ زید نے اسے اغوا کرلیا اور مسمیٰ بکر کے ہاتھ مبلغ چار صد روپے کے عوض فروخت کردیا۔ اب مسماۃ مذکورہ مسمی بکر کے ساتھ تعلق زناشوئی قائم کرنا نہیں چاہتی بکر کو کہتی ہے کہ طلاق حاصل کرکے میرے ساتھ شرعی طور پر نکاح کرلو۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ مسماۃ مذکورہ بکر مذکور کے گھر آباد ہونا نہیں چاہتی

اور ملی الاعلان کہتی ہے کہ میں مسمی بکر کے گھر آباد نہیں رہوں گی اس میں خواہ میری جان ضائع ہو جائے۔ ڈر ہے کہ وہ کسی دوسرے کے ساتھ اغوا پر جائے یا مسیحیت قبول کرلے اور اپنے ایمان کو ضائع کردے۔ مزید عرض یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ منکوحہ ہے اس کے گھر آباد ہونا بھی اس کا مشکل ہے صورتِ حال پر غور فرمائیں تاکہ شرعی طور پر یہ عقدہ حل ہو سکے کہ کسی مسلمان کے ساتھ جائز طور پر نکاح ہندہ مذکورہ کا ہو سکے۔ المستفتی ۲۳۱۶ چودھری غلام احمد ضلع لائلپور

۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۴ جون ۱۹۳۸ء

(۱۷۰) **جواب** - شوہر سابق سے طلاق حاصل کرنے یا بذریعہ کسی مسلمان حاکم کے نکاح کو فسخ کرانے کے بعد کسی دوسرے سے نکاح ہو سکتا ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

فصل شانزدہم
تقسیمِ ہند
سوال

ایک لڑکی کی شادی ہندوستان میں کی گئی اور پھر ہم سب لوگ پاکستان آگئے۔ اور وہ لوگ ابھی تک پاکستان نہیں آئے اور نہ ہی لڑکی کو لے جاتے ہیں۔ اور ہم لوگ چٹھی دیتے ہیں تو وہ لڑکی کو لے جانے کے متعلق کچھ جواب نہیں دیتے۔ المستفتی عبدالشکور

(۱۷۱) **جواب** - آپ عدالت میں مقدمہ کرکے اس لڑکی کا نکاح فسخ کرالیں۔ اگر مسلمان جج نکاح فسخ کردے تو وہ کافی ہے اور غیر مسلم جج نکاح فسخ کرے تو پھر مسلمان پنچایت سے بھی فسخ کرایا جائے۔ اس کے بعد لڑکی آزاد ہوگی۔ اگر خاوند سے مل چکی ہو تو عدت گزارنی لازم ہوگی۔ اور نہ ملی ہو تو عدت بھی لازم نہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید تقسیم سے پہلے دہلی میں رہتا تھا۔ تقسیم کے بعد پاکستان چلا گیا۔ زید کی بیوی اور چار بچے ہیں۔ عرصہ تین سال سے زید نے اپنے بیوی بچوں کی کسی قسم کی خبر گیری نہیں کی۔ خرچ تو خرچ یہاں تک کہ اس نے یہ اطلاع نہیں دی کہ میں وہاں ہوں۔ زید کی بیوی نے بڑی بچی کی شادی

کردی۔ رمضان شریف میں زید کو کسی طرح سے معلوم ہو گیا کہ لڑکی کی شادی کر دی ہے۔ اس پر اس نے اپنی بیوی کو بہت سخت لکھا اور یہاں تک لکھا کہ کبھی پاکستان ہندوستان میں رابطہ ہو گیا تو تجھے قتل کر دوں گا۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ طلاق نہیں دے سکتا ہوں۔ اس کے جواب میں زید کی بیوی نے لکھا کہ مجھے آکر لے جاؤ۔ زید نے جواب دیا کہ اگر آنا چاہو تو جالندھر کیمپ میں آجاؤ وہاں سے پاکستان کی فوج لے جائے گی۔ اس حالت میں زید کی بیوی کیا کرے۔ اس کی عمر تقریباً تیس سال ہے۔ اس کا کوئی ذریعہ نہیں جس سے گزر بسر کر سکے۔ نہ کوئی ذاتی مکان ہے۔

المستفتی اللہ بخش شیر کوٹ ۲۲ محرم ۱۳۶۹ھ

(۱۷۲) **جواب** ۔ زید کی بیوی عدالت سے بذریعہ مقدمہ کے نکاح فسخ کرالے۔ اگر عدالت کا غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کردے تو پھر مسلمان پنچوں سے فسخ کرائے۔ پھر عدت گزارے تو آزاد ہو جائے گی۔ اور دوسرا نکاح کر سکے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فصل ہفدہم
غیر مسلم حاکم کا فیصلہ
سوال

حکومت موجودہ میں حاکم وقت اگر کسی عورت کو آزادگی کی درخواست دینے پر بغیر رضامندی شوہر حکم آزادگی دیدے تو وہ عقد ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۱۷۳) **جواب** ۔ اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کر دے تو عورت آزاد نہ ہوگی اور دوسرا نکاح نہ کر سکے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

تیسرا باب
خلع
سوال

ایک عورت نکاح ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک شوہر کے پاس رہی۔ اس کے بعد خاوند

بیمار ہو گیا اور بدن میں ناسور بڑ گیا۔ اب دو تین سال سے وہ زخم اچھا ہوتا ہے اور پھر بہنے لگتا ہے۔ خاوند نامرد نہیں ہے لیکن کمزوری کی وجہ سے جماع نہیں کر سکتا اگر کرتا ہے تو تکلیف ہوتی ہے اور عورت کو کسی قسم کی تکلیف نہیں۔ کھانا کپڑا اچھی طرح دیتا ہے۔ مگر وہ نکاح فسخ کرانا چاہتی ہے۔ مہر کا عوض بھی عورت کے قبضہ میں ہے اور دینے سے انکار کرتی ہے۔ عورت کی خوشی سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۱۷۴) **جواب** ۔ جبکہ یہ عورت اپنے خاوند کے پاس رہ چکی ہے اور جماع و وطی ہو چکی اس کے بعد خاوند کو مرض لاحق ہوا تو اب عورت کو فسخ نکاح کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ ایک مرتبہ جماع ہو جانے کے بعد فسخ نکاح کا حق نہیں رہتا۔ ہاں اگر خاوند اور بیوی دونوں رضامندی سے خلع کر لیں تو بہتر ہے۔ اور جبکہ خاوند مجبور ہے تو مستحسن یہی ہے کہ عورت کو ناحق روک کر تنگ نہ کرے۔ رہا معاوضہ اور مہر تو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ دونوں آپس میں جو کچھ طے کر لیں وہ لازم ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ مہر واپس نہ لیا جائے کیونکہ آخر خاوند اس سے انتفاع بھی حاصل کر چکا ہے۔ واللہ اعلم

سوال

اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے خلع کر لے تو اس صورت میں شوہر مذکور کو عدت کے اندر رجعت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ کیا خلع سے طلاق بائن ہوتی ہے؟

المستفتی نمبر ۲۵۴۶ حاتم احمد بھکنوی فاضل دیوبند (بنگال)

۲۷ شعبان ۱۳۵۸ھ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء

(۱۷۵) **جواب** ۔ خلع سے طلاق بائن ہوتی ہے۔ اس میں رجعت کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ البتہ زوجین راضی ہوں تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

عمرو نے زینب کو اس مضمون کا ایک پرچہ لکھ دیا کہ "میری بیوی فلانہ بنت فلاں اگر تم اپنا مہر معاف کر دو گی تو بعوض مہر میری طرف سے تجھ کو طلاق ہے۔ اگر بعوض مہر طلاق لینا چاہتی ہو تو اس پرچہ پر دستخط کر لینا"

اس کے جواب میں زینب کے ایک رشتہ دار نے زینب کی جانب سے اس مضمون کا ایک

پرچہ لکھا کہ "میرے شوہر فلاں بن فلاں میں نے مہر معاف کیا" پھر اس نے اس پرچہ کو زینب کے سامنے پیش کیا۔ زینب نے پرچہ دیکھتے ہی کہا کہ میں ہرگز مہر معاف نہیں کروں گی نہ دستخط کروں گی۔ اس کے چار گواہ بھی ہیں۔ لیکن اس کے رشتہ دار نے کہا کہ معاف کرو یا نہ کرو مگر عمرو تم کو مہر عمر بھر نہیں دے سکتا ہے۔ لہذا ضرور تم کو دستخط کرنا پڑے گا۔ زینب نے کہا کہ نہ میں طلاق لینا چاہتی ہوں نہ مہر معاف کرتی ہوں خالی تمہارے کہنے سے دستخط کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر زینب نے دستخط کر دیئے۔ اب زینب کے حق میں حکم شرعی کیا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۶۰۶ مولوی محمد وسیم صاحب مدرس اول مدرسہ عالیہ ریاض العلوم۔ کانپور

۹ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۸ جولائی ۱۹۳۷ء

(۱۷۶) **جواب** - اس صورت میں طلاق نہ ہوگی بشرطیکہ عورت کا انکار ثابت ہو جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جون ۱۹۲۷ء)

(۱) کتنی طلاق دینے کے بعد خلع درست و مکمل ہو جاتا ہے ؟ (۲) خلع میں زوجہ سے مہر واپس لینا یا بخشوا لینا درست ہے یا مہر کے سوا دوسرا مال یا کیا لینا درست ہے ؟ (۳) خلع کے بعد وہ زوج اسی زوجہ سے بغیر حلالہ نکاح کر سکتا ہے ؟ اگر کر سکتا ہے تو کتنی مدت کے اندر ؟ (۴) خلع کے بعد کیا زوج اول کو حق ہے کہ وہ اس زوجہ کو برس ڈیڑھ برس کے بعد دوبارہ اپنی زوجیت میں لے لے ؟۔ (۵) اگر لے سکتا ہے تو کتنی مدت تک ؟ (۶) اگر خلع میں یہ حق دیا گیا ہے تو خلع سے کیا فائدہ ہوا ؟

(۱۷۷) **جواب** - (۱) جو طلاق کہ مال کے بدلے میں خلع کے عنوان سے دی جائے وہ خلع ہے۔ اس کا حکم طلاق بائن کا ہے۔ یعنی زوجین کی مرضی سے تجدید نکاح ہو سکتی ہے۔ بغیر زوجہ کی رضامندی کے اُس کو دوبارہ نکاح میں لے آنے کا اختیار زوج کو نہیں رہتا۔ (۲) ہاں مہر یا کوئی دوسرا مال جو مہر کے مساوی قیمت رکھتا ہو۔ واپس لینا یا بخشوا لینا درست ہے۔ یہ جبکہ تعدی اور زیادتی زوجہ کی جانب سے ہو ورنہ اتنا بھی لینا مکروہ تحریمی ہے اور اس سے زیادہ لینا بہرحال مکروہ تحریمی ہے (۳) ہاں اگر زوجہ رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنے پر راضی ہو اور خلع کی صورت طلاقِ مغلظہ کے ضمن میں

واقع نہ ہوئی ہو تو بدون حلالہ دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے اور اس کے لئے کسی زمانے اور مدت کی قید نہیں ہے۔ (۴) خلع کے بعد زوج دوبارہ نکاح کر سکتا ہے لیکن زوجہ کی رضامندی کے ساتھ۔ بدون اس کی رضامندی کے زوج کو یہ حق نہیں کہ اس کو اپنے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کرے۔ (۵) کوئی مدت معین نہیں مگر زوجہ کی رضامندی شرط ہے۔ (۶) خلع سے زوجہ کو کامل خلاصی مل جاتی ہے وہ چاہے تو دوبارہ نکاح کرے اور نہ چاہے تو اسے خاوند مجبور نہیں کر سکتا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

چوتھا باب
مرتدہ اور مرتد

سوال

ہندہ نے اپنا مذہب اسلام تبدیل کر کے زید کے نکاح سے باہر ہو گئی۔ اب ہندہ اسلام قبول کر کے یا بغیر اسلام قبول کیے زید کے علاوہ کسی دیگر شخص سے بموجب شرع محمدی نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۱۷۸) **جواب** - ایسی عورت مسلمان ہو کر سوائے اپنے اس خاوند کے جس کے نکاح سے بوجہ مرتد ہو جانے کے نکلی ہے کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اور قاضی کو اختیار ہے کہ وہ بہت تھوڑے مہر پر اسی خاوند سے زبردستی اس کا نکاح کردے۔ ولو اجرت کلمۃ الکفر علی لسانہا مغایظۃ لزوجہا او اخراجا لنفسہا عن حبالتہ او لاستیجاب المہر علیہ بنکاح مستانف تحرم علی زوجہا فتجبر علی الاسلام ولکل قاض ان یجدد النکاح بادنی شئ ولو بدینار سخطت او رضیت ولیس لہا ان تتزوج الا بزوجہا۔ قال الہندوانی اخذ بہذا قال ابو اللیث وبہ ناخذ۔ کذا فی التمرتاشی انتہی۔
(فتاویٰ عالمگیری جلد اول صـ۳۶۲)

سوال

ایک مسلم عورت مرتد ہو گئی ہے اور پندرہ سال سے وہ شادی شدہ تھی۔ وہ اس خیال سے مرتد

ہوئی ہے کہ اپنے خاوند کے نکاح سے الگ ہو جاؤں اور پھر اسلام لا کر کسی دوسرے مرد سے اپنا نکاح کر لوں۔ آیا پہلا نکاح جاتا رہتا ہے یا باقی رہتا ہے اور دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد کسی دیگر غیر خاوند سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی محمد عبد المجید خاں ہوشیار پوری ڈاکخانہ ہڈلہ ہارٹہ

(۱۷۹) **جواب**۔ مرتد ہو جانے سے پہلا نکاح جاتا رہا۔ لیکن مسلمان ہو کر کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی۔ بلکہ قاضی مجاز جبراً پہلے خاوند کے ساتھ اس کا نکاح کر دے گا۔ وارتداد احدھما فسخ عاجل فللموطوءۃ کل مھرھا ولغیرھا نصفہ لوارتد۔ ولا شئ لو ارتدت وتجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجرا لھا بمھر یسیر کدینار وعلیہ الفتوی والواجبیۃ (در مختار مختصراً)

سوال

ایک کافرہ عورت نے مسلمان ہو کر کسی مسلمان سے نکاح کر لیا۔ ایک عرصہ تک ساتھ رہنے کے بعد وہ مسلمان اس عورت کو اپنے نکاح میں چھوڑے ہوئے کہیں چلا گیا۔ چند روز کے بعد یہ عورت ایک کافر کے ساتھ چلی گئی اور انھیں میں رہ کر ہر قسم کے مذہبی رسوم کفریہ ادا کرتی رہی۔ پھر طویل زمانے کے بعد شوہر اول مسلمان واپس آگیا تو یہ عورت پھر مسلمان ہو گئی۔ اب اس عورت کو اس مسلمان کو درج کے ساتھ اسی اول نکاح سے رہنا جائز ہے یا تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہے اور استبرائے رحم کی بنا پر عدت گزارنا ہوگا یا نہیں؟ اور اگر عدت گزارنا ہو تو مسلمان ہوتے ہی فسخ نکاح کا حکم دے کر عدت گزارنا ہوگا یا تین حیض کے بعد نکاح فسخ سمجھ کر اب سے عدت گزارے۔ ہر صورت کو تفصیل سے بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(۱۸۰) **جواب**۔ کفار کی مذہبی رسوم خوشی سے ادا کرنے اور اعمالِ کفریہ بجا لانے سے وہ کافرہ مرتدہ ہو گئی۔ اور زوج مسلم کا نکاح اس کے ساتھ فسخ ہو گیا۔ پھر جب دوبارہ مسلمان ہو گئی تو زوج اول کو تجدید نکاح کر کے اسے رکھنا جائز ہے۔ اور مسلمان ہوتے ہی نکاح کر لینا جائز ہے۔ البتہ اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک مقاربت جائز نہیں۔ کیونکہ حالتِ ارتداد میں جس کافر کے ساتھ وہ رہی ہے یا تو اس نے اس مرتدہ سے نکاح کیا ہوگا یا محض زنا کاری کرتا ہوگا اور دونوں صورتوں میں اس پر عدت یا استبرا واجب نہیں۔ نکاح کرنے کی صورت میں اس لئے کہ حالتِ ارتداد کا نکاح صحیح نہیں اور جب نکاح صحیح نہیں ہوا تو یہ

صورت اور محض زنا کی صورت برابر ہوگئی۔ اور زنا کی شریعت میں کوئی عدت نہیں اسی لئے حاملہ من الزنا سے نکاح کرنا جائز ہے۔ پس زوج اوّل اس عورت سے مسلمان ہوتے ہی نکاح کرسکتا ہے۔ ان تمام امور کے دلائل یہ روایاتِ فقہیہ ہیں:۔ قال فی الدر المختار فی بیان حکم تصرفات المرتد ویبطل منہ اتفاقا مایعتمد الملۃ وھی خمسٌ النکاح والذبیحۃ الخ انتھی۔ وفی رد المحتار قولہ ما یعتمد الملۃ ای مایکون الاعتماد فی صحتہ علی کون فاعلہ معتقد املتہ من الملل ای والمرتد لاملۃ لہ اصلا لانہ لا یقر علی ما انتقل الیہ۔ انتھی مختصراً۔ ثم قال قولہ النکاح ای ولولمرتدۃ مثلہ انتھی۔ وفیہ فی موضع اٰخروان لحقت بدارالحرب کان لزوجھا ان یتزوج اختھا قبل ان تنقضی عدتھا الی قولہ وان عادت مسلمۃ کان لھا ان تتزوج من ساعتھا۔ اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح۔ محمد انور عفا اللہ عنہ۔ محمد اعزاز علی غفرلہ۔ شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ اصغر حسین عفی عنہ۔ عبد السمیع عفی عنہ۔ سراج احمد رشیدی عفی عنہ۔ اشرف علی۔ ۲۹ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ

سوال

زید نے ایک غیر مسلمہ سے جسے روبروئے حاضرین مجلسِ عقد میں مسلمان برضا و رغبت کرکے بذریعہ وکیل و دو شاہد و عاقد نکاح و چند اشخاص خانہ خدا میں نکاح پڑھا جس کی تصدیق وکیل و ہر دو شاہد و عاقد بھی کرتے ہیں اور تخمیناً ۴ سال ہمراہ بھی رہی اور دو اولاد بھی ہوئی۔ کچھ دنوں سے اس عورت کو اس کی ہمشیرۂ غیر مسلمہ بہکا پھسلا کر لے بھاگی۔ اب وہ اس کے سمجھانے سے انکار کرتی ہے کہ میں نہ ہی مسلمان ہوئی تھی اور نہ ہی نکاح کیا تھا۔ کچھ دن نہیں گزرے کہ اس نے ایک مسلمان سے نکاح کرلیا اور وہی ہمارا قدیمی نام رکھا ہوا بھی بحال رکھا۔ شرعاً اس عورت کا نکاح ثانی صحیح ہے یا زید کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب وہوالموفق للصدق والصواب۔ الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ علی من لانبی بعدہ (از مولوی عبد الجلیل سامرودی) اما بعد۔ عورت مذکورہ چونکہ مسلمان کرلی گئی تھی بالخصوص مجمع میں اس لئے اس کے بوقتِ عقد نکاح اسلامی ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ جب اسلامی ہونا اس کا متحقق ہوگیا تو اب زید سے شرعی نکاح ہونے میں کسی قسم کی بندش نہیں۔ جب زید کا نکاح بحضور وکیل عورت و دو شاہد و نکاح خوان مجمع میں پڑھا گیا۔ شرعاً نکاح زید کا صحیح و درست ہوا۔ اصول نظائر شرعی محمدی کے

باب ۷ دفعہ ۲ میں ہے کہ جس کو ولیم مگناٹن نے لکھا ہے کہ عقد نکاح کے لئے ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے۔ دفعہ ۱ میں لکھا ہے کہ نکاح سے وہ عقد مراد ہے جو واسطے توالد و تناسل کے عمل میں آئے۔ دفعہ ۳ میں ہے کہ عقد کے واسطے گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور ایجاب وقبول ایک وقت میں ہونا چاہئے۔ دفعہ ۴ میں ہے کہ جو گواہ عقدِ نکاح کی نسبت ہوں ان میں چار صفات کا ہونا ضروری ہے یعنی آزادی عقل، بلوغ اور دین محمدی سے ہونا۔ اس نکاح میں یہ سب باتیں موجود ہیں جو دفعاتِ مذکورہ میں مسطور ہیں۔ لہٰذا زید کا نکاح شرعاً صحیح ہے مسماۃ نومسلمہ کا بلا طلاق شرعی زید کسی دوسرے سے نکاح درست نہیں۔ منکوحہ غیر سے نکاح کرنا کرانا شرعاً حرام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ بقلمہ وقالہ بفمہ العاجز ابو عبد الکبیر محمد الشہیر بعبد الجلیل السامرودی کان اللہ لہ۔ محرم ۱۳۴۸ھ

(۱۸۱) **جواب** از مفتی اعظم۔ ھو الموفق۔ اگر نومسلمہ مذکورہ مسلمان ہونے کے وقت کسی کی منکوحہ نہ تھی تو مسلمان کرنے کے بعد اسی مجلس میں اُس کا نکاح زید سے صحیح و درست ہو گیا تھا لیکن اگر وہ کسی کی منکوحہ تھی تو یہ نکاح ہی بدون انقضائے عدت کے درست نہیں ہوا۔ کیونکہ جس کے نکاح میں تھی اس پر اسلام پیش کرنا یا اس کو عورت کے اسلام لانے کی خبر پہنچنا اور اس کا اسلام نہ لانا زوجین کے نکاح کو فسخ کرنے کے لئے ضروری تھا۔ اور جب زوجِ کافر کے اسلام نہ لانے پر فسخ نکاح کا حکم کیا جاتا تو اس وقت عورت مسلمان ہو چکی ہوتی اور اس پر بحقِ اسلام عدت گزارنی واجب ہوتی۔ جب عدت گزر جاتی جب کسی مسلمان سے نکاح درست ہوتا۔ یہ تو پہلے نکاح کا حکم ہوا جو زید کے ساتھ ہوا تھا۔

اس کے بعد جب وہ عورت ایک عرصے تک مسلمان رہنے کے بعد اپنی بہن کافرہ کے بہکانے پھسلانے سے اپنے اسلام لانے اور نکاح کرنے سے منکر ہو گئی تو اگر یہ انکار مطلقاً اسلام لانے سے تھا تو اس کا مطلب ظاہر ہے کہ وہ انکار کے وقت اپنے کفر کی مدعی تھی۔ یعنی یہ کہ میں مسلمان نہیں ہوئی ہوں اور اس وقت بھی کافرہ ہوں تو اس کے اس قول سے وہ کافرہ مرتدہ ہو گئی اور زید کا نکاح جو اس سے اس کے اسلام لانے کے بعد ہوا (بر تقدیرِ صحت بھی) جاتا رہا اور فسخ ہو گیا۔ اور جب اس کے بعد پھر تجدید اسلام کرنے کے بعد اس نے کسی شخص سے نکاح کیا ہے تو وہ نکاح درست ہو گیا۔ ہاں اگر وہ اسلام لانے سے انکار نہ کرتی صرف زید کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کرتی تو مرتدہ نہ ہوتی۔ اور اس کا دوسرا نکاح درست نہ ہوتا۔ مگر اسلام لانے سے انکار کرنے کی صورت میں جواب مذکورہ بالا درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

زید نے اپنی بیوی جمیلہ کو طلاق مغلظہ دیدی۔ جمیلہ مطلقہ کو بہت ملال ہوا اور مرتد ہوکر ہندو مذہب قبول کرلیا۔ جب اس کے وارثوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے سمجھایا بجھایا اور جمیلہ توبہ کرکے پھر مسلمان ہوگئی اور اپنے شوہر مذکور زید کو راضی کرکے بعد گزارنے عدت طلاق بغیر حلالہ نکاح اپنا زید مذکور سے کرلیا۔ یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ محمد محسن گوگری ضلع منگھیر

(۱۸۲) **جواب**۔ مرتد ہوجانے سے حلالہ ساقط نہیں ہوا۔ اس کو لازم تھا کہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرتی پہلے خاوند سے جس نے اس کو تین طلاقیں دی تھیں بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہیں تھا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زن مطلقہ اگر بعد طلاق مرتدہ ہوجائے اور پھر اسلام لائے تو بغیر تحلیل شوہر اوّل کے لئے درست ہے یا نہیں؟

(۱۸۳) **جواب**۔ زن مطلقہ ثلاث اگر مرتدہ ہوجائے اور پھر اسلام لائے تو زوجِ اوّل بغیر تحلیل نکاح نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ارتداد سے حکمِ طلاق باطل نہیں ہوتا۔ فلا یحلھا وطی المولی ولا ملك امۃ بعد طلقتین او حرۃ بعد ثلاث وردۃ وسبی (در مختار) لو طلقھا ثلاثًا وھی حرۃ فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سُبیت وملکھا لا یحل لہ وطیھا بملك الیمین حتی یزوجھا فیدخل بھا الزوج ثم یطلقھا کما فی الفتح (رد المحتار) نظیرہ من فرق بینھما بظھار او لعان ثم ارتدت وسبیت ثم ملکھا لم تحل لہ ابدًا (در مختار) وجہ الشبہ بین المسئلتین ان الردۃ واللحاق والسبی لم تبطل حکم الظھار واللعان کما لم تبطل حکم الطلاق انتھی (رد المحتار) قلت ولما لم تحل المطلقۃ الثلاث بعد الردۃ واللحاق بملك الرقبۃ فلان لا تحل بملك النکاح اولیٰ۔ واللہ اعلم۔ کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ مہر دار الافتا مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی

سوال

اگر مسلمان کلمۂ کفر کہنے سے کافر ہوگیا مگر چند منٹ یا چند گھنٹے کے بعد تائب ہوگیا۔ اس کا

نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں؟ المستفتی ۷۶ ۲۷ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۱۸۴) **جواب**۔ اگر مسلمان کسی کلمہ کفر یا کسی فعل کی وجہ سے مرتد ہو جائے تو خواہ کتنی ہی جلدی توبہ کر کے اسلام میں واپس آجائے اس پر تجدیدِ نکاح لازم ہو گی۔ کیونکہ مرتد ہوتے ہی نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک شخص نے نکاح کیا جس کو عرصہ دس سال کا ہوا۔ اس وقت سے نہ اپنی بیوی کی طرف رجوع ہے نہ نان نفقہ دیتا ہے۔ جبھی سے بیوی اپنے والدین کے گھر بیٹھی ہوئی ہے۔ اور وہ قادیانی مذہب بھی اختیار کر چکا ہے۔ المستفتی ۱۶۹ منشی محمد حسین ضلع گورداسپور

۷ رمضان ۱۳۵۲ھ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء

(۱۸۵) **جواب**۔ اس صورت میں عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دے کر عدم وصولی نفقہ اور خاوند کے تبدیلِ مذہب کی بنا پر نکاح فسخ کرا لے اور حاکم ارتدادِ زوج کی وجہ سے نکاح فسخ کر سکتا ہے۔ بعد حصول حکم فسخ عدت گزار کر (اگر خلوت ہو چکی ہو) یا بغیر عدت (اگر ابتک یکجائی کی نوبت ہی نہ آئی ہو) دوسرا نکاح ہو سکے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک شادی شدہ عورت صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع کے پاس ایک درخواست پیش کرتی ہے اور اس میں لکھتی ہے کہ میں خدا کی وحدت اور رسولِ خدا کی رسالت سے انکار کرتی ہوں مجھے نہ خدا کی وحدت پر ایمان ہے، نہ رسول کی رسالت پر۔ آیا اس کے مندرجہ بالا الفاظ کہنے سے اس کا نکاح شرعی اور قانونی طور پر تنسیخ ہو جاتا ہے یا نہیں؟

المستفتی ۲۷۸ غلام رسول طاہر عباسی (جالندھر) ۲۳ محرم ۱۳۵۳ھ م ۸ مئی ۱۹۳۴ء

جواب (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) یہ عورت مرقومہ بالا بیشک کافرہ مرتدہ ہو گئی ہے۔ اس کا نکاح فسخ ہو گیا ہے شرعاً و قانوناً۔ اگر یہ عورت تجدیدِ اسلام کرے گی تو اپنی حسبِ منشاء دوسرے شخص کے ساتھ نکاح اسلامی حکومت میں نہیں کر سکے گی بلکہ جبراً پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ پڑھا دیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(۱۸۶) **جواب** - (از حضرت مفتی اعظمؒ) اس صورت میں عورت مرتد ہو گئی اور ارتداد سے نکاح فسخ ہو جانے کا حکم راجح اور قوی ہے اس لئے اس کا نکاح تو فسخ ہو گیا۔ اور چونکہ غیر مسلم حکومت کے غیر اسلامی قانون کی وجہ سے مسلمان مجبور ہیں کہ ایسی عورت کو کوئی زجر یا تنبیہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے اب اگر یہ عورت بعد میں تجدیدِ اسلام کر کے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے تو اس سے تعرض کرنے کی کوئی صورت نہیں، ورنہ اسلامی حکومت ہوتی تو اس کو پہلے خاوند سے ہی نکاح کرنے پر مجبور کیا جاتا۔ **محمد کفایت اللہ**

سوال

ایک شخص پہلے اہلِ سنت والجماعت تھا۔ پھر مرزائی عقائد کا پابند ہو گیا تھا۔ اب وہ پھر اہلِ سنت والجماعت میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ اس کی بیوی اسی کے عقائد کی پابند رہی۔ اب اسکو دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ المستفتی ۳۱۲ علی حسین امروہوی (دہلی)

۲۹ صفر ۱۳۵۳ھ م ۱۳ جون ۱۹۳۴ء

(۱۸۷) **جواب** - اگر وہ شخص سچے دل سے توبہ کرے اور اقرار کرے کہ مرزائی عقیدہ غلط اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوے جھوٹے تھے اور ان کے دونوں فریق لاہوری اور قادیانی گمراہ ہیں۔ میں دونوں سے بیزار ہوں تو وہ اہل سنت والجماعت میں شامل ہو سکتا ہے۔ اگر شوہر اور بیوی ایک ہی وقت میں ساتھ ساتھ قادیانی یا احمدی ہوئے تھے اور پھر ایک ہی وقت میں دونوں نے توبہ کی ہو جب تو ان کے نکاح کی تجدید لازم نہیں ہے اور وہ اپنے سابقہ نکاح پر رہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر قادیانی یا احمدی ہونے میں تقدم و تاخر ہوا ہے یا توبہ کرنے اور واپس آنے میں آگے پیچھے ہو گئے ہیں تو نکاح کی تجدید بھی لازم ہو گی۔ **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ**

سوال

اگر کوئی مسلمہ عورت اپنے شوہر کے یہاں نہیں رہنا چاہتی اور دوسرے مسلمان شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے اور اس غرض سے مذہب اسلام چھوڑ کر مذہب نصرانیت کو قبول کرے اور شوہر کو اطلاع دیدے کہ میں اب تمہارے نکاح میں نہیں رہی تو اس صورت میں نکاح باقی رہا یا نہیں اور یہی عورت کچھ عرصہ کے بعد یہ اعلان کر دے کہ میں پھر مسلمان ہو گئی اور اس شخص سے نکاح کرے جس سے

نکاح کرنا چاہتی ہے تو یہ دوسرا نکاح درست ہوگا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۴۰۰ احمد حسین صاحب سہارنپور - ۱۶ رجمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۴ء

(۱۸۸) **جواب** - مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور تجدید اسلام کے بعد اگر وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے تو نکاح صحیح ہو جائے گا - اگر اسلامی حکومت ہوتی تو عورت سداً للباب پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر مجبور کی جا سکتی تھی - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱۸۹) **جواب دیگر** ۴۶۸ - ارتداد سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے بعض فقہا نے زجراً وسداً للباب یہ حکم دیا تھا کہ مرتدہ کو مجبور کیا جائے کہ وہ پہلے خاوند سے ہی نکاح کرے - کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی اجازت نہ دی جائے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ قوت اسلامی حکومت کے ہاتھ میں ہوسکتی ہے اور وہ مفقود ہے اس لئے یہ زجر عمل میں نہیں آسکتا - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

۲۰ محرم ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اپریل ۱۹۳۷ء

سوال

زید مذہب اسلام چھوڑ کر آریہ عیسائی مجوسی مذہب اختیار کر لیتا ہے تو کیا زید مرتد ہو جاتا ہے ؟ اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرتد کی عورت جو ہنوز مذہب اسلام کی پابند ہے مرتد کے نکاح سے باہر نہیں ہوتی اور وہ اپنی مسلمہ عورت سے تعلقات زوجیت قائم رکھ سکتا ہے - اسی طرح اگر عورت مرتد ہو جائے تو وہ بھی مسلمان شوہر کے نکاح سے خارج نہیں ہوتی اور شوہر اس سے تعلقات زوجیت قائم رکھنے میں زنا کا مرتکب نہ ہوگا - کیا یہ صحیح ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۸۶۷ حکیم تاج محمد (ناگپور) ۱۹ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۶ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۱۹۰) **جواب** - زید دین اسلام چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنے سے مرتد ہو گیا مرتد ہوتے ہی اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی - جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مرتد کی عورت جو مسلمان ہے مرتد کے نکاح میں ہے اور خاوند اس سے حقوق زوجیت ادا کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے - وہ جاہل اور احکام شریعت سے ناواقف ہیں - مرتد اپنی اولاد پر اور زوجہ مسلمہ پر کوئی دعویٰ نہیں رکھتا - عورت اگر مرتد ہو جائے تو وہ بھی شوہر کے نکاح سے نکل جاتی ہے - مگر شوہر اتنا حق رکھتا ہے کہ اگر حکومت اسلام ہو تو عورت کو اسلام لانے اور اسی شوہر سے دوبارہ نکاح کرنے پر مجبور کیا

جاتا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان شوہر اپنی مرتدہ بیوی سے تعلقات زناشوئی رکھ سکتا ہے ان کے قول کی صحت کے لئے یہی محل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید نے اپنی نو سالہ لڑکی کا نکاح عمرو کے ساتھ کردیا۔ نکاح کے بعد لڑکی صرف دو روز اپنے شوہر کے ہاں رہی پھر آپس کی رنجشوں کی وجہ سے دو برس تک اپنے والدین کے گھر رہی۔ اس کے بعد اس نے اپنے والدین کو مجبور کیا کہ اس کا فیصلہ کرادیں کیونکہ وہ خاوند کے گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ مقدمہ عدالت تک پہنچا۔ خاوند نے مہر ادا کردیا مگر طلاق دینے سے انکاری ہے۔ نہ اس کو بلا کر اپنے پاس رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی ایک دوسرے شخص کے ساتھ فرار ہوئی اور دو برس تک مفقود رہی۔ پھر لڑکی کے والدین نے اس کا پتہ لگایا اور اپنے گھر لے آئے مگر پھر بھی اس کا کچھ فیصلہ نہیں کیا گیا۔ نہ خاوند اس کو اپنے گھر لے گیا۔ موقع پاکر لڑکی دوبارہ فرار ہوگئی۔ اور تین سال تک غائب رہنے کے بعد عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ اب لڑکی مسلمان ہونا چاہتی ہے اور کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہتی ہے۔ کیا یہ نکاح ہوسکتا ہے؟ کیا پہلا خاوند اب بھی اس کا حقدار ہوسکتا ہے؟ اگر لڑکی عیسائی ہی رہے اور کوئی مسلمان اس سے نکاح کرلیں تو درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۰۰۸ جبیب الرحمٰن (دہلی) ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۱ جون ۱۹۳۶ء

(۱۹۱) **جواب**۔ اسلام لانے کے بعد جس مسلمان سے یہ نکاح کرے گی نکاح درست ہوجائیگا۔ کیونکہ ارتداد سے پہلا نکاح فسخ ہوچکا ہے۔ اگر یہ عیسائی رہے تو اس کا نکاح کسی مسلمان سے درست نہ ہوگا۔ کیونکہ مرتدہ کا نکاح کسی مسلمان سے نہیں ہوسکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک عورت کافرہ کو مجمع عام میں مسلمان بنایا گیا۔ بعد ازیں زید مسلم کے ہمراہ اسی مسجد میں نکاح پڑھا دیا گیا۔ یہ عورت بحالت کفر کسی کے نکاح میں تھی مگر اسلام سے چھ ماہ قبل اس عورت کی باقاعدہ انکی جماعت میں طلاق ہوگئی تھی۔ عین وقت اسلام وہ کسی کے بھی نکاح میں نہ تھی بعد اسلام باقاعدہ شرعی نکاح زید سے پڑھا یا گیا اس وقت اس کی عمر تخمیناً بیس سال کی تھی۔ عورت تخمیناً ۴ سال اسلامی شوہر کے ہمراہ رہی سہی اور اولاد بھی ہوئیں۔ اسلامی نام اس عورت کا سکینہ رکھا گیا تھا۔ گردش زمین سے

ایک دوسرے مسلمان نے اس سے ناجائز تعلق پیدا کرنے کی غرض سے اس کی بہن کافرہ کو ورغلایا۔ اس نو مسلمہ کو اس کی بہن کافرہ کی وساطت سے بہکا ورغلا کر زید کے یہاں سے نکلوا لے گیا۔ زید نے اس بھگا لے جانے والے پر مقدمہ دائر کیا بھگانے اور ناجائز تعلق پیدا کرنے پر عورت کو صرف صغیر بچوں کی خاطر مدعا علیہ نہیں بنایا گیا بلکہ اسے شہادت کے لئے بچا لیا تھا۔ مگر عورت نے عدالت میں موجودہ مصلحتِ وقت دیکھ کر زبان سے کہہ دیا کہ یہ مجھے بھگا نہیں لے گیا تھا اور نہ ہی اس نے مجھ سے بدفعلی کی۔ زید کے نکاح میں نہیں ہوں اور نہ ہی میں مسلمان ہوئی ہوں۔ اس کے اسلام کا ثبوت عدالت کو کافی سے زیادہ پہنچایا گیا۔ بلکہ خود اس نے فوجدار شہاب الدین صاحب کے رُوبرو اپنے اسلام کی شہادت دی ہے۔ کورٹ نے شخص مذکور کو صرف اس کے اس زبانی بیان کی بنا پر کہ وہ بھگا کر نہیں لے گیا ہے اور نہ ہی بدفعلی کی ہے رہا کر دیا تھا۔ شخص مذکور چند اشخاص کے ہمراہ اس عورت کو نائب قاضی کے مکان پر لے گیا اور کہا اس کو مسلمان کر کے نکاح پڑھا دیجئے۔ نائب قاضی نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تیرا نام کیا ہے۔ اس نے کہا میرا نام سکینہ ہے۔ نائب قاضی کو شبہ ہوا یہ لوگ مسلمان کر کے نکاح پڑھانے کو کہتے ہیں اور یہ تو مسلمان معلوم ہوتی ہے۔ نائب قاضی نے نکاح پڑھانے سے انکار کر دیا۔ شخص مذکور مع ہمراہیوں کے شہر قاضی کے پاس پہنچا اور ان سے نکاح کی درخواست کی۔ قاضی صاحب بر سر سفر تیار تھے۔ قاضی صاحب نے نائب قاضی کو رقعہ لکھ دیا کہ اس کا سر دست نکاح پڑھا دو۔ نائب قاضی نے بحکمِ قاضی نکاح پڑھا دیا۔ نکاح کا ثبوت بھی شخص مذکور کے روبرو عدالت میں کامل طور پر ہوا تھا اور اسے خبر تھی کہ یہ منکوحۂ زید ہے۔ تاہم قاضی و نائب قاضی کو اندھیرے میں رکھ کر دھوکا دے کر اپنا نکاح پڑھوا لیا۔ اب سوال یہ ہے کہ زید کا نکاح شرعاً صحیح ہے یا شخص مذکور کا؟ المستفتی نمبر ۱۰۲۰ صاحبزادہ نواب ابراہیم خاں صاحب۔ سورت

۴ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۵ جون ۱۹۳۶ء

(۱۹۲) **جواب**۔ یہ دوسرا شخص شرعاً کئی جرائم کا مرتکب اور مجرم ہے۔ (۱) منکوحۃ الغیر کو اغوا کرنا اور بھگا کر لے جانا۔ (۲) اسے جھوٹ بولنے پر آمادہ کرنا اور جھوٹا اظہار دلوانا۔ (۳) اسلام کا انکار کرا کے از سر نو مرتد بنانا۔ (۴) پھر جھوٹ بول کر دھوکا دے کر اس سے خود نکاح کرنا۔ ان تمام جرائم کی سزا اور تعزیر کا مستحق ہے۔ زید کا نکاح صحیح تھا مگر جب عورت نے اسلام سے انکار کر کے ارتداد

اختیار کرلیا تو وہ نکاح فسخ ہوگیا۔ عورت اسلام کا انکار کرکے اور دوسرا شخص اس ارتداد پر عورت کو آمادہ کرکے دونوں مرتد ہوگئے اگر اس کے بعد دونوں اسلام لائیں اور توبہ کریں اور پھر باہم نکاح کریں تو نکاح منعقد تو ہوجائے گا۔ لیکن وہ شخص اور یہ عورت جرائم مذکورہ کی تعزیر سے نہیں بچیں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

آجکل جو مسلم عورتیں بغرض فسخ نکاح حیلہ کرتی ہیں اور مذہب عیسائیت قبول کرلیتی ہیں آیا نکاح واقع میں شرعاً بھی فسخ ہوجاتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۲۴ محمود صاحب (ملتان) ۱۳ صفر ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اپریل ۱۹۳۷ء

(۱۹۳) **جواب** - ارتداد سے نکاح کا فسخ ہوجانا ظاہر روایت کے بموجب صحیح ہے۔ البتہ بعض مشائخ بلخ نے زجراً اور سداً للباب یہ کہا تھا کہ مرتدہ کو اسلام لانے اور زوج اول سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے اور بعض نے یہ بھی کہا تھا کہ نکاح فسخ نہ ہونے کا فتویٰ دیا جائے لیکن یہ دونوں حکم زجر و توبیخ اور سدباب کے لئے تھے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اسلامی حکومت ہو اور جبر علی الاسلام یا جبر علی النکاح بالزوج السابق کا امکان ہو۔ یا زوج اول عورت پر خود یا بذریعہ حکومت قبضہ کرنے پر قادر ہو اور یہ سب باتیں انگریزی حکومت اور انگریزی قانون کی رو سے غیر ممکن ہیں لہذا اصل مذہب کے موافق انفساخ نکاح کا حکم ہی صحیح نافذ رہا اور اس کے لحاظ سے عورت مرتدہ بعد اسلام کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے تو اس کا نکاح نافذ ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

مطبوعہ فتویٰ ارسال ہے۔ آپ سے فیصلہ یہ کرانا ہے کہ کونسا غلط ہے اور کونسا صحیح ہے۔ امیر عالم کو مفتی فتویٰ دیتے ہیں کہ ایوب خاں کافر ہے اور اس کے ساتھ برتاؤ کرنے والے بھی کافر ہیں۔ ایوب خاں کو مفتی فتویٰ دیتے ہیں کہ امیر عالم کافر ہے۔ اس کے ساتھ میل جول کرنے والے بھی کافر ہیں۔ عجب معاملہ ہے۔ ایک عورت کو ایوب خاں نے اغوا کیا اور اس کو پہلے چھپائے رکھا طلاق کے لئے کوشش بھی کی۔ ایسی بدذات خاندان کی ناک کاٹنے والی عورتوں کو طلاق کون دیتا ہے

آخر یہ چال چلی گئی کہ مل ملا کر مشن سے یہ سارٹیفکٹ حاصل کر لیا جائے کہ عورت عیسائی ہو گئی ہے پھر عورت کو گھر رکھ لیا اور کہا کہ چونکہ عورت مرتد ہو گئی ہے اس لئے اس کا پہلا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ اب میں نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا ہے۔ امیر عالم نے جب سنا تو علماء کرام سے فتویٰ پوچھا۔ تقریباً ساٹھ سے زیادہ علماءِ کرام نے یہ فتویٰ دیا کہ اس طرح عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ عورت نہ تو اسلام سے بیزار ہوئی، نہ اس کے دل میں عیسائیت کی رغبت ہوئی۔ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے۔ ردّت کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ یہاں شرط مفقود ہے۔ اذافات الشرط فات المشروط۔ جیسا کہ ہدایہ کی جلد سوئم میں ہے۔ لان الردۃ تتعلق بالاعتقاد الایری انہ لوکان قلبہ مطمئنا بالایمان لایکفر۔ عورت مرتد ہو گئی تو اسلام لانے پر مجبور کی جائے یعنی اس کو قید رکھیں۔ یہاں تک کہ مر جائے یا اسلام لائے اور جدید نکاح ہو تو مہر تھوڑا رکھا جائے۔ عورت نے زبان سے کلمۂ کفر جاری کیا تاکہ شوہر سے پیچھا چھوٹے یا اس لئے کہ دوسرا نکاح ہوگا اس کا مہر بھی وصول کرے گی تو قاضی کو اختیار ہے کہ کم از کم مہر پہ اسی شخص کے ساتھ نکاح کرے۔ عورت راضی ہو یا ناراض اور عورت کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ دوسرے سے نکاح کرے۔ عالمگیری، بہارِ شریعت حصہ ہفتم مصنفہ جناب مولانا مولوی حکیم الحاج امجد علی صاحب۔ عورت مرتد ہو گئی اس واسطے اپنے زوج کو چھوڑ دے۔ بقول ابو یوسف اور نکاح نہ کرے غیر زوج سے۔ اسی کا فتویٰ غایۃ الاوطار صفحہ ۴۴۳ وغیرہ وغیرہ بہت حوالجات ہیں۔ بخوفِ طوالت چند پر اکتفا کیا ہے۔　　المستفتی نمبر ۲۱۴۰ شاہسوار (راولپنڈی) ۱۹ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۳ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۱۹۴) **جواب** - اگر یہ بیانات صحیح ہیں اور واقعات یہی ہیں تو اغوا کنندہ اور عورت کو ارتداد کی ترغیب دینے والا اور مرتد کرنے والا سخت مجرم ہے اور خود بھی مُرتد ہو گیا۔ اس کی اپنی عورت بھی نکاح سے باہر ہو گئی۔ اس کو تجدیدِ اسلام توبہ اور اپنے نکاح کی تجدید کرنی لازم ہے اور قوم کو حق ہے کہ اس کا مقاطعہ کر دے جب تک کہ وہ اپنے افعالِ شنیعہ سے توبہ نہ کرے اس سے تعلقات اسلامی منقطع کر دیں اور اگر اسلامی حکومت ہوتی تو عورت کو شوہر سابق ہی سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جاتا اور دوسرے شخص سے ہرگز نکاح کی اجازت نہ دی جاتی۔ وہ فتویٰ جو ایوب خاں کے اشتہار میں درج ہے بالکل جداگانہ صورت سے متعلق ہے۔ اس کو اس واقعہ سے اصلاً سروکار نہیں اور اس فتوے سے جو نتائج کہ ایوب خاں نے اخذ کر کے امیر عالم پر چسپاں کیے ہیں وہ ان واقعات کی روشنی میں ہرگز

امیر عالم پر چسپاں نہیں ہوتے۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مسماۃ ہندہ شادی کے بعد چھ سال تک اپنے خاوند کے پاس رہی۔ خاوند نے اپنے سالے ہندہ کے حقیقی بھائی کو قتل کر دیا اور مقدمہ میں پھانسی کی سزا سے بچ گیا۔ قتل کے بعد بیوی کو اس کے دادا کے پاس چھوڑ گیا۔ پھر اس کو لینے نہیں آیا جس کو ۲½ سال کا عرصہ گذر گیا۔ طلاق دینے کے لئے اس سے کہا گیا تو طلاق سے بھی انکار کیا۔ اب ہندہ بھی بوجہ اس صدمے کے کہ اس کے حقیقی بھائی کو اس نے ہلاک کیا ہے خاوند کے گھر بسنا نہیں چاہتی تھی۔ بالآخر ہندہ نے عیسائی مذہب قبول کر لیا ہے۔ تا حال وہ عیسائی ہی ہے۔ کیا مسلمان ہو جانے کے بعد اس کا نکاح دوسرے مسلمان خاوند کے ساتھ جائز ہے یا نہیں۔ عدالت نے ہندہ کے نکاح کو بوجہ عیسائی ہو جانے کے فسخ کر دیا ہے۔

المستفتی ۲۳۶۲ محمد طاہر صاحب (لائل پور) ۱۰ رجمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۹ رجولائی ۱۹۳۸ء

(۱۹۵) **جواب** - اگر ہندہ اسلام قبول کرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کر لے گی تو وہ نکاح صحیح اور درست ہو جائے گا۔ پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر مجبور کرنے کا حکم زجراً وسداً للباب تھا جو انگریزی حکومت میں ممکن العمل نہیں ہے اور اصل مذہب یہی ہے کہ ارتداد احد الزوجین موجب انفساخ نکاح ہے۔ ففی ھذہ الصورۃ ھو المعول۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

اگر کوئی عورت مسلمان خاوند کی بدسلوکی سے تنگ آکر اس سے جان چھڑانے کے لئے العیاذ باللہ عیسائی مذہب قبول کر لے تو اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اور اگر دوبارہ مسلمان ہو جائے تو پہلے خاوند کے سوا کسی دوسرے مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی ۲۴۲۴ مولوی عبدالرحیم صاحب راولپنڈی۔ ۲۳ رمضان ۱۳۵۷ھ م ۱۷ رنومبر ۱۹۳۸ء

(۱۹۶) **جواب** - مرتد ہونے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر یہ حیلہ اختیار کرنا بدترین اور سخت ترین گناہ ہے اس پر وہ سزا کی مستحق ہے۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک عورت اپنے خاوند زید سے بددل ہو کر کرانی (مرتدہ) ہو گئی تا کہ اس کے نکاح سے

خلاصی کا حیلہ حاصل کروں۔ چنانچہ حکم انگریزی میں اس کو دیا گیا کہ اس کا نکاح فسخ ہو چکا ہے لیکن علمائے دین متین نے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ ان بے دین لوگوں سے برتاؤ تعلقات چھوڑ دو۔ پھر وہ عورت تائب ہوئی اور کوشش کی کہ کسی طرح علما سے اجازت لوں اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لوں لیکن علمار نے حکم دیا کہ نکاح اول باقی ہے اور تمام ہندوستان کے علمار کا اجماعی فتویٰ ہے لیکن آخر کار ایک ناعاقبت اندیش مولوی کو کچھ رقم دے کر فتویٰ حاصل کیا کہ دوسرے شخص ولید سے نکاح کرلے چنانچہ ولید سے نکاح کر لیا تو اس پر علمائے مقامی نے فتویٰ دیا کہ یہ نکاح ثانی ناجائز ہے ان سے برتاؤ مت کرو۔ اس کے کچھ مدت بعد ولید نے (زید) زوج اول سے طلاق بالبدل حاصل کر لی اور استیناف و تجدید نکاح کا ارادہ کیا لیکن ابھی تک عدت ختم نہ ہوئی تھی کہ یہ زوج ثانی فوت ہو گیا اور اسی مرتدہ عورت سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا جو اس نکاحِ ثانی کے ۷ - ۸ ماہ بعد پیدا ہوا اب اس ولید کی وراثت میں جھگڑا ہے۔ یہ عورت (جو مرتدہ ہوئی تھی) اور اس کا لڑکا وراثت کے مدعی ہیں۔ لیکن اس زوج ثانی (ولید) کے دوسرے لڑکے اور ورثا مدعی ہیں کہ ان کا کوئی حق نہیں کیونکہ ابھی تک نکاح نہیں ہوا۔ طلاق اب حاصل کی گئی ہے۔ اب آپ شرعی حکم دیں۔ یہاں کے علمار کا خیال ہے کہ چونکہ متفقہ اجماعی فتویٰ ہے کہ عورت کا نکاح اول فسخ نہیں ہوتا لہٰذا یہ عورت وارث نہیں اور سیاستِ اسلامی کا تقاضا بھی یہی ہے لیکن اس کا لڑکا وارث ہے کیونکہ زوجِ ثانی (ولید) متوفی نسب کا مدعی تھا اور شرعاً حقیقی فراش (اگرچہ نکاح فاسد و باطل سے ہو) کا اعتبار نسب میں ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

المستفتی نمبر ۲۵۰۲ مولوی محمد جان خاں صاحب (پنجاب) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ م ۵ جون ۱۹۳۹ء

(۱۹۷) **جواب** ۔ مرتدہ کا نکاح اصل مذہب کے لحاظ سے فسخ ہو جاتا ہے۔ علمار و مشائخ بلخ نے زجراً عدم فسخ نکاح کا حکم دیا تھا جو اسلامی سلطنت میں قابلِ نفاذ تھا۔ غیر اسلامی حکومت میں اس کے نفاذ کی کوئی صورت نہیں۔ پس ولید کا نکاح اس عورت کے ساتھ جس نے ارتداد کے بعد اسلام لا کر ولید سے نکاح کیا تھا صحیح اور اس کی اولاد صحیح النسب ہے اور اس کو یعنی عورت اور اس کے لڑکے کو میراث ملے گی فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

دہلی

سوال

زید نے ہندہ سے نکاح کیا۔ شوہر نے مہر بھی ادا کر دیئے اور ہندہ چودہ سال تک اس کی زوجیت میں رہی۔ اب وہ اپنے شوہر سے الگ ہونا اور قطع تعلق کرنا چاہتی ہے مگر زید الگ کرنا نہیں چاہتا۔ اب عورت فسخ نکاح کی غرض کے لئے مرتد ہو جاتی اور اپنے ارتداد کو اخبار میں شائع کرا دیتی ہے کہ میں (نعوذ باللہ) اسلام سے مرتد ہو گئی اس لئے اب تم میرے شوہر کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ پس سوال یہ ہے کہ کیا صرف اس حیلہ اور مکر کے لئے اسلام ترک کرنے سے حقیقی معنوں میں خارج از اسلام ہو گئی؟ اور زید سے اس کا نکاح فسخ ہو گیا؟

المستفتی نمبر ۲۶۰۶ یوسف سلیمان احمد صاحب۔ رنگون (برما) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ م ۲۱ مئی ۱۹۴۰ء

(۱۹۸) **جواب** ۔ حنفیہ کا اصل مذہب جو ظاہر روایت پر مبنی ہے۔ یہی ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے مرتد ہو جانے سے نکاح منفسخ ہو جاتا ہے۔ پس صورت مسئولہ میں نکاح ٹوٹ گیا۔ مگر ایکٹ ۸ ۱۹۳۹ء میں ارتداد کو وجہ فسخ قرار نہیں دیا گیا۔ اگر یہ ایکٹ برما میں نافذ نہ ہو تو وہاں اصل مذہب کے موافق فیصلہ ہو گا۔ ہاں اسلامی حکومت میں ایسی عورت کو شوہر اول سے دوبارہ نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ (بشرطیکہ زوج اول بھی تجدید نکاح پر راضی ہو) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(۱) ایک لڑکی نابالغہ مسماۃ ہندہ کے والدین فوت ہو چکے تھے اور بھائی نے ہندہ مذکورہ کا نکاح ایک نابالغ لڑکے سے کر دیا تھا۔ نیز واضح رہے کہ زوجین کے متولی مرزائی تھے۔ جب لڑکی بالغہ ہوئی تو بھائی مرزائی نے لڑکے نابالغ مرزائی کے ساتھ شادی کر دی۔ ایک ہفتہ لڑکی آباد رہی بعدہٗ انکار کر دیا کہ میں مرزائی نہیں ہوں اگرچہ میرے والدین و باقی رشتہ داران مرزائی ہیں۔ میں مرزائی مرد کے ساتھ آباد ہونے سے انکاری ہوں۔ اب لڑکی بھائی مرزائی کے گھر ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میرا سابقہ نکاح فسخ کیا جائے تاکہ دوسری جگہ نکاح کروں۔ لڑکا مذکور ابھی تک نابالغ ہے اور وہ بھی اور اس کے والدین سب مرزائی ہیں۔ اب شرعی فیصلہ کرنا ہے اور لڑکا حکم شرعی کے سامنے پیش بھی نہیں ہوتا فقط لڑکی پیش ہوتی ہے فیصلہ کی کیا صورت ہے مفصلاً مرقوم فرما کر مشکور فرمائیں۔

اگر یہ صورت ہو تو پہلے بوجہ مطابقت والدین دونوں کافر تھے۔ اب لڑکی بعد بلوغت کے مسلمان ہو گئی تو کیا لڑکے کے بالغ ہونے تک انتظار کرنا ضروری ہوگا یا قبل از بلوغ فیصلہ ہو سکتا ہے۔ فیصلہ کی تمام صورتوں کو بیان فرماکر مشکور فرمائیں۔

(۲) حیلہ ناجزہ میں ارتداد کی بعض صورتوں میں یہ لکھا ہے کہ اگر خاوند مرتد ہو گیا تو دارالحرب میں تفریق کی ضرورت نہیں تین حیض کے بعد جدا ہو جائے گی اور دارالاسلام میں تفریق شرط ہے کیا بموافق فتویٰ دارالحرب عمل کیا جائے یا احتیاطاً تفریق کی جائے۔

المستفتی نمبر ۲۶۶۱ محمد اسحاق ملتانی (دہلی) ۴ صفر ۱۳۶۰ھ م ۳ مارچ ۱۹۴۱ء

(۱۹۹) **جواب** - تحکیم تو فریقین کی رضا مندی سے ہوتی ہے۔ جب ایک فریق (شوہر) کی طرف سے ثالثی منظور نہیں ہوئی تو ثالثی کا فیصلہ بھی متصور نہیں۔ رہا نکاح کا قصہ تو صورت مسئولہ میں قابل تحقیق یہ امر ہے کہ لڑکی کا باپ جس وقت مرزائی ہوا اس وقت یہ لڑکی پیدا ہو چکی تھی یا نہیں؟ اگر پیدا ہو چکی تھی اور بعد میں اس کا باپ مرزائی ہوا تو یہ لڑکی مسلمہ قرار دی جائے گی۔ کیونکہ باپ کے ارتداد سے لڑکی پر جو پہلے مسلمہ قرار دی جا چکی حکم ارتداد نہ ہوگا اور اس صورت میں اس کے مرتد بھائی نے اس کا جو نکاح کیا وہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوا۔ کیونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں۔ لیکن اگر لڑکی حال ارتداد پدر میں پیدا ہوئی اور اس کی ماں بھی مرزائیہ تھی تو لڑکی بھی کافرہ ہی قرار پائے گی مگر اس حال میں اس کے مرتد بھائی کا کیا ہوا نکاح موقوف رہے گا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائے لیکن جبکہ وہ مسلمان نہ ہوا اور لڑکی مسلمان ہو گئی اور اس نے اس نکاح موقوف کو رد کر دیا تو نکاح رد ہو گیا۔ کیونکہ نکاح موقوف قبل اجازت مجیز جائز حکم عدم میں ہوتا ہے فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ہندہ اور زید کے باہمی تعلقات ایک عرصے سے ناخوشگوار ہیں۔ زید اپنی بیوی مسماۃ ہندہ پر طرح طرح کے ظلم کرتا ہے۔ چند آدمیوں کے سامنے ان دونوں میں سخت کلامی ہوئی۔ ہندہ نے طیش میں آکر کہا کہ "جس خدا نے تم جیسے ظالم انسان پیدا کیے ہیں میں ایسے خدا کو خدا نہیں مانتی۔ میں ایسے خدا سے بیزار ہوں" ان الفاظ کے کہنے کے بعد ہندہ کا ایمان باقی رہا یا نہیں؟ اس کا نکاح قائم رہا یا نہیں؟

کیا مسماۃ ہندہ پر عدت لازم ہے جبکہ وہ تجدید ایمان کرلے؟ کیا تجدید ایمان کے بعد عدت گزار کر وہ زید کے علاوہ کسی اور شخص سے نکاح کرے تو درست ہوگا؟

المستفتی نمبر ۲۸۰۳ والدہ عبدالغفار دہلی۔ ۴ شوال ۱۳۶۵ھ

(۲۰۰) **جواب** مسماۃ ہندہ اس قول کی بنا پر ایمان سے باہر ہوگئی اور مرتد ہوگئی۔ نکاح بھی باطل ہوگیا۔ ہاں تجدید ایمان کے بعد عدت لازم ہے۔ تجدید ایمان کے بعد وہ جس سے چاہے نکاح کرسکے گی

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک عورت مرتدہ جس کو سال ڈیڑھ سال ارتداد میں گزر گیا۔ اور اسی حالت میں اس کے بچہ پیدا ہوگیا اور اس کے پہلے خاوند نے اس کی کوئی خبر نہ لی۔ ایک سال گزرنے پر وہ اس کو لینے آیا تھا مگر یہ اس کے ساتھ نہ گئی اور باوجود سمجھانے کے اس کے ساتھ جانا بھی نہیں چاہتی۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ اس کو رکھنا بھی نہیں چاہتا بلکہ دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ المستفتی ظہیر الدین گوڑگانوی

(۲۰۱) **جواب** عورت اگر مرتدہ ہوگئی تھی تو اس کا پہلا نکاح تو ٹوٹ گیا تھا۔ اگر اب پہلے خاوند سے وہ راضی نہیں اور نہ پہلا خاوند اس کی پروا کرتا ہے تو وہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرسکتی ہے۔ پہلے اس کو مسلمان کیا جائے۔ پھر جس سے وہ راضی ہو اس سے نکاح پڑھا دیا جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

مسماۃ مجید بانو کا بعمر ۱۴ سال مسمی محمد اکرم سے نکاح ہوا۔ محمد اکرم کا اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ ناجائز تعلق پہلے سے تھا اور آج تک چلا آتا ہے۔ اس دوران میں مجید بانو نے پنچایت اور علمائے دین کے روبرو ہر چند کوشش کی کہ یا تو مجھ کو آباد کرے یا طلاق دے۔ اس نے کسی بات کو تسلیم نہ کیا۔ آخر مجبور ہوکر مجید بانو نے عدالت میں تبدیل مذہب کرکے تنسیخ نکاح کی درخواست دی۔ عدالت نے تحقیق کرنے کے بعد نکاح فسخ کردیا۔ آیا نکاح فسخ ہوا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۸۵ مولوی عبدالمجید خطیب جامع مسجد پٹھان کوٹ

یکم رمضان ۱۳۵۶ھ م ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(۲۰۲) **جواب**- ہاں عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہوگیا اور عورت کو مسلمان ہونے کے بعد اختیار ہوگا کہ کسی شخص سے شادی کرلے یا نہ کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء)

ہندہ معمرہ ۳۵ سالہ زید کی بیاہتا بیوی تھی جو بائیس سال تک اپنے شوہر زید کے طرح طرح کے آزار دستی و لسانی سہتی رہی۔ آخر مظالم سے تنگ آکر اپنی خالہ کے گھر جاکر رہ گئی۔ مگر اس کے خاوند زید نے قاضی کی عدالت میں طلب زوجہ کا دعویٰ کیا اور قاضی نے بلا سماعت عذرات مسماۃ ہندہ کو اس کے شوہر زید سے نیک چلنی کی ضمانت لے کر ہندہ کو زید کے حوالے کر دینا چاہا۔ بالآخر تنگ آکر ہندہ مرتد ہوگئی تاکہ نکاح فسخ ہو جائے۔ ہندہ نے قاضی کو اپنے ارتداد کی اطلاع بھی دے دی اور قاضی نے اپنے ایک معتمد علیہ کو ہندہ کی قیام گاہ پر بھیج کر تصدیق بھی کرالی اور ہندہ نے کئی آدمیوں کے سامنے اقرار لسانی کیا کہ وہ مرتد ہوگئی ہے۔ مگر قاضی اب بھی ہندہ کو زید کی زوجہ شرعی تصور کرتا ہے اور اسے زید کے گھر بھجوانا چاہتا ہے۔

(۲۰۳) **جواب**- عورت یا مرد دونوں میں سے کسی ایک کے مرتد ہو جانے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے بعض فقہانے مرتدہ کو زوج سابق کی طرف جبراً لوٹانے کا فتویٰ بے شک دیا ہے۔ لیکن وہ ارتداد کے سدباب کی غرض سے دیا ہے۔ تاہم اس کے لئے تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ نیز اس قول پر عمل کرنے والے قاضی کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ خاوند کی تعدی اور موجب ارتداد کی بھی تحقیقات کرے اور زوج کو بھی اس کی زیادتیوں اور مظالم کی سزا دے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ یکم مئی ۱۹۳۵ء)

(۲۰۴) **جواب**- موجودہ حالات میں عورت مرتدہ اسلام قبول کرنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے۔ کیونکہ اس کو دوسرے نکاح سے باز رکھنے اور شوہر اول سے جبراً اس کا نکاح کرانے کی طاقت منتفی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۳۷ء)

زید کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق یہ مشہور ہوگیا کہ زید آریہ ہوگیا ہے۔ زید کی زوجہ نے نکاح ثانی کرلیا۔ بعد مدت کے عورت کو پتہ چلا کہ زید نے مذہب تبدیل نہیں کیا۔ ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

(۲۰۵) **جواب** ۔ اس صورت میں کہ زوجہ نے محض ایک غلط خبر کی وجہ سے نکاحِ ثانی کرلیا تھا، نکاحِ ثانی صحیح نہیں ہوا اور زوجِ اوّل کا نکاح باقی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

بیان حضرت مفتی اعظمؒ

بمقدمۂ فسخ نکاح بوجہ ارتداد

بندِ سوالات بنام گواہ ۳ مفتی کفایت اللہ صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

بمقدمۂ حسین بی بی بنام خان محمد از ڈیرہ غازی خاں

سوال — **جواب**

سوال: (۱) آپ کتنے عرصہ سے حدیث تفسیر وغیرہ علومِ عربیہ کا درس دیتے ہیں؟

جواب: (۱) تقریباً اڑتیس برس سے۔

سوال: (۲) افتا کا کام کتنے عرصہ سے کرتے ہیں؟

جواب: (۲) اسی قدر عرصہ سے۔

سوال: (۳) مفصلۂ ذیل امور کی بابت بتلائیں کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانی فرقۂ احمدیہ کے عقائد وہی ہیں؟ جو قرآن مجید واحادیث صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہیں اور جو معتمد مشاہیر علماؤ مفتیانِ اسلام کا عقیدہ اب تک رہا ہے۔ اگر وہ نہیں تو مرزا صاحب موصوف کا کیا عقیدہ تھا؟ اور ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مسلمان ہے یا کافر؟ اپنے بیان میں قرآن مجید واحادیث صحیحہ وکتب عقائد وکتب جماعتِ احمدیہ کا جن پر آپ کے بیان کا انحصار ہو حوالہ دیں۔

جواب: (۳) مرزا صاحب کے بہت سے عقیدے قرآن مجید واحادیث صحیحہ وجمہور امتِ محمدیہ کے عقائد کے خلاف ہیں۔ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ایسی باتیں کہیں جن سے انبیائے سابقین بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مرزا صاحب کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مرزا صاحب کے کلام سے بعض پیغمبروں کی توہین بھی ثابت ہوتی ہے۔ مرزا صاحب اپنے متبعین کے سوا باقی تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور اس کے پیغمبروں و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لانا بھی مسلمان ہونے کیلئے کافی نہیں رہا جب تک مرزا غلام احمد پر ایمان نہ لایا جائے۔ یہ اور اسی قسم کی وجوہ ہیں جن کی بنا پر مرزا غلام احمد کو جمہور علمائے اسلام خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔

سوال: الف۔ وجود وذات وصفات باری تعالیٰ

جواب: الف۔ مرزا غلام احمد گو خدا کے وجود کے قائل ہیں۔ لیکن

	خدا کی صفات میں ان کی بہت سی تصریحات شریعت کی تعلیم سے باہر ہیں۔
ب۔ وجودِ ملائکہ	ب۔ ملائکہ کے وجود کے وہ اس طرح قائل نہیں جس طرح کہ سلف صالحین اور جمہور اُمتِ محمدیہ کا عقیدہ ہے۔
ج۔ کتبِ سماویہ سابقہ و قرآن مجید	ج۔ اس کے متعلق میری نظر میں کوئی تصریح نہیں ہے۔
د۔ قیامت	د۔ قیامت کا بظاہر اقرار ہے۔
ہ انبیائے کرام، خصوصاً عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صاحب نبی کریم علیہ السلام۔	ہ۔ انبیائے کرام کے متعلق ان کے عقائد اور تصریحات جمہور امتِ محمدیہ کے خلاف موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کی تصریحات بہت گمراہ کن اور موجبِ توہین ہیں۔
و۔ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام	و۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے وہ قائل نہیں کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے۔ بلکہ ان کی قبر بھی کشمیر میں ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔
ز۔ نبوت و رسالت کی تعریف۔	ز۔ نبی اور رسول کی تعریفیں بھی وہ ایسی کرتے ہیں جس میں ان کی نبوت کی گنجائش نکل سکے۔
ح۔ ختم نبوت	ح۔ ختم نبوت کے وہ اس معنی میں قائل نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔
(نوٹ) تمام سوالات میں الفاظ مرزا صاحب سے مراد مرزا غلام احمد صاحب بانی فرقہ احمدیہ ہے۔	
(۴) کیا مرزا صاحب نے دعوئ نبوت مطلقہ و تشریعیہ کیا؟ اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے بعد مدعیٔ نبوت کا کیا حکم ہے؟ اور علاوہ ازیں اور بھی مرزا صاحب نے ایسے دعاوی کیے؟ جن سے کفر لازم آئے۔ مثلاً دعوئ الوہیت، دعوی وحی جس کو قرآن کے برابر قرار دیا۔ دعوی فضیلت	(۴) مرزا صاحب نے دعوی نبوت کیا ہے۔ (اس موقع پر گواہ نے کہا کہ بہت سے سوالات کے جوابات بہت طول طویل ہوں گے اور کئی روز خرچ ہوں گے اس لئے سَو روپے ان کی فیس ہونی چاہیئے۔ میں نے اُن کو کہہ دیا ہے کہ وہ لکھ کر بھیج دیں) بیان مولوی کفایت اللہ باقرار صالح :-

ازانبیاء۔ اور ایسے مدعی کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

مرزا صاحب کے دعووں میں نبوتِ مطلقہ اور تشریعیہ دونوں کا دعویٰ موجود ہے اور جو شخص کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے۔ مرزا صاحب کے کلام میں ایسی باتیں موجود ہیں جن کی بنا پر ان کو خارج از اسلام قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً وحی کا دعویٰ جو قرآن کے برابر درجہ رکھتی ہے اور بعض انبیاء علیہم السلام کی توہین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعویٰ۔ اور جو شخص کہ کسی نبی کی توہین کرے یا قرآن کے برابر وحی کا دعویٰ کرے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برابری کا مدعی ہو وہ کافر ہے۔

(۵) کیا مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی؟

(۵) ہاں توہین کی ہے۔

(۶) کیا مرزا صاحب نے آنحضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی؟

(۶) مرزا صاحب کے کلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین لازم آتی ہے اور حضورؐ کی برابری بلکہ حضورؐ سے افضل ہونے کا دعویٰ موجود ہے۔

(۷) جو شخص انبیائے کرام کی توہین کرے حقیقۃً یا الزاماً یا استہزاءً مسلمان ہے یا کافر؟ اس لحاظ سے مرزا صاحب مسلمان تھے یا کافر؟

(۷) جو شخص انبیا کی توہین کرے یا استہزا کرے وہ کافر ہے۔ اس لحاظ سے مرزا صاحب کافر تھے۔

(۸) کیا مرزا صاحب اپنے منکر کو کافر کہتا تھا؟ یعنی ساری اُمت کو بجز اپنے تبعین کے کافر کہتا تھا؟

(۸) مرزا صاحب کے کلام میں اس طرح کی تصریحات موجود ہیں کہ وہ اپنے تبعین کے سوا باقی تمام مسلمانوں کو کافر کہتے تھے۔

(۹) جو شخص مسلمان کو کافر کہے اس کا کیا حکم ہے؟

(۹) جو شخص مسلمانوں کو اس بنا پر کافر کہے کہ وہ اس کے دعوے کی تصدیق نہیں کرتے حالانکہ اس کا دعویٰ ہی غلط و باطل ہے تو یہ شخص کافر ہے۔

(۱۰) کیا مرزا صاحب کے الہامات اس قسم کے ہیں جس سے مرزا صاحب پر کفر عائد ہوتا ہے؟ اور

(۱۰) مرزا صاحب کے بہت سے الہامات اس قسم کے ہیں کہ اُن پر کفر عائد ہوتا ہے جو اُن کی کتابوں میں دیکھ کر بتائے جاسکتے

وہ کیا کیا ہیں؟

ہیں۔ آئندہ تاریخ پر حوالے پیش کروں گا۔

(۱۱) کیا انبیائے کرام صادق اور معصوم ہوتے ہیں؟ اور کیا مرزا صاحب صادق اور معصوم تھے؟ اگر نہیں تو ان کے غیر معصوم ہونے کے وجوہ بیان فرماویں۔

(۱۱) انبیائے کرام یقیناً صادق اور معصوم ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب نہ صادق تھے نہ معصوم۔ ان کے کذب کے ثبوت کے لئے بہت سے شواہد ان کی کتابوں میں موجود ہیں جو آئندہ پیش کروں گا۔

(۱۲) کیا مرزا صاحب اور ان کے متبعین کے متعلق تمام مشاہیر علمائے اسلام نے بالاتفاق کفر کا فتویٰ دیا ہے یا نہیں؟

(۱۲) مرزا صاحب اور ان کے متبعین کے متعلق عام طور پر علمائے اسلام نے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

(۱۳) کیا مرزا صاحب دعوائے نبوت سے پیشتر ختم نبوت مطلق یا تشریعی کے قائل تھے؟ اور منکر ختم نبوت کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

(۱۳) مرزا صاحب دعوائے نبوت سے پہلے ختم نبوت کے قائل تھے۔ اور منکر ختم نبوت باتفاق علما کافر ہے۔

(۱۴) مرزا صاحب اور ان کی جماعت معجزات انبیائے کرام کے قائل ہیں یا انکاری ہیں؟ اگر انکاری ہیں تو شرع میں اُن کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور کیوں؟

(۱۴) مرزا صاحب نے بہت سے معجزات کا انکار کیا ہے اور اُن کی صورتیں بدل دی ہیں۔ حالانکہ قرآن واحادیث کی تصریحات ان کی تاویلوں کی صراحۃً تردید کرتی ہیں۔ بلکہ بعض معجزات کا انکار اس پیرایہ میں کیا ہے جس سے اصل معجزہ کی تحریف اور اُس کا استہزاء لازم آتا ہے۔ جو شخص کہ معجزاتِ انبیاء کا اس طرح انکار کرے کہ اس سے استہزاء پیدا ہوتا ہو تو وہ اس بنا پر کافر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق اس کا عقیدہ انکار نبوت کا مقتضی ہے یا قصداً انبیاء کا استہزاء کرتا ہے۔

(۱۵) مرزا صاحب اجماعِ امت کے اصول کو تسلیم کرتے تھے، یا انکار کرتے تھے؟

(۱۵) مرزا صاحب اجماعِ امت کے اصول کو عملاً تسلیم نہیں کرتے تھے۔

(۱۶) اجماعِ امت کے منکر کے متعلق اسلام میں کیا حکم ہے؟

(۱۶) اجماعِ امت اگر حقیقی ہو تو اس کا منکر کافر ہوتا ہے۔

(۱۷) اگر سوالاتِ مذکورہ کا حکم اخبارات میں ہو تو علمائے کرام کے فتوے اگر آپ کے پاس موجود ہوں تو پیش کریں۔

(۱۷) اس امر پر فتوے عام ہندوستان میں شائع ہو چکے ہیں۔ میرے پاس کوئی نقل اس وقت موجود نہیں ہے آئندہ پیش کرونگا۔

(۱۸) اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ یکم جنوری ۱۹۳۹ء کے صفحہ ۴ کالم ۱۔ ۲ پر آپ کے نام سے جو فتویٰ نسبتِ نکاح اہلِ سنت والجماعت و مرزائی درج ہے دیکھ کر بتلائیں کہ یہ فتوے آپ نے دیا تھا؟

فتویٰ مولوی محمد یوسف مدرسہ امینیہ دہلی منسلکہ بندِ سوالات آپ نے پڑھا اور اس پر الجواب صحیح آپ کے تحریر کردہ ہیں اور مہر دار الافتاء مدرسہ اسلامیہ دہلی کی ہے؟

(۱۸) اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱/۱/۳۹ کے صفحہ ۴ کالم ۱۔ ۲ پر جو فتویٰ تحریر ہے اور جس پر نشان اے کمشنر نے ڈالا ہے صحیح ہے اور میرا ہی دیا ہوا ہے۔

(نوٹ) ایسا کوئی فتویٰ جو مولوی محمد یوسف کا لکھا ہوا ہو اور جس پر "الجواب صحیح" مولوی مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا ہو اور دار الافتا کی مہر ہو شاملِ بندِ سوالات نہیں ہے۔

(۱۹) احمدیہ یعنی مرزائی مرد اور غیر احمدی مسلمان عورت کے مابین نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۱۹) احمدی مرد اور غیر احمدی مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں ہے۔

سوالاتِ جرح

(۱) سوال نمبر تین مندرجہ بندِ سوالات منجانب مدعیہ (الف تا ح) کے جوابات میں آپ نے اگر حضرت مرزا صاحب کی کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے تو آپ بتلائیں کہ آپنے وہ ساری کتابیں پڑھی ہوئی ہیں جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے اور کیا اس کتاب میں اور حضرت مرزا صاحب کی دیگر کتابوں میں جو تصریحات ان امور (مندرجہ الف تا ح) کے متعلق ہیں ان کو اپنے جوابات میں ملحوظ رکھا ہے؟

(۱) سوال نمبر تین کے جواب میں میں نے کسی مخصوص کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے باقی حصہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا جو جواب دیا جائے۔ حوالجات آئندہ پیش کروں گا۔

(۲) کیا آپنے بانی سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد صاحب کی جملہ تصانیف کو پڑھا ہے؟ اور آپ بتا سکتے ہیں جو مطبوعہ فہرست

(۲) مرزا صاحب کی جو تصنیفات میں نے پوری پڑھی ہیں فہرست مطبوعہ میں (جس پر نشان A

کتب سوالات جرح ہٰذا کے ساتھ منسلک کی گئی ہے۔ اس میں حضرت مرزا صاحب کی تصنیفات کے نام درست طور پر درج ہوئے ہیں؟ اگر آپ نے مرزا صاحب کی تمام تصنیفات کو نہیں پڑھا تو جو تصنیفات حضرت مرزا صاحب کی آپ نے اول سے لیکر آخر تک پڑھی ہیں۔ فہرست مطبوعہ کو دیکھ کر ان تصنیفات پر نشان مع دستخط خود لگادیں۔

ڈالا گیا ہے) ان کے ناموں پر میں نے دستخط کر دیئے ہیں۔ ان کے علاوہ اُن کی بہت سی کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔

(۳) آپ نے جو عقائد حضرت مرزا صاحب اور اُنکی جماعت کی طرف منسوب کیے ہیں کیا ان عقائد اور مسائل کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور ان کی جماعت تسلیم کرتی ہے؟ یا اُن عقائد اور مسائل کو وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں رد کرتے ہیں؟

(۳) جو مسائل و عقائد میں نے مرزا صاحب کی طرف منسوب کیے ہیں ان کو مرزا صاحب اور ان کی جماعت تسلیم کرتی ہے۔

(۴) کیا حضرت مرزا صاحب کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اُس کی ذات اور اُس کی صفات پر اور ملائکہ کے وجود اور صفات پر قرآن مجید اور دوسری پہلی آسمانی کتابوں پر اور قیامت پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلعم پر اور دیگر انبیا کی نبوت پر اپنا ایمان ظاہر نہیں کیا گیا؟

(۴) مرزا صاحب کی تصنیفات میں ان چیزوں کا جن کا سوال میں ذکر ہے بیان ضرور آیا ہے مگر ان کی حقیقتِ شرعی بہت سے مقامات میں بدل دی گئی ہے۔

(۵) کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا عقیدہ ایسا عقیدہ ہے کہ اس عقیدہ کو نہ ماننے والا مسلمان نہیں رہ سکتا؟

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا عقیدہ جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک مسلمہ عقیدہ ہے اور جو شخص ان کی حیات کا عقیدہ نہ رکھے وہ جمہور کے نزدیک اسلام سے خارج ہے۔

(۶) الف۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ سر سید احمد خاں بانی علیگڑھ کالج اور ان کے معتقدین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں؟

(۶) الف۔ سید احمد خاں یا اُن کے متبعین کی وہ تصریحات سامنے لائی جائیں جس میں انہوں نے وفات عیسیٰ علیہ السلام کی تصریح کی ہو تو جواب

ب ۔ کیا آپ کو علم ہے کہ شیخ محمد عبدہٗ مصری مرحوم جو ملک مصر کے مفتی اعظم تھے ان کا اور اُن کے معتقدوں کا بھی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔

ج ۔ کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت امام مالکؒ اور امام ابن حزمؒ بھی وفات عیسیٰ کے قائل تھے ؟

د ۔ کیا آپ نے سر سید احمد خاں کی تفسیر القرآن اور شیخ محمد عبدہٗ مصری مفتی اعظم کی تفسیر جسے محمد رشید رضا ایڈیٹر المنار مصر نے شائع کیا ہے پڑھی ہے ؟

ہ ۔ کیا آپ نے مجمع بحار الانوار مصنفہ شیخ محمد طاہر گجراتی میں حضرت امام مالکؒ کا یہ مذہب پڑھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں ۔

و ۔ کیا آپ نے امام ابن حزم کی کتاب المحلّٰے پڑھی ہے ؟ جو مصر سے چھپ کر شائع ہوئی ہے ؟ کیا اس میں یہ مسئلہ درج ہے یا نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں ؟

ح ۔ آپ کے نزدیک سر سید احمد خاں حضرت امام مالک حضرت امام ابن حزم اور مفتی محمد عبدہٗ اور اُن کے معتقدین مسلمان ہیں یا نہیں ؟

دیا جا سکتا ہے ۔

ب ۔ ایضاً

ج ۔ ان دونوں محترم اماموں کی تصریح پیش کرنی چاہیئے ۔

د ۔ میں نے یہ دونوں تفسیریں پڑھی ہیں مگر ان کا ایک ایک حرف نہیں پڑھا ۔

ہ ۔ مجمع البحار میں امام مالکؒ کا یہ قول مذکور ہونا مجھ کو یاد نہیں ۔ " مالک " کا قول مذکور ہے مگر مالک سے خدا جانے کون مراد ہے ۔

و ۔ میں نے المحلّٰی پوری نہیں پڑھی اور اس میں یہ قول میرے مطالعہ میں نہیں آیا بلکہ المحلّٰی جلد اول کی ابتدا میں یہ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے نبی ہیں ۔

ح ۔ سر سید احمد خاں کے بہت سے عقائد جمہور علمائے اسلام کے خلاف ضرور ہیں مگر ان پر تکفیر کا حکم کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے اور حضرت امام مالک اہل سنت والجماعت کے مسلّم امام ہیں ۔ اور ابن حزم اور مفتی محمد عبدہٗ مصری کے متعلق بھی میرے علم میں کوئی وجہ تکفیر نہیں ہے ۔

(۷) کیا حضرت مرزا صاحب نے آنحضرت صلعم کے بعد کسی شریعت کا آنا یا آنحضرت صلعم کی شریعت کا منسوخ کیا جانا یا اس کے بعض حصوں کا منسوخ کیا جانا یا کسی ایسے نبی کا آجانا جو آپ کی امت سے باہر ہو اور جس نے آنحضرت صلعم کی پیروی سے تمام فیض حاصل نہ کیا ہو اپنی کسی کتاب میں جائز لکھا ہے ؟

(۷) مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کا آنا جائز رکھا ہے اور خود تشریعی نبوت کا دعویٰ کرکے ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئی شریعت آسکتی ہے اور حکم جہاد کے خلاف اپنا حکم دے کر یہ ثابت کردیا کہ مرزا صاحب شریعت محمدیہ کے احکام کو منسوخ کرسکتے تھے۔

(۸) الف - اگر کسی کتاب میں حضرت مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین نہیں ہیں یا آپ پر نبوت ختم نہیں ہے تو اس کا حوالہ دیں۔

(۸) الف - خاتم النبیین کے معنی مرزا صاحب نے ایسے بیان کردیئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بھی کہتے رہیں اور اپنی نبوت بھی منوالیں حوالہ جات آئندہ دوں گا۔

ب - حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتب میں قرآن مجید کی آیت خاتم النبیین پر اپنا ایمان ظاہر فرمایا ہے یا نہیں ؟

ب - اسی طرح کا ایمان ظاہر کیا ہے جو اوپر لکھا یا جاچکا ہے۔

ج - حضرت مرزا صاحب ہر اس شخص کو جو حضرت نبی کریم صلعم سے علیحدہ ہو کر اور نبی کریم صلعم کی پیروی کو چھوڑ کر دعوائے نبوت کرے اسے ملعون سمجھتے ہیں یا نہ ؟

ج - صرف یہی کافی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے باہر ہو کر جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہی ملعون ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ ملعون ہے اور یہ بات مرزا صاحب نے تسلیم کی ہے۔

(۹) اے - نبوتِ مطلقہ اور نبوتِ تشریعی سے آپ کی کیا مراد ہے ؟

(۹) اے - نبوت مطلقہ سے یہ مراد ہے کہ کسی شخص کو حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت عطا کیا جائے۔ خواہ اس کو جدید شریعت دی جائے یا نہ دی جائے۔ اور تشریعی نبوت سے یہ مراد ہے کہ منصب نبوت کے ساتھ اس کو جدید شریعت بھی عطا کی جائے۔

بی۔ کیا کسی ایسے نبی کا نام آپ بتا سکتے ہیں جس نے آنحضرت صلعم کے بعد یہ دعویٰ کیا ہو کہ میں آنحضرت صلعم کا پیرو اور اور آپ کی شریعت کے تابع ہوں اور پھر اس کی نسبت یہ فتویٰ دیا گیا ہو جو آپ نے بیان کیا ہے۔

بی۔ ایسے نبی بھی ہوئے ہیں جنہوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار نہیں کیا مگر آپ کے بعد اپنی نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کافر قرار دیئے گئے جن میں سے ایک شخص اخرس کا واقعہ مشہور ہے۔

سی۔ کیا آپ قرآن مجید کی کسی آیت سے دکھا سکتے ہیں جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ آنحضرت صلعم کے بعد آپ کی پیروی کرتے ہوئے اور آپ کی شریعت کے تابع رہتے ہوئے آپ کی اُمت میں سے کوئی شخص درجۂ نبوت تابع آنحضرت صلعم نہیں پا سکتا۔

سی۔ قرآن شریف کی آیت خاتم النبیین ہی اس معنی کے لئے نص صریح ہے کہ اس میں تمام انبیا کا خاتم حضور کو قرار دیا گیا ہے اور تشریعی وغیر تشریعی نبوت کا فرق نہیں کیا گیا۔

ڈی۔ کیا آپ کو علم ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ نے کتاب فتوحات مکیہ میں یہ تحریر کیا ہے کہ آنحضرت صلعم پر نبوت کے ختم ہونے اور آپ کے بعد کسی نبی کے نہ آنے کے یہ معنی ہیں کہ ایسی نبوت اور ایسا نبی نہ ہوگا جو آنحضرت صلعم کی شریعت کو منسوخ کرے یا آپ کی شریعت کے خلاف کوئی شریعت لائے اور شیخ اکبر موصوف نے کیا اپنی کتاب مذکورہ میں یہ تحریر نہیں کیا کہ غیر تشریعی نبوت بند نہیں ہے۔

ڈی۔ شیخ اکبر کی کوئی عبارت اس مطلب میں صریح نہیں ہے۔

ای۔ کیا آپ کو علم ہے کہ علی بن محمد سلطان القاری رحمہ اللہ جو ملا علی قاری کے نام سے مشہور ہے انھوں نے اپنی کتاب ... موضوعات کبیر میں لکھا ہے کہ آیۃ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئیگا جو آپ کے مذہب کو منسوخ کرے اور آپ کی اُمت سے نہ ہو۔

ای۔ ملا علی قاری کی عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی نبی کے آنے کو جائز سمجھتے ہوں۔

الیف۔ کیا مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں یہ لکھا ہے کہ اگر بالفرض بعد

الیف۔ مولانا محمد قاسم صاحب کی کتاب تحذیر الناس کی عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں

زمانہ نبی صلعم کوئی نبی پیدا ہوا تو پھر بھی خاتمیت نبوت محمد صلعم میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

جی ۔ کیا آپ کو علم ہے کہ مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی مرحوم نے اپنے رسالہ موسومہ دافع الوسواس فی اثر ابن عباس میں لکھا ہے کہ بعد آنحضرت صلعم کے یا زمانہ میں آنحضرت صلعم کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں بلکہ صاحبِ شرع جدید ہونا البتہ ممتنع ہے۔

ایچ ۔ کیا آپ نے تکملہ مجمع بحار الانوار مصنفہ شیخ محمد طاہر گجراتی پڑھا ہے؟ جس میں حضرت عائشہ کا یہ قول درج ہے کہ آنحضرت صلعم کو خاتم الانبیا کہو اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

آئی ۔ قرآن مجید کی آیت خاتم النبیین کس سن میں آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی تھی اور کیا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور علیہ السلام کے فرزند ابراہیم علیہ السلام نے وفات پائی تھی ؟ اس وقت آنحضرت نے یہ فرمایا تھا کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔

(۱۰) عربی محاورہ خاتم المحدثین، خاتم المفسرین، خاتم الاولیا، خاتم الفقہا کے کیا معنی ہوتے ہیں ؟

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آپ کی امت میں سے آسکتا ہے۔

جی ۔ مولانا عبدالحی صاحب کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی کو منصب نبوت عطا ہو سکتا ہے۔

ایچ ۔ حضرت عائشہ کا یہ قول میں نے پڑھا ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی جو کہ پہلے کا نبی ہو جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آنا محال نہیں۔

آئی ۔ اگر آیت خاتم النبیین نازل ہو چکی تھی اور اس کے بعد میں حضورؐ نے یہ فرمایا کہ لو عاش لکان نبیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور کو یہ بتلانا تھا کہ چونکہ میرے بعد نبوت نہیں ہو سکتی تھی اس لئے تقدیر الٰہی یہی تھی کہ میرا بیٹا زندہ نہ رہے۔

(۱۰) اس لفظ کے تو یہی معنی ہوتے ہیں کہ جس کو خاتم الفقہا کہا جائے وہ گویا آخری فقیہ ہو۔ جس کو خاتم المفسرین کہا جائے وہ آخری مفسر ہو۔ مگر اس کا اطلاق مبالغۃً یا مجازاً کسی بڑے فقیہ یا مفسر پر کر دیا جاتا ہے۔ گو اس کے بعد اور فقیہ و مفسر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن خاتم النبیین کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم پر مبالغۃً یا مجازاً نہیں کیا گیا ہے۔ آپ حقیقی اور واقعی طور پر خاتم ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

(۱۱) کیا آپ نے کتاب کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق مصنفہ امام مناوی ؒ پڑھی ہے؟ اور اس میں یہ حدیث دیکھی ہے کہ ابوبکر افضل ھٰذہ الامۃ الا ان یکون نبیٌّ۔ ان الفاظ کا اُردو ترجمہ کر دیجئے۔

(۱۱) اس کتاب کو میں نے دیکھا ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ابوبکرؓ اس اُمت میں سب سے افضل ہیں مگر یہ کہ نبی نہیں۔ یہ جبکہ لفظ نبیاً ہو۔ اور اگر نبیٌّ ہو تو پھر حدیث کی صحیح عبارت وہ ہے جو جامع صغیر میں ہے۔ یعنی ابوبکر افضل الناس الا ان یکون نبیٌّ یعنی نبیوں کے سوا ابوبکرؓ تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

(۱۲) آپ کے نزدیک شیخ محی الدین ابن عربی، علی بن محمد سلطان القاری، مولوی محمد قاسم دیوبندی، مولوی عبدالحی لکھنوی، الشیخ محمد طاہر گجراتی کس درجہ کے مسلمان تھے؟

(۱۲) یہ سب عالم اور بزرگ مسلمان تھے۔

(۱۳) کیا حضرت مرزا صاحب نے کسی جگہ اپنا یہ عقیدہ ظاہر فرمایا ہے کہ میں تمام انبیا سے افضل ہوں۔

(۱۳) ہاں مرزا صاحب نے اس قسم کے الفاظ لکھے ہیں جن سے یہ مطلب سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ان کا اپنا شعر ہے:-

آنچہ داداست ہر نبی را جام ⁂ داد آں جام را مرا بہ تمام

(درثمین)

اور ان کا دوسرا شعر ہے ؎

لہ خسف القمر المنیر و ان لی ⁂ غسا القمران المشرقان اتنکر

(اعجاز احمدی ص۷۱)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو صرف چاند گرہن ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں پر گرہن پڑا۔ مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی نبوت کی نشانی کے طور پر تو صرف چاند گرہن کا ظہور ہوا اور میری (نبوّت کی) نشانی کے لئے چاند اور سورج دونوں کا گرہن ہوا۔

اور مرزا صاحب فرماتے ہیں "ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقیات کا انتہا نہ تھا بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے پہلا قدم تھا۔ پھر اس روحانیت نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح سے تجلی فرمائی" (خطبہ الہامیہ ص۱۷۷)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں "غرض اس زمانہ کا نام جس میں ہم ہیں زمان البرکات ہے لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ زمان التائیدات اور دفع الآفات تھا" (اشتہار مرزا صاحب مورخہ ۲۸ مئی سن ۱۹۰۰ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم ۴۴)

نیز مرزا صاحب فرماتے ہیں "اسلام ہلال کی طرح شروع ہوا اور مقدر تھا کہ انجام کار آخر زمانہ میں بدر ہو جائے خدا تعالیٰ کے حکم سے۔ پس خدا تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ اسلام اس صدی میں بدر کی شکل اختیار کرے جو شمار کی رو سے بدر کی طرح مشابہ ہو۔ پس انہیں معنوں کی طرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ کے اس قول میں کہ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ (خطبہ الہامیہ ص۱۸۴)

ان عبارتوں کا اور ان کے علاوہ ان کی بیسیوں عبارتوں کا مطلب صاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی روحانی ترقیات کا انتہائی زمانہ نہ تھا بلکہ ابتدائی تھا۔ اور مرزا صاحب کے ذریعہ سے وہ معراج کمال پر پہنچا یعنی مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اعلیٰ اور افضل و اکمل ہیں۔ اور جب حضور سے بھی افضل ہوئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام انبیاء سے افضل و اکمل ہوئے۔

(۱۴) کیا حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں یہ نہیں لکھا کہ میں آنحضرت صلعم کا غلام اور آپ کا امتی اور آپ کی شریعت کا متبع ہوں۔

(۱۴) مرزا صاحب کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے اور اس کے خلاف یہ بھی لکھا ہے جو نمبر ۱۳ کے جواب میں میں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحانی ترقی کے پہلے قدم پر تھے اور مرزا صاحب معراج کمال پر۔
جب مسلمان مرزا صاحب پر اعتراض کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد تم نبی کیسے ہو گئے تو اُن سے جان بچانے کے لئے وہ کہہ دیا کرتے تھے کہ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور اُمتی ہوں اور حضورؐ کے اتباع کی بدولت مجھ کو نبوت ملی ہے اور جب اپنی تعلی میں آتے تو پھر صاحبِ وحی اور صاحبِ شریعت نبی بننے کے لئے مضامین کا طوفان برپا کر دیتے۔

(۱۵) قرآن شریف کی رُو سے کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۱۵) قرآن شریف میں ہے۔ تلك الرسل فضلنا بعضهم علیٰ بعض۔

(۱۶) کیا آپ کے نزدیک مہدی معہود اور مسیح موعود کا درجہ عام امتیوں کے برابر ہے؟

(۱۶) مہدی موعود اور مسیح معہود کا رُتبہ بہت بڑا ہے۔ کیونکہ مسلمان تو حضرت مسیح موعود کو وہی نبی عیسیٰ بن مریم مانتے ہیں جو بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے اور ان کی نبوت کا دَور ختم ہو گیا۔ اب وہ اس امت میں بطور ایک خلیفۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہوں گے۔ یہ بعثت بعثتِ نبوت نہ ہوگی اور نہ وہ نبوّتِ سابقہ سے معزول ہونگے بلکہ ان کی نبوّت کا دَور ختم ہو چکا ہے اس لئے وہ بحیثیت نبی مبعوث نہ ہوں گے بلکہ اس امت میں خلیفۂ خاتم المرسلین ہونگے جو پہلے اپنی امت میں نبی تھے۔ اور مہدئ موعود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور ولی کامل ہونگے۔ اور یہ دونوں علیحدہ علیحدہ شخص ہوں گے۔

(۱۷) کیا آپ کو علم ہے کہ شیعوں کے نزدیک شیعہ مذہب کے بارہ امام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام انبیا سے افضل ہیں؟

(۱۷) اگر اُن میں سے غالی فرقوں کا یہ عقیدہ ہو تو اُن کی گمراہی اور ضلالت کا نتیجہ ہوگا۔

(۱۸) اگر آپ کے پاس کتاب بحار الانوار جلد ۷ مصنفہ محمد باقر

(۱۸) یہ کتاب میرے پاس موجود نہیں۔

مجلسی مطبوعہ ایران موجود ہے تو اس کے صفحہ ۳۴۵ "باب تفضیلہم علی الانبیاء و علی جمیع الخلق" کو دیکھ کر بتلائیں کہ اس میں یہ عبارت موجود ہے؟ اعلم ما ذکرہ رحمہ اللہ من فضل نبینا وائمتنا صلوات اللہ علیہم علی جمیع المخلوقات و کون ائمتنا علیہم السلام افضل من سائر الانبیاء ھو الذی لا یرتاب فیہ من تتبع اخبارھم۔

(۱۹) کیا سنی مرد کا شیعہ عورت سے اور شیعہ مرد کا سنی عورت سے نکاح ہو سکتا ہے؟

(۱۹/۱) حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا کا نبی مانا ہے یا نہیں اور اپنی کتابوں میں یہ لکھا ہے یا نہیں کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کرتا ہوں اور ان کی وہ عزت کرتا ہوں جیسی نبیوں کی عزت کرنی چاہئے۔

(۱۹) شیعوں میں سے جو فرقے غالی ہیں اور ان پر کفر کا حکم کیا گیا ہے ان میں سے کسی شیعہ مرد کا نکاح سنی عورت سے جائز نہیں۔ البتہ سنی مرد کا نکاح شیعہ عورت سے جائز ہے۔

(۱۹/۱) ہاں مرزا صاحب کی کتابوں میں یہ مضمون بھی ہے اور ابتدا میں وہ اسی قسم کے مضامین لکھتے تھے مگر ان کی کتابوں میں ایسے مضامین بھی بکثرت موجود ہیں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے مثلاً ان کا قول ہے:
"تو پھر اس امر میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح کو وہ فطرتی طاقتیں نہیں دی گئیں جو مجھے دی گئیں۔ کیونکہ وہ ایک خاص قوم کے لئے آئے تھے اور اگر وہ میری جگہ ہوتے تو اپنی اس فطرت کی وجہ سے وہ کام انجام نہ دے سکتے تھے جو خدا کی عنایت نے مجھے انجام دینے کی قوت دی"
(حقیقۃ الوحی ص ۱۵۳)

اور لکھتے ہیں:۔ "مجھے قسم ہے اس ذات کی

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۴۸)

اور مرزا کا شعر ہے:۔ اینک منم کہ حسب بشارات آمدم
عیسیٰ کجاست تا بنهد پا بمنبرم (ازالۃ الاوہام ص ۱۵۸ ۹۶)

اور ضمیمہ انجام آتھم ص ۷ میں مرزا صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تین دادیوں اور نانیوں کو زنا کار اور کسبی عورتیں بتا کر یہ فقرہ لکھا ”جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا“ اور کنجریوں سے میل ملاپ ہونا اور اس کی وجہ جدی مناسبت درمیان میں ہونا قرار دی ہے۔ یہ بھی لکھا کہ آپ کو (یعنی مسیح کو) کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔

(۲۰) حضرت مرزا صاحب کا یہ دعویٰ ہے یا نہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل بنا کر بھیجا ہے۔

(۲۰) مرزا صاحب کا یہی دعویٰ نہیں کہ وہ مثیل مسیح ہو کر آئے ہیں۔ بلکہ وہ مثیل آدم، مثیل نوح، مثیل ابراہیم، مثیل موسیٰ، مثیل عیسیٰ، مثیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ عین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر آئے ہیں۔ یہ سب باتیں ان کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً ان کا بیان ہے ”خدا نے مجھ کو آدم بنایا اور مجھ کو وہ سب چیزیں بخشیں اور مجھ کو خاتم النبیین اور سید المرسلین کا بروز بنایا“ (خطبہ الہامیہ ص ۱۶۷)

اور ان کا قول ہے: ”دنیا میں کوئی نبی نہیں گذرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا۔ سو جیسا کہ براہین احمدیہ میں خدا نے فرمایا ہے کہ میں (یعنی مرزا صاحب) آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحٰق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسمٰعیل ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ بن مریم ہوں، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یعنی بروزی طور پر“ تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۸۴)

(۲۱) اگر حضرت مرزا صاحب کی

(۲۱) مرزا صاحب نے یہ عذر کیا ہے مگر یہ عذر غلط ہے۔ کیونکہ ان کی کتابوں

کسی کتاب سے یا کسی عبارت سے آپ کے نزدیک حضرت عیسٰی علیہ السلام کی توہین نکلتی ہے تو کیا حضرت مرزا صاحب نے اس کے متعلق بار بار یہ نہیں فرمایا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی توہین ہرگز نہیں کی گئی بلکہ ان حملوں کے جواب میں جو عیسائیوں نے حضرت محمد مصطفٰے صلعم پر کیے ہیں عیسائیوں کو الزامی رنگ میں جواب دیئے گئے ہیں۔

میں اس طرح توہین موجود ہے کہ وہاں... عیسائیوں کو الزامی رنگ میں جواب دینے کا عذر چل ہی نہیں سکتا۔

(۲۲) کیا آپ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی مہاجر مکی مرحوم کو جنھوں نے کتاب ازالۃ الاوہام فارسی میں لکھی تھی جانتے ہیں؟

(۲۲) ہاں مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کا نام اور کچھ حالات سُنے ہوئے ہیں۔

(۲۳) کیا آپ مولوی آلِ حسن صاحب مرحوم کو جانتے ہیں؟ جو مولوی رحمت اللہ کے ہم عصر تھے اور عیسائیوں کے جواب میں انھوں نے کتاب استفسار لکھی تھی۔

(۲۳) مولانا آل حسن صاحب مرحوم کے نام سے واقف ہوں۔

(۲۴) کیا آپ کو علم ہے کہ مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم اور مولوی آلِ حسن مرحوم نے اپنی کتابوں میں عیسائیوں کی تردید کرتے ہوئے الزامی رنگ میں اس قسم کی عبارت کا استعمال کیا ہے جیسے کہ حضرت مرزا صاحب نے عیسائیوں کی تردید میں بعض عبارات لکھی ہیں۔ مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم مہاجر مکی اور مولوی آل حسن صاحب مرحوم کی نسبت آپ کا کیا اعتقاد ہے؟

(۲۴) ان کی عبارتیں پیش کرو تاکہ مرزا صاحب کی عبارتوں سے ان کا مقابلہ ہو سکے۔ مولانا رحمت اللہ صاحب ایک بزرگ عالم تھے۔ مولوی آل حسن صاحب سے میں زیادہ واقف نہیں ہوں۔

(۲۵) جس شخص نے مندرجہ ذیل عبارت اپنی کتاب میں لکھی ہے اس کی نسبت آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

A - حضرت عیسٰی علیہ السلام کا بن باپ ہونا تو عقلاً مشتبہ ہے اس لئے کہ حضرت مریم یوسف کے نکاح میں نہیں تھی۔ چنانچہ

(۲۵) یہ تمام اقتباسات اصل کتابوں اور اُن کے سیاق و سباق سے ملا کر پڑھے جائیں جب کچھ خیال قائم کیا جا سکتا ہے۔

اس زمانہ کے معاصرین لوگ یعنی یہود جو کہتے ہیں وہ ظاہر ہے۔

B ۔تربیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی از روئے حکمت بہت ناقص ٹھہری۔

C ۔اکثر پیشگوئیاں انبیائے بنی اسرائیل اور ان کے حواریوں کی ایسی ہیں جیسے خواب اور مجذوبوں کی بڑ۔ اگر انہیں باتوں کا نام پیشگوئی ہے تو ہر ایک آدمی کے خواب اور ہر دیوانہ کی بات کو ہم پیشگوئی ٹھہرا سکتے ہیں۔

D ۔عیسیٰ بن مریم آخر درماندہ ہو کر دنیا سے انھوں نے وفات پائی۔

E ۔سب عقلاً جانتے ہیں کہ بہت سے اقسام سحر کے مشابہ ہیں معجزات سے۔ خصوصاً معجزاتِ موسویہ وعیسویہ۔

F ۔اشعیاہ اور ارمیاہ اور عیسیٰ کی غیب گوئیاں قواعد نجوم اور رمل سے بخوبی نکل سکتی ہیں بلکہ اس سے بہتر۔

G ۔حضرت عیسیٰ کا معجزہ احیائے میت کا بعضے بھان متی کرتے پھرتے ہیں کہ ایک آدمی کا سر کاٹ ڈالا۔ بعد اس کے سب کے سامنے دھڑ سے دھڑ ملا کر کہا اُٹھ کھڑا ہو! وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

H ۔معجزاتِ موسویہ وعیسویہ کے بسببِ مشاہدہ کارخانہ سحر اور نجوم وغیرہ کے کسی کی نظر میں ان کا اعجاز ثابت نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ معجزاتِ موسوؑ اور عیسویہ کی سی حرکات یہاں بہتوں نے کر دکھائیں۔

I ۔یسوع نے کہا کہ میرے لئے کہیں سر رکھنے کی جگہ نہیں دیکھو یہ شاعرانہ مبالغہ ہے اور صریح دنیا کی تنگی سے شکایت کرنا قبیح ترین ہے۔

J ۔جوان ہو کر اپنے بندے یحییٰ کا مرید ہوا اور آخر کار ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہا۔

K ۔جس طرح اشعیاہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی بعض بلکہ اکثر پیشگوئیاں ہیں جو صرف بطور معمے اور خواب کے ہیں جس پر چاہو منطبق کر لو باعتبار ظاہری معنوں کے محض جھوٹ ہیں۔ یا مانند کلام یوحنا کے محض مجذوبوں کی سی بڑ ہیں۔ ویسی پیشگوئیاں البتہ قرآن میں نہیں ہیں۔

L۔ حضرت عیسیٰ نے یہودیوں کو جو حد سے زیادہ گالیاں دیں تو ظلم کیا۔

M۔ کافروں نے معجزہ مانگا۔ حضرت عیسیٰ نے ان کافروں کو جھڑک دیا اور تہدید بوعید الٰہی کی، یا کچھ نہیں بولے، چپکے بیٹھے رہے اور ان کے ہاتھوں اذیتیں اٹھائیں۔

N۔ جناب مسیح اقرار می فرماید کہ یحییٰ نہ نان می خورانید ند نہ شراب می آشامید ند وآنجناب شراب می نوشید ند و یحییٰ در بیابان می ماند ند و ہمراہ جناب مسیح بسیار زناں ہمراہ می گشتند و مال خود را می خورانید ند و زنان فاحشہ پاہائے آنجناب را می بوسید ند وآنجناب مرتا و مریم را دوست می داشتند و خود شراب برائے نوشیدنِ دیگر کساں عطا می فرمودند۔

O۔ دقتیکہ یہودا فرزند سعادت مند شاں از زوجہ پسر خود زنا کرد و حاملہ گشت و فارض را کہ از آباؤ اجداد سلیمانؑ و عیسیٰ علیہ السلام بود زائید۔ یعقوب علیہ السلام ہیچ کس را از ینہا سزائے ندادند۔

(۲۶) کیا آپ مولانا عبدالرحمٰن جامی مرحوم کو جانتے ہیں؟ اور کیا آپ کو علم ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب میں فارسی میں مندرجہ ذیل نظم لکھی ہے؟ اگر آپ کو علم نہ ہو کہ یہ نظم کس نے لکھی ہے تو یہ فرما دیجئے کہ جس شخص نے یہ نظم الزامی رنگ میں حضرت علیؓ کی شان میں لکھی ہے وہ مسلمان ہے یا کافر ہوگیا؟

شیعیے پیش سُنیے فاضل ۔۔۔ گفت کاے در علوم دیں کامل
باز گو رمزے از علی ولی ۔۔۔ کہ ترا یافتم ولیؔ علی
گفت کاے در ولائے من آہی ۔۔۔ از کدا ہیں علی سخن خواہی
زاں علی کش توئی ظہیر و معین ۔۔۔ یا ازاں کش منم رہی و رہین
گفت من گرچہ اند کے دانم ۔۔۔ در دو عالم علی یکے دانم
شرح ایں نکتہ را تمام بگو ۔۔۔ آں کدام است وایں کدام بگو
گفت آں کو بود گزیدۂ تو ۔۔۔ نیست جز نقش تو کشیدۂ تو
پیکرے آفریدۂ بخیال ۔۔۔ گزرانیدۂ بروا احوال

(۲۶) مجھے معلوم نہیں کہ یہ نظم کس کی ہے؟ اور شیعہ سنّی سے اس میں کون اشخاص مراد ہیں۔ نیز اس کا مضمون صاف ہے ایک موہوم "علی" کو کہا گیا ہے جو کچھ کہا گیا ہے اور دونوں پہلو آمنے سامنے موجود ہیں۔ اس میں غلط فہمی کا کوئی امکان نہیں۔

پہلوانے بروت مالیدہ | بہر کیں درو غا سگالیدہ
گربزے پُر تہوّر و بیباک | کینہ خو ہی و مفتن و سفاک
بندۂ نفس خویش چوں من و تو | فارغ از دین و کیش چوں من و تو
در خیبر بزور خود کندہ | بُرزہ تا دوش دورش افگندہ
بخلافت دلش بسے مائل | شد ابوبکرؓ درمیاں حائل
بعد بوبکرؓ خواست دیگر بار | لیکن آں بہ عمرؓ گرفت قرار
چوں ازیں ورطہ رخت بست عمرؓ | شد خلافت نصیب یار دگرؓ
در تگ و پوئے بہر ایں مطلوب | ہمہ غالب شد و او مغلوب
باچنیں وہم و ظن زنا دانی | اسد اللہ غالبش خوانی
ایں علی در شمارہ کہ ومہ | خود نبود است ورنہ باشد بہ
واں علی کش منم بجاں بندہ | سبلت نفس شوم را کندہ
بر صف اہل ریع با دل صاف | بہر اعدائے دیں کشید مصاف
بودہ از غایت فتوت خویش | خالی از حول خویش و قوت خویش
ایں علی در کمالِ خلق و ہنر | عین بوبکرؓ بود و عین عمرؓ
نیست در ہیچ معنی و جہتے | رافضی را با و مشابہتے
او بموہوم خویش دارد رُو | زانکہ موہوم اوست در خور او
علمے بہر خود تراشیدہ | خاطر از مہر او خراشیدہ

(۲۷) کیا حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں آنحضرت صلعم کی بیحد تعریفیں نہیں کیں ؟

(۲۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیشک کی ہے لیکن جبکہ خود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بُروز بلکہ عین محمد ہونے کا دعوے بھی کر دیا گیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنے آپ کو بڑھا دیا تو

حضورؐ کی تعریف گویا اپنے آپ کو انتہائی معراج ترقی پر پہنچانے کی تمہید تھی۔ (دیکھو جواب نمبر ۱۳)

(۲۸) کیا حضرت مرزا صاحب نے انبیا کی تحقیر کرنا اپنی کتابوں میں ناجائز قرار نہیں دیا؟

(۲۸) یہی تو لطف ہے کہ ایک جگہ جس چیز کو ناجائز قرار دیتے ہیں دوسری جگہ اس ناجائز کا ارتکاب اس جرأت و دلیری سے کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے

(۲۹) یہ دُرست ہے یا نہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے مخالفوں نے انبیا علیہم السلام کی توہین کرنے کا الزام آپ پر لگایا تھا اور آپ نے اپنی کتابوں میں بار بار اس کی تردید کی ہے۔

(۲۹) انھوں نے اس الزام کی تردید کی ہے۔ مگر تردید ناقابلِ قبول اور ناقابلِ اعتماد ہے۔ جیسا کہ میں نمبر ۲۱ کے جواب میں کہہ چکا ہوں۔

(۳۰) حضرت مرزا صاحب کے دعوے سے پہلے جو لوگ اس امت کے گذرے ہیں اُن کے متعلق حضرت مرزا صاحب کا کوئی فتویٰ اگر آپ نے حضرت مرزا صاحب کی کسی کتاب میں پڑھا ہے تو اس کا حوالہ دیجئے۔

(۳۰) اس سوال کا مفہوم صاف نہیں۔

(۳۰/۱) اگر کوئی شخص حضرت مرزا صاحب کو مفتری قرار نہیں دیتا اور آپ کی تکفیر و تکذیب نہیں کرتا اور جو لوگ آپ پر کفر کا فتویٰ دینے والے ہیں ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتا اور وہ اہلِ قبلہ میں سے ہے تو ایسے شخص کے متعلق حضرت مرزا صاحب نے وہی فتویٰ دیا ہے جو آپ کی تکفیر و تکذیب کرنے والوں اور آپ کو مفتری قرار دینے

(۳۰/۱) ہاں مرزا صاحب کی عبارتوں میں مرزا صاحب کے اوپر ایمان نہ لانے والوں کو خدا و رسول پر ایمان نہ رکھنے والا قرار دیا گیا۔ دیکھئے مرزا صاحب کا قول ہے:- ”علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳) اور ان کا الہام ہے:- ”جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہیگا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔“

والوں کے متعلق ہے۔ تو اس کا حوالہ دیجئے۔

(اشتہار معیار الاخیار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم ص۲۷ مجموعہ اشتہارات مرزا صاحب)

مرزا صاحب کے خلیفہ مرزا محمود احمد کا فتویٰ یہ ہے :-

"آپ (مرزا صاحب مسیح موعود) نے اس شخص کو جو آپ کو سچا جانتا ہی مگر مزید اطمینان کے لئے اس بیعت میں توقف کرتا ہے کافر ٹھیرایا ہے بلکہ اس کو بھی جو آپ کو دل میں سچا قرار دیتا ہے اور زبانی بھی آپ کا انکار نہیں کرتا لیکن ابھی بیعت میں اُسے کچھ توقف ہے کافر ٹھیرایا ہے۔" (ارشاد مرزا محمود احمد صاحب خلیفۂ قادیان مندرجہ تشحیذ الاذہان جلد ۶ نمبر ۴ - اپریل ۱۹۱۱ء) منقول از قادیانی مذہب ص۶۴۹ طبع پنجم۔

مرزا صاحب کا قول ہے :- "پس یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے اوپر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہیئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔" (اربعین ۳ ص۳۴) (مرزا صاحب سے) سوال ہوا کہ اگر کسی جگہ امام نماز حضور کے حالات سے واقف نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں یا نہ پڑھیں۔

حضرت مسیح موعود (یعنی مرزا صاحب) نے فرمایا کہ پہلے تمہارا فرض ہے اُسے واقف کرو پھر اگر تصدیق نہ کرے نہ تکذیب کرے تو وہ بھی منافق ہے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ (ملفوظاتِ احمدیہ حصہ چہارم ص۱۲۶) از قادیانی مذہب ص۶۶۳ طبع پنجم

(۳۱) کیا یہ درست نہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے بعض مخالف مولویوں نے بعض دوسرے مولویوں کے پاس پہنچ کر آپ کے خلاف فتویٰ حاصل کیا اور حضرت مرزا صاحب نے اپنی طرف سے فتویٰ دینے میں ابتدا نہیں کی۔

(۳۱) علمائے اسلام نے مرزا صاحب کے دعاوی باطلہ اور توہینِ انبیا اور تاویلات مردودہ کی بنا پر ان کے خلاف فتوے دیئے۔ مگر مرزا صاحب نے علما کے خلاف زہر افشانی اور سب و شتم بہت پہلے سے شروع کر رکھا تھا۔

(۳۲) کیا آپ شیخ الاسلام ابو العباس المعروف ابن تیمیہ کو جانتے ہیں؟ آپ کے نزدیک وہ کیسے عالم تھے؟ کیا آپ نے ان کی کتاب منہاج السنۃ جلد ۳ پڑھی ہے جس میں انھوں نے صـ ۶۱ و ۶۲ میں بیان کیا ہے کہ خوارج حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اور ان کی ساری جماعت کو کافر کہتے تھے مگر حضرت علی اور ان کی جماعت خارجیوں کو کافر نہیں کہتے تھے۔ اگر اس کا علم نہ ہو تو بتلا دیجئے کہ بطور امر واقعہ یہ درست ہے یا نہیں کہ حضرت علی اور ان کی جماعت خارجیوں کو کافر نہیں کہتے تھے۔

(۳۲) منہاج السنۃ میں نے پڑھی ہے مگر اس کا نسخہ اس وقت موجود نہیں ہے تاکہ حوالے کی صحت کی جانچ اور ان کی عبارت کا مطلب بیان کیا جاسکے۔

(۳۳) حضرت مرزا صاحب کے الہامات کے جو معنی اور تشریح آپ کرتے ہیں کیا حضرت مرزا صاحب بھی ان الہامات کے وہی معنی اور تشریح کرتے ہیں؟ یا ان معنوں اور تشریح کو جو آپ کرتے ہیں حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں رد کیا ہے؟

(۳۳) مرزا صاحب کے الہامات بہت ہیں اور ممکن ہے کہ بعض الہامات کے معنی و مطلب بیان کرنے میں مرزا صاحب اور دوسرے علما متفق ہوں۔ اور بعض الہامات ایسے بھی ہیں کہ خود مرزا صاحب بھی اس کے معنی سمجھنے سے قاصر رہے اور بعض الہامات کے معنی خود بدولت غلط سمجھے اور بعض الہامات کے معنی میں مرزا صاحب اور دوسرے علما آپس میں مختلف ہیں۔

(۳۴) حضرت مرزا صاحب سے پہلے جو اولیاء اللہ اس امت میں ہوئے ہیں کیا ان پر بھی اس وقت کے علما کی طرف سے اعتراضات ہوتے رہے ہیں یا نہ؟

(۳۴) بعض بزرگوں پر ان کے زمانے کے مخالفین نے اعتراضات کیے ہیں۔

(۳۵) کیا آپ کوئی حوالہ پیش کرسکتے ہیں جس میں حضرت مرزا صاحب نے اپنا یہ عقیدہ لکھا ہو کہ انبیا علیہم السلام صادق اور معصوم نہیں ہوتے۔

(۳۵) حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق مرزا صاحب نے صاف لکھا ہے کہ ان کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔ (دیکھو جواب ۱۹/۱)

(۳۶) حضرت مرزا صاحب سے پہلے جو مقبولان الہٰی اس

(۳۶) بعض بزرگوں کے متعلق تو ایسا ہوا ہے

امت میں گزرے ہیں کیا ان میں سے اکثر پر علمائے وقت کی طرف سے کفر کے فتوے نہیں لگائے جاتے رہے ؟

مگر یہ کلیہ نہیں کہ ہر بزرگ پر کفر کا فتویٰ لگا ہے۔ نیز کیا یہ قاعدہ الٹا نہیں ہو سکتا کہ کاذب اور جھوٹے مدعیانِ نبوت اور دجالوں کی تصدیق کرنے والے بھی ہوتے رہے ہیں اور آج بھی صریح کفر کے مرتکبین کی جماعتیں موجود ہیں۔

(۳۷) جن علما نے حضرت مرزا صاحب کے خلاف فتویٰ دیا ہے کیا وہ علما آپس میں ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے نہیں دیتے۔

(۳۷) اگر ایسا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب کے کفر پر مختلف العقائد علما بھی متفق ہیں۔

(۳۸) حضرت مرزا صاحب کے مخالف علما نے جو غلط عقائد حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کیے ہیں اُن کی تردید حضرت مرزا صاحب کی تصانیف میں موجود ہے یا نہیں ؟

(۳۸) غلط عقائد کونسے منسوب کیے ہیں ؟ اُن کی تفصیل بیان کرکے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ اُن کا رد مرزا صاحب کی کتابوں میں ہے یا نہیں ؟

(۳۹) واضح کیجئے کہ نبوتِ مطلقہ اور نبوتِ تشریعیہ سے آپ کی کیا مراد ہے ؟

(۳۹) نبوت اور رسالت کے اندر اصطلاحی فرق کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ نبی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ منصبِ نبوت عطا فرمائے، وحی والہام سے نوازے مگر کتاب عطا نہ ہو اور رسول وہ ہے کہ اس کو نبوت عطا ہو، وحی والہام سے نوازا جائے اور اس کو کتاب بھی عطا کی جائے۔ اگر نبوتِ تشریعیہ سے مراد رسالت ہو تو اس کی تعریف یہ ہوگی جو اوپر مذکور ہوئی اور اس کے مقابل محض نبوت کو نبوتِ مطلقہ کہہ دیا جائے تو یہ ایک اصطلاحی بات ہوگی۔ ورنہ نبوتِ حقیقیہ جو اللہ کی طرف سے ایک منصبِ عظیم ہے۔ اس میں حقیقۃً نبوتِ تشریعیہ اور نبوتِ مطلقہ یا غیر تشریعیہ کا کوئی فرق نہیں ہے۔

(۴۰) نبوتِ مطلقہ اور نبوتِ تشریعی کا دعویٰ جس کتاب میں حضرت مرزا صاحب نے کیا ہو

(۴۰) مرزا صاحب کا دعوائے نبوت ان کی کئی کتابوں میں صراحۃً موجود ہے۔ تتمہ حقیقۃ الوحی، اربعین، دافع البلاء وغیرہ۔

اس کا حوالہ دیجئے۔

"اور میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اُس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸)

"سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔" (دافع البلاء ص۱۱)

مرزا صاحب کا الہام۔ قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (ای مرسل من اللہ) (البشریٰ جلد دوم ص۵۶)

"ہلاک ہو گئے وہ لوگ جنھوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا۔ مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں۔ اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔" (کشتی نوح ص۵۶)

مرزا صاحب کا الہام ہے۔ انا ارسلنا احمد الی قومہ فاعرضوا وقالوا کذاب اشر۔" (اربعین ۳ ص۳۶)

(۴۱) کوئی ایسا حوالہ دیجئے کہ جس میں حضرت مرزا صاحب نے ختم نبوت کے منکر پر اس فتوے کے خلاف فتویٰ دیا ہو جو آپ کے خیال میں دعوے سے پہلے دیتے تھے۔

(۴۱) ختمِ نبوت کے منکرین کے بارے میں مرزا صاحب کی پہلی تحریریں یہ ہیں:۔

"کیا ایسا بدبخت منفری جو خود رسالت و نبوت کا دعویٰ کرتا ہے قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔" (انجام آتھم ص۲۷)

میں جناب خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختمِ نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔"

(اقرار مرزا صاحب تبلیغ رسالت جلد دوم ص۴۴)

"ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختمِ نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔"

(اشتہار مرزا صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ششم ص۲)

میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے۔ ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔ (اشتہار مرزا۔ تبلیغ رسالت جلد دوم ص۲)

اس کے بعد جب خود نبی بنے تو ختمِ نبوت کے معنی بدلنے لگے اور اپنی نبوت کا اعلان ہونے لگا۔ مثلاً "سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا" (دافع البلاء ص۱۱) "یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا ہے اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی امید بھی نہیں" (ضمیمہ براہین احمدیہ جلد پنجم ص۱۸۳)

"اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاتم الانبیا فرمایا گیا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ کے بعد دروازہ مکالمات و مخاطباتِ الٰہیہ کا بند ہے۔ اگر یہ معنی ہوتے تو یہ امت ایک لعنتی امت ہوتی جو شیطان کی طرح ہمیشہ سے خدا تعالیٰ سے دور و مہجور ہوتی" (ضمیمہ براہینِ احمدیہ پنجم ص۱۸۳)

یعنی منکرینِ ختم نبوت کو یا تو پہلے کافر اور کاذب اور ملعون اور دائرۂ اسلام سے خارج کہتے تھے یا اب خود ہی نبی اور رسول بن گئے اور ختمِ نبوت کے عقیدہ کو لعنتی قرار دے دیا۔

(۴۲) کوئی ایسا حوالہ دیجئے جس میں حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہو کہ میں معجزاتِ انبیا کا قائل نہیں ہوں۔

(۴۲) مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار ان الفاظ میں کیا ہے "حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ اور اس دن سے کہ آپ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اور ان کو حرامکار اور حرام کی اولاد ٹھیرایا اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کیا" (ضمیمہ انجام آتھم ص۶)

"اور یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے

بناکر اور ان میں پھونک مار کر انھیں سچ مچ کے جانور بنادیتا تھا۔ نہیں بلکہ صرف عمل الترب (یعنی مسمریزم) تھا جو روح کی قوت سے ترقی پذیر ہو گیا تھا۔" (ازالہ اوہام ص۳۲۲)

اسی طرح معجزہ شق القمر وغیرہ کا انکار بھی مرزا صاحب کی کتابوں میں موجود ہے۔

(۴۳) کیا یہ درست ہے یا نہیں کہ جن لوگوں نے حضرت مرزا صاحب پر الزام لگایا کہ آپ انبیا کے معجزات کا انکار کرتے ہیں آپ نے اپنی کتابوں میں ان کی تردید کی ؟

(۴۳) ہاں تردید بھی کرتے گئے اور خود انکار بھی کرتے رہے۔

(۴۴) باوجود اس اقرار کے کہ انبیاء علیہم السلام سے معجزات ظاہر ہوتے ہیں کسی شخص کا ایک خاص امر کی نسبت یہ کہنا کہ میرے نزدیک یہ معجزہ نہیں اور دوسرے کا اس خاص امر کے متعلق یہ کہنا کہ میرے نزدیک یہ معجزہ ہے۔ کیا ایسا بیان کفر ہے؟

(۴۴) اگر کوئی معجزہ متفق علیہا ہو تو اس کو معجزہ تسلیم نہ کرنا انکار ہی قرار دیا جائے گا۔

(۴۵) کیا یہ درست ہے کہ بعض علمانے یہ بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی فلاں آیت میں فلاں معجزے کا ذکر ہے اور دوسرے علمانے یہ بیان کیا ہے کہ ان آیات میں معجزے کا ذکر نہیں۔ گو اس بات میں ان کا اختلاف نہیں ہے کہ انبیا سے معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔

(۴۵) خاص حوالہ دے کر اتفاق یا اختلاف کا سوال کرنا چاہیئے۔

(۴۶) کیا یہ درست ہے کہ سرسید احمد خاں بانی علیگڑھ کالج معجزات کے قائل نہ تھے ؟

(۴۶) سرسید احمد خاں بہت سے معجزات کا انکار کرتے تھے۔

(۴۷) کیا یہ صحیح ہے کہ اجماع کی تعریف میں خود علمائے اسلام کا سخت اختلاف ہے ؟

(۴۷) اجماع کی تعریف میں، اس کے شرائط میں، اس کے احکام میں گو کچھ اختلاف ہے مگر

وہ ایسا اختلاف نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اجماع غیر معتبر ہوجائے۔ قول صحیح اور راجح کی تعیین دلائل سے ہوسکتی ہے اور جو قول صحیح اور راجح ہے اس کے موافق اجماع کو حجت اور دلیل قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۴۸) کیا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ ومن ادعی الاجماع ھو کاذب۔ جو شخص اجماع کا دعوی کرے وہ جھوٹا ہے۔

(۴۸) امام احمد بن حنبل کے اس قول کا حوالہ دیا جائے تو اس کے متعلق کچھ کہا جاسکتا ہے۔

(۴۹) اجماع امت کے حجۃ شرعیہ ہونے میں علمائے اسلام کا اختلاف ہے یا نہیں ؟

(۴۹) اجماع کی کئی قسمیں ہیں بعض قسموں کے حجت ہونے میں بیشک اختلاف ہے مگر اجماع قطعی کے حجت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۵۰) کیا آپ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر اجماع ہے ؟ اگر یہ درست ہے تو فرمایئے وہ لوگ جو شیعہ مذہب رکھتے ہیں اور حضرت ابوبکر کی خلافت کے منکر ہیں وہ مسلمان ہیں یا کافر ؟

(۵۰) ہاں خلافت صدیق پر اجماع ہے اور جو لوگ کہ خلافت صدیق کے منکر ہیں یعنی یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ ابوبکر صدیق پہلے خلیفہ ہوئے وہ نہ صرف دائرۂ اسلام سے خارج بلکہ جاہل اور قطعیات کے منکر ہیں۔

(۵۱) جو حکم اجماع امت کے منکر کا آپ بیان کرتے ہیں کیا اس حکم پر سب علمائے امت کا اتفاق ہے ؟

(۵۱) اجماع قطعی کے منکر کا حکم متفق علیہ ہے۔

(۵۲) آپ حضرت مرزا صاحب کا کوئی ایسا حوالہ پیش کریں جس میں انھوں نے لکھا ہو کہ میں اجماع امت کا کلی منکر ہوں۔

(۵۲) بعینہ اس عبارت کا کوئی حوالہ تو مجھے یاد نہیں مگر مرزا صاحب نے اجماعیات کا انکار کیا ہے۔

(۵۳) ایک فرقہ کے علما جو دوسرے فرقہ کے لوگوں کو کافر کہتے ہیں کیا باوجود ان کے دعوئ

(۵۳) تکفیر کے مختلف وجوہ ہیں۔ بعض صورتوں میں ارتداد کا حکم یقینی ہوتا ہے اور بعض میں ظنی اس لئے اس کے احکام بھی

اسلام کے ان کی عورتوں اور مردوں کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

مختلف ہیں۔

(۵۴) حضرت مرزا صاحب اور آپ کے متبعین اپنی کتابوں میں اللہ تعالیٰ پر فرشتوں پر اور خدا تعالیٰ کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور نبیوں پر اور قیامت پر اور تقدیر پر اور حشر و نشر اور جنت و دوزخ پر اور قرآن شریف اور آنحضرت صلعم محمد مصطفےٰ کی نبوت پر اور کلمہ شریفہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر اپنا ایمان ظاہر کرتے ہیں یا نہیں؟ اور اسی طرح نماز روزہ، حج، زکوٰۃ اور شریعتِ اسلامیہ کی پابندی کے متعلق حضرت مرزا صاحب کی اور آپ کے متبعین کی کتابوں میں ہدایات اور تاکیدات درج ہیں یا نہیں؟

(۵۴) ان چیزوں پر ایمان کا دعویٰ ان کی کتابوں میں ہے۔ مگر بعض ایمانیات کی صورتیں انھوں نے بدل دی ہیں اور بعض میں تحریف کر کے اُن کو مسخ کر دیا ہے۔

(۵۵) بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور آپ کی جماعت اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں یا نہیں؟

(۵۵) یہ لوگ اپنے مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔

(۵۶) آپ نے کسی سرکاری یونیورسٹی سے کوئی سند تحصیل علوم عربی کی حاصل کی ہے؟ اگر حاصل کی ہے تو کونسی؟ اور اس کی سند پیش کیجئے۔

(۵۶) میں نے کسی سرکاری یونیورسٹی سے کوئی سند حاصل نہیں کی۔

(۵۷) آپ کس فرقہ اسلام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں؟

(۵۷) میں اہل السنت والجماعت حنفی مسلمان ہوں۔

(۵۸) جس مدرسہ میں آپ مدرس ہیں وہ سرکاری ہے، یا پرائیویٹ؟

(۵۸) یہ مدرسہ سرکاری نہیں۔ قومی ہے۔

(۵۹) آپ ماہوار تنخواہ کیا لیتے ہیں؟

(۵۹) میں ۷۵ (پچھتر روپئے) ماہوار پاتا ہوں۔

(۶۰) کیا آپ کا تعلق دیوبندی جماعت سے نہیں ہے؟

(۶۰) ہاں میری تعلیم دارالعلوم دیوبند کی ہے۔

(۶۱) کیا دیوبندی خیالات کے لوگوں پر علماء کی کسی جماعت نے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا؟

(۶۱) اس جماعت کے بعض افراد کے خلاف بعض لوگوں نے کفر

کا فتویٰ دیا ہے مگر جن عقائد کی ان کی طرف نسبت کرکے کفر کا فتویٰ دیا ہے وہ درحقیقت ان کے عقائد نہیں ہیں غلط طور پر ان کی طرف منسوب کردیئے ہیں۔

(۶۲) مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے ہم خیال علماء دیوبندی خیالات کے علماء اور لوگوں کو کافر و مرتد سمجھتے ہیں یا نہ؟

(۶۲) بعض علماء نے ایسا کیا ہے۔

(۶۳) کیا دیوبندی خیال کے علماء نے مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے ہم خیال لوگوں پر کفر کا فتویٰ لگایا ہوا ہے یا نہ؟

(۶۳) تمام دیوبندی علماء مولوی احمد رضا خاں اور ان کی جماعت کی تکفیر نہیں کرتے۔

(۶۴) کیا یہ درست نہیں ہے کہ موٹے موٹے فرقہ ہائے اسلام مثلاً سُنی، شیعہ، اہلِ حدیث وغیرہ کے علماء نے ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگایا ہوا ہے یا نہ؟

(۶۴) کسی فرقہ کے بعض افراد نے دوسرے فرقہ کے بعض افراد پر مخصوص عقیدہ کی بنا پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

مکرر سوالات متعلقہ جرح

(۱) متعلقہ جرح ۴۲

اگر سوال نمبر ۴ کا جواب اثبات میں ہو تو یہ بتلائیں کہ

الف - یہود و نصاریٰ اور مشرکین اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور آسمانی کتابوں اور انبیائے کرام کے وجود کے قائل تھے یا نہ؟ اور اگر قائل تھے تو بایں ہمہ وہ از روئے قرآن مجید مسلمان ہیں یا کافر؟ اور اگر کافر ہیں تو کیوں؟

(۱) متعلقہ جرح ۴۲

(۱) الف - یہود و نصاریٰ اور مشرکین ان سب پر ایمان رکھتے ہوئے بھی اس لئے کافر ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور انہوں نے مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا یا حضرت عُزیر کو خدا کا بیٹا قرار دیا - یا غیر اللہ کی عبادت کی

ب - مرزا صاحب کی کتب ہائے ذیل دیکھ کر بتلائیں کہ ان میں عقیدہ ہائے ذیل درج ہیں یا نہ؟

توضیح[1] المرام طبع اول ص ۷ ’’ہم فرض کر سکتے ہیں کہ

ب -

یہ مضمون[1] توضیح المرام میں موجود ہے۔

قیوم العالمین ایک وجود اعظم ہے جس کے بیشمار ہاتھ اور بیشمار پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہیں کہ تعداد سے خارج اور لا انتہا عرض اور طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں۔

حقیقۃ[۲] الوحی باب ۳ ص ۱۰۳ "میں (خدا تعالیٰ) خطا بھی کروں گا اور صواب بھی۔ یعنی جو میں چاہوں گا کبھی کروں گا اور کبھی نہیں۔ میرا ارادہ پورا ہوگا اور کبھی نہیں۔

مرزا[۲] صاحب کا یہ الہام ان کی کتاب الاستفسار کے ص ۸۶ میں موجود ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے:۔ انی مع الرسول اجیب، اخطی واصیب یعنی خدا فرماتا ہے۔ میں رسول کے ساتھ ہوں قبول کرتا ہوں، خطا بھی کرتا ہوں اور صواب بھی۔ اور حقیقۃ الوحی ص ۱۰۳ میں ہے۔ انی مع الرسول اجیب اخطی واصیب۔ اور اس کا ترجمہ بین السطور میں اس طرح لکھا ہے "میں رسول کے ساتھ ہو کر جواب دوں گا۔ اپنے ارادے کو کبھی چھوڑ بھی دوں گا اور کبھی پورا کروں گا۔

حقیقۃ[۳] الوحی ص ۷۴ انت منی وانا منک "تو مجھ سے ظاہر ہوا اور میں تجھ سے"

یہ الہام[۳] الاستفسار کے ص ۸ میں موجود ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے۔ یا قمر یا شمس انت منی وانا منک۔ نیز دافع البلا کے صفحہ ۶ میں بھی یہ الہام موجود ہے مگر یا قمر یا شمس کے الفاظ نہیں ہیں اور حقیقۃ الوحی کے ص ۷۴ میں الاستفتا کی عبارت کے موافق موجود ہے۔

دافع[۴] البلا ص ۶ ۔ انت منی بمنزلۃ اولادی
ترجمہ اے مرزا تو میری اولاد کے بمنزلہ ہے۔
توضیح[۵] المرام ص ۲ طبع اول۔ فرشتے روح کی گرمی کا نام ہے۔

دافع[۴] البلا ص ۶ میں یہ الہام موجود ہے۔ انت منی بمنزلۃ اولادی اور یہ بھی ہے انت منی وانا منک۔
توضیح[۵] مرام کے ص ۲۴ میں یہ عبارت ہے "جب خدا تعالیٰ کی محبت کا شعلہ واقع ہو تو اس شعلہ سے جس قدر روح

میں گرمی پیدا ہوتی ہے اس کو سکینت و اطمینان اور کبھی فرشتہ و ملک کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔"

توضیح[۶] مرام ص۷۸۔ جبرئیل فرشتہ خدا کا عضو ہے۔

توضیح[۶] مرام کے ص۷۸ میں یہ عبارت ہے۔ "سو وہ وہی عضو ہے جس کو دوسرے لفظوں میں جبرئیل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔"

حقیقۃ[۷] الوحی ص۸۴ "قرآن مجید خدا کی کلام اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔"

الاستفتاء[۷] ص۸۲ پر موجود ہے۔ ان القرآن کتاب اللہ وکلمات خرجت من فوھی۔ اور حقیقۃ الوحی کے ص۸۴ میں یہ عبارت ہے " اس نشان کا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔"

ازالہ[۸] اوہام طبع قدیم ص۲۶ طبع جدید ص۱۱ "قرآن شریف سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے۔"

ازالہ[۸] اوہام میں یہ عبارت اس طرح ہے۔ "قرآن شریف جس آواز بلند سے سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے ایک غایت درجہ کا غبی اور سخت درجہ کا نادان بھی اس سے بے خبر نہیں رہ سکتا" نیز اسی میں کہا ہے " ایسا ہی ولید مغیرہ کی نسبت (قرآن نے) نہایت درجہ کے سخت الفاظ جو بصورت ظاہر گندی گالیاں معلوم ہوتی ہیں استعمال کیے ہیں۔"

ازالہ[۹] اوہام طبع سوم ص۱۲۶ و ۱۲۷ "حضرت مسیح علیہ السلام عمل الترب میں کمال رکھتے تھے یعنی مسمریزی طریق سے بطور لہو و لعب کے۔"

ہاں[۹] یہ مضمون ازالہ اوہام کے ص۱۲۶ و ۱۲۷ میں موجود ہے۔ اس کے آخر میں مرزا صاحب نے کہا ہے " اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا۔"

ازالہ[۱۰] اوہام ص۱۲۷ "معجزاتِ مسیح مکروہ اور قابلِ نفرت ہیں۔"

یہ اسی[۱۰] حوالہ کا خلاصہ ہے جو اوپر نمبر ۹ میں بیان ہوا۔

[11] دافع البلاء ص۱۵ "جس (مسیح) کے فتنہ نے دنیا کو تباہ کر دیا۔"

ہاں [11] دافع البلاء کے ص۱۵ میں یہ عبارت موجود ہے "لیکن ایسے شخص یعنی مسیح کو کسی طرح دوبارہ دنیا میں نہیں لا سکتا جس کے پہلے فتنہ نے ہی دنیا کو تباہ کر دیا ہے۔"

[12] دافع البلاء صفحہ آخر "عیسیٰ علیہ السلام نے یحییٰ کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی۔"

[12] دافع البلاء میں یہ مضمون موجود ہے "اور پھر یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یحییٰ کے ہاتھ پر جس کو عیسائی یوحنا کہتے ہیں جو پیچھے ایلیا بنایا گیا اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی۔"

[13] دافع البلاء ص۲۰ "میں اُس (عیسیٰ علیہ السلام) سے بڑھ کر ہوں۔"

[13] دافع البلاء ص۲۰ میں یہ مضمون موجود ہے عبارت یہ ہے :- "اب خدا بتلاتا ہے کہ دیکھو میں اس کا (یعنی مسیح کا) ثانی پیدا کروں گا جو اُس سے بھی بہتر ہے۔ جو غلام احمد ہے یعنی احمد کا غلام۔"

[14] ازالہ اوہام ص۴ "مسیح کی پیشگوئیاں اوروں سے زیادہ غلط نکلیں۔"

[14] ازالہ اوہام ص۴ میں یہ عبارت موجود ہے "حضرت مسیح کی پیشگوئیاں اوروں سے زیادہ غلط نکلیں۔" اور ص۳ میں ہے "اس سے زیادہ قابلِ افسوس یہ امر ہے کہ جس قدر حضرت مسیح کی پیشگوئیاں غلط نکلیں اس قدر صحیح نہیں نکل سکیں۔"

[15] حقیقۃ الوحی ص۸۹ "تیرا یعنی مرزا غلام احمد کا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔"

یہ [15] الہام عربی عبارت میں الاستفتا کے ص۸۳ پر موجود ہے۔ عبارت یہ ہے "ولکن سریرک وضع فوق کل سریر" ترجمہ "لیکن تیرا تخت ہر تخت سے اوپر رکھا گیا۔" اور حقیقۃ الوحی کے ص۸۹ میں بھی یہ لفظ ہیں "آسمان سے کئی تخت اُترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔"

[16] حاشیہ تحفہ گولڑویہ ص۱۱۲ "خدا نے آنحضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے چھپانے کے لئے ایک ذلیل جگہ تجویز کی جو متعفن اور حشرات الارض

ہاں [16] یہ عبارت تحفہ گولڑویہ سائز کلاں طبع ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۶۹ کے حاشیہ پر موجود ہے "اور خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھپانے کے لئے ایک ایسی ذلیل جگہ تجویز کی جو

کی نجاست کی جگہ تھی۔

ازالۂ اوہام طبع سوم صفحہ ۵۸ - خدا کے تائید یافتہ بندے قیامت کا روپ بن کر آتے ہیں اور انھیں کا وجود قیامت کے نام سے موسوم ہو سکتا ہے۔"

اگر عقیدہ ہائے مذکورۂ بالا کتب ہائے مذکورۂ بالا میں درج ہیں تو ایسے عقیدے رکھنے والا شخص مسلمان کہلا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کہلا سکتا تو کیوں؟ حالانکہ وہ خدا کے وجود اور فرشتوں کے اور قیامت کے وجود کا بھی قائل ہے۔

سب جواب قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ کے حوالہ سے دیویں۔

(۲) متعلقہ جرح نمبر ۵ و ۶

الف - مرزا صاحب نے ازالۂ اوہام صفحہ ۵۵۶ پر تواتر کو حجت تسلیم کیا ہے یا نہیں؟ اور کیا رسالہ عقائد احمدیت صفحہ ۱۲ پر مرزا صاحب کا یہ عقیدہ درج ہے کہ "سنت ایک عملی طریق ہے جو اپنے ساتھ تواتر رکھتا ہے جو آنحضرت نے جاری کیا اور یقینی مراتب میں قرآن شریف سے دوسرے درجہ پر ہے"۔

ب - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا عقیدہ آنحضور علیہ السلام کے عہد مبارک سے لے کر آج تک مروج ہے اور معمول خاص و عام چلا آتا ہے یا نہیں؟ اور کتب عقائد مذکور تواتر کی حد تک پہنچتا ہے یا نہیں؟

ج - عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے تواتر کے منکر کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

نہایت متعفن اور تنگ و تاریک اور حشرات الارض کی نجاست کی جگہ تھی۔"

ازالۂ اوہام صفحہ ۵۸ میں یہ عبارت موجود ہے۔

مرزا صاحب ان عبارتوں اور عقیدوں اور ان کے علاوہ اور بھی عقائد ایسے ہیں جن کی وجہ سے خارج از اسلام ہیں۔ اور کوئی شخص جو ان جیسے عقائد رکھتا ہو مسلمان نہیں رہ سکتا۔

(۲) متعلقہ جرح نمبر ۵ و ۶

الف - ہاں ازالۂ اوہام صفحہ ۲۳۳ طبع سوم پر مرزا صاحب نے تواتر کو حجت تسلیم کیا ہے۔ رسالہ عقائد احمدیت اس وقت موجود نہیں ہے۔

ب - حیات و نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک چلا آتا ہے۔ کتب عقائد میں بھی اس کو بیان کرتے ہوئے چلے آتے ہیں۔

ج - ایسا شخص جاہل اور معاند ہے اور اس کے لئے وہی فتویٰ ہو سکتا ہے جو مرزا صاحب

نے خود ازالۂ اوہام کے ص ۲۳ میں دیا ہے وہ یہ ہے :-
"اب اس قدر ثبوت پر پانی پھیرنا اور یہ کہنا کہ یہ تمام حدیثیں موضوع ہیں درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو خدا تعالیٰ نے بصیرت دینی اور حق شناسی سے کچھ بھی بخرہ اور حصہ نہیں دیا۔"

د - کیا وفاتِ مسیح کا عقیدہ بھی کتب عقائد میں درج ہو کر اس کی تعلیم دی جاتی ہے یا نہ ؟

د - وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ کتب عقائد میں مذکور نہیں اور نہ اس کی تعلیم دی جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا گئے۔

ہ - سر سید اور ابن حزم و سید رضا اور محمد طاہر گجراتی کے ذاتی خیالات و عقائد اجماع امت کے مقابلہ میں اسلام کے لئے حجت ہو سکتی ہے یا نہ ؟ اور مفسرین مذکورین مسلمانوں کے پیشوا معتمد علیہ ہیں یا نہیں ؟

ہ - سر سید احمد خاں اور ابن حزم اور سید (رشید) رضا اور محمد طاہر گجراتی کے ذاتی خیالات حجت شرعیہ نہیں۔

و - شیخ محمد عبدہٗ کی تفسیر اور کتاب محلّٰی مسلمانوں میں مروج اور مدارس اسلامیہ میں زیر تعلیم ہے یا نہ ؟

و - شیخ محمد عبدہٗ کی تفسیر اور کتاب محلّٰی یہاں مسلمانوں میں مروج نہیں نہ مدارسِ اسلامیہ میں داخلِ نصاب ہے۔

ز - مجمع البحار عقائد کی کتاب ہے یا لغت کی ؟ کتاب ہذا میں امام مالکؒ کے قول (مات عیسیٰ) کے کیا معنی کیے گئے ہیں ؟

ز - مجمع البحار لغات کی کتاب ہے۔ عقائد یا حدیث کی کتاب نہیں۔ احادیث کا ذکر لغات کے ضمن میں تبعاً آجاتا ہے۔ امام مالکؒ سے یہ قول ثابت نہیں اور یہ بھی ثابت نہیں کہ مالک سے امام مالک مراد ہیں یا اور کوئی۔

ح - کتاب مذکور ص۲۸۶ ج۱ میں تحریر ہے کہ "عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حدِ تواتر کو پہنچتا ہے۔"

ح - ہاں مجمع البحار ص۲۸۶ ج۱ میں یہ عبارت موجود ہے۔ لتواتر خبر النزول۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر متواتر ہونے کی جہت سے۔ نیز اسی کتاب کے

ط ۔قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور تواتر کے مقابلہ میں چند اشخاص کے خیالات درست عقیدہ قائم کرنے کے لئے حجت ہو سکتے ہیں؟

(۳) متعلقہ جرح ۷

الف ۔مرزا صاحب کا فتویٰ فتاویٰ احمدیہ ص۸۱ ج۲ میں تحریر ہے "(جنگ) جہاد کا فتویٰ فضول ہے۔ اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے" نیز رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد میں مرزا صاحب نے جہاد کو غیر ضروری قرار دیا ہے۔ کیا یہ عقیدہ قرآن شریف کے عقیدے کے موافق ہے یا برخلاف؟

(۴) متعلقہ جرح ۸ اے۔بی

الف ۔ازالہ اوہام ص۴۲۲ و ص۷۶۱ اور حمامۃ البشریٰ ص۹۶ کی عبارت پڑھ کر کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ختم نبوت کو تسلیم کیا یا نہیں؟ اور اپنی نبوت کی نفی کی یا نہیں؟

تکملہ کے ص۸۵ میں ہے ۔ بان یتزوج ویولد له وکان لم یتزوج قبل رفعه الی السماء (انتہی مختصراً) یعنی حضرت عیسیٰ نازل ہو کر نکاح کریں گے اور اولاد بھی ہوگی۔ کیونکہ آسمان پر جانے سے پہلے انھوں نے نکاح نہیں کیا تھا۔

ط ۔نہیں ہو سکتے۔

(۳) متعلقہ جرح ۷

الف ۔جہاد کے فضول ہونے کا عقیدہ جو مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے قرآن و حدیث اور اجماعِ امت کے خلاف ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مرزا صاحب نے شریعتِ محمدیہ کے ایک قطعی حکم کو منسوخ کر دیا جو صریح کفر ہے۔

(۴) متعلقہ جرح ۸ اے۔بی

الف ۔ازالہ اوہام ص۷۶۱ طبع سوم میں ہے "قرآن کریم بعد خاتم النبیین کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔ خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا۔ کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبرئیل ملتا ہے اور باب نزول جبرئیل بہ پیرایۂ وحی رسالت مسدود ہے۔ اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آوے مگر سلسلۂ وحی رسالت نہ ہو"

اور حمامۃ البشریٰ ص۹۶ پر لکھتے ہیں۔ وکیف یجیئ

نبی بعد رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم وقد انقطع الوحی بعد وفاتہ وختم اللہ بہ النبیین۔" یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی کس طرح آسکتا ہے حالانکہ حضورؐ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہوگئی اور حضورؐ پر اللہ نے انبیا کا سلسلہ ختم کردیا۔

ب۔ نزولِ مسیح ص۲ و تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۵ دیکھ کر بتلائیں کہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا یا نہیں؟ اور اگر کیا تو کیا یہ دعویٰ ختمِ نبوت کا عملاً و عمداً انکار ہے یا نہیں؟

ب۔ نمبر ۴۱ کے جواب میں مرزا صاحب کی وہ عبارتیں نقل کرچکا ہوں جن سے ان کا دعوائے نبوت ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ پہلے وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے تھے اور بعد میں انھوں نے ختمِ نبوت کا انکار کردیا بلکہ ختمِ نبوت کے عقیدے پر اعتراض جڑے اور اس کی ہنسی اڑائی۔

(۵) متعلقہ جرح ۹

الف۔ کیا چراغ دین ساکن جموں نے جو تبع شریعت محمدیہ ہونے کے علاوہ مرزا صاحب کا مرید بھی تھا۔ دعویٰ نبوت کا مرزا صاحب کے دائرۂ ارادت میں کیا۔ مرزا صاحب نے اس کے متعلق دافع البلا ص۲۱ پر لعنۃ اللہ علی الکافرین کا تمغہ عطا کرکے کفر کا فتویٰ دیا یا نہیں؟ اس کے علاوہ مختار ثقفی اور ابوالطیب متبنی وغیرہ نے دعوائے نبوت عہدِ اسلام میں آں حضورؐ کی پیروی کرتے ہوئے کیا۔ ان کی بابت شرع نے کیا حکم دیا اور ان کا کیا حشر ہوا؟

(۵) متعلقہ جرح ۹

الف۔ ہاں دافع البلاء میں چراغ دین کو مدعی رسالت ہونے کی بنا پر لعنۃ اللہ علی الکافرین کا حکم لگایا ہے اور اس کی رسالت کو ناپاک رسالت قرار دیا ہے۔ اسلام نے حضورؐ کے بعد ہر مدعی نبوت کو کاذب اور ملعون قرار دیا اور مدعیانِ نبوت میں سے اکثر ذلت اور خواری سے قتل کیے گئے۔

ب ۔ کیا قرآن مجید کے الفاظ خاتم النبیین (جس کا معنی مرزا صاحب نے ازالۂ اوہام ص ۶۱۵ طبع اول میں ختم کرنے والا نبیوں کا کیا ہے) کے متعلق قرآن مجید میں یہ بتلایا گیا ہے کہ بعض قسم کے نبیوں کی تعداد ختم ہو گئی ہے اور بعض قسم کی ختم نہیں ہوئی ۔ اگر یہ نہیں بتلائی گئی تو پیروی کرنے والے اور غیر پیروی کرنے والے ہر قسم کے نبیوں کی تعداد ختم مانی جائیگی یا نہیں ؟

ب ۔ مرزا صاحب نے ازالۂ اوہام ص ۶۱۴ میں خاتم النبیین کے معنی خود یوں کیے ہیں "ختم کرنے والا نبیوں کا" اس کی تشریح خود یوں بیان کی "یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا"

اس کے علاوہ ہم جواب ۲۱ کے ماتحت مرزا صاحب کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں انھوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مدعی نبوت و رسالت کو کاذب اور کافر قرار دیا ہے اور قرآن مجید کی آیت "خاتم النبیین" کا یہ مفہوم کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آسکتا مرزا صاحب نے اہل السنت والجماعت کا مسلم الثبوت عقیدہ تسلیم کیا ہے ۔ اور فی الحقیقت تمام امت محمدیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ نبوت بالکلیہ ختم ہو چکی ۔

ج ۔ کیا شیخ ابن عربی اور ملا علی قاری اور مولانا محمد قاسم اور مولانا عبدالحی اور شیخ محمد طاہر یا کسی اور معتبر عالم نے اپنی کسی کتاب میں یہ اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ آنحضور کے بعد نیا نبی پیدا ہوگا یا ہو سکتا ہے ۔ بشرطیکہ اعتقادی بات لکھی ہو ۔ نہ کہ فرضی یا شرعی ۔ نیز نبی کے ساتھ جدید کی صفت بھی ایزاد کی ہو نہ کہ پرانا ۔

ج ۔ ان بزرگوں نے اور کسی معتبر عالم نے یہ نہیں لکھا کہ حضور کے بعد کسی کو منصب نبوت عطا ہوگا اور کوئی نبی بن کر مبعوث ہو سکے گا ۔

د ۔ مجمع البحار ص ۸۵ پر درج ہے یا نہیں کہ آنحضور کے بعد نبی کے آنے سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے ۔

د ۔ تکملہ مجمع البحار ص ۸۵ میں ہے ، "وھذا ناظر الی نزول عیسیٰ" یعنی حضور کے بعد جو نبی آنے والا ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو نازل ہوں گے اور وہ حضور کی بعثت سے قبل کے

۵- کیا رسالہ عقائد احمدیہ صـــ۱۴ میں مرزا صاحب کا اصول درج ہے کہ جو حدیث قرآن مجید اور صحیح بخاری کے مخالف ہو وہ قبول کے لائق نہیں" کیا اصولِ مذکورہ کے مطابق حدیث مندرجہ سوال بوجہ مخالفت آیت قرآن (خاتم النبیین) اور حدیث صحیح بخاری صـــ۵۸ جلد۲ مطبوعہ مصر اور سا ابن ماجہ (لوقضی ان یکون بعد محمد نبی لعاش ابنہ ولکن لا نبی بعدہ) کے قابلِ رد ہے یا نہیں؟ و نیز حدیث مندرجہ سوال کے متعلق حاشیہ ابن ماجہ میں مرقوم ہے کہ حدیث مندرجہ سوالِ جرح کا راوی متروک ہے۔ (قابل قبول نہیں) اور کیا جس طرح آیت ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین توحیدِ باری تعالیٰ و الفاظِ سورۂ اخلاص لم یلد کے منافی نہیں۔ اسی طرح حدیث

نبی ہیں۔ یعنی حضورؐ کی بعثت کے بعد ان کو منصب نبوت عطا نہیں ہوگا۔

۵- کتاب عقائد احمدیت تو موجود نہیں۔ مگر یہ اصول مرزا صاحب نے کئی کتابوں میں لکھا ہے۔ مثلاً حمامۃ البشریٰ مترجم صـــ۳۴ میں لکھتے ہیں:- "و لا اظن احدا من العالمین، العاملین المتقین ان یقدم غیر القرآن علی القرآن او یضع القرآن تحت حدیث مع وجود التعارض بینهما و یرضیٰ له ان یتبع احاد الآثار و یترک بینات القرآن" یعنی میں تو کسی عالم باعمل پر بدگمانی نہیں کر سکتا کہ وہ غیر قرآن کو قرآن پر مقدم کرے۔ اور باوجود تعارض کے قرآن کو حدیث کے قدموں کے نیچے ڈال دے اور اپنے لئے پسند کرے کہ اُن آثار کا متبع ہو کر جو آحاد ہیں قرآن کے بینات کو ترک کرے" پس اس قاعدہ کے ماتحت حدیث لو قضی ان یکون بعد محمد نبی لعاش ابنہ۔ صحیح اور درست ہے۔ اور لو عاش کان نبیا والی روایت ناقابلِ اعتماد ہے۔

کتاب تمییز الطیب من الخبیث میں حدیث لو عاش ابراهیم لکان نبیاً کے متعلق لکھا ہے۔ قال النووی فی تهذیبه هذا الحدیث باطل یعنی امام نووی نے اپنی کتاب "تہذیب" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے۔

الغرض حدیث لو عاش ابراهیم لکان صدیقا نبیا اول تو صحیح نہیں اور بفرضِ صحت اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی ہو سکتا ہے۔ آیت خاتم النبیین قطعی ہے اور ختم نبوت کا مسئلہ اجماعی مسئلہ ہے مرزا صاحب نے خود اسی مضمون کو اپنی پہلی کتابوں میں تسلیم کیا ہے کہ "تمام اہل السنت والجماعت کا مسئلۃ النبوت عقیدہ یہی ہے" وہ حمامۃ البشریٰ مترجم صـــ۶۸ میں لکھتے ہیں:-

وکیف یجئ نبی بعد رسولنا صلی الله علیه وسلم وقد انقطعت

مندرجہ سوال بفرض صحت ختم رسالت کے منافی نہیں یا ہے؟

الوحی بعد وفاتہ وختم اللہ بہ النبیین۔ یعنی اور آنحضرت کے بعد کوئی نبی کیونکر آوے حالانکہ آپ کی وفات کے بعد وحی نبوت منقطع ہوگئی ہے اور آپ کے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا ہے"۔

اس سے پہلے لکھ چکے ہیں (صـ۶۶ حمامۃ البشری مترجم) الا تعلم ان الرب الرحیم المتفضل سمی نبیا صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء بغیر استثناء وفسرہ نبینا فی قولہ لا نبی بعدی ببیان واضح للطالبین ولو جوزنا ظھور نبی بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم لجوزنا انفتاح باب وحی النبوۃ بعد تغلیقھا وھذا خلف، کما لا یخفی علی المسلمین۔ یعنی کیا تو نہیں جانتا کہ اس محسن رب نے ہمارے نبی کا نام خاتم الانبیاء رکھا ہے اور کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ اور آنحضرت نے طالبوں کے لئے بیان واضح سے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور اگر ہم آنحضرت کے بعد کسی نبی کا ظہور جائز رکھیں تو لازم آتا ہے کہ وحی نبوت کے دروازے کا انفتاح بھی بند ہونے کے بعد جائز خیال کریں اور یہ باطل ہے۔ جیسا کہ مسلمانوں پر پوشیدہ نہیں

اِن عبارتوں سے مرزا صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی حتیٰ کہ عیسیٰ بن مریم بھی نہیں آسکتے کیونکہ یہ خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کے خلاف ہے"۔ اور اس میں صاف اقرار ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد وحی نبوت بند ہو چکی اور اب اس کا دروازہ کھلنا محال اور باطل ہے۔

(۵) متعلقہ جرح عـ۵

اگر کوئی شخص کسی عالم یا محدث کو دنیا کا آخری عالم یا آخری محدث بنائے اس کا یہ کہنا اپنی دانست کے مطابق اور اپنی معلومات

(۵) متعلقہ جرح عـ۵

میں جواب عـ۲ میں بیان کر چکا ہوں کہ ہمارا کسی کو خاتم المحدثین یا خاتم الفقہا کہنا مبالغہ کی جہت سے ہوتا ہے نہ کہ حقیقت کے لحاظ سے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب خاتم الانبیا یا خاتم النبیین حقیقت پر مبنی ہے۔ اس کو مبالغہ پر حمل نہیں کر سکتے۔

کی بنا پر ہوگا یا خدا کے علم کے مطابق کہا ہوگا۔
اور کیا قرآن مجید میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اور لوگوں کے ایسے الفاظ بولنے سے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے قانون مقرر کردہ میں کچھ فرق آجائے گا یا نہ؟

(۶) متعلقہ جرح ۱۳

حقیقۃ الوحی صہ ۸۹ دیکھ کر بتلائیں کہ مرزا صاحب نے اس میں لکھا ہے یا نہیں؟ کہ "آسمان سے کئی تخت اُترے پر تیرا تخت (یعنی مرزا صاحب کا) سب سے اوپر بچھایا گیا ہے۔"
نیز تتمہ حقیقۃ الوحی صہ ۱۳۶ میں لکھا ہے یا نہیں کہ "میرے معجزات اس قدر ہیں کہ بہت کم نبی ایسے آئے جنھوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں۔"
اور نزول المسیح صہ ۹۹ میں لکھا ہے یا نہیں:۔

آدمم نیز احمدِ مختار
در برم جامہ ہمہ ابرار
کم نہ ام زاں ہمہ بروئے یقین
ہر کہ گوید دروغ ہست لعین

اور تحفہ گولڑویہ خورد صہ ۶۳ پر مرزا صاحب نے یہ تحریر کیا ہے کہ "آنحضور کے تین ہزار معجزات تھے۔"
اور براہین احمدیہ جلد پنجم صہ ۵۶ پر یہ تحریر ہے

(۶) متعلقہ جرح ۱۳

مرزا صاحب کے یہ اقوال میں اوپر بھی بتا چکا ہوں اور مزید حوالے بھی اب بتاتا ہوں:۔
"آسمان سے کئی تخت اُترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔" (حقیقۃ الوحی صہ ۸۹) نزلت سرر من السماء ولکن سریرک وضع فوق کل سریر۔ (الاستفتاء صہ ۸۳) یعنی آسمان سے کئی تخت اُترے لیکن تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔ "خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنھوں نے اس قدر معجزات دکھلائے ہوں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صہ ۱۳۶)
نزول المسیح صہ ۹۹ میں یہ شعر موجود ہیں اور تحفہ گولڑویہ سائز کلاں کے صہ ۴۰ میں یہ مضمون ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہزار معجزات ظہور میں آئے۔" اور براہین احمدیہ پنجم صہ ۵۶ پر یہ مضمون ہے:۔
"ان چند سطروں میں جو پیش گوئیاں ہیں وہ اس قدر نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے۔ اور نشان بھی ایسے ایسے کھلے کھلے ہیں جو اول درجہ پر خارق عادت ہیں۔" اور

کہ "مرزا صاحب کی نشانیاں اور معجزات دس لاکھ سے زیادہ ہیں"

کیا عبارات مندرجہ بالا سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ مرزا صاحب تمام انبیا سے افضل ہیں؟

(۷) متعلقہ جرح ۱۷ و ۱۸

یہ جرح متعلق بمقدمہ ہذا نہیں ہے اور نہ گواہ سے تعلق رکھتا ہے۔

(۸) متعلقہ جرح ۱۹

یہ جرح بھی غیر متعلق ہے۔ فریق مقدمہ میں سے کوئی شیعہ نہیں ہے۔

(۹) متعلقہ جرح ۱۹/۱

کیا ایک شخص باوجود کسی کے دعوئ محبت کرنے کے اس کی توہین کر سکتا ہے یا نہ؟۔ مرزا صاحب نے آپ کے علم میں عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے یا نہ؟ کیا مرزا صاحب نے دافع البلاء ص۲۰ میں یہ تحریر کیا ہے کہ:-

حقیقۃ الوحی ص۱۹۶ پر لکھتے ہیں کہ میری تائید میں اس نے (خدا نے) وہ نشان ظاہر فرمائے ہیں کہ آج کی تاریخ سے جو ۱۶ جولائی ۱۹۰۶ء ہے اگر میں ان کو فرداً فرداً شمار کروں تو میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں"

ان عبارتوں سے اور نیز ان عبارتوں سے جو ہم نے سوال ۱۳ کے جواب میں لکھوائی ہیں یہ بات آفتاب کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ مرزا صاحب تمام انبیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ حضور کی روحانیت کو ہلال اور اپنی روحانیت کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دیتے تھے۔

(۷) متعلقہ جرح ۱۷ و ۱۸

×

(۸) متعلقہ جرح ۱۹

×

(۹) متعلقہ جرح ۱۹/۱

بہت سے دعوئ محبت کرنے والے بھی توہین کرتے ہیں خصوصاً جبکہ یہ دعویٰ صدق و اخلاص پر مبنی نہ ہو۔ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے جیسا کہ ہم سوال ۱۹ کے جواب میں لکھوا چکے ہیں۔ دافع البلاء ص۲۰ میں یہ شعر موجود ہے:- ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو :: اس سے بہتر غلام احمد ہے

"ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو، اس سے بہتر غلام احمد ہے" اور کیا منافق لوگ دعوئ ایمان کے باوجود آں حضور صلعم کی شان میں توہین کے الفاظ استعمال کرتے تھے یا نہیں؟ اور کیا مرزا صاحب نے کشتیٔ نوح کے صـ۳۶ و ۳۷ پر حضرت عیسیٰ کی عزت کا دم بھر کے ان کی والدۂ ماجدہ پر ناپاک اتہام لگایا ہے کہ انھوں نے حمل کی حالت میں نکاح کیا تھا۔ اس کی مخصوصیت کے متعلق قرآن میں کیا ذکر ہے؟

(۱۰) متعلقہ جرح عـ۲۰

اگر زید یہ دعویٰ کرے کہ میں انگلستان کے بادشاہ کا مثیل ہوں یا درحقیقت شاہِ انگلستان ہوں۔ کیا یہ شاہِ انگلستان کی توہین نہیں۔ کیا مرزا صاحب مثیلِ مسیح کا دعویٰ ترک کرکے خود مسیحِ موعود بنے یا نہیں؟ اس کے متعلق ازالۂ اوہام صـ۱۹۰ طبع اول و نزولِ مسیح صـ۴۸ اور دافع البلا صـ۱۳ کا ملاحظہ کرکے جواب دیں۔ مثیل مسیح موعود اور خود مسیح موعود میں فرق بتلاویں۔

(۱۱) متعلقہ جرح عـ۲۱

کیا کسی مخالفت کی وجہ سے کسی معزز کی

نیز اسی دافع البلا صـ۲۰ پر ہے "اور اگر تجربہ کی رو سے خدا کی تائید مسیح بن مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو تو میں جھوٹا ہوں"

اور ازالۃ الاوہام صـ۱۵۸ پر ہے:۔

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم
عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بہ منبرم

(۱۰) متعلقہ جرح عـ۲۰

ہم سوال عـ۲۰ کے جواب میں لکھوا چکے ہیں کہ مرزا صاحب نہ صرف مثیل مسیح بنے بلکہ وہ تمام انبیا کے مثیل بنے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز بن گئے، یہاں تک کہ پکار اٹھے:۔ من فرق بینی وبین المصطفیٰ فما عرفنی وما رانی (خطبۂ الہامیہ صـ۱۷۱) یعنی جو شخص مجھ میں اور مصطفیٰ میں تفریق کرتا ہے اس نے مجھ کو نہ دیکھا اور نہ پہچانا" اور ایک جگہ لکھتے ہیں "میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یعنی بروزی طور پر" (تتمۂ حقیقۃ الوحی صـ۸۵) غرضکہ مثیل مسیح موعود سے ترقی کرکے مسیح موعود بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز بن گئے بلکہ حضورؐ سے افضلیت کا دعویٰ کردیا۔ اور اس سے بڑھ کر انبیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور کیا ہوگی۔

(۱۱) متعلقہ جرح عـ۲۱

الزامی رنگ میں بھی ایسا جواب نہیں دیا جاسکتا جس سے کسی

توہین کرنا درست ہے یا نہ ؟ کیا قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں ہے کہ "کسی قوم کی دشمنی تمہیں مجرم نہ بنادے" کیا مرزا صاحب نے ضمیمۂ انجام آتھم ص۷ میں لکھا ہے کہ آپ کا یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا خاندان بھی نہایت ناپاک ہے۔ تین دادیاں، نانیاں زناکار کسبیاں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا" نیز صفحہ ۵ میں لکھا ہے کہ "آپ کو یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو جھوٹ بولنے کی بھی کسی قدر عادت تھی اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی"

(۱۲) متعلق جرح ۲۲ تا ۲۶

کیا مولوی رحمت اللہ یا مولوی آل حسن اور مولوی جامی معصوم تھے؟ ان کے اقوال کسی مذہب کے لئے حجت ہو سکتے ہیں؟ اور کیا مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا؟ اور نزول مسیح ص۴ میں لکھا ہے کہ جو میرے مخالف تھے ان کا نام بجائے یہودی مشرک رکھا گیا ہے۔ اور اگر مولوی رحمت اللہ یا مولوی آل حسن یا کوئی مولوی کسی نبی کی توہین کرے تو مسلمان رہ سکتا ہے یا نہ؟

(۱۳) متعلقہ جرح ۲۷ تا ۳۰

کیا مرزا صاحب نے دیباچہ براہین احمدیہ ص۱۵ میں تحریر کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص آں حضور کو کثیف کہے وہ بدکار ہے۔ اور پھر ازالۂ اوہام ص۴۷ طبع اول میں تحریر کیا ہے کہ "معراج اس جسم کثیف

معزز نبی یا ولی کی توہین ہوتی ہو۔ خود مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ "ایسا کرنا سفاہت اور جہالت ہے کچھ تعجب نہیں کہ کسی نادان بے تمیز نے سفیہانہ بات کے جواب میں سفیہانہ بات کہہ دی ہو۔ جیسا کہ بعض جاہل مسلمان کسی عیسائی کی بدزبانی کے مقابل پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کچھ سخت الفاظ کہہ دیتے ہیں" (تبلیغ رسالت جلد دہم ص۱۰۲)

(۱۲) متعلق جرح ۲۲ تا ۲۶

مولوی رحمت اللہ، مولوی آل حسن اور مولانا جامی معصوم نہیں تھے۔ نہ ان کے اقوال حجت ہو سکتے ہیں۔ مرزا صاحب نے یقیناً دعوائے نبوت کیا۔ اور نزول المسیح ص۴ میں یہ عبارت موجود ہے۔

اگر خدانخواستہ یہ لوگ بھی کسی نبی کی توہین کرتے تو یہ بھی مسلمان نہیں رہ سکتے تھے۔

(۱۳) متعلق جرح ۲۵ تا ۳۰

ہاں دیباچہ براہین کے صفحہ ۱۵ میں یہ شعر ہے:

لعل تاباں را اگر گوئی کثیف ؛ زیں چہ کاہد قدر روشن جوہرے

طعنہ بر پاکاں نہ بر پاکاں بود ؛ خود کنی ثابت کہ ہستی فاجرے

اور ازالۂ اوہام ص۴۷ کے حاشیہ میں یہ عبارت موجود

کے ساتھ نہیں ہوا" اور ازالہ اوہام ص۶۹۱ طبع اول میں لکھا ہے کہ " آنحضور سرور کائنات کو حقیقت دجال وغیرہ کی پوری معلوم نہ ہوئی تھی "۔ نیز صفحہ ۳۴۶ میں لکھا ہے کہ ابن مسعود ایک معمولی آدمی تھا" اور ازالہ اوہام ص۶۲۹ پر لکھا ہے کہ "چار سو نبی کی پیشگوئی غلط نکلی" کیا یہ اندراجات نبی کریم اور دیگر انبیائے کرام کی توہین کے محتمل ہیں ؟

(۱۴) متعلق جرح ص۳۰

کیا مرزا صاحب نے آئینہ کمالات ص۵۴۷ میں لکھا ہے کہ "ہر مسلم مجھے قبول کرتا ہے مگر کنجریوں کی اولاد نہیں قبول کرتی "۔ انجام آتھم ص۲۶۸ میں لکھا ہے کہ " منکر کتے اور کتے کے بچے ہیں " اور کیا حقیقۃ الوحی ص۱۶۳ میں لکھا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے "۔

ہے " سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا" اور ازالہ اوہام ص۶۹۱ میں یہ عبارت موجود ہے:۔ "اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونے کے موبمو منکشف نہ ہوئی ہو (الی قولہ) تو کچھ تعجب کی بات نہیں "۔ اور ازالہ اوہام ص۷۲۶ میں لکھا ہے کہ "ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اس کی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے اور بادشاہ کو شکست آئی الخ "۔ یہ عبارتیں یقیناً توہین ضمنی یا توہین صریح میں داخل ہیں "۔

(۱۴) متعلق جرح ص۳۰

ہاں آئینہ کمالات اسلام کے ص۵۳۴ میں یہ عبارت ہے:۔ "تلك كتب ينظر اليها كل مسلم بعين المحبة والمودة وينتفع من معارفها ويقبلني ويصدق دعوتي الا ذرية البغايا الذين ختم الله على قلوبهم فهم لا يقبلون " ترجمہ۔ یہ کتابیں ہیں جن کو ہر مسلمان محبت اور دوستی کی نظر سے دیکھتا اور ان کے معارف سے فائدہ اٹھاتا ہے اور مجھے قبول کرتا اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے ، مگر کنجریوں کی اولاد جن کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے وہ قبول نہیں کرتے "۔ نیز الاستفتا کے ص۹ میں ہے۔ من انكر الحق المبين فانه كلب وعقب الكلب سوبضراء " یعنی جو کھلے ہوئے حق کا انکار کرے وہ کتا اور کتے کی اولاد ہے " الخ۔ نیز اسی قصیدہ میں ص۱۰ پر ہے :۔

(۱۵) متعلقہ جرح ۳۱ و ۳۲
سوال ۳۱ و ۳۲ غیر متعلق مقدمہ ہے۔

(۱۶) متعلقہ جرح ۳۳
کیا مرزا صاحب کے الہامات بھی ہیں جن کی تشریح مرزا صاحب نے خود کی اور بعد میں اس تشریح سے منحرف ہوگئے۔ کیا مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص ۳۲۷ طبع اول میں احمد بیگ کی لڑکی کا نکاح اپنے ساتھ ہونے کی بابت پیش گوئی کی اور الہام مفصل و مشرح درج کیا اور پھر اُس تشریح کے پابند رہے۔ کیا مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی ص ۳۳۹ میں صاف الفاظ لکھے ہیں کہ "پہلے میرا نام مریم رکھا گیا اور ایک مدت تک میرا نام خدا کے نزدیک یہی رہا"۔

اذیتنی خبثا فلست بصادق ان لم تمت بالخزی یا ابن بغاء

یعنی اپنے ایک منکر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تو نے مجھے ستایا ہے اپنی خباثت سے تو میں سچا نہ ہوں گا اگر تو ذلت سے نہ مرا اے کنجری بچے یا اے حرام زادے نیز حقیقۃ الوحی کے ص ۱۶۳ میں مرزا صاحب کا یہ قول موجود ہے "ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے"۔

(۱۶) متعلقہ جرح ۳۳

ہاں ایسے الہام ہیں۔ ازالہ اوہام ص ۳۹۶ میں یہ الہام درج ہے :۔ "خدا تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد مرزا گاماں بیگ ہشیار پوری کی دختر کلاں انجام کار تمہارے نکاح میں آئیگی اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے اور کوشش کرینگے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہوگا۔ اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا، باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے اور ہر ایک روک کو درمیان سے اٹھادے گا اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا، کوئی نہیں جو اس کو روک سکے"۔

پھر دوسرا الہام تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۸۵ پر یہ ہے۔ ویستئلونک احق ھو قل ای وربی انہ لحق وما انتم بمعجزین زوجناکھا لا مبدل لکلماتہ۔ ترجمہ۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے۔ کہہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ یہ سچ ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے خود اس سے (محمدی بیگم سے) تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔ میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا"۔

اور ص۷۶ پر یہ الہام درج ہے کہ:۔ "یا مریم اسکن انت وزوجک الجنۃ۔ اے مریم تو اور تیرے دوست جنت میں داخل ہوں" اور کشتی نوح طبع جدید ص۹۵ میں لکھا ہے کہ "وضع حمل روحانی ہوا"

کیا مرزا صاحب بعد میں ایسے الہامات پر قائم رہے؟ اور کیا حقیقۃ الوحی ص۱۰۵ میں یہ الہام درج ہے کہ "انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول له کن فیکون۔ تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فوراً ہو جاتا ہے" اور ص۲۵۵ پر لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے سرخی سے دستخط کر دیئے اور چھینٹیں بھی پڑیں" اور کتاب البریہ و آئینہ کمالات میں مفصل لکھا ہے کہ "میں خود خدا ہوں" کیا ایسے الہامات کے متعلق مرزا صاحب کا اعتقاد رکھتے ہیں؟

پھر جب محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ ہو گیا تو مرزا صاحب کو دوسری طرح الہام ہونے لگے۔ انجام آتھم ص۲۱۶ میں ان کا یہ الہام ہے:۔

فسیکفیکہم اللہ ویردھا الیک لا تبدیل لکلمات اللہ۔ ترجمہ بین السطور۔ "وبرائے تو ایں ہمہ راکفایت خواہم شد وآں زن راکہ زن احمد بیگ را دختر است باز بسوئے تو خواہم آورد"

اسی طرح ایک اور الہام انجام آتھم ص۲۲۳ میں درج ہے۔ بل الامر قائم علی حالہ ولا یردہ احد باحتیالہ والقدر قدر مبرم من عند الرب العظیم۔ ترجمہ بین السطور۔ بلکہ اصل امر برحال خود قائم است و ہیچ کس باحیلہ خود اورا رد نتواند کرد وایں تقدیر از خدائے بزرگ تقدیر مبرم است"

ان الہاموں کے باوجود مرزا صاحب مر گئے اور محمدی بیگم اپنے شوہر کے پاس رہی۔ یہ سارے الہام غلط اور جھوٹے نکلے۔

حقیقۃ الوحی ص۳۳۹ میں یہ درج ہے کہ (خدا نے) "پہلے میرا نام مریم رکھا اور ایک مدت تک میرا نام خدا کے نزدیک یہی رہا" اور ص۷۹ پر پھر یہ الہام بھی درج ہے۔ "یا مریم اسکن انت وزوجک الجنۃ" اور پھر مرزا صاحب نے کشتی نوح ص۴۹ میں وضع حمل روحانی کا ذکر کیا ہے اور ص۴۷ پر یہ عبارت درج ہے:۔ "مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھیرایا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصہ چہارم ص۵۵۶ میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھیرا"

حقیقۃ الوحی کے ص۱۰۵ اور الاستفتا کے ص۸۶ پر یہ الہام درج ہے:۔

"انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول له کن فیکون" اور

حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۵ پر درج ہے:۔ "اور اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تامل کے سُرخی کے قلم سے اس پر دستخط کیے۔ اور دستخط کرنے کے وقت قلم کو چھڑ کا جیساکہ جب قلم پر زیادہ سیاہی آجاتی ہے تو اسی طرح پر جھاڑ دیتے ہیں۔ اور پھر دستخط کردیئے اور میرے پر اس وقت نہایت رقّت کا عالم تھا۔ (الی قولہ) سرخی کے قطرے میرے کرتے اور اس کی ٹوپی پر بھی گرے "۔

مرزا صاحب اپنی وحی اور الہام پر ایسا ہی ایمان رکھتے تھے جیساکہ قرآن پر۔ ان کا قول ہے "میں خدا تعالیٰ کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیساکہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر۔ اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں، اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے خدا کا کلام یقین کرتا ہوں"۔
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۱)

دوسری جگہ کہتے ہیں "میں خدا تعالیٰ کے ان الہامات پر جو مجھے ہو رہے ہیں ایسا ہی ایمان رکھتا ہوں جیساکہ توریت اور انجیل اور قرآن مقدس پر ایمان رکھتا ہوں"۔
(تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۶۴)

ایک اور جگہ لکھا ہے "مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیساکہ توریت اور انجیل اور قرآن کریم پر"۔ (اربعین چہارم صفحہ ۲۵)

ان حوالہ جات سے صاف ثابت ہے کہ مرزا صاحب اپنے الہاموں کو یقینی اور قطعی سمجھتے تھے اور قرآن کی طرح اُن پر ایمان رکھتے تھے۔

(۱۷) متعلق جرح ۳۵

(۱۷) متعلق جرح ۳۵

کیا مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۰ پر لکھا ہے کہ آنحضور نے بھی پیش گوئیوں کے سمجھنے میں غلطی

ہاں ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۶۵ میں لکھا ہے "بعض پیش گوئیوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اقرار کیا ہے کہ میں نے ان کی اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی ہے"۔ نیز یہ بھی لکھا ہے "ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اس کی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے"۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۵۷)

کھائی۔ ص۶۲۹ میں لکھا ہے کہ چار سو نبیوں نے پیشگوئیاں کیں اور جھوٹے نکلے اور ص۸ میں تحریر ہے کہ مسیح کی پیشگوئیاں اوروں سے بھی زیادہ غلط نکلیں۔

کیا مرزا صاحب نے کشتئ نوح ص۵ میں لکھا ہے کہ قرآن شریف بلکہ توراۃ کے بعض صحیفوں میں یہ چیز موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔ کیا مرزا نے یہ حوالہ نہیں دیا ہے؟

کیا مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص۷۷ میں یہ خواب درج کیا ہے کہ تین شہروں کا نام قرآن شریف میں اعزاز کے ساتھ درج ہے۔ مکہ، مدینہ، قادیان۔ کیا یہ حوالہ وخواب سچا ہے یا جھوٹا؟۔

کیا مرزا صاحب نے البشریٰ وغیرہ میں یہ الہام درج کیا ہے کہ ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں۔ کیا یہ الہام سچا ہے؟

کیا مرزا صاحب نے براہین احمدیہ ص۵۰۵ میں لکھا ہے کہ "عیسیٰ علیہ السلام بحالتِ زندگی آسمان سے نازل ہوں گے" اور پھر ازالہ اوہام ص۱۹۷ بار سوم پر لکھا ہے کہ "عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو کر وطن گلیل میں دفن ہوئے" اور ست بچن ص۲۳ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام

اور لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی پیشگوئیاں اوروں سے زیادہ غلط نکلیں" (ازالہ اوہام ص۴۲) یہ تمام مرزا صاحب کا افترا اور اتہام ہے جو نبیوں پر باندھا گیا ہے۔

مرزا صاحب نے کشتئ نوح کے ص۵ پر لکھا ہے۔ "قرآن شریف میں بلکہ توریت کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی" حالانکہ یہ قرآن پر بہتان ہے اور نرا جھوٹ ہے۔

مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص۳۲ پر اپنا یہ کشف لکھا ہے کہ "اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے۔ مکہ اور مدینہ اور قادیان" اور ظاہر ہے کہ یہ کشف جھوٹا ہے۔ قرآن شریف میں حقیقۃً قادیان کا نام نہیں۔ کتاب البشریٰ ص۱۰۵ میں مرزا صاحب کا یہ الہام درج ہے "ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں" حالانکہ یہ الہام بالکل جھوٹا ثابت ہوا۔ مرزا صاحب لاہور میں مرے اور قادیان میں دفن ہوئے۔

مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی ص۱۴۹ پر خود لکھا ہے۔ "اگرچہ خدا تعالیٰ نے براہینِ احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسولؐ نے دی تھی مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے نازل ہوں گے" پھر ازالہ اوہام ص۴۹۵ میں ہے "یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہو گیا"

کی قبر ملک شام میں ہے " اور کشتی نوح ص۳۵ میں تحریر کیا ہے کہ "ان کی قبر ملک کشمیر میں ہے" ان میں سے کونسی بات سچی ہے ؟

(۱۸) متعلقہ جرح ۳۶ تا ۳۸

کیا نبی اور بزرگ اور ولی کا درجہ ایک ہے ؟ مرزا صاحب پر یہ فتوئ کفر جو علمائے اسلام نے دیئے ہیں وہ ضد کی بنا پر ہیں یا ان کے عقائدِ فاسدہ کی بنا پر ؟ کیا فتوے مذکور سچ ہیں یا غلط ؟ کیا مرزا صاحب نے مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کی اور اپنی جماعت الگ بنائی ہے یا نہیں ؟ کیا مرزا صاحب اور ان کی جماعت باقی مسلمانوں کے برخلاف اجرائے نبوت اور وفاتِ مسیح اور نبوت مرزا صاحب کے علی الاعلان قائل ہیں یا نہ؟ اور کیا مرزا صاحب پر فتوئ کفر علمائے اسلام نے بالاتفاق دیا ہے یا بالاختلاف ؟

پھر تحفۂ گولڑویہ سائز کلاں ص۱۰۲ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ " یہ ثبوت بھی نہایت روشن دلائل سے مل گیا کہ آپ کی قبر سرینگر علاقہ کشمیر خان یار کے محلہ میں ہے "۔ اور کشتی نوح ص۱۵ میں ہے۔ "اور تم یقیناً سمجھو کہ عیسیٰ بن مریم فوت ہو گیا ہے اور کشمیر سرینگر محلہ خان یار میں اس کی قبر ہے "۔

ان مختلف تحریرات اور بیانات کا تناقض ظاہر ہے اور پہلے اعتقاد کے سوا کہ وہ تمام مسلمانوں کے عقیدہ کے موافق ہے پچھلے بیان غلط اور باطل ہیں۔

(۱۸) متعلقہ جرح ۳۶ تا ۳۸

نبی اور ولی کا درجہ ایک نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی ولی کسی نبی سے افضل ہو سکتا ہے۔ مرزا صاحب پر کفر کے فتوے علماء نے ان کے عقائدِ فاسدہ کی وجہ سے دیئے ہیں۔ اور وہ فتوے صحیح ہیں۔ مرزا صاحب خود اپنے اقرار کے بموجب کاذب اور جھوٹے ٹھیرے کہ محمدی بیگم کا نکاح ان کے ساتھ نہیں ہوا اور وہ وفات پا گئے۔ اقرار یہ ہے کہ "وانی اجعل ھذا النبأ معیار الصدق او کذبی "۔ (انجام آتھم ص۲۲۳) یعنی اس خبر کو کہ محمدی بیگم ضرور میرے نکاح میں آئے گی یہ خدا کا طے کردہ فیصلہ ہے تقدیر مبرم ہے کوئی اس کو بدل نہیں سکتا میں اپنے صادق یا کاذب ہونے کا معیار قرار دیتا ہوں "۔

مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ان کی جماعت اس دعوے کی تصدیق کرتی ہے اور مرزا صاحب کو نبی اور رسول کہتی ہے۔ تمام مسلمانوں سے علیحدہ رہتی اور ان کو کافر سمجھتی

(۱۹) متعلق جرح ع۳۹ تا ۴۰

کیا مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی ص۱۰۵ میں یہ الہام لکھا ہے کہ "تیرا حکم چاہے ہوجاتا ہے"۔ اس الہام سے مرزا صاحب کا درجہ نبوتِ تشریعی وغیر تشریعی سے کہیں بڑھ کر ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ کیا مرزا صاحب نے اُن انبیا سے جو نئی شریعت لائے مثلاً عیسیٰ علیہ السلام بہتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں؟ کیا مرزا صاحب لوگوں کے اعتراضات سے بچنے کے لئے قسم قسم کی تاویلات کیا کرتے تھے یا نہیں؟ کیا مرزا صاحب نے نزولِ مسیح ص۹۹ میں اپنی وحی کو قرآن کی طرح منزہ لکھا ہے یا نہیں؟ اور اربعین ع۴ ص۱۶ و ص۷ میں دعویٰ کیا ہے یا نہیں بلکہ میں صاحب شریعت ہوں۔ اور حقیقۃ الوحی ص۲۱۱ میں لکھا ہے یا نہیں کہ اپنے الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جس طرح قرآن پر؟ کیا مرزا صاحب کے نزدیک اصولِ دین وہی رہے جو اس وقت تک تمام مسلمانوں کے رہے؟۔

ہے۔ اور علمائے اسلام نے بالاتفاق مرزا صاحب اور ان کی جماعت کو خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ میں ایک مطبوعہ فتویٰ جس میں بہت سے علماء کے دستخط منقول ہیں پیش کرتا ہوں۔

(۱۹) متعلق جرح ع۳۹ و ۴۰

حقیقۃ الوحی ص۱۰۵ پر یہ الہام درج ہے۔ انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول له کن فیکون۔ ترجمہ بین السطور۔ تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے"۔ اس الہام سے تو مرزا صاحب کا درجۂ نبوت کیا درجۂ الوہیت کا ادعا ثابت ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیا سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جیسا کہ سوال ع۱۳ اور سوال ع۱۹ کے جواب میں بیان ہوچکا ہے اور مرزا صاحب کے اقوال کے حوالے دیئے جاچکے ہیں۔ مرزا صاحب نے اعتراضات سے بچنے کے لئے ایسی دوراز کار تاویلیں کی ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ان کے کلام میں تناقض اور اختلاف ہے۔ انھوں نے بیشک دعویٰ کیا کہ ان کی وحی اور الہام قرآن کی طرح یقینی ہے۔ ان کا قول ہے:۔

آنچہ من بشنوم ز وحی خدا ۔ بخدا پاک دانمش ز خطا

ہمچو قرآں منزہش دانم ۔ از خطا ہا ہمیں است ایمانم

(نزول المسیح ص۹۹)

اور ان کا قول ہے "مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن کریم پر"۔ (اربعین چہارم ص۲۵)

مرزا صاحب اس اصول کی رو سے جماعت مسلمین سے خارج ہو گئے۔

(۲۰) متعلق جرح ص۴۷ تا ۵۲

نور الانوار قمر الاقمار وغیرہ کتب اصول دین دیکھ کر بتلادیں کہ ائمہ اربعہ جن میں امام احمد بھی شامل ہیں اجماعِ امت کے قائل ہیں یا نہیں؟ کیا کتب اصول میں منکرِ اجماع کو کفر کا حکم دیا گیا ہے؟ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے یا نہیں؟
عقائد احمدیت ص۲۳ دیکھ کر بتلادیں کہ مرزا صاحب نے ائمہ اربعہ کی شان کو تسلیم کیا ہے یا نہیں؟

(۲۰) متعلق جرح ص۴۷ تا ۵۲

اجماع حجت شرعیہ ہے۔ اس کے حجت ہونے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف نہیں ہے۔ نامی شرح حسامی میں ہے۔ فاتفق جمہور المسلمین علی حجیتہ خلافا للنظام والشیعۃ وبعض الخوارج۔ نامی ص۲۴۲ یعنی اجماع کے حجت ہونے پر جمہور مسلمین کا اتفاق ہے۔ البتہ نظام اور شیعہ اور بعض خوارج کا اختلاف ہے۔ اور منکرِ اجماع قطعی کے کافر ہونے میں بھی اختلاف نہیں ہے۔

(۲۱) متعلق جرح ص۵۳ تا آخر

کیا ایک شخص کلمہ گوئی اور دعویٰ اسلام کے باوجود قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ متواترہ کے برخلاف اعتقاد رکھے وہ مسلمان ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا جو شخص اپنا اعتقاد قرآن مجید و احادیث صحیحہ کے مطابق رکھے کافر ہے۔ اور کیا فریقِ اول کے مرد کا فریقِ ثانی کی عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔ اور جماعتِ احمدیہ مرزا صاحب بھی غیر احمدی مرد مسلمان سے احمدیہ عورت کا نکاح جائز سمجھتے ہیں یا نہیں؟

(۲۱) متعلق جرح ص۵۳ تا آخر

جو شخص کلمہ گوئی کے باوجود نماز کی فرضیت کا انکار کردے، زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کردے، روزے کی فرضیت کا انکار کردے یا نبوت کا دعویٰ کردے یا کسی نبی کی توہین کرے یعنی کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کا دین میں سے ہونا بالیقین ثابت ہو وہ یقیناً کافر اور اسلام سے خارج ہے۔ دیکھو! خود مرزا صاحب نے اور ان کی جماعت نے تمام دنیا کے کلمہ گویوں کو اسلام سے اس بنا پر خارج کردیا کہ وہ مرزا صاحب پر ایمان نہیں لائے۔ حالانکہ وہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ کلمہ گو ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر فرائض و واجبات کو مانتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو رسول، نبی، خاتم الانبیاء والمرسلین اعتقاد کرتے ہیں۔ اس کے باوجود مرزا صاحب اور ان کے خلیفہ اور ان کی جماعت ان تمام مسلمانوں کو کافر بتاتے ہیں۔

مرزا صاحب کا قول یہ ہے " ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا مسلمان نہیں ہے " (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳)

مرزا صاحب خود فرماتے ہیں " کفر دو قسم پر ہے۔ اول ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوم یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا " (حقیقۃ الوحی ص ۱۷۹)

اس کا مطلب صاف ہے کہ دوسری قسم کا کفر مرزا صاحب نے ان تمام مسلمانوں اور کلمہ گویوں کے لئے ثابت کیا ہے جو اسلام پر اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کے باوجود مسیح موعود (یعنی مرزا صاحب) پر ایمان نہ لائیں۔

اسی عبارت سے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ " اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں " اور وہ یہ کہ مرزا صاحب کا انکار یا تکذیب خدا اور رسول کے انکار و تکذیب کی طرح کفر ہے۔

اور مرزا صاحب کا الہام ہے " جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے " (تبلیغ رسالت جلد نہم ص ۲۷)

اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مرزا صاحب اپنے الہام کو قطعی اور یقینی اور قرآن کی طرح منزہ عن الخطا سمجھتے تھے۔ پس ان کے اس الہام کے بموجب ہر وہ مسلمان جو تمام ایمانیات پر ایمان رکھتا ہو حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان رکھتا ہو ان کے نزدیک بلاشبہ قطعی جہنمی ہے۔ پس مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے نزدیک تمام غیر قادیانی مسلمان کافر اور جہنمی ہیں۔ اور اسی بنا پر مرزا صاحب اور ان کی جماعت نے فتویٰ دیا ہے کہ قادیانیوں اور غیر قادیانیوں میں باہم رشتہ ناتا یعنی شادی مناکحت جائز نہیں ہے۔

"حضرت مسیح موعود کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو اپنی لڑکی نہ دے۔ اس کی تعمیل کرنا بھی ہر ایک احمدی کا فرض ہے" (برکات خلافت صد ۷ منقول از قادیانی مذہب)

ہمارا یعنی مسلمانوں کا متفقہ مسئلہ ہے کہ جو مسلمان کافر ہو جائے وہ مرتد ہے۔ اور مرتد کے ساتھ کسی مسلمان لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور اگر غیر قادیانی ہونے کی حالت میں نکاح ہوا تھا بعد میں قادیانی بن گیا تو فی الفور نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ خاوند کے ارتداد پر نکاح فسخ ہو جانا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ وارتد احدھما فسخ عاجل (درمختار)

پانچواں باب

مفقود الخبر

سوال

ہندہ کا زوج بلا اطلاع اپنی منکوحہ کے کہیں چلا گیا اور دو تین برس سے اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ ہندہ نے دوسرے سے اپنا نکاح پڑھا لیا تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

(۲۰۶) **جواب** اگر ہندہ نے جبکہ اس کا شوہر دو تین برس سے مفقود ہے کسی اور سے نکاح کر لیا تو اس کا یہ نکاح جائز نہیں کیونکہ احناف کے نزدیک تو نوے سال تک زوجۂ مفقود کو انتظار کرنا چاہئے۔ اور بوقت ضرورت امام مالک رح کے قول پر جو فتویٰ ہے اس میں بھی چار برس تک خاوند مفقود رہے اور پھر عدتِ وفات چار ماہ دس یوم پوری کرنے کے بعد نکاح ہو سکتا ہے۔ فان عندہ تعتد زوجۃ المفقود عدۃ الوفاۃ بعد مضی اربع سنین (ردالمحتار صفحہ ۳۶ ج ۳) اور ایک روایت میں قضائے قاضی بھی شرط ہے۔ پس یہ نکاح کسی طرح بھی درست نہیں ہوا۔

سوال

زوجہ مفقود اگر بمذہب امام مالک رحمۃ اللہ چار سال کے بعد دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اس کو تفریق کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر تفریق کی ضرورت ہے تو اس کی دلیل کیا ہے۔ اور اگر تفریق کی ضرورت نہیں ہے تو عبارات ذیل کا کیا مطلب ہے؟ جن سے تفریق ضروری معلوم ہوتی ہے۔

ولا یفرق بینہ وبین امرأتہ (ھدایہ) ولا یفرق بینہ وبینہا ولو مضی اربع سنین (درمختار) قال مالک اذا مضی اربع سنین یفرق القاضی بینہ وبین امرأتہ و تعتد عدۃ الوفاۃ ثم تزوجت من شاءت لان عمر رضی اللہ عنہ ھکذا قضی الخ (ھدایہ) لا یفرق بینہ وبین امرأتہ وحکم بموتہ بمضی تسعین سنۃ وعلیہ الفتوی (عالمگیری) انہ انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل فما لم ینقم الیہ القضاء لا یکون حجۃ (درمختار) ان ھذا ای ما روی عن ابی حنیفۃ من تفویض موتہ الی رای القاضی نص علی انہ انما یحکم بموتہ بقضاء (شامی)

اگر تفریق ضروری ہے تو اس ملک میں کون تفریق کر سکتا ہے۔ کیونکہ حاکم وقت نصاریٰ کی طرف سے کوئی قاضی مقرر نہیں ہے اور مسلمانوں کی تراضی اور اتفاق سے بھی کسی کو منصب قضا نہیں ملا ہے۔ پھر تفریق کی کیا صورت ہے؟

بعض علما حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ کی عبارت:۔ واذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویجب علی الامۃ الرجوع الیھم ویصرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم سے ہر عالم کو قاضی تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر ذی علم اس وقت اس ملک میں تفریق کر سکتا ہے۔

حاکم وقت نصاریٰ کی طرف سے جو جج یا مجسٹریٹ یا اکسٹرا اسسٹنٹ ہیں۔ اگر یہ ذی علم علوم شرعیہ ہوں اور مسلمان ہوں تو قاضی شرعی کے حکم میں ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲۰۷) **جواب**۔ حنفیہ کا اصل مذہب تو وہی ہے کہ جب تک مفقود کی موت کا گمان غالب نہ ہو جائے اس کی زوجہ انتظار کرے اور اس مدت کی مقدار جس میں موت کا گمان غالب حاصل ہو

موت اقران یا رائے قاضی یا نوے برس کے ساتھ علی اختلاف الاقوال مقدر ہے لیکن متاخرین حنفیہ نے ضرورتِ شدیدہ کے وقت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق فتویٰ دیا ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت امام مالکؒ کا قول اور مذہب کیا ہے تو ظاہر کتبِ فقہیہ اور شروح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ امام مالکؒ کے نزدیک چار سال کے بعد زوجۂ مفقود نکاح ثانی کر سکتی ہے لیکن جواز نکاح کے لئے حکم موت زوج اول حاکم سے حاصل کرنا اور پھر عدتِ وفات پوری کرنا شرط ہے۔ ہدایہ میں ہے:- وقال مالك اذا مضى اربع سنين يفرق القاضى بينه وبين امرأته وتعتد عدة الوفاة ثم تتزوج من شاءت لان عمرؓ هكذا قضى فى الذى استهواه الجن بالمدينة وكفى به اماما ولانه منع حقها بالغيبة يتفرق القاضى بينهما بعد مضى مدة اعتبارا بالايلاء او العنة۔ انتهى۔ زرقانی شرح موطا مالکؒ میں ہے۔ وضعف الاول بقول مالكؒ لو اقامت عشرين سنة ثم رفعت يستانف لها الاجل۔ نیز اسی زرقانی میں ہے۔ قال مالك وان تزوجت بعد انقضاء عدتها ودخل بها زوجها اولم يدخل بها فلا سبيل لزوجها الاول اليها اذا جاء اوثبت انه حى لان الحاكم اباح للمرأة الزواج مع امكان حياته فلم يكشف الغيب اكثر مما كان يظن۔ اه۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے۔ اخرج سعيد بن منصور بسند صحيح عن ابن عمر وابن عباس قالا ينتظر امرأة المفقود اربع سنين وثبت ايضاً عن عثمان وابن مسعود فى رواية وعن جمع من التابعين كالنخعى وعطاء والزهرى ومكحول والشعبى واتفق اكثرهم على ان التاجيل من يوم ترفع امرها للحاكم وعلى انها تعتد عدة الوفاة بعد مضى الاربع سنين الخ۔ ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقدار مدت میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن اکثر علماء اور امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی حکم حاکم شرط ہے جیسے کہ اس قول سے ثابت ہے:-

لو اقامت عشرين سنة الخ پس حنفیہ کا فتویٰ جواز جو امام مالکؒ کے مذہب پر دیا گیا ہے وہ بھی بالقضاء ہوگا۔

ہاں ضرورۃً انگریزی عدالتوں کے مسلم جج یا منصف قائم مقام قاضی شرعی کے ہو سکتے ہیں۔

کیونکہ ان کو حکومت کی طرف سے معاملات مخصوصۂ اہلِ اسلام مثل طلاق، نکاح، میراث وغیرہ میں احکام شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

حدیقہ ندیہ کی جو عبارت سوال میں مذکور ہے وہ یا تو دیانات پر محمول ہے کہ دیانات میں آجکل بضرورت علماء قائم مقام قاضی کے سمجھے جاسکتے ہیں لیکن فصل خصومات میں چوں کہ گورنمنٹ کی طرف سے علماء کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے اسلئے خصومات میں ان کا کوئی فیصلہ معتبر نہیں۔ یا اس عبارت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جہاں مسلمان حکام نہ ہوں وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے علماء کو اپنے فصل خصومات کے لئے والی بنالیں اور اگر مسلمان ایسا کرلیں تو بیشک ان علماء کا فیصلہ معتبر ہوگا۔ لیکن جب تک مسلمان ایسا نہ کریں اس وقت تک علماء قائم مقام ولاۃ احکام نہیں ہوسکتے۔ واللہ اعلم۔

سوال

(۱) ایک مرد اپنی منکوحہ بیوی کو چھوڑ کر الگ ہوگیا اور چھ سال تک اس کے نان نفقہ وغیرہ سے خبر نہیں لیتا۔ بلکہ عورت نے کوشش کی کہ خاوند اس کو اپنے گھر لے جائے لیکن نہ گھر لے جاتا ہے نہ طلاق دیتا ہے۔

(۲) ایک شخص اپنی منکوحہ کو چھوڑ کر لاپتہ ہوگیا ہے۔ اب منکوحہ مذکورہ اپنا نکاح ثانی کتنی مدت میں کرسکتی ہے؟ المستفتی نمبر ۳۵ عین اللہ طرفدار (ضلع میمن سنگھ)

۱۲ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ م ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(۲۰۸) **جواب** - (۱) ایسی حالت میں عورت اگر مجبور ہوجائے اور گزر نہ کرسکے تو وہ کسی حاکم مسلم کی عدالت سے نفقہ وصول نہ کرسکنے کی بنا پر فسخ نکاح کا حکم حاصل کرلے اور پھر بعد عدت دوسرا نکاح کرلے۔ خاوند خواہ اسی شہر میں ہو یا باہر ہو۔

(۲) مفقود ہونے کی بنا پر اگر تفریق مطلوب ہے تو مفقود ہونے کے وقت سے چار سال گزرنے کے بعد فسخ نکاح کا حکم دیا جاسکتا ہے کیونکہ امام مالک کے نزدیک مدت انتظار مفقود چار سال ہے اور حنفیہ نے مدت کے بارے میں امام مالکؒ کے مذہب کو اختیار کرکے فتویٰ دیا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

اگر کسی جوان عورت کا شوہر بلا کہے سُنے چلا جاوے اور اس کی کچھ خبر نہ ملے کہ آیا مردہ ہے یا زندہ تو وہ عورت کتنی مدت تک اسی شوہر کے نام سے بیٹھی رہے۔ اس شوہر کی نابالغ اولاد بھی موجود ہو اور عورت کے اعزہ بھی کفالت نہ کریں تو وہ عورت عقدِ ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی ۲۸۷ کفایت حسین محمد صدیق۔ زنلام اسٹیٹ

۶ صفر ۱۳۵۳ھ م ۲۱ مئی ۱۹۳۴ء

(۲۰۹) **جواب** ۔مفقود کی بیوی امام مالکؒ کے مذہب کے موافق چار سال کے بعد تفریق کا حکم حاصل کر سکتی ہے۔ اور اگر اس سے پہلے وہ نان نفقہ سے تنگ ہو اور کوئی صورت گزارے کی نہ ہو سکے تو امام احمدؒ کے مذہب کے موافق عدم تیسّر نفقہ کی بنا پر حکم فسخ حاصل کر سکتی ہے۔ حنفیہ بوقتِ ضرورت شدیدہ امام مالک یا امام احمد کے مذہب پر عمل کر سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ

سوال

زوجۂ مفقود الخبر کتنی مدت گزارنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔ اور وہ مدت روز فقدان سے شمار ہوگی یا مرافعہ الی القاضی کے وقت سے؟ صورتِ مسئولہ میں نکاحِ ثانی ہو جانے کے بعد اگر شوہر مفقود الخبر کا کہیں پتہ چل جاوے یا وہ خود آجاوے تو یہ عورت شوہر اوّل کی رہے گی یا ثانی کی؟ بینوا بالکتاب توجروا بالحساب۔ المستفتی ۳۸۳ رحمت اللہ (ضلع میرٹھ)

۲ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ ۱۴ اگست ۱۹۳۴ء

(۲۱۰) **جواب** ۔کتب احناف میں تو امام مالکؒ کے قول کی زیادہ تفصیل مذکور نہیں۔ مدونہ میں امام مالکؒ کا یہی قول مذکور ہے کہ مرافعہ کے روز سے قاضی چار سال مقرر کرے گا۔ مگر بظاہر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات حاکم کی رائے پر چھوڑ دی جائے۔ اگر گزری ہوئی مدت کو کافی سمجھے تو فوراً فسخ نکاح کا حکم دیدے ورنہ چار سال کی مدت مقرر کر دے اس طرح حنفیہ کی بعض روایات پر بھی عمل ہو سکے گا اور یہ بات اصول کے بھی خلاف نہیں ہے۔ باقی اگر نکاحِ ثانی سے پہلے زوج اول آجائے تو زوجہ اسی کی بیوی ہوگی۔ لیکن اگر نکاح کے بعد آئے تو پھر اس کو زوجہ نہ ملے گی واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ

سوال

زید نے اپنی لڑکی کا نکاح حالت نابالغی میں کر دیا تھا اور اب اس کے شوہر کو گئے ہوئے ۹ سال کا عرصہ گزرتا ہے۔ پتہ نہیں چلتا۔ بہت کوشش اور جستجو کی گئی۔ باپ غریب ہے لڑکی جوان ہوگئی ہے۔ اس کا نکاحِ ثانی کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۴۰ محمد عمر چپڑاسی (میرٹھ) یکم محرم ۱۳۵۴ھ م ۶ اپریل ۱۹۳۵ء

(۲۱۱) **جواب** - اس صورت میں متاخرین حنفیہ کے فتوے کے بموجب عورت کو حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنے شوہر کے مفقود ہونے یا نان نفقہ وصول نہ ہوسکنے کی بنا پر اپنا نکاح فسخ کرالے۔ فسخ نکاح کا حکم حاصل ہونے کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکے گی اور اگر وطی وخلوت کی نوبت نہ آئی تھی تو عدت بھی لازم نہ ہوگی۔ فقط محمد کفایت اللہ

سوال

مسماۃ ہندہ کا خاوند بحالتِ دیوانگی عرصہ پانچ سال سے مفقود ہے جس کا کچھ پتہ نہیں۔ اور حالاتِ حاضرہ کی بنا پر آئندہ بھی اس کی خبر ملنے کی توقع نہیں اور ہندہ کے واسطے نان نفقہ وغیرہ مشکلات کا سامنا ہے۔ لہذا ہندہ اپنا نکاح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کر کے فسخ کراسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نکاح فسخ کرانے کے واسطے قاضی کی ضرورت ہے تو کیا کرے۔ شرعی قاضی تو ہے نہیں۔ یا جماعتِ مسلمین سے فسخ کراسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۹۳۶ سنجالوی (افریقہ) ۲۷ صفر ۱۳۵۵ھ م ۱۹ مئی ۱۹۳۶ء

جواب (از نائب مفتی صاحب) مسماۃ ہندہ بوجہ مفقود الخبر ہونے زوج کے موافق قول حضرت امام مالکؒ کے نکاح فسخ کراسکتی ہے۔ کیونکہ فقہائے متاخرین حنفیہ نے موافق قول حضرت امام مالکؒ کے فتویٰ دیا ہے کہ بعد انتظار چار سال کے مفقود الخبر کی زوجہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دے کر نکاح اول کے فسخ کر دینے کا حکم (فیصلہ) حاصل کرلے اس کے بعد وفات کی عدت پوری گزار کر نکاح ثانی کرسکے گی۔ غیر مسلم حکومت کی عدالت کے حاکم کا بھی یہ فیصلہ کافی ہوگا بشرطیکہ حاکم مسلمان ہو۔

فقط حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی

(۲۱۲) **جواب** - (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہاں امام مالک کے مسلک کے موافق جماعتِ مسلمین جن کے افراد مسئلہ شرعیہ سے واقف اور متدین ہوں ایسے معاملے میں فسخ نکاح کا حکم کر سکتی ہے۔ رہا قانونی نفاذ تو اس کی کوئی سبیل کرلینی قانون داں اصحاب کا کام ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

مسماۃ فیدن کا شوہر تقریباً سات سال ہوئے فرار ہوگیا ہے۔ آج تک لاپتہ ہے۔ نہ معلوم کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ متعدد جگہ تلاش کیا مگر پتہ نہیں چلا۔ مسماۃ مذکور کیلئے اندیشہ ہے کہ چال چلن خراب نہ ہو جائے۔ مسماۃ مذکور کی عمر ۲۰ سال ہے۔ سائل تنگدست ہے۔ صورتِ ہذا میں عقدِ ثانی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷۰۱ منشی ولد گلاب (آگرہ)
۲۲ رجمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳۰ راگست ۱۹۳۷ء

(۲۱۳) **جواب** - اس صورت میں مسماۃ کو بوجہ نفقہ نہ ملنے اور عصمت خراب ہونے کے خوف کے یہ حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا پہلا نکاح فسخ کرالے اور پھر عدت گزار کے دوسرا نکاح کرلے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

ایک شخص نے اپنی دختر کا نکاح کیا اور اس کا شوہر کچھ مدت اس کے پاس رہا اور پھر کہیں چلا گیا اور کسی سے ذکر نہ کیا جس کو عرصہ پورا پانچ برس کا گذر گیا۔ خاوند نے نہ خط لکھا اور نہ کہیں اس کا پتہ ہے۔ بہت تلاش بھی کیا مگر کچھ پتہ و نشان نہیں معلوم ہوا۔ دختر مذکور جوان ہے اب اس کے واسطے علمائے دین کیا فرماتے ہیں۔ اس کا نکاح دوسرے سے کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۸۵۵ قاضی عبدالحق صاحب (میسور) ۲۹ رجب ۱۳۵۶ھ م ۵ راکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۱۴) **جواب**۔ کسی مسلمان حاکم سے اس عورت کا نکاح فسخ کرایا جائے۔ اس کے بعد یہ عورت عدت پوری کرے۔ اس کے بعد دوسرا نکاح ہو سکے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

ایک عورت کا خاوند عرصہ دس سال تین ماہ سے مفقود الخبر ہے اس کی کچھ خبر نہیں ہے اس عرصہ میں اس نے نہ کبھی خط لکھا ہے اور نہ ہی خرچ بھیجا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے

گھر سے روانگی کے وقت کہہ گیا تھا کہ میں کلکتہ جا رہا ہوں۔ اس دن سے آج تک اس کی کچھ خبر نہیں ہے۔ بہتیری تلاش کی اور کلکتہ سے آنے جانے والوں سے پوچھا۔ عورت حنفی المذہب ہے۔ عورت مذکورہ دوسرا عقد کرنا چاہتی ہے چونکہ جوان عمر ہے۔ عورت کا ذریعہ معاش کچھ نہیں ہے اور نہ کوئی امداد کرنے والا ہے۔ اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۹۳۹ (لاہور) ۱۲ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۱۵) **جواب**۔ یہ عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح بر بنائے عدم وصول نفقہ و خطرۂ عصمت فسخ کرا سکتی ہے اور فسخ نکاح کا حکم حاصل کر کے عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص عرصہ چھ سال سے مفقود الخبر ہے۔ اس کی زوجہ نوعمر ہے۔ جذباتِ انسانی و خواہشات نفسانی کے باعث انتظار و صبر کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ بموجب مذہب اہلِ سنت والجماعت نکاحِ ثانی کی مجاز ہے؟ یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۸۰ شریف احمد صاحب نئی چھاؤنی دہلی

۲۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳ نومبر ۱۹۳۷ء

(۲۱۶) **جواب**۔ حنفیہ نے امام مالکؒ کے مذہب کے موافق چار سال انتظار کرنے کے بعد اس امر کی اجازت دیدی ہے کہ عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرالے اور پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کرلے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

اگر کسی عورت کا شوہر گم ہو جائے اور اس کا کوئی پتہ نہ چلے تو وہ عورت کتنی مدت کے بعد دوسرا خاوند کر سکتی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۱۰۰ عبدالمجید خاں صاحب (روہتک)

۷ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۲۱۷) **جواب**۔ چار سال انتظار کر کے کسی مسلمان حاکم سے اپنا نکاح فسخ کرائے اور پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کرے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک عورت کا خاوند اپنے سسرال کے رشتہ داروں سے کسی بات پر تنازعہ ہونے سے... لڑجھگڑ کر اور ناراضگی ظاہر کرکے کسی دور دراز جگہ چلا گیا اور عرصہ تک اس عورت کے والدین نے ہر چند اس کو تلاش کیا لیکن کہیں سراغ نہ چلا۔ اس کے بعد چار سال چار ماہ دس دن کی مدت سے زائد عرصہ قریبًا پانچ سال گزر جانے پر عورت مذکور کا نکاح ثانی کسی دیگر شخص سے کر دیا گیا جس کو اب تقریبًا تین سال کا عرصہ ہو گیا ہے اور عورت کا خاوند از اول تا ہنوز مفقود الخبر ہے۔ کیا اس عورت کا نکاح ثانی درست ہے اور عقد پڑھانے والے پر کوئی ذمہ داری تو عائد نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی ہے تو اس کے لئے اب کیا حکم ہے جبکہ وہ ایک قریہ کی مسجد کا امام ہے۔

المستفتی نمبر ۲۱۷۳ جناب منشی حفیظ اللہ صاحب (حصار) ، ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(۲۱۸) **جواب** ۔ جبکہ خاوند آٹھ سال سے مفقود الخبر ہے تو اس کی زوجہ کو یہ حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرائے اور پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کرلے۔ پہلا نکاح فسخ کرانے سے پہلے جو نکاح کر دیا گیا وہ جائز نہیں ہوا۔ نکاح پڑھانے والے نے اگر یہ جانتے ہوئے کہ عورت منکوحہ ہے اور اس کا نکاح فسخ نہیں کرایا گیا۔ نکاح پڑھا یا تو وہ گنہگار ہوا۔ اس کو توبہ کرنی لازم ہے۔ توبہ کے بعد وہ امامت پر قائم رکھا جائے تو جائز ہے۔

مسلمان حاکم میسر نہ ہو تو جماعت مسلمین جس میں علماء و عمائد شریک ہوں فسخ کی کارروائی کر سکتے ہیں۔ ان کی کارروائی شرعی جواز کے لئے کافی ہوگی۔ قانونی مواخذہ قائم رہے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

میری لڑکی جوان ہے اور شوہر اُس کا پانچ سال سے مفقود ہے بہت تلاش کیا گیا مگر پتہ نہیں چلا۔ کوئی ذریعہ اس کے گذارہ کا نہیں اور ہندوستان میں قاضی شرعی بھی موجود نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جماعت مسلمین کے سامنے یہ قضیہ پیش کرکے مذہب مالکی پر فتویٰ لے لیا جائے جس میں چار سال کے بعد حکم موت مفقود کا کر دیا ہے۔ میں غریب آدمی ہوں کسی اسلامی ریاست تک بھی نہیں

پہنچ سکتا۔ اس واسطے کوئی آسان تدبیر لڑکی کی رہائی کی ارشاد فرمائی جائے۔ اور جماعت مسلمین کے فیصلے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ المستفتی ۲۳۳۹ شیخ سلیم الدین صاحب میرٹھ

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۵ جون ۱۹۳۶ء

(۲۱۹) **جواب**۔ جماعت مسلمین بھی یہ کام کر سکتی ہے جبکہ شرعی قاضی نہ ہو اور کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو۔ موجودہ حالت میں مسلمان جج بھی شرعی قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے اور حافظ عبداللہ کا شریعت بل جو پاس ہو کر ایکٹ بن چکا ہے اس کے ماتحت مقدمہ چل سکتا ہے اور رہائی ہو سکتی ہے۔ جماعت مسلمین کی کارروائی قانوناً قابل اعتبار نہ ہو گی اور جب اس کے ہاتھ میں قوت تنفیذیہ نہیں تو وہ غیر مفید ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ہندہ کا شوہر بکر تھا جو عرصہ پانچ سال سے مفقود الخبر ہے۔ زائد حصہ تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہلاک کر ڈالا گیا۔ اب ہندہ زید کے ساتھ عقد کر سکتی ہے جبکہ زید کا ناجائز تعلق ہندہ کے ساتھ بکر کی زندگی میں بھی تھا فقط۔ المستفتی ۲۳۶۵ قاضی منظور احمد صاحب (ہردوئی)

۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء

(۲۲۰) **جواب**۔ جبکہ ہندہ کا شوہر بکر ہلاک ہو چکا ہے تو ہندہ زید کے ساتھ عقد کر سکتی ہے اگرچہ اس کا زید سے ناجائز تعلق تھا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک مسماۃ کا شوہر جو اس کے بیان سے معلوم ہوا کہ دس برس سے مفقود الخبر تھا اس مسماۃ نے اپنے گاؤں کے پنچوں کی اجازت اور مشورے سے زید کے ساتھ عقد پڑھا لیا۔ عقد کے چند روز بعد اس کا اصلی شوہر جو مفقود الخبر تھا آ گیا تو اب وہ عورت کو واپس لے سکتا ہے یا نہیں اور اصلی شوہر کے آجانے سے دوسرے شوہر کا عقد باقی رہا یا ٹوٹ گیا؟

المستفتی ۲۴۷۳ شہادت صاحب برہانپور (سی۔ پی) ۱۳ صفر ۱۳۵۶ھ م ۴ اپریل ۱۹۳۷ء

(۲۲۱) **جواب**۔ اگر عورت نے اپنے شوہر کا مفقود الخبر ہونا جماعت مسلمین پر واضح کر دیا تھا۔ اور جماعت نے تحقیق کر کے عدم نفقہ یا خوف زنا کی وجہ سے عورت کا پہلا نکاح فسخ کر کے دوسرے نکاح

کی اجازت دیدی تھی تو اب شوہر اوّل عورت کو واپس نہیں لے سکتا۔ نکاح ثانی قائم ہے اور قائم رہے گا۔ بشرطیکہ عورت نے عدت گذار کر باقاعدہ دوسرا نکاح کیا ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

(۲۲۲) **جواب دیگر** ۔مفقود کی زوجہ کے لئے ۹۰ سال انتظار کرنے کے بارے میں فقہائے متاخرین نے سخت دشواری محسوس کی اس لئے انھوں نے اس قول پر فتویٰ دینا ترک کر دیا اور چار سال انتظار کرنے کے بعد نکاح فسخ کر دینے کا حکم دے دیا اور آج کل اسی پر عمل ہے۔ حاکم سے نکاح فسخ کرایا جائے اور عورت عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک لڑکی جس کی عمر اٹھارہ انیس سال ہے اس کا نکاح ایک لڑکے سے جس کی عمر آٹھ نو سال کی ہے کر دیا گیا۔ چونکہ فتنہ کا سخت خطرہ ہے کیا کوئی صورت تفریق کی ہو سکتی ہے؟

المستفتی نمبر ۲۶۶۲ مولوی نصیر بخش بہاولپور مورخہ ۲۳ صفر ۱۳۶۰ھ م ۲۲ مارچ ۱۹۴۱ء

(۲۲۳) **جواب** ۔ اگر لڑکی کے مبتلائے معصیت ہونے کا قوی خطرہ ہو تو کوئی مسلمان حاکم اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ

گزارش ہے کہ حضرت علامہ مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ نے اس جواب کا حوالہ طلب فرمایا ہے۔ براہِ کرم حوالہ تحریر فرمائیں۔

جواب ۔ خاص اس صورت میں کہ لڑکا نابالغ ہو اور لڑکی بالغہ ہو جائے اور اس کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا قوی خطرہ ہو مخصوص جزئی نظر سے نہیں گزری۔ مگر جواب میں جو حکم لکھا گیا ہے وہ اس پر مبنی ہے کہ ابتلائے زنا کا خطرہ اور حبس شہوت کا ضرر، ضرر عدم نفقہ سے قوی ہے اور مفقود میں تضرر بعدم النفقہ و تضرر بحبس الشہوۃ دونوں کو عذر قرار دیا گیا۔ اور تضرر بحبس الشہوۃ کو اتنا قوی قرار دے کر اس کے لئے چار سال کی مدت بھی ضروری نہیں سمجھی، بلکہ فوراً فسخ نکاح کی اجازت مالکیہ نے دیدی۔ اور صورتِ مسئول عنہا میں تضرر بحبس الشہوۃ بوجہ نابالغی و عدم صلاحیت شوہر کے یقینی ہے جس کے لئے کسی انتظار کی ضرورت نہیں۔ جیسے کہ مفقود میں اس خاص صورت (خوفِ زنا) میں نہیں رکھی گئی۔ یہ بات کہ زوجۃ المفقود میں خوفِ زنا کی صورت میں تاجیل ضروری نہیں سمجھی گئی۔ حیلۂ ناجزہ کے صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۲ میں موجود ہے۔ مگر امراۃ مفقود کے بارے میں یہ روایات ہیں۔ نیز اس

صورت میں ضرورت کی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے موافق نابالغ ممیز سے طلاق دلوا کر اس سے نفاذ کا حکم بھی دیا جا سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۶ء)

بیان مسماۃ گلاب بانو دختر عبداللہ ذات بلوچ عمر تیس سال سکنہ حال موگا ضلع فیروز پور با قرار صالح مورخہ ۲۰ اگست ۲۶ء بیان کیا کہ میرا نکاح ہمراہ خان بیگ ولد شیر خاں ذات بلوچ سکنہ جا یا ضلع میانوالی حال آباد کالا باغ ضلع میانوالی عرصہ نو دس سال کا ہوا ہے ہوا تھا۔ اور حق مہر معجل و غیر موجل یکصد روپیہ مقرر ہوا۔ اس کے گھر تقریباً چھ سات سال آباد رہی۔ اس کے نطفے اور میرے بطن سے ایک لڑکی بعمر تین سال موجود ہے۔ تین سال کا عرصہ ہوا کہ اس نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے اور آج تک میرے نان نفقہ کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ میں محنت کر کے اپنا گزارہ کرتی ہوں معلوم نہیں وہ مر گیا یا زندہ ہے۔ مجھے آنکھوں سے کم نظر آتا ہے۔ میں چاہتی ہوں اگر شرع اجازت دے تو کسی دیگر شخص سے نکاح کر لوں۔ اس وقت ہسپتال کو بغرض علاج آئی ہوں۔ مگر علاج درست نہیں ہوا ہے اس لئے محنت کرنے سے بھی معذور ہوں۔

(۲۴۲) **جواب**۔ اگر شوہر کی زندگی معلوم یا مظنون ہو تو اس سے طلاق لینے اور فیصلہ کرنے کے بغیر دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر اس کا مرجانا یقینی ہو تو عدتِ وفات گزار کر دوسرا نکاح کیا جا سکتا ہے۔ اور موت اور حیات دونوں میں سے کسی کا یقین نہ ہو تو اس صورت میں وہ مفقود الخبر کہلائے گا۔ اور اس کی زوجہ کو خاوند کے مفقود الخبر ہونے کے وقت سے کم از کم چار سال کا انتظار کرنا پڑے گا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۲۷ء)

اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۶ء میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ زوجہ کو خاوند کے مفقود الخبر ہونے کے وقت سے کم از کم چار سال انتظار کرنا پڑے گا۔ اس مسئلہ کے متعلق یہاں کے بعض علماء اعتراض کر رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ یہ مسئلہ ہمارے مذہب میں نہیں بلکہ امام مالک کا مذہب ہے۔

(۲۲۵) **جواب** - ہاں ان بزرگوں کا یہ کہنا صحیح ہے کہ زوجۂ مفقود کے لئے چار سال انتظار کرنے کے بعد نکاح کی اجازت دینا حضرت امام مالک کا مذہب ہے - اور یہ کہ حنفیہ کا اصل مذہب اس کے خلاف ہے - مگر اس کے ساتھ ان بزرگوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئیے کہ متاخرین حنفیہ نے زمانۂ موجودہ کی ضرورت پر نظر کرتے ہوئے حضرت امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دیدیا ہے - شامی میں اس کی تصریح موجود ہے - اسی بنا پر میں نے پہلا فتویٰ لکھا ہے - محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ر مارچ ۱۹۲۷ء)

(۲۲۶) **جواب** - جبکہ خاوند چھ سال سے مفقود الخبر ہے تو اس کی عورت حاکم مجاز سے اجازت حاصل کر کے عدت وفات پوری کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے - محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ر جولائی ۱۹۲۷ء)

ہندہ کے چچا نے ہندہ کی شادی زید سے بحالتِ نابالغی کر دی تھی - آج عرصہ پانچ چھ سال کا ہوتا ہے کہ زید مفقود الخبر ہے اور ہندہ چار سال سے بالغ ہے - کیا ایسی صورت میں ہندہ نکاح ثانی کر سکتی ہے؟

(۲۲۷) **جواب** - اس صورت میں ہندہ حاکم مجاز سے اپنا نکاح فسخ کرا کے اور عدت گزار کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے - بغیر حکم فسخ دوسرا نکاح جائز نہیں ہے - فقط محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ر فروری ۲۸ء)

زید مزدوری کی غرض سے دوسرے شہر (مثلاً لاہور) گیا ہوا تھا - وہاں بیمار ہو گیا - دوستوں کے مشورے سے وطن روانہ ہونے کے ارادے سے اکیلا موٹر میں بیٹھ کر لاہور کے اسٹیشن پہنچا - اور اسٹیشن پر ہی انتقال کر گیا - اقارب و اعزہ کو اس کی موت کی خبر نہ تھی - جب اس کے رفقا گھر آئے تو معلوم ہوا کہ وہ گھر نہیں پہنچا - اس اثنا میں اس کی موت کی خبر تھانے میں پہنچی اور فوٹو آیا - یہ فوٹو جو پولیس کے ذریعے سے آیا ہے بعینہٖ اسی مرنے والے کا ہے مگر کوئی شاہد نہیں ہے - اب زید کو

مفقود سمجھا جائے گا یا متوفی اور اس کی عورت کے نکاحِ ثانی کا طریقہ کیا ہوگا؟

(۲۲۸) **جواب** - اگرچہ پولیس کی خبر اور فوٹو کا اس صورتِ معلومہ کے ساتھ مشابہ ہونا حجتِ شرعیہ نہیں ہے۔ تاہم اس کی عورت کو اگر اس خبر سے موتِ زوج کا یقین یا ظنِ غالب حاصل ہو جائے تو وہ عدتِ وفات پوری کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء)

ایک عورت کا خاوند عرصہ پانچ سال سے مفقود ہے۔ عورت سخت تنگدست اور پریشان ہے۔ اندریں حالت کسی دوسرے فرقہ کے عالم سے فتویٰ لے کر اس کی مخلصی کی صورت پیدا کی جا سکتی ہے؟

(۲۲۹) **جواب** - مفقود الخبر کی زوجہ کے بارے میں تو متاخرین فقہائے حنفیہ نے بھی یہ فتویٰ دیدیا ہے کہ زوجہ مفقود سخت ضرورت کے وقت مسلمان حاکم کی عدالت میں رجوع کرے اور حاکم چار سال کے بعد اس کو پہلے خاوند کی موت کا حکم دے کر نکاحِ ثانی کی اجازت دیدے اور وہ عدت گزار کر دوسرا نکاح کر لے۔ انگریزی عدالتوں کے مسلمان حکام اور جماعتی پنچ بھی یہ کام کر سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہٗ

سوال

میرا شوہر ایک برس سے زائد عرصہ سے مفقود ہے۔ سننے میں آتا ہے کہ وہ اپنے خویش واقارب سے خط و کتابت جاری رکھا ہے۔ مگر اس مظلومہ و بے سرو سامان عاجزہ پر کوئی قسم مہربانی نہیں۔ دو سال سے مجھ کو نان و نفقہ سے بھی محروم رکھا ہے۔ اب ایک معتبر انجمن کے ماتحت اپنی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ ایسا ظالم اور بداخلاق شوہر مجھے ملا۔

(۲۳۰) **جواب** - اگر شوہر کسی طرح راہِ راست پر نہیں آتا اور اپنی بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا تو کوئی مسلمان حاکم اس کے نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ حضرت امام احمدؒ و امام مالکؒ کے مذہب کے موافق فسخِ نکاح کی صورت ہو سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

چھٹا باب
عِنّین

سوال

ایک شخص نے نکاح کیا۔ بعد نکاح معلوم ہوا کہ وہ عنین یعنی نامرد ہے۔ اس سے کہا گیا کہ تو بیوی کو طلاق دیدے تو وہ کہتا ہے کہ میرا خرچہ جو ہوا ہے دے دو اور مہر بھی چھوڑ دو۔ تو طلاق دیتا ہوں ورنہ نہیں۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

(۲۳۱) **جواب**۔ جبکہ خاوند عنین یعنی نامرد ہو تو عورت کو یہ حق ہے کہ وہ حاکم مجاز کی عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست کرے۔ حاکم خاوند کو بغرضِ علاج ایک سال کی مہلت دے گا۔ ایک سال میں اگر خاوند کی حالت درست ہوگئی تو خیر ورنہ پھر عورت کی دوبارہ درخواست پر حاکم نکاح کو فسخ کردے گا۔ خاوند کے ذمہ (اگر خلوتِ صحیحہ ہوچکی ہو) پورا مہر واجب الادا ہے۔ نکاح کے مصارف میں سے عورت کے ذمہ کچھ لازم نہیں۔ اذا رفعت المرأۃ زوجھا الی القاضی وادعت انہ عنین وطلبت الفرقۃ فان القاضی یسألہ ھل وصل الیھا او لم یصل فان اقرانہ لم یصل . . . . اجلہ سنۃ الخ (ھندیہ) جاءت المرأۃ الی القاضی بعد مضی الاجل وادعت انہ لم یصل الیھا واقر الزوج انہ لم یصل الیھا خیرھا القاضی فی الفرقۃ ان اختارت الفرقۃ امر القاضی ان یطلقھا طلقۃً بائنۃ فان ابی فرق بینھما ولھا المھر کاملاً وعلیھا العدۃ بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بھا وان لم یخل بھا فلا عدۃ علیھا ولھا نصف المھر ان کان مسمی والمتعۃ ان لم یکن مسمی (ھندیہ ملتقطا)

سوال

سات سال کا عرصہ ہوا ایک عورت نے ایک شخص سے نکاح کیا اور خلوت ہونے پر عورت کو معلوم ہوا کہ میاں نامرد ہے وہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی۔ باپ کے گھر رہتے ہوئے چھ برس سے زائد ہوگئے تو لڑکے والوں نے اس کو بلایا اور کہا کہ اب تمہارے شوہر کی طبیعت ٹھیک ہے چنانچہ

عورت گئی تو اپنے مرد کو مثل سابق نامرد پایا۔ عورت جوان ہے۔ ستائیس سال کے قریب عمر ہے۔ اس کے ماں باپ مفلس ہیں۔ نہ یہ خلع کر سکتے ہیں نہ لڑکا طلاق دیتا ہے۔ ایسی مظلومہ کے لئے تفریق کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ المستفتی نمبر ۱۶۴ مولانا حکیم محمد ابراہیم۔ راندیر۔ ۲۴ رجمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۲۳۲) **جواب** - شوہر عنین ہو تو عورت کو اپنا نکاح فسخ کرانے کا حق ہوتا ہے۔ یہ حق امتداد مدت سے ساقط نہیں ہوتا۔ یعنی اگر بیوی نے شادی کے بعد کئی سال تک خاموشی اختیار کی تو اس کا حق ساقط نہ ہوگا۔ اگر شوہر خود طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو عورت کسی مسلمان مجسٹریٹ کی عدالت میں درخواست دے کہ میرا خاوند نامرد ہے اسلئے میرا نکاح فسخ کر دیا جائے۔ حاکم شوہر کو ایک سال کی مہلت دیگا کہ وہ علاج کرلے۔ ایک سال میں اگر وہ درست ہو گیا تو خیر ورنہ عورت مکرر درخواست کرے کہ خاوند کی حالت درست نہیں ہوئی لہذا میرا نکاح توڑ دیا جائے۔ اب حاکم خاوند سے دریافت کرے اگر وہ اس کا اقرار کرے کہ وہ عورت سے صحبت کرنے پر قادر نہیں ہوا تو حاکم نکاح فسخ کر دے گا۔ اور اگر خاوند کہے کہ میں صحبت کر چکا ہوں اور عورت کہے کہ نہیں کی تو قاضی عورت کا کسی معتبر اور ماہر عورت سے معائنہ کرائے۔ اگر عورت کا باکرہ ہونا اس کی شہادت سے ثابت ہو جائے تو قاضی عورت کی خواہش پر تفریق کرا دے گا۔ انگریزی عدالت کے مسلمان حاکم کا فیصلہ بھی شرعاً کافی ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ

سوال

کسی لڑکی کی شادی صغر سنی میں ہو گئی۔ جب وہ لڑکی سن بلوغ کو پہنچی تو شوہر اس کا نامرد ثابت ہوا۔ پھر اس کے شوہر کو علاج کرانے کا موقع دیا گیا مگر وہ درست نہیں ہوا۔ ایسی حالت میں بھی جبکہ وہ ناقابل ہے طلاق نہیں دیتا اور اب وہ لڑکی بالغہ ہے۔ کیا وہ لڑکی عقد ثانی کر سکتی ہے۔ اس کا شوہر بغرض علاج پانچ سال تک مختلف مقامات پر گیا اور علاج کرایا مگر درست نہیں ہوا۔ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے۔ المستفتی نمبر ۱۵۳۲ حافظ بشیر احمد صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ (ضلع جھانسی) ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۷ء

جواب (از مولوی عبدالاول صاحب) اگر شوہر واقعی ناقابل علاج ہے تو ایسی صورت میں عورت کسی

مسلمان حاکم کے ہاں درخواست دے کر فسخ نکاح کا حکم حاصل کر سکتی ہے اور پھر عدت گزار کر عقد ثانی کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ خادم العلماء محمد عبدالاول راسخ دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی ۱۸-۵-۵۶

(۲۳۳) **جواب** - (از حضرت مفتی اعظمؒ) فسخ کا دعویٰ شوہر کے عنین ہونے کی بنا پر ہوگا تو قاضی یا حاکم ایک سال کی مہلت بغرض علاج دے گا اور ایک سال کے بعد عورت کی دوبارہ درخواست پر نکاح فسخ کر دے گا۔　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک لڑکی کا شوہر نامرد ہے۔ جب یہ بات ظاہر ہوئی تو علاج متواتر تین سال کرایا گیا۔ مگر وہ کامیاب نہیں ہوا۔ والدین لڑکی کا طلاق چاہتے ہیں وہ نہیں دیتا اور وہ اپنی مرضی سے لڑکی کو دوسری جگہ بٹھلانا چاہتا ہے جس کو وہ لڑکی اور وارثان پسند نہیں کرتے۔ ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔

المستفتی نمبر ۱۸۹۱ رحمان بخش صاحب (گوڑ گانوہ) ۷ رشعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۳۴) **جواب** - اگر شوہر نامرد ہے تو زوجہ کو حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دے کر نکاح فسخ کر دینے کی استدعا کرے۔ حاکم شوہر کو بقاعدۂ شرعیہ ایک سال کی مہلت دے گا۔ اور ایک سال میں بھی شوہر تندرست نہ ہوا تو عورت کی دوبارہ درخواست پر نکاح فسخ کر دے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید اور زبیدہ کی شادی صغر سنی میں اس کے والدین نے کی۔ زید اور زبیدہ بالغ ہوئے باہم مجامعت نہیں ہوئی۔ زبیدہ عرصہ دراز تک شرم و حجاب میں خاموش رہی۔ اب مجبور ہو کر اظہار کیا ہے کہ میرا شوہر قطعی نامرد ہے۔ مجھ سے کبھی قصد بھی نہیں کیا۔ میرا نکاح فسخ کرا کر شادی دوسرے مرد سے کی جائے۔ زید کی ظاہرا حالت زنانیہ ہے۔ زبیدہ عرصہ آٹھ ماہ سے ناامید ہو کر اپنے پیہر بیٹھی ہے لڑکے کے وارثوں نے لڑکے سے سپردگی کا دعویٰ عدالت میں کرایا۔ عدالت سے زید کو ڈگری مل گئی ہے جس سے اس کا منشا زبیدہ کو روک کر تکلیف پہنچانا ہے۔ زید پیدائشی نامرد ہے اور اس کے وارث چھٹکارا نہیں کرنے دیتے۔ ایسی حالت میں زبیدہ کیا کرے۔ اپنی جان پر کب تک ظلم برداشت کرے؟　المستفتی نمبر ۱۹۲۴ کریم بخش صاحب ضلع پیلواڑہ۔ ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۳۵) **جواب** - زبیدہ کو حق ہے کہ وہ عدالت میں اپنے شوہر کے نامرد ہونے کی بنا پر فسخ نکاح کا دعویٰ کرے اور عدالت اس کے شوہر کو بلا کر ایک سال کی مہلت دے گی اور اگر اس عرصہ میں بھی وہ تندرست نہ ہوا تو عورت کی دوبارہ درخواست پر عدالت نکاح فسخ کر دے گی فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہوا جس کو آج پندرہ سال کا زمانہ گذر چکا لیکن زن و شو کے مخصوص تعلقات نہ قائم ہو سکے بوجہ اس کے کہ زید نامرد ہے جس کی شہادت ہندہ دیتی ہے - اب ہندہ طلاق چاہتی ہے لیکن زید طلاق نہیں دیتا - ایسی صورت میں ہندہ کے لئے کیا چارۂ کار ہے — دراں حالیکہ آجکل شرعی قاضی بھی نہیں ہوتے - ہندہ کے لئے حصولِ طلاق کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی ۲۳۱۰ محمد یوسف صاحب ضلع بلیا - ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۳ جون ۱۹۳۸ء

(۲۳۶) **جواب** - ایسی صورت میں ہندہ انگریزی عدالتوں کے کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں فسخِ نکاح کے لئے درخواست کرے اور حاکم شوہر کو ایک سال کی مہلت بغرضِ علاج دے - اگر سال بھر میں وہ تندرست ہو جائے تو خیر ورنہ عورت کی دوبارہ درخواست پر حاکم نکاح فسخ کر دیگا اور عورت بعد انقضائے عدت دوسرا نکاح کرے گی - 　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص فطرۃً نامرد ہے - یعنی قوتِ مردمی سے محروم ہے - اس کی حرکات و سکنات میں بھی عورتوں سے مشابہت ہے - ایسے شخص کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی ۶۶ قاضی عبد الحمید امام جامع مسجد کرلا - بمبئی

۱۳ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۲۳۷) **جواب** - عنین کا نکاح صحیح ہو جاتا ہے - خواہ مادر زاد عنین ہو جبکہ مردانہ اعضاء موجود ہوں - اور عورت کے اعضاء نہ ہوں (جیسے کہ خنثیٰ میں دونوں اعضاء ہوتے ہیں) تو وہ مرد ہے اور اس کا نکاح صحیح ہے - حرکات اور بول چال میں عورتوں کی مشابہت ہو تو یہ صحتِ نکاح کے لئے مانع نہیں ہے - ایسے شخص کی امامت بھی درست ہے - 　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۵ء)

زید نامرد ہے۔ اس کی زوجہ اس حالت میں اس کے پاس گزارا نہیں کر سکتی۔ اور وہ طلاق نہیں دیتا۔

(۲۳۸) **جواب**۔ بغیر طلاق یا حکم فسخ حاصل کیے جانے یا خلع کے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔ نامرد کا نکاح حسب قاعدہ فسخ کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ طلاق یا خلع پر راضی نہ ہو تو عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست کرے۔ حاکم شوہر کو ایک سال کی مہلت بغرض علاج دے گا۔ اس کے بعد اگر وہ تندرست نہ ہو تو عورت کی دوبارہ درخواست پر حاکم نکاح کو فسخ کر دے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ساتواں باب

تحریری طلاق

سوال

زید کے عقد میں ہندہ تھی۔ دونوں میں لڑائی ہوئی۔ عورت (ہندہ) نے مرد (زید) سے کہا کہ مجھ کو طلاق دے دو۔ زید خاموش رہا۔ پھر دوسرے وقت کہا کہ طلاق دے دو۔ اس پر زید نے کہا کہ تم مہر نامہ لکھ دو میں طلاق دے دوں گا۔ زید دوپہر کو باہر چلا گیا۔ رات کو زید بازار سے کھانا لایا اور دونوں نے کھایا۔ پھر دوسرے روز ہندہ نے کہا کہ ہمارا فیصلہ نہ ہوگا۔ زید نے جواب دیا نہیں ہوگا۔ غرضکہ لڑائی میں چار روز گذر گئے۔ نہ کھانا پکا نہ کھایا گیا۔ پانچویں روز بہت اصرار پر زید کاتب اور حافظ صاحب کو بلا کر لایا۔ حافظ صاحب نے ہندہ کو بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانی۔ تب کاتب نے ہندہ سے دریافت کیا کہ تم مہر سے دست بردار ہوگی۔ ہندہ نے جواب دیا۔ میں ایسے تو دستبردار نہیں ہوں گی مجھ کو بیس روپے اور گھر کی گرہستی دیں تو دست بردار ہو سکتی ہوں۔ زید نے جواب دیا میں نہیں دے سکتا۔ پھر معاملہ ملتوی ہو گیا۔ دو دن بعد پھر ہندہ نے کہا۔ خدا کے واسطے میرا فیصلہ کر دو۔ چاہے مجھ کو کچھ بھی نہ دو۔ اس پر زید پھر کاتب کے پاس گیا اور کاتب سے کہا کہ ہندہ فیصلہ کرانا چاہتی

ہے جو کچھ لکھنا لکھانا ہو لکھ دو۔ (کاتب ہندو وثیقہ نویس ہے) کاغذ اسٹامپ کی خریداری کے دستخط اور نشان انگوٹھا زید اور ہندہ کے بھی لیے۔ اسٹامپ لے کر کاتب مکان چلا آیا۔ پھر صبح کو آیا۔ اور عورت سے پوچھا کہ کاغذ لکھوں۔ ہندہ نے جواب دیا لکھو۔ پھر زید سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ اگر ان کی مرضی ہے تو لکھو۔ کاتب نے دوسرے کمرے میں جا کر مسودہ لکھا۔ وہاں زید و ہندہ کوئی نہ تھا پھر زید وہاں گیا۔ کاتب نے اس کو مسودہ سنایا جس کی نقل پر انگوٹھا اور دستخط زید کا لیا گیا (جس کی نقل ہمرشتہ تحریر ہذا ہے) یعنی طلاقنامہ۔ اس کو سن کر زید خاموش چلا گیا۔ اس کے بعد دونوں کاغذ اسٹامپ پر لکھے گئے اور پھر کسی کو کوئی مضمون نہیں سنایا گیا بلکہ دونوں کے دستخط اور نشان انگوٹھا بھی لے لیے گئے۔ ہندہ نے زید سے چند چیزیں مانگیں۔ وہ زید نے بخوشی دیدیں۔ ہندہ وہ سامان لیکر دوسرے مکان میں چلی گئی۔ اور وہاں ایک دن اور ایک رات رہی۔ اس کے بعد زید کو بلا کر ہندہ نے کہا کہ اب مجھ کو گھر لے چلو میں کسی کے پاس نہیں رہ سکتی جس طرح ہو مجھ کو دو روٹیاں دو۔ یہ کل سرگزشت ہے لہذا جواب مرحمت فرمائیں۔ المستفتی ۵۸۴ ایچ ایم کریم بخش (ضلع اٹاوہ)

۲۴ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۲۵ اگست ۱۹۳۵ء

نقل معافی نامہ مہر۔ کاغذ قیمتی ایک روپیہ۔ منکہ مسماۃ حشمت بیگم دختر کالے خاں قوم مسلمان ساکن قصبہ اوریا ضلع اٹاوہ کی ہوں۔ واضح ہو کہ حسب منشاء منمقر بعد معافی زر مہر عوض مبلغ پانسو روپے بروئے تحریر طلاقنامہ مورخہ امروزہ نوشتہ امتیاز محمد خاں ولد ولایت خاں مسلمان ساکن قصبہ اوریا پرگنہ اوریا ضلع اٹاوہ نے مجھ کو طلاق دیدی ہے۔ لہذا ذریعہ تحریر ہذا اقرار کرتی ہوں اور لکھے دیتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ اب من مقرہ سے اور امتیاز محمد خاں سے کوئی واسطہ اور تعلق کسی قسم کا نہ رہا اور نہ آئندہ ہوگا۔ اگر آئندہ کبھی مقرہ یا میرے ورثہ و جانشینان مشار الیہ سے طلب نان نفقہ یا بعد وفات مشار الیہ خواستگاری حق زوجیت کا دعویٰ کریں تو از روئے تحریر ہذا بالکل باطل اور کاذب متصور ہو کر روبرو حاکمانِ وقت قابلِ پذیرائی تصور نہ فرمایا جاوے۔ لہذا یہ چند کلمے بطریق دستاویز اظہار انفساخ ازدواج لکھ دیئے کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آوے۔ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۵ء بقلم راج بہادر وثیقہ نویس اوریا۔ نشانی انگوٹھا و دستخط مسماۃ حشمت بیگم گواہ شد محمد عظیم بخش بقلم خود۔ گواہ شد محمد عبدالمنان بقلم خود۔

نقل طلاقنامہ - منکہ امتیاز محمد خاں ولد ولایت خاں قوم مسلمان ساکن قصبہ اوریا ضلع اٹاوہ کا ہوں جو کہ مسماۃ حشمت دختر کالے خاں مسلمان ساکن قصبہ اوریا ضلع اٹاوہ بالعوض مبلغ پانسو روپے زرمہر مئوجل عرصہ ڈیڑھ سال سے میری زوجیت میں تھی لیکن بوجہ اختلاف مزاج و اختلاف طبیعت باہم منمقر و زوجہ مذکورہ کشیدگی رہا کرتی ہے اور آئے دن طرح طرح کے قصے پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے تنازعات پیدا ہو رہے ہیں اور مسماۃ مذکورہ باوجود فہمائش اہل برادری طلب زرمہر پر زور دیتی ہے - یوں تو میں بھی طلاق دینے پر آمادہ تھا لیکن اب مسماۃ مذکور بخوشی خاطر خود بمعافی زرمہر مبلغ پانسو روپے مجھ سے طالب طلاق ہوئی - چنانچہ آج میں بعد معاف کرا لینے زرمہر مذکور کے بمعاوضہ زرمہر بطریق جائز بمواجہہ گواہانِ حاشیہ و دیگر اشخاص مسماۃ حشمت مذکور کو طلاق دی اور جلسہ عام میں کچھ ٹھہر ٹھہر کر تین طلاقیں حسب احکام شریعتِ محمدی دیدیں اور اپنی زوجیت سے خارج کر دیا - اب میری اور زوجہ میری کی قطعی جدائی ہو گئی - اب آئندہ نہ مجھ کو مسماۃ مذکور پر دعویٰ زوجیت کا رہا اور نہ مسماۃ کا مہر مجھ پر رہا - اب مسماۃ کو اختیار ہے کہ چاہے اپنا نکاح دوسرے سے کرے یا نہ کرے - اگر آئندہ میں مسماۃ پر دعویٰ زوجیت کا کروں یا مسماۃ مجھ سے مہر کی خواستگار ہو یا نان نفقہ کی عدالت میں نالش کرے تو قطعی ناجائز اور باطل ہوگی لہذا یہ چند کلمے بطریق طلاقنامہ لکھ دیئے کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آوے۔

مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۵ء - بقلم راج بہادر وثیقہ نویس - العبد نشان انگوٹھا و دستخط امتیاز محمد خاں

گواہ شد محمد عظیم بخش بقلم خود - گواہ شد عبدالمنان بقلم خود۔

(۲۲۹) **جواب** - اس روداد پر جو کاغذ نمبر ایک میں درج ہے اور جس کا ماحصل یہ ہے کہ ہندہ اور زید نے صرف کاغذوں پر دستخط کیے ہیں زبان سے کچھ نہیں کہا یعنی طلاق زبان سے نہیں دی ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ طلاق بائن بعوض معافی مہر کے ہوئی ہے - طلاق مغلظہ نہیں ہوئی ہے - اگر زید اور ہندہ باہم راضی ہوں تو بدون حلالہ نکاح جدید کر سکتے ہیں فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید اور اس کی زوجہ ہندہ کا خانگی امور میں نزاع رہتا تھا - نوبت یہاں تک پہنچی کہ زید تنگ آگیا

اور غصہ اور بے بسی کی حالت میں عورت کے روبرو خط تحریر کرکے ہندہ کو دیدیا کہ ہندہ بنت بکر کو تینوں طلاق ساتھ دیتا ہوں اور اپنے دستخط کرکے ہندہ کو دے دیا۔ اور خویش واقارب سے مذاکرۃً کہا کہ میں نے ہندہ کو طلاق دے دی تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ صورتِ مسئولہ میں غصہ اور بے بسی کی حالت میں جو ہندہ کو طلاق دی گئی ہے اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ اگر واقع ہوگی تو کتنی واقع ہوگی۔ رجعی بائن یا مغلظ؟ کیا تینوں طلاق کے ساتھ دینے میں اور علیحدہ علیحدہ دینے میں کچھ فرق ہے یا دونوں کا ایک حکم ہے۔ اور عورت کے روبرو ہوتے ہوئے تحریری طلاق معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۸۷۳ محمد اسمٰعیل سیلات (جوہانس برگ)

۲۵ محرم ۱۳۵۵ھ ۸ اپریل ۱۹۳۶ء

(۲۴۰) **جواب** - تینوں طلاقیں یکدم دینا ناجائز اور مکروہ ہے۔ لیکن اگر کوئی اس مکروہ فعل کو عمل میں لے آئے تو تینوں طلاقیں پڑجاتی ہیں۔ اور شخص مذکور خلافِ ہدایت عمل کرنے کا مواخذہ دار ہوتا ہے تینوں طلاقوں کا پڑجانا اور طلاق مغلظ ہو جانا امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل یعنی چاروں اماموں اور جمہور امتِ محمدیہ کا مذہب ہے۔ غصہ کی حالت کی طلاق پڑجاتی ہے۔ لفظ بے بسی سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد اکراہ ہو تو حالتِ اکراہ کی تحریری طلاق واقع نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ زبان سے تلفظ نہ کیا ہو۔ صرف کسی کے جبر واکراہ سے قلم سے لکھدی ہو فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ (دہلی)

سوال

اول نور محمد کی لڑکی اور رحمت اللہ کا لڑکا دوم نور محمد کی لڑکی اور رحمت اللہ کا لڑکا سوم نور محمد کی لڑکی اور رحمت اللہ کا لڑکا چہارم ولایت خاں کی لڑکی اور محمود خاں کا لڑکا پنجم ولایت خاں کی لڑکی اور نور محمد کا لڑکا ششم محمود خاں کی لڑکی اور نور محمد کا لڑکا نابالغ تھے اور سب بالغ تھے۔ یہ سب آپس میں دو گواہوں کے سامنے اس شرط پر اپنے گھر سے قاضی صاحب کے یہاں گئے اور جو شرط مقرر کی وہ یہ ہے کہ تم ہماری کو طلاق دو گے تو ہم تمہاری کو طلاق دے دیں گے اور قاضی صاحب کے وہاں جاکر گواہوں کی موجودگی میں قاضی صاحب سے بھی کہا کہ یہ ہماری کو طلاق دیتے ہیں اور ہم ان کی کو طلاق دیتے ہیں۔ واسطے ان سب کے طلاق نامہ لکھدو۔

ازاں بعد قاضی صاحب نے ان سب کے طلاق نامہ کی تحریریں چھ تیار کیں۔ ان تحریروں میں قاضی صاحب سہواً الفاظ شرط کو بھول گئے باوجودیکہ طرفین نے قاضی صاحب کو بایں شرط کہا تھا۔ یہ ہماری کو طلاق دیتے ہیں تو ہم ان کی کو طلاق دیتے ہیں۔ ازاں بعد ایک ایک تحریر پر جمیع گواہوں کے قاضی صاحب نے دستخط لینے شروع کیے تو چار نے دستخط دے دیئے اور ایک بیمار تھا وہاں جاکر دستخط لینے پر ملتوی رکھا اور جو نابالغ تھا وہ حاضر نہ تھا۔ مگر اس کے طلاق کی تحریر اس کے والد نے لکھائی تھی گواہوں کے روبرو مگر دستخط کرنے کو اس کے والد کو کہا تھا تو اس کے والد نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ تو جنھوں نے چار تحریروں پر دستخط کیے تھے۔ انھوں نے بھی قاضی صاحب کو کہا۔ جب یہ دستخط کرنے سے انکار کرتا ہے تو ہماری طرف سے بھی طلاق نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری شرط یہ تھی کہ یہ ہماری کو طلاق دیں گے تو ہم ان کی کو طلاق دیں گے تو اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۸۰۷ حاجی معین الدین صاحب (ڈلیسہ) ۱۹ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۵ نومبر ۱۹۳۷ء

(۲۴۱) **جواب۔** چونکہ طلاق دینے والوں نے طلاق مشروط لکھنے کا حکم دیا تھا لیکن قاضی صاحب نے طلاق غیر مشروط لکھ دی اور دستخط کرنے والوں نے طلاق مشروط سمجھ کر دستخط کر دیئے تو یہ طلاق نہیں ہوئی اور نابالغ کی طرف سے اس کے ولی کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے اپنی منکوحہ زوجہ کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں طلاق لکھ کر بھیجدی جس کو عرصہ بیس روز کا ہوا۔ بعد ازاں وہ اپنی زوجہ کو اپنی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے۔ نیز یہ بھی کہتا ہے کہ میرا طلاق دینے کا قطعی ارادہ نہ تھا۔ ایک دشمن نے میرے اوپر سفلی علم کرایا جس کا اثر یہ ہوا کہ میرا ایک گھنٹہ میں طلاق دینے کا ارادہ ہو گیا اور اسی وقت طلاق لکھ کر بھیجدی۔ گویا مجھے اس بات کا ہوش نہ رہا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کیا نہیں کر رہا۔ اور یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ایک دشمن نے میرے اوپر سفلی کرائی ہے۔ لہٰذا اب زوجہ کو رجوع کرنے کے لئے شرع مقدس کیا اجازت دیتی ہے اور کس طرح؟ المستفتی نمبر ۱۸۳۲ عبدالغفور محلہ نیاریان دہلی ۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۴۲) **جواب۔** اگر خاوند اس امر کا اقرار کرے کہ لکھی ہوئی تحریر اسی نے لکھ کر یا لکھوا کر بھیجی ہے

توطلاق پڑگئی اور جس قسم کی طلاق تحریر میں ہوگی اس قسم کی پڑی ہے۔ اگر تین طلاقیں لکھی تھیں تو تین پڑیں اور رجوع جائز نہیں۔ یہ عذر کہ شوہر کے ہوش و حواس قائم نہ تھے اس کی تحقیقات بذریعہ قاضی یا ثالث کے ہوسکتی ہے۔ اگر قاضی یا ثالث بعد تحقیقات کے یہ فیصلہ کردے کہ فی الحقیقت شوہر تحریر طلاق کے وقت ہوش و حواس بجا نہ رکھتا تھا اور زوال ہوش و حواس اس کے اختیاری ناجائز فعل سے نہ تھا تو قاضی یا حکم یہ فیصلہ دے سکتا ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک مسلمان کی شادی بلوغیت کی حالت میں ایک نابالغ مسلمان لڑکی سے ہوئی۔ اب لڑکی بالغ ہوگئی ہے مگر آج تک رخصتی نہ ہوئی ہے۔ بات یہی تھی کہ محرم کے ماہ میں رخصتی ہوگی۔ اس کا شوہر کلکتہ میں ملازمت کرتا ہے۔ اس نے کسی کی شکایت یا بدظنی کی بنا پر طلاق نامہ لکھ کر ڈاک کے ذریعہ سے لڑکی کے وارث کے پاس بھیج دیا جس کا خلاصہ یہ ہے:-

علی جان سبحان و علی بخش کو معلوم ہو کہ ہماری شادی جو تمہاری بہن زیبن سے ہوا تھا ہم اس کو آج مجبوری سے طلاق دیتے ہیں۔ خدا رسول اور سب فرشتوں کو گواہ رکھ کر تین طلاق۔ تمہارے خاندان کا حال پہلے سے ایسا معلوم نہ تھا۔ سب لوگ کہتے بھی تھے۔ بولو تمہاری بہن تھانہ کے داروغہ سے پھنسی ہے۔ روشن میاں سے بھی پھنسی ہے وغیرہ۔ ہم نے آنکھ سے دیکھا جو مولوی صاحب کو بھی ہم بولے تھے۔ علی خان اپنی ماں اور خالہ سے بھی کہہ دیں کہ ہم تمہاری بیٹی زیب النساء کو تین طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا۔ ہم نے محبوب میاں، عبدل میاں کو بھی لکھ کر بھیجدیا ہے۔ تم سب لوگ بھڑوا ہو۔ لو اب گھر میں رکھ کر کمائی کھاؤ۔ خدا تم لوگوں کو غارت کرے گا۔ ہم کو بہت لڑکی ہیں مگر تمہارے جیسے رنڈی نہیں۔ شیخ محی الدین علی پور، کلکتہ

مندرجہ بالا طلاقنامہ آنے کے بعد محی الدین کہتا ہے کہ رخصتی کردو ہم نے طلاق نہیں دی ہے بالکل جھوٹ بات ہے۔ یہ طلاقنامہ ہم نے نہیں لکھا ہے۔ خدا کی قسم اور بھاری بھاری قسم کھاتا ہے کہ ہم کو طلاق تک کی خبر نہیں ہے۔ کسی دشمن یا دوسرے شخص نے میری طرف سے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا ہوگا۔ ہم نے نہ تو طلاق دیا ہے نہ برا بھلا کہا ہے۔ ہم کو لڑکی رخصت کردو۔

یہ طلاقنامہ جعلی ہے۔ طلاق نامہ لڑکی کے یہاں موجود ہے اور وہ انکار کرتا ہے کہ یہ ہم نے نہیں لکھا ہے اور ڈاکخانہ کا مہر بھی صاف کلکتہ کا ہے جہاں وہ ملازم ہے۔ اس کے علاوہ ایک خط اور بھی ہے جو شوہر کی ماں لے کر لڑکی کے پاس آئی تھی۔ یہ طلاقنامہ کے پہلے اس میں لکھا ہے۔ یعنی انھوں نے اپنی ماں کو لکھا ہے کہ تم برابر یہ خط لے کر کہ گیپور رخصتی کے لئے جاؤ۔ رخصتی مانگو اور کہہ دو کہ یہاں کا چال چلن اچھا نہیں ہے۔ لڑکی اب بچی نہیں ہے اور کہہ دو کہ اگر رخصتی نہ کرو گے تو ہم پھر طلاق دیدیں گے تو پھر پچھتاؤ گے۔ لڑکی والے نے رخصتی نہ کی اور خط بھی لڑکی والے نے رکھ لیا۔ شوہر کہتا ہے کہ یہ خط بھی ہم نے نہیں لکھا ہے سب جعلی ہے ماں کو کوئی بھیجا ہوگا۔ اب بتلائیے کہ لڑکی کو طلاق پڑی یا نہیں۔ کیا اس کے انکاری ہونے سے طلاق صحیح نہ ہوگی۔

المستفتی نمبر ۲۰۳۷ محمد رمضان خان (ضلع مونگیر)

(۲۴۳) **جواب**۔ تحریری طلاقنامہ کے معتبر ہونے کیلئے ضروری ہے کہ یا تو شوہر خود اقرار کرے کہ اس نے طلاقنامہ بھیجا ہے۔ یا اس امر کے شاہد موجود ہوں جو شہادت دیں کہ یہ طلاقنامہ ان کے سامنے شوہر نے لکھا ہے یا لکھوایا ہے۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو پھر شوہر کا یہ حلفیہ بیان کہ اس نے یہ طلاقنامہ نہیں لکھا نہ لکھوایا نہ بھیجا قبول ہوگا اور طلاق کا حکم نہ دیا جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

تحریری طلاق دے کر انکار کرنا۔ تحریر کا اپنی ہونے کا اقرار لیکن طلاق دینے سے انکار ہے اور واقعی زبان سے طلاق نہیں دی ہے۔ گواہ یہی کہتے ہیں کہ زبان سے طلاق نہیں دی صرف لکھ دیا ہے۔ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۴۱ حافظ محمد اسماعیل صاحب (آگرہ)

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

(۲۴۴) **جواب**۔ تحریری طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے جبکہ شوہر اپنے ہاتھ سے طلاق تحریر کرے یا دوسرے کی طلاق کو پڑھ کر یا سُنکر خوشی سے دستخط کر دے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

دہلی

سوال

ہندہ بنت ابوبکر زوجۂ عمر نکاح کے دو سال بعد اپنی والدہ کے ہاں گئی۔ جب عمر لینے کے واسطے گیا تو ابوبکر وغیرہ نے اپنے چند ہمسایوں کو جمع کر کے عمر کو دھمکی قتل اور مار پیٹ کی دے کر طلاقنامہ مندرجہ ذیل لکھوالیا:

منکہ عمر ولد عبداللہ ساکن فلاں جگہ کا ہوں جو کہ عقد نکاح میرے ساتھ مسماۃ ہندہ بنت ابوبکر کے ہوا تھا۔ اب وہ مجھ سے ناراض ہے اور میرے ساتھ جانا نہیں چاہتی اور خواہشمند طلاق کی ہے۔ لہذا میں نے اس کو عنداللہ طلاق دے کر آزاد کر دیا۔ اب میرا اس کے ساتھ کوئی واسطہ نہ رہا۔

بعد تحریر کہا کہ یہ تحریر میں نے تم لوگوں کے کہنے سے لکھ دی ہے۔ اگر میں ہزار سال بھی زندہ رہوں گا تو بھی طلاق نہیں دوں گا۔ ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۸۴۲ نواب زادہ محمد مرشد خان مراد آباد ۱۵ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۲۴۵) **جواب**۔ اگر یہ تحریر جبر و اکراہ سے لکھوائی گئی ہے اور زبان سے طلاق کا تلفظ نہیں ہوا تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کذا فی کتب الفقہ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جون ۱۹۳۴ء)

ایک شخص نے اپنی زبان سے اپنی منکوحہ عورت کو طلاق کا کوئی لفظ صراحۃً اور کنایۃً نہیں کہا۔ ہاں ایک فرضی طلاقنامہ لکھ کر تین چار آدمیوں نے زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اس جعلی اور فرضی طلاقنامہ پر اس کا انگوٹھا ضرور لگوالیا ہے۔ اس صورت میں اس کی منکوحہ پر طلاق واقع ہو جائیگی یا نہیں؟

سائلِ مذکور اُن کے مجبور کرنے پر طلاق کا کاغذ خریدنے تو اُن کے ساتھ گیا۔ مگر ہر چند انکار کرتا رہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق نہیں دوں گا اور کاتب کو ہر چند طلاقنامہ لکھنے سے روکا گیا مگر مکرہین نے اپنے طور پر ایک فرضی طلاقنامہ تیار کر لیا اور سائل سے زبردستی صرف انگوٹھا لگوالیا گیا۔ اور سائل نے طلاق کا لفظ زبان سے نہیں کہا۔

چند آدمی ایک پاس کے شہر میں سائل کو دھوکے سے لے گئے۔ انھوں نے اپنی گرہ سے دام دے کر طلاق کا کاغذ خرید لیا اور وثیقہ نویس سے طلاق کا کاغذ لکھوانا شروع کیا۔ میں نے وثیقہ نویس کو ہر چند لکھنے سے روکا اور بیس روپے دینے کا وعدہ بھی کیا مگر وہ نہ مانا۔ یہ جعلی کاغذ لکھوا کر تین چار آدمیوں نے پکڑ کر میرا انگوٹھا لگوا لیا۔

(۲۴۶) **جواب**۔ اس طرح زبردستی انگوٹھا لگوا لینے سے اس کی بیوی پر طلاق نہیں ہوئی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۹ رنومبر ۱۹۳۴ء)

سلیمان صاحب کا بیان ہے کہ ستمبر ۱۹۳۳ء میں میرا لڑکا اپنی بہن خدیجہ بی بی کو مولمین سے رنگون لینے کو آیا اور اپنی بہن کو لے کر رنگون اسٹیشن پر پہنچا۔ اسٹیشن پر خدیجہ بی بی کا شوہر احمد آیا اور خدیجہ بی بی کو قرآن شریف دیا اور کہا کہ تم اپنا قرآن شریف بھی لیتی جاؤ۔ مولمین پہنچ کر تقریباً ایک ماہ بعد خدیجہ بی بی کو قرآن شریف پڑھتے پڑھتے ایک خط اس میں رکھا ہوا ملا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔ مرقومہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۲ء میں نے اپنی بی بی خدیجہ بنت سلیمان کو اپنی خوشی سے تین طلاقیں دیں۔ بقلم احمد

احمد شوہر خدیجہ بی بی کا حلفیہ بیان ہے کہ میں نے کبھی بھی اس قسم کا نہ خط لکھا اور نہ دوسرے سے لکھوایا۔ نہ میں نے قرآن شریف میں رکھا نہ رکھوایا۔ ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲۴۷) **جواب**۔ اگر خدیجہ بی بی اس امر کا ثبوت پیش کر سکتی ہے کہ یہ خط اس کے شوہر نے لکھا یا لکھوایا ہے تو البتہ وقوع طلاق کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کے پاس کوئی شہادت نہیں صرف قرآن مجید میں یہ پرچہ نکلنا بیان کرتی ہے تو شوہر کا حلفیہ بیان قبول کیا جائے گا۔ اور طلاق واقع ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۹ راپریل ۱۹۳۶ء)

میری ہمشیرہ عرصہ سے میرے مکان پر رہتی تھی اسی ایام میں میرے بہنوئی بشارت علی نے ہمیشہ جھگڑا فساد کیا اور نوبت تفریق تک پہنچی۔ اسٹامپ کا غذ خود بشارت علی لایا اور لکھا۔ جس وقت کاغذ لکھا جارہا تھا اس وقت بیس پچیس آدمی وہاں موجود تھے۔ کاغذ لکھتے لکھتے گود کی لڑکی کا ذکر آیا جس پر بشارت علی نے جھگڑا کیا اور اسٹامپ کا غذ ادھورا رہ گیا۔ وہ نامکمل کاغذ لے کر اپنے گھر چلا گیا۔ کچھ روز کے بعد دو چار آدمی اور بشارت کے والد اور احباب میرے گھر جمع ہوئے اور مصالحت ہوئی۔ ہم نے ہمشیرہ کو بشارت کے والد کے ساتھ مع گود کی بچی کے بھیج دیا۔ ایک ماہ بعد پھر جھگڑا فساد مار پیٹ کی گئی۔ اب ہمشیرہ مع بچی کے میرے گھر آگئی ہے اور وہ اسٹامپ کاغذ بھی میرے پاس ہے جس پر نہ بشارت کے دستخط ہیں نہ کسی گواہ کے۔

(۲۴۸) **جواب**۔ اگر بشارت نے زبانی طلاق دے دی ہو تو طلاق ہو گئی۔ زبانی طلاق کی شہادت پیش کرنا عورت کے ذمہ ہے اور زبانی طلاق نہیں دی تھی صرف اسٹامپ لکھا تھا تو یہ اسٹامپ جس پر دستخط نہیں ہیں بیکار ہے۔ اس سے طلاق کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

آٹھواں باب

طلاق بالاکراہ

سوال

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو اپنے باپ کے جبر واکراہ سے مجبور ہو کر طلاق دی۔ زید طلاق دینے پر راضی نہ تھا اور نہ اس کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ تین طلاق دینے کے بعد حلالہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف یہ معلوم تھا کہ عدت کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی۔ لہذا زید اپنے اس فعل پر سخت منفعل ہے۔ عورت بھی کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا نہیں چاہتی بلکہ زید کے پاس واپس آنا چاہتی ہے۔ حلالہ کرنا بھی نہیں چاہتی۔ وہ اپنی عصمت کو دوسرے مرد کے ہاتھ بیچنا نہیں چاہتی ہے۔ قوی احتمال ہے کہ بلا حلالہ وہ نکاح کرلیں اور حدود شرع سے تجاوز کریں۔ عورت عفت مآب ہے۔ دونوں کی محبت درجۂ عشق تک پہنچی ہوئی ہے۔

المستفتی نمبر ۶۳۶ مولوی عبدالوہاب ضلع بارہ بنکی) ۳ رجب ۱۳۵۴ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(۲۴۹) **جواب** - اگر معاملہ فی الحقیقت اس حد تک پہنچ گیا ہو تو زوج کسی ایسے عالم سے جو طلاق مکرہ کے وقوع کا قائل نہ ہو فتویٰ حاصل کر کے احتیاطاً تجدید نکاح کر کے عمل کرلے - حنفیہ کے مذہب میں تو طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے - نیز تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ تجدید نکاح بھی نہیں ہو سکتی - اور بدون وطی حلالہ بھی معتبر نہیں ہوتا - فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سوال

بیوہ عورت سے جو نکاح کرنا چاہتا ہے لیکن وہ بیوہ اس سے نکاح کرنے پر آمادہ نہیں ہے پھر وظیفہ کے ذریعہ سے یا تعویذ کے ذریعہ اس کا رجحان ہو جاتا ہے - اور وہ نکاح کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے - بعدازاں نکاح ہو جاتا ہے - کچھ عرصہ کے بعد عمل کا اثر جاتا رہتا ہے - یا کہنے والے کہتے ہیں کہ تو تو انکاری تھی اور نکاح کیوں کیا - اب وہ جواب دیتی ہے کہ خود میں حیران ہوں کہ پہلے تو مجھ کو انکار تھا - ایک دم میں نے دل سے اقرار کرتے ہوئے نکاح کرلیا - اب اسے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اوپر کسی قسم کا عمل تعویذ وغیرہ کا کیا گیا - اور مرد بھی اقراری ہوتا ہے کہ ہاں میں نے ایسا کیا - یہ عورت فوراً بدظن ہو جاتی ہے - آیا یہ نکاح جائز رہا یا نہیں - اسی طریقہ سے بالغہ باکرہ کے ساتھ مندرجہ بالا عمل ہوتا ہے - پھر وہ بھی اس سے بدظن ہو جاتی ہے - ایسے ہی دیکھا گیا کہ خاوند طلاق دینے کو آمادہ نہیں ہے اور اس کو تعویذ وغیرہ کے ذریعہ آمادۂ طلاق کیا گیا اور اس نے طلاق دیدی - ایسے حالات میں طلاق صحیح پڑی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۴۰ ۵ رجمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۴ اگست ۱۹۳۶ء

(۲۵۰) **جواب** - نکاح اور طلاق سب صحیح اور واقع ہو جاتی ہے جبکہ اختیار اور خوشی سے واقع ہوں - یہ وہم کہ عمل یا تعویذ کے ذریعہ سے ایسا ہوا معتبر نہیں ہے - فقط -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص پر اس کا بڑا بھائی حملہ کرتا ہے اور جس پر وہ حملہ آور ہے اس کو اپنی جان کا خطرہ ہے - حملہ آور کا مطالبہ ہے کہ اگر تجھ کو اپنی جان بچانی ہے تو اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے -

وہ شخص ہر طرح انکار کرتا ہے مگر طلاق سے اس کا انکار و عذر و معذرت کوئی کارگر نہیں۔ اپنے خوف سے جس میں جان کا خوف ہے وہ شخص قلم دوات لے کر ایک کاغذ پر طلاق مکرر سہ کرر لکھ دیتا ہے اور جب طلاق کا لفظ لکھنے لگتا ہے تو بار بار رو رو کر یہ کہتا ہے کہ تیرے ڈر سے میں یہ لفظ لکھ رہا ہوں میرے دل سے طلاق کا انکار ہے۔ میں طلاق ہرگز نہیں دیتا ویسے لکھ دیتا ہوں اور یہ شرعاً طلاق ہو ہی نہیں سکتی۔ صورت مذکورہ میں مُنکرہ شخص کی بیوی کو کیا شرعاً طلاق ہوگئی یا نہیں۔ طلاق کا لفظ لکھتے وقت وہ طلاق سے صاف مُنکر ہے۔ جو حکم شرعی ہو اس سے اطلاع بخشی جاوے تاکہ اس پر عمل ہو۔ کیونکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے عدم وقوع طلاق کا فتویٰ دیا ہے۔ اگر ایسا ہی ہو تو زہے قسمت۔ ورنہ جو حکم شرعی ہو اس پر عمل کیا جائے۔

المستفتی نمبر ۱۳۴۷ سکریٹری انجمن رحمانیہ (جہانیا منڈی ضلع ملتان)

۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(۲۵۱) **جواب** - اگر اس شخص نے بحالتِ اضطرار صرف طلاق لکھ دی ہے۔ زبان سے ایقاع طلاق کے الفاظ ادا نہیں کیے تو اس کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی۔ فلو اُکرِہَ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق الخ (شامی) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

بکر کے رشتہ دار نے اگر بکر سے کہا کہ تم اپنی بیوی کلثوم کو طلاق دیدینا ورنہ ہم تم سے تعلق قطع کرلیں گے اور تمہاری بدنامی و خواری کریں گے تو بکر نے اپنی عزت شکنی کے خوف سے ان لوگوں کے سامنے اپنی عزت بچانے کے لئے ایک پرچہ پر لکھ دیا کہ میری بیوی فلانہ بنت فلاں میری طرف سے تجھ کو طلاق ہے صرف تحریر کردیا مگر زبان سے کچھ نہیں کہا اور نہ دل میں ارادہ طلاق دینے کا تھا تو حکمِ شرعی کلثوم کے حق میں کیا ہے۔ اگر یہ چاروں وقوعات ایک ہی عورت کے ساتھ واقع ہوجائیں تو اس کے حق میں کیا حکم شرعی صادر ہوتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۶۰۶ مولوی محمد وسیم صاحب مدرس اول مدرسہ ریاض العلوم (کانپور)

۵ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جولائی ۱۹۳۷ء

(۲۵۲) **جواب** - اگر زید کو اس کتابت پر مجبور کیا گیا ہو تو اس لکھ دینے سے طلاق نہ ہوگی بشرطیکہ

زبان سے تلفظ نہ کیا گیا ہو۔ مجبوری سے مراد یہ ہے کہ اس کو جان کا یا کسی عضو کے تلف ہونے یا ضرب شدید کا خوف اور ظن غالب ہو گیا ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

میری ساس صبح چھ بجے آئیں اور مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ چل۔ میں نے کہا کہ چلتا ہوں کیا کام ہے ابھی سو کر اٹھا ہوں منہ ہاتھ دھولوں اس کے بعد چلوں گا آپ ذرا بیٹھ جائیں ابھی چلتا ہوں۔ اس پر ساس صاحبہ نے جواب دیا۔ منہ ہاتھ بعد میں آکر دھو لیجیو میں یہاں نہیں بیٹھتی۔ ابھی میرے ساتھ چل۔ میں مجبوراً ساس صاحبہ کے کہنے پر چلا گیا اور وہ مجھے اپنے ماموں کے یہاں لے گئیں وہاں میں نے دیکھا کہ کئی مرد اور عورتیں جمع ہیں۔ میں خاموش جا کر بیٹھ گیا اور حیران تھا کہ کیا ماجرا ہے۔ کچھ دیر کے بعد مجھ سے سب نے کہا۔ ہماری لڑکی کو طلاق دے۔ میں نے طلاق دینے سے انکار کیا اور سب نے مجھے گھیر لیا تب میں نے مجبوراً یہ کہا اچھا مجھے دو دن کی مہلت دو۔ اس کے بعد طلاق دے دوں گا۔ اس پر سب نے کہا ابھی طلاق دے مہلت نہیں دیتے۔ میں نے کہا۔ اچھا ایک دن کی ہی مہلت دے دو اس پر بھی انکار کیا گیا۔ اس کے بعد پھر میں نے کہا کہ گھنٹہ دو گھنٹہ کی مہلت دو۔ بار بار مہلت مانگی لیکن کسی صورت مجھے مہلت نہ دی اور طلاق دینے پر مجبور کیا اور چاروں طرف سے سب نے مجھے گھیر لیا اور ہزاروں باتیں بنائیں اور میرے بزرگوں کو گالیاں دیں۔ میں سب کچھ برداشت کرتا رہا۔ کیونکہ میں تنہا تھا اور میرا وہاں کوئی نہ تھا۔ اور مجھے دھوکہ سے بلا لیا تھا کہ ضروری کام ہے۔ اسی جبر کی صورت میں بیدلی اور بیکسی کی حالت میں مجھ سے جو میرے ساڑھو نے کہا وہ لکھ دیا۔ میرا ساڑھو جو کچھ لکھواتا رہا میں لکھتا رہا خوف کی وجہ سے لکھنے سے انکار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ میرا ساڑھو مجھ سے طاقتور اور قوی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی مرد تھے۔ میں اپنی ذات سے اکیلا تھا۔ مجھ سے جو طلاق کے طور پر کاغذ لکھوایا تھا۔ وہ میری ساس صاحبہ میرے ہاتھ سے چھین کر لے گئیں تب میں نے پڑوسیوں کی طرف مخاطب ہو کر زور سے کہا کہ مجھ سے زبردستی طلاق لکھوائی ہے۔ میں نے دل سے طلاق نہیں لکھی اور نہ اپنی زبان سے طلاق دی۔ اس کے بعد مجھے ہوش نہ رہا جب مجھے ہوش آیا تو میں ناتوانی کی حالت میں گھر آیا اور کسی سے کچھ نہ کہا۔ اس کے بعد اپنی ملازمت پر چلا گیا۔ کیونکہ میری ملازمت کا وقت ہو چکا تھا

اور دیر بھی ہو گئی تھی۔ دوسرے روز میں نے وہاں کے پڑوسیوں سے پوچھا کہ تم کو کچھ پتہ ہے میں نے کیا لکھا ہے اور مجھ سے کیا لکھایا گیا ہے۔ تب وہاں کے پڑوسیوں نے زبانی مضمون بتایا اور کہا کہ لکھتے وقت تجھے ہوش نہ تھا۔ ہم تیرے معاملے میں اس وجہ سے نہیں بولے کہ ہم سے روزانہ لڑائی رہتی۔ وہ مضمون یہ ہے جو کہ مجھ سے جبر یہ لکھوایا گیا۔ (یلینکہ اکرام اللہ خاں ولد کفایت اللہ خاں زوجہ اپنی کو مولوی عبدالہادی و محمد یامین خاں کے سامنے اپنی اہلیہ اور اس کی والدہ کے کہنے پر اپنی لڑکی رئیسہ خاتون کو لے کر تین طلاقیں دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے خارج کرتا ہوں۔ اکرام اللہ خاں بقلم خود۔ مورخہ ۲ / اگست ۱۹۳۸ء

میری زوجہ کو تین یا چار ماہ کا حمل بھی ہے۔ اور میری لڑکی اپنی ماں کے ہی پاس ہے اور اور دو ماہ پیشتر بیوی کی نانی صاحبہ سے میرا جھگڑا ہوا تھا۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ بے ولی اور بغیر زبان کے طلاق دیئے طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی۔ فقط

میں حلفیہ کہتا ہوں کہ نہ میرے دل میں طلاق کا خیال تھا اور نہ میں نے دل سے طلاق لکھی اور نہ زبان سے طلاق کا کوئی لفظ ادا کیا۔ اتنی بات ضرور ہے کہ میرا ساڑھو عبدالہادی مجھ سے دشمنی رکھتا ہے۔ کیونکہ مجھ سے پیشتر اس کے چھوٹے بھائی سے میری زوجہ کا نکاح ہوا تھا۔ المستفتی ۲۴۰۶ اکرام اللہ خاں دہلی۔ ۳ / رجب ۱۳۵۷ھ م ۳۰ / اگست ۱۹۳۸ء

(۲۵۳) **جواب**۔ اگر یہ طلاق جبراً لکھوائی گئی ہے اور زبان سے طلاق نہیں دی گئی تو طلاق نہیں ہوئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ / اپریل ۱۹۲۸ء)

طلاق جو بالجبر حاصل کی جائے یا شوہر نے بحالتِ نشہ دی ہو کیا اثر رکھتی ہے۔ اہلِ تشیع میں ایسی طلاق مانی نہیں جاتی مگر اہلِ سنّت اس کو مانتے ہیں۔ کیا اس مسئلہ کے ہوتے ہوئے کوئی کمزور مسلمان اپنی بیوی کو قبضہ میں رکھ سکتا ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ کی سوانح عمری مؤلفہ مولانا سید سلیمان ندوی جو دار المصنفین سے شائع ہوئی ہے اس میں جبریہ حاصل کی ہوئی طلاق کو ناجائز و ناقابلِ عمل لکھا ہے۔

(۲۵۴) **جواب** - جبریہ طلاق میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ضرور ہے۔ مگر ہم حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ جبریہ طلاق اور نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اور ہماری دلیل حدیث " ثلاث جدھن جد وھزلھن جد " ہے محمد کفایت اللہ غفرلہ

نواں باب ۹

لعان

سوال

ایک منکوحہ عورت پر اس کے شوہر نے ایک غیر مرد کے ساتھ ناجائز تعلق قائم کرنے کا الزام لگایا اور اس بنا پر اس سے قطع تعلق کرلیا۔ نیز اس کے نان نفقہ سے بے نیاز ہوکر روپوش ہوگیا۔ عورت متذکرہ الزام کو بے بنیاد ٹھہراتی ہے۔ اور الزام دہندہ شوہر سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے حاکمِ ضلع کی عدالت میں تنسیخِ نکاح کا دعویٰ کیا۔ عدالت سے شخص مذکور کے نام تین سمن جاری کیے گئے لیکن اس نے سمن کی تعمیل نہ کی اور حاضرِ عدالت نہ ہوا۔ لہذا عدالت نے تنسیخ نکاح کا حکم دے دیا۔ عورت اپنے آپ کو مطلقہ تصور کرتے ہوئے بعد انقضائے عدت ایک امام مسجد کی خدمت میں حاضر ہوکر ایک ایسے شخص سے نکاح کی طالب ہوئی جو کہ وہ نہیں ہے جس سے ناجائز تعلقات قائم کرنے کا الزام اس کے شوہر نے لگایا تھا۔ امام مسجد نے عدالت کے حکم تنسیخ نکاح کو کافی نہ جانا اور کسی عالمِ دین کے فتوے پر نکاح پڑھانے کی آمادگی ظاہر کی۔ طالب نکاح اور طالبۂ نکاح نے انجمن اسلامیہ لاہور کے مقرر کردہ مفتی مقیم شاہی مسجد لاہور سے ایک فتویٰ حاصل کیا جو کہ لف ہذا ہے۔ مفتی مذکور اس صورت کو لعان ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ شوہر اُن کے روبرو حاضر نہیں ہوا۔ امام مسجد نے اس فتوے کی سند پر نکاح پڑھا دیا۔ عورت اپنے جدید شوہر کے گھر آباد ہے۔ چند مسلمان ایسے ہیں جو مفتی صاحب کے فتوے کو غلط تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معاملہ مذکورہ میں لعان کی صورت پیدا نہیں ہوئی اور امام مسجد نے اس فتوے کی بنا پر مذکورہ مرد اور عورت کا نکاح پڑھنے سے ایک حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ ان چند مسلمان بھائیوں کا یہ خیال

ایک دوسرے فتوے کی بنا پر ہے جو انھوں نے ایک مولانا سے حاصل کیا ہے۔ مولانا ممدوح کا فتویٰ بھی لف ہذا ہے۔ ڈپٹی صاحب کے فیصلے کی نقل بھی منسلک ہے۔ مسلمانوں میں دو فریق ہو گئے ہیں۔ فیصلہ ان امور کے متعلق مطلوب ہے :۔

الف۔ مفتی صاحب مسطورہ فوق کا فتویٰ فقہ حنفی کی رُو سے درست ہے یا غلط؟

ب۔ اگر فتویٰ مفتی صاحب کا غلط ہے تو کیا اس کی بنا پر امام مسجد کا مذکورہ عورت مرد کا نکاح پڑھا دینا امام مسجد کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح کرے۔ کیونکہ مخالفِ فتویٰ گروہ کہتا ہے کہ امام مسجد نے حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے اور مرتکبِ حرام کافر ہے۔

المستفتی طالبِ حق ایم فضل الدین۔ پنجاب کوآپریٹو یونین۔ لاہور

نقل سوال وجواب انجمنِ اسلامیہ لاہور۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ میرے شوہر نے مجھے متہم بزنا کر کے بلا نان نفقہ چھوڑا ہوا تھا۔ میں نے عدالت میں اس امر کی چارہ جوئی کی اور وہاں سے مجھے تنسیخِ نکاح کا حکم ملا۔ اب میں دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ آیا شرعاً میرا نکاح فسخ ہو گیا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ صورتِ مذکورہ میں بحکم لعان کے حکمِ حاکم سے طلاق واقع ہو گئی اور نکاح فسخ ہو گیا۔ کیونکہ لعان میں حاکم وقاضی کے حکم سے تفریق واقع ہوتی ہے جیساکہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ سببه قذف الرجل امرأته قذفا یوجب الحد فی الاجانب فیجب به اللعان بین الزوجین۔ کذا فی النهایة۔ اذا قال لها یا زانیة او انتِ زنیتِ او رأیتك تزنین فانه یجب اللعان۔ کذا فی السراج الوهاج۔ اذا التعنا فرق الحاکم بینهما ولا تقع الفرقة حتی یقضی بالفرقة علی الزوج فیفارقها بالطلاق فان امتنع فرق القاضی بینهما وقبل ان یفرق القاضی لا تقع الفرقة الخ۔ فتاویٰ عالمگیری، جلد ثانی صفحہ ۱۸۶ و ۱۸۷۔ مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ لعان کی صورت میں حاکم وقاضی کے حکم سے طلاق وتفریق واقع ہوتی ہے اور نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ پھر ایامِ عدت گزر جانے کے بعد عورت جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ اس لئے مذکورۂ بالا صورت میں مسماۃ نصیرن کا نکاح حکم حاکم سے فسخ ہو گیا اور اب اسے شرعاً اختیار ہے کہ جس شخص کے ساتھ چاہے

عقدِ ثانی کرلے۔ نکاح سابق فسخ ہو گیا۔ کتبہ العبد الضعیف محمد عبد الستار عفی عنہ مفتی شاہی مسجد لاہور

نقل سوال و جواب مفتی عبد القادر صاحب مدرس مدرسہ غوثیہ عالیہ لاہور۔ کیا عورت کے اتنا دعویٰ کرنے سے کہ شوہر نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ اس الزام سے میں شوہر سے علیحدہ ہونا چاہتی ہوں۔ اس قسم کا دعویٰ حاکمِ وقت کے پاس دائر کیا اور دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت حاصل کرلی۔ اس اجازت کو مولوی عبد الستار صاحب نے لعان بنا کر جوازِ نکاح پر زور دیا۔ اس کے بعد ایک امام مسجد نے مطابق اجازت کے نکاح پڑھا دیا۔ اب شرعاً نکاح اور نکاح خواں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ۔صورتِ مسئولہ میں عورت اپنے شوہر سے علیحدہ نہیں ہو سکتی جب تک وہ طلاق نہ دے۔ محض الزام لگانے سے تفریق کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی۔ لعان قاضی شرعی کے روبرو ہوا کرتا ہے۔ یہاں وہ صورت اصلاً نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا نکاح کی اجازت بلا محل ثابت ہوئی۔ اسی وجہ سے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ امام مسجد نے جو نکاح پڑھایا ہے یہ ان کا فعلِ حرام ہے۔ لقولہ تعالیٰ۔ والمحصنات من النساء۔ شوہر والی عورت کا نکاح پڑھنا حرام ہے اور حرام کا مستحل کافر ہے۔ کافر کا اپنا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے پیچھے نماز وغیرہ قبل از توبہ ناجائز ہے۔ مجمع عام میں توبہ کرے اور تجدید نکاح و تجدید ایمان کرے۔ گواہوں کا بھی یہی حکم ہے۔ اور عورت شوہرِ ثانی سے نکال کر شوہر اول کے حوالے کرے۔ ہٰذا ما عندی۔ کتبہ مفتی عبد القادر مدرس مدرسہ غوثیہ عالیہ مسجد سادھوان لاہور خطیب شاہی ستمبر ۱۹۲۹ء

(۲۵۵) **جواب** (از حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صدر جمعیۃ علمائے ہند) دونوں فتوے درست نہیں ہیں۔ پہلا تو اس لئے کہ لعان جاری نہیں ہوا اور جب تک لعان جاری نہ ہو جائے لعان کا حکم یعنی تفریق بھی نہیں ہو سکتی۔ اور لعان ہو جانے کے بعد بھی قاضی کے حکمِ تفریق سے تفریق واقع ہوتی ہے نہ کہ خود بخود۔ اور قاضی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔ غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں۔

دوسرا فتویٰ اس لئے کہ ارتکابِ حرام موجب کفر نہیں۔ البتہ حرام قطعی کا استحلال موجب کفر ہوتا ہے۔ اور کسی حرام کا ارتکاب مستلزم استحلال نہیں۔ پس امام جس نے نکاح پڑھایا ہے اس کے کفر

کا حکم کرنا اور اس کا نکاح ٹوٹ جانے کا حکم کر دینا درست نہیں ہے۔ البتہ اس نے نکاح پڑھانے میں غلطی ضرور کی ہے۔ لیکن یہ غلطی اسے کافر نہیں بناتی۔ اسی طرح نکاح کے گواہ اور شرکا بھی کافر نہیں ہوتے۔ نیز نکاح خواں نے اس فتوے کی بنا پر نکاح پڑھا یا جس میں نکاح کو جائز بتایا تھا۔ تو اس نے منکوحۃ الغیر کا نکاح نہیں پڑھایا بلکہ اپنے خیال میں ایسی عورت کا نکاح پڑھایا جس کو وہ ایک عالم کے فتوے کے بموجب نکاح پڑھانے کا محل سمجھتا تھا اور اس صورت میں وہ مستحل حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگرچہ فی الحقیقت اس کا یہ خیال مطابق واقع نہ ہو۔ مگر اس کو تکفیر سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ غفر لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(۱) اگر ناکح خود اپنی زوجہ منکوحہ کا حمل حرام قرار دے اور مشہور کرے تو نکاح قائم رہتا ہے یا نہیں ؟ (۲) ناکح حمل حرام ثابت کرنے کے بعد اسے بطور زوجہ منکوحہ اپنے گھر رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟ (۳) بصورت سوال ۱ انفساخ نکاح پر مسماۃ دوسری جگہ اپنا نکاح کرنے کی مستحق ہے یا نہیں ؟ ناکح کا تحریری بیان ہے کہ میں ۹ ماہ سے اب تک اپنی منکوحہ کے پاس نہیں گیا اور نہ ہی اس سے ہم بستر ہوا اور منکوحہ کا سات ماہ کا حمل اس وقت ہو چکا ہے۔ مقدمہ منجانب منکوحہ واسطے تنسیخ نکاح عدالت کے سپرد ہے۔ المستفتی نمبر ۲۲ بابو نور الٰہی شملہ

۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ۷ اگست ۱۹۳۳ء

(۲۵۶) **جواب** - اس قسم کے بیان سے جیسا کہ ناکح نے دیا ہے اور سوال میں مذکور ہے نکاح فسخ نہیں ہوا۔ اگر وہ عدالت میں بھی یہی بیان دے اور اس پر قائم رہے تو بقاعدۂ شرعیہ اس کو لعان کرنا پڑے گا۔ اور اگر لعان کر لیا جائے گا تو پھر حاکم زوجین میں تفریق کرا سکے گا۔ ناکح کا یہ خیال کہ میں ۹ ماہ سے زوجہ سے ہمبستر نہیں ہوا اور اس کو سات ماہ کا حمل ہے تو یہ حمل کسی بدفعلی کا ہی نتیجہ ہے، غلط ہے۔ اسلئے کہ جس حمل کو سات ماہ کا سمجھا جاتا ہے ممکن ہے کہ وہ زیادہ مدت کا ہو کیونکہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال تک ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ نو ماہ میں ہی بچہ پیدا ہو جائے۔ تو اس کو اس خیال سے باز آنا چاہئے۔ جب تک باقاعدہ لعان نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی منکوحہ اس کی بیوی ہے اور وہ اس کو مثل زوجہ رکھ سکتا ہے۔ ہاں اگر وہ اس قسم کا جھوٹا الزام

لگائے گا تو اس پر حد قذف لازم آئے گی یا لعان کرنا ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی۔ الجواب صحیح محمد عظمت اللہ نائب مفتی جمعیۃ علمائے ہند۔ زوجہ کے لئے بہتر ہے کہ شوہر سے خوبصورتی سے تصفیہ کرلے ورنہ لعان آخری شرعی فیصلہ ہے۔

کتبہ بندہ محمد یوسف عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

اگر کسی شخص کی بیوی اپنے خاوند کے گھر سے کسی رشتہ دار کے گھر آوے اور وہاں آکر دو ماہ بعد حمل قرار پا جائے اور خاوند اپنے تئیں اس رشتہ دار کے گھر آنا بغرض الزام زنا کاری ظاہر نہ کرے اور اس رشتہ دار سے اپنی بیوی کا ناجائز تعلق بیان کرے اور بیوی پر تہمت زنا کاری لگائے اور حمل حرام قرار دے تو بروئے لعان مندرجہ منکوحہ تنسیخ نکاح کی مستحق ہے یا نہیں اور علمائے دین تفریق زوجین بقاعدہ شرعیہ کس طرح فرماتے ہیں؟ (۲) مسماۃ مذکورہ کا حمل اس وقت سات ماہ کا ہے۔ بصورتِ تنسیخ نکاح وہ دوسری جگہ اپنا نکاح کس وقت کر سکتی ہے؟

المستفتی ۲۳ بابو نور الٰہی شملہ۔ ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ، ۷ اگست ۱۹۳۳ء

(۲۵۷) **جواب**۔ خاوند کی طرف سے بیوی پر زنا کی تہمت لگائی جائے تو لعان واجب ہوتا ہے۔ لعان کی صورت یہ ہے کہ مرد پانچ قسمیں کھاتا ہے کہ میں نے عورت کی طرف جو زنا کاری کی نسبت کی ہے اس میں میں سچا ہوں۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ پھر عورت بھی پانچ قسمیں کھائے کہ میرا خاوند اس الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔ اگر وہ سچا ہو تو میرے اوپر خدا کا غضب نازل ہو۔ اگر فریقین یہ قسمیں کھالیں تو لعان پورا ہوا۔ اور اس کے بعد حاکم دونوں میں تفریق کر دیتا ہے اور نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ زوجہ کو مہر دلوا دیا جاتا ہے اور بعد انقضائے عدت وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید تین سال کے بعد پردیس سے واپس آیا۔ اس کی زوجہ ہندہ نے اس کی غیبوبت کے زمانے کا نفقہ طلب کیا۔ زید نے خرچہ دینے سے انکار کیا اور بہتان زنا کا دیا۔ ہندہ نے اپنا تعلق

زن و شو قطع کر کے بہتانِ زنا کا دعویٰ حاکمِ وقت کے سامنے پیش کیا۔ حاکم نے فریقین کے دعوے اور جواب اور شہادت سننے کے بعد فسخ نکاح کا حکم صادر فرمایا اس وجہ سے کہ زید نے خرچہ طلب کرنے پر جھوٹا بہتان تہمت زنا کی لگائی ہے۔ اس لئے قانونِ محمدی کی رُو سے ہندہ فسخ نکاح کی مستحق ہے۔ زید نے عدالتِ عالیہ میں اپیل داخل کر کے پردیس دوسری سلطنت میں چلا گیا۔ تین سال کے بعد حاکم نے اپیل خارج کر کے پہلا فیصلہ بحال رکھا۔ ہر دو حاکم غیر مسلم تھے۔ فسخ نکاح کی نسبت چند عالموں سے دریافت کیا گیا تو یہی جواب ملا کہ فسخ نکاح کے لئے شرعی قاضی شرط ہے یہاں کے حاکم کا فیصلہ کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک شخص نے یہ بھی رائے دی کہ اس ملک میں تبدیل مذہب سے نکاح فسخ کیا جاتا ہے اور فیصلہ کو نو سال ہو گیا اور چودہ سال سے زید نے نان و نفقہ نہیں دیا، نہ اس کا پورا پتہ معلوم ہے، نہ اس کے آنے کی کوئی اُمید پائی جاتی ہے اور ہندہ نکاح کی خواہش رکھتی ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ علاوہ تبدیل مذہب کوئی صورت فسخ نکاح اور اجازت عقد ثانی کی نکل سکتی ہو تو ارقام فرمائی جاوے۔

المستفتی نمبر ۲۲۶۲ بنارسی نابینا (بنارس سٹی) ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

جواب (از مولانا سید سلیمان ندوی) یہ صورت لعان کی ہے۔ لعان میں صرف لعان سے تفریق واقع نہیں ہوتی۔ حنفیہ کے نزدیک قاضی کا فیصلہ شرط ہے۔ نیز یہ کہ وہ قاضی مسلمان ہو اور دارالاسلام میں ہو۔ البتہ شوافع کے نزدیک نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے اور قضاء قاضی کی ضرورت نہیں (دیکھئے شامی ص ۹۱۰ مصری) ہندوستان کی جو صورت ہے اس میں اس وقت تک جب تک نظامِ شریعت قائم نہیں حاکمِ وقت کا فیصلہ بمجبوری مان لیا جائیگا۔ اس لئے صورتِ مسئولہ میں اگر حاکم نے تفریق کا فیصلہ کر دیا ہے تو عورت نکاح کر سکتی ہے۔

سید سلیمان ندوی

(۲۵۸) **جواب** ۔ (از حضرت مفتی اعظمؒ) عورت کو لازم ہے کہ کسی مسلمان مجسٹریٹ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرے۔ خواہ جدید فیصلہ حاصل کرے یا فیصلہ سابق کی اس سے تنفیذ کرالے۔ اس کے بعد نکاحِ ثانی کر سکے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

دسواں باب

تعلیق

سوال

زید نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ مجھ کو کچھ روپیہ کاروبار کے واسطے دو۔ بھائیوں نے اس خیال سے کہ زید روپیہ مفت میں برباد کر دے گا کہا کہ ہم نہیں دیں گے۔ زید نے اس غصہ میں کہا کہ اگر تم مجھ کو روپیہ نہیں دو گے تو میری زوجہ پر تین طلاق یعنی ایک دو تین۔ پس اس صورت میں زید کی زوجہ پر طلاق بالفعل واقع ہوئی یا نہیں؟ یا معلق رہی۔ کیونکہ الفاظ تعلیق اس میں مصرح موجود ہیں۔

(۲۵۹) **جواب**۔ صورتِ مسئولہ میں طلاق معلق رہے گی۔ اگر اس کے بھائیوں نے روپیہ نہیں دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر دے دیا تو کچھ نہیں۔ ۱؎ اذا اضافہ الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا (عالمگیری) لیکن اگر زید کے کلام یا قرینہ مقام سے روپیہ دینے کا کوئی وقت معین ہوتا ہو تو اس وقت تک نہ دینے سے طلاق پڑ جائے گی اور اگر وقت کا مطلقاً ذکر نہ ہو تو زید یا اس کے بھائیوں میں سے اول مرنے والے کے اخیر جزءِ حیات میں طلاق پڑے گی۔ واللہ اعلم

سوال

کسی زن و شو میں نا اتفاقی ہو گئی اور زوجہ نے زید اپنے شوہر کو طلاق دینے کے لئے مجبور کیا۔ مگر زید نے طلاق نہ دی۔ ہندہ زوجہ زید نے اس کو بار بار تنگ کرنا شروع کیا تو زید نے کہا کہ اگر تم مہر بخش دو تو میں طلاق دے دوں۔ ہندہ نے نامنظور کیا لیکن لوگوں کی فہمائش سے اس نے کہا کہ اچھا ہم مہر بخشے دیتے ہیں تم طلاق دیدو۔ اور پھر تنگ کرنا شروع کیا۔ زید نے مجبوراً غصہ کے وقت طلاق بائن کہہ کر ایک طلاق دی۔ ہندہ نے دوسرے ہی دن یہ اعلان کیا کہ میں نے مہر نہیں بخشا۔ زید طلاق دینے کے بعد سفر کو جا چکا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کو بھی معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ اگر تم نے مہر لوگوں کے سمجھانے سے بخشا تھا اور اب کہتی ہو کہ نہیں بخشا ہے تو میں نے بھی تمہیں طلاق مہر بخشنے پر دی تھی اور میرے طلاق دینے میں شرط تھی۔ یعنی بشرط ہبۂ مہر میں نے تجھ کو طلاق دی

تھی۔ اب ہندہ رہنے پر راضی ہے اور زید رکھنے پر راضی ہے۔ ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(۲۶۰) **جواب** - اگر زید نے طلاق کو معافی مہر پر معلق کر کے طلاق دی تھی اور ہندہ نے مہر معاف نہیں کیا تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اور اگر زید نے ہندہ کے وعدہ پر اعتبار کر کے بلا تعلیق کے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہے۔ لیکن چونکہ ایک طلاق بائن ہے اس لئے زید دوبارہ نکاح کر کے اس کو رکھ سکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

سوال

زید عرصہ دو سال بعد بموجب حکم حاکم ہندہ یعنی اپنی زوجۂ منکوحہ کو لینے کے واسطے آیا ہندہ نے جانے سے انکار کیا۔ ہندہ کے انکار کی وجہ سے بات بڑھ گئی اور زید نے بحالتِ غصّہ ہندہ سے یہ کہا کہ اگر تم اس وقت میرے ہمراہ نہ چلیں تو بس تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے چھوٹ گئیں۔ اور اب میرا تم سے تمام عمر کے لئے کوئی تعلق نہیں رہا۔ ہندہ خاموش ہوگئی اور زید کے ہمراہ نہیں گئی۔ کیا مذہب حنفیہ میں زید کے مذکورہ بالا الفاظ سے ہندہ پر طلاق شرعی قائم ہوگئی یا نہیں ؟ فقط

(۲۶۱) **جواب** - یہ الفاظ چونکہ غصّہ وغضب کی حالت میں کہے گئے ہیں اور متمحض للجواب ہیں اس لئے اگر عورت اس وقت خاوند کے ساتھ نہیں گئی تو اس پر طلاق بائن واقع ہوئی۔ نکاح جدید کے ساتھ اس خاوند کے پاس بھی رہ سکتی ہے۔ واللہ اعلم

سوال

ایک شخص نے ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر میں چھ ماہ تک نان نفقہ لباس نہ دوں تو چھ ماہ بعد تجھ کو طلاق ہے اور دوسرے مرد کے ساتھ تجھ کو نکاح کرنے کا اختیار ہے۔ آٹھ آنے کے سرکاری دستاویزی کاغذ پر یہ تحریر لکھی گئی۔ نکاح کے بعد زوج کے پاس یہ عورت دو سال برابر رہی۔ بعد دو برس کے یہ شخص نکاح کرنے والا اپنے وطن کو چلا گیا۔ اور وطن گئے ہوئے اس کو چار سال ہوگئے۔ اس مدت میں نہ اس شخص نے زوجہ کے لئے کچھ خرچ بھیجا نہ کوئی خط روانہ کیا۔ عورت نے زوج کے پاس کئی خط روانہ کیے اس مضمون کے کہ یا تو مجھے نفقہ دے یا طلاق دے۔ مگر وہ شخص اس کا کچھ جواب نہیں دیتا ہے نہ وطن سے آتا ہے۔ وہ شخص زندہ موجود ہے صورت

مسئولہ میں اس دستاویز کے مطابق عورت کو طلاق ہو چکی یا الگ طلاق دینے کی ضرورت ہے۔ بینوا توجروا۔

(۲۶۲) **جواب** - یہ تعلیق اگر قبل النکاح واقع ہوئی جب تو لغو ہے۔ کیونکہ اس وقت تک منکوحہ پر اسے ملک استمتاع حاصل تھی اور اس تعلیق میں اضافت الی الملک ہے۔ ہاں اگر اس طرح تعلیق کی گئی ہو کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں اور پھر چھ ماہ تک نفقہ نہ دوں تو تجھ پر طلاق ہے تو تعلیق صحیح ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر بعد النکاح یہ تعلیق واقع کی گئی ہو تو بعد وجود شرط عورت پر طلاق پڑ گئی اور بعد انقضائے عدت اسے دوسرے نکاح کا اختیار ہے۔ قال لاجنبیۃ مادمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق ثم تزوجھا فتزوج علیھا امرأۃ لا یقع ولو قال ان تزوجتک مادمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا والمسئلۃ بحالھا یقع - کذا فی الوجیز للکردری (عالمگیری)

سوال

شخصے در کابین نامۂ زن خود نوشتہ داد کہ تا مین حیات تو زن دیگر نکاح نکنم۔ اگر کنم براں زن یک دو سہ طلاق واقع است۔ اکنوں شخص مذکور زوجہ اولیٰ را طلاق دادہ نکاح دیگر کردہ است۔ بموجب شرط مذکور بالا بر زوجۂ ثانیہ طلاق واقع شد یا نہ؟ بینوا توجروا

ترجمہ:- ایک شخص نے اپنی منکوحہ کے کابین نامہ میں یہ تحریر دی کہ تیری زندگی بھر کبھی دوسری عورت سے نکاح نہ کرونگا۔ اگر کروں تو اس عورت پر ایک دو تین طلاق ہے۔ اب اس شخص نے پہلی بیوی کو طلاق دیکر نکاح ثانی کر لیا ہے تو شرط مذکورہ بالا کے مطابق زوجۂ ثانیہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲۶۳) **جواب** - طلاق معلق بشرط بوقت وقوع شرط واقع می شود۔ و در صورت سوال شرط طلاق زوجۂ ثانیہ ایں قرار دادہ کہ نکاحش بحیات زوجۂ اولیٰ واقع شود پس تا وقتیکہ زوجۂ اولیٰ بقید حیات است بہ ہیچ زنے دیگر نکاحش روا نباشد۔ اگر کند زن

جواب - مشروط طلاق شرط کے پائے جانے پر واقع ہو جاتی ہے۔ صورت مسئولہ میں زوجۂ ثانیہ پر طلاق پڑنے کی یہ شرط قرار دی گئی ہے کہ اس کا نکاح زوجۂ اولیٰ کی زندگی میں منعقد ہو۔ تو جب تک کہ زوجۂ اولیٰ زندہ ہے اس شخص کا کسی دوسری عورت سے نکاح صحیح نہ ہوگا۔ اگر کرے گا تو زوجۂ ثانیہ پر طلاق پڑ جائیگی۔ کیونکہ تعلیق کے

ثانیہ مطلقہ گردد۔ زیراکہ در الفاظ تعلیق حیاتِ زوجۂ اولی را مطلق ذکر کردہ است۔ تقیید زمانۂ حیات بمنکوحہ بودن زن اُولیٰ نہ کردہ۔ پس نظر بہ منطوق کلام زمانۂ حیات بر اطلاق خود باشد خواہ منکوحہ باشد یا نہ باشد۔

وعلی ھذا لو قال کل امرأۃ اتزوجھا بغیر اذنکِ فطالق۔ فطلق امرأتہ طلاقا بائنا او ثلاثا ثم تزوج بغیر اذنھا طلقت لانہ لم یتقید یمینہ ببقاء النکاح لانھا انما تتقید بہ لو کانت المرأۃ تستفید ولایۃ الاذن والمنع بعقد النکاح انتھی فتح

(ردالمحتار)

قلت یوخذ من ھذا ان التقیید بالنکاح انما یعتبر اذا کان للنکاح مدخل فی افادۃ الشرط ولذا الغوا تقیید الیمین المذکور بزمان النکاح لانہ لیس لعقد النکاح مدخل فی افادۃ ولایۃ الاذن بالتزوج للزوجۃ فان الزوج مستقل فی تزوج الثانیۃ بغیر استیذانٍ ولا استشارۃٍ من الزوجۃ الاولی۔ وظھر بھذا حکم السؤال الذی نحن بصدد جوابہ

الفاظ میں زوجۂ اولیٰ کی زندگی کو مطلقاً ذکر کیا ہے اور زندگی کے ساتھ اس کے نکاح میں رہنے نہ رہنے کی قید نہیں لگائی ہے۔ پس ظاہر کلام کے لحاظ سے زمانۂ حیات کو اپنے اطلاق پر ہی رکھا جائے گا۔ خواہ وہ اس کے نکاح میں رہے یا نہ رہے۔

علی ہذا اگر کسی شخص نے کہا کہ ہر وہ عورت جس کے ساتھ تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں اس پر طلاق ہے۔ اور پھر اُس نے اُس بیوی کو طلاق بائن یا مغلظہ دیدی اور بغیر اس کی اجازت کے دوسری عورت سے نکاح کر لیا تو اس پر طلاق پڑ جائے گی کیونکہ اس کی یمین بقائے نکاح زوجہ اولیٰ کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ یہ تقیید اس وقت ہو سکتی تھی جبکہ عورت کو مرد کے عقد نکاح کے لئے منع و اجازت کا حق اور ولایت حاصل ہوتی (ردالمحتار)

میں (مجیب) کہتا ہوں کہ مذکورہ اقتباس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ بقائے نکاح زوجۂ اولیٰ کی قید اس وقت معتبر ہو سکتی تھی جبکہ بقائے نکاح شرط کیلئے مفید ہوتا۔ اور اسی وجہ سے فقہاء نے زمانِ نکاح کی قید کو لغو قرار دیا ہے۔ کیونکہ مرد کے نکاحِ ثانی کے لئے زوجۂ اولیٰ کو ولایتِ اذن حاصل نہیں ہے۔ مرد کو زوجۂ اولیٰ کے مشورہ و اجازت کے بغیر نکاحِ ثانی کا پورا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اس سے مسئلہ مذکورۂ سوال کا حکم معلوم ہو گیا کہ مرد نے جبکہ طلاق زوجۂ ثانیہ کو حیات زوجۂ اولیٰ کے اندر تزوج کے ساتھ مشروط کیا اور پہلی زوجہ کو طلاق

انه لما علق طلاق الثانیة بوجود التزوج فی حیاة الزوجة الاولی۔ وابان الزوجة الاولی وتزوج الثانیة فی حیاتها تطلق الثانیة ولا تتقید الیمین بزمان النکاح فان عقد النکاح لا یفید المنع من التزوج بالثانیة فلا دلالة علی التقیید بزمان النکاح فی کلامه فیجری علی اطلاقه۔

لیکن اگر زوج در کلام خود نیت کردہ باشد کہ یمین مقید بزمانۂ نکاح زوجۂ اولیٰ ہست وبریں تقیید عمل کردہ بعد تطلیق وابانۂ زوجہ اولیٰ نکاح دیگر کردہ پس ایں نیت دیانۃً معتبر باشد واو را فیما بینہ و بین اللہ میرسد کہ بزوجۂ ثانیہ معاشرۃ قائم دارد۔

نیة تخصیص العام تصح دیانة اجماعاً۔ لا یصدق قضاءً (در مختار)

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ سنہری مسجد دہلی

نے کہ اس کی زندگی میں دوسری عورت سے نکاح کرلیا تو دوسری پر طلاق پڑ جائے گی۔ اور اس یمین کو زمانہ منکوحیتِ زوجۂ اولیٰ کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے گا کیونکہ زوجۂ اولیٰ کا زمانہ منکوحیت عقدِ ثانی کے لئے مانع نہ تھا۔ لہٰذا یمین کو اس کے ساتھ مقید کرنے کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ پس اس کا کلام اپنے اطلاق پر ہی رکھا جائیگا۔ لیکن اگر شوہر نے اپنے کلام میں یہ نیت کرلی ہو کہ یہ یمین زمانۂ منکوحیت زوجۂ اولیٰ کے ساتھ مقید ہے۔ اور اس تقیید کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے زوجۂ اولیٰ کو طلاق دینے اور علیحدہ کرنے کے بعد نکاحِ ثانی کیا تو یہ نیت دیانۃً معتبر ہوگی۔ اس صورت میں اگر وہ زوجۂ ثانیہ کے ساتھ تعلقات رکھے تو آخرت میں باز پرس نہ ہوگی۔ کسی عام کی تخصیص کی نیت دیانۃً معتبر ہوتی ہے۔ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے، مگر قضاءً قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

(در مختار)

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ
دہلی

سوال

زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ اگر آج میں مغرب کی نماز ادا نہ کروں تو تجھ پر تین طلاق۔ پھر اس نے مغرب کی نماز پڑھی لیکن قرأت میں غلطی کی کہ بجائے عَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ کے میم پر زبر اور ربّہٗ کی با پر پیش پڑھ گیا۔ اس کی زوجہ نے یہ غلطی سُن لی تھی۔ زوجہ نے قاضی کے ہاں دعویٰ کیا

کہ میرے خاوند نے میری طلاق کو مغرب کی نماز ادا نہ کرنے پر معلق کیا تھا اور اس نے نماز ادا نہیں کی کیونکہ مذکورہ بالا غلطی اس نے کی جس سے اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ اس لئے وجود شرط کی وجہ سے میں مطلقہ ہو گئی ہوں۔ قاضی نے زید سے دریافت کیا اس نے غلطی کرنے کا اقرار کیا مگر کہا کہ چونکہ یہ غلطی مجھ سے خطاءً ہوئی قصداً میں نے غلط نہیں پڑھا اس لئے میری نماز صحیح ہوئی اور وجود شرط نہیں ہوا۔ قاضی نے زوج کے اقرار بالخطا کو تسلیم کر کے اس کی صحت نماز کا حکم کر دیا۔ اور زوجہ کا دعویٰ طلاق خارج کر دیا۔ اس کے بعد عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ چونکہ کلمۂ مذکورہ ایک کلمۂ کفریہ ہو گیا تھا۔ زید نے کلمۂ کفریہ کا تکلم کیا ہے اس لئے وہ مرتد ہو گیا اور ارتداد کی وجہ سے دعویٰ فسخ نکاح کا حق مجھے حاصل ہو گیا ہے۔ میرا نکاح فسخ کر دیا جائے یعنی فسخ نکاح کا حکم کر دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ قاضی کا پہلا حکم در بارہ صحت نماز صحیح واقع ہوا یا نہیں اور کیا اب قاضی زید پر ارتداد کا حکم کر کے فسخ نکاح کا حکم دے سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(۲۶۴) **جواب**۔ زید کا دعویٰ در بارۂ صدور غلطی عن الخطا و عدم قصد نا اختیار مقبول ہے۔ کیونکہ نماز اور اس کے ارکان و شرائط حقوق اللہ خالصۃً میں سے ہے۔ اور حقوق اللہ خالصۃً میں دعوئے خطا دیانۃً وقضاءً مقبول ہے۔ والخطاء وھو عذر صالح لسقوط حق اللہ تعالیٰ ویصیر شبھۃ فی دفع العقوبۃ حتی لا یاثم الخاطی ولا یؤاخذ بحد او قصاص (کذا فی نور الانوار) فان زفت الیہ غیر امرأتہ فظنھا انھا امرأتہ فوطئھا لا یحد ولا یصیر آثما (نور الانوار) جیسے کہ خطاً غیر عورت سے وطی کر لی یا شکار سمجھ کر کسی انسان کو مار ڈالا تو ان صورتوں میں دعوئ خطا قضاءً بھی مقبول ہے اور حد و قصاص واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ حدود حقوق اللہ خالصہ میں سے ہیں۔ اور ان میں دعوائے خطا مقبول ہے۔ پس جبکہ دعوائے خطا مقبول ہوا تو اب یہ دیکھنا ہے کہ قرأت میں خطاً اعراب غلط پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ تو متقدمین اگرچہ ایسی غلطی میں جس سے معنی میں تغیر فاحش ہو جائے فساد صلوٰۃ کے قائل ہیں لیکن متاخرین میں سے بہت سے جلیل القدر فقہا فرماتے ہیں کہ نماز صحیح ہو جائے گی فاسد نہ ہو گی اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔ واما المتاخرون کابن مقاتل وابن سلام واسمٰعیل الزاھد وابی بکر البلخی والھندوانی وابن الفضل والحلوانی فاتفقوا علی ان الخطا فی الاعراب لا

یفسد مطلقا ولو اعتقادہ کفرا (رد المحتار) وکذا وعصی آدم ربہ بنصب الاول ورفع الثانی یفسد عند العامۃ ۔ وکذا افساء مطر المنذرین بکسر الذال وایاک نعبد بکسر الکاف والمصور بفتح الواو ۔ وفی النوازل لا تفسد فی الکل وبہ یفتی۔ بزازیہ وخلاصہ (رد المحتار) وھو الاشبہ کذا فی المحیط وبہ یفتی کذا فی العتابیہ وھکذا فی الظہیریہ (عالمگیری) پس اس قول مفتی بہ کے موافق قضائے اول یعنی صحتِ نماز کا حکم صحیح ہوگیا۔ اور جب نماز صحیح ہو گئی تو وجود شرط نہ ہوا اور طلاق معلق واقع نہ ہوئی ۔ اس کے بعد عورت کا ارتدادِ زوج کی وجہ سے دعوئ فسخ نکاح کرنا غیر مسموع ہے۔ کیونکہ قاضی اس صورت میں ارتدادِ زوج کا حکم نہیں کر سکتا۔ جس کے وجوہ حسب ذیل ہیں :۔

(۱) اب اگر حکم بالارتداد کیا جائے تو دو حال سے خالی نہیں ۔ اول یہ کہ قضائے اول بحالہ باقی رہے اور قضا بالارتداد بھی کر دی جائے ۔ اس میں تو صریح طور پر اجتماعِ ضدین بلکہ نقیضین ہے ۔ کیونکہ قضائے اوّل کا مقتضی صحتِ نماز ہے اور قضائے ثانی کا بطلان نماز۔ قضائے اول کا مقتضا بقائے نکاح ہے اور قضائے ثانی کا بطلان نکاح ۔ قضائے اوّل کا مقتضے اسلام زید ہے (کیونکہ صحت صلوٰۃ کے حکم کے لئے اسلام مصلی شرط ہے) اور قضائے ثانی کا مقتضے کفر زید ۔ اور مبنیٰ ان دونوں متناقض حکموں کا وہی کلام واحد ہے ۔ دوئم یہ کہ قضائے اوّل کو باطل کر دیا جائے اور قضائے ثانی کو صحیح واجب النفاذ سمجھا جائے ۔ مگر یہ دونوں صورتیں باطل ہیں ۔ پہلی تو بوجہ لزوم اجتماع نقیضین کے اور دوسری اس وجہ سے کہ قضائے اول جبکہ مسئلہ مجتہد فیہ میں واقع ہو جائے تو پھر وہ واجب العمل والتنفیذ ہو جاتی ہے اور خود اس قاضی کو یا کسی دوسرے قاضی کو اس کے ابطال کا اختیار نہیں رہتا ۔ واذا رفع الیہ حکم قاض آخر قید اتفاقی اذحکم نفسہ قبل ذلک (ای الرفع) کذلک ۔ نفذہ ۔ ای الزام الحکم بمقتضاہ لو مجتہدا فیہ (در مختار) قولہ نفذہ ای یجب علیہ تنفیذہ (رد المحتار) اعلم انہم قسموا الحکم ثلاثۃ اقسام ۔ قسم یرد بکل حال وھو ما خالف النص او الاجماع وقسم یمضی بکل حال وھو الحکم فی محل الاجتہاد الخ (رد المحتار)

(۲) حکم بالردۃ حقوق اللہ خالصہ میں سے ہے ۔ اور حقوق اللہ خالصہ میں دعوائے خطا

قضاءً مقبول ہے۔ ورنہ وطی بالشبہۃ میں دعوائے خطا مقبول نہ ہوتا اور حد زنا لازم آتی۔ رمی الانسان بالخطا میں دعوائے خطا مقبول نہ ہوتا اور قصاص قضاءً لازم آتا۔ حالانکہ لازم باطل ہے۔ یعنی قضاءً وجوب حد یا قصاص کا حکم نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ حدود حقوق اللہ میں سے ہیں۔ اور قصاص میں اگرچہ حقِ عبد بھی ہے لیکن اس کا بدل دیت کی صورت میں ادا کر دیا گیا اور اس کی شکستگیٔ خاطر کا جبر ہو گیا اور اخلائے عالم عن الفساد جو موجبِ قصاص تھا بوجہ دعوائے خطا اس کا حکم مرتفع ہو گیا۔ یہ بات کہ حکم بالردۃ حقوق اللہ میں سے ہے اس عبارت سے ثابت ہے۔ بخلاف الارتداد لانہ معنی یتفرد بہ المرتد لاحق فیہ لغیرہ من الآدمیین (بزازیہ) پس جبکہ صورتِ مسئولہ میں زید تکلم بالخطا کا مدعی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کا قول قضاءً مقبول نہ ہو۔

(۳) ردۃ کی حقیقت فقہا نے اس طرح بیان کی ہے۔ اجراء کلمۃ الکفر علی اللسان یعنی کلمۂ کفر قصداً زبان پر جاری کرنا۔ قصداً کی قید لفظ اجراء سے مفہوم ہوتی ہے ورنہ جریان کلمۃ الکفر کہا جاتا۔ پھر جہاں شرائط صحت ردۃ بیان کیے ہیں وہاں طوع یعنی اختیار کو شرائطِ صحت میں بھی ذکر کیا ہے۔ پس جب تک کہ قصد و اختیار متحقق نہ ہو ردۃ کا تحقق ہی نہیں ہو سکتا۔ اور کسی چیز کے تحقق سے قبل اس کا حکم کر دینا بداہۃً باطل ہے۔ مثلاً وضو شرائطِ نماز میں سے ہے تو جو نماز بے وضو پڑھی جائے وہ صحیح نماز نہ ہو گی۔ تو قبل تحقق وضو کے صحتِ نماز کا حکم کر دینا یقیناً غلط اور باطل ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قصد و اختیار امور قلبیہ میں سے ہے۔ اس پر سوا صاحبِ معاملہ کے کسی دوسرے انسان کو اطلاع نہیں ہو سکتی جب تک کہ صاحبِ معاملہ خود اقرار نہ کرے۔ پس تحقق شرط ردۃ کے لئے صاحبِ معاملہ کا یہ اقرار کہ اس نے قصداً الفاظِ کفریہ کا تلفظ کیا ہے ضروری ہے۔ اور چونکہ اس کے اقرار کے سوا اور کوئی سبیل اس کے علم کی نہیں اس لئے اس کے انکار و اقرار کی تصدیق ضروری ہو گی۔ ہاں کبھی اس کے عدم انکارِ قصد کو قائم مقام اقرارِ قصد کے حکم قضا میں کر لیا جائے تو ممکن ہے۔ لیکن اس کے انکار صریح کی کہ تعمد سے صراحۃً منکر ہو تصدیق نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ نیز اقرار صرف تلفظ بالاختیار کا ثبوت ردۃ کے لئے کافی ہے۔ اس کے معنی کا قصد کرنا اور مراد لینا شرط نہیں۔ کیونکہ ہازل و لاعب کے ارتداد کا حکم فتح القدیر و بحر وغیرہما کتب معتبرہ میں مصرح ہے۔ اور ان دونوں کے کفر کی وجہ ان کا یہ کلمہ کفریہ غیر مقصود المعنی نہیں۔ بلکہ

استخفاف بالدین ہے۔ پس یہ قول کہ ادعائے خطا کی صورت میں ارتداد کا حکم نہ کرنا چاہیئے یقیناً راجح بلکہ صواب ہے۔ قال فی البحر، والحاصل ان من تکلم بکلمۃ الکفر ھازلا اولاعبا کفر عند الکل ولا اعتبار باعتقادہ کما صرح بہ فی الخانیۃ، ومن تکلم بھا مخطئا او مکرھا لا یکفر عند الکل الی آخرہ (رد المحتار) اس عبارت کا ظاہر مفہوم یہی ہے کہ خطا اور اکراہ کی صورت میں دیانۃً وقضاءً بالاتفاق کافر نہ ہوگا۔ کیونکہ خطا اور اکراہ کو ایک مد میں شامل کیا ہے اور اکراہ میں قضاءً کافر نہ ہونا مسلم ہے فکذا فی الخطا۔ اگر شبہ کیا جائے کہ ردۃ زوج کے ساتھ زوجہ کا حق فسخ وخروج عن الملک متعلق ہے تو ممکن ہے کہ خطا کے ادعا سے اس پر فیما بینہ وبین اللہ کفر کا حکم عائد نہ ہو۔ لیکن اگر قاضی ادعائے خطا کی تصدیق کرے تو زوجہ کا حق باطل ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے بزازیہ اور شامی میں ہے کہ "خطا میں اگرچہ کافر نہیں ہوتا مگر قاضی تصدیق نہ کرے۔" تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم خود بزازیہ سے ع۲ میں نقل کر چکے ہیں کہ ردت کا حکم کرنے میں کسی آدمی کا حق متعلق نہیں۔ پس اس کی یہ عبارت خود اس حکم عدم تصدیق قاضی کے منافی ہے اور شامی نے اس قول کو صرف بلفظ بِدَلِیلِ صَرَّحُوْا بیان کیا ہے اور تصریح کرنے والوں کا نام نہیں بتایا۔ اس لئے یہ نقل چنداں قابلِ اعتماد نہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ زوجہ کا حق نفس تکلم بکلمۃ الکفر کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ روّت کے آثار مترتبہ علیہا میں سے ہے اور ترتب آثار بعد وجود حقیقت ہوتا ہے اور جب تک کہ طوع واختیار ثابت نہ ہو جائے حقیقت روت تو متحقق ہوئی نہیں۔ اس پر آثار کا ترتب کیسا۔ پھر خود شامی نے جامع الفصولین ونور العین وخیریہ وبحر سے نقل کیا کہ ایسے الفاظ کفریہ جن میں کوئی بعید تاویل بھی ہو سکتی ہے بولنے پر بھی حکم بکفر نہ کیا جائے اور علامہ شامی فرماتے ہیں۔ ومفہومہ انہ لا یحکم بفسخ النکاح۔ یعنی جامع الفصولین ونور العین کی عبارتوں کا مفہوم یہ ہے کہ فسخ نکاح کا حکم نہ کیا جائے۔ پس جامع الفصولین ونور العین وخیریہ کی نقول شامی کی بحث سے بدرجہا اولیٰ بالعمل والقبول ہیں اور پھر یہ اس صورت کا حکم ہے کہ قائل نے کلمہ کفریہ کا یقیناً تکلم کیا۔ اور خود کوئی صورت بچاؤ کی پیش نہیں کی۔ حالانکہ صورت مسئولہ میں قائل خود ہی اپنی معذوری اور بے اختیاری بیان کرتا ہے۔ پس یہاں بدرجہ اولیٰ حکم روت نہیں ہو سکتا۔

(۴) تعلیقات طلاق (ان دخلت الدار فانت طالق) جس میں عورت کا حق بالذات

متعلق ہوتا ہے ان کا حکم یہ ہے کہ اگر زوج تعلیق یا وجودِ شرط کا انکار کردے اور زوجہ تعلیق یا وجود شرط کی مدعی ہو تو بینہ زوجہ کے ذمہ ہے اور قول زوج کا معتبر ہوتا ہے۔ وان اختلفا فی وجود الشرط فالقول له الا اذا برهنت، وما لا یعلم الا منها فالقول لها فی حقها (عالمگیری) فان اختلفا فی وجود الشرط فالقول له مع الیمین لانکار الطلاق (در مختار) قوله فی وجود الشرط ای اصلاً او تحققاً کما فی شرح المجمع ای اختلفا فی وجود اصل التعلیق بالشرط او فی الشرط بعد التعلیق۔ وفی البزازیة ادعی الاستثناء او الشرط فالقول له الخ (رد المحتار) پس دعوائے فسخ نکاح میں گویا زوجہ وجودِ شرط کی مدعی ہے اور وہ تکلم بکلمۃ الکفر طوعاً و اختیاراً ہے اور زوج اس کا منکر ہے۔ لہٰذا حسب قاعدۂ مذکورہ قول زوج قضاءً بھی معتبر ہونا چاہئے۔ بلکہ یہاں بدرجۂ اولیٰ قول زوج کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ عورت کا حق بالذات ثبوت ردّت کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ احکامِ ردّت میں سے ہے۔ وحکم الشیٔ ثمرته واثره المترتب علیه (رد المحتار) الحاصل جس شخص کی زبان سے کوئی کلمۂ کفریہ نکل جائے اور وہ خطاءً نکلنے کا مدعی ہے جیسے کہ اکثر نماز میں خطاءً ایسے ایسے الفاظ جن کا تعمد کفر ہے نکل جاتے ہیں دیانۃً حکم ارتداد کا عائد نہ ہونا تو متفق علیہ ہے۔ قضاءً بھی اس کے قول کی مع یمین تصدیق کی جائے گی اور قاضی کو کوئی حق نہیں کہ اس پر ارتداد کا حکم لگائے اور اس کی قسم کا اعتبار نہ کرے یا اس کی زوجہ کا نکاح فسخ کردے۔ نیز خطاءً کسی کلمہ کے زبان سے نکلنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ متکلم بے ہوش ہو یا مجنون ہو بلکہ ہوش و حواس صحیح ہونے اور ادراک و شعور قائم ہونے کی حالت میں بھی بلا قصد الفاظ زبان سے نکل جاتے ہیں۔ ” اَنْتِ طَالِقٌ “ کہنے کے بعد یہ تاویل کہ میری مراد طالق عن وثاقٍ تھی قضاءً اس لئے معتبر نہیں کہ الفاظ طلاق خود موجب حکم ہیں اور ان کے صدور کے ساتھ بالذات حق عورت متعلق ہو جاتا ہے بخلاف کلمۂ کفر کے کہ یہ بالذات موجب ردۃ نہیں بلکہ طوع و اختیار شرائط صحت ردت سے ہے اور اس کے ساتھ کسی انسان کا حق بالذات متعلق نہیں۔ پس انکار اختیار در حقیقت انکار سبب ہے نہ انکار حکم مع الاقرار بالسبب۔ ہذا واللہ اعلم بالصواب۔

محمد کفایت اللہ غفر لہٗ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

۷ رجب ۱۳۳۶ھ

سوال

ایک شخص نے ایک جماعتِ کثیرہ سے جو ہمیشہ جُوا کھیلتی ہے ہر شخص سے یہ قسم لی کہ خدا کی قسم میں کبھی جوا نہیں کھیلوں گا۔ اگر کبھی جُوا کھیلوں تو میری بیوی پر طلاق ہے۔ اب اگر اس جماعت میں سے کوئی شخص جُوا کھیلے تو اس کی بیوی پر طلاق پڑے گی یا نہیں اور پڑے گی تو کونسی طلاق ؛

(۲۶۵) **جواب** ۔ ان قسم کھانے والوں میں سے جس جس کی شادی ہو چکی تھی اور قسم کے وقت اس کے نکاح میں کوئی عورت تھی وہ اگر اس قسم کے بعد جُوا کھیلے گا تو اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی۔ کیونکہ معلق طلاق واحد صریح ہے اور وہ رجعی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرس مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی

الجواب صواب بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔

الجواب صواب بندہ محمد قاسم عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ مہر دارالافتا۔

سوال

لڑکی والے نکاح نامہ میں ناکح سے یہ شرطیں لکھواتے ہیں کہ اتنا نفقہ ماہوار دیا جائے اور مرد عورت پر ظلم نہ کرے اور اگر اس کا خلاف ہو تو عورت کو اختیار رہے کہ وہ مرد کو چھوڑ دے یا اس طرح کہ اگر اس کا خلاف ہو تو عورت کو طلاق ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا طلاق نامہ کی یہ شرطیں صحیح ہیں اور کیا ان کی رُو سے خلافِ شرط ہونے پر عورت خاوند کو چھوڑ سکتی ہے ؟ یا اس پر طلاق واقع ہو سکتی ہے ؟ بینوا توجروا۔

(۲۶۶) **جواب** ۔ طلاق کو کسی شرط پر معلق کرنا۔ یا عورت کو کسی شرط پر طلاق اپنے اوپر ڈال لینے کا اختیار دینا یہ دونوں باتیں جائز اور صحیح ہیں۔ لیکن دونوں میں یہ شرط ہے کہ جس عورت کو طلاق دینے کا ذکر ہے وہ اس تعلیق یا تفویض کے وقت منکوحہ ہو یا طلاق کی اضافت نکاح کی جانب ہو۔ مثلاً یوں کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے۔ پس یہ نکاح نامے جن میں شرط مذکورہ فی السوال لکھی جاتی ہیں۔ اگر عقدِ نکاح سے یعنی ایجاب وقبول سے پہلے لکھے گئے تو بالکل بیکار ہیں)۔ اُن کی رو سے نہ عورت کو طلاق ڈالنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور نہ خلافِ شرط ہونے کی صورت میں اس پر طلاق واقع ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بوقت تحریر نکاح نامہ

نہ وہ منکوحہ تھی نہ اضافت الی النکاح پائی گئی۔ ولا تصح اضافة الطلاق الا ان یکون الحالف مالکا او یضیفه الی ملك۔ الی قوله۔ فان قال لاجنبیة ان دخلت الدار فانت طالق ثم تزوجها فدخلت الدار لم تطلق لان الحالف لیس بمالك وما اضافه الی الملك وسببه ولا بد من واحد منهما (هدایه) والله اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ مہر دارالافتا

سوال

زید کے مقفل سوٹ کیس کے اندر سے چند روپئے کھو گئے تھے۔ زید نے اپنی بی بی پر شبہ کیا کہ ہندہ نے میرا روپیہ چرایا ہے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں تھی نہ کسی نے دیکھا تھا۔ ہندہ نے بھی انکار کیا۔ زید نے ہندہ سے کہا کہ اگر تو نے اس رات کے اندر روپیہ مذکور نہیں دیا تو تجھ پر تین طلاق ہے۔ وہ رات گزر گئی۔ ہندہ نے روپیہ نہیں چرایا تھا۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۱۱۰ لطف الرحمٰن جونیر مدرس مالدہ۔ ۲۴ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۴ نومبر ۱۹۳۳ء

(۲۶۷) **جواب** - اس صورت میں ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ تعلیق میں الفاظ یہ تھے۔ "اگر تو نے اس رات میں روپیہ مذکور نہیں دیا الخ" اور روپیہ مذکور کے معنی یہ ہیں کہ جو روپیہ تُو نے چرایا ہے۔ اور جبکہ ہندہ نے وہ روپیہ نہیں چرایا تھا تو تعلیق لغو ہو گئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک شخص نے ان خط کشیدہ الفاظ میں تعلیق کی کہ آج سے اگر میں اُس گھر کے اندر (اس سے مُراد ایک مکان معین ہے) عورتوں کے پاس جاؤں (یعنی اس گھر کے اندر داخل ہوں یہاں تک کہ ان عورتوں تک چلا جاؤں جو اس گھر میں رہتی ہیں) علاوہ دہلیز کے (دہلیز مکان کے ابتدائی حصّہ کو کہتے ہیں جو ہر خاص و عام کے بیٹھنے کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی اس مکان کی دہلیز میں جاسکتا ہوں) اور زید کے گھر اور عمرو کے گھر اور بکر کی جانب احاطہ میں (ایک احاطہ ہے جس کے بیچ میں دیوار ہے اور دونوں جانب مکان بنے ہیں۔ ایک طرف بکر رہتا ہے اور دوسری طرف سلیمان) اور خالد کے گھر (خالد کے دو مکان جدا جدا ہیں۔ ایک زنانہ دوسرا مردانہ۔ اس نے زنانہ مکان مراد لیا) اگر میں قدم رکھوں تو میری عورت کو طلاق۔ متعلقہ صورتِ بالا حسب ذیل سوالات ہیں۔

(۱) کسی ضرورت سے مکان اول میں جاسکتا ہے یا نہیں بشرطیکہ عورتوں تک نہ جائے۔ (۲) دہلیز کی استثناء درست ہوگی یا نہیں ؟ (۳) ایک مدت ہوئی کہ زید کی وفات ہو چکی بعدازاں اس کا لڑکا اُس مکان میں رہنے لگا۔ چنانچہ بوقتِ تعلیق اس کا لڑکا ہی اس مکان میں رہتا تھا اور اب بھی ہے تو کیا اس مکان میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ (۴) عمرو کی وفات کے بعد اس کے گھر میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ (۵) سلیمان کی طرف کے مکان میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۶) بکر و سلیمان نے اپنے مکانوں کا تبادلہ کرلیا تو اب کس جانب جاسکتا ہے اور کس جانب نہیں (۷) خالد کا باپ یونس ابھی زندہ ہے اور وہی مکان کا مالک بھی ہے تو کیا ان ہر دو مکان زنانہ و مردانہ میں داخل ہوسکتا ہے۔ اگر نہیں تو کس میں ؟ (۸) یونس کی وفات کے بعد اس کے دونوں لڑکے خالد احمد و دیگر ورثہ مکانوں کے مالک ہوں گے تو اب خالد کے مکان میں جاسکتا ہے یا نہیں ؟ (۹) اشخاص مذکورین بالا اگر اب کوئی جدید مکان حاصل کریں یا بنوائیں تو اس میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ (۱۰) سہواً مکان میں داخل ہوا اور یاد آنے کے بعد فوراً نکل آیا تو کیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ (۱۱) اگر جبراً ان مکانوں میں داخل کیا گیا تو کیا حکم ہے ؟ (۱۲) جملہ اشخاص مذکورینِ بالا کے مکانوں میں داخل ہونے کے بعد وقوعِ طلاق ہوگا یا نہیں؟ یا کسی ایک مکان میں داخل ہونے سے وقوعِ طلاق ہوجائے گا (۱۳) مکانات مذکورۂ بالا میں ترتیب وار داخل ہونے اور بغیر ترتیب کے داخل ہونے میں کوئی فرق ہو تو بیان فرمایا جائے (۱۴) طلاق رجعی ہوگی یا بائن؟ (۱۵) اگر بائن ہے تو کیوں اور کیا عدت گزرنے سے پہلے نکاح کر لینا کافی ہے ؟ (۱۶) ان سب صورتوں سے بچنے کے لئے اگر کوئی حیلہ شرعی ہو تو بیان فرماویں۔ (۱۷) فقہاء کے مشہور قول التنجیز یبطل التعلیق کا کیا مطلب ہے اور کیا صورت مذکورۂ بالا میں یہ حیلہ چل سکتا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۱۱ مولوی محمد یحییٰ اعظمی مبارکپوری لکھنؤ۔ ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۱۷ فروری ۱۹۳۴ء

(۲۶۸) **جواب** ۔ (۱) اگر اس گھر کے اندر عورتیں موجود ہیں تو ضرورت اور عدم ضرورت دونوں صورتوں میں نہیں جاسکتا اور عورتیں نہ ہوں تو دونوں صورتوں میں جاسکتا ہے۔ (۲) درست ہے۔ (۳) نہیں داخل ہوسکتا۔ کیونکہ اگرچہ زید کا لڑکا اس میں سکونت رکھتا تھا مگر مکان زید کے نام سے مشہور رہو گا۔ اسی بناپر حالف نے زید کی طرف مکان کی نسبت کرکے وہی مکان مراد لیا۔ (۴)

نہیں۔ جب تک کہ وہ مکان عمرو کے نام سے معروف رہے۔ (۵) داخل ہو سکتا ہے۔ (۶) تبادلہ کر لینے کی صورت میں جس جانب بکر ہوگا اس جانب نہیں جا سکتا۔ (۷) اگر خالد بھی ان مکانوں میں سکونت پذیر ہے تو مکانوں میں نہیں جا سکتا۔ (۸) خالد کے مکان میں نہیں جا سکتا۔ اور جب تک مکان تقسیم نہ ہوں اس وقت تک کسی مکان میں نہیں جا سکتا۔ (۹) اگر کوئی جدید مکان بنوائیں اور اس میں خود سکونت پذیر ہو جائیں تو نہیں جا سکتا۔ (۱۰) طلاق واقع ہو جائیگی۔ (۱۱) جبر کا یہ مطلب کہ کوئی اس کو زبردستی اٹھا کر مکان میں لے گیا تو طلاق نہیں ہوگی۔ مگر جبر ہٹتے ہی بلا توقف فوراً وہاں سے نکلنا لازم ہوگا۔ اگر ذرا بھی خود ٹھیرا تو طلاق ہو جائے گی۔ (۱۲) ہر ایک مکان میں داخل ہونے سے طلاق ہوگی۔ (۱۳) کوئی فرق نہیں۔ (۱۴) طلاق رجعی ہوگی۔ (۱۵) بائن نہیں (۱۶) کوئی حیلہ نہیں۔ (۱۷) اس صورت میں اس کا کوئی اثر نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

زید نے اپنی بیوی سے کسی بات پر کچھ جھگڑا کیا۔ غصہ میں اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ابا جی کو اٹھنے دو تو خدا کی قسم تم کو طلاق دوں گا۔ اس کے بعد ان دونوں میں بحث ہوئی۔ بیوی کہتی تھی کہ ابا جی کے اٹھنے پر طلاق ہوگئی۔ کیونکہ مندرجہ بالا الفاظ اس کی بیوی نے سنے تھے۔ زید کہتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی۔ میرے یہ الفاظ تھے کہ ابا جی کے اٹھنے پر میں اس بات کا تصفیہ کرواؤں گا۔ اگر انھوں نے تصفیہ نہ کیا تو تم کو طلاق دوں گا۔ بیوی کہتی ہے بخدا میں نے یہ سنا ہے کہ ابا جی کے اٹھنے پر تم کو خدا کی قسم طلاق دوں گا۔ زید کہتا ہے کہ اس میں میں نے لفظ دوں گا شامل کیا تھا۔ یہ لفظ شرطیہ ہے۔ میں نے تصفیہ کرنے کی شرط رکھی تھی۔ بیوی کہتی ہے کہ پہلے صرف یہ کہا تھا کہ ابا جی کو اٹھنے دو خدا کی قسم تم کو طلاق دونگا۔ اگر انھوں نے تصفیہ نہ کیا یعنی تصفیہ کا لفظ آخر میں کہا ہے۔ المستفتی ۲۳۴ سید اولاد حسن اصفہانی

۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ ۶ مارچ ۱۹۳۴ء

(۲۶۹) **جواب** جو الفاظ عورت بھی تسلیم کرتی ہے وہ یہ ہیں "ابا جی کو اٹھنے دو خدا کی قسم تم کو طلاق دوں گا" ان الفاظ سے طلاق نہیں پڑ سکتی۔ نہ بالفعل نہ ابا جی کے اٹھنے پر۔ بلکہ ابا جی

کے اُٹھنے پر زید پھر طلاق دے تو پڑے گی ورنہ نہیں۔ عورت کا یہ خیال کہ اباجی کے اُٹھنے پر خود بخود طلاق پڑ گئی صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر الفاظ یہی تھے اور اباجی کے اُٹھنے پر زید نے طلاق نہیں دی تو زید پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا کہ اس نے قسم پوری نہیں کی۔ لیکن اگر یہ قسم بھی تصفیہ نہ ہونے کی صورت میں طلاق دینے کی تھی اور اباجی کے اُٹھنے پر تصفیہ ہوگیا تو نہ طلاق پڑی اور نہ قسم کا کفارہ واجب ہوا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید نے قبل ملک نکاح کے کہا کہ اگر میں نے کبھی بھی جھوٹ بولا تو جب میں نکاح کروں وہ عورت مجھ پر طلاق ہے۔ اب اس شرط ٹھہرانے کے بعد زید نے جھوٹ بھی قصداً یا عذراً بولا۔ اب زید نے نکاح بعد وقوع شرط کے کیا یا کرنا ہے تو کیا اس وقوع شرط سے جو قبل ملک نکاح سے ہے وقوع مشروط بھی لازم ہوتا ہے یا نہیں۔ اور اگر بالفرض نکاح بھی کر لیا تو کیا ہم بستر ہونا زنا میں شمار ہوگا؟ المستفتی نمبر ۲۹۸ گل محمد (ضلع سورت) ۱۶ صفر ۱۳۵۲ھ م ۱۳ مئی ۱۹۳۴ء

(۲۷۰) **جواب**۔ ہاں نکاح کرنے کے بعد عورت پر طلاق ہو جائے گی۔ طلاق نہ ہونے کا حیلہ یہ ہے کہ زید خود نکاح نہ کرے۔ نہ کسی کو وکیل بنائے نہ امر کرے بلکہ کوئی دوسرا شخص بطور فضولی کے زید کا نکاح کسی عورت سے کر دے اور زید اس نکاح کی منظوری قول کے ساتھ نہ دے بلکہ اس منکوحہ عورت سے وطی کرلے تو یہ وطی نکاح کی اجازت بھی ہو جائے گی اور زید کا نکاح بھی ہو جائے گا اور طلاق بھی نہیں پڑے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید کی لڑکی نابالغہ جس کی عمر وقت نکاح سات سال تھی بولایت پدر، بکر کے لڑکے بالغ کے ساتھ عقد ہوا۔ یہ لڑکی بکر کے لڑکے کے نکاح میں سات سال رہی اور اس عرصہ میں وہ اپنے خاوند کے ہاں نہیں گئی۔ بعد گزرنے سات سال کے بکر کے لڑکے نے اس وجہ سے کہ لڑکی نابالغ بتائی جاتی ہے اور مجھے دکھائی نہیں گئی اس لئے وقت بالغ ہونے کے ایسا نہ ہو کہ مہر و نفقہ طلب کرے اس شرط پر طلاق بائن دی کہ آئندہ کوئی جھگڑا مہر وغیرہ کا منجانب لڑکی نہ ہو۔ زید نے کل ذمہ داری بہ جلسہ عدالت کے اور طلاق قبول کی۔ زید کی لڑکی کو نہ تو وقت طلاق

بلایا گیا اور نہ اس نے مہر و نفقہ وغیرہ کی معافی دی اور نہ طلاق قبول کی تو کیا طلاق ہوگئی؟
وقت طلاق کے بکر کے لڑکے کو بتایا گیا کہ لڑکی نا بالغ ہے اس لئے میں یعنی زید مہر وغیرہ کی معافی اور طلاق قبول کر سکتا ہے اور آئندہ کوئی جھگڑا نہیں ہوگا۔ طلاق بائن حاصل کی۔ حالانکہ لڑکی اس وقت بالغ تھی اس لئے کہ وقت نکاح سات سال تھی اور وقت طلاق ۱۴ سالہ ہوگئی۔ تو کیا ایسی صورت میں زید کا مہر وغیرہ معاف کرنا اور طلاق قبول کرنا جائز ہوا؟ اور طلاق صحیح ہوگئی؟ طلاق کے بعد جب پانچ ماہ گزر گئے تو نکاحِ ثانی ہوا اور بالغ ثابت ہوئی اور صحیح معلوم ہوا کہ لڑکی ایک سال سے بالغ ہے۔
لڑکے نے یہ الفاظ بوقتِ طلاق اپنی زبان سے کہے تھے۔ میں بمعاوضہ معافی مہر و نفقہ عدت جہیز و چڑھاوا وغیرہ طلاق بائن دیتا ہوں۔ زید نے طلاق قبول کی اور چڑھاوا وغیرہ اپنی لڑکی کی طرف سے معاف کیا۔ اب جو مسئلہ شرعی ہو اس سے آگاہ کیا جائے۔
المستفتی نمبر ۴۰۷ سیف اللہ (کوٹہ راجپوتانہ) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء
(۲۷۱) **جواب**۔ یہ طلاق مہر کی معافی اور نفقہ عدت و جہیز و چڑھاوا کے بدلے میں دی گئی ہے۔ باپ کو ان چیزوں کا اختیار نہیں تھا۔ البتہ اگر لڑکی نے مہر معاف کر دیا ہو۔ اور نفقۂ عدت و جہیز و چڑھاوا چھوڑ کر طلاق لینا قبول کیا ہو تو طلاق صحیح ہوگئی ورنہ نہیں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید کی ایک لڑکی مرض شدید میں مبتلا تھی۔ زید کی زوجہ یعنی لڑکی کی والدہ نے اس لڑکی کو حالتِ مرض میں سخت تکلیفیں دیں۔ اس پر زید کو بہت صدمہ ہوا اور اس نے غصہ میں آکر کہہ دیا کہ اگر یہ لڑکی اس مرض میں مرگئی تو اس کے مرنے کے ساتھ تجھ پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور تو مطلقہ ثلثہ ہو جائے گی۔ بعد چند دن کے وہ لڑکی اسی مرض سے مرگئی۔ اب زید کی زوجہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔
المستفتی نمبر ۴۱۹ محمد یونس (چاٹگام) ۱۷ رجب ۱۳۵۳ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء
(۲۷۲) **جواب ۱۵۶۷**۔ (از دار الافتا دیوبند) یہ تعلیق بالشرط ہے اور جبکہ دختر مذکورہ اسی مرض

میں مرگئی ہے جس میں مر جانے پر طلاق ثلاث کو معلق کیا تھا تو تین طلاقیں واقع ہونے میں تردد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ رہا یہ کہ جزا میں لفظ استقبال کا ہے قابلِ التفات نہیں ہے عموماً جزا مستقبل ہی ہوتی ہے۔ اس کے خلاف کی صورتیں کم ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں جزائے مستقبل کی صحت نصوص میں موجود ہے۔ ستجدنی ان شاء اللہ صابرا و لا اعصی لک امرا۔ ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ اِن کے بعد دونوں جگہ مضارع کے اول میں سین داخل ہے جو استقبال کے لئے ہے۔ اس کے باوجود یہ تعلیق صحیح ہوگی۔ بنا بر علیہ زید کی زوجہ پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ فقط۔ محمد اعزاز علی امروہوی (مقیم دارالعلوم دیوبند) نفس جواب صحیح ہے۔ بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح بندہ محمد شفیع غفرلہٗ (خادم دارالافتا دارالعلوم دیوبند) الجواب صحیح۔ ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ صحیح ہے ریاض الدین عفی عنہ۔ الجواب صحیح اشرف علی یکم رجب ۱۳۵۳ھ۔ طلاق واقع ہوگئی۔ شبیر احمد عثمانی دیوبندی۔ الجواب صحیح خاکسار سراج احمد رشیدی عفی عنہ (مدرس مدرسہ عربیہ ڈابھیل) الجواب صواب بندہ محمد بدر عالم مدرس مدرسہ عربیہ ڈابھیل۔ الجواب صحیح عبدالرحمٰن کان اللہ لہٗ ولوالدیہ ولجمیع المسلمین۔ الجواب صحیح احمد غفرلہ مہتمم مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت۔ تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔ مہر دارالافتا مدرسہ امینیہ دہلی۔ مہر دارالافتا دیوبند۔ مہر دارالافتا ڈابھیل۔

سوال

محمد یوسف کی شادی شیخ بھنو علی کی لڑکی سے ہوئی۔ کچھ عرصہ زن وشوہر کے درمیان محبت رہی اور محمد یوسف سسرال ہی میں مع بیوی رہنے لگے اور اپنا گھر بار بلا مرمت چھوڑ دیا۔ زاں بعد محمد یوسف سفر میں چلے گئے اور جب کچھ عرصہ بعد سفر سے واپس آئے تو بھنو علی نے پنچایت بٹھلایا کہ یوسف علی میری لڑکی کو کھانا خرچ نہیں دیتے اس لئے میری صفائی کرادیں۔ پنچ نے محمد یوسف کو تنبیہ کی اور بھنو علی نے اپنی رضامندی اس بات پر ظاہر کی کہ محمد یوسف برابر ماہ بماہ خرچ دینے کا ایک شرائط نامہ لکھ دے چنانچہ محمد یوسف نے شرائط نامہ لکھ دیا جس کی نقل منسلکۂ استفتائے ہذا ہے۔ محمد یوسف پھر سسرال میں ہی رہنے لگے۔ اس کے ہفتہ دو ہفتہ بعد محمد یوسف اور ان کی سسرال والوں کے درمیان نا اتفاقی ہوگئی اور محمد یوسف نے وداعگی مانگی۔

اس پر بھتو علی نے کہا کہ محمد یوسف اپنا مکان بنوائے تو وداعگی میں مجھ کو کچھ عذر نہ ہوگا۔ محمد یوسف نے مکان بنوایا۔ اس کے بعد رخصتی ہوئی اور محمد یوسف اپنی بیوی کو گھر لایا اور با آرام رکھنا شروع کیا۔ لیکن لڑکی کے میکے والے محمد یوسف کے خلاف رہے۔ آخر کار ۲۹ رمئی ۱۹۳۱ء کو جب محمد یوسف محرم کا تماشا دیکھنے گیا ہوا تھا تو اس کے غائبانہ اس کی خوش دامن صاحبہ بغیر اجازت محمد یوسف کے اس کی بیوی کو اپنے گھر لے گئیں۔ جب محمد یوسف واپس آیا اور بیوی کو لاپتہ پایا تو سسرال گئے وہاں تکرار ہوئی اور لڑکی کے میکے والوں نے رخصتی سے انکار کر دیا اور لڑکی ہنوز میکے میں روکی ہوئی ہے۔ اس کے بعد محمد یوسف نے پنچایت میں ایک عرضی دی اس پر پنچ نے رخصتی دلانے کی کوشش کی اور بہت اصرار کیا۔ لڑکی والوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ لڑکی محمد یوسف کی بیوی نہیں رہی۔ حالانکہ لڑکی کو گئے ہوئے ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا۔ آخر کار مجبور ہو کر پنچ نے محمد یوسف کی عرضی و شرائط نامہ مع مناسب سوالات کے دارالعلوم دیوبند بھیج دیا جس کی نقل مع جواب مشمولہ استفتائے ہذا ہے۔ اس ہیر پھیر میں شرائط نامہ کے مطابق مہینہ پورا ہو رہا تھا اس لئے محمد یوسف نے مبلغ پانچ روپے خرچہ کے لئے اپنی بیوی کو بھیج دیا لیکن اس نے لینے سے انکار کیا اور نہیں لیا۔ اس کے بعد استفتا کا جواب آیا کہ میکے میں خرچ دینا واجب نہیں۔ محمد یوسف نے میکے میں خرچ دینا موقوف کر دیا۔ البتہ رخصتی کے لئے کئی مرتبہ تقاضا کیا اور ہنوز کر رہا ہے۔ لیکن اس کے خسر صاحب رخصتی نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ اس کی بیوی مطلقہ ہو گئی۔

نقل اقرار نامہ۔ میں شیخ یوسف علی پسر شیخ کنی خلیفہ ساکن کھرکپور آگے ہم پنچان کے سامنے اقرار کرتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں کہ ہم اپنی بیوی کو برابر ماہ بماہ خرچ خانہ داری دیں گے اگر دینے میں کسی طرح کی کوتاہی کریں تو ایک ماہ انتظار دیکھ کر آخری دو ماہ تک نہیں دیں تو ہمارا تینوں طلاق واقع ہو جائے گا۔ اسلئے اقرار نامہ پر انگشت نشان دیا کہ وقت پر کام آئے۔ کاتب شیخ امیر علی۔ تاریخ ۳-۱۰-۳۱

المستفتی نمبر ۴۳۴ قادر بخش خواجہ (ضلع مونگیر) ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ م ۹ فروری ۱۹۳۵ء

(۲۷۳) **جواب** ۔ اقرار نامہ میں اس کی تصریح نہیں کہ محمد یوسف اپنی بیوی کو نفقہ اس صورت میں

دے گا کہ بیوی اس کے گھر رہے اس لئے محمد یوسف کو دونوں صورتوں میں نفقہ دینا لازم ہے خواہ بیوی محمد یوسف کے گھر رہے۔ خواہ محمد یوسف کی رضامندی یا کسی عذر صحیح شرعی کی وجہ سے میکے میں رہے۔ البتہ اگر بیوی محمد یوسف کی اجازت کے بغیر اور بغیر کسی حق شرعی کے میکے میں رہے گی تو نفقہ کی مستحق نہ ہوگی۔ پس اگر صورت واقعہ میں اس کی بیوی ناحق میکے میں چلی گئی اور بغیر کسی عذر صحیح شرعی کے وہاں رہی تو نفقہ کی مستحق نہیں۔ لیکن اگر وہ محمد یوسف کی کسی ایسی حرکت کی وجہ سے چلی گئی ہے جس پر اسے جانا اور میکے میں رہنا جائز تھا تو وہ نفقہ کی مستحق ہے۔ پہلے مہینہ کا نفقہ محمد یوسف نے مدت کے اندر بھیجا مگر زوجہ نے نہیں لیا تو اس عورت کا مطالبہ ساقط اور اقرار نامہ اس مدت کے لئے غیر مؤثر ہو گیا۔ کیونکہ محمد یوسف نے نفقہ بھیجدیا۔ نہ لینا عورت کا قصور رہے۔ محمد یوسف کی جانب سے خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ نفقہ کم ہونے کا عذر عورت کی جانب سے صحیح نہیں کیونکہ اقرار نامہ میں کوئی مقدار مذکور نہیں۔ اس کے بعد محمد یوسف نے نفقہ نہیں دیا تو اگر عورت میکے میں کسی عذر صحیح شرعی کی بنا پر مقیم ہے تو محمد یوسف کے نفقہ نہ دینے سے طلاق ہو گئی۔ اور پہلی مرتبہ واپس کر دینے کو محمد یوسف اپنے نہ دینے کے عذر میں بیان نہیں کر سکتا۔ اگر عورت ناحق میکے میں مقیم ہے تو بوجہ اس کے کہ وہ نفقہ کی مستحق ہی نہیں۔ محمد یوسف کے نفقہ نہ دینے سے اس پر طلاق نہیں ہوئی۔ کیونکہ اقرار نامہ استحقاق نفقہ کی صورت سے ہی متعلق ہو سکتا ہے۔

سوال

زید دہلی میں بکر کے ہاں ملازمت کرتا تھا۔ درمیان ملازمت میں زید نے بکر کے کچھ روپے غبن کیے اور جب بکر کو اس کا علم ہوا تو زید بکر کے ہاں سے چلا آیا اور دہلی میں ہی روپوش ہو گیا۔ بکر نے اس غبن کی پولیس میں رپورٹ کرائی۔ اور زید کے خلاف وارنٹ جاری ہو گیا۔ جب زید کو اس کا علم ہوا تو وہ اپنے ایک عزیز کے پاس گیا اور ان سے مدد کا طالب ہوا۔ مگر عزیز نے یہ کہہ کر مدد دینے سے انکار کر دیا کہ بغیر تمہارے والد کی اجازت کے کچھ نہیں کر سکتا۔ اور جب زید کو کہیں سے مدد نہ ملی تو وہ اپنی زوجہ کے پاس گیا۔ اس کی زوجہ نے اس کی مدد کا وعدہ کیا لیکن اس شرط پر کہ وہ اپنی زوجہ کو مندرجہ ذیل تحریر لکھ کر دے، ” اگر اس قسم کی کارروائی جو میں نے بکر کے

ساتھ کی ہے آئندہ کروں یا ان کو چھوڑ کر کبھی چلا جاؤں تو تم پر تین طلاق ہیں " زید کو چونکہ اس وقت تک کہیں سے مدد نہ ملی تھی اس لئے گرفتاری کے اندیشے سے اپنی زوجہ کو یہ تحریر دیدی اور اس کی زوجہ نے کچھ روپے بکر کے دینے کے لئے زید کے رشتہ دار کے پاس رکھوا دیئے اور دو تین روز بعد زید کے رشتہ دار نے زید کے باپ کی اجازت مل جانے پر ان روپوں میں جو کمی تھی اس کو پورا کر کے بکر کو ادا کر دیئے۔ چونکہ اس سے قبل بھی زید اس قسم کے فعل کر چکا تھا اور جب کبھی اس سے اس قسم کے فعل سرزد ہوئے وہ اپنی عادت کے موافق روپوش ہو جایا کرتا تھا۔ اس لئے تحریر لیتے وقت زوجہ کی اور تحریر دیتے وقت شوہر کی یہ نیت نہ تھی کہ تحریر دینے کے بعد بغیر اجازت زوجہ کے باہر بھی نہ جا سکے بلکہ منشا یہ تھی کہ اس قسم کی حرکات کرنے کے بعد جو زید روپوش ہو جایا کرتا تھا وہ آئندہ ایسا نہ کر سکے۔ اس واقعہ کے ایک ہفتہ کے بعد زید اور اس کی زوجہ میں کچھ تکرار ہو گئی جس کی وجہ سے زوجہ نے اس کو کچھ جسمانی تکلیف پہنچائی۔ چونکہ زید کو جسمانی تکلیف پہنچی تھی اس لئے وہ اپنی زوجہ سے یہ کہہ کر چلا آیا کہ " اچھا میں جاتا ہوں خدا حافظ " اس تکرار کے درمیان زید کے ایک عزیز کو جو وہیں قریب رہتا تھا بلایا گیا انھوں نے اس معاملہ کو رفع دفع کرنے کے لئے زید سے کہا کہ آج رات کو تم میرے گھر سو رہو کل صبح آجانا اور اس کی اجازت تحریر کی رو سے زید کی زوجہ سے مانگی۔ زوجہ نے کہا کہ میرے والد سے پوچھو۔ اس کے والد سے پوچھا تو انھوں نے کہا زوجہ سے پوچھو۔ غرضکہ دونوں میں سے کسی نے صاف جواب نہیں دیا۔ اسلئے زید اپنے عزیز کے ہاں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد زید نے پھر اپنے عزیز کو زوجہ کے والد کے پاس بھیجا اور زید کے عزیز نے، زوجہ کے والد سے جا کر کہا کہ اس وقت معاملہ کو رفع دفع کر دو اور زید کو میرے ہاں رہنے کی اجازت اس کی زوجہ سے دلوا دو مگر زوجہ اور اس کے والد نے اس وقت زید کے عزیز سے یہ کہا کہ زید تو جاتے وقت اپنی زوجہ سے تین دفعہ یہ کہہ گیا ہے کہ میرا تیرا آخری فیصلہ ہے۔ مگر زید قسم کھا کر ان لفظوں کے کہنے سے انکار کرتا ہے بلکہ کہتا ہے کہ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ " اچھا میں جاتا ہوں خدا حافظ " مگر زوجہ اور اس کے والد یہی کہتے رہے کہ وہ کہہ گیا ہے کہ " میرا تیرا آخری فیصلہ ہے " اب وہ کیسے گھر آسکتا ہے۔ اس وجہ سے مجبوراً زید پھر زوجہ کے گھر اب تک نہیں گیا اور کچھ اپنے کپڑے بھی ساتھ لے آیا۔ بینوا توجروا۔

المستفتی حاجی متین احمد خلف حاجی رشید احمد دہلی

(۲۷۴) **جواب** - اس واقعہ کے متعلق دو فتوے میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ یہ تیسرا ہے اور افسوس کہ پہلے فتووں کی نقل بھی نہیں رکھی گئی۔ اگر جوابوں میں کچھ اختلاف نظر آئے تو وہ بیان سائل کے اختلاف پر مبنی ہوگا۔ کیونکہ مفتی کے پاس اس بات کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ کونسا بیان سچا اور واقعہ کے مطابق ہے اور کونسا جھوٹا اور واقعہ کے خلاف ہے۔ اس سوال میں زید کی تحریر کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ دو باتوں میں سے کوئی ایک بات پیش آئے گی تو بیوی پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اول یہ کہ زید کوئی ایسی حرکت کرے جو چوری یا خیانت کی حد تک پہنچتی ہو (کیونکہ پہلی حرکت جو بکر کے ساتھ کی گئی تھی اسی قسم کی تھی) دوئم یہ کہ زید اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر اس کو چھوڑ کر کہیں چلا جائے۔ یہ دونوں شرطیں مستقل ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی پائی جائے تو طلاق ہو جائے گی۔ دوسری پائی جائے یا نہ پائی جائے۔ پس صورت مسئولہ میں جبکہ زید اپنی بیوی سے لڑ بھڑ کر اس کی اجازت کے بغیر اپنا سامان کپڑے وغیرہ لے کر اس کے گھر سے چلا آیا اور اس پر کئی دن گزر گئے دوسری شرط کا وجود متحقق ہوگیا اور طلاق معلق واقع ہوگئی۔ زید کا اور اس کے عزیز کا زوجہ سے اجازت مانگنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خود بھی اپنے اس فعل کو شرط کی خلاف ورزی تصور کرتا تھا اس لئے اجازت حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اجازت نہ ملنے پر وہ یوں ہی بلا اجازت عزیز کے گھر رہنے لگا۔ یعنی قصداً شرط کی خلاف ورزی کی اور کوئی پرواہ نہ کی اور یہ عذر کہ زوجہ اور اس کے والد نے یہ کہا کہ وہ تو جاتے وقت یہ کہہ گیا ہے "میرا تیرا آخری فیصلہ ہے" زید کے لئے مفید نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب اس کے حلفیہ بیان کے بموجب اس نے یہ الفاظ نہیں کہے تھے تو اس کو لازم تھا کہ وہ زوجہ کے گھر میں ہی رہتا تاکہ شرط سابق کی خلاف ورزی نہ ہوتی۔ ہذا واللہ اعلم بالصواب۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے ایک تحریر اپنی زوجہ کے نام لکھی تھی جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:- بنام بلقیس بیگم۔ اگر اس قسم کی کارروائی جو میں نے ضمیر الحق کے ساتھ کی ہے آئندہ کروں یا تم کو چھوڑ کر

چلا جاؤں تو تم پر تین طلاق ہیں۔ دستخط محمد عثمان بقلم خود ۱۶ جون ۱۹۳۵ء

اس تحریر کے تقریباً ایک ماہ بعد زید اور اس کی زوجہ میں خرچ وغیرہ پر کچھ جھگڑا ہوا اور کچھ مار پیٹ کی بھی نوبت آگئی اور اس جھگڑے کے بعد ۱۶ جولائی ۳۵ء سے ۲۴ جولائی ۳۵ء تک جس کو ایک ہفتہ سے زیادہ ہوگیا شوہر اپنی زوجہ کو چھوڑ کر اور اپنا کُل سامان لے کر چلا گیا اور اس کے بعد اب تک نہیں آیا اور نہ کچھ خبر گیری کی نہ کوئی اطلاع کی۔ دریافت طلب یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں زید کی زوجہ پر حسبِ تحریر بالا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۰۳ حافظ حنیف الدین دہلی

۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۳ اگست ۱۹۳۵ء

(۲۷۵) **جواب** - اپنا سامان لے کر گھر سے بغیر اجازت زوجہ کے نکل جانا اور پھر متعدد دنوں تک غائب رہنا چھوڑ کر چلے جانے میں داخل ہے اس لئے طلاق معلق واقع ہوگئی۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

جواب (از نائب مفتی صاحب) اگر محمد عثمان ۱۶ جولائی ۳۵ء سے ۲۳ جولائی ۳۵ء تک اپنی زوجہ بلقیس کو چھوڑ کر چلا گیا ہے تو اس کی زوجہ بموجب اس کی تحریر کے مطلقہ مغلظہ ہوگئی ہے۔ بغیر حلالہ کے رجوع کرنا محمد عثمان کا ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ فقط

حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

زید بکر کے ہاں ملازمت کرتا تھا۔ دوران ملازمت میں زید نے بکر کے کچھ روپے غبن کئے۔ بکر کو علم ہوا تو زید روپوش ہوگیا۔ اسی حالت میں زید اپنی زوجہ کے پاس گیا اور مدد چاہی۔ اس کی زوجہ نے بکر کا تمام روپیہ ادا کرنے کا وعدہ کیا لیکن اس شرط پر کہ زید اپنی زوجہ کو اس قسم کی تحریر دیوے کہ "آئندہ اگر میں اس قسم کی کوئی کارروائی کروں جو میں نے بکر کے ساتھ کی ہے یا تم کو چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں تو تم پر تین طلاق ہیں۔" زید چونکہ اس سے قبل بھی کئی دفعہ اس قسم کی حرکت کر چکا تھا اور جب کبھی ایسی حرکت اس سے ہو جاتی تھی تو وہ شرم و خجالت کی وجہ سے رُوپوش ہو جاتا تھا۔ تحریر دینے والے اور تحریر لینے والے کی

منشا اور نیت یہ نہ تھی کہ وہ اس تحریر دینے کے بعد بغیر اجازت زوجہ کے گھر سے باہر قدم بھی نہ نکال سکے بلکہ نیت یہ تھی کہ ایسی کارروائی کرنے کے بعد زید جو روپوش ہو جایا کرتا تھا، وہ آئندہ ایسا نہ کر سکے۔ زید چونکہ دہلی میں اس قسم کی حرکت کر چکا ہے اور دہلی میں ملازمت کرنے کے قابل نہیں ہے اس لئے وہ اپنی فلاح و بہبودی کے لئے اپنے والد کے پاس کلکتہ جانا چاہتا ہے یا اور کسی شہر میں ملازمت کی تلاش میں جانا چاہتا ہے لیکن اس کی زوجہ اس کو دہلی سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتی۔ اب زید بغیر اجازت اپنی زوجہ کے دہلی سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۵۷۲ محمد عثمان دہلی

۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۳ اگست ۱۹۳۵ء

(۲۷۶) **جواب**۔ خاوند کے الفاظ یہ ہیں "یا تم کو چھوڑ کر چلا جاؤں" اس کا مفہوم یہ ہے کہ بیوی کی اجازت کے بغیر دہلی (یعنی وطن) سے باہر چلا جائے یا اپنے گھر سے ایسی طرح غائب ہو جائے جس کو یہ کہہ سکیں کہ بیوی کو چھوڑ رکھا ہے تو طلاق ہو گئی۔ گھر میں سے باہر جانا مطلقاً مراد نہیں ہو سکتا۔ مثلاً نماز کے لئے باہر جانا یا سودا سلف لینے کے لئے گھر سے نکلنے یا گھنٹہ دو گھنٹے کے لئے گھر سے باہر رہنے یا کاروبار کے لئے دن میں گھر سے باہر رہنے پر طلاق نہیں ہو گی۔ کیونکہ ان صورتوں میں عرفاً یہ صادق نہیں آتا کہ وہ بیوی کو چھوڑ کر باہر چلا گیا اور یمین کا دارومدار عرف پر ہوتا ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

ایک شخص اس طرح زبان بندی دیتا ہے کہ اپنی زوجہ کے ساتھ جھگڑے کے بعد زوجہ میری لڑکی کو مارنے سے میں خفا ہو کر اس کو اپنے دارِ مسکونہ سے نکال کر کہا کہ یہ میرے گھر آنے سے تین طلاق۔ ساتھ ہی دوسری دفعہ کہا کہ یہ اگر میری اجازت کے بغیر میرے گھر آئے تو میرے حق میں تین طلاق ہو گی۔ میری یہ بات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ میری زوجہ جھگڑے میں ہمیشہ مشغول رہتی ہے۔ کسی طرح سے اس سے رو کی نہیں جاتی اور کسی سے ڈرتی بھی نہیں اور مانتی بھی نہیں۔ ایسی حالت میں لڑکی کو مارنے سے میں خفا ہو کر اور اس کے برتاؤ سے دق ہو کر کہا یہ میرے گھر جانے سے تین طلاق۔ اور یہ بات کہنے کے بعد دل میں آیا کہ اس کو ڈرانے کے لئے کہتا ہوں لیکن جس طرح زبان

سے بات نکل گئی وہ ارادہ دل کے خلاف ہوا - ساتھ ہی یا کچھ دل کی باتیں کھول کر کہا ہے کہ یہ اگر میری اجازت کے بغیر میرے گھر جائے تو میرے حق میں تین طلاق ہو گی - اب گزارش یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں تنجیز ہو گی یا تعلیق ؟ تنجیز کی صورت میں ترکِ اضافت کی وجہ سے عدم وقوعِ طلاق کا حکم دیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ اور ہمارے اس دیار کے عرف و عادت کے لحاظ سے شقِ اوّل کو تعلیق کہا جاتا ہے - پس بنا بر تعلیق عدم حنث کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ دارِ مسکونہ میں حالف کی سکونت ہے - بر تقدیر تعلیق حالف دارِ مسکونہ کو بعوض مہر زوجہ مذکورہ سے بیچ کر اس میں سکونت کر سکتا ہے یا نہیں - یا یمین فی الفور کے ذریعہ اس کی رہائی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ یا اگر کوئی شخص زوجہ مذکورہ کو جبراً اٹھا کر دارِ مسکونہ میں داخل کر دے تو عدم حنث کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ - دوسری گزارش یہ ہے کہ حالف مذکور اپنی زبان بندی کے کئی روز بعد کہتا ہے کہ میں نے اپنی زبان بندی میں غلطی کی ہے یعنی میں نے یہ کہا کہ اگر یہ میرے گھر آئے تو تین طلاق - اب حالف کی یہ بات مانی جائیگی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۳۵ مولوی فضل الرحمن (ضلع نواکھالی) ۳ رجب ۱۳۵۴ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(۲۷۷) **جواب** (از نائب مفتی) اس واقعہ مرقومہ میں یہ عورت اگر اپنے شوہر کے یہاں آئے گی تو اس عورت پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی - آسانی کے ساتھ وقوع طلاق سے خلاصی اس طرح ہو سکتی ہے کہ بغیر اس عورت کے کہنے کے کہار اس کو ڈولی میں سوار کر لیں - کسی اور شخص کے کہنے سے یہ عورت ڈولی میں سوار ہو جائے تو کہار ڈولی کو اس کے شوہر کے مکان کے دروازے میں سے اندر لے جا کر مکان میں اُتار دیں یعنی کہہ دیں کہ ڈولی میں سے اُتر جاؤ تو طلاق کے واقع ہونے سے یہ عورت بچ جائے گی - فقط (حضرت مفتی صاحب قبلہ کی رائے لیکر جواب لکھا گیا ہے) حبیب المرسلین عفی عنہ

سوال

زید نے ایک طلاق معلق بشرط معین زبانی بایں مضمون کہ اگر میں زید فلاں کام فلاں وقت معین میں نہ کیا تو میری زوجہ فلاں ہندہ کو طلاق واقع ہو جاویگی - کاتب سے صک مروجہ سرکاری پر لکھوا کر زوجہ اپنی ہندہ مذکورہ کے حوالے کیا - پھر حالف نے کام معین بوقت معین میں نہ کیا - بعد عرصہ پانچ چھ مہینے کے بہ یقین وقوع طلاق مفتی علاقہ کے پاس دعائے رجوع کیا -

مگر مفتی صاحب نے سبب عدم ثبوت رجوع فی العدۃ دعویٰ اس کا رد کیا۔ پس چند ایام کے بعد حالف نے از سرِ نو دعوائے ثانی کیا کہ میری ایک شرط تعلیق کی دیگر علاوہ شرط محررہ فی الصک سے تھی۔ مثلاً سکونت جو وہ موجود نہیں ہوئی۔ لہٰذا میری زوجہ ہندہ مذکورہ مطلقہ نہیں ہوئی۔ حالانکہ بہ نسبت ظاہر صک شرط زائد مغیر عین محررہ ہے اور بوقت دعوائے رجوع کوئی شرط زائد کا ذکر نہ تھا اور تحریر صک میں بھی نہیں۔ اور بلحاظ ظاہر صک برادران ہندہ شرط زائد کے منکر ہیں اور نصاب شہادت عند الطرفین موجود نہیں۔ آیا دعویٰ شرط زائد بعد دعوائے رجوع جو مبنی بر وقوع طلاق تھا مسموع ہے یا نہ؟ اگر مسموع ہے تو حلف کس فریق پر ہوگی۔ تنقیح یعنی دعوائے حالف اولاً بابت رجوع جو اقتضائً اقرار بوقوع طلاق اور عدم شرائط زائد ہے اور دعویٰ حالف ثانیاً شرط زائد و عدم طلاق ہندہ کے درمیان تناقض ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۸۰۲ محمد موسیٰ پروا ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(۲۷۸) **جواب**۔ اگر اس شخص نے تعلیق باللفظ کی تھی اور اس کے الفاظ کے شاہد موجود ہیں اور ان الفاظ میں شرط زائد مذکور نہیں تو اب دعوائے زیادت شرط درست نہیں۔ لیکن اگر تعلیق باللفظ نہ تھی بلکہ بالکتابۃ تھی تو اگر زوج خواندہ شخص ہے اور اس نے خود کاغذ پڑھ لیا اور اس پر دستخط کیے یا اس کو حرفاً حرفاً سنا دیا گیا اور اس کی شہادت موجود ہو تو اس صورت میں بھی دعوائے زیادت شرط درست نہیں لیکن اگر وہ ناخواندہ ہے اور صک اسے حرفاً حرفاً سنائی نہیں گئی اور اس سے انگوٹھا لگوا لیا یا دستخط کرا لیے (بعض ناخواندہ لوگ بھی دستخط کرنا سیکھ لیتے ہیں اور دستخطوں کے علاوہ کچھ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے) تو اس کا دعویٰ قابل سماعت ہوگا۔ رہا یہ دعویٰ کہ رجعت کر چکا ہے۔ یہ ایسا معارض نہیں ہے کہ اس سے دعوائے شرط زائد غیر مسموع ہو جائے۔ کیونکہ ان دو باتوں میں اس صورت میں تطبیق ممکن ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

مسماۃ نور بھری ولد عالم خان ایک ادھیڑ عورت کا نکاح میرے ایک کمسن عزیز مسمی محمد خان سے کرا دیا گیا۔ نکاح کرنے والوں کی ناپاک اغراض کچھ بھی ہوں مگر محمد خان نے ہوش سنبھالتے ہی مذکورہ عورت سے نہایت نفرت کے ساتھ بیزاری کا اظہار کیا۔ اور نہ یہ کہ تین طلاقیں

دیدیں بلکہ اپنے گرد اگرد مکر و فریب کا تنتا ہوا جال محسوس کر کے اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ عالم خاں کی اولاد میں سے جب جب میرا نکاح کسی لڑکی سے ہوگا میری طرف سے فوراً اس پر تب تب تین پڑتی جائیں گی۔ سائل کو تین سوالوں کا جواب درکار ہے۔ (۱) حنفیہ کے نزدیک حد بلوغ کیا ہے؟ شامی نے پندرہ سال لکھی ہے کیا یہی صحیح ہے؟ (۲) محمد خاں کی عمر طلاق دیتے وقت پندرہ سال تین ماہ تھی اور بالغ بھی تھا۔ کیا طلاق واقع ہونے میں کوئی شبہ ہے؟ (۳) اگر کسی فریب میں لاکر محمد خاں سے حلالہ کرایا جائے یا اس کا نکاح عالم خاں کی اولاد میں کسی لڑکی سے کیا جائے تو کیا یہ ممکن ہے؟ المستفتی نمبر ۹۰۲ دوست محمد (کوہاٹ)

۷ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۹ اپریل ۱۹۳۶ء

(۲۷۹) **جواب**۔ بلوغ احتلام سے یا جبکہ لڑکے کی عمر پندرہ سال کی ہو جائے ثابت ہو جاتا ہے۔ یعنی پندرہ سال عمر کے لڑکے کی طلاق معتبر ہے۔ پندرہ سال تین ماہ کے لڑکے کی طلاق پڑ جانے میں شبہ نہیں۔ عالم خاں کی اولاد میں کسی لڑکی سے محمد خاں کا نکاح درست نہ ہوگا۔ یعنی جب نکاح ہوگا طلاق پڑ جائے گی۔ حلالہ کے بعد بھی طلاق کا سلسلہ جاری رہے گا۔

محمد کفایت اللہ

سوال

زینب کو اس کے شوہر اور ساس نے تالاب میں سے پانی لانے کی ممانعت کی۔ کیوں کہ وہاں پردے کا کوئی انتظام نہ تھا مگر اس نے اس کی کوئی پروا نہیں کی اور پانی لینے کو چلی گئی۔ جب واپس آئی تو شوہر نے کہا کہ اتنی سخت ممانعت کے باوجود تو پانی لینے کیوں گئی؟ زینب نے کہا کہ اگر میں پانی لینے نہیں جاؤں گی تو کون لائے گا؟ اس کے شوہر نے خفا ہو کر کہا کہ اگر تیرے سوا کوئی اور پانی لانے والا نہیں ہے تو تجھے ایک دو تین طلاق دیدیں۔ کہاں جائے گی چلی جا۔ اس مسئلہ میں دو عالم مختلف الرائے ہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ یہ تعلیق ہے۔ لہٰذا اگر زینب کے علاوہ کوئی دوسرا پانی لانے والا ہو تو طلاق نہیں پڑے گی۔ دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ یہ تنجیز ہے کیونکہ دی ہوئی طلاق کی تنجیز کے کیا معنی جب اس نے ایقاع کی خبر بلفظ ماضی دیدی ہے نیز بعد کو کہاں جائے گی چلی جا کہہ کر تنجیز کی تاکید کردی ہے تو تعلیق کیونکر ہوگی۔

گو شرط کا ذکر ہے مگر وہ لغو چلی جائیگی ۔ المستفتی ۹۷۳ مولوی کبیر صاحب (ضلع نواکھالی)

(۲۸۰) **جواب**۔ اس صورت میں شوہر کے بیان حلفی پر فیصلہ ہوگا۔ اس سے دریافت کیا جائے کہ اس کا مطلب کیا تھا۔ اگر وہ ایسا مطلب بیان کرے جس سے تعلیق کے معنی پیدا ہوتے ہوں تو تعلیق ہوگی اور اگر ایسا مطلب ظاہر کرے جس سے تنجیز نکلتی ہو تو تنجیز ہوگی ۔ اس کے الفاظ دونوں معنی کے محتمل ہیں اس لئے اس کے حلفی بیان سے ایک صورت متعین کی جاسکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

بکر نے اپنے بھتیجے زید کو افریقہ اپنے قائم کردہ مدرسے میں پڑھانے کے لئے بلایا۔ زید کے افریقہ آنے کے بعد تقریباً ایک سال تک بکر نے بلا تنخواہ صرف خورد و نوش پر مدرسی کرائی۔ بعدہٗ بکر نے اپنی لڑکی ہندہ کے ساتھ زید کا نکاح کر دیا اور زید اب دامادی حیثیت سے رہنے اور مدرسی کا کام انجام دینے لگا۔ ایسے میں ساس جو کہ ہندہ کی سوتیلی ماں ہے داماد کے ساتھ جھگڑا فساد کرنے لگی جس سے تنگ آکر زید نکل گیا اور مدرسہ بھی بکر نے اٹھا دیا۔ جھگڑا تقریباً تین چار ماہ قائم رہا۔ پھر چند دوسروں کی فہمائش پر زید و بکر و ساس میں صلح ہوگئی اور زید ساتھ رہنے لگا۔ پھر ایک روز زید کے کھانے میں کوئی دست آور چیز ملا کر کھلا دی جس سے خون تک جاری ہوگیا تھا۔ علاج سے دست بند ہوئے لیکن کمزوری حد سے بڑھ گئی۔ اس کمزوری کی حالت میں ساس اور خسر نے ڈرا دھمکا کر باکراہ حسب ذیل تحریر لکھوالی :۔

"بقلم خود زید میں اپنی عقل ہوشیاری اور راضی خوشی سے نہ کسی کی عقل ہوشیاری سے نیچے کی شرط اپنی عقل ہوشیاری سے لکھ دیتا ہوں۔ (۱) میں بکر کے مدرسے میں جو نمبر ۱۱ ٹوبی اسٹریٹ پر ہے اس میں پڑھا سکتا ہوں اور دوسرے مدرسے میں جیسا کہ ماٹانڈل اور نیوکلر اور تھانون یا نیو لینڈ کے پڑھانے کا اور دوسرا کوئی کام کرنے کا مجھ کو حق نہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو بکر کو حق ہے پولیس کی معرفت سے یا کسی دوسرے کی معرفت سے مجھ کو نکلوا سکتا ہے۔ (۲) دوسرا اگر میں اس مدرسے کو چھوڑ کر چلا جاؤں تو میری عورت ہندہ کو تین طلاق ہو جائیں گی۔ پھر اس پر میرا کچھ حق نہیں اور اگر ان کی خوشی اور اجازت سے جاؤں تو جاسکتا ہوں

(۳) یہ کہ اس مدرسہ میں جتنے بچے پڑھتے ہیں ان کو پھر لانے کا مجھ کو حق ہے اور اگر سرکار مجھ کو یہاں سے نکال دے تو یہ کاغذ سے طلاق ہو جائے گی "

اس تحریر کے بعد زید تندرست ہوا لیکن مدرسہ بکر کا قائم نہ رہا تو زید نے دوسرے مدرسہ میں ملازمت برضائے بکر اختیار کی۔ چند ماہ بعد اس مدرسے سے پھر علیحدہ ہوا تو ایک رئیس نے بکر سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے یا داماد کو بٹھلا کر تمہارا مدرسہ پھر جاری کرو اور تنخواہ تمہارے داماد کو میں دوں گا۔ بہت فہمائش کے باوجود بکر راضی نہ ہوا اور زید کے متعلق ناشائستہ کلام منہ سے نکالنے لگا۔ بالآخر زید نے بلا رضا و اجازت بکر شہر سے دور دوسرے شہر میں ملازمت تلاش کری اور وہاں چلا گیا۔ اس عرصہ میں ہندہ کو ایک لڑکا بھی ہوا ہے۔ زید وہاں سے وقتاً فوقتاً خط و کتابت کرنے لگا تو بکر واپس کر دیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے اس سے کچھ واسطہ نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ بنا بر تحریر و شرائط و حالاتِ مذکورہ بالا کے زید کی اس تحریر سے اور پھر بلا اجازت دوسرے شہر میں ملازمت اختیار کرنے سے ہندہ کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۹۷۶ حافظ محمود۔ جوہانسبرگ

۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۴ جون ۱۹۳۶ء

(۲۸۱) **جواب** اگر یہ تحریر جبراً لکھوائی گئی ہے تو بالکل غیر معتبر اور غیر مؤثر ہے اس کی کوئی شرط بھی قابلِ اعتبار نہیں۔ اور اگر جبر و اکراہ نہ ہو تو معتبر ہے۔ اور اس صورت میں شرط نمبر (۱) اس وقت مؤثر ہو سکتی ہے کہ بکر کا مدرسہ ۱۱ ٹوبی اسٹریٹ پر ہونے کے باوجود زید اسے چھوڑ کر دوسرے مدرسے میں جاتا اور بغیر اجازت جاتا تو طلاق واقع ہوتی۔ لیکن اگر دوسرے شہر میں جانے کے وقت بکر کا مدرسہ نہیں تھا یا تھا مگر اجازت سے گیا تو ان دونوں صورتوں میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

مسماۃ منگو (دختر عیدو گھوسی سکنہ ٹونڈلہ ضلع آگرہ) کا عقد ہمراہ خدا بخش (ولد سولیا گھوسی لدھیانہ) سال ۱۹۱۷ء میں بزمانہ نابالغی مسماۃ ہوا تھا۔ بعد نکاح رخصتی نہیں ہوئی۔ بوجوہات خانگی زوجین میں مقدمہ بازی ہو گئی۔ چنانچہ اسی دوران میں زوجین نے بذریعہ تحریر اقرار نامہ

ثالثان مقرر کر دیئے۔ شوہر مذکور نے علاوہ تحریر اقرار ثالثی کے یہ الفاظ بھی لکھے کہ بصورت نامنظور کرنے کے فیصلہ پنچان کو یہ تحریر میری قطعاً شرعاً قانوناً طلاق صحیح و معتبر سمجھی جائے۔ پس ثالثان نے بعد تحقیقات و لیے جانے بیانات کے یہ طے کیا کہ مسماۃ مذکورہ شوہر موصوف کو مبلغ تین سو۳۰۰ روپے دے کر خلع کرلے۔ شوہر مذکور نے فیصلہ پنچان کو نامنظور کیا اور روپیہ لینے سے انکار کیا۔ مسماۃ مذکورہ نے ایک دعویٰ استقرار یہ منسوخیٔ نکاح عدالتِ دیوانی میں بمقابلہ شوہر مذکور دائر کیا۔ بدیں دادرسی کہ استقرار منسوخ و منقطع ہونے نکاح مدعیہ کا مدعا علیہ سے بدست برداری مہر کیا جائے۔ چنانچہ عدالتِ مجاز نے بعد تحقیقات و ثبوت یہ تجویز فرمایا کہ دعویٰ استقرار متعلق دادرسی (اے) مع خرچہ یکطرفہ ڈگری کیا گیا۔ جبکہ عدالت منصفی آگرہ موصوفہ نے دعویٰ استقرار منسوخ نکاح بحق مسماۃ منگو مذکورہ نے جوابنا عقد ثانی بعد فیصلہ عدالت ممدوحہ چار ماہ بعد کیا ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی نمبر ۱۰۹۷ مسماۃ منگو معرفت قاضی ضمیر الدین صاحب (میرٹھ)

۱۴ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳ اگست ۱۹۳۶ء

(۲۸۲) **جواب**۔ اگر زوج نے یہ تحریر دیدی تھی کہ اگر میں پنچوں کا فیصلہ نامنظور کروں تو یہی تحریر میری قطعاً شرعاً قانوناً طلاق صحیح و معتبر سمجھی جائے تو پنچوں کا فیصلہ نامنظور کرنے پر اس کی طرف سے طلاق ہوگئی اور بعد انقضائے عدت دوسرا نکاح عورت کا جائز ہوگیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

دو گروہ میں جھگڑا ہوا اور وہ جھگڑا اس قدر طویل ہوگیا کہ ہر ایک گروہ کے آدمیوں نے آپس میں یہ طے کیا اور باقاعدہ لکھ دیا کہ ایک گروہ دوسرے کے یہاں نہ تو کھانا وغیرہ کھاوے اور آپس میں کسی کے یہاں نہ لڑکی لاوے نہ اپنی دے۔ اس معاہدے کے جو خلاف کرے تو گویا اس نے اپنی عورت کو طلاق دے دیا۔ یہی معاہدہ دونوں گروہوں کا ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد جھگڑا ختم ہوا اور پیشتر کا معاہدہ جو تھا اس کو ترک کر کے آپس میں کھانا وغیرہ کھانے لگے۔ اب اس صورت میں ان کی عورتوں کو طلاق ہوگی یا کہ نہیں۔ اگر اب طلاق واقع

ہو تو اب کیا کرنا چاہیئے ؟ المستفتی نمبر ۱۱۷۳ عبدالرزاق صاحب (ضلع میدنی پور)
۲۰ رجمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۲۸۳) **جواب** - اگر معاہدہ کے الفاظ یہ تھے کہ جو کوئی معاہدہ کے خلاف کرے گویا اس نے اپنی عورت کو طلاق دے دی تو خلاف کرنے والوں کی بیویوں پر طلاق نہیں ہو گی بلکہ ان پر یمین کا کفارہ لازم ہو گا۔ یعنی دس مسکینوں کو پونے دو سیر فی مسکین کے حساب سے گیہوں دینے ہوں گے۔ فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید نے حلف اٹھایا کہ میں عمر سے نہ ملوں گا اور نہ اس کے پاس جاؤں گا۔ خالد نے کہا کہ مجھے تیری اس قسم کا اعتبار نہیں بلکہ یوں کہو کہ اگر میں عمر سے ملوں یا اس کے پاس جاؤں تو میری بیوی پر طلاق ہے۔ بعینہ ان الفاظ کو زید نے تین بار کہا مگر پندرہ بیس دن کے بعد زید عمر کے پاس گیا اور اس سے ملا۔ خالد نے کہا کہ تو نے تو نہ ملنے پر طلاق دی تھی۔ ایسا کیوں کیا۔ زید نے کہا کہ میں بھول گیا تھا لہذا از روئے شرع فرمایا جاوے کہ صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اگر واقع ہوئی تو کونسی ؟ المستفتی نمبر ۱۲۰۶ مستجاب الدین ریاض الدین صاحبان سوداگران ظروف بازار شاہی مسجد مراد آباد۔ ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

جواب (از مولانا خلیل احمد صاحب) ہو المصوب صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو گئیں۔ لہذا اب بدون حلالہ نکاح نہیں ہو سکتا جیسا کہ درمختار میں ہے۔ فی ایمان الفتح ما لفظہ وقد عرف فی الطلاق انہ لو قال ان دخلت الدار فانت طالق ان دخلت الدار فانت طالق ان دخلت الدار فانت طالق وقع الثلث واقرہ المصنف (ہامش شامی ص ۵۲۹) فقط.
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ الملتجی عفو ربہ الجلیل الصمد المدعو خلیل احمد وفقہ اللہ التزود لغد مورخہ ۷ ستمبر ۳۶ء

الجواب صواب محمد عجب نور غفرلہ، لقد اصاب من اجاب احقر محمد نعیم غفرلہ مدرس مدرسہ امدادیہ۔ الجواب صحیح بندہ عبداللہ غفرلہ مدرسہ امدادیہ عربیہ مراد آباد ۲۴ جمادی الثانی ۵۵ھ۔ الجواب صحیح فخر الدین احمد (مدرس اوّل مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد)

(۲۸۴) **جواب**۔ (از حضرت مفتی اعظمؒ) بھول جانے کا عذر مفید نہیں۔ اور قضائ تین طلاق پڑنے کا ہی حکم دیا جائے گا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

برائے زید پدر یا مادر یا برادران زید مثلاً نکاح کردہ۔ و در وقت نکاح کردن زن صغیرہ بود۔ و زید کامل عاقل بالغ بود و زن در خانۂ پدر بود و بخانۂ شوہر نیاوردہ شد۔ زیرا کہ صغیرہ بود۔ پس ازیں قسمِ نکاح کہ ذکر شد۔ از زبان زید الفاظ ذیل بجائے حلف یعنی در موضع استعمال حلف صادر شد کہ "اگر من پس ازیں زمانہ از شریعت مخالفت کردم مرا طلاق اضافی باشد"۔ این معلوم نیست کہ ایں الفاظ مذکورہ یکبار گفتہ یا دو سہ بار گفتہ۔ و حالف در حالت حلف ہم نمی داند کہ طلاق اضافی بچہ طور است و کدام الفاظ طلاق اضافی است۔ پس ازچنیں حلف از حالف تجاوز از حد شرعی صادر شد۔ پس از حانث شدن زید زن او بالغ شدہ بود۔ و زن و پدر زن از زید طلب کرد کہ زن خود را بخانۂ خود بیاورد۔ زید از علماء فتویٰ طلب کرد کہ برائے زید ایں زن منکوحہ جائز است یا نہ۔ دریں مسئلہ اختلافات کثیرہ از علماء صاحبان واقع شدہ بیانِ اختلاف این است کہ بعض علماء حکم کردہ کہ برائے زید بالکل نکاح کردن جائز نیست۔ خواہ آں زن سابقہ باشد کہ پدر یا مادر

(ترجمہ) زید کے واسطے مثلاً اس کے باپ یا ماں یا بھائیوں نے نکاح کیا۔ اور نکاح کے وقت منکوحہ کم سن تھی اور زید جوان عاقل بالغ تھا۔ اور کم سنی کی وجہ سے منکوحہ کو شوہر کے گھر رخصت نہیں کیا گیا۔ اس طرح کے نکاح کے بعد زید کی زبان سے مندرجۂ ذیل الفاظ بطور حلف کے صادر ہوئے کہ "اگر میں اس وقت کے بعد سے شریعت کے خلاف کروں تو مجھ پر طلاق اضافی ہوگی"۔ یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ الفاظ اس نے ایک دفعہ کہے یا دو تین بار کہے۔

اور زید حالف نہیں جانتا ہے کہ طلاق اضافی کیا چیز ہے اور اس کے الفاظ کس طرح پر ہیں۔ اس حلف کے بعد زید کی طرف سے حدود شرعیہ سے تجاوز سرزد ہوا۔ زید کے حانث ہونے کے بعد اس کی منکوحہ بالغ ہو چکی تھی۔ اس کے والدین نے زید سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی منکوحہ کو رخصت کرا لائے۔

زید نے علما سے فتویٰ طلب کیا کہ یہ اس کی منکوحہ اس کے لئے جائز و حلال ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علما نے مختلف فتوے صادر

یا برادرانِ زید برائے زید نکاح کردہ یا دیگر زنِ نو باشد۔ زیرا کہ ایں الفاظ کہ از زبان زید صادر شدہ کنایہ ہست از طلاق اضافی۔ وحکم طلاق اضافی این است کہ بالکل انسان از نکاح کردن محروم می شود۔ وبعض علماء حکم کردہ کہ ایں الفاظ یعنی لفظ اضافی طلاق مہمل است۔ بر این چنیں لفظ طلاق واقع نمی شود۔ و اضافی واقع می شود۔

دیگر علماء جواب می دہند کہ قول اول بالکل غلط است زیرا کہ عمل یمین در نکاح کہ قبل از یمین شدہ بود ہرگز جاری نمی شود نہ غیر اضافی واقع می شود۔ بلکہ برائے زید نکاح کردن جائز است خواہ آں سابقہ بود یا دیگر زنِ نو بود۔ خواہ بزبان خود بود یا بزبان دیگر شخص بود بطور اجازت خواہ اجازت قولاً خواہ کنایۃً بود یعنی بہر طور کہ ہست برائے زیدِ حالف نکاح کردن جائز است۔ و از حنث خود فدیہ یمین بر زید واجب شدہ۔ وبعض علماء حکم کردہ کہ اگر دیگر شخص خواہ ولی زید بود یا غیر ولی بود برائے زید نکاح می کند بغیر زن سابقہ یعنی دیگر زن نو برائے زید نکاح می کنند بغیر اجازت زید قولاً یا کنایۃً بر این تقدیر مذکورہ برائے زید نکاح کردن جائز است واگر از طرف زید اجازت قولاً یا کنایۃً واقع شود پس بر تقدیر اجازتِ زید نکاح کردنِ دیگر شخص برائے

فرمائیے۔ بعض علماء نے حکم دیا کہ زید کے لئے بالکل نکاح کرنا جائز نہیں خواہ وہ پہلی ہی عورت ہو جس کا زید کے لئے اس کے باپ یا ماں یا بھائیوں نے نکاح کیا تھا۔ خواہ کوئی دوسری عورت ہو۔ کیونکہ زید کی زبان سے جو الفاظ نکلے ہیں وہ طلاقِ اضافی سے کنایہ ہیں اور طلاقِ اضافی کا حکم یہ ہے کہ انسان نکاح کرنے سے بالکل محروم ہو جاتا ہے۔

بعض علماء نے حکم دیا کہ یہ الفاظ یعنی لفظ اضافی طلاق مہمل ہے اور ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور اضافی واقع ہو جاتی ہے۔

دیگر علماء جواب میں فرماتے ہیں کہ قول اول بالکل غلط ہے کیونکہ یمین کا عمل اس نکاح پر جو یمین سے پہلے منعقد ہوا تھا ہرگز جاری نہ ہوگا اور طلاق غیر اضافی بھی واقع نہیں ہوگی۔ بلکہ زید کے لئے نکاح کرنا جائز ہے خواہ پہلی عورت ہو یا دوسری نئی عورت ہو۔ خواہ نکاح اپنی زبان سے ہو یا دوسرے شخص کی زبان سے باجازتِ زید قولاً یا کنایۃً۔ یعنی جس طرح بھی ہو زید کو نکاح کرنا جائز ہے۔ اور قسم توڑنے کا کفارہ زید پر واجب ہے۔

پھر بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر دوسرا شخص ولی زید ہو یا غیر ولی زید کے لئے کسی نئی عورت کا نکاح کرے اور زید کی اجازت قولاً یا کنایۃً حاصل نہ کرے اس تقدیر پر نکاح کرنا جائز ہے

زید ہم جائز نیست ۔ و بریں اختلاف مذکورہ دوازدہ سال گزشتہ تا ہذا الوقت بوجہ مفصل مطابق بمذہب خود حل نہ شدہ ۔ آخر الامر ہمہ اختلاف کنندہ صاحبان بحالف مذکورہ کہ زید است عمل باتفاق بر فتوی مولانا مولوی مفتی کفایت اللہ صاحب مقرر کردہ کہ بہر طور حکم از طرف کفایت اللہ صاحب خواہد آمد در جواز نکاح کردن برائے زید مذکورہ یا در عدم جواز نکاح کردن برائے زید بر آں حکم عمل می کنیم انشاء اللہ تعالیٰ

اور اگر زید کی طرف سے اجازت قولاً یا کتابۃً واقع ہو جائے تو اس اجازت کے بعد شخص دیگر کا کیا ہوا نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

اس اختلاف پر بارہ سال گزر چکے ہیں اور اب تک اپنے مذہب کے مطابق یہ مسئلہ حل نہیں ہوا۔ آخر الامر تمام اختلاف کرنیوالے علما نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے فیصلہ کو تسلیم کریں گے اور زید کے لئے حضرت مفتی صاحب موصوف جو حکم صادر فرمائیں گے اسی پر عمل کیا جائے گا۔

المستفتی نمبر ۱۲۹۲ عزیز اللہ صاحب حق شیر ورہ معرفت نور شیر محمد صاحب پشاوری نووارد دہلی

۲۵ شوال ۱۳۵۵ھ م ۹ جنوری ۱۹۳۷ء

(۲۸۵) **جواب** ۔ قول زید یعنی این الفاظ (کہ اگر من خلاف شرع کارے بکنم مرا طلاق اضافی باشد) قول مہمل است اگر شخص مذکور بعد ازیں حانث شود برو طلاق لازم نہ گردد و نکاح او کہ قبل از حلف شدہ بود ازیں حنث باطل نہ شود و اگر او بعد از حنث نکاح جدید ہم کند آں نکاح جدید ہم جائز باشد

اگر فرضاً ایں یمین را موثر ہم قرار دادہ شود اثر او بر نکاح کہ بعد از یمین منعقد کردہ شود خواہد بود۔ اما بر نکاحے کہ بوقت یمین موجود بود برو اثر یمین ہرگز نخواہد بود۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

جواب ۔ زید کا یہ قول کہ "اگر میں شرع کے خلاف کوئی کام کروں تو مجھ پر طلاق اضافی ہوگی" بالکل لغو اور مہمل ہے۔ اگر زید حانث ہو جائے تو طلاق لازم نہیں ہوگی اور اس کا وہ نکاح جو پہلے ہو چکا تھا اس حانث ہونے سے باطل نہیں ہوگا۔ اور حانث ہونے کے بعد وہ جو جدید نکاح کرے گا وہ بھی جائز ہوگا۔

اگر بالفرض اس یمین کو نکاح پر اثر انداز مان بھی لیا جائے تو وہ اس نکاح پر اثر انداز ہو سکتی ہے جو یمین کے بعد منعقد کیا جائے لیکن جو نکاح کہ یمین کے وقت موجود تھا اس پر ہرگز اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص کے لئے اس کے والد نے ایک عورت کا خطبہ کیا۔ ابتدائے گفت و شنید سے وہ شخص اس عورت پر ناراض تھا۔ نکاح کے قبل وہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ نکاح کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ اثناء گفتگو میں ہمسایوں میں سے ایک نے کہا کہ تمہیں اس عورت سے ضرور نکاح کرنا ہوگا۔ اس وقت اس شخص نے کہا کہ اگر میں اسے رکھوں تو اس پر تین طلاق۔ صورت مسئولہ میں بعد نکاح تین طلاق واقع ہو گی یا نہیں۔ بر تقدیر اول تحلیل کی ضرورت ہو گی یا زوج کے لئے نکاح ثانی کافی ہو گا۔ نوٹ:۔ ہمارے یہاں کے محاورہ میں رکھوں سے عرفاً نکاح کروں مراد لیا جاتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۳۷۷ مسٹر محمد اظہار صاحب (ضلع اکیاب) ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ مارچ ۱۹۳۷ء

(۲۸۶) **جواب**۔ اگر وہ اقرار کرے کہ لفظ رکھوں سے اس کی مراد نکاح کروں تھی تو تین طلاقیں نکاح کرنے پر پڑ جائینگی اور بدون تحلیل وہ عورت اس شخص کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اور اقرار نہ کرے تو رکھوں کا لفظ نکاح کروں کے معنی پر محمول نہ ہوگا اور وقوع طلاق کا حکم نہ ہوگا۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھ پر طلاق ہے۔ لیکن طلاق کی نیت نہ تھی۔ پھر وہ گھر میں داخل ہوئی تو طلاق مغلظہ ہو گی یا رجعی؟ (۲) زید نے اپنی زوجہ ہندہ سے ڈرانے کی غرض سے کہا کہ اگر تم خالد کے گھر جاؤ گی تو تمہارا اور ہمارا تعلق قطع ہو جائے گا۔ لیکن نیت طلاق کی نہ تھی اور نہ جدائی کی نیت تھی۔ نہ بینونت کی نیت تھی محض ڈرانے کے لئے کہا تھا پھر ہندہ زید سے پوشیدہ خالد کے گھر گئی تو جو حکم ہندہ کے حق میں صادر ہوتا ہے تحریر فرمایا جائے۔

المستفتی نمبر ۱۶۰۶ مولوی محمود خاں صاحب مدرس اول مدرسہ ریاض العلوم (کانپور)

۵ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جولائی ۱۹۳۷ء

(۲۸۷) **جواب**۔ (۱) اس صورت میں اگر عورت گھر میں داخل ہوئی تو طلاق پڑ جائے گی مگر طلاق رجعی ہو گی۔ البتہ اگر عورت غیر مدخولہ ہو گی تو طلاق بائن ہو گی مغلظ نہ ہو گی۔ (۲) اس صورت میں چونکہ نیت طلاق کی نہ تھی اور طلاق کا صریح لفظ بھی نہ تھا اسلئے طلاق نہ ہو گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص سے اس کی بیوی کی لڑائی ہوتی ہے۔ لڑائی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مرد رنگین کپڑوں سے خوش ہوتا ہے اور عورت کو رنگین کپڑوں سے رغبت کم ہوتی ہے۔ یہاں رنگین کپڑوں سے مراد گھر کے رنگے ہوئے کپڑے ہیں جو اپنے ہاتھ سے رنگ کر پہنے جاتے ہیں۔ ایک روز عورت کو کسی محفل میں شریک ہونا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ سفید کپڑے پہن کر محفل میں شریک ہوں۔ مگر اس وقت سفید کپڑے موجود نہیں تھے۔ بس یہی سبب اصلی لڑائی کا ہوتا ہے۔ دن بھر مرد غصہ کی حالت میں برا بھلا کہتا رہا ہے۔ شام کو قصہ طول پکڑ جاتا ہے۔ مرد غصہ کی حالت میں عورت سے کہتا ہے کہ اگر آج سے تو نے میرے سامنے رنگین کپڑے پہنے تو میری طرف سے تین طلاق ہے۔ بلکہ تو میری سگی بہن کے برابر ہوگی۔ اب عورت کے پاس گھر کے رنگے ہوئے کپڑوں سے علاوہ ولایتی رنگے ہوئے کپڑے بہت ہیں جن کو وہ پہننا چاہتی ہے اور اس میں مرد بھی راضی ہے۔ کیا عورت اب رنگے ہوئے ولایتی کپڑے پہن سکتی ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۶۵۵ فضل حق نثار احمد پانی والے (دہلی)

۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۴ اگست ۱۹۳۷ء

(۲۸۸) **جواب** ۔ طلاق معلق سے وہ صورت خارج ہے کہ عورت مرد کے سامنے نہ ہو اور رنگین کپڑے پہن لے۔ یعنی اس صورت میں طلاق نہیں پڑے گی۔ لیکن اگر رنگین کپڑوں میں مرد کے سامنے آجائے گی تو طلاق پڑ جائے گی۔

مرد کے الفاظ میں تو رنگین کپڑوں کا ذکر ہے اور وہ گھر کے رنگے ہوئے اور ولایتی رنگے ہوئے دونوں کو شامل ہے۔ اس کے کلام میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ لیکن اگر جھگڑا انھیں کپڑوں کے متعلق تھا جو گھر میں رنگے جاتے ہیں اور ولایتی رنگین کپڑوں کے متعلق نہیں تھا اور مرد بھی اقرار کرتا ہے کہ اس کی نیت بھی ولایتی رنگین کپڑوں سے متعلق نہ تھی تو ولایتی رنگین کپڑوں کے ساتھ طلاق متعلق نہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے کوئی دوسری مسجد نہیں ہے اور وہاں کے باشندوں

نے متفق ہو کر یہ کہا کہ اگر آپس میں کوئی جھگڑا فساد ہو جائے تو سب مل کر آپس ہی میں فیصلہ کر لیا کریں گے اور پنچایت بھی قائم کر لی اور یہ بھی وعدہ کیا کہ سب مل کر مسجد ہی میں نماز پڑھا کریں گے۔ اگر کوئی شخص پنچایت سے الگ ہو جائے اور مسجد میں نماز نہ پڑھے تو اس کی بیوی کو تین طلاق اور اس بات کو ہر شخص نے منظور کر لیا۔ اتفاقِ وقت کہ کسی بات پر آپس میں جھگڑا ہو گیا اور چند آدمی پنچایت سے فیصلہ ہونے سے پہلے پنچایت سے علیحدہ ہو گئے اور مسجد میں نماز بھی پڑھنا چھوڑ دی اور عید اور بقر عید کی نماز بھی علیحدہ پڑھی آیا وہ لوگ جو جماعت سے علیحدہ ہو گئے ہیں ان لوگوں کی بیویوں کو ان لوگوں کے قول کے مطابق تین طلاق ہوئی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۸۵۷ محمد امین پلیش امام مسجد (آگرہ)

۳۰ رجب ۱۳۵۶ھ م ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۸۹) **جواب** - جو لوگ پنچایت سے علیحدہ ہوئے اور مسجد میں نماز پڑھنی چھوڑ دی اگر انھوں نے خود یہ تعلیق کی تھی کہ اگر ہم پنچایت سے علیحدہ ہوں اور مسجد میں نماز نہ پڑھیں تو ہماری بیوی پر تین طلاق تو بے شک ان کی بیویوں پر طلاقِ مغلظہ پڑ گئی اور اگر انھوں نے یہ تعلیق اپنی زبان سے نہیں کی تھی تو ان کی بیویوں پر طلاق نہیں پڑی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

"نقل اقرار نامہ"

منکہ شبراتی ولد علی قوم بز قصاب ساکن بازار ہر پت گنج مزرعہ موضع ہیرا گوبند پور پرگنہ و تحصیل و ضلع رائے بریلی کا ہوں عرصہ قریبًا بارہ سال کا ہوا کہ منمقر کا عقد ہمراہ مسماۃ رمضانی دختر بکر عیدی بز قصاب ساکن تیلیا کوٹ شہر رائے بریلی سے حسب شرع شریف محمدی حدیث حنفیہ کے ہوا اور مسماۃ مذکورہ رخصت ہو کر آتی جاتی رہی منمقر کی جانب سے اکثر تساہل نان و نفقہ ہوتی رہی۔ چنانچہ منمقر نے رائے بریلی آکر روبرو پنچان داد خواہ ہوا کہ منمقر کی غفلتوں کا اعتراف کرتے ہوئے زوجہ منمقر ہمراہ مُظہر رخصت کر دی جائے۔ اب مظہر مذکور تکلیف روحانی و جسمانی نہ پہنچائے گا۔ قبل اس کے بھی ایک اقرار نامہ منمقر نے نسبت نان و نفقہ

زوجہ اپنی کو تحریر کر دیا تھا جس کی پابندی منمقر سے نہیں ہو سکی۔ پنچان بنظر رحم خسروانہ ہمراہ منمقر زوجہ منمقر کو رخصت کرا دینے پر آمادہ و تیار ہوئے کہ مظہر ایک اقرار نامہ تحریر کر دیوے کہ اب کسی قسم کی تکلیف روحانی و جسمانی زوجہ منکوحہ کو نہ پہنچائے گا اور بآرام نان و نفقہ حسب استطاعت خود کریگا۔ چنانچہ منمقر حسب ذیل کا پابند ہوتا ہے۔ اول یہ کہ منمقر زوجہ منکوحہ اپنی کو۔

اپنے مکان میں بآرام رکھوں گا۔ کسی طرح کی تکلیف روحانی و جسمانی نہ پہنچاؤں گا اور نہ کوئی کمی نان و نفقہ میں کروں گا اور بموجب رواج رخصت بھی دیا کروں گا اور بعد میں آمد و رفت رہیگی اگر منمقر شرائط بالا کے خلاف کرے گا اور تکلیفِ روحانی جسمانی پہنچائے گا اور نان و نفقہ میں کمی کرے گا یا زدوکوب کرے تو منمقر اقرار شرعی کرتا ہے اور تحریر کیے دیتا ہے کہ میری زوجہ کو طلاق مغلظ ہو گی اور زوجہ منمقر کو اختیار ہو گا کہ وہ جس شخص کے ساتھ چاہے عقدِ ثانی کر لیوے مجھ کو دعویٰ و حق نہ ہو گا اور منمقر ادائے دین مہر کا ذمہ دار ہو گا۔

المستفتی نمبر ۱۹۳۴ عبدالغنی صاحب۔ رائے بریلی۔ ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۲۹۰) **جواب** - چونکہ زوج نے اپنے اقرار میں لکھا ہے کہ اگر ان شرائط کی خلاف ورزی کروں یا زدوکوب کروں تو منکوحہ کو طلاق مغلظہ ہو جائے گی تو اگر زوج نے اس اقرار نامہ کی تحریر کے بعد منکوحہ کو زدوکوب کیا ہے یا دیگر شرائط کی خلاف ورزی کی ہے تو منکوحہ پر طلاقِ مغلظہ اس کی تحریر کے بموجب واقع ہو گئی اور وہ دوسرا نکاح بعد عدت کرنے کی حقدار ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

نقل کابین نامہ

مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۶ء ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

اقرار کردہ صحیح و اعتراف نمود شرعی معتبر اسم و نسب خود مظفر حسین خلف مظہر حسین خاں ساکن قدیمی اندور سے عوض مہر ۵۰۰ روپئے کلدار نصف معجل و نصف موجل بموجب رسم شریعت کے ہوا ہے لہٰذا اس جلسہ نکاح میں روبرو قاضی صاحب بصحت عقل و حواس و درستیٔ دماغ کے میں اپنے کو خاص اس تحریر کے ذریعہ پابند کر کے لکھ دیتا ہوں کہ میں اپنی منکوحہ کو نان و نفقہ اور

کسی بات کی تکلیف نہ دوں گا اور ہمیشہ استرضاء زوجہ خود مسطورہ کوشش کروں گا کوئی بات خلاف شرافت کے نہ ہوگی۔ یعنی سخت کلامی دشنام دہی و زدو کوب نہ کروں گا اور اپنے قوتِ بازو سے کماؤں گا اور اپنی بیوی کے ہاتھ میں دوں گا۔ پردیس نہیں لے جاؤں گا۔ اور آمد و رفت گھر و عزیز و اقارب سے مانع نہ ہوں گا اور اس بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری بیوی نہ کروں گا۔ مزید برآں میں اپنے کو پابند کر کے اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ یوم عقد سے میں اور میری منکوحہ خسر غلام دستگیر خاں صاحب اور خوشدامن کلثوم بی کی خدمت میں رہوں گا۔ جہاں رہیں گی ہرگز علیحدہ نہ رہوں گا اور خود اپنی کمائی سے ہم میاں بیوی اپنا کھائیں گے اور جملہ اخراجات وابستگی انسان کریں گے اور خدانخواستہ نا اتفاقی واقع ہو تو نان و نفقہ کو دس روپے ماہوار اپنی منکوحہ کو بلا کسی عذر و حیلہ ادا کرتا رہوں گا۔ اگر دس روپے ماہوار نہ دوں یا علیحدہ رہنا اختیار کروں تو اس وقت اور اس دن سے میری منکوحہ سے میرا کوئی تعلق نہ رہے گا۔ حسب شرع میری طرف سے مثل طلاق ثلاثہ کے رہے گا۔ یہ چند کلمات بطور اقرار نامہ کے لکھ دیئے ہیں کہ سند ہوں اور وقت ضرورت کام آدیں۔ مظفر حسین۔ گواہ نور محمد۔ نظیر محمد۔ قاضی صاحب وغیرہ

اس صورت میں کہ جس شخص نے یہ کابین نامہ مع گواہ مندرجہ بالا کے تحریر کر کے اپنے کو پابند کابین نامہ کیا ہے مگر وہ اس کابین نامہ کے شرائط کا پابند نہیں ہے تو ایسی صورت میں طلاق متصوّر ہوگی یا نہیں۔ جواب مرحمت ہو۔ المستفتی نمبر ۲۰۸۲ ایم۔ کے بمبئی والا (سورت)

۲۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۳۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(۲۹۱) **جواب**۔ کابین نامہ کی تمام شرائط کی خلاف ورزی پر طلاق معلق نہیں کی گئی ہے بلکہ طلاق صرف دو شرطوں پر معلق ہے جو لفظ اگر سے شروع ہوتی ہے۔ وہ یہ ہیں کہ بصورت نا اتفاقی کے دس روپے ماہوار نہ دے اور دوسری شرط یہ ہے کہ بی بی کو چھوڑ کر علیحدہ رہنا اختیار کرے ان دو شرطوں میں سے کسی ایک کے واقع ہونے پر طلاق ہوگی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مسمی نبی رسول ولد میرا بخش نے ایک اقرار نامہ لکھا اس پر قائم نہیں رہے اور بیوی سے

بالکل بے تعلق ہیں جس کو آج چار سال کے قریب ہوتا ہے تو آیا اس اقرار نامہ سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں۔ شرط طلاق نامہ یہ ہے کہ مسماۃ نہیبہ بی بی دختر میاں جی نور محمد ساکن موضع کب ماٹوں عرف درگاہ تحصیل گھوسی ضلع اعظم گڑھ کو خرچ خانگی مبلغ صہ روپے ماہوار اور سال میں دو جوڑہ کپڑا برابر دیا کریں گے اور اگر درمیان میں کسی طور کا نقص و فتور ہوگا یا ہم فتور پیدا کریں گے تو ہماری ذات و جائیداد سے ساتھ دعوے کے میاں جی نور محمد صاحب وصول کر لیویں گے۔ اور علاوہ اس کے یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ بموجب اقرار نامہ کے نہیں انتظام کریں گے تو اپنی بیوی سے لادعویٰ ہو جائیں گے۔ المستفتی نمبر ۲۱۰۹ شیخ نور محمد صاحب (اعظم گڑھ)

۹ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۳ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۲۹۲) **جواب** - اگر نبی رسول اقرار کرے کہ اس کا مطلب ان الفاظ سے یہ تھا کہ بیوی کو طلاق ہو جائے گی تو اس کی خلاف ورزی کرنے پر طلاق ہو گئی اور اگر وہ اقرار نہ کرے تو اس اقرار سے تو طلاق نہیں ہوئی مگر عورت کو بوجہ نان نفقہ وصول نہ ہونے کے مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرانے کا حق ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) زید نے اپنی بیوی سے کسی رنجش کی بنا پر غصہ کی حالت میں کہا کہ اگر تو اپنے بھائی کے سامنے ہوگی تو تو حرام ہو جائے گی اور اسی وقت لوگوں نے زید سے کہا کہ تم ایسا لفظ زبان پر کیوں لاتے ہو تو زید نے فوراً اپنی نشست میں کہا۔ میں طلاق کی نیت سے یہ لفظ زبان پر نہیں لایا آپ لوگ خواہ مخواہ نیا مطلب لگاتے ہیں۔ مگر سامعین اس کی باتوں پر یقین نہ کرتے ہوئے شبہ کرتے ہیں کہ زید نے ضرور نیتِ طلاق سے کہا ہوگا۔ لیکن لفظ کی گرفت کی وجہ سے نیتِ طلاق سے انکار کرتا ہے۔ پھر ایسی صورت میں زید کے قول سے طلاق معلق ہوئی کہ نہیں۔ اگر زید کی بیوی اپنے بھائی کے سامنے ہوگی تو طلاق واقع ہو جائیگی یا نہیں اور لوگوں کا شبہ کرنا کہاں تک صحیح ہے؟

(۲) زید سے جب لوگوں نے پوچھا اور اس نے کہا کہ میری نیت طلاق کی نہیں ہے بلکہ میں نے دھمکی دینے اور اس سے میل جول کرنے سے روکنے کے لئے ایسا کہا ہے۔ اب میں سامنے

ہونے کے لئے اجازت دیتا ہوں۔ مگر اس کی بیوی احتیاطاً اب تک اپنے بھائی کے سامنے نہیں ہوتی ہے اب جبکہ زید نے سامنے ہونے کی اجازت دیدی ہے تو اگر زید کی بیوی اپنے بھائی کے سامنے ہو تو کیا حکم ہے ؟　　المستفتی نمبر ۲۱۳۴ ابو رضوان محمد غازی (پٹنہ)

۱۷ رشوال ۱۳۵۶ھ م ۲۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۲۹۳) **جواب** - منکوحہ کے لئے حرام کا لفظ بغیر نیت طلاق کے بھی طلاق کے معنی ہی پر محمول ہوتا ہے اس لئے پہلا عذر غلط ہے۔ ہاں جب اس نے اجازت دیدی تو اب اس کی بیوی کے اپنے بھائی کے سامنے ہونے سے طلاق نہیں پڑے گی۔ کیونکہ پہلی تعلیق بشہادتِ عرف بغیر اجازت زوج سامنے ہونے پر محمول ہوگی اور اجازت کے ساتھ سامنے ہونا شرط کے وجود کا باعث نہ ہوگا۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید و عمرو دو بھائیوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ زید نے عمرو کو ایک کام کرنے پر مجبور کرنا چاہا اور عمرو نے انکار کیا۔ مگر زید نے بہت تنگ کیا اور غصہ ہو کر عمرو کو کہا کہ تو کافر ہے۔ عمرو نے اپنی جان چھڑانے کے لئے بہت غصہ میں کہا کہ ہاں بھائی میں کافر ہوں اور دو خدا ہیں (نعوذ باللہ) اور عمرو کا دل بالکل مطمئن تھا وحدانیتِ الٰہی پر مگر غصہ کی حالت تھی۔ کیا عمرو اس کلمہ کے کہنے سے مرتد ہوگا یا نہیں ؟ پھر کلمہ توحید پڑھ کر عمرو وہاں سے روانہ ہوا۔ زید اس کے پیچھے چلا۔ تھوڑی دور جا کر زید نے کہا اچھا بھائی تو میری جگہ پر امامت کرنا۔ میں کسی دوسری جگہ گزارہ کروں گا۔ عمرو نے کہا کہ جب تک تو اسی شہر میں ہو اگر میں نے یہ امامت کی تو میری عورت کو تین طلاق۔ اور دونوں بہت غصہ کی حالت میں تھے۔ زید نے کہا بہت اچھا امامت نہ کرو۔ اور دو تین گھنٹے بعد غصہ فرو ہوا تو دونوں راضی ہوگئے اور اس بات پر اتفاق ہوا کہ دوسرے دن میں اس شہر سے چلا جاؤں گا اور تم یہ امامت کرو۔ عمرو نے کہا بہت اچھا ! چنانچہ زید سامان لے کر روانہ ہوا اور شہر سے نکل گیا۔ عمرو نے امامت کی۔ تین چار نماز پڑھائی۔ دوسرے دن زید مع سامان کے اسی شہر میں پھر داخل ہوا اور عمرو نے ظہر کی امامت کرلی۔ زید کہتا ہے کہ میرا اس شہر سے واپس جانے کا ارادہ تھا۔ کیا عمرو کی عورت کو طلاق ہو جائے گی یا نہیں ؟ اور کیا

عمرو کے لئے اوّل اوپر کے کلمے کہنے سے امامت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۸۱۵ مولانا حشمت علی صاحب صدر مدرس مدرسہ قاسمیہ بلند شہر
۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۲۹۴) **جواب** - اگر یہ الفاظ کہ "ہاں بھائی میں کافر ہوں اور دو خدا ہیں" عمرو نے ہوش وحواس قائم ہونے کی حالت میں کہے ہیں تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ مگر دوسری بار تعلیق طلاق سے تعلیق صحیح ہو گئی - اور خلاف ورزئ شرط پر طلاق معلق واقع ہو جائے گی - اور اگر وہ ہوش وحواس قائم نہ رکھتا تھا یعنی شدتِ غضب میں مسلوب الحواس ہو گیا تھا تو ارتداد نہیں ہوا - اور تعلیقِ طلاق صحیح ہو گئی اور پھر زید کے شہر میں داخل ہونے کی حالت میں جو نماز ظہر عمرو نے پڑھائی اس سے شرط کی خلاف ورزی ہو کر طلاقِ معلقہ واقع ہو گئی -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

متعلقہ استفتائے سابق

(۱) بصورتِ فسخ نکاح جب یہ الفاظ کہ "اگر میں نے یہ امامت کی تو میری عورت کو تین طلاق ہیں" صادر ہوئے تو عورت منکوحہ نہ تھی کیونکہ نکاح بوجہ ارتداد فسخ ہو گیا لہٰذا یہ تعلیق کیونکر صحیح ہو گی - علاوہ ازیں حروف شرط میں سے کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس امر کو ظاہر کر رہا ہو کہ جب کبھی یہ نکاح کرے گا تو وجود شرط کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائیگی -

(۲) کیا یہ صورت یمین فور کی نہیں ہو سکتی کہ اگر زید شہر میں رہتا ہوتا اور عمرو اسی وقت امامت کرتا تو ضرور طلاق واقع ہو جاتی - حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہوا - علاوہ ازیں اگر اس نے زید کے آنے کے بعد اور غصہ کے فرو ہونے کے بعد ظہر کی نماز پڑھائی تو عرف اور کلام متخاصمین میں امامت سے مراد تو مستقلاً امامت ہے - کیونکہ زید نے یہ کہا تھا کہ میری جگہ یہ امامت کرنا منہ یہ کہ ایک وقت کی نماز پڑھانا کیونکہ زید مستقلاً امام ہے - ہاں اگر عمرو یہ کہہ دیتا کہ اگر کسی وقت بھی میں نے یہ امامت کی تو میری عورت پر تین طلاق ہیں تو اور بات تھی -

المستفتی نمبر ۲۱۳۵ مولانا حشمت علی صاحب مدرس اول مدرسہ قاسمیہ بلند شہر - ۱۷ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۲۹۵) **جواب** ۔ (۱) قال فی الفتح ویقع طلاق زوج المرتدة علیها ما دامت فی العدة لان الحرمة بالردة غیر متابدة فانها ترتفع بالاسلام فیقع طلاقه علیها فی العدة مستتبعا فائدته من حرمتها علیه بعد الثلاث حرمة مغیاة بوطء زوج آخر بخلاف حرمة المحرمیة فانها متابدة لاغایة لها فلا یفید لحوق الطلاق فائدة الخ (شامی ص ۴۲۵ ج ۲) اور جب تنجیز طلاق مرتد سے صحیح ہے تو تعلیق بدرجۂ اولیٰ صحیح ہوگی۔

(۲) یمین فور کے احکام اس وجہ سے جاری نہیں ہوسکتے کہ فور کا وجود نہیں۔ پہلے غصہ کی حالت رفع ہوچکی ہے اور عمرو توبہ واستغفار کرکے جاچکا ہے۔ زید نے اس کو جاکر ایک امر پیش کیا اس پر اس نے یمین کی۔ یمین کے الفاظ میں امامت مستقلہ یا عارضہ کا کوئی فرق نہیں کیا گیا اس لئے وہ مطلق امامت پر محمول ہوگی اور شرط کے وجود پر طلاق ضرور ہوگی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنی شادی کے وقت ۱۰ روپیہ کے اسٹامپ پر اقرار کیا ہے کہ بصورتِ نااتفاقی ونا چاقی زوجہ ام کو مبلغ ۱۰ روپے ماہوار گزارہ اس کے والدین کے یہاں بیٹھی کو دوں گا۔ اگر کسی وجہ سے دو ماہ تک رقم گزارہ نہ دے سکوں تو پھر میری زوجہ میری زوجیت سے آزاد ہوجائے گی اور نکاح بعدم نکاح متصور ہوگا۔ زید نو ماہ تک تو بیوی خود کے پاس رہ کر اس کا گزارہ حسب خواہش کرتا رہا۔ اس کے بعد دوسری جگہ ملازم ہو کر چلا گیا جہاں سے دس روپئے ماہوار بذریعہ منی آرڈر بھیجتا رہا۔ رسید منی آرڈر دو ماہ کی زید کے پاس موجود ہیں۔ مگر زوجہ زید نے منی آرڈر نہیں لیے واپس کرتی رہی۔ اب نوٹس دے دیا ہے کہ گیارہ ماہ سے تم نے مجھے گزارہ نہیں دیا اس لئے میں تمہاری زوجیت سے بموجب تمہاری تحریر کے آزاد ہوں لہٰذا رقم مہر ۱۰۰ روپئے عند الطلب اور رقم گزارہ ۱۱ ماہ ادا کردو ورنہ بذریعہ عدالت بموجب تمہاری تحریر کے وصول کروں گی اس لئے براہِ مہربانی تحریر فرمائیں کہ ایسی صورت وحالت میں طلاق واجب ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۳۴ بشیر احمد (کوہ شملہ)

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۸ء

(۲۹۶) **جواب** - اگر زید نو ماہ تک بیوی کے ساتھ رہا اور دونوں گزارہ کرتے رہے پھر سفر میں گیا تو وہاں سے بھی دس روپے ماہوار بھیجے زوجہ نے منی آرڈر وصول نہیں کیا تو زید کی طرف سے شرط کی خلاف ورزی نہیں ہوئی اور طلاق واقع نہیں ہوئی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(۱) عبدالرحمن نامی ایک شخص نے مسماۃ فاطمہ بو سے نکاح کیا اور سال ڈیڑھ سال کے بعد اپنی زوجہ فاطمہ بو کو اپنے خسر کے مکان پر بھیجدیا اور خود زوج گداگر بن کر چلہ کشیوں کے بہانہ سے آستانوں مزاروں پر بیٹھ کر مفت کی روٹیاں کھانے لگا اور ملازمت وغیرہ سب چھوڑ کر اپنے اوپر کسب حلال کا سدباب ہی کر لیا۔ اسی طرح ڈھائی تین سال تک آوارہ گردی میں لاپتہ رہا اور فاطمہ بو کے غریب والدین اپنی لڑکی کے نان ونفقہ کا خرچ برداشت کرتے رہے۔

(۲) آخر الامر عبدالرحمن خاں اپنی زوجہ کے شہر میں گھومتے گھماتے آنکلا اپنی زوجہ کے پاس آنے کی نیت سے نہیں بلکہ اس ارادہ سے آگیا تھا کہ کسی آستانہ پر چند روز مفت کی روٹیاں کھا کر چلتا بنوں مگر اتفاق سے راہ میں عبدالرحمن خاں کو اس کے سالے نے دیکھ لیا اور اسے سمجھا بجھا کر اس کی زوجہ کے پاس لے آیا زوجہ نے اپنے زوج سے نان ونفقہ واجبہ کا مطالبہ کیا اور خود کو ساتھ لے جانے کو کہا مگر سردست عبدالرحمن خاں میں یہ وسعت کہاں تھی کہ مذکورہ مدت کا نان ونفقہ ادا کرکے زوجہ کو سنبھال لے جبکہ اپنا پیٹ پالنا مشکل ہو بالآخر زوج مذکور نے ایک تحریر بمضمون ذیل لکھ کر زوجہ کے حوالے کی۔

من محرر عبدالرحمن خاں ولد بھیکن خاں وجہ تحریر اینکہ چونکہ میں تمہارے نان نفقہ کا متحمل نہیں ہو سکا اس لئے میں نے تم کو تمہارے والدین کے مکان پر بھجوا دیا اور انہوں نے ڈھائی تین سال تک تمہارے نان ونفقہ کا خرچ برداشت کیا جبکہ انھوں نے تم کو اتنی مدت سنبھالا ہے تو میں مزید برآں تم سے مہینہ سوا مہینہ کی مہلت اور چاہتا ہوں۔ اگر

مہینہ سوا مہینہ کے اندر اندر تمہارے نان و نفقہ کی جملہ واجب الادا رقم پہنچا کر تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاؤں تو میری اس تحریر کو طلاق سمجھیے۔

الراقم عبدالرحمٰن خاں ولد بھیکن خاں

عبدالرحمٰن خاں کی بیوی سے وثوق کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ میں جب تک اپنے زوج کے ساتھ رہی وہاں تک بھی میرا زوج جیسا چاہیئے ویسا صحبت پر قادر نہ تھا اور جس وقت زوج نے مذکورہ تحریر میرے حوالے کی اور جانے لگا اس وقت یہ کہتا گیا ہے کہ میں اب دنیا کی لائن میں نہیں ہوں۔ یہ بات بھی جناب کی خاص توجہ کی محتاج ہے۔ تحریر تعلیق طلاق عبدالرحمٰن خاں زوجہ کے حوالے کر کے چلتا بنا۔ حتیٰ کہ مدتِ مطلوبہ ختم ہو چکی اور اس پر بھی آٹھ نو مہینے گذر چکے ہیں اور مدتِ مطلوبہ ختم ہونے کے قبل و بعد بذریعہ رجسٹری متعدد نوٹسوں سے زوج کو مدتِ تعلیق طلاق کی یاد دہانی بھی کی گئی مگر جملہ تدابیر بے سود ہوئیں۔ زوجہ عبدالرحمٰن خاں فاطمہ بصورتِ مسئولہ میں مطلقہ سمجھی جائے گی یا نہیں۔ آپ کی جانب سے شرعی جواب آجانے کے بعد دوسرے نکاح کے لئے عدت کی مدت گزارنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۴۷ مولوی حسین میاں صاحب (کاٹھیاواڑ)

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۸ جون ۱۹۳۸ء

(۲۹۷) **جواب**۔ یہ تحریر جو عبدالرحمٰن خاں نے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر زوجہ کو دی معتبر اور تعلیق صحیح ہے۔ اس تحریر کی تاریخ سے سوا مہینہ یعنی ۳۸ دن گزرنے کے بعد زوجہ پر طلاق پڑ گئی جبکہ اس کو اس مدت میں کل رقم نفقہ واجبہ کی ادا نہ کی گئی ہو اور اس کے بعد اگر تین حیض آچکے تو عدت بھی ختم ہو گئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک شخص شفیع محمد نامی نے جس کا نکاح خاتون سعیدن سے ۵ برس قبل ہوا تھا اور جو گزشتہ سنین میں خاتون سعیدن کے نان نفقہ کا کوئی مناسب بندوبست نہ کر سکا مورخہ ۱۵ جون ۱۹۳۷ء کو جب موصوف بسلسلۂ روزگار ترکِ وطن کر رہا تھا تحریر ہذا لکھ کر دی۔

بینکہ شفیع محمد ولد غریبی قوم مسلمان ساکن بیٹ مارکیٹ کا ہوں جو کہ میری شادی و نکاح مساۃ سعیدن دختر ننھے خاں قوم مسلمان ساکن بیروں اور چہار دروازہ شہر جھانسی سے عرصہ چار سال جب ہوا تھا مگر میں مقر اب تک مساۃ مذکور کے نان و نفقہ وغیرہ کا مناسب انتظام نہیں کر سکا اس لئے بغرض اطمینان مساۃ مذکور کو حسب شرائط ذیل اقرار نامہ کر رہا ہوں۔

(۱) یہ کہ میں مقر بے لبسی سے بسلسلہ ملازم ہو کر باہر جا رہا ہے اور مساۃ مذکور جو کہ اپنے والدین کے ہاں عرصہ سے موجود ہے۔ اس کے واسطے آٹھ روپئے ماہوار نفقہ وغیرہ روانہ کرتا رہے گا۔

(۲) یہ کہ منمقر اب کبھی مساۃ مذکور کو کسی قسم کی کوئی تکلیف روحانی و جسمانی وغیرہ نہ دے گا۔

(۳) یہ کہ منمقر اگر چھ ماہ تک مساۃ مذکور کو مبلغ آٹھ روپے ماہوار کے حساب سے نان و نفقہ وغیرہ نہ ادا کرے اور نہ کسی قسم کی روحانی و جسمانی خبر لے اور نہ خط و کتابت رکھے تو یہ اقرار نامہ بطور طلاق نامہ متصور ہوگا اور مساۃ مذکور کو بعد گذرنے میعاد عدت اختیار ہوگا کہ مساۃ مذکور اپنا دوسرا عقد کرے تو منمقر کو عقد ثانی کی نسبت کوئی کارروائی پنچایتی و عدالتی کرنے کا کوئی حق و اختیار نہ ہوگا اور یہ طلاق ساتھ رضامندی کے ہوگی اور نہ کوئی میرے رشتہ داروں کو حق اعتراض ہوگا۔

(۴) یہ کہ اگر منمقر نان و نفقہ میعاد مقررہ تک ادا نہ کرے اور طلاق ہو جاوے تو اس صورت میں مساۃ مذکور کو اختیار ہوگا کہ تین ماہ پندرہ یوم گذرنے میعاد عدت کے نان نفقہ رقم مہر تعدادی مبلغ پانچ سو روپے کا دعویٰ کرے اور مجھ کو اور وارثان میرے کو کسی طرح کا عذر و حیلہ نہ ہوگا۔

(۵) اور یہ کہ منمقر مساۃ مذکور کو اپنے ہمراہ کسی وقت لے جاوے اور وہاں پر کسی طرح کی تکلیف روحانی و جسمانی وغیرہ اس کو دیوے تو مساۃ مذکور کو اختیار ہوگا کہ وہ بلا اجازت میرے اپنے والدین خواہ اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں جا سکتی ہے اور کسی وقت مساۃ مذکور کو خواہ کوئی حقیقی رشتہ دار بنا بر رخصت مذکور کو لینے کے واسطے پہنچے تو منمقر بلا عذر و حیلہ اس

کے ساتھ فوراً رخصت کردے گا اور یہ اقرار نامہ بدرستی ہوش وحواس اور نہ کسی زور کے ساتھ تحریر کردیا کہ سند ہو اور وقتِ ضرورت کام آوے دستخط بقلم خود سید اشتیاق احمد محرر وکیل کلکٹری جھانسی - ۱۵ر جون ۱۹۳۷ء

لکھ کر لڑکی مذکور کے ورثاء کے حوالہ کر گیا تاہنوز موصوف نے اپنا اقرار پورا نہیں کیا، نہ نان ونفقہ نہ خط وکتابت جس کو عرصہ ایک سال کا ہوا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے۔

(۱) طلاق واقع ہوگئی یا نہیں۔ اگر ہوئی تو کب۔ نیز لڑکی کو از روئے شرع عقدِ ثانی کا اختیار ہے یا نہیں اور عدت ختم ہوچکی یا نہیں؟

(۲) لڑکی شخص مذکور سے زر مہر لے سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) شخص موصوف کو طلاق واقع ہونے کی صورت میں کوئی حق باقی رہتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۷۰ ننھے خاں صاحب (جھانسی) ۱۳ر جمادی الاول ۱۳۵۷ھ

۱۲ر جولائی ۱۹۳۸ء

(۲۹۸) **جواب** - اگر شوہر نے اقرار نامہ لکھا یا لکھوایا تھا اور اس پر دستخط یا نشان انگوٹھا لگایا تھا اور پھر چھ ماہ تک نفقہ مقررہ ادا نہیں کیا اور کوئی خبر گیری نہ کی اور نہ خط وکتابت رکھی تو چھ ماہ گذرتے ہی عورت پر طلاق ہوگئی اور اس کے بعد تین مرتبہ حیض آچکا ہو تو عدت بھی پوری ہوگئی۔ اب وہ شوہر سے مہر لے سکتی ہے اور اپنی مرضی سے جہاں چاہے دوسرا نکاح کرسکتی ہے فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) زید کا نکاح ہندہ سے ہوا جس کو عرصہ بیس سال کا ہوا ہوگا۔ زید سے ہندہ کے ایک لڑکی ہے جو کہ اب شادی شدہ ہے۔ اب زید ہندہ پر چند شبہات کی وجہ سے زنا کا شک کرتا ہے کہ ہندہ نے محمود سے زنا کیا ہوگا جو کہ زید کا بہنوئی ہے۔ محمود کی عمر ۵۰ سال کی ہے۔ زید نے محمود کو ہندہ سے زنا کرتے نہیں دیکھا۔ نہ کوئی اور گواہ زنا کرتے ہوئے دیکھنے کا ہے۔

(۲) زید نے برادری کے دو آدمیوں سے کہا کہ مجھ کو محمود پر شک ہے کہ اس نے ہندہ سے زنا کیا ہو اس لئے کیا محمود اپنے بیٹے پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا کر میرا شک دور کرسکتا ہے۔ ان دو

آدمیوں نے محمود سے لڑکے پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کو کہا محمود نے یہ کہا کہ میں لڑکے پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کو تیار ہوں اور قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قسم کھانے کو تیار ہوں کہ میں نے ہندہ سے نہ زنا کیا نہ کبھی بدنیتی سے دیکھا بلکہ ہندہ کو میں اپنی بیٹی کی برابر سمجھتا رہا ہوں۔ ان دو آدمیوں نے زید سے آکر کہا کہ محمود ہر قسم کی قسم کھانے کو تیار ہے مگر زید بدگمانی سے باز نہیں آیا۔

(۳) ہندہ قرآن شریف کی قسم کھانے کو تیار ہے اور ہندہ کے ایک بیٹی ہے۔ بیٹی کی قسم کھانے کو تیار ہے مگر زید بدگمانی کرتا ہے۔

(۴) اب یہ معاملہ درپیش ہے کہ زید ہندہ کو شرطی طلاق اس طرح پر دیتا ہے کہ ہندہ کو زید طلاق دیتا ہے تین اس شرط پر کہ اگر تو نے زنا نہ کیا تو تو میری بیوی ہے اور جو تو نے محمود سے زنا کیا ہے تو میری طرف سے تین دفعہ طلاق۔

(۵) اب ایسی صورت میں جبکہ ہندہ اور محمود قسم کھا کر زنا سے انکار کرتے ہیں شرطی طلاق دینی چاہئیے یا نہیں اور شرطی طلاق دینے سے طلاق ہوگی یا نہیں اور ہندہ اپنا مہر زید سے لے سکتی ہے یا نہیں۔ ہر حالت میں شرط کے ساتھ طلاق دے یا صاف طلاق دے۔

المستفتی نمبر ۲۳۸۹ محمد عمر محمد ظفر (گوڑ گانوہ) ۸ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۶ اگست ۱۹۳۸ء

(۲۹۹) **جواب**۔ اس صورت میں زنا کا شبہ کرنا اور اس کی وجہ سے عورت کو طلاق دینا درست نہیں۔ اگر خاوند طلاق دیدے گا تو مہر ادا کرنا ہوگا۔ اگر طلاق باشرط دی جائیگی اور فی الواقع زنا نہیں ہوا تھا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ لیکن خاوند کو جب زنا کا شبہ ہے تو عورت سے احتراز کرے گا اور عورت باوجود غیر مطلقہ ہونے کے مطلقہ جیسی ہو جائیگی۔ لہذا یہ طلاق بالشرط فضول ہے یا تو خاوند اپنے دل کو عورت کی طرف سے صاف کرلے اور دونوں میاں بیوی کی طرح رہیں یا پھر قطعی طور پر طلاق دے کر علیحدہ کردے اور اس کا مہر ادا کردے فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص مسمی خلافت حسین نے ایک عورت سے نکاح کیا اور نکاح کے کچھ دنوں

کے بعد سے بیوی کی خبر گیری بالکل چھوڑ دی۔ آمد ورفت نان ونفقہ سب بند کر دیا۔ جب عرصہ تک یہ حال رہا تو عورت کے والد نے پنچایت بٹھلائی اور اس میں خلافت حسین کو بلوایا گیا۔ اس پنچایت میں اس نے ایک اقرار نامہ لکھا جس کی نقل اس استفتا کے ساتھ ہے۔ اس پنچایت اور اقرار کے بعد خلافت حسین اپنی بیوی کو لے گیا اور تقریباً ڈیڑھ پونے دو ماہ تک اس کو اپنے ساتھ رکھا اور نان نفقہ بھی دیا۔ اس کے بعد یکایک بغیر ایک روز کا بھی خرچ دیئے اور بغیر کوئی انتظام کیے ہوئے کلکتہ چلا گیا۔ چند روز تک خلافت حسین کے چھوٹے بھائی نے خلافت حسین کی بیوی کو کھانا وغیرہ دیا لیکن عورت کی تکلیف بڑھ چلی اور خلافت حسین کے گھر والوں نے اس کو پریشان کرنا شروع کیا تو عورت اپنے باپ کے گھر چلی آئی۔ اس واقعہ کے بعد تقریباً پونے دو برس تک خلافت حسین نے اپنی بیوی کی کوئی خبر نہیں لی۔ نہ نان ونفقہ دیا، نہ کبھی لے گیا اور نہ خود کبھی آیا۔ باوجودیکہ خلافت حسین کے چھوٹے بھائی نے خلافت حسین کو اس کے بارے میں بارہا خط لکھا لیکن کوئی جواب بھی نہیں دیا باوجودیکہ وہ کلکتہ میں کماتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورۂ بالا صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے اور منسلکہ اقرار نامہ کے بعد خلافت حسین کی بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں۔ اب وہ خلافت حسین کے پاس جا سکتی ہے یا نہیں اور اگر اب وہ عورت دوسرا نکاح کرنا چاہے تو عدت گزارنی پڑے گی یا عدت پوری ہو چکی۔ براہِ کرم جواب سے جلد سرفراز فرمایا جاوے۔

نقل اقرار نامہ

میں خلافت حسین ولد رجب علی حی القائم ساکن محلہ سبحان گنج تھانہ وضلع مونگیر بمقابلہ پنجان محلہ حاجی سبحان دصندل پور کے حلفیہ آج بتاریخ ۱۴ر مارچ ۱۹۳۷ء کو حسب ذیل اقرار کرتا ہوں:۔

(۱) یہ کہ آج کی تاریخ سے ہم اپنی بی بی کو کھانا کپڑا کو اچھی طرح سے رکھیں گے۔ اور کھانا کپڑا اپنی اوقات کے موافق دیا کریں گے اور اپنے باپ کے گھر میں محلہ حاجی سبحان پرگنہ مونگیر میں اپنی بیوی کے ساتھ رہا کریں گے۔

(۲) یہ کہ اگر ہم قصداً ابلا وجہ اپنی بی بی کو کھانا کپڑا نہیں دیں اور خبر گیری چھ ماہ نہیں لیں تو ہم کو اپنی بی بی سے کوئی سروکار نہیں ہوگا اور طلاق بائن سمجھی جائے گی اور ہماری بی بی کو اختیارِ کامل ہوگا کہ وہ اپنا عقد کسی دوسرے مرد سے کرے۔ اس میں ہم کو کوئی عذر نہ ہوگا۔

(۳) یہ کہ اگر ہم کو یا ہماری بی بی کو ایک دوسرے سے کسی قسم کی شکایت ہو تو ہم دونوں کو یہ فرض عین ہوگا کہ اپنے گھر والوں کو اپنے محلہ والوں کو آگاہ کریں گے اور ان کے ذریعہ اس شکایت کو رفع کریں گے۔

(۴) یہ کہ اگر کسی قسم کی بدعنوانی ہم سے یا ہمارے والدین یا ہمارے ساس سسر وغیرہ سے بہ نسبت ہماری بی بی کے ہو جائے تو اس کو فوراً ہر شخص اپنے اپنے محلہ کے پنچوں کو رجوع کریں گے اور تصفیہ کرائیں گے۔

(۵) یہ کہ اقرار نامہ ہم نے خوب سمجھ بوجھ کر لکھوایا ہے۔ کبھی کسی مضمون سے انحرافی نہیں کریں گے اور اگر انحرافی کریں تو رد باطل و نامسموع ہوگا۔ اس لئے یہ اقرار نامہ لکھ دیا جو وقت ضرورت کام آوے۔ فقط　　المستفتی نمبر ۲۴۳۸ محبوب علی صاحب محلہ صند لپور (مونگیر)

۲۵ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ م ۱۷ جنوری ۱۹۳۹ء

(۳۰۰) **جواب** - اقرار نامہ کی شرط نمبر ۲ بالکل صاف ہے اور جبکہ خلافت حسین نے غائب ہونے کے دن سے بی بی کو چھ ماہ تک نفقہ نہیں دیا اور خبر گیری نہیں کی تو چھ ماہ پورے ہونے پر اس کی بیوی پر طلاق بائن پڑ گئی اور وہ اس کے نکاح سے باہر ہو گئی۔ اور اس کے بعد اگر تین مرتبہ حیض آچکا تو عدت بھی پوری ہو گئی۔ اب عورت کو حق ہے کہ وہ جس سے چاہے اپنا نکاح کرے۔ فقط　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک شخص نے کہا کہ میں فلانی عورت سے نکاح کروں تو اپنی ماں سے کروں وہ میرے اوپر قیامت تک حرام ہے۔ یہ بات کہتے وقت عورت کا نام اور اپنی ماں کا نام لیا۔ اب اس شخص نے اسی عورت سے نکاح کر لیا ہے۔ اس شخص کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔ طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں۔ قد سمع اللہ میں جو آیاتِ شریفہ ہیں اس اصول کے مطابق کیا کفارہ

ہو سکتا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۴۵۱ مولوی خلیل الرحمن صاحب (مرادآباد)
۲۰ رذی الحجہ ۱۳۵۷ھ م ۱۱ر فروری ۱۹۳۹ء

(۳۰۱) **جواب** - یہ ظہار نہیں ہے تعلیق طلاق ہے اور نکاح کرتے ہی طلاق نہیں پڑی، کیونکہ یہ صورت بظاہر تعلیق تھی مگر حقیقت میں یمین تھی۔ نکاح کرنے سے اس پر کفارۂ یمین واجب ہوگا۔ یعنی دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا واجب ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید اپنی بی بی منکوحہ کو کسی ناخوشی پر بی بی کے باپ کے گھر پر آکر جہاں کچھ عرصہ سے بی بی مقیم تھی بموجودگی اپنے سسر اور ساس اور حقیقی بھائی کے اور غصہ کی حالت میں اپنی بی بی کو بلاتا ہے۔ بی بی اس وقت بیس قدم کے فاصلہ پر ایک کمرہ کے اندر تھی۔ اس کی بی بی اس وقت اس کے پاس نہیں پہنچتی ہے۔ بھائی کی مزید تاکید پر یہ بیان کرتا ہے کہ میں اپنے والدین کی تعمیل حکم کرنے آیا ہوں۔ اگر تم ہمارے پاس رہنا نہیں چاہتی ہو تو ہم تم کو طلاق دیتے ہیں۔ طلاق کا لفظ تین مرتبہ کہا اور اٹھ کر اپنے مکان پر چلا گیا۔ بی بی کا بیان ہے کہ میں نے کچھ نہیں سنا۔ لوگوں سے بعد میں معلوم ہوا۔ پس ایسی حالت میں واقعہ مذکورہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۵۰۴ نصیب احمد (غازی پور)
۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ ۸ جون ۱۹۳۹ء

(۳۰۲) **جواب** یہ طلاق معلق ہے " اگر تم ہمارے پاس رہنا نہیں چاہتی ہو تو ہم تم کو طلاق دیتے ہیں " اگر بی بی یہ کہے کہ میں رہنا نہیں چاہتی تو طلاق پڑی ورنہ نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے نسیمہ جان دختر اکبر دین کے ساتھ حسب ذیل شرائط و پابندی کے ساتھ نکاح کیا اور نکاح کرتے وقت زید نے خود اپنی طرف سے بطور اقرار نامہ شرائط تحریر کر دی ہیں اور وہ شرائط یہ ہیں۔

(۱) کہ میں اپنی منکوحہ بیوی مسماۃ نسیمہ جان کو تمام زندگی اپنی سسرال کے ساتھ رکھوں گا۔ (۲) اگر مسماۃ مذکورہ اپنے والدین کے ساتھ کراچی سے علاوہ کسی اور جگہ یا اپنے عزیز وطن کو چلی جائے تو مجھے اسے روکنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ (۳) جب تک میں اور میری بیوی زندہ ہے میں اپنی بیوی کے ساتھ اس کے والدین کے ساتھ رہوں گا۔ (۴) اگر میں مسماۃ مذکورہ سے یا اپنی سسرال کی رضامندی کے بغیر اپنی بیوی کو کسی دوسری جگہ لے جاؤں یا صرف اپنی بیوی کو سسرال چھوڑ کر کہیں بھی چلا جاؤں تو پھر مجھے اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق اور حق نہ ہوگا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید مذکورہ بالا شرائط کی خلاف ورزی کر کے اپنی بیوی کو اپنی سسرال چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہے۔ کیا ایسی صورت میں زید کی منکوحہ بیوی کو شریعت حنفہ کی رو سے طلاق ہو گئی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۵۳۶ کرم خاں صاحب (کراچی) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ

م ۱۷ اگست ۱۹۳۹ء

(۳۰۳) **جواب** ۔ نمبر ۴ میں طلاق ہونے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف یہ لکھا ہے کہ مجھے اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق اور حق نہ ہوگا۔ اس سے اس وقت تک طلاق ہونے کا حکم نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ زوج اس امر کا اقرار نہ کرے کہ ان الفاظ سے اس نے طلاق کی نیت کی تھی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید کا اور زید کے بھانجے کا مکان ایک ہے۔ صرف کوٹھریاں الگ الگ ہیں۔ زید کا اور اس کے والدین وغیرہ کا شبیر سے تنازعہ تھا۔ اب بھانجے کی شادی میں زید کی بیوی کو اور والد کو نہایت مجبور کیا گیا۔ مجبوراً زید کی بیوی کو بھی معمولی شرکت کرنی پڑی۔ کیونکہ اس درمیان میں زید کی لڑکی سخت درد قولنج میں مبتلا ہو گئی تھی کامل شرکت نہیں ہوئی یعنی بارات میں نہیں گئی۔ ولیمہ کا کھانا کھایا اگرچہ کھانا بھی اپنے ہی گھر میں کھایا تھا کیونکہ جملہ شادی کی عورتوں کو زید ہی کے مکان میں کھانا کھلایا گیا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ زید کی بیوی بارات و نکاح میں شریک نہیں ہوئی۔ البتہ زید کے بھانجے کے گھر گئی آئی اگرچہ تھوڑی ہی دیر کے

واسطے بعد شادی کے مکان سے زید کے بڑے بھائی نے زید کو تحریر کیا کہ بوجہ مجبوری شریک ہونا پڑا - گویا بہت اصرار کرنے کے بعد زید نے یہ مضمون سنتے ہی اپنے جسم کو توڑنا شروع کر دیا بحالتِ جنون و غصہ کے اس کی زبان سے یہ کلمات ادا ہوئے۔

(۱) میں نے طلاق دیدی - اگر گھر میں سے شادی میں شریک ہوئی ہوگی - صرف ایک بار پھر دوسرے جلسہ میں زید نے بحالت جنون ہی کے اپنے برادر خورد وغیرہ سے یہ کہا۔ (۲) بس میرے سامنے سے ہٹ جاؤ مکان کو خط بھیجدو اس کو طلاق ہوگئی۔ اس کلمہ میں شادی کا ذکر نہیں ہے۔ (۳) پھر بحالتِ جنون ہی کے ایک لفافہ زید نے مکان بنام بڑے بھائی ارسال کیا جس کی نقل یہ ہے اور اصل شامل فتویٰ ہے۔

مکرم جناب بھائی قاری صاحب گزارش خدمت ہے کہ عین انتظار کے بعد آپ کا خوشی نامہ ملا کل حال سے آگاہی ہوئی - بہت خوشی ہوئی - اگر چہ والدہ صاحبہ نے شرکت کر لی لیکن اگر میرے گھر میں سے بھی شرکت کی ہے تو میں نے اس کو طلاق دی - اب بعد عدت پوری کرنے کے اس کو اختیار ہے کہ کہیں جائے اور میرے کل حقوق خانگی سامان و مکان ادائگی مہر اس کو دے دیا جائے خواہ فروخت کر کے قیمت لے جائے یا اس ملکیت کا کچھ بھی کرے اس کو اختیار ہے جب میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے تو میں بھی کسی کا نہیں ہوں - یہ ضرور ہے کہ وہ بے خطا تھی لیکن غلہ کے ہمراہ گھن بھی پس جایا کرتے ہیں - میں اپنی بیتابی دل سے مجبور تھا - امید ہے کہ خبر آپ کو پہلے ہی مل گئی ہوگی - کیونکہ میں نے معین الدین کو پرچہ کے پڑھنے کے بعد ہی جوابی کارڈ دے دیا تھا کہ تم یہ مضمون لکھ کر ابھی ڈال دو۔ کیونکہ میری حالت اس قابل نہیں رہی تھی کہ جو میں لکھتا اور نہ اب تک ہے - لیکن اس نے میرے کہنے پر شاید عمل نہ کیا ہوگا - یہ مفصل اور صاف حال نہ لکھا ہوگا اس وجہ سے بجبوری جس طرح لکھا گیا لکھ کر ارسال خدمت ہے۔ فقط رشید الدین

از روئے شرع شریف فرمائیں کہ زید کی بیوی مطلقہ ہوئی یا نہیں - اگر ہوئی تو کون سی طلاق ہوئی؟ المستفتی نمبر ۲۵۷ جناب معین الدین صاحب (نئی دہلی)

۲۶ محرم ۱۳۵۹ھ م ۶ مارچ ۱۹۴۰ء

(۳۰۴) **جواب** - اگر یہ تمام واقعات مذکورۂ سوال صحیح ہیں تو زید سے دریافت کیا جائے کہ شادی کی شرکت سے اس کی مراد کیا تھی۔ اگر کامل شرکت یعنی بارات و نکاح کی شرکت مراد تھی اور اس پر طلاق معلق کی تھی تو اس کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں پڑی لیکن اگر فی الجملہ شرکت کو بھی ناپسند کرتا تھا اور اس پر طلاق معلق کی تھی تو اس کی بیوی پر دو طلاقیں پڑ گئیں مگر دونوں مل کر بھی رجعی طلاق ہوئی۔ عدت کے اندر رجعت ہو سکتی ہے۔ سوال میں نمبر ۲ کے الفاظ اس کو خط بھیج دو اس کو طلاق ہو گئی بیکار ہیں۔ ان سے کوئی طلاق نہیں پڑی صرف نمبر ایک اور نمبر ۳ کے الفاظ سے دو طلاقیں ہوتی ہیں نمبر ۳ میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ رجعی کو بائن بنانے کے لئے یقینی طور پر حجت نہیں ہیں احتیاط برتی جائے تو تجدید نکاح عدت کے اندر یا بعد عدت کر لی جائے بہر صورت طلاق مغلظہ نہیں ہے اور حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک شخص مسمی منصور علی نے اپنی زوجہ ارخول کے کابین نامہ میں لکھا کہ " میں تمہاری بلا اجازت دوسری شادی نہیں کروں گا۔ اگر سخت ضرورت ہو تو تمہارا پورا مہر ادا کر کے اور تم سے تحریری اجازت حاصل کر کے کروں گا بلا اجازت کرنے سے اس بی بی پر ایک دو تین طلاق واقع ہوں گی "، منصور علی نے ایک دوسری شادی کی۔ ارخول نے طلاق تفویض کی بنا پر ایک طلاقنامہ رجسٹری کرایا جس میں لکھا کہ میرے شوہر نے مجھ سے اجازت لیے بغیر دوسری شادی کی ہے حکم کے پاس یہ مقدمہ پیش ہوا تو منصور علی نے تحصیل اجازت زبانی کا دعویٰ کیا اور اپنے دعوے پر دو شاہد پیش کیے۔ نیز ارخول نے بھی کابین نامہ کی تحریر سے رجوع کیا اور اقرار کیا کہ منصور علی نے مجھ سے اجازت حاصل کر کے دوسری شادی کی ہے۔ اس صورت میں منصور علی کی دوسری بی بی مطلقہ ہو گی یا نہیں اور کیا اس کی زبانی اجازت لے لینی کافی ہو گی؟ ایک مولوی صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ ۔

" ارخول کا پہلا قول غیر معتبر ہے اور منصور علی کی اس سے اجازت زبانی حاصل کرنی اس کے قول ثانی اور شہادت سے ثابت ہے۔ منصور علی نے دوسری بی بی پر طلاق واقع ہونے کو

نکاح بلا اجازت کے ساتھ معلق کیا تھا چونکہ اس نے اجازت حاصل کرنے کے بعد دوسری شادی کی لہٰذا اس کی دوسری بی بی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ فاذا اضافہ الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقاً کابین نامہ مذکور میں" بلا اجازت کرنے سے الخ یہ عبارت تعلیق طلاق کی ہے۔ اس سے اوپر والی عبارت میں محض وعدہ ہے کہ اگر دوسری شادی کرنی ہو تو قبل شادی پورا مہر ادا کرے گا اور تحریری اجازت حاصل کرے گا۔ مگر جملہ تعلیق میں اجازت کو مطلق رکھا گیا۔ فقہاء احناف کے نزدیک جب تک مطلق کو اطلاق پر باقی رکھنے کی گنجائش ہو اس کو مقید پر حمل نہیں کیا جاتا۔ البتہ اگر حادثہ ایک ہونے کے ساتھ حکم بھی ایک ہو تو ناچار مقید پر حمل کیا جاتا ہے۔ فی المنار عندنا لایحمل المطلق علی المقید وان کانا فی حادثۃ واحدۃ لامکان العمل بھما الا ان یکون فی حکم واحد۔ وفی التوضیح حکم المطلق ان یجری علی اطلاقہ کما ان المقید علی تقییدہ فاذا ورد ای المطلق والمقید فان اختلف الحکم لم یحمل الحکم المطلق علی المقید۔ ایضاً فیہ اذا حمل المطلق علی المقید یلزم ابطال المطلق لانہ یدل علی اطلاقہ والمقید علی تقییدہ عند الامکان۔ صورتِ مذکورہ میں وعدہ کے اندر اجازت مقید ہو تحریری کے ساتھ اور تعلیق میں مطلق ہو تو کوئی تنافی نہیں۔ قرینۂ سیاق سے بھی شبہ نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ عبارت ماسبق میں ادائے مہر کا بھی ذکر ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ طلاق معلق نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جملۂ تعلیق ماسبق سے مستقل ہے لہٰذا منصور علی کی زبانی اجازت لے لینی کافی ہوگی جو کہ مطلقِ اجازت کا ایک فرد ہے۔

دوسرے ایک مولوی صاحب نے اس کا جواب لکھا جس کا ماحصل یہ ہے کہ منصور علی تحریری اجازت حاصل نہ کرنے کی وجہ سے حانث ہوگیا۔ اس لئے کہ قولہ بلا اجازت کرنے سے الخ قولہ تغدی معی فقال ان تغدیت فکذا کا مشابہ ہے جیسا سوال میں تغدی مقید ہے اور جواب میں مطلق ہے تاہم مقید پر محمول ہے۔ اسی طرح حادثۂ مذکورہ میں اجازت مطلقہ کو تحریری اجازت پر محمول کیا جائے گا۔ مجیب ثانی نے توضیح کی ان عبارتوں سے استدلال کیا۔ اللفظ الذی ورد بعد سوال او حادثۃ اما ان لایکون مستقلاً الخ ص ۱۰۱

جنابِ والا کے نزدیک مسئلہ کا جو جواب صحیح ہو تحریر فرمائیں دلائل کی بھی تصریح فرمادیں مذکورۂ بالا دونوں جواب کی تصریح سوال میں کر دینا اس لئے مناسب معلوم ہوا تاکہ حضرت والا مخالف کے جواب کی وجہ تغلیط ظاہر فرمادیں۔

المستفتی ۲۶۵۹ مولوی عبدالجلیل صاحب فاضل دیوبند (ڈھاکہ بنگال)

۲ صفر ۱۳۶۰ھ م یکم مارچ ۱۹۴۱ء

(۳۰۵) **جواب** - مجیب اول کا جواب صحیح ہے۔ پہلی جگہ کابین نامہ میں لفظ بلا اجازت مطلق ہے۔ دوسری جگہ مقید تیسری جگہ مطلق۔ پہلے دونوں مقام وعدہ کے منفی اور مثبت پہلو ہیں تیسرا مقام تعلیق کا ہے۔ اسے اگر مطلق رکھا جائے تو پہلے مقام کے ساتھ اس کی مطابقت ظاہر ہے۔ اس کو دوسرے مقام کے نہ کرنے کے مقابلے ہی پر رکھنا اوفق ہے۔ یعنی وعدہ یہ تھا۔ بلا اجازت دوسری شادی نہ کروں گا۔ اور تعلیق یہ ہے کہ بلا اجازت کرنے سے الخ درمیانی عبارت وعدہ کے متعلق اثباتی پہلو کو بتاتی ہے جس میں تبرعاً اجازت کو تحریری اجازت تک بڑھا دیا گیا ہے۔ لہٰذا تعلیق پر اس کا اثر نہ ہونا چاہیئے۔ اسی طرح اس اثباتی جملہ میں ادائے مہر کا بھی ذکر ہے مگر تعلیق میں نہیں ہے۔ اس لئے اس کا تعلیق پر کوئی اثر نہ ہوگا۔
فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک غیر شادی شدہ حنفی شخص نے جو مذاہبِ اربعہ کو حق مانتا ہے یہ کہا کہ اگر وہ یہ کام کرے تو اگر نکاح کرے تو اس کی بیوی پر تین طلاق۔ ایسی صورت میں اگر وہ شخص امام شافعی رحؒ کے مذہب پر عمل کرلے تو کیا شرعاً اس کو اجازت ہے اگر نہیں ہے تو امامِ اعظم رحؒ کے مذہب کی بنا پر نکاح کی صورت کیا ہے۔ نیز اگر بجائے لفظ اگر کے وہ لفظ یہ کہے کہ جب کبھی وہ نکاح کرے یعنی لفظ (کلّما) تو اس کی بیوی پر تین طلاق۔ تو کیا ایسی مجبوری کی صورت میں امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کر سکتا ہے۔ اگر کر سکتا ہے تو کیا فتویٰ مفتی شرط ہے۔ اگر وہ شخص خود عالم بھی ہو تو کیا اپنی رائے کے مطابق امام شافعیؒ کے قول پر عمل کر سکتا ہے۔ اگر کسی نے مجبوری کے ماتحت کرلیا تو گناہ ہوگا یا نہیں۔ اگر ہوگا تو کس قسم کا گناہ ؟

المستفتی ۲۶۷۹ محمد صالح و عبدالرحمن جامع مسجد امروہہ (مراد آباد)
۲ رجب ۱۳۶۰ھ م ۲۸ جولائی ۱۹۴۱ء

(۳۰۶۱) **جواب** - "اگر" اور "جب کبھی" دونوں صورتوں میں یمین کے بعد نکاح کرنے سے منکوحہ پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور یمین منحل ہو جائے گی۔ دوسرے نکاح میں طلاقیں نہیں پڑیں گی۔ کلّما کا مطلب یا تو تکرار لفظ "جب" سے پیدا ہوگا۔ مثلاً یوں کہے "جب جب میں نکاح کروں" یا لفظ بھی لانے سے مثلاً یوں کہے "جب بھی نکاح کروں" اور ان دونوں صورتوں میں مخلصی کی صورت یہ ہے کہ خود نکاح نہ کرے بلکہ کوئی فضولی اس کے امر اور اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دے اور یہ اجازت بالقول نہ دے بلکہ اجازت بالفعل دے مثلاً مہر ادا کر دے یا منکوحہ سے وطی کرے تو طلاق نہیں پڑے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مسمّٰی سعید احمد نے ایک تحریر اپنی بی بی صغریٰ کو دی جو بعینہ درج ذیل ہے :۔
"اپنی بی بی صغریٰ کا کہا کرتا ہوں میں ۔ اگر ایک ہفتے کے اندر نہ آؤ گی میکے میں سے تو طلاق ہو جاوے گی تم کو طلاق ہے تم کو طلاق ہے رجعی "۔

بیان حلفی سعید احمد کا "بیان کیا کہ طلاقنامہ لکھے ہوئے قریب ایک ماہ کے ہوا۔ لکھنے کے بعد میں نے رکھ دیا۔ پھر اس نے لے لیا یعنی صغریٰ نے اور اس نے کہا تھا کہ طلاقنامہ لکھ دو اور اس میں یہ شرط لکھ دو کہ اگر ایک ہفتہ کے اندر نہ آؤ گی تو طلاق ہو جائے گی۔ اگر نہ لکھو گے تو ہمبستری نہ کرنے دوں گی۔ طلاق نامہ لکھنے کے بعد دو مرتبہ یہاں میکے آئی ہے اس مرتبہ کو لے کر۔ پہلی مرتبہ طلاقنامہ لکھنے کے بعد جو آئی تھی سات آٹھ دن کے بعد آئی تھی اور صرف چار روز رہ کر میکے میں پھر میرے گھر گئی۔ اس کے بعد ہمارے یہاں دس روز رہ کر جب دوبارہ میکے آئی پھر نہیں گئی "۔

بیان حلفی صغریٰ کا۔
"طلاق نامہ جو ملا ہے مجھ کو پندرہ سولہ روز ہوا ہوگا۔ جب میں یہاں میکے سے گئی اس کے دو تین روز بعد ملا ہے۔ جب یہ طلاقنامہ ملا ہے اس کے دس پندرہ روز قبل کا لکھا ہوا ہے۔

یہ خیال ہے کہ مرہی[1] بند ہوئی تھی اس وقت کا لکھا ہے۔ مرہی بند ہونے کے بعد جب میکے آئی اور چار روز رہ کر وہاں یعنی سسرال گئی اور وہاں دس روز رہی۔ پھر اس کے بعد جب دوبارہ میکے آئی ہوں آج بارہ روز ہوئے۔ طلاقنامے کا سبب مجھ کو معلوم نہیں۔ طلاقنامہ لکھنے کو میں نے اس بات پر کہا تھا کہ جب انھوں نے کہا کہ میکے میں ملی ہو۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر ایسا سمجھتے ہو تو طلاقنامہ لکھ دو۔ یہ ہیں بیانات زوجین کے۔

اب سوال یہ ہے کہ طلاقنامہ لکھنے اور اس سے مطلع ہونے کے بعد میکے گئی۔ اور صرف چار روز رہ کر شوہر کے یہاں واپس آگئی۔ اب اس کے بعد دس روز رہ کر دوبارہ میکے گئی اور ایک ہفتہ سے زیادہ رہ گئی۔ اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر واقع ہوگی تو کیسی؟ ایک طلاقِ رجعی یا تین طلاق مغلظ؟ اور پہلی بار جبکہ ایک ہفتہ کے اندر واپس آگئی تو شرط ختم ہوگئی یا باقی رہی؟ یا دوبارہ میکے جاکر ایک ہفتہ سے زیادہ رہنے پر شرط پائی جائے گی اور طلاق واقع ہوگی۔ شرط کا وجود کب سے شروع ہوگا؟

جواب (از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی) جب ہفتہ کے اندر ایک بار واپس آگئی تو تعلیق ختم ہوگئی۔ اور ہر بار جانے کے بعد کی واپسی مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ لفظ "اگر" عموم کے لئے نہیں۔ اشرف علی عفی عنہ

جواب (از مولانا مفتی ریاض الدین صاحب دارالعلوم دیوبند) جب ایک ہفتہ سے کم میں واپس آگئی کسی قسم کی طلاق نہیں پڑی۔ کیونکہ شوہر نے دو طلاق کو ایک ہفتہ نہ آنے پر معلق کیا ہے۔ شرط نہیں پائی گئی طلاق نہیں پڑی۔ و تنحل الیمین بعد وجود الشرط (درمختار) صورتِ مذکورہ میں وجودِ شرط نہیں ہوا۔ اگر شرط کا وجود ہوتا تو طلاق پڑتی۔ شرط کا وجود نہیں ہوا، طلاق بھی نہیں پڑی۔ صورت مذکور میں چونکہ شرط نہیں پائی گئی طلاق کسی قسم کی نہیں پڑی۔ ریاض الدین عفی عنہ مفتی دیوبند

جواب (از مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری) قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ قضیہ وقتیہ ہے۔ مستمرہ نہیں۔ بس پہلی دفعہ آجانے کے بعد اس شرط کا اثر نہیں رہتا۔ دو طلاق واقع

---

[1] مرہی ہونے کے دن سے بیانات قلم بند ہونے تک ایک ماہ ہوتا ہے۔

نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ شرط کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ واللہ اعلم

ابوالوفا ثناء اللہ عفی عنہ امرتسری

جواب۔ (از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی دار المصنفین اعظم گڑھ) جب پہلی دفعہ چار روز کے بعد واپس آگئی شرط ختم ہو گئی۔ دو طلاق جو بعد میں ہے وہ الگ نہیں ہے بلکہ اس پہلی شرط کا بیان ہے۔ اس لئے کسی قسم کی کوئی طلاق نہیں پڑی۔ سید سلیمان ندوی

جواب (از مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدرس اول مدرسہ مفتاح العلوم مئو) صورتِ مسئولہ میں طلاق واقع ہو گئی۔ لفظ "اگر"، عربی کے لفظ اِنْ کا ترجمہ ہے۔ اور ان تراخی کے لئے ہوتا ہے۔ (اشباہ) بشرطیکہ فور کا کوئی قرینہ نہ ہو (شامی) اور صورتِ مسئولہ میں فور کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ بلکہ بیانات میں تراخی کا قرینہ موجود ہے۔ مثلاً صغریٰ کا طلاقنامہ لکھنے کے سات آٹھ دن بعد میکے جانا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی دن یا اسی وقت وہ میکے نہیں جارہی تھی۔ اور جب فور کا قرینہ موجود نہیں ہوتا تو جس وقت بھی شرط کا تحقق ہوتا ہے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ شامی و عالمگیری دونوں میں یہ جزئیہ مذکور ہے۔ ان بعثت الیك فلم تاتنی فعبدی حر فبعث الیه فاتاہ ثم بعث الیه ثانیا فلم یاته حنث ولا یبطل الیمین بالبر حتی یحنث مرة فیبطل الیمین (عالمگیری ص۱/۳ شامی ص۸۸۷/۲) اور طلاق بھی مغلظ واقع ہوگی۔ اس لئے کہ بظاہر سعید احمد نے تینوں طلاقیں اسی شرط پر معلق کی تھیں۔ پس وجود شرط کے بعد تینوں واقع ہوں گی۔ اور اگر پچھلی دونوں منجز ہیں جیسا کہ ظاہر صیغہ سے مستفاد ہوتا ہے تو دو اسی وقت واقع ہوں گی اور تیسری وجود شرط کے بعد۔

جواب الجواب (از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی) مجھے اس تحقیق سے اتفاق نہیں۔ شرطیت نہ ہونے کی صورت میں بھی طلاق واحد رجعی سے معاملہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جو صاحب اس کے خلاف پر اصرار کرتے ہیں مجھے ان سے شدید اختلاف ہے۔ اشباہ و شامی کے حوالے بے سود ہیں۔ اردو زبان ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید سلیمان ندوی

جواب الجواب (از مفتی ریاض الدین صاحب دار العلوم دیوبند) مولوی صاحب کا افتا اور مسئلہ جزئیہ پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں کیونکہ اول تو ان تاخیر کے لئے آتا ہے غلط ہے۔ کمافی الھدایہ۔ والفاظ الشرط ان واذا واذاما وغیرھا۔ ثم کلمۃ ان حرف للشرط لانہ لیس فیہا معنی الوقت وما ورائھا ملحق بھا۔ ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت وانتھت الیمین لانھا غیر مقتضیۃ للعموم والتکرار لغۃ فبوجود الفعل مرۃ یتم الشرط ولا بقاء للیمین بدونہ۔ خواہ "ان" حرف شرط ہو یا دوسرا کوئی حرف شرط ہو شرط افعال ہوتے ہیں۔ جس فعل پر معلق کیا ہے وہ شرط ہے۔ جب اس فعل کا وجود متحقق ہوگا جزا مرتب ہوگی۔ خواہ کبھی۔ احدہما کی موت سے پہلے جب تک زوجیت قائم ہے شرط کا تحقق ہو جزا مرتب ہوگی۔ جب زوج نے ایک ہفتہ کی قید لگادی اور ہفتہ سے پہلے واپس آگئی شرط متحقق نہ ہوئی یمین ختم ہوگئی۔ طلاق نہیں پڑی۔ ہاں اگر ایسے فعل پر معلق کرتا کہ مقید بالزمان نہ ہوتا تو جب اس فعل کا تحقق ہوتا طلاق پڑجاتی۔ اور یہاں مقید بالزمان ہے اور جو ہفتہ طلاق کے بعد آئے گا وہی شمار ہوگا۔ اس ہفتہ کے گذرنے سے پہلے اگر آگئی طلاق نہ ہوئی۔ مثال مذکور سے استدلال کرنا درست نہیں۔ مثال مذکور میں جزا دو شرطوں پر موقوف ہے۔ ایک ارسال دوم عدم اتیان۔ دونوں کے تحقق کے بعد غلام آزاد ہوگا۔ اسی واسطے اگر بھیجا اور آگیا شرط نہ پائی گئی۔ غلام آزاد نہ ہوا۔ لہذا دوسری بار اگر بھیجا اور نہ آیا اب شرط کا وجود ہوا جزا مرتب ہوگی اور غلام آزاد ہوگا۔ نہ اس وجہ سے کہ ان میں تاخیر ہے یا تکرار کا مقتضی ہے۔ اور یہاں فور سے کچھ واسطہ نہیں بلکہ طلاق کو ایک زمانہ معینہ پر معلق کیا ہے۔ جب زمانہ معینہ کا وجود بلا شرط پایا گیا اس وقت طلاق ہوگی۔ اور اس سے پہلے اگر وجود شرط ہوگیا طلاق نہ ہوگی۔ اور وہ مطلق اسبوع نہیں بلکہ جو طلاق کے بعد ہفتہ آئے گا وہی معتبر ہے۔ چنانچہ اگر زوج نے یوں کہا۔ انت طالق غداً او فی غدٍ یقع عند طلوع الصبح۔ باوجودیکہ غد کا لفظ نکرہ ہے۔ غد معین نہیں کہ کل ہی معین غد ہے۔ اگر یہی عموم ہے تو چاہیے کہ غد سے کوئی غد موت تک لے سکے۔ یا غد بمعنی قیامت بھی آیا ہے وہ لے لے۔ ولا یقول بہ جاھل فضلا ان یقول بہ عالم۔ الغرض جب ایک ہفتہ کے اندر واپسی پر طلاق کو معلق

کیا ہے۔ اگر ایک ہفتہ میں واپس آگئی تو یمین ختم ہوگئی اور اس کا حکم باقی نہیں رہا اور طلاق نہیں ہوئی۔ کما حررتہ اولا وافتی بہ العلماء الکبار۔

ریاض الدین عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند

حضرت مفتی صاحب! یہ تمام جوابات موافق و مخالف اور اصل طلاق نامہ ارسالِ خدمت کررہا ہوں۔ ملاحظہ فرما کر اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔

(۳۰۷) **الجواب** واللہ الھادی الی الحق والصواب۔ (از حضرت مفتی اعظمؒ) سعید احمد نے جو تحریر لکھی ہے اس میں اپنی بی بی کو خطاب کیا ہے اس لئے اس تحریر کا عمل لکھنے کے وقت سے شروع نہیں ہوگا۔ بلکہ عورت کو اس کا علم ہونے کے بعد سے شروع ہوگا۔ اس تحریر میں ایک طلاقِ رجعی معلق کی گئی ہے۔ ایک سے زیادہ نہ طلاق معلق ہے نہ منجز۔ اگرچہ عبارت میں لفظ طلاق تین مرتبہ آگیا ہے۔ لیکن عبارت ایک ہی سیاق میں منتظم ہے۔ اور اس کا مفاد ایک رجعی طلاق کی تعلیق سے زیادہ نہیں ہے۔ سعید احمد کی اس عبارت اور اس کے بیان کی دوسری عبارت منقولہ فی السوال سے بوضاحت اس کا طرزِ کلام اور محاورہ ظاہر ہوتا ہے اس کے لحاظ سے عبارت تعلیق کا تجزیہ اس طرح ہوتا ہے۔

(۱) اگر ایک ہفتہ کے اندر نہ آؤ گی میکے میں سے تو طلاق ہو جائے گی تم کو۔

(۲) .... طلاق ہے تم کو۔

(۳) .... طلاق ہے رجعی۔

پہلے فقرے میں پوری تعلیق شرط و جزا کے ساتھ موجود ہے۔ مگر چونکہ جزا کے الفاظ بوجہ صیغہ مستقبل ہونے کے انشائے طلاق کے معنی ظاہر کرنے میں مشتبہ تھے اس لئے اس کو صاف کرنے کے لئے اُس نے اسی کی توضیح اور تعیینِ ارادۂ انشا کے لئے دوسرا فقرہ استعمال کیا۔ جس کا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ دوسرا فقرہ کہہ دینے کے بعد اب عبارت یہ ہوگئی: "اگر ایک ہفتہ کے اندر نہ آؤ گی میکے میں سے تو طلاق ہے تم کو"۔ اس کے بعد اس نے اسی طلاقِ معلق کی نوعیت متعین کرنے کے لئے تیسرا فقرہ استعمال کیا کہ "طلاق ہے رجعی"، تو اب تینوں فقروں کے ملنے سے یہ عبارت حاصل ہوئی:۔

"اگر ایک ہفتہ کے اندر نہ آؤ گی میکے میں سے تو طلاق ہے تم کو طلاق رجعی"

اور اس عبارت کا مفاد صرف ایک رجعی طلاق کی تعلیق ہے۔ فقرہ نمبر ۲ و ۳ کو نمبر ایک سے علیحدہ کرنا اور تنجیز قرار دینا اس وقت تک صحیح نہیں جب تک سعید احمد خود اس کا اقرار نہ کرے کہ میں نے یہ دونوں فقرے پہلی معلق طلاق سے جداگانہ دو نئی طلاقیں فوراً دینے کے ارادے سے لکھے تھے۔

اس کے بعد یہ امر غور طلب ہے کہ تعلیق میں جو شرط مذکور ہے اس کا مفاد کیا ہے۔ آیا ہفتہ سے کوئی معین ہفتہ مراد ہے یا مطلقاً ہر وہ ہفتہ جس میں عورت اپنے میکے جائے۔ اور وہ جانے کے دن سے شمار کیا جائے یا تعلیق کا علم عورت کو ہونے کے وقت سے؟ یہ ظاہر ہے کہ معین ہفتہ مراد ہونے کی کوئی دلیل عبارت مذکورہ میں نہیں ہے۔ ہاں کسی قرینۂ حالیہ سے تعیین ممکن ہے اور یہ صرف دو صورتوں میں منحصر ہے۔ اوّل یہ کہ عورت اپنے میکے میں موجود ہوتی۔ اور خاوند وہاں خود جا کر اس کو خطاب کر کے زبانی کہتا کہ "اگر ایک ہفتہ کے اندر نہ آؤ گی میکے میں سے تو ....." یا اسی مضمون کی تحریر اس کو میکے میں ہونے کی حالت میں بھیجدیتا تو عورت کا میکے میں ہونا اور اس کی جلدی واپسی کے ارادے سے ہفتہ یا زیادہ قیام کرنے پر طلاق کو معلق کرنا اس کا قرینہ ہو سکتا ہے کہ ہفتہ سے یہی خاص ہفتہ مراد لے لیا جائے جو اس کے مخاطب کرنے یا تحریر بھیجنے کے وقت موجود ہے۔ اور اس صورت میں اس ہفتہ کی ابتدا وقت خطاب یا علم بالتعلیق کے وقت سے ہو گی۔ اور اگر وہ اس ہفتہ کے اندر واپس آگئی تو طلاق نہ ہو گی اور تعلیق بھی باطل ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت خاوند کے گھر میں ہو مگر میکے جا رہی ہو یا میکے جانے کا خاوند سے تذکرہ ہو رہا ہو۔ وہ ہفتہ کے اندر واپس آنے کا مطالبہ کر رہا ہو اور عورت زیادہ قیام کرنا چاہتی ہو اور یہ سب گفتگو اسی مرتبہ جانے آنے کے متعلق ہو۔ اور خاوند اس کو تعلیق مذکور کے الفاظ کہہ دے یا لکھ کر دیدے تو یہاں اس امر کا قرینہ موجود ہے کہ ہفتہ سے مراد یہی ہفتہ ہو جو اس تعلیق کے بعد ہو گا۔ مگر اس صورت میں اس کی ابتدا اس وقت سے ہو گی جس وقت وہ میکے کو جائیگی۔ اور اگر جانے سے ایک ہفتہ کے اندر واپس آگئی تو طلاق نہ پڑے گی اور تعلیق باطل ہو جائے گی۔ تعلیق کے ساتھ مخاطب کرنے یا

لکھ کر دینے کے بعد خواہ کتنے ہی دن خاوند کے یہاں رہے۔ تعلیق پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ اور جب میکے جائے گی اس وقت سے ہفتۂ تعلیق کی ابتدا ہوگی۔

مذکورہ بالا دونوں صورتیں نہ ہوں تو پھر معین مراد لینا صحیح نہ ہوگا۔ اور تعلیق مذکور کا مطلب یہ لینا پڑے گا کہ عورت جب بھی میکے میں جائے، جانے سے ایک ہفتہ کے اندر واپس آنا لازم ہوگا تاکہ طلاق نہ پڑے۔ اور جب کبھی جا کر ایک ہفتہ کے اندر واپس نہ آئے گی تو طلاق پڑ جائیگی۔ ہاں ایک مرتبہ طلاق پڑ جانے کے بعد یمین منحل یعنی ختم ہو جائے گی۔

پس واقعہ سوال میں اگر معین ہفتہ مراد لینے کی مذکورۂ بالا دو صورتوں میں سے قرائن حالیہ کے ذریعہ سے کوئی صورت معین ہو جائے اور اس معین ہفتہ میں عورت چار دن میکے میں رہ کر واپس آگئی تھی تو طلاق نہیں پڑی اور یمین باطل ہو جانے کی وجہ سے دوسری مرتبہ زیادہ رہنے سے بھی طلاق نہیں پڑے گی۔

اور اگر تعیین ہفتہ کی کوئی صورت نہ ہو تو مطلقاً ہر وہ ہفتہ مراد ہوگا جس میں عورت میکے میں جائے، پہلی مرتبہ جا کر چونکہ ہفتہ کے اندر واپس آگئی تو شرطِ طلاق نہیں پائی گئی اس لئے طلاق نہیں پڑی لیکن یمین منحل نہیں ہوئی بلکہ بحالہ قائم ہے۔ جب دوسری بار گئی اور ہفتہ کے اندر واپس نہ آئی تو اب شرط طلاق متحقق ہوئی۔ اور طلاقِ رجعی معلق واقع ہو گئی۔

اگر ہفتۂ معینہ مراد نہ لیا جا سکے (جس کے لئے مذکورۂ بالا قرائن حالیہ کی ضرورت ہے) تو ایک مرتبہ میکے جا کر ہفتہ کے اندر واپس آجانے سے یمین منحل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یمین کا انحلال وجودِ شرط کے بعد ہوتا ہے۔ اور صورتِ مذکورہ میں وجودِ شرط (ہفتہ کے اندر واپس نہ ہونا) نہیں ہوا۔ پس انحلال یمین کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں ایک مرتبہ وجودِ شرط ہو کر طلاق پڑ جانے کے بعد یمین منحل ہو جائے گی۔ کیونکہ حرف شرط یعنی لفظ "اگر" عموم و تکرار کو مقتضی نہیں۔ پہلی مرتبہ ہفتہ کے اندر واپس آجانے میں چونکہ شرط کا تحقق ہی نہیں ہوا تھا اس لئے دوسری مرتبہ میں تحقق شرط کی بنا پر طلاق پڑے گی۔ نہ اس بنا پر کہ (لفظ ان یا اگر) حرف شرط کو مقتضی تکرار قرار دیا گیا۔ وھذا ظاهر جداً۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ، اسپیشل جیل گجرات

سوال

زید ہندوستان کا رہنے والا رنگون میں ملازم ہے۔ وطن میں بیوی بچے ہیں۔ جن کے نان نفقہ کا فرض ادا نہیں کرتا۔ تقریباً چھ مہینے گزرے کہ اس نے اپنی دوسری شادی کے لئے کوشش کی۔ اور مشہور یہ کیا کہ وطن میں میرے گھر میں بچہ پیدا ہوا تھا۔ نہ بچہ اور میری بیوی دونوں انتقال کر گئے۔ رنگون میں ہی جب اس کی اطلاع زید کے خاص عزیز خالد کو ہوئی تو اس نے اس غرض سے دوڑ دھوپ شروع کر دی کہ زید کا نکاح نہ ہونے پائے۔ چونکہ یہ کوشش اور دوڑ دھوپ زید کے جذبات کے خلاف تھی۔ اس نے ایک تحریر بنام خالد بھیجی جس کا مضمون یہ ہے "آپ ہمارے ذاتی معاملات میں بالکل دخل مت دیجئے۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے سوچ سمجھ کر حتمی فیصلہ کیا ہے۔ ہماری موت حیات کا سوال ہے۔ اس پر آپ نہیں مانتے تو ہم اپنی عورت کو طلاق دیتے ہیں۔ ہم کو اپنے والد کی جائداد یا کوئی چیز نہیں چاہیئے۔ ہم کو اپنے وطن سے کوئی تعلق نہیں" الخ اس تحریر کے پہنچنے کے بعد بھی خالد نے مجوزہ نکاح میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے اپنی کوشش کا سلسلہ جاری رکھا لیکن کامیابی نہ ہوئی اور زید کا نکاح ہو گیا۔ پس سوال یہ ہے کہ آیا صورت مسئولہ میں شرعاً زید کی وطنی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟

المستفتی محمد یعقوب شاہجہانپوری ۱۲ نومبر ۱۹۳۵ء

(۳۰۸) **جواب** اگر خالد نے اس کے بعد بھی مخالفانہ کارروائی اور زید کے نکاح میں دخل اندازی جاری رکھی تو زید کی بیوی پر طلاق پڑ گئی۔ لیکن یہ طلاق ایک رجعی طلاق ہے۔ عدت کے اندر رجعت اور عدت کے بعد تجدید نکاح ہو سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۴ ا جنوری ۱۹۳۶ء)

ایک شخص حنفی المذہب عاقل و بالغ جس کا نکاح ابھی تک کسی عورت سے نہیں ہوا ہے اس نے کہا کہ برزہ دنیا پر جتنی عورتیں ہیں ان سے میرا نکاح ہو تو ان بھوں پر طلاق طلاق طلاق۔ اب اس کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ دیگر اماموں کے مذہب میں کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

(۳۰۹) **جواب**۔ حنفیہ کے نزدیک یہ تعلیق صحیح ہو جاتی ہے اور جس عورت سے اس کے بعد

اس شخص کا نکاح ہوگا اس پر طلاق ہو جائے گی۔ ہاں سخت مجبوری اور اضطرار کی حالت میں یہ جائز ہو جاتا ہے کہ صاحب واقعہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے استفادہ کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرے اور قبل وطی دخلوت وہ عورت طلاق پڑ جانے کا دعویٰ کر دے اور زوجین کسی شافعی عالم کو اپنا حکم (ثالث) مقرر کر کے اس کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں۔ وہ ثالث اپنے مذہب کے موافق فیصلہ کر دے کہ یہ تعلیق غیر معتبر ہے اور عورت مطلقہ نہیں ہوئی۔ اور زوجین اس حکم کے موافق عمل کر لیں۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ فروری ۱۹۲۶ء)

اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۴ جنوری ۲۶ء میں ایک مسئلہ نظر سے گزرا جس کا سوال یہ ہے کہ ایک شخص حنفی المذہب عاقل بالغ نے کہا کہ پردۂ دنیا پر جتنی عورتیں ہیں اُن سے میرا نکاح ہو تو ان سبھوں پر طلاق طلاق طلاق۔ جناب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ "مذہب حنفیہ میں یہ تعلیق صحیح ہو جاتی ہے" اس میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ آئندہ جو عورتیں پیدا ہونے والی ہیں ان سے بھی اس کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۳۱۰) **جواب**- ہاں اگر تعلیق ان لفظوں میں ہو کہ "دنیا کے پردہ پر جس قدر عورتیں موجود ہیں ان سے میرا نکاح ہو تو ان پر طلاق طلاق طلاق۔ تو اس تعلیق کے بعد کی پیدا شدہ عورتیں اس تعلیق میں داخل نہ ہوں گی اور ان سے نکاح ہو سکے گا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۷ء)

ایک شخص کی زوجہ کانپور میں اپنی والدہ کے ہاں مقیم تھی۔ اس نے ایک خط لکھ کر اس کے نام روانہ کیا کہ "تم اس خط کو دیکھتے ہی فوراً اٹاوہ چلے آؤ۔ اگر کسی طرح نہ آسکو تو جو زیور تمہارے پاس ہمارا ہے وہ بذریعہ پارسل میرے پاس روانہ کر دو۔ فوراً اس خط کے دیکھتے ہی اگر تم نے ان دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی قبول نہ کی تو تم کو ہماری طرف سے ایک طلاق ہے" یہ مضمون بطور ڈراوے کے لکھا تھا کہ اس خط کو راستہ میں ایک شخص نے لے لیا۔ اور جب اس شخص کو یہ معلوم

ہوا کہ میرا خط میری زوجہ کو نہیں پہنچا تو اس نے کہا کہ میں اس طلاق سے باز آیا میں اپنی زوجہ کو اپنے پاس ہی رکھوں گا اور کئی بار رجعت کی مگر زوجہ کی غیر موجودگی کی وجہ سے وہ اس سے مل نہ سکا

(۳۱۱۱) **جواب** - جب تک وہ خط زوجہ کو نہ پہنچے اور وہ اُسے نہ دیکھے بے اثر ہے یعنی اس خط میں لکھی ہوئی طلاق کا کوئی اثر نہیں - نہ طلاق پڑ سکتی ہے - اور اگر وہ خط زوجہ کے پاس پہنچنے اور اس کے دیکھنے سے پہلے ضائع کر دیا جائے تو تعلیق باطل ہو جائے گی - اگر وہ خط زوجہ کے پاس پہنچ جاتا اور وہ دیکھ لیتی اور دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ کرتی جب بھی اس پر ایک طلاق پڑتی اور عدت کے اندر رجعت کر لینے سے رجعت صحیح ہو جاتی -

محمد کفایت اللہ غفر لہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۲۹ء)

میں نے یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ زید نے اپنے چچا بکر سے کہا کہ " اگر میں تمہاری لڑکی کے سوا کسی اور سے نکاح کروں تو وہ حرام ہے " بعد ازاں اس نے اپنے ماموں عمر کی لڑکی سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح شرعاً جائز تھا ؟ آپ نے جواب دیا ہے کہ " نکاح ناجائز ہے لیکن زید کو حق ہے کہ تجدید نکاح کر لے "

میری سمجھ میں نہیں آیا اگر وضاحت فرمائیں تو مہربانی ہوگی - فرض کیجئے کہ زید نے لفظ حرام کہا لیکن بعد میں اس کی طبیعت چچا کی لڑکی سے نکاح کرنے کو نہ چاہی تو کیا زید پر ضروری ہے کہ وہ اُسی جگہ نکاح کرے - دوسری کسی لڑکی کے ساتھ نکاح ناجائز ہے ؟ جبکہ از روئے شریعت ایک آدمی چار نکاح کر سکتا ہے - آپ نے فرمایا کہ تجدیدِ نکاح کرلے تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ ایک عورت سے دوبار نکاح کرنے سے نکاح جائز ہو سکتا ہے -

ایک اور بات ہے جب ایک عورت سے نکاح ہی نہیں کیا تو اُس پر طلاق ہی کیسے پڑے گی ؟ تجدیدِ نکاح کی تو جب ضرورت پڑتی جبکہ زید نے ماموں کی لڑکی سے نکاح کیا ہوتا اور بعد ازاں چچا سے کہا ہوتا کہ اگر تمہاری لڑکی کے سوا کسی اور جگہ نکاح کروں تو وہ حرام ہے تب پہلی عورت پر طلاق پڑتی -

اب اگر زید کسی اور عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کو ایک دفعہ ہی نکاح کر لینا ٹھیک نہ ہوگا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے نکاح کرنے سے عورت پر طلاق پڑی پھر تجدید کرنے پر نکاح جائز ہوا۔

(۳۱۲) **جواب** - جب زید نے اپنے چچا سے کہا کہ "اگر میں تمہاری لڑکی کے سوا کسی اور سے شادی کروں تو وہ حرام ہے" یہ صورت تعلیق طلاق کی ہوئی۔ اور چونکہ نکاح کرنے پر طلاق کا وقوع معلق ہے اس لئے اس کے بعد زید نے چچا کی لڑکی کے سوا جس لڑکی سے نکاح کیا اس پر نکاح ہوتے ہی طلاق پڑ گئی۔ اور نکاح جاتا رہا کیونکہ طلاق بائن ہوئی جس میں نکاح جاتا رہتا ہے اب اس کی قسم یعنی طلاق معلق کا اثر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد زید خواہ اسی عورت سے یا کسی اور عورت سے نکاح کرے تو طلاق نہ پڑے گی۔ کیونکہ تعلیق میں عموم کا کوئی لفظ نہیں ہے صرف ایک دفعہ کے نکاح پر اس کا اثر ہوگا اس کے بعد نہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۵ راگست ۳۱ء)

مسماۃ بی بی زلیخا کی شادی شیخ میاں جان سے ہوئی جس کو تقریباً نو سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ شیخ میاں جان شوہر زلیخا ساڑھے تین برس سے آوارگی اور بدچلنی میں مبتلا ہے۔ اور بازاری عورت سے اس کا تعلق بھی ہے زلیخا سے بالکل قطع تعلق کیے ہوئے ہے کسی قسم کا سلوک اور مدد نہیں کرتا ہے۔ کئی مرتبہ محلہ اور برادری کی پنچایت نے اس کو تنبیہ کی مگر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بتاریخ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۰ء کو پھر محلہ اور برادری کی پنچایت ہوئی۔ اس میں شیخ میاں جان موصوف نے ایک باقاعدہ اقرار نامہ اپنے انگوٹھے کا نشان اور پنچایت کے چھ معزز اشخاص کی گواہی کے ساتھ تحریر کر دیا ہے۔ اس میں یہ شرائط بخوشی تحریر کی ہے کہ اگر تین ماہ کے اندر اپنے چال چلن کی اصلاح نہ کی اور ماہانہ پانچ روپے اپنی بیوی زلیخا کو نفقہ کے لئے نہ دیئے تو ایسی حالت میں بی بی زلیخا کو اختیار و مجاز ہے کہ وہ دوسرے سے عقد و شادی کر لے۔ بجائے تین ماہ کے نو ماہ گزر رہے ہیں اب تک اس نے نہ اپنے چال چلن کی اصلاح کی اور نہ ایک خرمہرہ خورد و نوش کے واسطے دیا۔ زلیخا کی عمر اب ساڑھے سترہ سال کی ہے۔

(۱۳۱۳) **جواب**۔ہاں تین مہینے گزرنے پر زلیخا کو طلاق ہوگئی اور عدت کے بعد وہ دوسرا نکاح کرنے کی مجاز ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۳۳ء)

موضع مٹھو تحصیل ٹانک ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے مسلمان باشندوں نے وعدہ کیا اور قسم کھائی کہ ہم پر ہماری عورتیں تین تین طلاق سے طلاق ہوں گی اگر ہم ہندو کی زمین کاشت کریں گے۔ کیونکہ ⅚ حصہ غلہ زمیندار خود لیتا ہے اور ⅙ حصہ ہم کو دیتا ہے اور ہم پر سخت ظلم کرتا ہے۔ اگر ہندو نصف حصہ غلہ ہم کو دے گا اور باقی نصف خود رکھے گا تو ہم کاشت کریں گے۔ اور جو اقرار توڑے گا اور اس سے اقرار نہ توڑنے والا کوئی آدمی احسان کرے گا اس پر بھی عورت تین طلاق سے طلاق ہوگی۔ اب وعدہ خلافی کر کے چند آدمی کاشت کرنے لگے ہیں۔ لوگوں نے اُن سے کہا کہ تمہاری عورتیں تم پر طلاق ہوگئی ہیں۔ لیکن ایک مولوی ٹانک کا محمد حسن خطیب جامع مسجد ان سے کہتا ہے کہ مرزائی دین کے اصول سے تم پر عورتیں طلاق نہیں ہیں وہ بھی مسلمانوں کا ایک دین ہے لہٰذا تم ہندو کی زمین کاشت کرو۔

(۱۳۱۴) **جواب**۔جن لوگوں نے حلف کے خلاف کیا ہے ان کی بیویوں پر طلاق پڑ گئی ہے۔ مولوی محمد حسن کا فتویٰ غلط ہے۔ اور مرزائی جماعت ہندوستان کے تمام علماء کے متفقہ فتوے کے بموجب گمراہ اور کافر ہے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں کہ مرزائی دین میں ان حالفین کے خُلف سے طلاق نہیں پڑتی۔ کیونکہ مرزائیوں کی کتابوں میں یہ بات کہیں نہیں لکھی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

متعلقہ طلاقِ مشروط۔

(۳۱۵) **جواب**۔اگر زوج نے اپنے خط میں مندرجۂ ذیل الفاظ لکھے تھے:۔

"اگر تم اس خط کو دیکھتے ہی جواب لے کر فوراً اپنے گھر واپس نہ گئیں تو تم پر طلاق یعنی تم میرے نکاح سے خارج ہو جاؤ گی۔ خدا اور اس کے رسول کے درمیان"

اور اس کی زوجہ اس خط کو دیکھ کر اپنے والدین سے کوئی جواب لے کر فوراً خاوند کے گھر نہیں گئی تو اس پر ایک طلاق بائن پڑ گئی۔ کیونکہ طلاق کی یہ تشریح "یعنی تم میرے نکاح سے خارج ہو جاؤ گی" اس کو بائن بنا دیتی ہے۔ طلاقِ رجعی میں عورت نکاح سے خارج نہیں ہوتی بلکہ نکاح قائم رہتا ہے اور عدت ختم ہونے پر نکاح کے احکام ختم ہوتے ہیں۔ ویؤیدہ قولہ فی الفتح عند الکلام علی قول الشافعی بحرمۃ الوطی انہ عندنا یحل لقیام ملک النکاح من کل وجہ وانما یزول عند انقضاء العدۃ فیکون الحل (اے حل الوطی فی عدۃ الطلاق الرجعی) قائما قبل انقضاءھا اھ (ردالمحتار مصری ص۶۶۴) بائن میں البتہ عورت فی الجملہ نکاح سے نکل جاتی ہے۔ اسی وجہ سے دوبارہ تعلقاتِ زوجیت قائم کرنے کے لئے تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

گیارھواں باب

تفویض

سوال

ہندہ کا شوہر عرصہ چھ سات سال سے مفقود الخبر ہے اور اس نے نکاح کے وقت ہندہ کو اس مضمون کا ایک کابین نامہ لکھ دیا تھا کہ "اگر میں نامرد ہو جاؤں یا سرکاری حکومت سے سزا یافتہ یا مفقود الخبر ہو جاؤں یا کہ پردیس میں رہ کر تمہارے پاس آنا جانا خیر و خبر نہ لوں وغیرہ وجوہات سے مدت (دو سال تک ہمارا انتظار دیکھ کر مجھے طلاق دینے کا جو حق و اختیار ہے وہ تمہیں سپرد کرتا ہوں۔ تم اس سے مختار ہو کر مجھے تین طلاق دے کر دوسرے خاوند سے نکاح کر کے زندگی بسر کر سکتی ہو"۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ عورت بوجہ تنگدستی کے بہت تکلیف سے زندگی بسر کرتی ہے اور وہ خوب جوان ہے۔ شوہر کی سخت ضرورت ہے قریب ہے کہ زنا میں مبتلا ہو جائے۔ ایسی حالت میں دیگر ائمہ کے مذہب یا کہ کابین نامہ کی

شرط کی رُو سے اپنے خاوند پر تین طلاق دے کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۳۱۶) **جواب** - صورتِ مسئولہ میں اگر عورت طلاق لینا چاہے تو اس کو طلاق ہو سکتی ہے - ولو جعل امرھا بیدھا علی انہ ان غاب عنھا ثلثۃ اشھر ولم تصل نفقتہ الیھا فھی تطلق متی شاءت فبعث الیھا دراھم فان ان لم یکن ھذا اقدر نفقتھا ھذہ المدۃ صار امرھا بیدھا الخ (ھندیہ ص ۴۲۵)

سوال

عورت کو جو خاوند نے اختیار دیا ہے بیس یوم کے بعد دوسرا عقد بعد عدت کے کر سکتی ہے یا نہیں - منکہ عبدالغنی ولد خدا بخش قوم راجپوت پیشہ سقہ ساکن ساڈھورہ تحصیل نرائن گڈھ ضلع انبالہ کا ہوں جو کہ منمقر کا نکاح ہمراہ مسماۃ مجیداً دختر مولا بخش ولد خبا قوم راجپوت پیشہ سقہ ساکن قصبہ سرہند بروئے اقرار نامہ ، رگھر سمہ ۱۹۸۷ ہو چکا ہے جس میں مفصل شرائط درج ہیں منمقر اپنے معاہدہ سابقہ کے خلاف اکیلا ہی ساڈھورے کو چلا گیا اور یہاں سے غیر حاضر ایک سال تک رہا - مسماۃ مجیداً زوجہ ام میری غیر حاضری میں اپنے والد کے گھر ہے - اب منمقر مسماۃ مجیداً کو اپنے ساتھ رخصت کرا کے لے جانا چاہتا ہے اور شرط مقرر کرتا ہے کہ متواتر بیس یوم مسماۃ مجیداً کو اکیلے چھوڑ کر غیر حاضر نہیں ہوگا اگر منمقر بیس یوم غیر حاضر رہے تو مسماۃ مجیداً زوجہ ام کو اختیار ہوگا کہ اپنا نکاح ثانی کسی دوسرے شخص سے کر لیوے مجھ کو عذر نہیں ہوگا اور نیز منمقر جس قدر عرصہ مجیداً کو اپنے گھر رکھوں گا خوش و خرم رکھوں گا اور مجیداً اگر چاہے میرے سے گزارہ قدر دس روپے ماہوار مندرجہ اقرار نامہ لیوے یا نکاح ثانی میری غیر حاضری کی وجہ سے کر لیوے مجھ کو عذر نہیں ہوگا - اور نیز ایک سال کی غیر حاضری منمقر کا خرچ نان و نفقہ زوجہ ام کا مولا بخش والد مجیداً نے خود برداشت کیا ہے - اس وجہ سے دوسرے اقرار نامہ کی ضرورت پیش آئی اور مسماۃ مجیداً ابھی منمقر کے پاس رہے گی چنانچہ منمقر یہ چند کلمے بصحت نفس و ثبات عقل بلا اکراہ و اجبار بغرض اطمینان مولا بخش خسر خود مسماۃ مجیداً زوجہ خود کو لکھ کر بطور اقرار نامہ ثانی دیتا ہے کہ سند ہوں اور وقت ضرورت کام آویں -

المستفتی ۳۶۶ مولا بخش پٹیالہ - ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ، ۷ جولائی ۱۹۳۴ء

(۳۱۷) **جواب** - اگر مسماۃ مجیدگانے بیس یوم کی غیر حاضری شوہر کے بعد فوراً اسی مجلس میں اپنی علیحدگی کا اعلان کر دیا ہو تو وہ عدت کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن غیر حاضری کے وقت سے بیس یوم گزرنے پر اگر اس نے ذرا بھی توقف کیا کہ مجلس میں علیحدگی اختیار نہیں کی تو وہ اختیار باطل ہو گیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) کیا زید ہندہ کو اس شرط پر نکاح کر سکتا ہے کہ ہندہ کو طلاق دینے کا اختیار عمرو کے ہاتھ میں رہے یا زید کی کوئی دوسری بیوی (خالدہ) کے ہاتھ میں رہے۔ اب بعد نکاح عمرو یا خالدہ نے ہندہ کو طلاق دے دیا۔ اس سے ہندہ پر طلاق پڑے گی یا نہیں؟ (۲) یہاں بعض کابین نامہ میں شوہر لکھ دیتے ہیں کہ میں نکاحِ ثانی نہیں کروں گا۔ اگر ثانی نکاح کروں تو اس کو طلاق دینے کا اختیار تجھے (زوجہ کو) دیتا ہوں یا دے دیا ہوں۔ اب اگر نکاحِ ثانی کرے اور زوجہ اولیٰ بنا بر اختیار مذکور زوجہ ثانیہ کو طلاق بھی دیدے اس سے زوجہ ثانیہ پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۸۷ پروفیسر محمد طاہر صاحب ایم۔ اے (ضلع میمن سنگھ)
۲۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۳۱۸) **جواب** - (۱) ایسی تعلیق درست اور جائز ہوتی ہے اور جس کے ہاتھ میں اختیار دیا گیا ہے وہ طلاق دیدے تو طلاق ہو جائے گی۔ (۲) اس کا جواب بھی وہی ہے جو نمبر ۱ کا ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک شخص نے مسماۃ فلاں کے ساتھ نکاح کیا اور وقت نکاح ایک اقرار نامہ منسلکہ درخواست ہذا تحریر کر دیا اور عرصہ سے مسماۃ مذکورہ کے ساتھ بدسلوکی کرتا رہا۔ اس اثنا میں دونوں میں ناچاقی ہوئی اور مسماۃ مذکورہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی۔ اب شوہر مذکور نے ایک دوسرا نکاح کیا ہے خلاف مرضی و بغرض تکلیف دہی مسماۃ مذکورہ کے کر لیا ہے۔ ایسی صورت میں بصورت اقرار نامہ حسب دفعہ ۵ و ۶ مسماۃ مذکورہ کو طلاق ہوئی یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۱۶۹۶ چودھری عید دیوڑی فروش (الہ آباد) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۸ اگست ۱۹۳۷ء

(۳۱۹) **جواب** - اقرار نامہ کی شرط ۶ کی رُو سے مسماۃ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی جھگڑے کے وقت اپنے اوپر طلاق ڈال لے۔ جب وہ دو گواہوں کے سامنے ایسا کرے گی تو اس پر طلاق پڑ جائے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

اقرار نامہ

نقل مطابق اصل۔ اسٹامپ قیمتی ۸؍

مایاں کہ مکو ولد عیدو ساکن محلہ میر گنج و بقر عیدی ولد مدّر ساکن محلہ دارا گنج و جمن ولد بدل ساکن محلہ کیٹ گنج شہر الہ آباد اقوام چوڑھا دہن۔

جو کہ مقر ۳ مقران ۱ و ۲ کا بھتیجہ ہے اور مقر ۳ کی شادی ہونا ضروری ہے چنانچہ مقر ۳ کی شادی ہمراہ دختر عیدو چودھری کے حسب رائے برادری ہونا قرار پایا ہے۔ مگر دختر کے باپ کا اس بات کا اصرار ہے کہ قبل ہونے شادی کے مجھ کو اس بات کا اطمینان دیدیا جائے کہ بعد ہو جانے شادی کے میری لڑکی مسماۃ نیکی کو کسی قسم کی تکلیف خورد و نوش وغیرہ کی نہ ہونے پاوے گی۔ لہٰذا ہم مقران بحالتِ صحتِ نفس و ثباتِ عقل بدرستی ہوش و حواس صحیح بلا جبر و اکراہ و ترغیب و تحریص کسی دوسرے کے بخوشی و رضامندی حسب ذیل اقرار تحریر کر کے اس کے پابند ہوتے ہیں اور یہ کہ بعد ہو جانے شادی مسماۃ نیکی دختر حیدر کے ہمراہ مقر ۳ کے ہم مقران کا فرض ہو گا کہ اس کے آسائش و خورد و نوش کا انتظام حسبِ حیثیت کرتے رہیں گے۔ کسی قسم کی تکلیف کی نوبت نہ آوے گی۔

۲ - یہ کہ بعد ہو جانے شادی کے جس وقت مسمی عیدو پدر دختر یا ان کے رشتہ داران بغرض کرانے رخصتی مسماۃ نیکی آدیں گے تو ہم مقران بلا کسی عذر و حیلہ کے رخصت کر دیا کرینگے۔ اس میں کسی قسم کا عذر نہ کریں گے اور نوبت شکایت کی نہ آنے دیں گے۔

۳ - یہ کہ ہم مقران رخصت کرنے سے انکار کریں یا کوئی عذر یا حیلہ کریں تو اس وقت مسمی عیدو پدر دختر کو اختیار ہو گا کہ اپنی اہلِ برادری میں جو کہ معزز و دیانتدار ہو کسی سے بھی اُن سے اس شکایت کی اطلاع کر کے مسماۃ نیکی کو ہم مقران کے یہاں سے رخصت کرا کے لے آویں یا اگر ہم مقران سے قاصر رہیں تو مسمی عیدو پدر دختر کو اختیار رہے و ہو گا کہ بذریعہ چارہ جوئی

عدالت مسمی نیکی اپنی لڑکی کو رخصت کرالیویں۔ اس میں ہم مقران کو کسی قسم کا عذر نہیں ہے۔ (۴) یہ کہ اگر ہم مقران مسماۃ نیکی مذکور کو کسی قسم کی تکلیف خورونوش یا کپڑے وغیرہ کی دیویں تو مسماۃ نیکی کو اختیار رہے وہو گا کہ اپنے باپ کے یہاں چلی آوے اور ان کے ہمراہ رہے اور مبلغ ۱۵ پندرہ روپے ماہوار بطور خرچ نان نفقہ کے ہم مقران کی ذات و جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ہر قسم سے بذریعہ عدالت وصول کرلیویں۔ اس میں ہم مقران کو کسی قسم کا عذر نہیں ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔

۵ یہ کہ اگر خدانخواستہ مقر ۳ بعد ہوجانے شادی کے کوئی دوسری شادی کرے یا کوئی عورت مدخولہ کرلیویں تو اس حالت میں مسماۃ نیکی دختر عیدو کو اختیار رہے وہو گا کہ مبلغ پانچسو روپے (صمار) جو کہ دین مہر مقرر ہوا ہے اس میں مناسب ہم مقران کی ذات و جائداد منقولہ وغیر منقولہ ہر قسم سے وصول کرلیویں۔ علاوہ اس کے ہر ایک حالت میں ہر وقت مسماۃ نیکی کو اختیار حاصل رہے گا۔ جب اور جس وقت چاہے دین مہر مقررہ مبلغ پانچسو روپے کے وصول کرلیویں۔ اس میں ہم مقران خواہ وارثان قائمقامان کو کوئی عذر نہیں ہے اور نہ آئندہ ہوگا اور نان و نفقہ مقران سے وصول کریں۔

۶ اگر مابین مقر ۳ و مسماۃ نیکی کسی قسم کا جھگڑا و فساد پیدا ہووے تو مسماۃ نیکی کو اختیار رہے وہو گا کہ طلاق دے کر علیحدہ ہوجائے۔ لہٰذا یہ چند کلمے بطریق اقرار نامہ کے لکھ دیئے کہ سند رہے اور وقت پر کام آوے۔ فقط المرقوم ۱۶ ارمئی ۱۹۳۱ء

سوال

زید ہندہ کو ایک ہزار روپیہ جس میں سے دوسو روپیہ زیورات بابت نقد وصول باقی آٹھ سو روپے میں سے چار سو معجل یعنی عند الطلب اور ضروری اور چار سو مؤجل یعنی تابقار نکاح رفتہ رفتہ ادا ضروری اور کابین نامہ بحیثیت کابین نامہ خویش و اقربا اقرار کرکے شادی پر راضی ہوا اور عقد بست کے روز بوجہ قلت فرصت سادہ کاغذ میں فقط دولہا زید و دیگر شاہدوں کے دستخط بدون تفصیل و تحریر شرائط کابین نامہ ایجاب و قبول ہوگئے اور چند روز بعد بحیثیت مذکورہ کابین نامہ گیارہ شرط اور جزا کے ساتھ لکھوا کر دولہا زید کو سنایا گیا اور

وہ بھی بحال طبیعت سمجھ کر کابین نامہ مطالعہ کرکے رجسٹری کردیا اور زوج زید دو تین ماہ تک سسرال میں اپنی بی بی ہندہ کے پاس آمد و رفت کیا مگر تا ہنوز اپنی بی بی ہندہ کو اپنے مکان میں نہیں لے گیا کابین نامہ میں لکھی ہوئی شرطوں میں سے آخری شرط یہ ہے کہ خدا نہ کرے اگر میں مفقود یا مجنون یا محبوس یا بوجہ مرض دیگر معاملہ زوجیت پر قادر نہ ہوں یا دیگر مرض ہالک مثل جذام وغیرہ میں مبتلا ہوں یا وطن میں چھ مہینے اور سفر میں دو برس سے زائد زمانہ آپ کی مواصلت سے باز رہوں یا مہر معجل عند الطلب ادا نہ کروں یا آپ کے نان و نفقہ سے عاجز ہو جاؤں یا شروطِ مذکورہ میں سے بعض یا کل کے خلاف کروں تو مہر موجل معجل ہو جائے گا اور مجھ کو شریعت کی رُو سے آپ کو طلاق دینے کا جو حق اور اختیار ہے وہ اس کابین نامہ کے ذریعہ سے نیز زبانی بھی آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ جب چاہیں بلاقید زمان و مکان اپنے نفس پر تین طلاق واقع کرکے میری زوجیت سے الگ ہو کر دوسرا زوج اختیار کرسکتی ہیں۔ میرا کوئی عذر اس میں مسموع نہ ہوگا۔ بعد ازاں زید کابین نامہ کی شرائط میں سے چھ شرطوں کا مخالف ہوا۔ زوجہ ہندہ دو برس سات ماہ تک انتظار کرکے بذریعہ وکیل کورٹ مہر معجل و خورد و نوش طلبی نوٹس کرائی۔ جواب و مہر و خورد و نوش نہ پانے کے بعد شروط کی مخالفت کے سبب کابین نامہ میں زوج نے زوجہ کو جو قوت و اختیار بذریعہ تحریر واللفظ عطا کیا اسی مسلمہ قوت و اختیار سے زوجہ بحال طبیعت شاہدوں کے سامنے اپنے نفس پر ایک دو تین طلاق واقع کرکے مطلقہ ہوگئی اور طلاقنامہ رجسٹری کردیا۔ بعد ازاں زوج نے زوجیت کا مقدمہ کیا اور جج صاحب نے زوج کو ڈگری دیا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ زوجہ مذکورہ کو اپنے نفس پر تین طلاق واقع کرنی صحیح ہے یا نہیں۔ بر تقدیر اول جج صاحب کی ڈگری کے موافق زید ہندہ کو بلا تحلیل لے سکتا ہے یا نہیں۔ ہندہ کو بھی حسبِ ڈگری جج صاحب بلا تحلیل زید کی زوجیت میں داخل ہو کر جماع و لوازماتِ جماع کرنی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۱۷۶ محمد عبدالرشید صاحب (بنگال)

۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(۳۲۰) **جواب** - اگر فی الحقیقت زوج نے یہ اقرار نامہ لکھا تھا تو زوجہ کا اپنے نفس پر

طلاق ڈالنا صحیح تھا اور غیر مسلم جج کا فیصلہ درست نہیں ہوا اور زوجہ کو بلا تحلیل زوج کے ساتھ تعلقاتِ زوجیت قائم کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر واقعات مذکورۂ سوال ثابت نہ ہوں تو حکم بدل جائے گا۔ زوجہ کو اپیل کرنا چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک عورت اپنے خاوند سے ایک تحریری معاہدہ لیتی ہے جس میں وہ لکھواتی ہے کہ اگر تم بدفعل ہوجاؤ یا عقدِ ثانی کرلو تو مجھے بعد از فراہمی ثبوت تمہاری طرف سے دو شرعی طلاق ہوجائیں اور اس کے بعد مجھے یہ حق بھی حاصل رہے کہ اگر میں چاہوں تو پھر نکاح کرکے تمہارے ساتھ زندگی بسر کرلوں۔ اس کا خاوند بھی بطیبِ خاطر اس چیز کو منظور کرکے تحریری معاہدہ لکھ دیتا ہے۔ اس بارے میں جناب کوئی واضح اور صاف امر شرعی تحریر فرمائیں اور اس چیز کی بھی وضاحت فرمائیں کہ کیا ایسا معاہدہ ہوسکتا ہے۔ اگر ہوسکتا ہے تو اس کی کیا صورت ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تحریر فرمائیں کہ شرعی گواہی کتنے اشخاص پر مبنی ہوتی ہے؟

المستفتی نمبر ۲۲۶۱ مالکہ زنانہ میٹریکل ہال (لاہور)

۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

(۳۲۱) **جواب** - اقرار نامہ کی عبارت شوہر کے الفاظ میں اس طرح سے ہو کہ "اگر میں بدفعل ہوجاؤں یا بلا اجازت اپنی اہلیہ فلاں بنت فلاں سے عقدِ ثانی کروں تو میری اہلیہ فلاں بنت فلاں کو میری طرف سے یہ حق اور اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے اوپر طلاق بائن جب چاہے ڈال لے"

اس کے بعد اگر دونوں شرطوں میں سے کسی ایک کی خلاف ورزی پر عورت اپنے نفس پر طلاق ڈال لے تو طلاق بائن پڑ جائے گی اور پھر اگر وہ راضی ہو تو اسی شوہر کے ساتھ تجدیدِ نکاح بھی کرسکے گی۔ کیونکہ طلاق بائن کے بعد زوجین تجدیدِ نکاح کرسکتے ہیں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

بارھواں باب

طلاقِ مغلّظہ اور حلالہ

سوال

زید نے اپنی بیوی کو حالتِ غضب میں تین طلاقیں ایک وقت میں دیں اور بلا حلالہ کے نکاحِ جدید کے ساتھ رجوع کیا۔ آیا زید کی رجعت کسی امام نے ائمہ اربعہ میں سے جائز رکھی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۳۲۲) **جواب** - ایک وقت میں اگر تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں واقع ہوں گی یہی مذہب ہے۔ جمہور صحابہ و تابعین اور ائمۂ مسلمین کا۔ البتہ فرقۂ امامیہ کے نزدیک ایک طلاق شمار کی جاتی ہے لیکن یہ مذہب بالاتفاق مردود ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ محضرِ صحابہ میں خود اس پر شاہد ہے۔ فقال عمران الناس قد استعجلوا فی امر کان لھم فیہ افادۃ فلو امضیناہ علیھم فامضاہ علیھم وذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث۔ پس مذہب اہلِ سنت والجماعت کے موافق اس شخص کو قبل التحلیل رجوع حرام ہے۔

سوال

ایک شخص محی الدین نے غصہ میں اپنی زوجہ کو طلاق دی اور دو تین گواہوں سے یہ بات ثابت ہے کہ اس نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہیں اور وہ شخص اب انکار کرتا ہے کہ تین طلاق نہیں دی ہیں بلکہ دو طلاق دی ہیں۔ اب اس صورت میں شرعاً کے طلاق واقع ہوں گی اور اگر کوئی یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تین طلاقیں دیتے تھے تو ایک طلاق ہوتی تھی لہذا یہاں بھی ایک ہی طلاق ہوگی معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۳۲۳) **جواب** - ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ وامام مالک وامام شافعی وامام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جماہیر اہلِ سنت والجماعۃ اس امر کے قائل ہیں کہ تین طلاق دینے سے تینوں پڑ جاتی ہیں۔

خواہ ایک لفظ سے دی جائیں یا ایک جلسہ میں یا ایک طہر میں۔ پس صورتِ مسئولہ میں چونکہ گواہوں سے (بشرطیکہ گواہ عادل بھی ہوں) یہ بات ثابت ہے کہ زوج نے تین طلاقیں دی ہیں اس لئے اس کی منکوحہ مطلقہ مغلظہ ہوگئی اور اب بدون حلالہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہ نیت انشائے طلاق تین طلاقیں دینے پہ ایک کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ بلکہ نیت تاکید کا اعتبار کرلیا جاتا تھا۔ اور یہ اعتبار حضرت صلعم کے حکم اور صحابہ کے اتفاق سے ساقط ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

سوال

زید نے عمرو سے کہا کہ میں اپنی منکوحہ مسماۃ خدیجہ کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ تم مجھے طلاقنامہ لکھ دو۔ عمرو نے جواب دیا کہ طلاق کے معاملے میں اس قدر عجلت مناسب نہیں۔ سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیئے۔ زید نے کہا کہ نہیں مجھے طلاق ہی دینا منظور ہے لہٰذا تم جلد لکھو میں اس پر دستخط کر دیتا ہوں۔ عمرو نے ہر چند ٹالا لیکن زید اصرار کرتا رہا۔ جب عمرو نے دیکھا کہ زید باوجود فہمائش کے بھی اپنے ارادے سے باز نہیں آتا تو عمرو نے مجبور ہو کر طلاق نامہ لکھ دیا جس میں زید کی طرف سے مسماۃ خدیجہ اہلیۂ زید کو تین طلاق۔ انت طالق انت طالق انت طالق صریح الفاظ میں لکھی اور یہ طلاق نامہ دو دفعہ زید کو پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد زید نے اس طلاقنامہ پر دستخط کیے پھر یہ طلاقنامہ اور بعوض مہر مبلغ ہندرہ ۱۵۰۰ سو روپے کا چیک ایک شخص کے ہاتھ متعلقینِ مطلقہ کے پاس بھیج دیا۔ اور زید ایک دوسرے مقام پر جہاں اس کا مستقل قیام ہے چلا گیا۔ جب طلاقنامہ مطلقہ کے متعلقین کے پاس پہنچا اور دیکھا تو اس پر گواہوں کے دستخط نہ تھے اس لئے اس طلاقنامہ کو اپنے خیال میں غیر معتبر سمجھ کر واپس دے دیا۔ اور کہا کہ اس پر گواہوں کے دستخط نہیں ہیں اور مہر کے ساتھ زمانہ عدت کے مصارف بھی نہیں ہیں۔ اس واسطے تم زید کو واپس کر دو۔ اس مبلغ نے وہ طلاقنامہ بذریعہ ڈاک واپس روانہ کر دیا اور نہ لینے کی وجہ بھی لکھ دی۔ اس کے واپس پہنچنے کے بعد زید نے ایک طلاقنامہ دوسرا لکھوایا اور اس پر اپنے دستخط کے ساتھ گواہوں کے دستخط بھی کرائے اور ایک خط لکھا جس میں مہر اور زمانہ عدت کے مصارف کا ذکر ہے۔ یہ ہر دو پرچے ایک رجسٹری خط میں مطلقہ کے بھائی کے نام بذریعہ ڈاک روانہ کیے اور اسی وقت تین خط

اپنے دوستوں کو لکھے اور اطلاع کی کہ میں اپنی اہلیہ خدیجہ کو طلاق دے چکا ہوں اور مہر اور دیگر مصارف بھی دے چکا ہوں۔ اس رجسٹری کے روانہ ہو جانے کے بعد زید کو اپنی اس عاجلانہ کارروائی پر ندامت ہوئی اور اس نے فوراً مرسل الیہ کو تار دیا کہ میں نے تمہارے نام ایک رجسٹری غلطی سے روانہ کی ہے اُسے تم وصول نہ کرو اور واپس کردو۔ مرسل الیہ کو اگلے واقعہ کی خبر تھی ہی اس لئے اس نے رجسٹری وصول کرلی۔ دیکھا تو اس میں ایک طلاقنامہ اور ایک خط جس میں مہر وغیرہ مصارف کے حوالہ کا ذکر تھا نکلے۔ دوسرے روز زید یہاں آیا اور اس کے کہنے اور دلانے سے ایک دوسری جگہ سے پندرہ سو اسی روپئے بابت مہر و مصارف عدت متعلقین مطلقہ نے وصول کیے۔ اب زید لوگوں سے کہتا ہے اور متعلقین مطلقہ کو کہلاتا ہے کہ میں نے یہ طلاقنامے ہوش کی حالت میں نہیں لکھوائے اور مجھے طلاق دینی منظور نہیں۔ اب میں اس طلاق سے رجوع کرنا چاہتا ہوں۔ مطلقہ کے متعلقین نے جواب دیا کہ علماء سے دریافت کرنے کے بعد معلوم ہو کہ تین طلاق دینے کے بعد رجوع کرنا صحیح ہے تو ہم مطلقہ کو تمہارے ہاں رخصت کردیں گے ورنہ نہیں۔ زوجین ہر دو حنفی المذہب ہیں۔ چنانچہ علمائے احناف سے دریافت کیا گیا تو سب نے یہی جواب دیا کہ یہ طلاق مغلظہ ہے۔ اس میں رجوع صحیح نہیں۔ زید نے اس واقعہ میں علمائے اہلِ حدیث کی طرف رجوع کیا تو مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے یہ جواب دیا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی رجعی شمار ہوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تین طلاق ایک ہی شمار ہوتی تھی۔ اس لئے مسلم رضؓ کی روایت کے مطابق اس شخص کو رجوع کرنا صحیح ہوگا اور اس میں خلاف حنفیہ کا ہے۔ انتہی۔ اب سوال یہ ہے کہ (۱) تین طلاق لفظاً یا کتابۃً میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور دو طلاق تاکید سمجھی جائیں گی یا نہیں؟ اور ایک کی نیت کرنی ہر دو حالت میں جائز اور صحیح ہے یا نہیں؟ (۲) اگر ایک کی نیت صحیح ہے تو دار قطنی کی روایت کے موافق حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ کا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرنا کہ ارأیت لو طلقتها ثلاثا ایحل لی ان اراجعها تو جواب میں آپ کا یہ فرمانا کہ لا کانت تبین منك وکانت معصیة کا کیا مطلب ہوگا؟ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کی نیت صحیح نہیں ورنہ رجوع صحیح ہوتا لیکن

آپ نے انکار فرمادیا۔ (۳) اگر ایک کی نیت صحیح نہیں تو حدیث کانہ طلقہا ثلاثا فی مجلس واحد میں آپ کا یہ فرمانا انما تلک طلقۃ واحدۃ کا صحیح محمل کیا ہوگا؟ (۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت ابوبکرؓ اور شروع زمانۂ خلافت عمرؓ میں تین طلاق ایک ہی شمار ہوتی تھیں اور اب نہیں ہوسکتی اس کی کیا وجہ ہے؟ (۵) طلاقنامہ کی یہ عبارت وصارت لا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہٗ ایک کی نیت کرنے کی نفی اور مغلظہ بالثلث کی تصریح کرتی ہے یا نہیں؟ اگر تصریح کرتی ہے تو ایقاع ثلث کی نیت ہوتے ہوئے بھی ایک کی نیت کرنی صحیح ہے یا نہیں۔ اور اگر ایک کی نیت صحیح نہیں تو طلاقنامہ کی اس عبارت کی رو سے اہل حدیث کے نزدیک بھی تین طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک؟ (۶) حنفی المذہب کو ایسے وقت میں اہل حدیث کے مسلک کے موافق مطابق حدیث مسلم رجوع کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

ثانی طلاقنامہ اور خط بابتہ مہر ومصارف عدت ذیل میں مندرج ہے:۔

نقل طلاقنامہ:۔ اقر واعترف واشہد علی نفسہ اسمٰعیل بن احمد ٹیمول المقیم فی باسین (برما) وھو فی حال السلامۃ المعتبرۃ شرعا انہ طلق زوجتہ المدخول بہا خدیجۃ بنت غلام محمد کترادا المقیمۃ فی رنگون ثلاثا امام الشہود المرقومۃ اسماء ھم ادناہ وقد سلمہا المہر وقدرہ الف وخمس مأتہ روبیہ و نفقۃ العدۃ وقدرھا ثمانون روبیہ فصارت خدیجۃ المذکورۃ لا تستحق طرف اسمٰعیل المذکور شیئا وصارت لا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ وقد حررت ھذہ الوثیقۃ للعمل بمقتضاھا عند اللزوم۔ تحریر ۱۹ رجمادی الاخرے سنہ ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۲ راپریل سنہ ۱۹۱۷ء المطلق۔ اسمٰعیل احمد جی ٹیمول شہد علی ذٰلک۔ نور احمد پیش امام بنگالی مسجد۔ شہد علی ذٰلک۔ عبدالکریم ابن شیراتی مقیم بسین برما بقلم نور احمد پیش امام بنگالی مسجد بسین برما۔

نقل خط۔ نیک نام میاں محمد یوسف غلام محمد کھترادا صاحب۔ بمقام رنگون۔ بعد تحریر

غرض آنکہ مبلغ پندرہ سو روپے مہر کے اور اسی روپئے مصارف عدت کے یہ دونوں ملاکر پندرہ سو اسّی روپئے میاں اسمٰعیل وئید صاحب کو بھیج کر میاں عبدالعزیز اینڈ سنز کے پاس سے منگالیں اگر آپ میاں اسمٰعیل وئید صاحب کی معرفت نہیں منگوائیں گے تو کسی دوسرے شخص کو وہ نہیں دیں گے۔ راقم اسمٰعیل احمد جی ٹیمول۔ بسبین بتاریخ ۱۲ اپریل ۱۷ء

امید ہے کہ احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب کا وہ پہلو اختیار کیا جائے جو احناف واہلِ حدیث ہر دو کے لئے موجبِ طمانیت ہو۔

(۳۲۴) **جواب**۔ صورتِ مسئولہ میں اسمٰعیل احمد جی ٹیمول کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور اس کی بیوی خدیجہ اس کے نکاح سے خارج اور اس کے اوپر حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اور طلاق اس وقت سے واقع ہوئی جس وقت پہلا طلاق نامہ لکھا گیا اور زوج نے اس پر دستخط کیے۔ کیونکہ نفس وقوعِ طلاق کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں۔ ہاں ثبوت کے لئے گواہوں کی ضرورت ہے۔ مگر زوج طلاقنامہ لکھنے اور بھیجنے کا مقر ہو تو پھر شہادت کی ضرورت نہیں۔ اور ایک مجلس کی تین طلاقیں یا ایک لفظ سے تین طلاقیں تمام صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین و جمہور علمائے اہلِ سنت والجماعۃ کے نزدیک واقع ہو جاتی ہیں۔ اور تین ہی سمجھی جاتی ہیں۔ ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل کا یہی مذہب ہے اور اسی پر سلفاً و خلفاً تمام مسلمانوں کا عمل ہے اور یہی قرآن مجید و احادیثِ نبویہ و فتاویٰ اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔ پس جو اس کا خلاف کرے وہ اہلِ سنت والجماعت کا مخالف ہے اور گروہ مبتدعین میں داخل ہے۔ اب بقدر ضرورت دلائل بیان کیے دیتا ہوں۔ قال اللہ تعالیٰ۔ الطلاق مرتان۔ الیٰ قولہ، فان طلقها فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ اس آیۂ کریمہ میں حق تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ وہ طلاق جس کے بعد رجعت جائز ہے دو طلاقیں ہیں اور جب خاوند تیسری طلاق دیدے تو پھر عورت اس کے لئے بغیر حلالہ حلال نہیں (انتہیٰ) آیت اپنے عموم سے ان تمام صورتوں کو شامل ہے کہ تیسری طلاق ایک ہی مجلس میں ہو یا دوسری مجلس میں۔ ایک طہر میں ہو یا الگ

متعدد ہ میں یا حالتِ حیض میں - طلاقِ اوّل وثانی وثالث کے درمیان رجعت متخلل ہوئی ہو یا نہیں - آیت کے عموم سے ان تمام صورتوں کا حکم یہی ثابت ہوتا ہے کہ تینوں طلاق واقع ہو کر حرمتِ مغلظہ پیدا کر دیں گی - اور زوجہ بغیر حلالہ زوج کے لئے حلال نہ ہوگی - اگرچہ بعض صورتوں میں زوج گنہگار بھی ہوگا - مثلاً حالتِ حیض میں مطلقاً طلاق دینے یا طہرِ واحد میں تینوں طلاق دینے کی صورت میں - لیکن وقوعِ طلاق میں کچھ شبہ نہیں - وعن عبادۃ بن الصامت رضؓ ان اباہ طلق امرأۃ الف تطلیقۃ فانطلق عبادۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألہ فقال بانت بثلاث فی معصیۃ اللہ - رواہ عبد الرزاق (کذا فی فتح القدیر) یعنی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد صامت نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیدیں تو عبادہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا حکم دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت تین طلاقوں کے ساتھ بائنہ ہوگئی اور خدا کی نافرمانی بھی ہوئی - مطلب یہ کہ ہزار میں سے تین طلاقیں پڑ گئیں اور باقی ۹۹۷ لغو ہوگئیں اور چونکہ تینوں طلاقیں ایک دفعہ دی گئیں اس لئے زوج گنہگار بھی ہوا - اس حدیث سے دو باتیں صراحۃً ثابت ہوتی ہیں - اوّل یہ کہ تین طلاقیں ایک دفعہ دینے سے تینوں پڑ جاتی ہیں اور یہ کہ خود آنحضرتؐ نے تینوں طلاقیں پڑ جانے کا حکم دیا ہے - دوم یہ کہ آنحضرتؐ کے ارشاد سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ایک دفعہ سے تین طلاقیں دینا اگرچہ گناہ ہے لیکن اس کا منہی عنہ اور معصیت ہونا عدمِ وقوع کو مستلزم نہیں - طلاقِ مغلظہ تو پڑ کر ہی رہے گی - زوج گنہگار ہوگا یہ بات علیحدہ ہے - اور اس بات کی نظیر شریعتِ مقدسہ میں دوسری بھی موجود ہے - وہ یہ کہ حالتِ حیض میں طلاق دینا بھی منع ہے - لیکن اگر کوئی مرد اپنی حائضہ بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق پڑ جائے گی - عن نافع عن عبد اللہ انہ طلق امرأتہ وھی حائض تطلیقۃ واحدۃ فامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یراجعھا (متفق علیہ) وعن سالم ابن عبد اللہ قال قال ابن عمر فراجعتھا وحسبت لھا التطلیقۃ التی طلقتھا (رواہ مسلم) وعن سعید بن جبیر ابن عمر قال حسبت

علی بتطلیقہ (رواہ البخاری) یعنی حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی (یعنی ایک طلاق) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجعت کر لینے کا حکم فرمایا۔ اور انھوں نے رجعت کر لی۔ پھر وہ خود فرماتے ہیں کہ میرے اوپر یہ ایک طلاق شمار کر لی گئی۔ اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ حالتِ حیض میں طلاق دینا اگرچہ گناہ ہے لیکن طلاق پھر بھی پڑ جاتی ہے ورنہ اس کا ایک طلاق شمار کیا جانا بے معنی ہوگا۔ وعن سہل بن سعد الساعدی ان عویمرا العجلانی قال یارسول اللہ ارأیت رجلا وجد مع امرأتہ رجلا ایقتلہ فتقتلونہ ام کیف یفعل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد انزل اللہ فیك و فی صاحبتك فاذھب فات بھا قال سہل فتلاعن فی المسجد وانا مع الناس عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما فرغا قال عویمر کذبت علیھا یارسول اللہ ان امسکتھا وطلقھا ثلاثا (رواہ الشیخان) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عویمر نے اپنی بیوی کو لعان کے بعد تین طلاقیں دیں اور آنحضرت نے سکوت فرمایا۔ یعنی ان کو یہ نہ فرمایا کہ تین طلاقیں دینے سے کیا فائدہ جبکہ تین سے بھی ایک ہی ہوتی ہے تو ایک ہی دینی چاہیئے تھی۔ وعن نافع قال کان ابن عمر اذا سئل عمن طلق ثلاثا قال لو طلقت مرۃ او مرتین فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرنی بھذا فان طلقتھا ثلاثا فقد حرمت علیك حتی تنکح زوجا غیرك وعصیت اللہ تعالیٰ فیما امرك من طلاق امرأتك (رواہ مسلم) یعنی نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے جب ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا جاتا تھا جو اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو وہ فرماتے تھے کہ اگر ایک یا دو طلاق دے تو بہتر ہے۔ کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسی بات کا حکم فرمایا تھا۔ لیکن اگر تو بیوی کو تین طلاق دیدے گا تو وہ تجھ پر حرام ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ اور تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا ہوگا۔ اس حکم میں جو دربارہ طلاق زوجہ تجھ کو دیا ہے۔ اس حدیث سے بھی صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں ایک دفعہ یا ایک طہر میں دینے سے پڑ جاتی ہیں۔ کیونکہ گناہگار ہونا انھیں جیسی صورتوں میں ہوتا ہے۔ عن ابی سلمۃ ان حفص بن المغیرۃ طلق امرأتہ فاطمۃ

بنت قیس علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث تطلیقات فی کلمۃ واحدۃ فابانھا منہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ الحدیث۔ رواہ الدارقطنی۔ یعنی ابوسلمہ سے روایت ہے کہ حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں ایک کلمہ میں دیدیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو ان سے جدا کر دیا۔ اس حدیث سے بھی صاف ثابت ہے کہ ایک دفعہ کی دی ہوئی تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں اور عورت بائنہ مغلظہ ہو جاتی ہے۔ وعن عمرو بن مرۃ قال سمعت ھامان یسئل سعید بن جبیر عن رجل طلق امرأتہ ثلثا فقال سعید سئل ابن عباس عن رجل طلق امرأتہ مائۃ فقال ثلث یحرم علیک امرأتک وسائرھن وزر اتخذت آیات اللہ ھزوا (رواہ الدار قطنی) یعنی عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے ہامان کو سعید بن جبیر سے یہ پوچھتے سنا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو کیا حکم ہے۔ سعید نے کہا کہ حضرت ابن عباس سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں تو انھوں نے فرمایا تھا کہ تین طلاقیں تیری بیوی کو تجھ پر حرام کر دیتی ہیں اور باقی ستانوے گناہ رہیں تو نے آیات اللہ کو ٹھٹھا بنا لیا ہے۔ وعن مجاھد عن ابن عباس انہ سئل عن رجل طلق امرأتہ مائۃ قال عصیت ربک وفارقت امرأتک لم تتق اللہ فیجعل لک مخرجا۔۔۔ (رواہ الدارقطنی) مجاہد کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیدی ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ تو نے اپنے خدا کی نافرمانی کی اور اپنی بیوی سے جُدا ہو گیا۔ تو نے خدا کا خوف نہیں کیا کہ وہ تیرے لئے کوئی سبیل نکالتا۔ وعن مجاھد قال جاء رجل من قریش الی ابن عباس فقال یا ابا عباس انی طلقت امرأتی ثلثا وانا غضبان فقال ان ابن عباس لا یستطیع ان یحل لک ما حرم علیک عصیت ربک وحرمت علیک امراتک۔ الحدیث۔ (رواہ الدارقطنی) مجاہد کہتے ہیں کہ قریش میں سے ایک شخص ابن عباس کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو بحالتِ غصہ تین طلاقیں دیدی ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ ابنِ عباس کی یہ طاقت نہیں کہ وہ تیرے لئے حلال کر دے وہ چیز جو حرام کی گئی۔ تو نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی۔

وعن عمر انه رفع الیه رجل طلق امرأته الفًا فقال له عمر اطلقت امرأتك قال لا انما کنت العب فعلاہ عمر بالدرۃ فقال انما یکفیك من ذٰلك ثلث اخرجه عبد الرزاق کذا فی التعلیق المغنی۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص لایا گیا جس نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیدی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ اس نے کہا نہیں میں تو مذاق کرتا تھا۔ حضرت عمر نے اس کے دُرّے مارے اور فرمایا کہ تجھے تین طلاقیں دینا کافی تھا۔

یہ تمام حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ایک کلمہ سے یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں پڑجاتی ہیں۔ اور یہ کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہؓ ابن عمر اور حضرت عبداللہؓ ابن عباس یہی فتوے دیتے تھے جیساکہ روایات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔

قال صاحب المنتقی بعد ما اورد روایات ابن عباسؓ وهذا کله یدل علی اجماعهم علی صحة وقوع الثلث بالکلمة الواحدۃ کذا فی التعلیق المغنی۔ صاحب منتقی نے حضرت ابن عباس کی روایتیں بیان کرکے فرمایا کہ یہ سب اس امر پر دال ہیں کہ صحابہ وتابعین کا اس امر پر اجماع تھا کہ ایک کلمہ سے تینوں طلاقوں کا واقع ہونا صحیح ہے۔ وقال الامام النووی فی شرح صحیح مسلم وقد اختلف العلماء فیمن قال لامرأته انت طالق ثلثًا فقال الشافعی ومالك وابوحنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث الخ۔ یعنی امام نووی فرماتے ہیں کہ علماء نے اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کو انت طالق ثلثا کہدے یعنی ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں دیدے اختلاف کیا ہے۔ پس امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ اور جماہیر علماءِ سلف وخلف اس بات کے قائل ہیں کہ تینوں طلاقیں پڑجائیں گی۔ وقال الشیخ ابن الهمام فی فتح القدیر وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع الثلاث۔ یعنی تمام جمہور صحابہ وتابعین اور ان کے بعد ائمہ مسلمین اس بات کے قائل ہیں کہ تینوں طلاقیں پڑجاتی ہیں۔ وقال الزرقانی فی شرح المؤطا والجمهور

علی وقوع طلاق الثلاث بل حکی ابن عبد البر الاجماع قائلاً بان خلافہ شاذ لا یلتفت الیہ یعنی علامہ زرقانی نے مؤطا امام مالکؒ کی شرح میں فرمایا کہ جمہور اسی پر ہیں کہ تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔ بلکہ علامہ ابن عبد البر نے اس پر اجماع نقل کر کے کہا کہ اس کا خلاف شاذ ہے اس کی طرف التفات نہ کرنا چاہیئے۔ وقال العلامۃ العینی فی شرح الھدایہ اذا طلق الرجل امرأتہ ثلاثاً قبل الدخول بھا وقعن علیھا عند عامۃ العلماء وھو مذھب عمر و علی و ابن عباس و ابی ھریرۃ وعبد اللہ بن عمرو بن العاص وعبد اللہ بن مسعود وانس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔ وبہ قال سعید بن المسیب ومحمد بن سیرین وعکرمۃ وابراھیم وعامر الشعبی وسعید بن جبیر والحکم وابن ابی لیلی والاوزاعی وسفیان الثوری وابن المنذر۔ وذکر ابن ابی شیبۃ انہ قول عائشۃ وام سلمۃ وخالد بن محمد ومکحول وحمید بن عبد الرحمن الخ۔ یعنی علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے کہ جبکہ آدمی اپنی بیوی کو ایک دفعہ سے تین طلاق قبل الدخول دیدے تو تینوں پڑ جائیں گی نزدیک علمائے عامہ کے۔ اور یہی مذہب ہے حضرت عمر اور حضرت علی اور ابن عباس اور ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن مسعود اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا۔ اور اسی کے قائل ہیں سعید بن مسیّب اور محمد بن سیرین اور عکرمہ اور ابراہیم اور عامر شعبی اور سعید بن جبیر اور حکم اور ابن ابی لیلیٰ اور اوزاعی اور سفیان ثوری اور ابن منذر رحمہم اللہ۔ اور حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ نے ذکر کیا کہ یہی قول ہے حضرت عائشہ اور ام سلمہ اور خالد بن محمد اور مکحول اور حمید بن عبدالرحمن کا۔ وقال العلامۃ العینی فی شرح صحیح البخاری وذھب جماھیر العلماء من التابعین ومن بعدھم منھم النخعی والثوری وابو حنیفۃ ومالک والشافعی واحمد واخرون کثیرون الی من طلق امرأتہ ثلثا وقعن علیھا لکنہ یأثم وقالوا من خالف فیہ فھو شاذ مخالف لاھل السنۃ وانما تعلق بہ اھل البدعۃ ومن لا یلتفت الیہ لشذوذہ عن الجماعۃ۔ یعنی علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری میں ذکر کیا ہے کہ جماہیر علمائے تابعین اس امر کی طرف گئے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو تینوں پڑ جائیں گی لیکن

وہ گناہگار ہوگا۔اسی کے قائل ہیں ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری اور ابوحنیفہ اور مالک اور شافعی اور احمد اور بہت لوگ۔اور کہا انھوں نے کہ جو اس کا خلاف کرے وہ شاذ ہے اور اہل سنت کا مخالف ہے اور ناقابل التفات۔کیونکہ جماعت اہل علم سے جدا ہے وقال الحافظ ابن حجر بعد البحث الطویل والراجح ایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عہد عمر علی ذلک ولا یحفظ ان احدا فی عہدہ خالفہ فی ذلک وقد دل اجماعہم علی وجود ناسخ وان کان خفی عن بعضہم قبل ذلک حتی ظہر لجمیعہم فی عہد عمر فالمخالف بعد ھذا الاجماع منابذ لہ والجمہور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق واللہ اعلم (تعلیق المغنی) یعنی حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بحث طویل کے بعد فرمایا اور راجح یہ ہے کہ تینوں طلاقیں واقع کردی جائیں۔کیونکہ اس پر حضرت عمر کے زمانہ میں اجماع منعقد ہوگیا ہے۔اور یہ بات محفوظ نہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کسی نے ان کا اس مسئلہ میں خلاف کیا ہو۔اور ان کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ناسخ موجود ہے اگرچہ وہ ناسخ اس سے پہلے بعض لوگوں سے پوشیدہ رہا۔یہاں تک کہ حضرت عمر کے زمانہ میں سب پر ظاہر ہوگیا۔پس اس اجماع کے بعد جو اس میں خلاف کرے وہ اجماع کا مخالف ہے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اجماع و اتفاق کے بعد جو اختلاف کرے وہ غیر معتبر ہے۔

پس ان تمام عبارات سے ظاہر ہوگیا کہ ایک کلمہ یا ایک مجلس کی دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اور یہی حکم قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہے اور حضرت عمر کے زمانہ میں اس پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہوگیا اور ائمہ اربعہ بھی اسی کے قائل ہیں اور سلفاو خلفا علمائے امت کا یہی مذہب ہے۔اور اس کا مخالف اہل سنت والجماعت سے جدا ہے اور اس کا قول غیر معتبر ہے

اب آپ کے سوالوں کا جواب نمبر وار تحریر کیا جاتا ہے:۔

(۱) سوال اول کا جواب یہ ہے کہ صریح تین طلاقیں لفظاً ہوں یا کتابۃً (بشروط معتبرہ فی الکتابت) ایک لفظ سے اور ایک مجلس میں ہوں یا متعدد الفاظ سے مختلف مجالس میں ہوں تینوں پڑجاتی ہیں اور عورت مطلقہ مغلظہ ہوجاتی ہے۔اور قضاءً ایک کی نیت کا ہرگز اعتبار

نہ ہوگا۔ ہاں اگر ایک کلمہ میں تین طلاقیں نہ دی ہوں بلکہ لفظ طلاق کو تین مرتبہ مکرر کیا ہو۔ اور اخیرین میں تاکید کی نیت کی ہو تو دیانۃً یہ نیت معتبر ہوگی۔ اور قضاءً تینوں پڑ جائیں گی۔ کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین (در مختار) ای وقع الکل قضاء وکذا اذا طلق اشباہ ای بان لم ینوا استینا فا ولا تاکید الان الاصل عدم التاکید (رد المحتار)

(۲) سوال دوم کا جواب خود صاف ہو گیا کہ صورت مسئولہ میں ایک کی نیت نہ دیانۃً صحیح ہے نہ قضاءً۔ کیونکہ طلاق مغلظہ کلمۂ واحدہ سے دی گئی ہے اور ایسی طلاق کا پڑ جانا اور منکوحہ کا مطلقہ مغلظہ ہو جانا قرآن مجید و حدیث شریف و اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہو چکا ہے۔

(۳) سوال سوم کا جواب یہ ہے کہ طلاقِ ثلٰث میں ایک کی نیت ہونے کی صورت یہ ہے کہ لفظ طلاق کو مکرر کیا جائے اور اخیر کے دو لفظوں سے پہلی مرتبہ کے تلفظ کی تاکید مقصود ہو۔ یعنی استیناف وانشا کا ارادہ نہ کیا جائے۔ لیکن صورت سوال میں یہ نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تو ایک لفظ سے طلاق ثلٰثہ مغلظہ دی گئی ہے اور خود زوج مطلق نے اپنی نیت کی تشریح ان الفاظ سے کر دی ہے کہ وصارت لا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ پھر ایسی صورت میں ایک کی نیت ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ رہی حدیث رکانہ اور حدیث ابن عباس جو مسلم میں مروی ہے تو اس کے متعلق اولاً یہ گذارش ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ بات تھی کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں اس طرح دیتا کہ انت طالق انت طالق انت طالق اور پہلے لفظ سے تو انشائے طلاق مقصود ہوتا اور پچھلے دو لفظوں سے تاکید مقصود ہوتی اور وہ یہ کہتا کہ میری نیت میں تو ایک ہی طلاق تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قول کا اعتبار فرمالیتے اور ایک طلاق کا حکم دیتے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صامتؓ کے قصہ میں جنہوں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی تھیں بانت بثلاث فی معصیۃ اللہ فرما کر ہزار میں سے تین طلاقیں پڑنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ہم شروع میں مسند عبدالرزاق سے بحوالہ فتح القدیر نقل کر چکے ہیں۔ وقال الامام النووی اما حدیث ابن عباسؓ فاختلف العلماء فی جوابہ وتاویلہ والاصح

ان معناہ انه کان فی اول الامر اذا قال انت طالق انت طالق ولم ینو التاکید ولا الاستیناف یحکم بوقوع طلقة واحدة لقلة ارادتهم الاستیناف بذلك فحمل علی الغالب الذی هو ارادة التاکید فلما کان زمن عمرو کثر استعمال الناس بهذه الصیغة وغلب منهم ارادة الاستیناف بها حملت...
عند الاطلاق علی الثلث عملا بالغالب السابق الی الفهم منها فی ذلك العصر۔

یعنی امام نووی نے فرمایا کہ ابن عباس کی روایت کا جواب دینے اور معنی بیان کرنے میں علما نے اختلاف کیا ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ ابتدا میں یہ بات تھی کہ جب کوئی شخص انت طالق انت طالق تین مرتبہ کہتا اور تاکید و استیناف کی نیت نہ کرتا تو ایک طلاق کے وقوع کا حکم دیا جاتا۔ کیونکہ وہ لوگ ان الفاظ سے استیناف کا بہت کم ارادہ کرتے تھے پس اسی اکثری حالت پر حمل کیا گیا۔ پھر جب حضرت عمر کا زمانہ ہوا اور لوگوں نے اسی صیغہ کا استعمال بکثرت شروع کر دیا اور ان کی جانب سے استیناف کا ارادہ غالب ہو گیا تو اطلاق کے وقت تین طلاقوں پر حمل کیا گیا تاکہ احتمال غالب سابق الی الفہم پر عمل ہو جائے۔
رکانہ کی حدیث مضطرب ہے۔ مسند امام احمد کی روایت میں یہ لفظ ہیں جو سائل نے سوال میں ذکر کیے ہیں یعنی طلق رکانة بن عبد یزید امراته ثلثا فی مجلس واحد۔ الخ۔ اور ابوداؤد اور ترمذی اور دارقطنی وغیرہ میں اس طرح ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق ثلثہ دیدی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہاری نیت کیا تھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک طلاق کی نیت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم ایک ہی طلاق کی نیت تھی؟ عرض کیا کہ خدا کی قسم ایک ہی طلاق کی نیت تھی تو آپ نے فرمایا کہ اچھا ایک ہی طلاق ہوئی۔ غرضکہ یہ روایت مضطرب ہے۔ اس سے استدلال کرنا مستقیم نہیں۔ قوله ان رکانة بن عبد یزید طلق امرأته ۔الحدیث ۔ رواہ الشافعی وابوداؤد والترمذی وابن ماجة وابن حبان والحاکم واعله البخاری بالاضطراب وقال ابن عبد البر فی التمهید ضعفوه واختلفوا هل من مسند رکانة او مرسل رکانة کذا فی التلخیص (التعلیق المغنی) وقال الشوکانی وهو مع ضعفه مضطرب

ومعارض اما الاضطراب فکما تقدم. الخ۔ (التعلیق المغنی) وقال المحقق ابن همام فی فتح القدیر فتاویلہ (ای معنی حدیث ابن عباس) ان قول الرجل انت طالق انت طالق انت طالق کان واحدۃ فی الزمان الاول لقصدھم التاکید فی ذلک الزمان ثم صاروا یقصدون التجدید فالزمھم عمر بذلک لعلمہ بقصدھم۔ انتھی۔ ان تمام عبارتوں سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا مطلب یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تین طلاقوں کا ایک قرار دیا جانا اسی بنا پر ہوتا تھا کہ تینوں بقصد انشاء و تجدید نہیں ہوتی تھیں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چونکہ لوگ بقصد انشاء و تجدید تین طلاقیں دینے لگے تو حضرت عمرؓ نے وقوع ثلاث کا حکم دے دیا اور انشاء و تجدید کی نیت ہونے کی حالت میں تینوں طلاقیں پڑ جانے کا حکم خود آنحضرت صلعم کے اس حکم سے ماخوذ ہے جو صامت کی ہزار طلاقوں کے بارے میں آپ نے دیا تھا۔

(۵) سوال پنجم کا جواب بھی اب صاف ہو گیا کہ تین طلاق کی نیت ہوتے ہوئے بھی ایک طلاق کا حکم کرنا قرآن و حدیث و اجماع کے خلاف ہے اور زوج کا صورت سوال میں یہ دعویٰ کرنا کہ میری نیت ایک طلاق کی تھی صریح تناقض ہے لہذا لغو ہے۔ طلاق نامہ کی عبارت یہ ہے:۔ طلق زوجتہ المدخول بہا خدیجۃ بنت غلام محمد کتراد المقیمۃ فی رنگون ثلاثا۔ اس عبارت میں بھی ایک کی نیت کا ادعا صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک کلمہ سے تین طلاقیں دی گئی ہیں۔ ایک کی نیت کا احتمال تو تکرار لفظ طلاق کی صورت میں ہو سکتا تھا وہ یہاں نہیں ہے:۔ اور پھر آگے یہ عبارت وصارت لا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ تو ارادۂ حرمت مغلظہ میں نص صریح ہے۔

(۶) سوال ششم کا جواب یہ ہے کہ ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ اول تو یہ قول قرآن مجید اور حدیث شریف اور اجماع کے خلاف ہے اور بقول علامہ عینی اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے اور بقول حافظ ابن حجر اس کا قائل خارق اجماع ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسا کرنا درحقیقت خواہش نفسانی کا اتباع اور شریعت مطہرہ کے ساتھ استہزا ہے۔ نعوذ باللہ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ مسجد پانی پتیاں دہلی

سوال

زید نے اپنی بیوی جمیلہ کو تین طلاق مغلظہ دیدی جمیلہ کو بہت ملال ہوا اور وہ مرتد ہوکر ہندو مذہب میں شامل ہوگئی۔ جب اس کے وارثوں کو معلوم ہوا تو اس کو سمجھا بجھا کر توبہ پر راضی کرلیا۔ اس نے توبہ کرکے اسلام قبول کرلیا اور عدتِ طلاق گزار کر بغیر حلالہ کے اپنے شوہر زید مذکور کو راضی کرکے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرلیا۔ یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

(۳۲۵) **جواب** - مرتد ہوجانے سے حلالہ ساقط نہیں ہوا۔ اس کو لازم تھا کہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرتی۔ پہلے خاوند سے جس نے تین طلاقیں دی تھیں بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہیں تھا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

میں نے اپنی زوجہ کو ہر چند سمجھایا کہ میری مرضی کے خلاف تم کوئی کام نہ کرو اور بہت عرصہ تک یہ انتظار کیا کہ یہ میری منشا کے خلاف کوئی کام نہ کرے لیکن جب میں مایوس ہوگیا تو مجبور ہوکر میں نے اس سے کہا کہ میں تجھ کو طلاق دے دوں گا۔ اس نے کہا کہ یہ تو مجھ کو نظر آرہا ہے خیر میں مہر معاف کرتی ہوں اور تم دونوں بچے مجھے دے دو۔ کچھ روز کے بعد میں نے اس کو تین طلاق دے دیں اور اس کو اس کے والد کے ہمراہ میکے بھیج دیا۔ اب اس کے والد اور اس کے عزیز واقارب مجھ پر زور ڈال رہے ہیں کہ اس کو اپنی بیوی بنالو۔ میں پریشان ہوں کہ کیا کروں؟

المستفتی نمبر ۲۰۷ عبدالرحمٰن دہلی۔ ۲۸ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۳ فروری ۱۹۳۴ء

(۳۲۶) **جواب** - تین طلاقیں دیدینے کے بعد زوجہ کو بیوی بنا لینے کی صورت باقی نہیں رہی۔ اب تو وہ جب تک کسی اور شخص کے نکاح میں نہ جائے اور اس سے بعد وطی طلاق کے ذریعہ یا اور کسی سبب سے علیحدہ نہ ہو شوہر اول کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

سوال

ایک شخص اپنی اہلیہ کو لے کر اپنی سسرال میں گئے۔ وہاں جاکر بیوی کے سوکیلے بھائی سے تکرار ہوگئی۔ تکرار ہوتے ہوئے یہ الفاظ منہ سے نکل گئے کہ میں نے اس کو طلاق دیا اور کئی مرتبہ کہہ دیا گیا۔ اس وقت بیوی موجود نہیں تھی۔ اور کسی مکان کے اندر بیٹھی ہوئی تھی۔ نہ

ہی بیوی کا نام لیا گیا۔ اگر طلاق اس طرح واجب ہو گیا ہو تو اس کو دوبارہ نکاح میں لانے میں کیا رائے ہے۔ بیوی سے کسی قسم کی تکرار نہیں ہوئی۔ ۳ ماہ کا حمل ہے۔

المستفتی نمبر ۲۲۵ نیاز محمد صاحب کیتھل ضلع کرنال

۱۹ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ م ۳ مارچ ۱۹۳۴ء

(۳۲۷) **جواب** - خاوند نے جب یہ لفظ کہہ دیئے کہ "میں نے اس کو طلاق دیا" اور اس کی نیت بیوی کو ہی طلاق دینا تھی تو اس کی بیوی پر طلاق پڑ گئی۔ خواہ وہ سامنے موجود تھی یا نہ تھی۔ حاملہ ہونے یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ اور یہ لفظ تین مرتبہ یا تین سے زیادہ کہہ دیا تو تین طلاقیں ہو گئیں اور عورت اس کے نکاح سے باہر ہو گئی۔ اب جب تک کہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں نہ جائے اور دوسرا خاوند بعد صحبت طلاق نہ دے اور عدت پوری نہ ہو پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔

سوال

زید نے اپنی عورت کو حالتِ غصہ میں تین طلاق ایک دم دے دیں۔ بعدہٗ اس نے اس عورت کو گھر سے نکال دیا۔ پھر اس کی جدائی شاق گذری تو پھر بلا لیا۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو سنبھالنا بھی دشوار تھا۔ پانچ ماہ کے بعد اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کر لیا۔ مولانا عبدالحی مرحوم کے فتوے پر جس کی عبارت ذیل میں ہے۔ صفحہ ۳۴۹۔ استفتاء۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو حالتِ غضب میں کہا کہ میں نے طلاق دیا۔ میں نے طلاق دیا۔ میں نے طلاق دیا۔ تو اس تین بار کہنے سے تین طلاق واقع ہوں گی یا نہیں۔ حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورتِ خاص میں عمل کرنے کی رخصت دی جائے گی یا نہیں۔ ھو المصوب اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہوں گی اور بغیر تحلیل نکاح نادرست ہوگا۔ مگر بوقتِ ضرورت کے کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو، تقلید کسی اور امام کی اگر کرے گا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا۔ الخ۔ اور صورتِ حال میں مفاسد ہونے کا یقین تھا۔ اب کیا شخص مذکور کا نکاح ہوا یا فسخ کرے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۳۰۸ مسٹر محمد احمد ضلع بھروچ، ۲۱ صفر ۱۳۵۳ھ م ۵ جون ۱۹۳۴ء

(۳۲۸) **جواب** صرف حنفیہ کے نزدیک ہی نہیں بلکہ سب ائمہ مجتہدین یعنی امام شافعی امام مالک امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی تینوں طلاقیں پڑ گئیں اور عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی اور ان مفاسد کی بنا پر جو سوال میں مذکور ہیں دوبارہ نکاح کی اجازت مشکل ہے۔ مولانا عبدالحیؒ نے جو لکھا ہے وہ اضطراری صورت میں تو قابل عمل ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسے امور میں جو صرف مشکلات کی حد میں داخل ہیں اضطرار تک نہیں پہنچتے۔ ائمہ کے نزدیک اس کی اجازت دشوار ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

ایک شخص نے ایک کافرہ کو مسلمان بنا کر اس سے نکاح کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپس کی ناچاقی کی وجہ سے اس کو تین طلاق دیدی۔ اب صورت یہ پیش آگئی ہے کہ وہ عورت اس کو کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہیں کہتی ہے کہ میں کسی حالت میں بھی کسی اور شخص سے نکاح نہیں کروں گی۔ اگر تو اپنے گھر میں نہیں رکھے گا تو میں خودکشی کرلوں گی یا پھر مرتد ہو جاؤں گی۔ اب وہ شخص سخت پریشان ہے اور کہتا ہے کہ تا وقتیکہ شرعاً اجازت نہ ہو میں ہرگز نہیں رکھوں گا۔ المستفتی نمبر ۵۲۵ حکیم غلام محمد خاں۔ جوناگڑھ

۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۹ جولائی ۱۹۳۵ء

جواب۔ (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) اگر اس شخص کو بظن غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر میں اس عورت کو نہیں رکھوں گا تو یہ عورت خودکشی کرے گی یا مرتد ہو جائے گی تو عورت سے عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور اگر عدت گزر گئی تو صرف تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہوگی۔ بوجہ لازم آنے مفاسدِ عظیمہ کے یہ اجازت دی جاتی ہے۔

فقط حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

جواب۔ (از مولوی خلیق احمد صاحب) مفاسدِ عظیمہ کے وقت اجازت ہونے کے لئے حوالہ کتاب کی ضرورت ہے۔ میرے نزدیک جواب مذکورہ صحیح نہیں ہے۔

خلیق احمد عفی عنہ خطیب و مفتی جامع مسجد جوناگڑھ

(۳۲۹) **جواب**۔ (از مفتی اعظمؒ) صورتِ واقعہ میں تینوں طلاقوں کا واقع ہو جانا اور رجوع

کی اجازت نہ ہونا اور بدون حلالہ کے دوسرا نکاح جائز نہ ہونا ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اور وہی راجح اور واجب العمل ہے۔ مگر ائمہ اربعہ کے مذہب کے خلاف بعض اہلِ ظاہر اور اہلِ حدیث کا مذہب یہ ہے کہ ایک دفعہ کی اور ایک مجلس کی تین طلاقیں نہیں پڑتیں بلکہ تین کی جگہ ایک طلاق پڑتی ہے اور خاوند کو رجعت کا حق عدت کے اندر اندر ہوتا ہے۔ لیکن عدت گزر جانے کے بعد بالاتفاق زوجین کو از سرِ نو ایجاب و قبول کر کے تجدیدِ نکاح کرنی ہوگی۔ اگر اس بات کا یقین یا ظنِ غالب ہو کہ عورت خودکشی کرے گی یا مرتد ہو جائے گی تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہو کہ اہلِ ظاہر و اہلِ حدیث کے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دیدی جائے۔ لیکن انقضائے عدت کے بعد تجدیدِ نکاح کا لازم ہونا اور بغیر تجدیدِ نکاح کے رجعت جائز نہ ہونا تو اتفاقی مسئلہ ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ۔

جواب (از مولوی خلیق احمد صاحب) صورتِ مسئولہ میں بغیر حلالہ کے اب شوہر اول سے نکاح کسی طرح بھی درست نہیں۔ وان کان الطلاق ثلثة فی الحرة او ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا ید خل بها ثم یطلقها او یموت عنها (هدایه صفحہ ۳۷۵ ج ۲) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں اب بغیر حلالہ کے شوہر اول سے کسی طرح بھی تجدیدِ نکاح جائز نہیں۔ اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ صورتِ مسئولہ میں بہر نوع تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ ان رجلا قال لعبد الله بن عباس انی طلقت امرأتی مائة تطلیقة فماذا تری علی۔ فقال ابن عباس طلقت منك بثلث وسبع وتسعون اتخذت بآیات الله هزوا۔ رواه فی المؤطا (مشکوۃ صفحہ ۲۸۴) اس حدیث کے مضمون سے واضح طور پر ثابت ہے کہ بیک وقت اگر تین یا تین سے زیادہ طلاقیں دی جائیں تو بہر صورت تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور تمام علمائے امت کا یہی مذہب و مسلک ہے۔ بہر حال صورتِ مسئولہ میں ہرگز ہرگز کسی طرح بھی تجدید نکاح بغیر حلالہ کے درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ خادم العلماء خلیق احمد خطیب و مفتی ریاست جوناگڑھ۔ ۱۵ اگست ۱۹۳۵ء

جواب - (از حضرت مفتی اعظم رح) صورتِ مسئولہ میں حنفی فقہ کی رُو سے بیشک تین طلاقیں

واقع ہونے کا حکم صحیح ہے۔ لیکن جبکہ عورت کے مُرتد ہو جانے یا خودکشی کر لینے کا ظن غالب یا یقین ہو تو ایسی صورت میں اہلِ ظاہر کے مذہب پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے اس کے لئے مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی رح جلد دوم کے صفحہ ۵۳ میں اس قسم کا سوال وجواب ملاحظہ فرمایا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید نے اپنی زوجہ کو طلاق طلاق طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا اور زوجہ اپنے والدین کے گھر چلی گئی۔ جب ہر دو فریق کا غصہ فرو ہوا تو سخت پشیمان ہوئے۔ زید کے خیرخواہوں نے علمائے اہلِ حدیث کے فتوے سے جواز دلا دیا جس کی رُو سے زید اپنی بیوی کو لے آیا جس کو دو ماہ گزر گئے۔ کیا مذہب امامِ اعظم رح کی رُو سے یہ رجعت جائز ہے؟

المستفتی ۵۴۲ عبدالشکور دہرہ دون - ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء

(۳۳۰) **جواب**۔ امامِ اعظم، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین چاروں اماموں کے مذہب کے موافق یہ رجعت جائز نہیں ہوئی۔ ایک مجلس کی تین طلاقیں چاروں اماموں کے مذہب میں تین ہی قرار دی جاتی ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

زید نے اپنی بیوی کی سخت بدزبانی اور گستاخانہ تلخ کلامی سے نہایت مشتعل اور غضبناک ہو کر ایک ہی جلسہ میں تین طلاقیں زید دیں۔ الفاظ یہ ادا کیے تھے کہ طلاق ہے، طلاق ہے طلاق ہے۔ علمانے طلاقِ مغلظہ واقع ہونے کے فتوے دیدیئے۔ بیوی حاملہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں۔ تحلیل زید کو گوارا نہیں۔ نیز تحلیل کی کوئی یقینی معتمد صورت بھی نظر نہیں آتی۔ موجودہ حالت میں بچے ماں کے پاس رہیں یا باپ کے۔ دونوں صورتوں میں پرورش اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے ان کی تباہی و بربادی کا غالب گمان ہوتا ہے۔ عورت کی آئندہ زندگی بھی مذہبی و اخلاقی نقطہ نظر سے اندیشہ ناک معلوم ہوتی ہے۔ طرفین تجدیدِ نکاح پر آمادہ بھی ہیں مذکورۂ بالا جملہ میں لفظ نسبت نہیں تھا اور وقوعِ طلاق کے لئے لفظاً یا معنیً نسبت ہونی چاہیے۔ اگرچہ حالت باہمی گفت گو اور ہم کلامی کی تھی۔ ایک

لڑکی زید کی بعمر ہفت سالہ صرف کھڑی تھی۔ دوسرے زاد المعاد میں مرقوم ہے کہ ایک جلسہ میں اس طرح تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ یہ چاروں اماموں کا مذہب ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اور بعض دیگر علماء کے مسلک پر ایسی طلاق سے یا تو طلاق ہی نہیں ہوتی یا ایک طلاق ہوتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک شدید ضرورت کی صورت میں دوسرے امام کے طریقہ پر عمل کرنے کی اجازت ہے۔ مذکورہ صورت میں بغیر تحلیل کے صرف تجدیدِ نکاح پر اکتفا کرنے کی صورت نکل سکتی ہو تو مطلع فرمائیں۔ المستفتی ۷۸۵ سید نثار علی۔ جاورہ

۱۳ر جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۴ر اگست ۱۹۳۵ء

(۳۳۱) **جواب** ۔طلاق کے الفاظ میں منکوحہ کی طرف نسبت لفظاً ہو یا کتابۃً یا دلالۃً اور دلالت میں یہ بھی معتبر ہے کہ مقام ہم کلامی میں الفاظ ادا کیے گئے ہوں۔ اور یہ سب اس وقت ہے کہ مطلق کی نیت کا علم نہ ہو۔ لیکن اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے ہی الفاظِ طلاق استعمال کیے ہیں اور اس کا اقرار بھی کر رہا ہے۔ جیسا کہ اسی سوال میں تصریح ہے کہ زید نے اپنی بیوی کی سخت بد زبانی اور گستاخانہ تلخ کلامی سے نہایت مشتعل و غضبناک ہو کر ایک ہی جلسہ میں تین طلاقیں دے دیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس اقرار کے بعد نسبتِ طلاق کی بحث چھیڑنا فضول ہے۔

اور تین طلاقیں جو ایک ہی جلسہ میں دی جائیں وہ ائمۂ اربعہ اور جماہیر علمائے امت کے نزدیک تین ہی قرار پاتی ہیں اور راجح اور قوی دلیل کے لحاظ سے یہی صحیح ہے۔ صورتِ مسئولہ میں ضرورتِ شدیدہ کی بھی کوئی وجہ نہیں بیان کی گئی سوائے اس کے کہ تحلیل زید کو گوارا نہیں۔ تو یہ بات ایک ایسے مسئلے میں جو ائمۂ اربعہ اور جماہیر امت کا متفق علیہ ہو وجہ عدول نہیں ہو سکتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دیدیں۔ پھر عدت گزرنے کے

بعد دوبارہ نکاح کرلیا کیا یہ نکاح صحیح ہے ؟ ہمارے یہاں لوگ کہتے ہیں کہ اس نکاح کے پڑھانے والے اور گواہوں اور نکاح کی اجازت دینے والوں کی بیویوں پر طلاق پڑگئی اور یہ نکاح بھی فاسد ہے۔ آیا ان لوگوں کے گھر کھانا پینا اور ان کے ہاتھ کا ذبح کردہ جانور کا کھانا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۶۹۳ ارشاد عالم (دہلی) ۲۸ رمضان ۱۳۵۴ھ م ۲۵ دسمبر ۱۹۳۵ء

(۳۳۲) **جواب** - ایک مجلس کی تین طلاقیں ائمہ اربعہ اور جماہیر علمائے اسلام کے نزدیک تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ اور مطلقہ طلاق مغلظ کے ساتھ مطلقہ ہوجاتی ہے۔ اور بدون تحلیل اس خاوند کے لئے حلال نہیں رہتی۔ پس صورت مسئولہ میں نکاح درست نہیں ہوا یہ تو صحیح نہیں کہ نکاح پڑھانے والوں اور اجازت دینے والوں اور شریک ہونے والوں کے نکاح ٹوٹ گئے۔ مگر یہ بات ٹھیک ہے کہ چاروں اماموں اور جمہور امت محمدیہ کے مسلک کے موافق یہ سب لوگ سخت گنہگار اور فاسق ہوئے۔ ان کا ذبیحہ حرام نہیں۔ ہاں ان کو امام بنانا مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(۱) تقریباً ڈھائی سال کا عرصہ ہوا کہ زید اپنی زوجہ ہندہ کو چند احباب کے سامنے (جو حیثیت شواہد کے موجود تھے) فوری طلاق ثلاثہ دیا۔ طلاق ثلاثہ دینے کے ایک ماہ بعد زید اور مطلقہ ہندہ میں خفیہ طور پر پھر سابقہ تعلقات قائم ہوگئے۔ اس مدت میں ہندہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ زید ڈھائی سال کے عرصہ سے تعلقات سابقہ کو بدستور قائم رکھ کر ہنوز ہندہ کے نان نفقہ کا انتظام کرتا ہے۔ اب زید اور ہندہ دونوں شرعی طور پر رجوع ہونا چاہتے ہیں۔ آیا زید اپنی زوجہ سے شرعاً رجوع کرسکتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۸۵۶ قاضی حکیم محمد نور الحق صاحب (چامراج نگر)

۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(۳۳۳) **جواب** - فوری طلاق یا ایک مجلس میں تینوں طلاق دینے سے ائمہ اربعہ اور جمہور علمائے اسلام کے نزدیک تینوں طلاقیں پڑجاتی ہیں اور تینوں طلاقیں پڑجانے کے بعد بدون اس کے کہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور بعد وطی و مباشرت اس سے کسی

جائز ذریعہ سے علیحدگی حاصل ہو زوجِ اول کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ سوال میں جو واقعہ مذکور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ طلاقِ ثلاثہ دینے کے بعد خفیہ تعلقات قائم کرلینا زید کے لئے حرام تھا۔ اس کو مطلقہ سے کلی علیحدگی لازم تھی اور اب بھی لازم ہے کہ فوراً علیحدگی کرلے اور دونوں نکاح بھی نہیں کرسکتے۔ ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(۱) ایک شخص نے اپنی زوجہ منکوحہ جائز کو ایک رجعی طلاق بتاریخ ۴؍ ستمبر ۳۳ء دی اور قریب ۱۷ یوم بعد طلاق شوہر نے طلاق مذکور بتاریخ ۲۱؍ ستمبر ۳۳ء بطیب خاطر منسوخ کرکے بموجب احکامِ شریعت رجوع کرلیا اور بعدہٗ وہ میاں بیوی کے طور پر خوش و خرم آباد رہے (۲) ۲½ سال بعدِ رجوع مذکور جدید حالات ایسے پیدا ہوگئے کہ اس شخص نے پھر اپنی اس منکوحہ کو ایک طلاق روبرو دو گواہان بتاریخ ۲۹؍ فروری ۳۶ء تحریر کرکے دیدی جبکہ وہ بحالتِ طہر تھی (۳) چند یوم بعد ایک طلاق مذکور مندرجہ ضمن ۲ بالا اس عورت کو ایامِ ماہواری آنے اور جب وہ ایامِ ماہواری سے فارغ ہوگئی تو اسے دوسری طلاق بتاریخ ۴؍ مارچ ۳۶ء بعدم موجودگی کسی گواہ کے تحریر کرکے بھیج دی گئی۔ میاں بیوی مذکور اس دوسری طلاق کے واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں (۴) دوسری طلاق مذکور کے بعد آج تک تیسری طلاق نہیں دی گئی۔ میعادِ عدت ختم ہوچکی ہے۔

المستفتی نمبر ۱۲۱۹ شیخ غلام حیدر صاحب بی۔اے۔ ایل ایل۔بی ایڈوکیٹ (فیروزپور شہر)
۱۹؍ رجب ۱۳۵۵ھ م ۶؍ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(۱۲۴۴) **جواب** ۔ شریعتِ مقدسہ نے مرد کو ایک عورت کے متعلق تین طلاقیں دینے کا اختیار دیا ہے۔ یہ تین طلاقیں خواہ یکے بعد دیگرے بیہم ایک طہر میں یا ایک مجلس میں ہوں یا تین مجلسوں یا تین طہروں میں ہوں یا ایک طلاق یا دو طلاق کے بعد مدتِ طویلہ گزر جانے کے بعد ہوں اور خواہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجعت کرلی گئی ہو یا نہ کی ہو۔ رجعت نہ کرنے کی صورت میں دوسری طلاق انقضاءِ عدت سے قبل ہوگی تو محسوب ہوگی ورنہ نہیں پس صورتِ مسئولہ مذکورہ میں پہلی طلاق ۳۳ء محسوب ہوگی اور ۳۶ء کی دو طلاقوں کے ساتھ مل کر طلاق مغلظہ ہوگئی۔

اور اب بدون تحلیل وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں۔ تمام کتبِ فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

ایک عورت کو اس کے شوہر نے کسی بنا پر مارا تو وہ ناراض ہو کر اپنے بھائی کے گھر چلی گئی۔ جب دوسرے دن شوہر بلانے گیا تو اس نے مارنے کا سبب دریافت کیا۔ اس کے جواب میں شوہر نے اس عورت کو گالی دی اور طلاق طلاق طلاق کہہ کر باہر کا راستہ لیا۔ دریافت کرنے پر یہ شخص کہتا ہے کہ غصہ میں یہ الفاظ اس طرح نکلے۔ نیت طلاق دینے کی نہ تھی اس صورت میں از روئے شرع متین طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی تو کتنی اور کیسی اب اگر یہ مرد اور عورت پھر ملنا چاہیں تو اس کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟

المستفتی نمبر ۱۳۴۰ ای۔ ایم۔ امرا (ڈربن) ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۴ فروری ۱۹۳۷ء

جواب (از مولوی احمد مختار صدیقی صاحب) صورت مذکورۂ بالا میں چونکہ الفاظ صریح نہیں لہٰذا ایک طلاق واقع ہوئی دوسری دوبارہ جو لفظ طلاق طلاق کہا ہے وہ اس پہلی کی تاکید مانی جائیگی اس لئے بائن ہو جائے گی۔ اور طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد و عورت پھر راضی ہو جائیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ ہٰذا فی الکتب الفقہیۃ۔ احمد مختار ڈربن

(۳۳۵) **جواب** - (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہوالموفق یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ قرآن و حدیث و فقہ کے اصول کے خلاف ہے۔ صحیح جواب یہ ہے کہ لفظ طلاق اگرچہ صریح ہے مگر بیوی کی طرف اضافت صراحۃً موجود نہیں ہے۔ اِس لئے شوہر اگر اس بات پر حلف کرے کہ لفظ طلاق کہنے سے زوجہ کو طلاق دینا مقصود نہ تھا تو طلاق ایک بھی نہیں ہوئی اور اگر وہ کہے کہ زوجہ کو طلاق دینا مقصود تھا یا قسم کھانے سے انکار کرے تو طلاق مغلظہ کا حکم ہوگا اور بدون حلالہ یہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔ طلاق بائن کی اس واقعہ میں کوئی صورت نہیں ہے اگر طلاق کے دو لفظوں کو پہلے لفظ کی تاکید ہونے کا وہ دعویٰ کرے تو یہ قول اس کا حکم کے لئے تسلیم نہ کیا جائے گا ہاں دیانۃً وہ اس کو صرف ایک طلاق سمجھ کر بدون تجدید نکاح رجعت کرے تو عنداللہ ماخوذ نہ ہوگا۔ کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین۔

(درمختار) قولہ کرر لفظ الطلاق بان قال للمدخولۃ انت طالق انت طالق اوقد طلقتک قد طلقتک الخ (ردالمحتار) قولہ وان نوی التاکید دین ای ووقع الکل قضاءً الخ (ردالمحتار) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

جو مرد اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاق دے کر چار برس پردیس میں رہے اور نان و نفقہ بھی نہ دے۔ اب واپس آکر رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی ۱۴۹۲ اکرم الٰہی صاحب (ضلع رنگپور) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۳ جون ۱۹۳۷ء

(۳۳۶) **جواب**۔ ایک مجلس کی تین طلاقیں ائمہ اربعہ کے نزدیک تین ہی شمار کی جاتی ہیں اور اس میں رجوع کا شوہر کو حق نہیں ہوتا اور جو لوگ کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی عدت کے اندر رجعت کا حق ہوتا ہے۔ انقضائے عدت کے بعد رجوع کرنے کا حق کسی کے نزدیک بھی نہیں رہتا۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنے والدین کے اصرار پر ہندہ کو طلاق مغلظہ دیدی لیکن چونکہ میاں بیوی میں محبت تھی اس لئے طلاق کے چند روز بعد پھر یکجا ہوگئے۔ اس وقت بڑوں کی پنچایت نے دونوں میں پھر تفریق کرادی ہے۔ لیکن دونوں بہت پریشان ہیں۔ طلاق کے وقت ہندہ حاملہ تھی جس سے ایک بیٹا بھی پیدا ہوگیا ہے۔ اس نے دونوں کی محبت میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ ایسی حالت میں دونوں کو باہمی جدائی اور بھی زیادہ شاق معلوم ہو رہی ہے۔ اب خاندان والے بھی کوشاں ہیں کہ زید و ہندہ کی کوئی ازدواجی صورت پیدا ہو جائے۔ لیکن زید و ہندہ اس کے لئے تیار نہیں کہ ہندہ دوسرے سے عقد کرے اور زوج ثانی اس سے صحبت صحیحہ کرے اور شوہر ثانی کے طلاق کے بعد زید کے عقد میں آئے۔ جب تک زید کے خاندان والے زید و ہندہ کی وابستگی کی صورت پیدا کرنے میں کوشاں ہیں دونوں امید و بیم کی صورت میں خاموش ہیں لیکن قطعی ناامیدی کی صورت میں مفاسد و حوادث کے خطرات ہیں۔ مثلاً یہ کہ دونو

پہلے کی طرح بصورت حرام یکجا ہوجائیں یا دونوں میں سے کوئی از تکاب خودکشی کر بیٹھے وغیرہ۔ پس کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ ہندہ کا نکاح کسی اور شخص سے اس صورت سے ہوجائے کہ شخص مذکور بغیر صحبتِ صحیحہ ہندہ کو طلاق دیدے اور پھر ہندہ کا نکاح شوہرِ اول سے درست ہوجائے۔ یا زوجِ ثانی کی ہندہ سے صحبتِ صحیحہ لازمی ہے۔ اگر حنفی مذہب میں صحبتِ صحیحہ لازمی ہو تو کیا ایسی صورت میں کسی غیر مذہب کے مسئلہ پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم کے مجموعہ فتاوی جلد اول ص ۳۴۹ مطبوعہ یوسفی پریس فرنگی محل میں ایک فتویٰ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفریق میں مفاسد کا خوف ہو تو حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے اور صحیح ہے تو اس کی کیا صورت ہے غیر مقلدین صحبتِ واحدہ میں ایک سے زائد طلاق کو ایک ہی شمار کرتے ہیں اور زید نے دو صحبتوں میں کئی بار ہندہ کو طلاق دی ہے۔ تو کیا بحالتِ مذکورہ حنفی غیر مقلدین کے مسئلہ پر عمل کرسکتا ہے۔ بہر حالت زید و ہندہ کی مکرر وابستگی کی آسان سے آسان تر جو صورتیں ممکن ہوں ان سے مطلع فرماکر دونوں کو حوادث و مفاسد سے بچائیں۔

المستفتی نمبر ۱۶۱۹ جناب قمرالدین صاحب (بنارس)

۱۲ جمادی الاول سنہ ۱۳۵۶ھ م ۲۱ جولائی سنہ ۱۹۳۷ء

(۳۰۷) **جواب** تین طلاقیں ایک مجلس میں یا دو مجلسوں میں دینے سے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چاروں مذہبوں میں طلاق مغلظہ واقع ہوجاتی ہے اور اس کے بعد بغیر حلالہ کے زوجہ زوجِ اوّل کے لئے حلال نہیں ہوتی۔ حلالہ میں زوجِ ثانی کا صحبت کرنا شرط ہے۔ ہاں صحبت میں صرف دخولِ حشفہ کافی ہے۔ انزال شرط نہیں۔ مولانا عبدالحی رحؒ نے فتاویٰ میں ضرورت کے وقت مذہبِ شافعی پر عمل کرنے کو لکھا ہے۔ مگر اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ حلالہ لازم ہے۔

ہاں غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ ایک طلاق ہوئی اور حلالہ شرط نہیں۔ بغیر حلالہ تجدید نکاح کافی ہے۔ ہم حنفی تو اس مذہب کو صحیح نہیں سمجھتے اس لئے اس پر فتویٰ نہیں دے سکتے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید بحالتِ غصہ اپنی بیوی ہندہ کو روبرو ایک لڑکا قریب البلوغ کے کہا کہ میری بیوی کے والدین کو خبر کرو کہ ہم اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دیدیں گے وہ اپنی لڑکی کو اپنے گھرلے جائیں۔ لڑکے نے جانے سے انکار کیا۔ بس زید محلہ میں بخانۂ دیگر شخص پہنچ کر اہل خانہ سے یوں بیان کیا کہ میں اپنی بیوی ہندہ کو ایک طلاق دو طلاق تین طلاق چار طلاق بلکہ اس کے ساتھ بائنہ لفظ کہا گیا ہے۔ جبکہ خبر طلاق دینے کی زید کے محلّہ میں منتشر ہوئی تو زید کے ولی نے اس کے استاد کو بلایا اور کہا کہ زید سے ایسی خطا ظاہر ہوئی ہے۔ اُستاد نے بعد دریافت حالات طلاق زید سے پوچھا کہ تمہاری نیت طلاق سے کیا ہے۔ زید نے جواب دیا کہ میری نیت چھوڑنے کی نہیں ہے۔ استاد صاحب نے زید و ولی زید کو یہ ہدایت کی کہ کسی مفتی سے فتویٰ لے کر عمل درآمد کرو مگر ولی زید و خود زید نے استاد کے کہنے پر عمل نہ کرتے ہوئے از روئے حدیث خلاصۃ الفکر جس میں حوالہ شرح وقایہ کا درج ہے اس کی رو سے نکاح کی تجدید ہندہ سے کیا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۷۱۰ محمد ابراہیم صاحب (ضلع پورنیہ) ۲۲ رجمادی الثانی ۱۳۵۶ھ

م ۳۱ راگست ۱۹۳۷ء

(۳۳۸) **جواب** - جبکہ زید نے اپنی بیوی کو بلفظ طلاق صریح چار طلاقیں دیدی ہیں تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظ واقع ہوگئی ہے اور اس کے لئے تجدیدِ نکاح جائز نہیں تھی۔ وہ عورت زید کے لئے حرام ہوگئی اور جب تک کسی دوسرے زوج کے ساتھ نکاح ہوکر بعد وطی اس کے نکاح سے باہر نہ نکلے زید کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

کیا ایک وقت میں تین طلاقیں دینے سے طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں اور تین طلاق نوری کے بعد پہلا خاوند اپنی ایسی مطلقہ ثلاثہ بیوی سے رجوع کرسکتا ہے یا نہیں؟

کتاب اسرارِ شریعت جلد دوم مولفہ مولوی محمد فضل خاں ڈاکخانہ جنگا بنگیال ضلع راولپنڈی صفحہ ۱۹۳ لغایت ۲۲۰ ظاہر کیا گیا ہے کہ تین طلاقیں دفعۃً واحدۃً دی جائیں تو ایک طلاق واقع

ہوتی ہے۔ اور ایک دفعہ تین طلاقیں دینا خدا و رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اور طلاق میں عدت کا رکھنا واجب ٹھہرایا ہے۔ طلاق میں عدت نہ رکھنا ناقص اور امر الٰہی کے مخالف ہے۔ اور ایسی بات کامل نہیں ہوسکتی۔ نیز پارہ ۲۸ سورۂ طلاق کما قال اللہ تعالیٰ وَاَشْهِدُوا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ تک آیات نقل کرکے اور چند احادیث درج کرکے ثابت کیا ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دینی چاہیئے دوسرے طہر میں دوسری اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق یعنی ہر حیض کے بعد خاوند عورت کو طلاق دے اور جب تیسرا طہر یا مہینہ آوے خاوند کو ہوشیار ہو جانا چاہیئے کہ اب تیسرا طہر ہے۔ طلاق دے کر دائمی جدائی ہے یا تیسری طلاق سے رُک جائے اور اگر تیسری طلاق جو تیسرے حیض کے بعد ہوتی ہے دیدے تو اب وہ عورت اس کی عورت نہیں اور جب تک یہ خاوند نہ کرے تب تک پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں ہوسکتی۔ اس لئے تیسری طلاق سے پہلے بیوی اور خاوند آپس میں رجوع کرسکتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۷۹۹ زراعت اللہ بیگ (ضلع ملتان)

۱۷ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۳۳۹) **جواب** - یہ صحیح ہے کہ شریعت مقدسہ نے طلاق دینے کا جو طریقہ تعلیم کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے اور پھر دوسرے طہر سے پہلے دوسری طلاق نہ دی جائے۔ ممکن ہے کہ طہر اول کے بقیہ حصہ اور زمانہ حیض کے گزرنے تک میاں بیوی میں مصالحت کی صورت پیدا ہو جائے اور خاوند رجوع کرلے۔ لیکن اس مدت تک صلح صفائی نہ ہوسکے اور طلاق دینے پر ہی خاوند آمادہ رہے تو دوسرے میں ایک طلاق (جو دوسری ہوگی) دی جائے۔ اور پھر بقیہ طہر اور زمانہ حیض تک خاوند خاموش رہے۔ اگر اس زمانے میں صلح صفائی کی صورت نکلے تو رجوع کرے۔ لیکن اگر اس مدت میں بھی صفائی نہ ہوسکے اور خاوند بالکل قطع تعلق کا ہی ارادہ کرے تو تیسرے طہر میں تیسری طلاق دیدے۔ اس کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا اور عورت اس مرد پر قطعی حرام ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ تو خدا اور رسول کا تعلیم فرمودہ اور ہمارے لئے مفید اور بہت سے مصالح پر مبنی تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص... شامت اعمال سے اس پر عمل نہ کرے اور ایک دفعہ ہی ایک ہی مجلس میں یا ایک لفظ سے

تین طلاقیں دیدے تو جمہور فقہاء و محدثین اور ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ، امام مالکؒ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں اور عورت قطعی حرام ہو جاتی ہے اور یہ شخص طریقۂ شرعیہ کے خلاف طلاق دینے کا گنہگار بھی ہوتا ہے یہ سب کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں ایک طہر میں یا ایک لفظ سے تین طلاقیں دیدے تو پڑ گئیں تینوں ایک نہ ہوگی۔ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کا یہ مطلب ہو کہ ایک مجلس کی یا ایک طہر کی یا ایک لفظ کی تین طلاقیں دی جائیں تو ایک طلاق ہوگی۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیدیں تو انھوں نے فرمایا کہ تین طلاقیں پڑ کر وہ بائنہ (مغلظہ) ہوگئی اور ۹۹۷ بیکار گئیں۔ کتاب اسرارِ شریعت سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں ایک طلاق ہوگی یہ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین کے مذہب کے خلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) ایک شخص کی اپنی منکوحہ عورت کے ساتھ لڑائی ہوئی۔ عورت منکوحہ نے اپنے مرد کو ایسے سخت کلمے کہے کہ مرد برداشت نہ کر سکا غصہ کا غلبہ زیادہ ہوا۔ اس وقت مرد نے اپنے تایا زاد بھائی سے کہا کہ اس میری عورت کو گھر سے نکال دو۔ تایا زاد بھائی نے کہا کہ تم باہر جاؤ میں اس عورت کو سمجھاؤں گا اور کل گاڑی کرایہ کر کے اس کو اس کے باپ کے گھر بھیج دوں گا۔ مرد نے اس بات کو بھائی سے کئی مرتبہ کہا کہ اس عورت کو گھر سے نکال دو میں نہیں مانوں گا۔ آخر بھائی نے بھائی کو سمجھایا کہ تم باہر جاؤ میں ٹھیک کر دوں گا۔ اس پر مرد مذکور برائے نماز بوقت عشا چلا گیا اور نماز عشا سے فارغ ہو کر آیا اور اپنے بھائی سے کہا تم نے اس عورت کو نکالا نہیں۔ انھوں نے پھر سمجھانے کی بات کہی مذکور عورت کا مرد غصہ سے بھرا ہوا باہر چلا گیا اور اپنی برادری کے تین آدمیوں کو بلا کر لایا۔ اپنی بیٹھک میں جہاں سے عورت کا رہنا فاصلہ پر تھا اور بیٹھک میں اپنے بھائی کو بھی بلا لیا۔ وہاں بیٹھ کر مرد نے اپنی برادری کے لوگوں کے سامنے یہ کہا کہ میری عورت مجھ کو بہت زیادہ تکلیف دیتی ہے اور بہت تنگ کرتی ہے۔ میں آپ لوگوں کے سامنے ایک دو تین طلاق دیتا ہوں۔ زمین پر

لکھ دیتا رہا جب تین لکیر ہو چکی اس وقت ایک دفعہ لفظ طلاق کہہ دیا۔ مرد کے منہ سے طلاق کی آواز مذکورہ عورت نے اپنے کان سے نہیں سنی۔ اس عورت کو اور مخلوق سے معلوم ہوا کہ تیرے خاوند نے تجھ کو رات کے وقت طلاق دے دی ہے۔ مندرجہ بالا تحریر کے بموجب طلاق پڑ گئی یا نہیں اور ان دونوں مرد عورت میں کوئی صورت نکاح کی نکل سکتی ہے یا نہیں۔ (۲) نمبر ایک سوال کے بموجب اگر طلاق پڑ گئی تو مرد کے اوپر گناہ تو لازم نہیں آتا اور اگر گناہ لازم آیا تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

المستفتی نمبر ۱۹۷۱ نیاز محمد خاں (روہتک) ۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(۳۴۰) **جواب** ۔ (۱) اس صورت میں عورت پر طلاق پڑ گئی اور طلاق مغلظہ پڑی۔ اب بدون حلالہ کوئی صورت ان کے اجتماع کی نہیں ہے۔ (۲) دفعۃً تین طلاق دے دینا خلافِ شریعت فعل ہے اس کا گناہ ہوا مگر طلاقیں پڑ گئیں اور اس گناہ کا کفارہ توبہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک مرد کا اپنی عورت سے جھگڑا ہوا۔ غصہ کی حالت میں مرد نے عورت کو کہہ دیا تم پر طلاق، طلاق، طلاق۔ ایسا تین دفعہ کہہ دیا۔ مگر طلاق دینے وقت بائن نہیں کہا تھا۔ اور پہلے سے اس مرد کا اپنی عورت کو طلاق دینے کا مطلب نہیں تھا۔ آیا طلاق ہوا کہ نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۹۲ محمد علی حسن (آسام) ۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(۳۴۱) **جواب** ۔ طلاق بائن کا لفظ کہا یا نہیں طلاق ہو گئی اور تین دفعہ طلاق کہنے سے مغلظہ ہو گئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید ہندہ را سہ طلاق داد بعد انقضائے عدت زید با ہندہ زنا نمود بعد ازاں خالد ہندۂ مزنیہ را نکاح کرد و اندریں نکاح موقوف خالد با ہندہ وطی حرام نمود بعد وطی

(ترجمہ) زید نے ہندہ کو طلاقِ مغلظہ دی اور عدت گذرنے کے بعد زید نے ہندہ سے زنا کیا۔ پھر خالد نے ہندۂ مزنیہ سے نکاح کیا۔ اور اس نکاح موقوف کے اندر

ہندہ وضع حمل نمود اندریں صورت باز زید ہندہ را نکاح کردن تواند یا نہ بر تقدیر اول "الوطی فی النکاح الموقوف کالوطی فی النکاح الفاسد" چہ معنی دارد حالانکہ در نکاح فاسد وطی محلل نشود۔

المستفتی نمبر ۱۹۹۴ شیخ احمد صاحب (نواکھالی)

۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(۳۴۲) **جواب** ۔ مطلقہ بعد عدت اجنبیہ محضہ شد و زید کہ باو وطی کرد این زنا واقع شد و نکاح مزنیہ صحیح است پس نکاح خالد صحیح شد و وطی اگرچہ بسبب حمل زنا حرام بود اما برائے تحلیل کافی باشد۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

دہلی

خالد نے ہندہ کے ساتھ وطی حرام کی۔ بعد وطی ہندہ نے وضع حمل کیا اس صورت میں زید اور ہندہ کا نکاح کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بر تقدیر اول الوطی فی النکاح الموقوف کالوطی فی النکاح الفاسد کا کیا مطلب ہوگا؟ حالانکہ نکاح فاسد میں وطی محلل نہیں ہوتی۔

(ترجمہ) مطلقہ عدت گزرنے کے بعد زید کے لئے محض اجنبی عورت ہوگئی اور زید نے جو اس کے ساتھ صحبت کی یہ خالص زنا ہوا۔ اور مزنیہ کا نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔ پس خالد کا نکاح صحیح ہوگیا۔ اور خالد کا اس کے ساتھ صحبت کرنا اگرچہ حاملہ من الزنا ہونے کی وجہ سے حرام تھا لیکن حلالہ ہوجانے کے لئے کافی ہے۔

سوال

اگر خاوند کی طرف سے حسب ذیل الفاظ کہ "سواب تحریری ہر سہ طلاق ایک دو تین ہیں۔ آج سے باہمی کوئی واسطہ نہ رہا" تحریر ہوں تو کیا مذکورۂ بالا الفاظ کی رُو سے عورت کو طلاق ہے۔ المستفتی نمبر ۱۹۹۶ احمد نواز شاہ صاحب (ڈیرہ غازی خاں)

۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(۳۴۳) **جواب** ۔ اگر یہ طلاقنامہ مسٹر شاہ نواز شاہ کا لکھا ہوا ہے یا لکھوایا ہوا ہے تو طلاق مغلظہ اس تحریر سے واقع ہوگئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) ہندہ پہلے بیوہ تھی اور اس درمیان میں اس نے زید سے ناجائز تعلق کرکے حمل

ہو گئی۔ چھ ماہ گزرنے پر زید نے حمل پوشیدہ کرنے کی غرض سے ہندہ سے عقد کر لیا نکاح صحیح ہوا یا غلط ؟

(۲) کچھ دنوں تک ہندہ زید کے شامل اطمینان سے رہی بعد اس کے زید کے خلاف ہوئی اور ہمیشہ اس کی نافرمانی کرنے لگی جو کہ بالکل خدا و رسول کے خلاف باتیں تھیں حالانکہ بستی والے بھی اس کی بدزبانی و نالائقی پر رنج خاطر تھے بلکہ ہندہ نے خدا اور رسول کی قسم دے کر زید کو طلاق دینے پر مجبور کر لیا۔ زید نے مجبور ہو کر ہندہ کو ایک جلسہ میں تین طلاق دے دیا۔ طلاق دینے کے بعد معلوم ہوا کہ ہندہ دو ماہ کے حمل سے تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ طلاق صحیح ہوا یا غلط۔ اب زید اگر پھر دوبارہ اس سے عقد کرنا چاہے تو اس کی صورت کیا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۰۱۴ محمد فصیح الدین صاحب (ہزاری باغ)

۹ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۴۴۳) **جواب** - اگر ہندہ بیوگی کی عدت گزار چکی تھی اور اس کے بعد زید کے ساتھ ناجائز تعلق ہوا اور زنا سے حاملہ ہوئی اور پھر زید نے نکاح کر لیا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا کیونکہ حاملہ من الزنا کا نکاح درست ہے اور حمل کی حالت میں طلاق بھی پڑ جاتی ہے۔ زید نے اگر تین طلاقیں دیدیں تو ہندہ کے حاملہ ہو جانے کے باوجود وہ تینوں طلاقیں پڑ گئیں اور اب بدون حلالہ کے زید کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

میرا بڑا لڑکا جاہل صرف اردو کی دو تین کتابیں مدرسہ کا پڑھا ہوا ہے اور چودہ سال کی عمر سے بمقام کراچی ریلوے کارخانہ میں ملازم ہے جس کو عرصہ بائیس سال کے قریب ہو گیا ہے۔ گویا عرصہ بائیس سال سے کارخانہ میں جاہلوں کی صحبت میں رہ رہ کر اور زیادہ جاہل اور بے تمیز سا ہو گیا ہے۔ شرع اور مسئلہ وغیرہ کے نتائج سے بالکل بے خبر ہے۔ وہ سال بھر میں ایک مرتبہ چھٹی لے کر مکان پر ایک مہینہ کے واسطے آتا ہے۔ اس کی شادی اس کی پھوپی کی لڑکی سے ہوئی ہے۔ اب سے پہلی مرتبہ جو وہ مکان پر آیا تھا تو وہ اپنی اہلیہ سے کہہ گیا تھا کہ تو اپنے بھائی کے مکان پر نہ جانا لیکن اس کے بعد وہ ایک مرتبہ امر ضروری کی

وجہ سے مجھ سے یعنی اپنے خسر سے دریافت کر کے چلی گئی اور تین چار روز رہ کر واپس چلی آئی اس کے ایک لڑکی ہے جس کی عمر پانچ سال کی ہے اور اب جو وہ دس روز کی چھٹی لے کر مکان پر آیا تو اس کی لڑکی نے کہا کہ بابو آیا تو ماموں کے یہاں گئی تھی۔ اس نے اپنی اہلیہ سے دریافت کیا۔ اُس نے جانے سے انکار کیا جس پر اس نے کہا کہ اچھا قسم کھاؤ کہ میرا بھائی مرے جو میں گئی ہوں۔ اس نے اس طرح قسم کھانے سے بھی انکار کیا۔ اس پر اس کی ضد بڑھتی چلی گئی۔ نتیجہ یہاں تک پہنچا کہ اس نے غصہ میں اس کو دو عورتوں کے مواجہہ میں جس میں سے ایک عورت تو کوٹھے میں اس کے پاس تھی اور دوسری باہر صحن میں موجود تھی طلاق تین چار مرتبہ دے دی لیکن طلاق کے نتیجہ سے پورے طور پر واقف نہ ہو کر اور یہ سمجھ کر کہ یہ بھی ایک قسم کی گالی اور دھمکی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر ایک ہو جائیں گے۔ لیکن جب اس کو طلاق کا نتیجہ اصلی طور پر معلوم ہوا تب وہ بہت شرمندہ ہوا اور صبح کو روتا ہوا اپنی ملازمت پر چلا گیا تو اس قسم کی طلاق کا کیا حکم ہے وہ پھر اس کی بیوی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۲۷ منشی اصغر حسین (مظفر نگر) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(۳۴۵) **جواب**۔ طلاق اگر لفظ طلاق کے ساتھ دی ہے جب تو طلاق مغلظہ ہو گئی اور اگر الفاظ کچھ اور استعمال کیے ہوں مثلاً فارغخطی یا اس کے مثل تو وہ الفاظ بتا کر حکم دریافت کیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید اپنی رخصت ختم کر کے باہر اپنی ملازمت پر جا رہا تھا۔ چند امور خانگی کی وجہ سے زید کی بیوی یہ کہہ گزری کہ میں آپ کے ساتھ نہیں جاتی۔ اس پر زید نے غصہ میں آکر کہا کہ اگر تم میرے ساتھ نہیں چلتیں تو میں نے تم کو طلاق دے دی۔ ایکدم تین مرتبہ کہہ دیا۔ درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہوا اور زید اپنی ملازمت پر چلا گیا۔ آیا اس کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۹۳ ماسٹر محمد اللہ صاحب (گوجرانوالہ) ۳ شوال ۱۳۵۶ھ م ۷ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۳۴۶) **جواب**۔ اگر خاوند کے الفاظ یہی تھے کہ میں نے تم کو طلاق دے دی تو اس صورت میں خاوند اگر اقرار کرے کہ تین طلاقیں دینی مقصود تھیں تو طلاقِ مغلظہ ہوئی اور اگر وہ اقرار نہ کرے

تو ایک طلاقِ رجعی ہوئی ہے عدت کے اندر رجعت ہوسکتی ہے۔ فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

میاں بیوی میں جھگڑا ہوگیا۔ بی بی کہنے لگی کہ ہم کو سواری منگا دو تاکہ ہم میکے چلے جاویں اور اس گھر میں برابر تکرار ہوتا ہے۔ اس پر میاں نے کہا کہ جاؤ تم کو تین طلاق شوہر کی نیت طلاق کی نہ تھی۔ محض ڈرانے اور تادیب کے خیال سے کہا تھا اور نیت فقط ایک ہی کی تھی اور لفظ تین صرف مضبوطی کے لئے کہا تھا اس پر کیا حکم مرتب ہوتا ہے۔

المستفتی ۲۱۵۷ لطافت حسین (ضلع پورنیہ) ۲۷ شوال ۱۳۵۶ھ م ۳۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۳۴۷) **جواب** ۔ عورت پر تین طلاقیں پڑ گئیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے شراب کے نشہ میں اپنے ماموں کے دھمکانے پر قاضی کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ بیوی کا کوئی قصور نہیں نہ بیوی بدچلن ہے بلکہ زید اپنی نوکری پر گیا ہوا تھا تو زید کا ماموں اور زید کا باپ زید کی بیوی کو میکے سے لینے گئے۔ زید کے سسر سے کچھ جھگڑا زید کے ماموں اور باپ کا ہوگیا تو ماموں نے یہ کہا کہ ہم تمہاری لڑکی کو طلاق دلوادینگے۔ جب زید اپنی نوکری پر سے چھٹی لے کر مکان گیا تو زید کے ماموں نے زور دیا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو ورنہ میں تم کو گولی سے ماردوں گا اس پر قاضی کو بلواکر اور زید کے والد وغیرہ کو بلواکر طلاق دلوادی۔ اب زید اور اس کی بیوی بہت پریشان ہیں اور شرعی مسئلہ چاہتے ہیں کہ یہ طلاق ہوگئی یا نہیں۔ اگر طلاق ہوگئی تو پھر نکاح کس صورت سے ہوسکتا ہے اور بحالت مجبوری شرع کیا اجازت دیتی ہے؟ المستفتی ۲۲۱۸ ارتضا علی کانسٹبل (دہرہ دون)

۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء

(۳۴۸) **جواب** ۔ طلاق تو ہوگئی اور اگر تین طلاقیں دی ہیں تو اب بدون حلالہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔ اگر تین طلاقیں نہ دی ہوں تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) کسی نے اپنی زوجہ کو گزشتہ سال تین طلاق بائن دے دیا تھا۔ پھر اسی مطلقہ عورت کو اپنے مکان میں رکھا مابین زوج و زوجہ کے دستور کے مطابق سب کچھ ہوا۔ الغرض اس کی تحلیل جائز ہوگی یا نہیں۔ اگر تحلیل جائز ہے تو تحلیل سے قبل مذکورہ عورت کو عدت کرنی ہو گی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۶۴ محمد عبدالوہاب صاحب (رام پور)
۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

(۳۴۹) **جواب** جس عورت کو تین طلاقیں دیدی گئیں اس کو اپنے پاس رکھنا اور زوجین کی طرح تعلقات قائم کرنا حرام ہے اس کو فوراً علیحدہ کرنا چاہیئے اور بعد عدت کے وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ صحبت کرنے کے بعد طلاق دیدے اور اس کی عدت بھی گزر جائے جب زوج اول کے ساتھ نکاح ہو سکے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق بیک وقت دیدی جس کو ۶۔ ۷ ماہ کا عرصہ گزر رہا ہے طلاق دینے کے بعد سے اب تک وہ عورت اپنے والدین کے گھر نہیں گئی بلکہ اپنے شوہر ہی کے گھر اس امید پر رہی کہ قرآن و حدیث کی رو سے تین طلاق واقع ہو جانے کے بعد جو صورت حلالہ ہونے کی ہو وہ کرکے پھر پہلے ہی شوہر کے ساتھ دوبارہ نکاح ہو تاکہ اپنے پہلے ہی شوہر کے ساتھ رہ کر زندگی بسر کرے مگر اس عورت کا پہلا شوہر (جس نے طلاق دے دیا ہے) کسی صورت سے راضی اور خوش نہیں ہوتا ہے کہ میرا نکاح پہلی بی بی سے دوبارہ ہو۔ ایسی حالت میں مرد و عورت کے لئے جو بہتر طریقہ ہو تحریر فرمائیں۔ (۲) اس عورت کی گود میں دو سال کی لڑکی بھی ہے۔ (۳) جس بستی کا یہ واقعہ ہے وہاں کے کچھ آدمیوں کی رائے ہے کہ جس صورت سے ممکن ہو یہ عورت پہلے ہی مرد کے پاس رہے مگر مرد اس کے بالکل خلاف ہے۔ (۴) جس مرد نے طلاق دی ہے اس کے باپ اور بڑے بھائی (جو گھر کے مالک و مختار ہیں) کا بھی ارادہ ہے کہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کرکے اپنے گھر میں رکھو مگر مرد کسی کے کہنے سے راضی نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے مرد کو بستی کے کچھ لوگ اور اس کے باپ بھائی دھمکی

دے رہے ہیں، کہ دوبارہ نکاح ضرور کرو۔ لہٰذا ایسی صورت میں مرد کی رضامندی کا خیال کیا جاوے یا عورت کی ؟ (۵) غالب گمان ہے کہ مرد کسی صورت سے دوبارہ نکاح کرنے کے لئے راضی نہیں ہوا تو بستی کے کچھ لوگ اور عورت دین مہر کے لئے مطالبہ کریں گے۔ ایسی صورت میں مرد کو کیا کرنا ہوگا ؟ المستفتی نمبر ۲۳۰۴ محمد شہیم الدین صاحب (ضلع ساون)

۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۹ جون ۱۹۳۸ء

(۳۵۰) **جواب**۔ جبکہ خاوند نے تین طلاقیں دے دی ہیں تو عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی ہے اور خاوند کے ذمہ عورت کا مہر واجب الادا ہوگیا وہ اپنا مہر وصول کر سکتی ہے۔

حلالہ کے بعد اس شوہر سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر شوہر دوبارہ نکاح کرنے پر راضی نہیں ہے تو اس کو مجبور کرنا بھی صحیح نہیں اور بدون حلالہ اس شوہر سے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہی نہیں۔ حلالہ کی جائز صورت کسی مقامی عالم سے دریافت کرلیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید نے عرصہ ایک ماہ کا ہوا ہندہ کو طلاق طلاق طلاق تین بار لکھ کر طلاقنامہ دیا ازاں بعد اپنے کیے پر ندامت آئی اور اب پھر دوبارہ ہندہ کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے تو ازروئے شرع شریف بتلایا جائے کہ کس صورت سے ہندہ اس کے نکاح میں آسکتی ہے۔ حلالہ یا بغیر حلالہ ایک دوسرے شخص عمر نے اپنی عورت کو عرصہ گیارہ سال ہوئے طلاق دی طلاق نامہ مروجہ لکھ کر دیا جو عموماً تین طلاق ہی کا ہوتا ہے۔ اس طلاق نامہ کی نقل دستیاب نہیں ہوئی۔ اب عمر مذکور اپنی سابقہ عورت کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے اس کے لئے بھی ازروئے شرع شریف کیا حکم ہے ؟ المستفتی حکیم عبدالکریم فاضل الطب والجراحت

(۳۵۱) **جواب**۔ دونوں صورتوں میں جبکہ تین طلاقیں دی گئی ہیں تو عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی اور اب وہ اپنے شوہروں کے نکاح میں بدون حلالہ کے نہیں آسکتیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص مسمی امداد حسین نے حالتِ غضب میں بہ ثباتِ عقل و ہوش برسرِ مجلس اپنے سسر کی طرف جو اس وقت مجلس میں موجود تھا اشارہ کرکے کہا کہ میں نے اس بڈھے کی بیٹی کو دو طلاق دیا۔ گھر کے باہر سے ایک شخص مسمی عبدالمطلب نے اس کو کہا کہ تو نے یہ کیا کیا۔ امداد حسین نے اس کو کہا کہ عورت کی حرکاتِ ناشائستہ سے میرا پیٹ بالکل جل گیا ہے۔ پھر اپنے سسر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس بڈھے کی بیٹی عائشہ خاتون کو میں نے ثلثہ دو طلاق دے دیا ہے اب عرض خدمت میں یہ ہے کہ مذکورہ بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوں گی یا دو طلاق اور جملہ اس بڈھا کی بیٹی عائشہ خاتون کو میں نے ثلثہ دو طلاق دے دیا کا کیا معنی ہوگا۔ ہم لوگ عجب حیرت میں پڑے ہیں کہ ثلثہ دو طلاق کس قسم کی طلاق ہے از روئے مہربانی تحقیق جواب ارقام فرمائیں اور آدمی جاہل ہے کہتا ہے کہ میں ثلثہ کے معنی نہیں جانتا میری نیت دو طلاق کی تھی اس کا یہ قول شرعاً قابلِ اعتبار ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۸۵ مولوی حکیم قاری منیر الدین صاحب (بربا)
۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م یکم اگست ۱۹۳۷ء

(۳۵۲) **جواب**۔ اگر وہ ثلثہ کے معنی نہیں جانتا تھا (اس پر اس سے حلف لیا جائے) تو اس کی بیوی پر دو طلاقیں پڑیں۔ اگر وہ جانتا تھا کہ ثلثہ کے معنی تین ہیں تو تین طلاقیں پڑیں۔ اس صورت میں نیت کا اعتبار نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

عرصہ پانچ سال کا ہوا کہ مسماۃ بکھان کا نکاح مراد کے ساتھ ہوا۔ لیکن صرف چار مہینے بکھان اپنے مالک کے گھر رہی اور بعد میں مناقشہ دلی رنجش مابین زن و مرد ہوئی بکھان چار مہینے کے بعد اب تک اپنے میکے رہتی تھی اور بکھان کا لڑکا بھی میکے میں پیدا ہوا۔ رنجش کی کیفیت اور واردات مندرجہ ذیل ہے۔ اس عرصہ میں سال میں دو تین دفعہ بکثرت آدمی شریف وغیر شریف مراد کے گھر جاکر صلح کرانے کی غرض سے گفتگو چھیڑا کرتے تھے لیکن مراد حاضرینِ مجلس (صلح کرانے والوں) کو یہی جواب دیتا کہ میں نے بکھان کو طلاق دی طلاق دی طلاق دی اور وہ مجھ پر حرام حرام حرام اب بکھان کے والدین و دیگر رشتہ داروں نے سوچا کہ اس کو ہمیشہ گھر بٹھایا جائے یا

نکاح کیا جائے - اب آپ مطلع فرمائیں کہ بکھان مطلقہ سمجھی جائے یا وہ اپنے مالک مراد کے گھر آباد ہو سکتی ہے - اس وقت یہ تحریر خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر لکھی گئی ہے اس میں فرق نہیں ہے - نشانی انگوٹھہ حسب ذیل ہے -

انگوٹھا (۱) میاں احمد گوپیرا سکنہ چک نمبر 670/11.L انگوٹھا (۲) مہر لال گوپیرا سکنہ چک نمبر 670/11.L

انگوٹھا (۳) مہر محمد گوپیرا سکنہ چک نمبر 670/11.L مہر (۴) رمضان گوپیرا چک نمبر 670/11.L وغیرہ

اس کے علاوہ اور بھی بکثرت آدمی تھے جن میں چند ضروری اور شریف لوگوں کے حلفیہ انگوٹھے لگوائے گئے تاکہ جناب کو تسلی ہو - المستفتی ۲۵۳۴ سید ظہور الحسن شاہ صاحب (ضلع لائل پور) ۲۹ رجمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۱۷ اگست ۱۹۳۹ء

(۳۵۳) **جواب** - اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے چکا ہے تو اس صورت میں اس کی بیوی عدت کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(۱) مسماۃ حلیماً زوجہ اللہ بخش دوکاندار روٹی اسٹیشن جاکھل نے بوقت لڑائی اپنی بیوی کو کہا کہ یا تو تو باز آجا ورنہ میں تجھے طلاق دے دوں گا اور یہی الفاظ اس سے پہلے کئی مرتبہ کہے اور اس کے بعد مجلس عام میں چار یا پانچ دفعہ کہا - طلاق طلاق -

اور کہا کہ اب سے میری طرف سے تو طلاق ہے اور سب مجمع کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ بس میں نے تو طلاق دے دی ہے اس نے ساتھ میں یہ بھی قرآن شریف کی قسم کھا کر کہا کہ اگر اب اس پر ازار بند کھولوں تو اپنی ماں اور بہن پر کھولوں اور یہ لفظ بھی بعد اس موقع کے قسم کے ساتھ کئی مرتبہ دہرائے گئے تو ان کا نکاح قائم رہا یا طلاق ہو چکی ہے -

(۲) اللہ بخش خاوند مسماۃ حلیماً روٹی کی دوکان کرتا ہے اور مسماۃ حلیماً بھی دوسری روٹی کی دوکان کرتی ہے - مسماۃ حلیماً کی دوکان بستی میں ہے اور اللہ بخش کی دوکان ریلوے حدود میں ہے - اس حالت میں جبکہ ان کی طلاق ہو گئی ہو اور ان کا آنا جانا یا بولنا چالنا یا کسی قسم کی ایک دوسرے کی امداد یا کھانا پینا باقی رہے تو اس معاملہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے کہ

ان کا یہ معاملہ قائم رہنا چاہیئے یا نہیں اور نہیں تو کیا عام مسلمان ان کی دوکان پر کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں۔ باقی ان کا باہمی جھگڑا کبھی کبھی پہلے بھی ہوتا رہا ہے اور اللہ بخش خاوند علیمایہ کہتا رہا کہ تو باز آجا ورنہ میں تجھے طلاق دے دوں گا۔

(۳) اگر ان کی طلاق ہو چکی ہو تو ان کا دوبارہ نکاح کس صورت میں ہو سکتا ہے ؟

(۴) اگر اللہ بخش کے پاس زر مہر شرع محمدی یکمشت دینے کی ہمت نہ ہو تو کیا وہ اس کو قسط کے ساتھ ادا کر سکتا ہے ؟

(۵) اور کیا وہ اس سے زرِ مہر ادا کرنے تک کے عرصہ میں کوئی کسی قسم کا تعلق مثلاً بولنا چالنا یا کسی قسم کی امداد یا آنا جانا یا طرفین میں ایک دوسرے کی کھانے کی اشیا استعمال کرنا قائم رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۶۰۲ لطیف احمد خاں (حصار)

۹ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ م ۱۸ مئی ۱۹۴۰ء

(۳۵۴) **جواب** - (۱) ان الفاظ سے کہ تو باز آجا ورنہ میں تجھے طلاق دے دوں گا طلاق نہیں ہوتی خواہ کتنے ہی مرتبہ کہے گئے ہوں۔ مگر جب اس نے اس کے بعد یہ لفظ طلاق طلاق طلاق اپنی بیوی کو کہے اور یہ بھی کہا کہ اب سے میری طرف سے تو طلاق ہے اور یہ بھی کہا کہ اگر اب میں اس پر کمر بند کھولوں تو اپنی ماں اور بہن پر کھولوں تو اس کی زوجہ پر اس کی طرف سے طلاق ہو گئی اور چونکہ تین مرتبہ سے زیادہ اس نے یہ الفاظ استعمال کیے اس لئے طلاق مغلظہ ہو گئی اور وہ اس کے لئے حرام ہو گئی۔

(۲) ان دونوں کا نکاح باقی نہیں رہا اور اب ان دونوں میں تعلقاتِ زوجیت قائم نہیں رہ سکتے۔ اگر اب بھی یہ میاں بیوی کی طرح رہیں تو حرام کے مرتکب ہوں گے اور فاسق ہوں گے اور ان کے ساتھ مسلمانوں کو تعلقات قائم رکھنا بہتر نہ ہو گا۔

(۳) چونکہ طلاق مغلظہ ہو چکی ہے اس لئے اب بدون حلالہ ان کا دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔

(۴) زرِ مہر یکدم ادا کرنے کی وسعت نہ ہو تو قسط وار ادائیگی ہو سکتی ہے۔ دونوں آپس میں مفاہمت کر کے قسط کی مقدار مقرر کر لیں۔

(۵) بولنا چالنا - ایک کو دوسرے کی چیز کھالینا تو جائز ہے - میاں بیوی کے تعلقات اور ان کے درمیان بے تکلفی اور بے پردگی جائز نہیں - ایک غیر عورت کی طرح اس کو رہنا چاہئے -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

مسماۃ زینب دختر بوٹا ساکنہ کپورتھلہ پنجاب کا نکاح صغر سنی میں ضلع سیالکوٹ میں ہوا۔ اور بالغ ہو کر بھی کچھ عرصہ وہ اپنے خاوند کے ہمراہ آباد رہی - اس کو خاوند کی طرف سے سخت تکالیف دی گئیں بالآخر ایک روز اس کے خاوند نے اس کو زبانی طلاق دے دی۔ تین مرتبہ اور مثل ماں بہن اپنے اوپر حرام قرار دیا - اس کے بعد دیہاتی ملانوں سے دریافت کیا جو سند یافتہ نہیں تھے - انھوں نے کہا ساٹھ مسلمانوں کو کھانا کھلاؤ، ساٹھ تہبند دو اور ساٹھ لوٹے مسجد میں دو - چنانچہ اس نے ساٹھ مسلمانوں کو کھانا کھلادیا لیکن تہبند اور لوٹے نہ دیئے - چند ماہ بعد پھر مسماۃ مذکور اس کے گھر سے اپنے والدین کے گھر آگئی - عرصہ دو سال کا ہوا اسماۃ نے اپنے خاوند کو رجسٹرڈ نوٹس دیا کہ یا تو اس کو گزارہ دے یا گھر آباد کرے لیکن خاوند نہ اس کو گھر لے گیا اور نہ گزارہ دیا بلکہ آکر پھر دو آدمیوں کے روبرو زبانی طلاق تین مرتبہ دے دی - اور اب مسماۃ مذکورہ کا ارادہ نکاح ثانی کرنے کا ہے -

(۳۵۵) **جواب** - اگر سوال کا بیان کردہ واقعہ صحیح ہے تو پہلی ہی مرتبہ جبکہ خاوند نے تین طلاقیں دیدی تھیں منکوحہ اس پر حرام ہو گئی تھی اور جن ملانوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے اور ساٹھ تہبند دینے اور ساٹھ لوٹے مسجد میں رکھنے کا فتویٰ دیا تھا وہ فتویٰ غلط تھا - عورت کو پہلی ہی دفعہ کی تین طلاقوں کے بعد عدت پوری کرکے دوسرے شخص سے نکاح کر لینے کا حق تھا اور جب دوسری بار بھی وہ تین طلاقیں دے گیا تو اب شبہ کی کیا بات رہی -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنی عورت سلیمہ کو طلاق مغلظ دی تھی - پھر سلیمہ نے عدت کے ایام گزار کر عمرو سے حلالہ کر لیا - عمرو نے خلوتِ صحیحہ کے بعد سلیمہ کو طلاقِ مغلظ دیدی - لہٰذا سلیمہ نے عدت گزار کر

اپنے پہلے شوہر زید سے دوبارہ نکاح کر لیا۔ زید کو نکاح کے کچھ دن بعد پتہ چلا کہ عمرو نے خلوتِ صحیحہ کا موقع ملنے کے باوجود سلیمہ کو چھوا تک نہیں۔ وطی نہ کرنے کی وجہ ممکن ہے یہ بھی ہو کہ عمرو نامرد ہو۔ کیونکہ اس واقعہ کا پتہ زید کو سلیمہ سے نکاح کرنے کے بعد چلا ہے۔ اب فرمائیے کہ زید اور سلیمہ کا یہ نکاح از روئے شریعت صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کا تدارک اب کس طرح ہوگا؟ المستفتی عقیل احمد آباد محلہ سید واڑہ مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء

(۳۵۶) **جواب** ۔ سلیمہ کی بات کی تصدیق عمرو سے کرنی چاہیے۔ اگر وہ بھی وطی نہ کرنے کا اقرار کرے تو زید اور سلیمہ کو علیحدہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان کا یہ نکاح جائز نہیں ہوا۔ عمرو اگر وطی کرنے کا مدعی ہو تو اس کی بات صحیح ہوگی اور عورت کی بات معتبر نہ ہوگی۔ نکاح قائم رہے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

کیا سلیمہ کی بات کی تصدیق کرانا ضروری ہے۔ اگر دریافت کرنے کے باوجود عمرو بسبب شرم یا ادب خاموش ہے تو کیا کیا جائے؟ عقیل احمد آبادی

سلیمہ کی بات کی تصدیق کرانی ضروری ہے۔ عمرو اگر وطی سے انکار نہ کرے تو وہ اس کا اقرار سمجھا جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق ثلثہ دیا۔ بعدہٗ ہندہ مرتدہ ہو گئی اور کچھ عرصہ کے بعد تائب ہو کر مسلمان ہو گئی۔ اب زید اس سے بغیر حلالہ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۳۵۷) **جواب** ۔ ارتداد زوجۂ مطلقہ سے طلاقِ ثلاث کا حکم باطل نہیں ہوتا ضرورت تحلیل باقی رہتی ہے۔ فی الھندیۃ ص۲۷۵ ولو ارتدت المطلقۃ ثلاثا ولحقت بدار الحرب ثم استرقھا اوطلق زوجتہ الامۃ ثنتین ثم ملکھا ففی ھاتین لا یحل لہ الوطی الا بعد زوج اٰخر کذا فی النھر الفائق۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء)

زید حنفی المذہب نے اپنی بیوی ہندہ کو ایک مجلس میں بحالتِ غیظ و غضب و مرض میں بیک زبان تین طلاقیں دے دیں پھر پچھتایا اور نادم ہوا کہ گھر ویران اور بال بچے دربدر ہو جائیں گے۔ اشد ضرورت میں مفتی اہلِ حدیث سے فتویٰ طلب کیا۔ وہاں سے فتویٰ ملا کہ صرف ایک ہی طلاق ہوئی ہے۔ زید نے رجوع کر لیا۔ اس پر دوسرے علماء نے مفتی اہلِ حدیث پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور مقاطعہ کا حکم دیا اور مسجد میں آنے سے روک دیا۔ کیا یہ فعل جائز ہے؟ اور کیا ائمۂ متقدمین میں سے کوئی اس کا قائل تھا یا نہیں؟

(۳۵۸) **جواب**۔ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمۂ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ جمہور علماء اور ائمۂ اربعہ کے علاوہ بعض علماء اس کے قائل ضرور ہیں کہ ایک طلاق رجعی ہوتی ہے۔ اور یہ مذہب اہلِ حدیث نے بھی اختیار کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور طاؤس و عکرمہ و ابن اسحٰق سے منقول ہے پس کسی اہلِ حدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں۔ اور نہ وہ قابلِ مقاطعہ اور نہ مستحق اخراج عن المسجد ہے۔ ہاں حنفی کا اہلِ حدیث سے فتویٰ حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا تو باعتبار فتویٰ ناجائز تھا۔ لیکن اگر وہ بھی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس کا مرتکب ہوا ہو تو قابلِ درگزر ہے۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۶ء)

شرع شریف میں حلالہ کس کو کہتے ہیں؟ بعض علاقوں میں مروجہ حلالہ عمل میں لاتے ہیں کسی کے لئے حلالہ کرتے ہیں۔ بعض مفتی اس پر جواز کا فتویٰ دیتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو حدیث شریف لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہٗ کا کیا مطلب ہے؟

(۳۵۹) **جواب**۔ مطلقہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کر لے اور پھر اس سے طلاق یا موت زوج کی وجہ سے علیحدہ ہو کر پہلے زوجِ مطلِق کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔ اس کا نام حلالہ ہے لیکن زوج اول یا زوجہ یا اس کے کسی ولی کی طرف سے زوج ثانی سے یہ شرط کرنی کہ وہ

طلاق دیدے اور زوجِ ثانی کا اس شرط کو قبول کر کے نکاح کرنا یہ حرام ہے۔ اس میں فریقین پر لعنت کی گئی ہے۔ حدیث جو سوال میں مذکور ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ تحلیل کی شرط کر کے نکاح کرنا موجبِ لعنت ہے۔ محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہٗ

تیرھواں باب

طلاق بائن اور رجعی

سوال

زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے۔ اس کی بیوی نے جواب میں کہا۔ اچھا[1] یا اچھی[2] بات ہے۔ یا اچھا[3] مجھے طلاق دے دو یا اچھی[4] بات ہے میں طلاق لے لوں گی۔ شوہر خاموش ہو گیا۔ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۳۲۲ احمد مجتبیٰ گورنمنٹ اسکول۔ ایٹہ ۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ

۱۸ جون ۱۹۳۴ء

(۳۶۰) **جواب** - شوہر نے بیوی سے کہا کہ اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے۔ بیوی نے جواب میں کہا اچھا یا اچھی بات ہے یا اچھا مجھے طلاق دیدو یا اچھی بات ہے میں طلاق لے لونگی۔ ان چاروں صورتوں میں سے کوئی صورت واقع ہوئی ہو اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی پڑ گئی عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ

سوال

(۱) عورت دعویٰ کرتی ہے کہ میرے شوہر نے میرے سامنے تین طلاق دی ہیں اور شوہر انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے تین طلاق ہرگز نہیں دیا بلکہ صرف دو طلاق۔ گواہ کسی کے پاس نہیں تو اس صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا؟ نیز شوہر رجعت کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر کوئی دوسری صورت ایسی ہی پیش آئے جس میں شوہر شک و تردد ظاہر

کرتا ہو تو کیا حکم ہوگا؟

(۳) اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو تین طلاق دیتے ہوئے سُنے اور شوہر منکر ہو تو اس عورت کو شوہر کے پاس رہنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) فی زمانہ ہندوستان میں شرعی قاضی کہیں بھی موجود نہیں تو رفع نزاع کے لئے شرعی فیصلہ کی کیا صورت ہوگی۔ فریقین کسی کو حکم مقرر کر کے یا پنچایت سے اگر فیصلہ حاصل کریں تو معتبر ہوگا یا نہیں؟

(۵) اگر پنچ یا حکم مسئلہ شرعی سے ناواقف ہوں تو وہاں کا مفتی یا کوئی اور شخص قضنا کا حکم بتا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۳۸۲ عبداللطیف قاسمی (ضلع اعظم گڑھ)
یکم جمادی الاولی ۱۳۵۳ھ م ۱۳ اگست ۱۹۳۴ء

(۳۶۱) **جواب** (۱) اگر زوجہ تین طلاق کی مدعی اور شوہر تین کا منکر اور دو کا مقر ہے تو اس صورت میں حکم دیانت (عنداللہ) یہ ہے کہ واقع میں تین طلاقیں دی ہیں تو طلاق مغلظہ ہوئی۔ اور دو دی ہیں تو حق رجعت ہے۔ لیکن اگر فریقین حکمِ دیانت پر قانع اور عاقل نہ ہوں تو حکمِ قضا یہ ہے کہ یا تو عورت تین طلاقوں کا ثبوت (بینہ عادلہ) پیش کرے ورنہ شوہر سے حلف لے کر اس کے موافق دو کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس کو اس صورت میں ظاہر کے لحاظ سے رجعت کا اختیار ہوگا۔ (اگرچہ فی الحقیقت قسم جھوٹی ہونے کی صورت میں اسے رجعت کا کوئی حق نہیں رہا ہے)
سوال دوم کا حکم بھی یہی ہے۔

(۳) اگر عورت نے خود شوہر کی زبان سے تین طلاقیں سُنی ہیں تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں۔ یعنی دیانۃً وہ اس کے لئے حلال نہیں رہی۔ استخلاص نفس کی سعی کرے۔

(۴) حکم اور ثالث اس مقدمہ کا فیصلہ کر سکتا ہے اور عدالت کا مسلمان جج بھی قاضی کے حکم میں ہو سکتا ہے۔ اور جج یا سوال نمبر ۵ میں ذکر کیے ہوئے ثالث یا پنچایت جب خود مسئلے سے ناواقف ہوں تو ان کا فرض ہے کہ کسی عالم سے دریافت کر کے اس کے موافق فیصلہ کریں۔ اور عالم ان کو قضنا کی صورتِ شرعیہ بتا دے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

کیا دورانِ عدت میں مرد مطلقہ بیوی کو رجوع نہیں کر سکتا ہے بدون تجدید نکاح کے؟
المستفتی نمبر ۹۴۵ عبد العلی خاں (ریاست بھرتپور) یکم ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء

(۳۶۲) **جواب** - رجوع کرنے سے مطلب یہ ہے کہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی - رجوع کرنے سے یہ مطلب نہیں کہ صحبت کرنا لازم ہو - رجعی طلاق میں تجدید نکاح ضروری نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زید نے اپنی بیوی کے متعلق یہ سُنا کہ وہ کچھ آوارہ ہوگئی ہے - اس پر زید نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو وہ میرے لئے بیکار ہے اور میں نے آزاد کیا - اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس خبر کی کوئی اصلیت نہیں ہے - تب زید اپنی بیوی کو لینے کے لئے گیا - بیوی نے کہا کہ تم تو مجھ کو آزاد کر چکے ہو - زید نے کہا کہ تمہارا یہاں رہنا کسی طرح مناسب نہیں ہے تم میرے ساتھ چلو - اور اگر کچھ تردد ہو تو تم اطمینان رکھو میں ماں بہن ہی سمجھ کر خرچ دوں گا - ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۹۷۹ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۶ جون ۱۹۳۶ء

(۳۶۳) **جواب** - زید اب اپنی بیوی سے (احتیاطاً) نکاح کی تجدید کرلے - یعنی دو گواہوں کے سامنے میاں بیوی ایجاب و قبول کرلیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

بکر و زید دو بھائی ہیں جس میں بکر بڑا ہے - زید نے ایک بیوہ عورت سے جائز طریقہ سے نکاح کیا اور چند روز اپنے پاس رکھنے کے بعد اس کو اس شبہ پر کہ تعلق بکر سے ناجائز ہے جس سے زید نے مارپیٹ کی اور مارپیٹ کی حالت میں زید نے دو طلاقیں صریح دیدیں تیسری مرتبہ دینا چاہتا تھا کہ زید کی والدہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا جس سے تیسری طلاق نہ دے سکا بلکہ بیوی کو مکان سے نکال دیا وہ اپنی بہن کے پاس چلی گئی جس کو عرصہ اڑھائی سال ہو چکا ہے نان نفقہ کچھ نہیں دیا - یہ واقعہ ۱۸ اپریل ۱۹۳۵ء کا ہے - اب کسی وجہ سے زید پھر چاہتا ہے کہ مطلقہ عورت سے نکاح کرلوں تو بلا حلالہ زید اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۱۷۰۰ میدان خاں دہلی ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۷ء

(۳۶۴) **جواب** - اگر زید نے صرف دو طلاقیں دی تھیں تین نہیں دی تھیں تو زید اپنی مطلقہ بیوی سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں مگر عورت کی رضامندی شرط ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید نے اپنی بی بی ہندہ سے دو عورتوں کی موجودگی میں ایک بار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دیا تو میری بہن کے مانند ہے اور بعد میں بھی کئی آدمیوں سے کہا کہ وہ میری بہن کے مانند ہے اسے اپنے گھر میں رکھنا نہیں چاہتا ہوں۔ بعد طلاق دینے زید کے ہندہ اپنے باپ کے گھر آگئی جس کو آج چار مہینے کا عرصہ ہوا لیکن اب زید لکھتا ہے کہ میں نے اسے طلاق نہیں دیا۔ اور وہ دو عورتیں جن کے سامنے اس نے طلاق دی تھی زید کے دباؤ سے گواہی نہیں دیتی ہیں کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۹۰ ولایت حسین اجمیر شریف یکم رمضان ۱۳۵۶ھ ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(۳۶۵) **جواب** - ایک دفعہ صریح طلاق دینے کے بعد تو رجعت کرسکتا تھا۔ مگر تو میری بہن کے مانند ہے۔ ان الفاظ سے طلاق بائن ہو جاتی ہے۔ پس اگر ان الفاظ کے گواہ موجود ہوں تو طلاق بائن کا حکم دیا جائے گا اور عورت کو خاوند کے پاس نہ بھیجا جائے گا۔ ہاں تجدید نکاح جائز ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

زید نے نکاح کیا۔ اس کی بیوی تقریباً چودہ یوم اپنے شوہر (زید) کے مکان میں رہی لیکن پڑوسی عورتوں کے بہکانے سے وہ زید سے کہنے لگی کہ میں رہنا نہیں چاہتی ہوں۔ زید نے اس امر سے منع کیا اور سمجھایا بلکہ بعض اوقات کچھ سخت سست الفاظ استعمال کیے اور سمجھاتا رہا۔ اور وجہ دریافت کی جواباً کہا کہ میں رہنا نہیں چاہتی ہوں۔ بہکانے سے اس نے ایک مرتبہ اپنے عزیزوں کے یہاں جانے کی اجازت چاہی۔ زید نے جانے کی اجازت نہ دی۔ زید چونکہ ملازم پیشہ ہے وہ اپنے کام پر چلا گیا۔ وہ عورت موقع پاکر چھوٹے بچوں کو جو کہ گلی عورت سے ہیں اور جن کی

عمر آٹھ نو سال کے اندر اندر ہے ہمراہ لے کر اپنے عزیز جن کی معرفت اس کا نکاح زید سے ہوا تھا ان کے مکان صبح زید کے جانے پر چلی گئی اور وہاں تین چار بجے شام تک رہ کر ان بچوں کو ہمراہ لے کر زید کے مکان کو واپس ہوئی۔ اثنائے راہ میں ایک نالہ حائل ہے وہاں پہنچ کر ان بچوں سے کہا کہ تم یہاں ٹھہر و میں پاخانہ پیشاب سے فارغ ہو کر آرہی ہوں اور وہ عورت اسی نالہ نالہ اپنے عزیز کے مکان کی طرف قریب میں پوشیدہ ہو گئی۔ شام کو جب زید نوکری سے رخصت پاکر مکان گیا تو بچوں سے دریافت حال کر کے وہ اس کے عزیز کے مکان پر گیا۔ ان کو مطلع کیا گیا انھوں نے تلاش کیا۔ آخر ملنے پر اس کو لائے اور زید کے مکان پر اس کو چھوڑ گئے۔ دوسرے دن سے پھر وہی کہنا شروع کیا کہ میں نہیں رہنا چاہتی۔ چنانچہ جب زید تنگ ہو گیا اس نے پڑوسیوں کو اور اس کے عزیزوں کو جمع کر کے اس امر کا تذکرہ کیا۔ اول ان لوگوں نے سمجھایا مگر وہ اس کے یہاں رہنے سے انکار کرتی رہی۔ آخر اس مجمع کے دو آدمیوں نے عورت کو کہا کہ تو مہر معاف کر دے اس نے مہر معاف کر دیا۔ پھر زید سے کہا کہ تم طلاق دے دو۔ زید نے اس کے جانے کے رنج میں اور غصہ کی حالت میں اس عورت سے کہا "جا سالی میں نے طلاق دی" اس لفظ کو سنکر اپنے عزیزوں کے ہمراہ مکان چلی گئی۔ آٹھ دس یوم اپنے یہاں رہ کر زید کو خبر پہنچائی کہ مجھ کو آکر لے جاؤ۔ جب بارہا خبر آتی رہی تو زید نے اس کے عزیزوں کو اور درمیانی آدمیوں کو جن کے ذریعہ نکاح ہوا تھا ساتھ لے کر اس عورت کے یہاں گئے۔ اس سے گفتگو کی اور کہا کہ تیرا عقدِ ثانی دوسری جگہ کرا دیویں۔ اس نے کہا کہ نہیں میں زید کے مکان میں جاؤں گی اسی کے ساتھ رہوں گی ورنہ کہیں جاتی نہیں زیادتی کرنے پر مر جاؤں گی تو ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں اور زید رجوت کر سکتا ہے یا نہیں یا اس عورت کا عقد ثانی ہو کر طلاق ہو اور وہ عدت کے دن عزیزوں کے یہاں گزارے پھر زید سے نکاح ہو۔

المستفتی نمبر ۲۰۸۶ علی جان صاحب (اجمیر شریف)

۲۶ رمضان ۱۳۵۶ھ م یکم دسمبر ۱۹۳۷ء

(۳۶۶) **جواب** - سوال میں زید کے الفاظِ طلاق جو منقول ہیں وہ صرف ایک مرتبہ یہ جملہ کہا گیا ہے "جا سالی میں نے طلاق دی" اس سے ایک طلاق پڑی۔ سوال میں یہ بات صاف نہیں ہے

کہ مہر کی معافی کا ذکر بطور شرط طلاق کے ہوا یا نہیں. بہرحال اس واقعہ کا حکم یہ ہے کہ حلالہ کی ضرورت نہیں - بدون حلالہ زید اور عورت دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کرلیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

طَلَّقْتُكِ اور سَرَّحْتُكِ ہر دو لفظ کا معنی بزبان ہندی میں نے تجھ کو چھوڑ دیا - اور بزبانِ بنگالی یہی معنی ہیں - یعنی ہر دو لفظ عربی کے تقاضے علیحدہ علیحدہ ہیں اور مقتضی ہر طلاق رجعی کا یعنی رجعت کافی ہے عقدِ ثانی کی ضرورت نہیں ہے - ایک شخص اپنی زوجہ کو بزبانِ بنگالی جس کا معنی ہندی میں نے تجھ کو چھوڑ دیا کہا - اس مسئلہ میں زید کہتا ہے کہ یہ طلاق طلاقِ رجعی ہے کیونکہ لسان ہندی میں اور بنگالی میں جو الفاظ مذکورہ ہیں یہ معنی طَلَّقْتُكِ کے ہیں اور بکر کہتا ہے کہ یہ طلاق طلاق بائن ہے کیونکہ ہندی اور بنگالی زبان میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ معنی طَلَّقْتُكِ اور سَرَّحْتُكِ ہر دونوں لفظ کا بن سکتا ہے - بلکہ زبانِ ہندی اور بنگالی میں زوجہ کو جیسے یوں کہا جاتا ہے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ویسا ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دیا اب صورتِ ثانیہ رجعی میں بالکل واضح ہے کیونکہ یہی معنی بالکل طَلَّقْتُكِ کے مطابق ہیں اور صورتِ اولیٰ طلاقِ بائن میں ظاہر ہے کیونکہ وہی معنی سَرَّحْتُكِ کا بالکل مطابق معلوم ہوتا ہے اور سَرَّحْتُكِ کا معنی ہندی اور بنگالی زبان میں الفاظِ مذکورہ کے سوائے اور لفظ دیگر نہیں ملتا ہے بخلاف طَلَّقْتُكِ کے لہٰذا صورتِ مسئولہ عنہا میں انہی الفاظ مذکورہ سے طلاق بائن واقع ہونا چاہیئے - علاوہ اس کے جب دونوں لفظ عربی معنی واحد میں مشترک ہیں باوجود اس کے کہ ہر ایک کا مقتضی علیحدہ علیحدہ ہے تو احتیاطاً طلاق بائن واقع ہوگا اور عقدِ ثانی کی ضرورت ہے - رجعی سے کافی نہیں ہوگا - اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید اور بکر کے اختلاف میں کس کا قول صحیح ہے اور صورتِ مسئولہ عنہا میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ المستفتی ۲۴۱۷ مولوی محمد بدرالدجی (بنگال)

۲۹ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲ جنوری ۱۹۳۸ء

(۳۶۷) **جواب** - عربی میں طَلَّقْتُكِ اور سَرَّحْتُكِ کے معنی اگرچہ چھوڑ دیا کے ہیں لیکن طَلَّقْتُكِ

ہیں رجعی اور سَرَّحْتُكِ میں بائن اس لئے ہوتی ہے کہ طَلَّقْتُكِ کا لفظ طلاق کے لئے مخصوص ہو گیا بخلاف سَرَّحْتُكِ کے۔ اس لئے پہلا لفظ (طَلَّقْتُكِ) صریح اور دوسرا سَرَّحْتُكِ کنایہ قرار دیا گیا۔ یہی حال اس کے ترجمہ میں بھی ہوگا۔ اگر کوئی لفظ ہندی کا طلاق کے لئے مخصوص ہو گیا ہو تو وہ صریح ہوگا۔ اور مخصوص نہ ہو تو کنایہ ہوگا۔ بنگالی الفاظ کا بھی یہی حکم ہوگا ہم بنگالی الفاظ کا مفہوم نہیں جانتے اس کا فیصلہ علمائے بنگالہ ہی کر سکتے ہیں چھوڑ دیا کو ہم کنایہ قرار دیتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کی ہندہ سے پہلے سے شادی تھی۔ بعد میں مسماۃ زینب سے نکاح کر لیا مسماۃ ہندہ کے ورثاء زینب سے نکاح کرنے کو برا سمجھتے تھے مسمی زید کو اپنے مکان پر بلا کر کہا کہ مسماۃ زینب کو طلاق بلفظ حرام دیدے۔ اس پر مسمی زید نے ٹال مٹال کیا اور اس سے گریز کیا۔ مگر ہندہ کے ورثاء نے کاغذ پر لفظ حرام کو کاتب سے تین مرتبہ لکھوا کر اور پھر کاغذ کو سمیٹ کر زید کے سامنے پیش کیا اور اس سے یہ لفظ تین مرتبہ کہلوایا اور دستخط کرالیے۔ بعد میں تکمیل بلفظ ثلاثہ مغلظہ کر کے سرکاری طور پر سب رجسٹرار سے رجسٹری کرائی اور سب رجسٹرار نے بھی زید سے کچھ دریافت نہ کیا ویسے ہی رجسٹری کر لی۔ چونکہ ہندہ کے ورثاء دنیاوی لحاظ سے اعلیٰ آفیسر ہیں۔ اب قابلِ استفسار یہ امر ہے کہ لفظ حرام سے کونسی طلاق واقع ہوگی۔ اور بعد میں جو لفظ ثلاثہ مغلظہ کو زیادہ کیا گیا ہے آیا اس کو بھی دخل ہے یا کہ نہیں۔ اور سب رجسٹرار کا بغیر تصدیق مقر کے رجسٹری کر دینا اس کو بھی شرعاً کوئی دخل ہے کہ نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۵۱۴ سراج احمد صاحب (بہاولپور)

۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ م ۵ جولائی ۱۹۳۹ء

(۳۶۸) **جواب**۔ اگر زید نے ثلاثہ مغلظہ کا لفظ زبان سے نہیں کہا اور نہ اس لفظ کو دیکھ کر دستخط کیے تو صرف لفظ حرام زبان سے کہنے پر اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن پڑے گی اگرچہ لفظ حرام تین مرتبہ کہا ہو اور وہ زینب سے تجدیدِ نکاح کر سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کی طبیعت ناساز تھی۔ شام کے وقت جب وہ تنخواہ لے کر گھر میں لوٹا تو قرضخواہوں نے پیسہ کا تقاضا کیا۔ اس وقت زید کی عورت نے زید سے جھگڑا کیا گالی دی۔ زید کو اس پر غصہ آیا۔ عورت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ آؤ اپنا طلاق لے لو۔ عورت سنتے ہی روانہ ہو گئی زید نے زمین سے ایک مشت خاک اُٹھائی اور عورت کی طرف پھینک دی۔ شریعت کی روشنی میں زید اور اس کی عورت کے لئے کیا حکم صادر ہوتا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۵۵۷ خلیفہ محمد اسمٰعیل صاحب (کراچی)

۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ م ۷ جنوری ۱۹۴۰ء

(۳۶۹) **جواب** - اگر زید نے طلاق دینے کی نیت سے یہ کہا اور مٹی پھینکی تو اس کی بیوی پر ایک طلاق پڑ گئی مگر زید کو عدت کے اندر رجعت کرنے کا حق ہے یعنی طلاق رجعی ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ عدت کے اندر رجعت نہ کرے تو پھر عدت کے بعد تجدید نکاح ضروری ہو گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص نے اپنی عورت کو دو طلاقیں دیں۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کا منہ بند کر دیا جس سے وہ کچھ صاف طور پر نہ کہہ سکا۔ علماء نے زبانی فتویٰ دے دیا کہ طلاق رجعی ہوئی۔ وہ اپنی سسرال جاکر عورت کے پاس رہا اور رجوع کر لیا اور اس کے بعد کئی دفعہ اپنے یہاں رات کو بلایا۔ چونکہ کوئی تحریری فتویٰ نہیں ملا تھا اس وجہ سے وہ علانیہ بیوی کو نہیں لاسکا۔ اور پنچوں نے اس کو بند کر دیا۔ اب پنچ لوگ فتوے کو صحیح جانتے ہیں مگر بیوی کے پاس آنا جانا اور بلانا اس کو پنچ لوگ رجعت نہیں سمجھتے تو شرعاً یہ رجعت ہوئی یا نہیں؟ عدت طلاق کو تین ماہ دس دن مقرر کر سمجھنا کیسا ہے؟ ایام حیض میں کوئی کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یا ہمیشہ ایک ہی وقت مقررہ پر آیا کرتا ہے؟

المستفتی حاجی یار محمد حاجی صدیق اللہ بنارس۔ ۴ رجون ۱۹۵۰ء

(۳۷۰) **جواب** - اگر دو طلاقیں دینے کے بعد اس نے بیوی سے صحبت کر لی تو یہ رجعت ہو گئی

اور اب بیوی اس کے لئے حلال ہے۔ عدّت کی مدّت تین حیض آجانے پر پوری ہو جاتی ہے۔ حیض کے آنے میں دنوں کی کمی بیشی کا فرق ہو سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک دن کسی واقعہ پر زید غصہ میں اپنی بیوی کو سزا دینے کو لپکا کہ بیوی کو مارے پیٹے۔ اتنے میں زید کا باپ دونوں کے درمیان حائل ہوا۔ اور زید کو زدوکوب کرنے سے منع کیا۔ زید نے باپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ مارنے دو ورنہ طلاق دے دوں گا مگر چونکہ باپ بیچ میں حائل تھا زید اپنی بیوی کو سزا نہ دے سکا اور لفظ طلاق طلاق دو مرتبہ کہہ کر باہر چلا گیا مگر زوجہ کی طرف سے لفظ دیدوں گا میں اختلاف ہے۔ زوجہ کہتی ہے کہ دیتا ہوں کہا تھا (جو کہ صریحاً غلط ہے) تاہم واقعہ جو بھی ہو دو ایک ہفتے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کی طرف رجوع ہو گئے۔ یعنی زید نے غصہ فرو ہونے کے بعد بیوی کو پھر اپنی زوجیت میں رکھ لیا۔ اور وہی رشتہ ابھی تک قائم ہے۔ المستفتی نمبر ۲۲۶۹ منظور حسین (بمبئی)

۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۸ مئی ۱۹۳۸ء

(۳۷۱) **جواب** ۔ زید نے طلاق دے دوں گا کہا ہو جب تو یہ لفظ فضول ہے اور دیتا ہوں کہا ہو جب بھی یہ آئندہ دینے کے ارادے پر محمول ہوگا۔ پھر اس کے بعد دوبار طلاق طلاق کہا تو یہ دو طلاقیں ہوئیں اور ان کے بعد رجوع جائز تھا جو زوجین نے کر لیا۔ لہٰذا واقعہ مذکورہ میں زوجین وظائفِ زوجیت ادا کر سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۲۷ء)

زید نے اپنی زوجہ ہندہ کی غیبت میں کہا کہ ہندہ کو طلاق دیا طلاق دیا طلاق دیا۔ اس وقت زید کی نیت طلاق بائن کی تھی۔ اس واقعہ کے چند روز بعد زید نے ہندہ کو جب ایک مقام پر پہنچا دیا تو ہندہ نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس وقت بھی طلاق بائن کی نیت سے زید نے کہا کہ میں نے تمہیں طلاق دی طلاق دی طلاق دی۔ اس کے بعد زید چاہتا ہے

کہ رجوع کرلے بعض علما کہتے ہیں کہ طلاق بائن واقع نہیں ہوئی۔ البتہ اگر زید کہتا کہ میں تم کو تین طلاق دیتا ہوں تو طلاق بائن واقع ہوتی۔

(۳۷۲) **جواب**۔ تین مرتبہ طلاق دے دینے کے بعد اور وہ بھی طلاق بائن (مغلظہ) کی نیت سے طلاق مغلظہ پڑجاتی ہے اور حقِ رجعت باقی نہیں رہتا۔ اور جب تک عورت دوسرے شخص سے نکاح کرکے اس سے آزاد نہ ہو اس کے لئے حلال نہیں ہوتی۔ ائمۂ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۱ء)

ایک دفعہ تابعدار مکان بنوا رہا تھا۔ اس میں مسلمان مزدور تھے۔ تابعدار نے اپنی عورت سے کہا کہ تین چار آدمی مسلمان مزدور ہیں ان کا بھی کھانا ہم لوگوں کے کھانے کے ساتھ پک جانا بہتر ہے۔ عورت مذکورہ نے کہا کہ میں کھانا نہ پکاؤں گی۔ تابعدار نے بہت غصہ ہو کر کہا کہ میں تم کو طلاق دے دوں گا۔ ایک ہفتہ عورت اِدھر اُدھر ڈر سے مجھ سے چھپ کر رہی کیونکہ بہت مارا تھا۔ اور طلاق کا کاغذ لکھنے نالا بُلا لائے اور زبان سے بھی کہہ دیا بہت غصہ میں کہ تم کو طلاق دے دیا میرے گھر سے نکل جاؤ اور پھر ایک ہفتہ کے بعد بات چیت ہوگئی اور صلح ہوگئی۔ اس واقعہ کو ایک سال ہو گیا۔

(۳۷۳) **جواب**۔ اگر زبان سے صرف یہ لفظ کہے تھے کہ تم کو طلاق دے دیا میرے گھر سے نکل جاؤ تو طلاق ہوگئی تھی۔ مگر جب ایک ہفتہ کے اندر صلح ہوگئی اور میاں بیوی کی طرح رہنے لگے تو وہ طلاق کالعدم ہوگئی۔ اب آئندہ احتیاط رکھو کہ دو مرتبہ کہنے سے مغلظہ ہوجائیگی۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۲ء)

زید نے اپنی منکوحہ سے کہا "میں نے تجھ کو طلاق دی دی دی۔ یعنی لفظ طلاق کو ایک مرتبہ اور لفظ دی کو تین مرتبہ کہا۔ ایسی صورت میں کونسی طلاق ہوئی؟

(۳۷۴) **جواب** - اس صورت میں اگر وہ خود تین طلاق دینے کی نیت کا اقرار نہ کرے تو ایک طلاقِ رجعی کا حکم دیا جائے گا۔ فقط محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہٗ

الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب المفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۴ء)

ایک روز جبکہ زید اور اس کے والدین کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا زید نے اپنے والد سے کہا کہ اگر اب تم کچھ بولو گے تو ضداً ہم اپنی عورت کو طلاق دیدیں گے۔ والد نے کہا دیدے۔ زید نے کہا جاؤ دے دیا۔ اب کیا کیا جائے؟

(۳۷۵) **جواب** - واقعہ مذکورہ کی صورت میں ایک مرتبہ کہنے سے ایک طلاقِ رجعی ہوگئی۔ زبان سے کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی۔ یعنی جو طلاق دی تھی اس سے رجوع کیا۔ تو دونوں میاں بیوی بدستور میاں بیوی رہیں گے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جون ۱۹۲۷ء)

(۱) طلاق دیتے وقت طلاقِ رجعی یا بائن کا اظہار اور تشریح ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو رجعی یا بائن کا حکم اگر عورت کو معلوم ہو جائے تو بے پروائی کی وجہ سے اصلاح پذیر نہیں ہو گی۔

(۲) ایک یا دو طلاق دینے کے بعد رجعت کر لینے سے وہ ایک یا دو طلاق کیا ہو جاتے ہیں؟

(۳) رجعت کیا ایک دو طلاق کو رد یا فسخ و باطل کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) اگر باطل نہیں کر سکتی تو رجعت کا کیا ماحصل ہوا اور رجعت سے کیا مقصد ہوا؟

(۵) رجعت کا حق ایک یا دو طلاقیں دینے کے بعد کب تک باقی رہتا ہے؟

(۳۷۶) **جواب** - (۱) رجعی اور طلاق بائن اور طلاق مغلظہ کے الفاظ اور طریقے متعین ہیں۔

صریح طلاق کے لفظ سے ایک دو طلاقیں دینے سے رجعی طلاق ہوتی ہے - بشرطیکہ لفظ طلاق کے ساتھ اور کوئی لفظ جو طلاق کو بائن بنا دیتا ہے نہ بولا جائے .تین طلاقیں دینے سے طلاق مغلظہ ہوجاتی ہے - طلاق رجعی اور طلاق بائن اور طلاق مغلظہ کے احکام جدا جدا ہیں۔

(۲) ایک یا دو مرتبہ صریح طلاق دینے کے بعد رجعت ہوسکتی ہے رجعت کرلینے سے بیوی نکاح میں لوٹ آتی ہے - یہ طلاقیں شمار میں قائم رہتی ہیں - یعنی دو طلاقیں دے کر رجعت کر لینے کے بعد اگر ایک طلاق دیدے گا تو پہلی دو کے ساتھ مل کر تین طلاق کا حکم ہو جائے گا اور طلاق مغلظ ہو جائے گی۔

(۳) رجعت اس حرمت کو جو طلاق سے پیدا ہوتی ہے زائل کر دیتی ہے مگر طلاق کے شمار کو زائل نہیں کرتی -

(۴) رجعت کا مقصد یہی ہے کہ طلاق دے کر زوجہ کو اپنے لئے حرام کرنے میں زوج نے جو ناسمجھی اور ناعاقبت اندیشی کی ہے ایک حد تک اس کا تدارک ہو جائے -

(۵) رجعت کا اختیار صرف زمانہ عدت تک رہتا ہے - یعنی ایک یا دو رجعی طلاقیں دینے کے بعد جب تک زوجہ عدت میں ہے اس وقت تک زوج رجعت کر سکتا ہے - عدت ختم ہوجانے کے بعد رجعت کا حق زائل ہو جاتا ہے - پھر اگر زوجین چاہیں تو نکاح ہو سکتا ہے -

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

چودھواں باب

مجنون اور طلاقِ مجنون

سوال

عرصہ چودہ سال سے ہندہ کا شوہر مسمی زید دیوانہ ہو گیا ہے - جب سے دیوانہ ہوا ہے تب سے اس وقت تک برابر دیوانہ چلا آتا ہے - چنانچہ چند سال سے لاہور کے پاگل خانہ میں داخل ہے - ہندہ عرصہ مذکور سے بخانہ والدین صبر کیے بیٹھی رہی کہ شاید میرا شوہر تندرست ہو جائے - آخر مایوس ہو گئی اور ہندہ کے والدین بھی صحتِ زید سے مایوس ہو گئے - چونکہ ہندہ

نو عمر ہے زیادہ صبر نہیں کر سکتی لہٰذا علمائے دین سے اس امر کی درخواست ہے کہ صورت فسخ نکاح ہندہ ہو سکتی ہے یا نہیں اور دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(۳۷۷) **جواب** - احناف کا اصل مذہب تو یہی ہے کہ جنون میں زوجین میں سے کسی کو اختیار نہیں۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ زوجہ کو خروج کے مجنون ہونے کی حالت میں فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ بعض فقہاء نے بوقتِ ضرورت اس پر فتویٰ بھی دیا ہے۔ لہٰذا اگر شدید ضرورت ہو تو زوجہ حاکمِ مجاز سے نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ قال محمدؒ ان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم تخیر المرأۃ اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فھو کالجب والعنۃ وبہ ناخذ۔ کذا فی الحاوی القدسی۔ (ھندیہ ص ۵۲۶ ج ۱)

سوال

ایک منکوحہ کا شوہر پاگل یعنی مجنون ہو گیا اور نان نفقہ وغیرہ کی خبر مطلق نہیں لے سکتا۔ منکوحہ مذکورہ کے لئے کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۳۵ عین اللہ طرفدار (ضلع میمن سنگھ)

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ م ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(۳۷۸) **جواب** - ایسی حالت میں عورت اگر مجبور ہو جائے اور اگر گزر نہ کر سکے تو وہ کسی حاکم مسلم کی عدالت سے نفقہ وصول نہ کر سکنے کی بنا پر فسخ نکاح کا حکم حاصل کرے اور پھر بعد عدت دوسرا نکاح کر لے خاوند خواہ اسی شہر میں ہو یا باہر ہو۔

سوال

ایک شخص جو تین سال سے مجنون ہے اور حالتِ جنون میں اس کی عورت نے بغیر طلاق کے ایک شخص سے نکاح کر لیا لیکن پھر لوگوں نے اس سے کہا کہ تیرا عقد نہیں ہوا ہے۔ جس دن ایک مجلس میں اہلِ برادری جمع ہوئے تو لوگوں نے اس مجنون مذکور سے حالتِ جنون میں طلاق دلوائی۔ بار دیگر اس نے نکاح کیا اسی پہلے شخص سے تو ایسی حالت میں یہ نکاح درست ہوا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۳۲ رحمت الٰہی جائس ضلع رائے بریلی

۲۹ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۹ نومبر ۱۹۳۳ء

(۳۷۹) **جواب** - وہ مجنون اگر ایسا مجنون ہے کہ کسی وقت افاقہ ہوتا ہے اور کسی وقت دیوانگی۔

توافاقہ کی حالت میں اس کی طلاق درست ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر کسی وقت بھی افاقہ نہیں ہوتا ہر وقت دیوانہ ہی ہے تو اس کی طلاق غیر معتبر ہے۔ مگر جبکہ اہل برادری نے جمع ہو کر اس کی بیوی کو اس سے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر دیا اور عورت نے عدت گزار کر دوسرے شخص سے نکاح کر لیا ہو تو یہ نکاح درست ہو گا۔ برادری کا فیصلہ قائم مقام عدالتی فیصلہ کے ہو جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

منکوحہ غیر مدخولہ مجنون فسخ نکاح طلب کرتی ہے۔ اور مجنون کے والد و برادر حقیقی اجازت فسخِ نکاح کی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تزویج کے قابل نہیں اور ان تمام نے اپنا حکم مقرر کیا ہے۔ اور والد مجنون یوں بھی کہتا ہے کہ میرے بیٹے نے میرے روبرو اپنی زوجہ کو معلقہ کر دیا ہے اور طبیعت اس وقت اس کی منجمد تھی کلام میں استقامت تھی۔ واللہ اعلم۔ اور حکم نے مجنون سے بہت سوال کیے حتی الطلاق کوئی جواب صحیح نہیں دیا بغیر اسمیت و ولدیت کے بلکہ بہت بکواس سنائے۔ اور لوگوں سے شہادت لی گئی کہ اقوال میں متحیر ہے الا نادراً اسا فعال کرانے سے درست کرتا ہے اگر مرضی ہو خود بخود علیحدہ کوئی کام نہیں کرتا حتی الاکل۔ کیا حکم فسخِ نکاح کر سکتا ہے؟ از روئے شرع شریف۔ علی قول محمد اذا کان بالزوج جنون فلھا الخیار۔ و بموجب فتویٰ عبدالحی فی فتاوی جلد سوم صـ۸۶ و بموجب قول الشامی فی باب نکاح الکافر جلد دوم صـ۳۹۰ بل ھو اھل للوقوع ای حکم الشرع بوقوعہ علیہ عند وجود موجبہ ای عند الحاجۃ ملخصا الی آخرہ۔ بیّنوا ھو مجنون ام معتوہ احکمھما واحد ام لا اناجل سنۃ ام لا لکن ابوہ لا یطلب الاجل ومن المنکوحۃ خوف عظیم وجنونہ منذ ثلاثین شھرا وعند عقد النکاح شرع الجنون بہ لکنہ قلیل حینئذٍ وقد قبل العقد بنفسہ علی الاستقامۃ و قد بلغت الآن منکوحۃ وھی عند العقد صبیۃ وقد انکحھا ابوھا ایاہ۔

المستفتی نمبر ۲۰۲ مولوی محمد عظیم (ضلع میانوالی)

۲۶ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۴ء

(۳۸۰) **جواب** - حَکَم کو جب فریقین نے رضامندی سے حکم بنایا ہے اور اس کو فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے اور زوج مجنون ہے تو حکم دونوں کا نکاح فسخ کر سکتا ہے اور تاجیل کی حاجت نہیں کیونکہ جنون جبکہ ڈھائی سال سے ہے تو جنون مطبق ہے۔ اس میں تاجیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

یک شخص از سالہا سال بہ انواع مظالم ومصائب زن خود را مبتلا نمودہ گناہ میکرد حالا آں شوہر ظالم پاگل شدہ در پاگل خانہ کراچی از مدت ہفت وہشت ماہ محبوس میباشد آں زن مظلومہ دریں مدت نہ نان خوردن میدارد ونہ جائے سکونت ومحرم میدارد بلکہ مہاجرہ در ملک غیر است دریں صورت دیگر شوہر کردہ میتواند یا نہ۔ المستفتی نمبر ۲۳۷۹ حبیب الرحمن پشاور ۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۱ جولائی ۱۹۳۸ء

(ترجمہ) ایک شخص نے سالہا سال سے اپنی عورت کو قسم قسم کی مصیبتوں اور اذیتوں میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اب وہ پاگل ہو کر کراچی کے پاگل خانے میں سات آٹھ ماہ سے داخل ہے۔ وہ مظلوم عورت بیکس ہے نہ کھانے کو روٹی ہے نہ رہنے کی جگہ نہ کوئی اس کا محرم رشتہ دار ہے بلکہ بے وطن اور مہاجرہ ہے۔ اب وہ کیا کرے؟

(۳۸۱) **جواب** - ایں زن مظلومہ را حق حاصل است کہ بر بنائے عدم تیسر حصول نفقہ از حاکم مسلم نکاح خود فسخ کناند وہر گاہ کہ فیصلہ فسخ حاصل شود عدت بگذارد وبعد از عدت اختیار نکاح ثانی او را حاصل خواہد شد

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

(ترجمہ) اس مظلوم عورت کو حق حاصل ہے کہ عدم تیسر حصول نفقہ کی بنا پر مسلم حاکم سے اپنا نکاح فسخ کرالے اور فیصلۂ فسخ حاصل ہونے کے بعد عدت گزار کر نکاحِ ثانی کرے۔

(۳۸۲) **جواب دیگر** ۱۳۳۹ - اہلِ سنت والجماعۃ حنفی مذہب کے موافق بھی مجنون کی بیوی اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور اب کہ جنون کو دس بارہ سال کا عرصہ ہو گیا ہے بغیر کسی مزید مہلت کے کوئی حاکم نکاح فسخ کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ ۵ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۸ فروری ۱۹۳۷ء

جواب ۳۵۷ دیگر۔ اگر زید بالکل مجنون اور حقوقِ زوجیت ادا کرنے کے ناقابل ہے اور اس کا کوئی اثاثہ بھی نہیں ہے جو زوجہ کے نفقہ کے لئے کافی ہو اور زوجہ اس حالت پر زیادہ صبر نہیں کر سکتی تو ایسی حالت میں اسے حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنے خاوند کے مجنون ہونے کی بنا پر نکاح فسخ کرالے اور عدت گزار کر نکاح ثانی کرلے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی ۔ ہر ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۶ فروری ۱۹۳۷ء

پندرھواں باب

عدت اور نفقہ عدت

سوال

زید مسلم کا ہندہ کافرہ سے ایک عرصہ سے ناجائز تعلق تھا اور اس کے دو بچے بھی اس عرصہ میں ہوئے اب ہندہ مسلمان ہوگئی ہے اور وہ فوراً ہی زید مسلم کے ساتھ شرعی نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس کو عدت کی ضرورت ہے یا بغیر عدت اس کا نکاح صحیح و درست ہوگا یا نہیں ؟

(۳۸۴) **جواب**۔ زید ہندہ کے ساتھ فوراً نکاح کر سکتا ہے۔ کیونکہ زنا کی کوئی عدت شریعت میں مقرر نہیں اور سوال سے ظاہر ہے کہ ہندہ کسی اور زوج کی منکوحہ بھی نہیں ہے۔ لاتجب العدۃ علی الزانیۃ وھذا قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی کذا فی شرح الطحاوی (عالمگیری ص ۵۲۹ ج ۱)

سوال

ہندہ زید کے مکان سے اپنے والد کے مکان پر چلی گئی۔ اس نے بہ سبیلِ ڈاک تین طلاقیں بھیجدیں تو کیا وہ عدت کا خرچ دے سکتا ہے یا نہیں اور مہر کا روپیہ بھی دے یا نہیں ؟

(۳۸۵) **جواب**۔ خوہر پر زمانۂ عدت کا نفقہ واجب ہے اور مہر بھی واجب الادا ہے۔ للمعتدۃ عن الطلاق تستحق النفقۃ والسکنی کان الطلاق رجعیا او بائنا او ثلاثا

حاملاً کانت المرأۃ اولم تکن۔ کذا فی فتاوی قاضی خان (ہندیہ)

سوال

مطلقہ عورت عدت کہاں رہ کر پوری کرے۔ شوہر کے یہاں یا اپنے والد کے گھر؟ بینوا توجروا۔

(۳۸۶) **جواب** ۔ مطلقہ عورت کے لئے اپنے گھر میں جہاں شوہر کے ساتھ رہتی تھی عدت پوری کرنی لازم ہے۔

سوال

ہندہ کے شوہر زید کا انتقال ہوا۔ زید کا کوئی مستقل مکان سکونت کا نہ تھا۔ بلکہ زید اپنی بیماری سے پہلے اپنی ملازمت پر تھا اور اس کے اہل وعیال سب ساتھ تھے۔ زید مکان کی تلاش میں ضرور تھا مگر اب تک کوئی مکان ملا نہ تھا۔ ایام علالت میں جس مکان میں زید رہتا تھا وہ اس کے اور اس کے بھائیوں میں مشترک تھا۔ اور چونکہ یہ مکان جس میں اس کے بھائی ہیں بہت مختصر ہے ہندہ کو ایام عدت یہاں گزارنے پر پردہ کا بندوبست نہ ہو سکے گا۔ نیز یہ کہ اس مکان میں کوئی ایسا شخص جو ہندہ کی دلدہی کر سکے نہیں ہے۔ ہندہ اپنی سسرال کے لوگوں سے مانوس نہیں کیونکہ اس کی شادی ابھی حال میں ہوئی تھی۔ لہٰذا ان وجوہاتِ بالا کی بنا پر ہندہ اگر اپنے والد کے گھر اُٹھ جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

(۳۸۷) **جواب** ۔ زید کے بھائی ہندہ کے غیر محرم ہیں۔ اور اگر ورثائے زوج میں غیر محرم بھی ہوں اور معتدہ کا حصہ اس کی سکونت کے لئے کافی نہ ہو تو معتدۃ الوفاۃ کو زوج کے مکان سے اُٹھ جانے کا اختیار ہوتا ہے۔ لو کان فی الورثۃ من لیس محرما لھا وحصتھا لا تکفیھا فلھا ان تخرج وان لم یخرجوھا (ردالمحتار) اس کے علاوہ اور باتیں جو سوال میں مذکور ہیں خروج معتدہ کے لئے شرعاً عذر نہیں۔ واللہ اعلم

سوال

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دی۔ پھر وہ پچھتایا۔ حلالہ کرانے کی غرض سے ایک شخص دیگر سے نکاح کرا دیا اور پھر طلاق دلوا دی۔ زوج اول کی طلاق سے سات مہینے گزرنے

کے بعد اس عورت کے بچہ پیدا ہوا۔ اسی سات مہینے میں نکاح ثانی اور حلالہ بھی ہوا۔ اب بچہ پیدا ہونے سے معلوم ہوا کہ نکاحِ ثانی عدت میں ہوا تھا۔ جواب طلب یہ امر ہے کہ کیا یہ نکاح صحیح اور یہ حلالہ معتبر ہوا یا نہیں؟

(۳۸۰) **جواب**۔ سات مہینے کی مدت اتنی مدت ہے کہ اس میں زوجِ اول کی طلاق کی عدت ختم ہو کر دوسرے سے علوق ہونا اور اقل مدتِ حمل میں بچہ پیدا ہونا ممکن نہیں۔ زوجِ اول کی عدت گزرنے کے لئے اگر عدت بالحیض ہو کم از کم انتالیس چالیس روز درکار ہیں۔ اور اس کے بعد علوق ہو کر وضع حمل سات مہینے میں غیر ممکن ہے۔ لیکن چونکہ عدت طلاق مغلظہ کی ہے اور دوسرے سے نکاح کر لیا ہے اور دو سال سے قبل بچہ ہوا ہے اس لئے بچہ کا نسب زوج اول ہی سے ثابت ہوگا اور دوسرا نکاح نکاحِ فاسد ہوگا اور حلالہ غیر معتبر سمجھا جائے گا۔ زوج اول کے لئے حلال ہونے کے واسطے کافی نہ ہوگا۔ اذا تزوجت المعتدۃ بزوج اٰخر ثم جاءت بولد ان جاءت بہ لاقل من سنتین منذ طلقہا الاول اومات ولاقل من ستۃ اشہر منذ تزوجہا الثانی فالولد للاول الخ (عالمگیری ص۵۶۰ ج۱ طبع مصر) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ وثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحًا ویدخل بہا الخ (عالمگیری ص۴۷۳ ج۱ طبع مصر)

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ سنہری مسجد دہلی

سوال

زید ہندہ را طلاق داد و بعد تطلیق زید با ہندہ زنا کرد۔ و از زنائے زید ہندہ باردار شد۔ قبل وضع حمل ہندہ را خالد نکاح نمودہ وطئ حرام کرد پس اندریں صورت اگر خالد ہندہ را طلاق دہد بعد وضع حمل نکاح ہندہ با زوج اول یعنی زید درست شود یا نہ؟ بینوا توجروا۔

(ترجمہ) زید نے ہندہ کو طلاق دی اور طلاق دینے کے بعد زید نے ہندہ سے زنا کیا۔ اور اُس سے ہندہ حاملہ ہو گئی۔ پھر وضع حمل سے قبل ہندہ سے خالد نے نکاح کر کے ناجائز صحبت کی۔ پس اس صورت میں اگر خالد ہندہ کو طلاق دیدے تو وضع حمل کے بعد اس کا نکاح زوج اول یعنی زید کے ساتھ درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۳۸۹) **جواب** - نکاح خالد فاسد واقع شد پس ہندہ برائے زید حلال نشد - ایں حکم دراں صورت است کہ وطی زید با ہندہ اندر مدت عدت واقع شدہ باشد لیکن اگر زید بعد انقضائے عدت زنا کردہ بود و ہندہ حاملہ بزنا بود - پس نکاح خالد صحیح شد و ہندہ برائے زید حلال شد -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

جواب - خالد کا نکاح فاسد ہوا - پس ہندہ زید کے لئے حلال نہیں ہوئی - یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ زید نے عدت کے اندر ہندہ سے وطی کی ہو لیکن اگر انقضائے عدت کے بعد زنا کیا اور ہندہ حاملہ بزنا ہوئی تو خالد کا نکاح صحیح تھا - اور ہندہ زید کے لئے حلال ہو جائے گی -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

دہلی

سوال

ایک شخص مولوی محمد قاسم مدت سے مسجد کے امام چلے آتے ہیں - اتفاقاً ایک بیوہ عورت کا نکاح جبکہ تین چار دن عدت کے باقی تھے انھوں نے ایک شخص کے ساتھ منعقد کر دیا - حالانکہ پہلے انھوں نے تحقیق بھی کر لی تھی کہ عدت گزر چکی ہے یا نہیں لیکن نکاح کرنیوالوں نے ان کو یہ بتایا تھا کہ عدت بتمامہ گزر چکی ہے ان کے کہنے پر اعتماد کر کے انھوں نے نکاح پڑھا دیا - بعد میں صحیح حساب لگا کر دیکھا گیا تو چار دن ابھی باقی تھے - لوگوں نے امام مذکور کو اس خطا کی وجہ سے معزول کر دیا ہے - یہ نکاح غیر صحیح سمجھ کر ایک دوسرے مولوی صاحب کو فیس کثیرہ دے کر دوبارہ نکاح پڑھوا دیا گیا اور مولوی محمد قاسم کا بھی جدید نکاح کیا گیا -

المستفتی نمبر ۲۵۶ مولوی محمد زماں خاں - ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور

۱۹ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۴ اپریل ۱۹۳۴ء

(۳۹۰) **جواب** - عدت کے اندر نکاح ناجائز ہے - لیکن اگر نکاح پڑھانے والے کو معلوم نہ ہو یا اس کو دھوکا دے کر بتایا جائے کہ عدت گزر چکی ہے اور وہ نکاح پڑھا دے تو اس کے ذمہ کوئی مؤاخذہ نہیں اور اس کا اپنا نکاح ساقط نہیں ہوتا - ہاں معتدہ کا دوبارہ نکاح پڑھا دینا چاہیئے - پس صورت مسئولہ میں مولوی محمد قاسم کا نکاح دوبارہ پڑھانا فضول تھا اور ان کی امامت جائز ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک عورت چند سال ایک خاوند کے نکاح میں رہی۔ اس کے بعد زوجین میں نا اتفاقی پیدا ہوگئی اور عورت ناراض ہوکر اپنے والدین کے گھر چلی آئی۔ یہاں آکر تین سال رہی۔ اسی اثنا میں حاملہ بزنا ہوگئی۔ حاملہ ہونے کے بعد زانی نے عورت کے خاوند کو روپئے دے کر تین طلاق حاصل کرلی اور عدت کے اندر اس سے نکاح کرلیا۔ آیا یہ جائز ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۵۷ مولوی محمد زمان خاں۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور

۱۹ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۴ اپریل ۱۹۳۴ء

(۳۹۱) **جواب**۔ اس عورت کا نکاح عدت کے اندر ناجائز ہے۔ حاملہ بالزنا کا اس صورت میں نکاح جائز ہوتا ہے جبکہ وہ معتدہ نہ ہو۔ یہ صورت جواز نکاح کی نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

عدتِ وفات اور عدتِ طلاق میں تفریق کی وجہ کیا ہے۔ اگر عدت سے مقصود محض استبرائے رحم ہے تو وہ فقط ایک حیض آنے سے ہوسکتا ہے۔

المستفتی نمبر ۴۷۶ ابو محمد عبدالجبار (رنگون) ۱۰ صفر ۱۳۵۴ھ ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء

(۳۹۲) **جواب**۔ عدتِ وفات اور عدتِ طلاق میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کی عدت مقرر کرنے کی وجہ استبرائے رحم ہے اور اگرچہ ایک حیض بھی استبرائے رحم کے لئے کافی ہے لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ جس خون کو حیض سمجھا گیا وہ حقیقۃً حیض نہ ہو بلکہ حالتِ حمل میں کسی عارض کی وجہ سے آگیا ہو اور حیض کے ساتھ مشتبہ ہوگیا ہو اس لئے احتیاطاً تین حیض مقرر کیے گئے کہ تین مرتبہ عادتِ معہودہ کے ماتحت خون آجانے سے یقینی طور پر فراغِ رحم ثابت ہوجائے اور کسی قسم کا شک وشبہ حمل کا باقی نہ رہے۔ نیز طلاق رجعی ہو تو اس مرد اور عورت کو ایک کافی زمانہ غور وفکر کے لئے مل جائے کہ دونوں اپنے اختلافات پر سکون واطمینان سے غور کرکے اجتماع واتفاق کی صورت نکال سکیں۔ ان وجوہ پر نظر کرتے ہوئے تین حیض کی مدت عدت کے لئے مقرر کرنے کی حکمت واضح ہوجاتی ہے۔

عدتِ وفات میں استبرائے رحم کے ساتھ ایک دوسری وجہ بھی شامل ہے اور وہ یہ کہ عورت اور مرد کا ازدواجی تعلق شریعت کی نظر میں نہایت اہم ہے اور اس میں عورت کو زیادہ احتیاج ہے۔ مرد کی وفات سے عورت کو سخت صدمہ اور نقصان پہنچتا ہے۔ شریعت نے اس مہتم بالشان تعلق کے وفاتِ شوہر سے منقطع ہوجانے پر اظہارِ تاسف اور سوگ کے لئے عورت پر عدت مقرر فرمائی ہے کہ اس عرصہ میں وہ ترکِ زینت کرکے اپنے فطری جذبہ کے ماتحت شوہر کی مفارقت کا رنج ظاہر کرسکے اسی لئے یہ عدت صغیرہ اور بالغہ اور عجوز سب کے لئے ہے۔ اگرچہ صغیرہ اور آئسہ میں استبرائے رحم کی ضرورت نہیں تھی مگر نکاح میں منسلک ہوجانے کی وجہ سے موتِ شوہر پر اظہارِ تحسر کے لئے یہی مناسب تھا۔

صغیرہ ناقابلِ وطی پر مطلقاً اور کبیرہ غیر مدخولہ وغیر مخلوہ پر عدتِ طلاق لازم نہیں کہ وہاں استبرائے رحم کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر عدتِ وفات ان سب پر اس لئے لازم ہے کہ اس کی حکمت مفارقتِ زوج پر اظہارِ حسرت ہے اور اس میں یہ سب عورتیں یکساں ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

زید نے ہندہ معتدہ سے نکاح کیا اور جماع بھی کرلیا۔ چند روز کے بعد پتہ چلا کہ نکاح کے وقت ہندہ کی عدت ختم نہیں ہوئی تھی۔ تو ایسی حالت میں ناکح وگواہان اور زید وہندہ سہو وغلطی کے باوجود عنداللہ ماخوذ ہیں یا نہیں؟ اور نکاح ہوا یا نہیں؟ اب زید وہندہ آپس میں کیا کریں گے؟　　المستفتی ۵۰۶ نذیر احمد۔ پورنیہ

۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ ۳۰ جون ۱۹۳۵ء

(۳۹۳) **جواب**۔ اگر ناواقفیت میں یہ بات ہوگئی تو کسی پر مؤاخذہ نہیں اور نہ ناکح کا نکاح ٹوٹا۔ اب زید اور ہندہ دوبارہ ایجاب وقبول کرکے تجدیدِ نکاح کرلیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک عورت مطلقہ جس کو طلاق ہوئے تقریباً تین ماہ کا عرصہ ہوا دوسری شادی کرنا

چاہتی ہے مگر تقریباً دس بارہ ماہ سے اس کو حیض آنا بند ہو گیا ہے اور اس کی عمر چالیس سال سے بھی کم ہے۔ ایسی صورت میں اس کی عدت کی میعاد کتنی ہے۔ کتنے عرصہ کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور اس کو حمل وغیرہ کے کسی قسم کے کوئی آثار نہیں ہیں۔

المستفتی نمبر ۵۲۵ حفیظ اللہ (میرٹھ) ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء

(۳۹۴) **جواب**۔ یہ عورت ممتدۃ الطہر ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تو اس کی عدت حیض سے ہی پوری ہو گی تاآنکہ سن ایاس تک پہنچے۔ لیکن امام مالک کے نزدیک ایک روایت میں نو مہینے دوسری روایت میں سال بھر تک حیض نہ آنے کی صورت میں انقضائے عدت کا حکم دے دیا جاتا ہے۔ تو اگر کوئی سخت ضرورت لاحق ہو اور نکاح ثانی نہ ہونے کی صورت میں قوی خطرہ وقوع فی الحرام یا کسی ایسے ہی مفسدہ کا ہو تو کسی مالکی سے فتویٰ لے کر اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ

سوال

یہاں پر جماعت المسلمین شافعی مذہب کے ملا صاحب نے ایک عورت کا نکاح پڑھایا وہ عورت اپنے شوہر سے طلاق بیس روز آگے لے چکی تھی۔ یعنی اس عورت کو اس کے شوہر نے اس نکاح سے بیس روز آگے طلاق دیا تھا۔ تین سال سے وہ اپنے والدین کے گھر رہتی تھی شوہر اول کے پاس نہیں گئی تھی۔ المستفتی نمبر ۱۰۴۷ شیخ محمد بابا (ضلع رتناگری)

۲۵ شوال ۱۳۵۴ھ م ۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء

(۳۹۵) **جواب**۔ بیس روز میں طہر و حیض کے لحاظ سے عدت پوری نہیں ہو سکتی۔ حاملہ کی عدت وضع حمل سے ہوتی ہے۔ وہ تو ممکن ہے کہ طلاق کے بعد ہی وضع حمل ہو کر عدت پوری ہو جائے۔ شوافع کے نزدیک طہر کی مدت کم از کم پندرہ روز ہے اور اگر طلاق طہر میں واقع ہوئی ہو تو دو طہر پورے اور دو رکار ہیں اس لئے بیس روز میں عدت پوری ہونے کا امکان نہیں۔ محمد کفایت اللہ

سوال

عورت عدت میں ہے اور اگر وہ مختار نامہ عام نہ کرے تو اس کا مال ضائع ہوتا ہے اور

مختار نامہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ حاکم گھر پر آکر رجسٹری کرے گا اس کو اس کے سامنے پردے میں بولنا ہوگا۔ آیا شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۵۷ عبدالخالق صاحب صدر بازار دہلی۔ ۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء

(۳۹۶) **جواب**۔ عدت کے اندر بولنا بات کرنا تو منع نہیں ہے بلکہ اگر ضرورت ہو تو عورت رجسٹری کرانے کے لئے رجسٹری آفس میں بھی جا سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سوال

ایک عورت قوم کھتری بعمر تقریباً ۳۰ سال آکر مسلمان ہوتی ہے اور بیان دیتی ہے کہ میرا پہلا خاوند عرصہ ایک سال سے فوت ہو چکا ہے۔ میں اب مسلمان ہو چکی ہوں۔ اگر شرع اجازت دے تو ایک شخص جس نے اس کو مسلمان کرایا ہے اس کے ساتھ نکاح کر لوں لہٰذا اس کا نکاح کر دیا ہے۔ کوئی شخص کہتا ہے کہ اس عورت پر عدت لازم ہے اور نکاح نہیں ہوا ہے۔

(المستفتی نمبر ۷۵۹ مستری حاجی عبدالرشید (بہاولپور) ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۶ فروری ۱۹۳۶ء

(۳۹۷) **جواب**۔ اگر یہ قرار دیا جائے کہ وہ اسلام لانے کے وقت منکوحہ نہیں تھی بلکہ بیوہ تھی تو اس پر کوئی عدت واجب نہیں لیکن اگر اس کو منکوحہ قرار دیا جائے تو اسلام لانے کے بعد بقول صاحبین ؒ اس پر عدت واجب ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے بیان کو تسلیم کیا جائے یا نہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد اس کے بیان کو بظن غالب صحیح سمجھا جائے تو نکاح جائز ہے۔ اور اگر کذب کے قرائن قائم ہوں تو بعد عدت نکاح کی اجازت دی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سوال

(۱) ۲۹ فروری ۱۹۳۶ء کو ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق روبرو گواہان دی اور تحریر بھی کر دی۔ (۲) ۲ مارچ سے ۹ مارچ تک اس عورت کو حالت حیض رہی۔ (۳) ۱۴ مارچ کو اس عورت کو دوسری طلاق تحریر کر کے بدون ثبت کرانے گواہی گواہان اور بغیر موجودگی گواہان بھیج دی گئی جس کے دینے اور بھیجنے کو فریقین تسلیم کرتے ہیں۔ (۴) ۲۸ مارچ سے ۴ اپریل تک حالت حیض رہی۔ (۵) ۲۴ اپریل سے ۳۰ اپریل تک حالت

حیض رہی۔ (۶) ۲۰ رمئی سے ۲۷ رمئی تک حالتِ حیض رہی۔ تیسری طلاق نہیں دی گئی۔ مذکورہ واقعات کی روشنی میں سوالات حسب ذیل ہیں۔

(۱) ہمیں کالج میں پڑھایا گیا تھا کہ طلاق کے بعد عدت کی مدت تین طہر ہوتی ہے۔ کیا پہلا طہر ۲ رمارچ کو اور دوسرا طہر ۲۸ رمارچ کو اور تیسرا طہر ۲۴ راپریل کو ختم نہ ہو گئے؟

(۲) اگر ختم ہو گئے تو کیا طلاق و عدت ۲۴ راپریل کو مکمل نہ ہو گئیں؟ اگر مکمل نہ ہوئیں تو کس تاریخ کو مکمل ہوں گی؟

(۳) اگر تیسری طلاق نہ دی گئی ہو تو کیا وہ عورت عدت اور طلاق کے مکمل ہونے کے بعد بغیر کسی دوسرے شخص سے نکاح و فراغتِ شرعی حاصل کرنے کے اس پہلے شخص سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) آیا ایک طلاق اور تین طہر کی خاموشی اور دو طہروں میں دو طلاق اور بعدہٗ تیسرے طہر کے اختتام تک کی خاموشی سے اس شخص سے مکرر نکاح کے جواز پر کچھ فرق پیدا کرتی ہے؟

(۵) اگر ۴ راپریل سے ۲۴ راپریل تک کے درمیان کے عرصہ میں یعنی اس طہر میں تیسری طلاق دیدی جاتی تو پھر نکاح کب ختم ہوتا اور عدت کب ختم ہوتی؟

المستفتی ۲۴۳۸ شیخ غلام حیدر بی۔اے ایل ایل۔بی وکیل لاہور ہائی کورٹ

۱۴ ارمحرم ۱۳۵۵ھ م ۷ راپریل ۱۹۳۶ء

(۳۹۸) **جواب**۔ (۱) طلاق کی عدت کی مدت احناف کے یہاں تین حیض ہیں اور شوافع کے یہاں تین طہر۔ میں نے جو جواب دیا تھا وہ مذہب حنفی کے اصول کے موافق تھا۔ ۲۴ر اپریل کو بھی تین طہر ختم نہیں ہوتے کیونکہ اب عدت دوسری طلاق ۱۴ رمارچ کے بعد سے لی جائے گی۔ ۲۷ رمئی کو دوسری طلاق کے بعد سے تین حیض ختم ہوں گے اور اس وقت عورت عدت سے اصولِ حنفیہ کے بموجب فارغ ہو گی۔

(۲) ۲۷ رمئی کو عدت ختم ہو گی اور اس تاریخ کو طلاق مکمل یعنی بائن ہو جائیگی۔

(۳) عدت کی تکمیل یعنی ۲۷ رمئی گزرنے کے بعد عورت خود مختار ہو گی۔ اگر چاہے تو

زوج اوّل سے دوبارہ نکاح کرے اور چاہے کسی اور سے - تیسری طلاق نہ ہونے کی صورت میں طلاق بائن ہوتی ہے - طلاق مغلّظہ نہیں ہوتی - اور طلاق بائن کے بعد صرف تجدید نکاح کرنی ہوتی ہے - کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اور پھر فراغت ہونے کی شوہر اول سے نکاح کرنے کے لئے حاجت نہیں ہوتی -

(۴) دو طہروں میں دو طلاقیں دے کر انقضائے عدّت تک خاموش ہو جانا حق تجدید نکاح پر اثر انداز نہیں ہوتا -

(۵) اگر ۴ر اپریل سے ۲۴ر اپریل تک کے درمیانی عرصہ میں تیسری طلاق دیدی جاتی تو عدت کی ابتدا ۲۴ر اپریل کو آنے والے حیض سے ہوتی اور ۲۷ر مئی کو ختم ہونے والا حیض دوسرا حیض ہوتا - اس کے بعد ایک اور حیض آنے پر عدّت ختم ہوتی - اور پھر شوہر اوّل کا حق تجدید بدون تحلیل ساقط ہو جاتا - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

زمانہ عدّت وضع حمل بچہ پیدا ہونے تک مانا جاتا ہے یا جب تک کہ عورت چالیس دن کا چلّہ نہ نہالے کیونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے -

المستفتی نمبر ۹۴۵ عبدالعلی خاں (ریاست بھرتپور) یکم ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۳ر مئی ۱۹۳۶ء

(۳۹۹) **جواب** - بچہ پیدا ہوتے ہی عدّت ختم ہو جاتی ہے - چالیس دن کا چلّہ نہانا انقضائے عدّت کے لئے لازم نہیں - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

منکوحہ غیر موطوئہ کو طلاق دی جائے تو اس پر عدت نہیں اور صغیرہ متوفی عنہا الزوج پر عدّت ہے اس کی کیا وجہ ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۱۰۲ شیخ عبدالغنی صاحب (ضلع لائل پور)

۱۵ر جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۴ اگست ۱۹۳۶ء

(۴۰۰) **جواب** - متوفی عنہا الزوج پر عدت براءت رحم کے لئے نہیں بلکہ خاوند کی موت پر اظہارِ حسرت کے لئے ہے اسلئے صغیرہ پر بھی واجب ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مسماۃ ہندہ کا عقد زید سے کیا گیا باوجودیکہ ہندہ حمل سے تھی اور کسی کو اس کے حاملہ ہونے کا علم بوقت نکاح نہ تھا اب زید کے گھر ہندہ کی لڑکی سات ماہ کی دو مہینے بیس دن کے بعد پیدا ہوئی ۔ اب ہندہ سے دریافت کیا گیا کہ یہ لڑکی تمھارے خاوند زید کی ہے تو ہندہ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ غیر کی ہے لہذا مسئلہ شرعی کی ضرورت ہے کہ زید سے جو عقد ہوا تھا باوجود ہندہ کے حاملہ من الغیر ہونے کے وہ عقد باقی رہا جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو تجدید نکاح زید سے ثانیاً کر دیا جاوے یا نہیں جو کچھ حکم شریعت کے موافق ہو وہ تحریر فرما کر ثواب دارین حاصل کیجئے ۔ المستفتی نمبر ۱۳۴۲ محمد اسماعیل صاحب (دہلی) ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۹ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۸۹) **جواب** سائل نے زبانی بیان کیا کہ ہندہ مطلقہ تھی پہلے خاوند نے طلاق دی تھی طلاق کے تین ماہ بعد دوسرا نکاح ہوا اور نکاح سے دو ماہ بیس دن بعد بچہ پیدا ہوا تو لازم ہے کہ حمل طلاق سے پہلے کا ہو کیونکہ طلاق سے پانچ ماہ بیس دن بعد بچہ کی ولادت اسی کی مقتضی ہے ۔ اس لئے دوسرا نکاح اندرونِ عدت واقع ہوا اور ناجائز ہوا ۔ اب پھر از سر نو نکاح کرنا لازم ہے ۔ زید کے ساتھ از سر نو نکاح کر دینا درست ہے ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی ۔ زید ہندہ کو رخصت کرا کے گھر لے گیا ۔ ہندہ اس وقت نابالغہ تھی ۔ نابالغہ ہونا زید کو اور اس کے والدین کو ناگوار و ناپسندیدہ خاطر ہوا ۔ پانچ چھ روز کے بعد ہندہ اس کے ماں باپ کے گھر پہنچا دی گئی اس کو عرصہ زائد از یک سال قریب ۱۷ ماہ کے ہوتا ہے کہ ہندہ اپنے ماں باپ کے مکان میں ہے ۔ زید نے اس کی کوئی خبر نہ لی ۔ بلکہ اس عرصہ میں اس نے دوسری شادی بھی کر لی ۔ اب اگر زید نے ہندہ کو تحریری طلاقنامہ بایں مضمون کہ ہم نے تم کو بیک جلسہ تین طلاق دیدی لکھ بھیجا ہے ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ سسرال گئی تو حسب دستورِ زمانہ دو ایک شب تو خلوت ضرور ہوئی ۔ مگر بوجہ نابالغہ ہونے کے صحبت نہ ہوئی ایسی صورت میں ہندہ کو عدت گزارنا ضروری ہوگا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۴۴۸ سید نصیر الدین صاحب (ضلع مونگیر) ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۲۲ مئی ۱۹۳۷ء

(۴۰۲) **جواب**۔ ہندہ کو عدت گزارنی ہوگی۔ کیونکہ مراہقہ کی خلوت میں عدت لازم ہوگی۔ اور حکم کا مدار طاقت پر ہے۔ اور بعض فقہا نو سال کی لڑکی کے ساتھ خلوت کو صحیح اور وطی کے حکم میں قرار دیتے ہیں۔ عدت خلوتِ فاسدہ میں لازم ہوتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے اپنی عورت منکوحہ مسماۃ ہندہ کو تین طلاقیں سہ کرر روبرو گواہان کے دے کر عدالت میں بذریعہ وکیل طلاقنامہ تحریر کر دیا کہ میں نے اپنی عورت مسماۃ فلاں بنت فلاں کو بموجب قانون شرعی کے تین طلاقیں دیدی ہیں اور اپنے اوپر حرام کر دیا ہے آج سے میرا کوئی تعلق زوجیت کا عورت مذکورہ کے ساتھ نہیں ہے۔ بعد گزارنے ایامِ عدت کے جہاں چاہئے نکاح کرلے۔ بعد گزرنے ۲ ماہ پانچ دن کے عورت نے کہا کہ مجھے تین حیض گزر چکے ہیں۔ جس گھر میں مطلقہ عدت پوری کر رہی تھی اس گھر سے بھی بعد تحقیق معلوم ہوا کہ تین حیض مطلقہ کے ختم ہو چکے ہیں۔ لہٰذا بعد طلاق کے تین حیض جو کہ ۲ ماہ پانچ دن کے اندر ختم ہو چکے ہیں۔ نکاح کر دیا گیا۔ بعد نکاح کے چند لوگوں نے شبہ ڈال دیا کہ یہ نکاح درست نہیں ہے کیونکہ عدت مطلقہ کی تین ماہ دس دن ہے۔ بعد گزرنے تین ماہ دس دن کے نکاح ہونا چاہئے تھا۔ لہٰذا بعد تحقیق بدلائلِ شرعیہ مطلقہ کی عدت سے اور نکاح کے صحیح ہونے یا نہ صحیح ہونے سے مطلع فرمایا جائے۔ المستفتی نمبر ۱۵۱۲ پیش امام لعل میر صاحب۔ پونا چھاؤنی

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۰ جون ۱۹۳۷ء

(۴۰۳) **جواب**۔ عدت مطلقہ کی تین حیض سے پوری ہو جاتی ہے۔ اور دو ماہ پانچ دن میں تین حیض آسکتے ہیں۔ لہٰذا جبکہ عورت نے کہا کہ مجھے تین حیض آچکے اور مدت اتنی تھی کہ اس میں تین حیض آسکتے تھے تو یہ نکاح صحیح ہو گیا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مطلقہ کی عدت تین ماہ دس روز ہے وہ غلط کہتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید نے ایک عورت مطلقہ ثلاث سے عدت کے اندر نکاح کر لیا اور میاں بیوی کی طرح رہائش کرنے لگے۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ نکاح فاسد ہے تین حیض کے تمام ہو لینے کے

بعد نکاح ہوتا جب صحیح ہوتا۔ توکسی دوسری جگہ جاکر یہ بیان کیا عدت تمام ہوگئی ہے وہاں دوبارہ نکاح پڑھوالیا۔ اب دریافت طلب چند چیزیں ہیں ۔ (۱) کہ اول نکاح جو عدت میں صرف ایک حیض کے گزرنے پر ہوا وہ شرعاً معتبر رہے گا یا ساقط الاعتبار۔ (۲) اس کے ہونے سے عدت پر بھی کچھ اثر پڑے گا یا نہیں ۔ (۳) عدت طلاق لینے کے وقت سے شمار ہوگی یا نکاح اول کے بعد سے تین حیض پورے کرنا لازم ہے ۔ (۴) اگر طلاق کے وقت سے تین حیض پورے ہوکر نکاح ثانی ہوا ہو لیکن نکاح اول کے وطی بالشبہ کے بعد جبکہ تین حیض تا حال پورے نہ ہوں تو ایسی حالت میں نکاحِ ثانی صحیح و معتبر شرعاً ہوگا یا یہ بھی بمثل اول فاسد ہے ؟ (۵) کیا خاوند بیوی میں عدت کے لئے مفارقت بھی ضروری ہے ۔

المستفتی ۱۶۷۲ مولوی عبدالقدیر صاحب (گوجرانوالہ)

۶ رجمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۴ اگست ۱۹۳۷ء

جواب (از مولوی عبدالقدیر صاحب) (۱) نکاح اول جو صرف ایک حیض کے تمام پر کیا گیا وہ فاسد ہے۔ اس اثناء میں جو منافع زوجیت حاصل کیے وہ سب حرام اور زناکاری کے درجہ میں ہیں۔ خاوند اور بیوی پر بحیثیت مسلمان ہونے کے فرض ہے کہ ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں اور جب تک صحیح اور جائز طور سے نکاح نہ ہو آپس میں ملاپ نہ کریں۔ (۲) اگر یہ نکاح جو اثناء عدت میں کیا گیا ہے نہ ہوا ہوتا تو عدت طلاق لینے کے وقت سے شروع ہوتی ، لیکن نکاح فاسد کے ہونے سے جس میں وطی بشبہۃ النکاح ہو چکی ہے مستقل طور سے دوسری عدت واجب ہوگی۔ البتہ علمائے احناف اول عدت طلاق اور دوسری عدت کو تداخل سے پورا کرلینا کافی کہتے ہیں۔ قال فی الھدایۃ ص ۴۰۵ اذا وطئت المعتدۃ بشبھۃ فعلیھا عدۃ اخریٰ وتداخلت العدتان وتکون ماتراہ المرأۃ من الحیض محتسبا منھما فاذا انقضت العدۃ الاولیٰ ولم تکمل الثانیۃ فعلیھا تمام الثانیۃ اھ موطوءۂ معتدہ بالشبہ کی متعدد صورتیں فقہاء نے بیان کی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عدت میں کسی سے نکاح ہوگیا اس سے اس شبہ سے جماع کرلیا تو اس صورت میں دوسری عدت لازم ہو جاتی ہے۔ قال فی العنایۃ علی ھامش الفتح ص ۲۸۳ ج ۳ عند تعدید صور الموطوءۃ

بالشبهۃ المحکومۃ علیھا بوجوب العدتین اذا وجب علی المرأۃ عدتان الی قولہ اومن جنس واحد کالمطلقۃ اذا تزوجت فی عدتھا فوطیھا الثانی وفرق بینھما تتداخلان عندنا ونحوہ فی ردالمحتار من باب العدۃ عن الدر تعلیقاً علی قولہ فی المتن اذا وطئت المعتدۃ بشبھۃ ولو من المطلِق۔ ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عدت میں نکاح ہو کر وطی کرے تو یہ وطی بالشبہ ہوگی اور اس میں جدید عدت مستقل لازم ہوتی ہے۔ البتہ اوّل عدت کو دوسری میں مدغم کر کے تداخل سے دونوں کو تمام کیا جائے گا۔ قال فی الکنز ص۱۴۷ تجب عدۃ اخری بوطی المعتدۃ بشبھۃ الخ۔ معلوم ہوا کہ وطی بالشبہ بھی موجب عدت ہے۔

(۳) مذکورۂ بالا عبارتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق کے وقت سے تین حیض پورے کر لینا نکاحِ ثانی کی صحت کے لئے کافی نہیں۔ جبکہ نکاح اول جو کہ ایک حیض کے بعد ہوا وہاں سے عدت پوری نہ ہو جائے علی تفصیل سیاتی۔ پس بصورت مذکورۂ محررۂ سابقہ نکاح ثانی جو طلاق کے وقت سے تین حیض پورے کہہ کر کرا دیا ہے وہ بھی نکاح فاسد ہی ہوا۔ کیونکہ مبدء عدت طلاق دینے کا وقت اس صورت میں نہیں ہے، بلکہ نکاحِ اوّل جو ایک حیض کے بعد ہوا اور اس میں وطی بالشبہ ہوئی اس کے بعد مفارقت کرا کر عدت پوری کی جاتی اور اس کے بعد نکاح کیا جاتا جب صحیح ہوتا ولہٰذا نکاح ثانی بھی قبل از تمام عدت ہی ہو کر فاسد ہوگا۔ قال فی الدرالمختار من باب العدۃ ومبدءھا (ای العدۃ) فی النکاح الفاسد بعد التفریق۔ وطی بالشبہ نکاح فاسد میں مستقل موجب عدت ہے یہاں سے تین حیض پورے کرائے جاتے جب نکاح ثانی درست ہوتا۔ صرف طلاق کے وقت سے پورے کر لینے کافی نہیں بلکہ نکاح اول جو ایک حیض کے تمام پر ہوا ہے۔ اس میں بھی وطی سے عدت جب شروع ہوتی کہ زوجین میں تفریق ہو جاتی اور تفریق کرانے کا لزوم فقہا کی تصریحات سے معلوم ہوتا۔ کما نقلہ عن الدرالمختار ومبدءھا فی النکاح الفاسد بعد التفریق وسیأتی تمامہ۔ اب نکاح ثانی کا فساد دو وجہ سے ہوا کہ (۱) عدت طلاق کے وقت سے پوری کی گئی حالانکہ ضروری یہ تھا کہ نکاح فاسد اول سے عدت پوری کی جاتی (۲) جبکہ مفارقت بین الزوجین نہیں

پائی گئی اور نہ متارکت کما بینہ بلکہ مستمراً خاوند بیوی کا سا تعلق قائم رہا تو اب عدت سوائے وجود شرط کیسے پوری مانی گئی۔

(۴) معلوم ہو چکا کہ نکاح ثانی بدون تمام عدت ہوا ہے۔ شرعاً یہ نکاح بھی بمثل اول فاسد ہوگا۔ ناکح ثانی نے جو صرف تین کے عدد پر کفایت کی ہے اور یہ تفتیش نہیں کی کہ تین نکاح فاسد اول سے ہیں یا طلاق سے تین پورے کر لینے پر کفایت کی ہے وہ اس کی غلطی ہے۔ نیز بلا مفارقت و بلا متارکت حقوقِ زوجیت قائم رہتے ہوئے عدت پوری مان لینا یہ بھی احکامِ شرعیہ میں مساہلت ہے اس چشم پوشی سے نکاح جو ہوا ہے ہرگز صحیح نہیں۔ قال فی رد المحتار من باب العدۃ معلقاً علی قول الماتن ومبدءھا فی النکاح الفاسد بعد التفریق۔ السبب الموجب للعدۃ شبھۃ النکاح ورفع ھذہ الشبھۃ بالتفریق فلا یضر شارعتہ فی العدۃ مالم ترتفع الشبھۃ بالتفریق کما فی الکافی وغیرہ۔ انتھی بحذف بعضہ۔ ہاں فقہاء نے اس صورت میں متارکت پر بھی کفایت کر لی ہے۔ یعنی اگرچہ مفارقت نہیں ہوئی۔ لیکن خاوند نے زبانی اظہارِ متارکت زوجہ سے کر دیا ہے تو بھی عدت شروع ہو سکے گی مگر صورتِ حاضرہ میں نہ مفارقت ہوئی نہ اظہارِ متارکت پس عدت کیسے صحیح ہوگی۔ قال فی الدر المختار عطفاً علی قولہ التفریق المذکور سابقاً۔ او المتارکۃ ای اظھار العزم علی ترك وطئھا بان یقول بلسانہ ترکتك بلا وطی ونحوہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف قصد متارکت قلبی طور سے بھی کافی نہیں جب تک کہ ظاہر اس پر دلیل نہ ہو اور وہ اظہار لسانی ہے سو بدون اظہار لسانی عدت نہیں شروع کی جائے گی۔ کنز میں جو صرف عزم ترک کہدیا ہے اس سے اظہارِ عزم مراد ہے۔ کما نبہ علیہ فی رد المحتار ھناك۔ قال فی العنایۃ علی ھامش الفتح ص۲۷۲ ج۳ والعزم امر باطن لا یطلع علیہ ولہ دلیل ظاھر وھو الاخبار بذلك بان یقول ترکت وطأھا ونحوہ فی الفتح۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح فاسد اول کے بعد جب تک تفریق نہیں ہوئی اور نہ اظہار متارکت قولاً ہوا بلکہ برابر ازدواجی تعلقات وابستہ رہے ہوں اور بیوی خاوند کی طرح رہتے ہوئے عدت

نہیں شروع ہوسکتی۔ ولذا قال فی الفتح صفحہ ۲۸۷ ج ۳ لا تثبت العدة مادام التمکن علی وجہ الشبھة قائماً ولا ینقطع التمکن کذلک الا بالتفریق او المتارکة صریحاً۔ الحاصل سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ برابر ان کی رہائش میاں بیوی کی طرح ہوتی چلی آتی ہے کوئی متارکت یا مفارقت ان میں نہیں ہوئی تو اب نکاحِ ثانی عدت کے تمام پر جو سمجھا گیا ہے وہ غلط ہے۔ عدت بدون ان مذکورہ دو صورتوں کے تمام نہیں ہوسکتی۔ نکاح ثانی بھی قبل تمام عدت ہی ہوا ہے۔ لہٰذا زوجین کو چاہیئے کہ آپس میں مفارقت کر کے تین حیض پورے ہوکر نکاح کریں۔ ابتداء عدت جبھی سے معتبر ہوگی کہ تفریق ہو جائے یا قولی متارکت لیکن صرف قولی متارکت پر اعتماد کر کے نکاح غیر معتمد ہوگا کیونکہ ناکح یعنی زوج بوجہ فسق مفرط اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے کہ یہ حدودِ شرعیہ پر برابر قائم ہوگا ازدواجی تعلق سے اجتناب کیا ہوگا۔ لہٰذا تفریق ہی سے عدت پوری ہونی چاہیئے اور نکاح جدید کرانا چاہیئے اور تفریق اور متارکت کے بدون جو نکاح ہوا وہ فاسد ہے اور نکاح میں فاسد اور باطل ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔ من باب العدة قال فی رد المختار فی بیان الفرق بینھما وعدمہ۔ لا فرق بین الباطل والفاسد فی النکاح بخلاف البیع کما فی نکاح الفتح والمنظومة اھ۔ جزئیات فقہاء بھی اسی کو چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(۴۴) **جواب**۔ (از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ) ھو الموفق عدت طلاق میں معتدہ نے زید سے جو نکاح کیا وہ نکاح فاسد ہوا۔ کیونکہ معتدة الغیر سے عدت کے اندر نکاح کرنا حرام ہے۔ اس نکاح فاسد کے بعد زید نے منکوحہ سے وطی کرلی یہ وطی بالشبہ واقع ہوئی اور اس کی وجہ سے اس عورت پر ایک اور عدت واجب ہوگئی۔ اس دوسری عدت کی ابتدا تفریق یا متارکت سے ہوگی۔ اب عورت پر (بعد التفریق او المتارکة) دو عدتیں ہیں اور ان دونوں میں تداخل ہو جائے گا۔ پہلی عدت طلاق کی بحق زوج اول ہے۔ دوسری عدت وطی بالشبہ کی بحق زوج ثانی ہے۔ جب پہلی عدت ختم ہو جائے گی تو زوج اول کا اور اس کے حق کا تعلق ختم ہو جائے گا۔ زوجِ ثانی کی عدت باقی ہوگی۔ اس زمانہ میں اگر زوج ثانی کے علاوہ کوئی تیسرا شخص نکاح کرے تو نکاح فاسد ہوگا کیونکہ شخصِ ثالث کا نکاح معتدة الغیر

سے واقع ہوگا جو حرام ہے۔ لیکن اگر زوجِ ثانی جس کی عدت میں تھی وہی تجدیدِ نکاح کرے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ ہر شخص اپنی معتدہ سے ایام عدت کے اندر نکاح کر سکتا ہے جبکہ عدت طلاقِ مغلظہ کی نہ ہو اور بعد عدت اس کو اس عورت سے نکاح حلال ہو تو عدت کے اندر اور عدت کے بعد دونوں حالتوں میں نکاح جائز ہے۔ وینکح مبانته بما دون الثلاث فی العدة وبعدها بالاجماع۔ ومنع غیرہ لاشتباہ النسب (درمختار) حرمة النکاح فی العدة وان کانت فی الآیة عامة لکن خص منها الزوج بالاجماع فانه یتزوج معتدته بما دون الثلث (حاصل مافی ردالمحتار) فنکح معتدته نکاحاً صحیحاً ولو من فاسد (درمختار) هذا صریح فی انه یصح نکاح المعتدة بزوجها الذی وجبت العدة لحقه علیها۔

پس صورتِ مسئولہ میں زید نے دوسرا نکاح اگر زوجِ اول کی طلاق کی عدت پوری ہو جانے کے بعد کیا ہے تو دوسرا نکاح صحیح ہو گیا۔ ہاں زید کے علاوہ کوئی تیسرا شخص اس عورت سے نکاح کرتا تو تفریق یا متارکت کے بعد ایک عدت اور گذارنے کے بعد وہ نکاح صحیح ہوتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

کوئی عورت مطلقہ دوسرا خاوند کرنے کے لئے اپنی عدت میں کسی مقررہ مکان میں بیٹھے وہاں سے دوسروں کے مکان میں ویسے ہی خالی بیٹھنے کے لئے جاوے تو عدت میں نقصان ہوگا یا نہیں کہ پہلے کے دن عدت میں شمار کیے جائیں گے یا نہیں۔ اگر عدت ٹوٹی ہے اور نئے سرے سے عدت کے دن شمار نہیں کیے اور پہلے کے دن شمار کر لیے یعنی تین حیض گن لیے اور نکاح کر لیا تو یہ نکاح ہو گیا یا نہیں یا پھر سے عدت کرکے نکاح کیا جائے گا؟ المستفتی ۱۸۱۸ آدم محمد یوسف (بہرائچ)

۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۴۰۵) **جواب** - بلا ضرورت مطلقہ کو اپنے گھر سے باہر نہیں جانا چاہیئے۔ لیکن اگر چلی جائے تو عدت کے دن از سر نو شمار نہیں کیے جاتے۔ گزرے ہوئے دن بھی عدت میں شمار

کیے جائیں گے اور سب دن شمار کرکے عدت پوری ہو جانے پر نکاح جائز ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) زید نے ایک بیوہ سے جس کے دو لڑکے پہلے شوہر سے موجود ہیں عدت گزر جانے کے بعد نکاح کیا۔ اس وقت حمل کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوا مگر پانچ ماہ کے بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ وضع حمل کے بعد بھی طرفین ایک ہی مکان میں مع بچوں کے زن و شوہر کی طرح زندگی گزارتے رہے۔ تقریباً دو برس کے بعد زید ایک کافی جائیداد چھوڑ کر راہی ملکِ عدم ہوا۔ زید نے اپنے پیچھے بھی بیوی بچہ اور بھانجہ چھوڑا۔ بھانجہ کی والدہ یعنی زید کی بہن زید کی زندگی میں ہی فوت ہو چکی تھی۔ لہٰذا زید کا نکاح باقی رہا یا نہیں۔ (۲) زید کا تجدید نکاح لازمی ٹھہرایا نہیں۔ (۳) طرفین کا بلا تجدیدِ نکاح زن و شوہر کی طرح زندگی گزارنا کیسا ٹھہرا۔ (۴) تقسیمِ جائیداد کا کیا حل ہے؟ المستفتی نمبر ۱۸۳۹ مولوی محمد ابراہیم صاحب مدرسہ فیض الغرباء (آرہ)

۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۴۰۶) **جواب** - بیوہ کی عدت گزر جانے سے کیا مراد ہے - یعنی خاوند کی موت پر چار ماہ دس روز گزرنے کے بعد نکاح کر لیا تھا تو گویا شوہر اول کی وفات کے نوسوا نو مہینے کے بعد بچہ ہوا تو یہ بچہ شوہرِ اول کا بچہ قرار پائے گا اور نکاح کا عدت کے اندر منعقد ہونا قرار دیا جائے گا اور یہ نکاح ناجائز ہوگا اور اگر شوہر اول کی موت پر زیادہ مدت گزر چکی تھی یعنی دو سال ہو چکے تھے تو یہ حمل زنا کا ہوگا اور نکاح جائز قرار دیا جائے گا مگر بچہ کا نسب شوہرِ دوم سے اس صورت میں بھی ثابت نہ ہوگا کیونکہ تاریخِ نکاح سے چھ مہینے سے پہلے بچہ ہو گیا تو اس شوہر کا بچہ نہیں ہے۔ بہر حال پہلی صورت میں تو نہ تو عورت وارث ہوگی نہ بچہ اور دوسری صورت میں عورت کو میراث ملے گی بچہ کو نہ ملے گی اور پہلی صورت میں تجدید نکاح لازم تھی دوسری صورت میں تجدید لازم نہ تھی۔ پہلی صورت میں زید کی میراث بھانجہ کو ملے گی اور دوسری صورت میں جائیداد کا ربع بیوی کو اور ۳/۴ بھانجہ کو ملے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

جب خاوند انتقال کر گیا تو اس کے وارث پر مہر و عدت کا نفقہ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۸۵۸ عبدالرحمٰن (خاندیس) ۳۰ رجب ۱۳۵۶ھ م ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۴۰۷) **جواب** - زوج متوفی کے ترکہ میں سے زوجہ کا مہر ادا کیا جائے گا اور عدت کا نفقہ ترکہ میں سے نہیں دیا جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ایک شخص نے ایک دوسرے شخص سے اس کو کچھ روپے دے کر اس کی عورت کو مطلقہ کرایا اور اس عورت کو اپنے گھر میں رکھ چھوڑا اور مطلقہ کرانے کے بعد دس دن تین ماہ جب گذر گئے تو اب اس سے نکاح کر لیا اور نکاح کے بعد کا اس کو حمل بھی رہ گیا اور ان دس دن تین ماہ میں عورت کو تین حیض بھی یقیناً ہو گئے اور اسی عرصہ میں اس سے ہمبستر بھی ہوتا رہا تو اب یہ نکاح جو اس عرصہ کے بعد کیا گیا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۵۵ عبدالرحمٰن صاحب (گوڑگانوہ)

۲۴ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۴۰۸) **جواب** - عدت کے اندر ہمبستری تو حرام واقع ہوئی لیکن اگر عورت کو تین حیض آگئے تو اس شخص کا نکاح جو تین ماہ دس یوم کے بعد ہوا منعقد ہو گیا اور نکاح کے بعد وہ اس کی بیوی ہو گئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

طلاق کی عدت کسی مجبوری سے اس گھر میں پوری نہ کر سکے تو اپنے میکے میں کر سکتی ہے یا نہیں یا اور کوئی صورت اس سے آسان ہے؟

المستفتی نمبر ۱۹۷۱ نیاز محمد خاں (روہتک) ۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۰۹) **جواب** - اگر اس گھر میں عدت پوری کرنا ممکن نہ ہو تو پھر جس گھر میں منتقل ہو وہی گھر عدت کا گھر ہو جاتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید اپنی بیوی کے چال چلن سے مشکوک تھا کہ بیٹی والوں کے اصرار پر اس نے شرائط اپنی بیوی کو رکھ لیا۔ سب سے اول شرط یہ تھی کہ عورت کو دو سال تک اپنی نیک چلنی کا ثبوت دینا ہوگا اور اس درمیان میں زید کسی قسم کا تعلق خلوت وغیرہ بھی نہیں رکھے گا۔ چنانچہ اس درمیان میں زید کی بیوی اپنا چال چلن ٹھیک نہ رکھ سکی اور ناجائز طریقہ سے حاملہ ہو گئی۔ زید نے اس کو حاملہ پا کر طلاق دیدی تو اب سوال طلب امر یہ ہے کہ جبکہ زید ایک عرصہ سے نہ اپنی بیوی سے بولتا تھا نہ خلوت کرتا تھا تو ایام عدت کے کسی نان ونفقہ دینے کا ذمہ دار ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۰۰۱ خدا بخش مولا بخش (بلند شہر)

۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۱۰) **جواب** ۔ عدت کا نفقہ زید کے ذمہ ہوگا کیونکہ وہ بہر حال زید کی منکوحہ تھی اور زید کی طلاق کی عدت میں ہے ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

میں نے اپنے لڑکے کی شادی کی تھی ۔ ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ لڑکا بیمار ہو گیا اور مر گیا۔ مرنے سے ایک روز قبل اس کی بیوی آگئی ۔ لڑکے کی سسرال والوں نے اپنی لڑکی کے لے جانے کا تقاضہ کیا ہم نے بیوی کو نہیں بھیجا ۔ ابھی تک عدت کے دن بھی پورے نہیں ہوئے ۔ اب پھر وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری لڑکی کو بھیجدو۔ ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ پھر اپنی لڑکی کو نہیں بھیجیں گے ۔ اس مساۃ کا ایک دیور بھی ہے وہ حقدار ہے اور ہم مذہب حنفی ہیں عدت کے درمیان میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۱۱۳ عبدالمجید گنگا پاری (ضلع سہارنپور)

۱۰ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۴ دسمبر ۱۹۳۷ء

(۴۱۱) **جواب** ۔ عدت کے اندر عورت کو متوفی شوہر کے مکان میں رہنا لازم ہے مگر عدت کے بعد وہ اپنے میکے کو جا سکتی ہے اور دیور کا اس پر کوئی حق نہیں ہے ۔ وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے ۔ دیور کے ساتھ نکاح کرنے پر اس کو کوئی مجبور

نہیں کرسکتا اس کا مہر خاوند کے ترکہ میں سے ادا کرنا اور اس کو حصۂ میراث دینا واجب ہے۔ عدّت کے اندر نکاح حرام ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ایک شخص نے ایک عورت کو ۲۶ جون ۳۷ء کو طلاق دی اور ۲۶ جولائی ۳۷ء کو ایک ماہ ہوتا ہے اور ۲۶ اگست ۳۷ء کو دو ماہ ہوتے ہیں اور ۲۶ ستمبر ۳۷ء کو تین ماہ ہوتے ہیں یعنی کل ۳ یوم کم تین ماہ ہوئے اور پھر ہندہ کو حیض بھی تین نہیں گزرے چونکہ ہندہ کو حیض تین سال میں آتے ہیں اور ہندہ کی گود میں ایک دس ماہ کا شیر خوار بچہ بھی ہے اس کے لئے جناب والا فرماویں کہ ہندہ کا نکاح ۳ یوم کم تین ماہ میں ہوا یا نہیں ہوا۔ اور حیض کے لئے بھی مدت جو ہوتی ہے اس میں ۳ یوم کم ہوئے ہیں۔ آیا کہ ان کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۲۰۹ فتح محمد صاحب ریاست جیند۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جنوری ۱۹۳۸ء

(۴۱۲) **جواب**۔ عورت جبکہ قابلِ حیض ہے (یعنی ابھی اس کی عمر حیض آنے کے قابل ہے) تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔ جب تین حیض آچکیں گے تب عدت ختم ہوگی اور نکاح جائز ہوگا۔ انقضائے عدت سے پہلے نکاح جائز نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مسماۃ بتول کو اس کے شوہر نے تین طلاق تحریری کاغذ ایک روپیہ پر دیدی تھی۔ بعد عدت وہ میرے نکاح میں آگئی۔ اب عرصہ ڈیڑھ ماہ کا ہوا کہ وہ میرے یہاں سے پھر شوہرِ اوّل فتح محمد کے پاس چلی گئی اور بغیر طلاق اور بغیر نکاح کے وہ اس کے پاس ہے اور مسماۃ بتول کے لڑکا ایک سالہ گود میں ہے۔ بعد بچہ ہونے کے مسماۃ مذکور کے ایامِ حیض عرصہ ڈھائی تین سال کے بعد آیا کرتے ہیں جس وقت مجھ سے نکاح ہوا اس کو طلاق کے وقت سے عرصہ تین ماہ ہو چکا تھا یعنی عدتِ طلاق تین ماہ ہو چکے تھے۔ لہٰذا وہ عورت میرے نکاح میں ہے یا نہیں اور میرا نکاح درست ہے یا نہیں۔ اب اس کا شوہر اول فتح محمد یہ کہتا ہے کہ میں اس کو روزینہ دیتا ہوں اور اپنے بچوں کی پرورش کراتا ہوں۔ کیا بغیر میری رضامندی وہ اپنے بچوں کی پرورش کراسکتا ہے یا نہیں؟

(المستفتی ۲۲۲۴ نظیر خاں سپاہی ریاست جیند ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء)

(۱۳۱) **جواب** - عدت تین حیض آنے سے پوری ہوتی ہے - اگر شوہر اول کی طلاق کے بعد تین حیض آچکے تھے تو تمہارا نکاح درست ہو گیا تھا اور اس صورت میں شوہر اول کو یہ حق نہیں کہ وہ اس عورت کو تمہاری اجازت کے بغیر بچوں کی پرورش کے لئے رکھ سکے - لیکن اگر شوہر اول کی طلاق کے بعد اس کو تین حیض نہیں آئے تھے کہ تم نے نکاح کر لیا تو وہ نکاح عدت میں ہونے سے ناجائز ہوا تمہیں لازم ہے کہ اسے علیحدہ کردو - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

ہندہ سے خلوتِ صحیحہ واقع ہو چکی ہے - بعدکو بوجہ ناچاقی ہندہ اپنے والدین کے گھر مقیم رہی - پورے تین برس میں ہندہ کو خاوند نے مس تک نہیں کیا اور تین برس کے عرصہ میں ہندہ سے کوئی اولاد ہوئی - بعد تین برس ہندہ کو طلاق دے دی تو جناب نے ہندہ پر تین حیض عدت واجب قرار دی اور علت عدت حضور نے اظہار حزن و سوگ تحریر فرمائی - جواباً گزارش ہے کہ صورتِ مذکورہ میں ہندہ تو قید سے آزاد ہوئی کیونکہ خاوند نے تین برس نان و نفقہ وغیرہ تک ایک کوڑی بھی نہیں دی تو یہ تفرقہ ہندہ کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہے اور مژدۂ آبحیات - تو اب حزن و سوگ کا اظہار خلافِ عقل و خلافِ قیاس ہے علت تحریر کردہ جناب کی مفقود ہے لہذا معلول کا مفقود ہونا اظہر من الشمس ہے اس لئے وجوبِ عدت غلط ہے - المستفتی ۲۶۲۴ شیر محمد عباسی ۲۵ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ م ۲ جولائی ۱۹۴۰ء

(۱۴۱) **جواب** - میرے پہلے جواب کی نقل آپ بھیجتے تو میں دیکھتا کہ میرے پورے جواب کا مطلب کیا تھا -

غالباً آپ نے یہ لکھا ہو گا کہ عدت کا تقرر برارتِ رحم کے لئے ہوا ہے پس جبکہ ایسی صورت ہو کہ علوق کا شبہ نہ ہو - مثلاً عورت کئی سال سے خاوند سے جدا ہو تو اس پر عدت واجب نہ ہونی چاہئے - اس کے جواب میں غالباً میں نے لکھا ہو گا کہ وجوبِ عدت کی صرف یہی وجہ نہیں ہے کہ برارتِ رحم معلوم ہو جائے بلکہ عدت واجب ہونے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ برارتِ رحم معلوم ہو جائے اور یہ بھی کہ نکاح کا تعلق جو ایک فطری تعلق اور نظامِ عالم کے بقا و ترقی کا کفیل ہے

دوام کا مستحق ہے اور جب یہ منقطع ہو تو موجب افسوس ہے ۔ یہ انقطاع اگر شوہر کی موت کی وجہ سے ہو تو زوجہ پر خواہ وہ صغیرہ یا آئسہ ہو سوگ بھی لازم ہے اور طلاق کی وجہ سے ہو تو جب بھی فی حد ذاتہ افسوس اور اظہارِ حزن کا موجب ہے ۔ اگرچہ خاص خاص حالات میں خاص عورت کے لئے یہ قطع تعلق موجب مسرت اور سببِ نجات ہی ہو گیا ہو چونکہ اصل فطرت کے تقاضے اور اس کے موجباتِ کلیہ کے موافق احکام وضع کیے جاتے ہیں جزئیات کی خصوصیات کا لحاظ نہیں کیا جاتا اس لئے حکمِ کلی یہ ہے کہ مدخولہ عورت کو جب طلاق دی جائے تو اس کو تین حیض کی عدت گزارنی ہوگی اور اس حکمِ کلی کی دلیل اور علت یہ آیت ہے ۔ والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء ۔ اور مطلقہ غیر مدخولہ کو اس حکم سے دوسری آیت نے علیحدہ کر دیا ہے وہ یہ ہے ۔ اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک عورت تیس سال عمر والی جس سے تین بچے بھی پیدا ہوئے دو برس سے حیض اس کا منقطع ہو گیا پھر شوہر نے تین طلاقیں دیدیں ۔ اس صورت میں بقول امام مالکؒ تین مہینے عدت کر کے زوجِ ثانی اختیار کر لیا تھا ۔ پھر زوجِ ثانی کو طلاق دیئے ہوئے نو دس مہینے گذر گئے بلکہ کچھ زائد مگر ہنوز انقطاع حیض بحال ہے ۔ اب بقول امام مالکؒ اس عورت کا نکاح زوجِ اول کے واسطے حلال ہو گا یا نہ اور حنفیہ کو بنا بر ضرورت و مجبوری بقول امام مالکؒ فتویٰ اس مسئلہ میں دینا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۶۳۴ محمد عبد الواحد صاحب (اکیاب)

۵ رجب ۱۳۵۹ھ ۱۰ اگست ۱۹۴۰ء

(۴۱۵) **جواب** ۔ ممتدۃ الطہر کی عدت امام مالکؒ کے نزدیک نو مہینے یا ایک سال گذرنے سے پوری ہوتی ہے ۔ مشہور قول نو مہینے کا ہے اور رسا نحانی نے تصریح کی ہے کہ امام مالکؒ کے مقلدین کے نزدیک معتمد یہ ہے کہ ایک سال میں عدت پوری ہو گی ۔ پس صورتِ مذکورہ میں تین مہینے کے بعد جو نکاح کیا وہ قطعاً عدت کے اندر ہوا پس یہ عورت زوجِ اول کیلئے حلال نہیں ہوئی ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ہندہ بیوہ کا شوہر مورخہ ۶ ربھادوں و ۲۷ رجب ۱۳۶۰ھ کو صبح صادق کے ساتھ راہرو ملک بقا ہوا (اور اہل دیہات عموماً تاریخ ولادت و وفات لکھنے کے عادی نہیں۔ صرف تخمینہ سے کام لیا کرتے ہیں۔ البتہ سرکاری چوکیدار لکھوا لیتے ہیں مگر ان کا اثبات بھی قابل اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ بسا اوقات وہ بجہت بعض اغراض مقدم مؤخر لکھوا لیتے ہیں) اور شب ششم ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ میں زید نکاح خواں نے ورثاء ہندہ مذکور کے بتلانے پر تخمیناً عدت وفات مکمل خیال کرتے ہوئے ہندہ کا عقد نکاح عمرو کے ساتھ روبروئے بکر و خالد شاہدین کر دیا اور ہندہ غیر حامل ہے۔ جس کے بعد دوسرے دن خویلد نکاح خواں ثانی نے جو زید نکاح خواں کا مخالف ہے علی الاعلان کہا کہ یہ نکاح فاسد ہے کیونکہ مدت عدت میں کیا گیا ہے بلکہ زید و بکر و خالد وغیرہم کے اپنے نکاح بھی فاسد ہو گئے لہٰذا زید وغیرہ کی امامت و دیگر معاملات دینی ناجائز ہیں۔ چنانچہ اس نے زید وغیرہ پر عمداً ایسا کرنے کا بہتان لگا کر کسی عالم سے فتویٰ بھی اس مضمون کا منگایا ہے۔ اس پر تحقیقات بالغہ کے بعد ہم کو یہی معلوم ہوا کہ زید نے جو نکاح ہندہ کا عمرو کے ساتھ کیا ہے وہ اس کے شوہر کے وقت وفات سے لیکر ۴ ماہ و ۹ روز اسلامی پر واقع و منعقد ہوا ہے یعنی ایک دن یا کم و بیش وفات میں سے باقی رہتا تھا جو سہواً خطا پر محمول ہے لہٰذا آپ فرمائیں کہ یہ عقد ہندہ کا عمرو کے ساتھ صحیح ہے یا فاسد۔ اگر فاسد ہے تو کیوں۔ حالانکہ چار ماہ مکمل اور عشرہ کا اکثر حصہ بھی گذر چکا تھا اور یہ قضیہ ہمارے علمائے احناف کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ للاکثر حکم الکل۔

نیز یہ حکم فساد صورت مذکورہ میں وماجعل علیکم فی الدین من حرج کے خلاف معلوم ہوتا ہے نیز فرمائیں کہ زید و بکر و خالد وغیرہم کے نکاح بھی فاسد ہو گئے ہیں یا نہیں۔ اگر فاسد ہو گئے ہیں تو کیوں۔ آیا یہ حکم فساد آیت من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ اور لیس علیکم جناح فیما اخطأتم بہ ولکن ماتعمدت قلوبکم کے خلاف نہیں یعنی شریعت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اندر مسلمان کے نکاح صحیح میں بغیر طلاق صریح و کنایہ کے فساد تب عارض ہوتا ہے کہ اس سے

بلا جبر واکراہ غیر برضار دل کلمۂ کفر سرزد ہو یا ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار با ہوش وحواس اس سے پایا جائے۔ وَاِلَّا فَلَا۔ کیونکہ امّتِ مرحومہ کے مکرہین وخاطئین بآیاتِ مذکورہ بالا معاف ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۷۰۱ چودھری لال دین ولد شہاب (لائل پور)

۹ محرم ۱۳۶۱ھ م ۲۷ جنوری ۱۹۴۲ء

(۴۱۶) **جواب** - (۱) اگر عدّت پوری ہونے میں ایک دن کی کمی رہی تو نکاح نہیں ہوا کیونکہ چار مہینے دس دن کی عدّت قرآن مجید کی صریح نص میں ہے حدود مقررہ منصوصہ میں للاکثر حکم الکل کا قاعدہ جاری نہیں ہوتا۔ چار رکعت والی نماز تین رکعتیں پڑھ لینے سے ادا نہیں ہوگی۔ رمضان کے بیس پچیس روزے رکھ لینے سے فریضۂ صیام ادا نہ ہوگا۔ تین حیض والی عدّت دو حیض آنے پر پوری نہ ہوگی۔ چار مہینے دس دن کی عدّت چار مہینے نو دن سے پوری نہ ہوگی اوران احکام میں سے کسی میں ماجعل علیکم فی الدین من حرج کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ دین کا مسئلہ یہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا غیر حاملہ کی عدّت چار ماہ دس دن ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے کم مدّت میں نکاح پڑھا دینا دین کا مسئلہ ہی نہیں۔ لہٰذا آیت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

زید و بکر، خالد (یعنی نکاح خواں وشاہدین) کے نکاح فاسد نہیں ہوئے۔ خویلد کا یہ کہنا کہ ان لوگوں کے نکاح فاسد ہوگئے غلط ہے۔ ان لوگوں نے غلطی سے ناتمام مدّت کو کامل عدّت سمجھا اور اپنے خیال میں معتدہ کا نکاح نہیں پڑھا بلکہ غیر معتدہ کا پڑھایا ہے اس غلطی کے ارتکاب سے نہ اُن کے ایمان میں خلل آیا نہ ان کے نکاح فاسد ہوئے۔ ہاں ہندہ اور عمرو ناکح پر تجدیدِ نکاح واجب ہے۔ وہ از سرِ نو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

متعلقہ ضرورتِ عدّت۔

(۴۱۷) **جواب** - طلاق کے بعد عورت پر عدّت لازم ہے چاہے وہ کتنی ہی مدّت سے خاوند سے جدا ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

(۴۱۸) **جواب دیگر** - اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت حمل وضع ہونے تک ہے۔ اور حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت تین حیض آنے تک ہوگی۔ عدت ختم ہونے سے پہلے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اور زینت کی چیزوں زیور اور کپڑے سرخ و زرد کا استعمال نہ کرے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۶ دسمبر ۱۹۲۵ء)

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ یوم طلاق سے بارھویں دن عورت نے عقدِ ثانی کر لیا۔ یہ عقد جائز ہے یا ناجائز اور اس صورت میں شوہر مذکور اس عورت کو حقوقِ شوہری ادا کرنے پر مجبور کر سکتا ہے ؟

(۴۱۹) **جواب** - اگر یہ عورت جس کو طلاق دی گئی مدخولہ ہے یعنی خاوند اس سے صحبت یا خلوت کر چکا ہے اور حاملہ نہ تھی تو اس کی عدت تین حیض آنے کے بعد ختم ہوتی۔ حاملہ کی عدت وضع حمل ہوتی ہے۔ انقضائے عدت سے پہلے نکاح کرنا حرام ہے۔ اگر عدت کے اندر نکاح کیا گیا ہو تو اس کو فسخ کرنا واجب ہے۔ اور جدید شوہر حقوقِ زوجیت ادا کرنے پر عورت کو مجبور نہیں کر سکتا۔ انقضائے عدت کے بعد تجدید نکاح لازم ہے۔

اور اگر مطلقہ عورت غیر مدخولہ اور غیر خلوت شدہ تھی تو اس کے ذمہ کوئی عدت نہیں تھی اور اس کا نکاح درست ہو گیا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲ نومبر ۱۹۲۶ء)

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور بکر نے اگلے ہی روز نکاح پڑھوا لیا۔ اور عدت تین ماہ دس دن پوری نہیں کی۔ زوجۂ زید ایک سال سے اپنے باپ کے ہاں بیٹھی تھی اور اپنے شوہر کے ہاں جانا نہیں چاہتی تھی۔ اس واسطے شوہر نے مجبوراً طلاق دی اور طلاق نامہ لکھ دیا۔ کیا زبان سے بھی تین مرتبہ طلاق دینا ضروری ہے ؟ اور جس شخص نے نکاح پڑھایا اور گواہان کے نکاح میں کچھ فرق آیا یا نہیں ؟ اور بکر جو مطلقہ کا شوہر بنا ہے اس کیلئے شرعی حکم کیا ہے ؟

(۴۲۰) **جواب**۔ اگر زید کی بیوی مدخولہ تھی یا اس کے ساتھ خلوت ہو چکی تھی تو اس پر عدت لازم تھی۔ اس کا کچھ اعتبار نہیں کہ وہ سال بھر سے ماں باپ کے یہاں بیٹھی تھی۔ اس صورت میں دوسرا نکاح عدت کے اندر ہوا اور ناجائز و حرام ہوا۔ مگر نکاح پڑھانے والے اور گواہوں کے نکاح نہیں ٹوٹے۔ ہاں اگر ان کو یہ معلوم تھا کہ عورت معتدہ ہے تو وہ سب گنہگار ہوئے ان کو توبہ کرنی چاہیئے۔ اور شوہر ثانی بکر کو لازم ہے کہ وہ اس عورت کو فوراً علیحدہ کر دے اور جب عدت ختم ہو جائے تو پھر از سر نو نکاح پڑھائے۔ طلاق دینے لکھ دینے سے بھی طلاق ہوتی ہے۔ اگر خاوند اپنے ہاتھ سے طلاق لکھے یا اس کے کہنے سے کوئی اور لکھے تو پھر زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۲۷ء)

ایک شخص مسمی دراز خاں مورخہ ۳ مئی ۱۹۲۶ء کو فوت ہوا۔ اس کی بیوہ مسماۃ حوا کا مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۲۶ء کو دوسرا عقد پڑھا دیا گیا۔ کیا یہ نکاح صحیح ہوا۔ اگر ناجائز ہے تو کیا عدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ نکاح پڑھانے کی ضرورت ہے۔ کیا اس ناجائز نکاح کو پڑھا دینے کا ذمہ دار قاضی بھی ہے؟

(۴۲۱) **جواب**۔ عدت وفات (اگر زوجۂ متوفی حاملہ نہ ہو) چار ماہ دس روز ہے اور صورت مسئولہ میں چار ماہ دس روز پورے ہونے سے پہلے نکاح پڑھایا گیا ہے۔ پس عدم وضع حمل کی صورت میں یہ نکاح اندرون عدت ہوا اور ناجائز ہوا۔ بعد انقضائے عدت تجدید نکاح لازم ہے۔ اس ناجائز نکاح کی ذمہ داری عورت پر اور ان لوگوں پر ہے جن کو عدت پوری نہ ہونے کا علم تھا۔ اور وہ نکاح میں ساعی اور شریک ہوئے۔ اگر قاضی نکاح خواں کو بھی اس امر کا علم تھا تو وہ بھی گناہ میں شریک ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۷ء)

زید کی عورت کے کسی سے ناجائز تعلقات ہیں۔ اسی زمانہ میں زید کا انتقال ہو گیا۔ بکر نے

بعد انتقال زید کے میعادِ عدت گزرنے کے بعد اس عورت سے عقد کر لیا۔ بعد عقد ہو جانے کے معلوم ہوا کہ عورت حاملہ تھی تو ایسی حالت میں نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

(۴۲۲) **جواب** ۔ جبکہ عورت زید کے نکاح میں تھی اور زید کی وفات کے وقت حاملہ تھی تو اس کی عدت چار ماہ دس روز نہ تھی بلکہ وضع حمل اس کی عدت تھی۔ پس حالتِ حمل میں جو نکاح ہوا وہ ناجائز ہوا۔ بعد وضع حمل تجدید نکاح کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ معتدۂ غیر سے عدت کے اندر نکاح کرنا حرام ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ یکم اگست ۱۹۲۸ء)

ایک طوائف نے توبہ کی اور نکاح کیا اور عدت میں نہیں بیٹھی۔ اس کا نکاح درست ہوا یا نہیں؟

(۴۲۳) **جواب** ۔ اگر یہ طوائف ناجائز پیشہ کرتی تھی اور کسی کی منکوحہ نہ تھی تو اس پر توبہ کے بعد کوئی عدت لازم نہ تھی۔ توبہ کرتے ہی فوراً نکاح کر لینا جائز تھا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جون ۱۹۳۶ء)

عورت مرضعہ کو جس کا شیر خوار بچہ ابھی پانچ ماہ کا ہے اس کے شوہر نے طلاق دیدی ہے اور عورت کو دو سال تک ایامِ رضاعت میں قبل ازیں بھی کبھی حیض نہیں آیا۔ کیا عورت مذکورہ کی عدت حیض سے ہوگی یا مہینوں سے؟

(۴۲۴) **جواب** ۔ اس عورت کی عدت حیض سے ہی ہوگی۔ مہینوں سے نہیں ہوگی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک عورت اپنے شوہر سے طلاق لے کر بغرض عدت گزارنے کے اپنے ورثا کے پاس محض اس وجہ سے نہیں جانا چاہتی کہ ان کا رویہ درست نہیں۔ ورثا میں عورت کی دادی اور باپ ہیں۔ طلاق کی عدت شوہر کے گھر گزارنا واجب ہے یا جہاں جی چاہے؟

المستفتی منشی محمد احسان اللہ۔ باڑہ ہندو راؤ دہلی

(۴۲۵) **جواب** - مطلقہ پر شرعاً لازم ہوتا ہے کہ عدت خاوند کے مکان میں گزارے۔ البتہ اگر طلاق بائن یا مغلظہ ہو تو خاوند سے پردہ کرنا ضروری ہے۔ اور اگر طلاق رجعی ہو تو پردہ ضروری نہیں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب صحیح - محمد مظہر اللہ غفر لہ، امام مسجد فتحپوری دہلی

سوال

ایک شخص اپنی عورت کو طلاق دے دیتا ہے اور پھر امدادی طور پر زمانۂ عدت میں اس کے گزارے کا انتظام اپنی نگرانی میں کرنا چاہتا ہے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے؟

المستفتی منشی محمد احسان اللہ باڑہ ہندو راؤ دہلی

(۴۲۶) **جواب** - عدت کے زمانہ کا نفقہ تو خاوند کے ذمہ واجب ہے۔ اس کو دینا لازم ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

الجواب صحیح - محمد مظہر اللہ غفر لہ، امام مسجد فتحپوری دہلی

سولھواں باب

حضانت

سوال

(۱) بعد طلاق ایک سالہ لڑکی کا مالک لڑکی کا باپ ہے یا اس کی ماں؟

(۲) لڑکی اگر ماں کے پاس رہے تو اس کے صرفہ خوراک و پوشاک و عقیقہ کے خرچ کا ذمہ دار تا سنِ بلوغت اس لڑکی کا باپ ہوگا یا نہیں؟

(۳) لڑکی کس عمر تک بالغ سمجھی جائے گی؟

(۴۲۷) **جواب** - (۱) لڑکی یا لڑکا بعد ان کی ماں کے طلاق دیئے جانے کے والد کے ہیں۔ لیکن ماں کو حقِ پرورش حاصل ہے اور لڑکی بالغ ہونے تک ماں کے پاس رہ سکتی ہے۔ بشرطیکہ ماں لڑکی کے غیر محرم سے نکاح نہ کرلے۔ اور کسی دوسری وجہ سے بھی اس کا حقِ پرورش ساقط نہ ہوجائے۔

(۲) بیشک لڑکی کے مصارفِ نفقہ باپ کے ذمّہ ہوں گے۔

(۳) جبکہ لڑکی کو حیض آنے لگے یا احتلام ہو جائے یا حمل ہو جائے یا بصورتِ عدم ظہوران علامات کے عمر پندرہ سال کی پوری ہو جائے۔

سوال

ہندہ بزمانۂ حمل خود کو مطلقہ ہونا بیان کرتی ہے بعد وضع حمل لڑکا پیدا ہوا۔ اب بچّہ کے باپ زید سے ہندہ کا باپ یعنی بچّہ کا نانا اس کے خرچ پرورش کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیا اس کو بموجودگی ہندہ بذاتِ خود حق دعویٰ حاصل ہے۔ بینوا توجروا۔

(۴۲۸) **جواب** ۔ نانا نے نواسے پر جبکہ بلا حکم قاضی یا رضائے والد خرچ کیا ہے وہ تبرع سمجھا جائے گا۔ نانا کو یہ حق نہیں کہ نواسے کے والد سے اپنے خرچ کو وصول کرے یا اس کا دعویٰ کرے۔ والنفقۃ لا تصیر دینا الا بالقضاء او الرضاء (در مختار)

سوال

ہندہ کو زمانہ حمل میں طلاق دی گئی۔ وضع حمل کے بعد لڑکا پیدا ہوا تین سال تک ہندہ نے بچّہ کے باپ زید سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کیا۔ ساڑھے تین سال بعد ہندہ بچہ کے باپ سے زمانۂ گزشتہ کے اخراجات کا مطالبہ کرتی ہے۔ کیا اس کو گزشتہ خرچ کا مطالبہ کرنے کا حق زید سے ہے؟

(۴۲۹) **جواب** ۔ ہندہ کو یہ حق نہیں ہے کہ گزشتہ زمانے کا نفقہ یعنی بچہ پر جو کچھ خرچ کیا ہے اس کا مطالبہ بچّہ کے باپ سے کرے۔ گزشتہ زمانے کا نفقہ جبکہ بغیر حکم قاضی یا رضامندی باہمی کے ہو اساقط ہو جاتا ہے۔ وان انفقت علیہ (ای الصغیر) من مالہا او مسئلۃ الناس لا ترجع علی الاب (رد المحتار)

سوال

(۱) زید کے ہندہ سے دو تین بچے ہیں نانا کے یہاں پرورش پاتے ہیں۔ زید نے ان کا اب تک کچھ خرچ پورا نہیں کیا۔ نانا وہ خرچہ زید سے پاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر زید ہندہ کو طلاق نہ دے اور نہ اپنے گھر بلائے اور عورت کوئی نافرمانی بھی نہ کرے تو اس صورت میں ہندہ ازروئے شرع زید سے نفقہ پاسکتی ہے یا نہیں؟ اور بچّوں کا خرچ

آئندہ کس کے ذمہ ہے ؟ بینوا توجروا

(۴۳۰) **جواب**۔ (۱) زید کے بچوں پر نانا نے جو کچھ خرچ کیا وہ تبرع ہے اور نانا وہ خرچہ زید سے وصول نہیں کر سکتا۔

(۲) اگر عورت کو طلاق نہ دے اور نہ اپنے گھر بلائے۔ لیکن اگر بلانا چاہے تو عورت انکار نہ کرے۔ اس صورت میں عورت شوہر سے نفقہ پانے کی مستحق ہے۔ بچوں کا خرچ پرورش ان کے باپ کے ذمہ ہے اور آئندہ کا نفقہ اس سے لیا جا سکتا ہے۔ لیکن گزشتہ نفقہ لینے کا نانا کو استحقاق نہیں۔

سوال

زید کا انتقال ہو گیا اور اپنے پیچھے ایک زوجہ ایک دختر یک سالہ چھوڑ گیا۔ صورتِ موجود میں زوجۂ زید کو اس کا مہر اور مالِ متروکہ میں حصہ ملے گا ؟ نیز دختر مذکور کی پرورش کون کریگا؟ اور اس کا نفقہ کس پر اور کس عمر تک واجب ہو گا ؟ بینوا توجروا

(۴۳۱) **جواب**۔ زوجۂ زید کو اس کا پورا مہر ملے گا۔ اور زید کے ترکہ میں سے اس کی زوجہ کو بحق ارث آٹھواں حصہ دیا جائے گا۔ اور باقی اس کی لڑکی کا حق ہے۔ جبکہ زید کا سوائے ان دو کے اور کوئی وارث نہ ہو۔ لڑکی کی پرورش کا حق اس کی والدہ کو ہے اور نفقہ خود لڑکی کے مال میں سے لیا جائے گا اور جب اس کا مال نہ رہے تب ماں کے ذمہ ہو گا۔ واللہ اعلم۔

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

سوال

ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور وہ تین لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑ کر مر گیا۔ اس کی زوجہ نے دوسرا شوہر کر لیا۔ بچوں کی نانی اور دادی بھی موجود ہے۔ لڑکیوں کا چچا اور سوتیلا بھائی بچوں کو ماں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ بچے اپنا ورثہ طلب کرتے ہیں اور ماں اپنا مہر طلب کرتی ہے اور وہ دینے سے انکار کرتے ہیں۔

(۴۳۲) **جواب**۔ نابالغ لڑکیوں کا حقِ پرورش ماں کو ہے۔ مگر چونکہ اس نے دوسرا نکاح کر لیا ہے تو اگر دوسرا خاوند بچوں کا ذی رحم محرم نہ ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط ہو گیا۔

اب نانی مستحق ہے۔ وان لم یکن لہ اُمٌ تستحق الحضانۃ بان کانت غیر اھل للحضانۃ اومتزوجۃ بغیر محرم او ماتت فام الام اولی من کل واحدۃ وان علت الخ (ہندیہ)

سوال

ہندہ مطلقہ کی گود میں ایک لڑکی نو ماہ کی ہے۔ اس کا حق پرورش کس پر ہے باپ پر ہے یا ماں پر۔ اگر ماں پر ہے تو کتنے روز تک ہے۔ اس کی حد بیان فرمائیں۔ اور اگر ہندہ بعد انقضائے عدت دوسرا نکاح کرے تو اس بچہ کو زید اس سے لے سکتا ہے؟

(۴۳۳) **جواب** ۔ مطلقہ کو اپنی لڑکی کا حقِ پرورش حاصل ہے۔ نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا۔ لڑکی کے بالغ ہونے تک یہ حق اس کو ہے۔ بشرطیکہ ماں لڑکی کے کسی غیر محرم سے نکاح نہ کرلے یا اور کسی وجہ سے حقِ حضانت ساقط نہ ہو جائے۔

سوال

زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور طلاق کے وقت اس کے پاس اتنی رقم کی مالیت چھوڑی جو اس کے مہر اور ایام عدت کے مصارف سے بھی زیادہ تھی۔ زید کے چھ بچے ہیں چار لڑکے اور دو لڑکیاں۔ لڑکوں کی عمر ۱۴ سال ۱۲ سال ۷ سال ۴ ماہ ہے اور لڑکیوں کی عمر ۱۰ سال ۴ سال ہے۔ زید اپنی زوجہ کے چال چلن سے مطمئن نہیں ہے اور چاہتا ہے کہ بچوں کو اپنی ہمشیرہ کے زیرِ تربیت رکھے تو کیا شرعاً اسے یہ حق حاصل ہے اور اگر ہے تو کس کس بچہ کے لئے۔ اس کی زوجہ مطالبہ کے باوجود بچوں کو نہیں دیتی اور ان کے نان نفقہ کا مطالبہ کرتی ہے۔ المستفتی نمبر ۱۰۴ فیاض احمد خاں آگرہ۔ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ۱۲ جولائی ۱۹۳۳ء

(۴۳۴) **جواب** ۔ جب تک زوجہ مطلقہ کسی ایسے شخص سے جو بچوں کا محرم نہ ہو نکاح نہ کرے۔ بچوں کی پرورش کا اسی کو حق ہے۔ سات سال سے کم عمر کا لڑکا اور نابالغ لڑکیاں اس کی پرورش میں رہیں گی اور ان کا نفقہ والد کے ذمہ ہوگا۔ بچوں کی پھوپی کا ماں کے ہوتے ہوئے اور قابل حضانت ہوتے ہوئے کوئی حق نہیں ہے فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

سوال

زید نے انتقال کیا۔ مال و اسباب وغیرہ چھوڑا۔ دو بچے چھوڑے۔ ایک لڑکا بعمر ۷ سال اور

ایک لڑکی بعمر ۹ سال۔ عورت نے بعد گزر جانے عدت کے غیر محرم سے نکاح کرلیا اور دونوں بچوں کے وارث تایا چچا زندہ ہیں۔ وہ دونوں بچوں کو لینا چاہتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۲ حافظ محمد اسمٰعیل دہلی۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ م ۲۷ جولائی ۱۹۳۳ء

(۴۳۵) **جواب** - بچوں کی ماں نے جبکہ بچوں کے غیر محرم سے نکاح کرلیا ہے تو اس کا حق حضانت ساقط ہوگیا اور لڑکے کی عمر سات سال کی ہوگئی تو وہ حد حضانت سے نکل گیا لہٰذا لڑکا تو چچا یا تایا کو پرورش اور نگرانی کے لئے مل جائے گا۔ رہی لڑکی جس کی عمر نو سال کی ہے تو وہ بلوغ تک نانی کے پاس رہ سکتی ہے۔ بشرطیکہ نانی اس کی تعلیم و تربیت اچھی طرح کرسکے اور اس کے چال چلن کی طرف سے اعتماد ہو ورنہ وہ بھی چچا یا تایا کو مل جائے گی فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

میری اہلیہ نے انتقال کیا۔ دو بچیاں جن کی عمریں چار سالہ و دو سالہ ہیں چھوڑیں جو میری اولاد ہیں۔ بعد انتقال اہلیہ کے میرے خسر نے میری ہر دو بچیوں کو حق حضانت نانی کا حق ظاہر کرکے مجھ سے لے لیں۔ ان کی کفالت میرے ذمہ لگا کر سات روپے ماہوار صرف خوراک وغیرہ اور چار چار جوڑہ پارچہ سالانہ دس پانچ آدمی اہل محلہ جو شرعی مسائل سے بے بہرہ ہیں جمع کرکے ایک دباؤ ناجائز دے کر ان کے سامنے ایک تحریر مجھ سے لے لی جو مجبوراً مجھے دینا پڑی۔ لیکن کوئی تحریر مجھ کو اس قسم کی نہ دی گئی اور نہ کوئی اطمینان دلایا گیا کہ مجھے یہ رقم آیا کب تک ادا کرنی ہوگی۔ بچیوں کی تعلیم و تربیت اور آمد و رفت کے متعلق کوئی اطمینان نہیں دلایا گیا۔ باوجودیکہ میں لڑکیوں کا باپ ہوں۔ ہر طرح ان کی پرورش کرسکتا ہوں ان کے آرام و آسائش کے لئے ایک اتا بطور خدمتی رکھ سکتا ہوں۔ علاوہ ازیں اولاد کو میرے خیال ناقص میں کوئی متنفس والدین سے زیادہ آرام نہیں پہنچا سکتا۔

المستفتی نمبر ۱۳۳ حافظ عبدالرحمٰن صاحب (بھوپال) ۴ شعبان ۱۳۵۲ھ م ۲۳ نومبر ۱۹۳۳ء

(۴۳۶) **جواب** - بچوں اور بچیوں کی پرورش کا حق جن اقربا کو دیا گیا ہے وہ بچوں اور بچیوں کی غور و پرداخت اور ان کی خیر خواہی اور محبت کے لحاظ سے دیا گیا ہے۔ نانی کو یہ حق حاصل

ہے۔ لیکن اگر لڑکیوں کا باپ اتنا مقرر کر کے ان کی پرورش کرنے اور ہر قسم کی غور و پرداخت کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور اتنا مقرر کرنے پر آمادہ ہے اور بچیوں کو بھی نانی سے علیحدہ رہنے میں کوئی کلفت نہ ہو تو بے شک باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بچیوں کی پرورش اپنی نگرانی میں کرائے۔ اور نانی سے بچیوں کو واپس لے لے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

(۱) زید میت نے اپنی ایک سالہ بیٹی مسماۃ زینب، منکوحہ ہندہ اور چار حقیقی بھائی چھوڑا۔ ان میں سے زینب کا حق پرورش کس کو حاصل ہے؟

(۲) ہندہ اپنی بیٹی زینب کی عمر دس سال ہونے تک اس کے چچاؤں کے ساتھ رہ کر انھیں کے مکان میں انھیں کے مال سے اپنی تربیت میں پرورش کرتی تھیں کہ ہندہ کا بھائی آیا انھیں بہکا کر اپنے ہاں لے گیا اور ہندہ کا نکاح زینب کے غیر محرم سے کر دیا۔ بدیں حالت زینب اپنی والدہ کے ساتھ غیر محرم کے مکان میں رہ سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) نانی خالہ کے ہاں رہنے میں زینب کی طبیعت پر فسق اور جہالت کا برا اثر ہونے کا احتمال ہے تو اس حالت مخدوش میں ان کے نزدیک رہ سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) فی الحال چونکہ زینب کی عمر گیارہ سال کی ہو چکی ہے تو کیا اب بھی اس کو والدہ نانی وغیرہ کو پرورش کے لئے اپنے ہی پاس روک رکھنے کا حق حاصل ہے؟

(۵) یتیم و یتیمہ کا حق حضانت و پرورش والدہ، نانی، خالہ اور پھوپی کو کس عمر تک حاصل ہے۔ ان کے وارثین ولی اپنی حفاظت میں کب لے سکتے ہیں؟

(۶) یتیمہ زینب کا نکاح بیاہ کا حق مندرجۂ صدر وارثین میں کس کو حاصل ہے؟

(۷) حقیقی چچا کی موجودگی میں اس کی والدہ ہندہ کو زینب کا نکاح کر دینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

(۸) اگر زینب کا نکاح اس کی والدہ یا نانی یا ماموں کرنا چاہیں تو چچاؤں کو اس کی مزاحمت کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۸۵۱ محمد حسین قاسم بھائی (ضلع ناسک) ۵ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۷ اپریل ۱۹۳۶ء

(۴۳۷) **جواب** - نمبر ۵ میں ماں اور نانی لڑکی کی پرورش بلوغ تک کرسکتی ہیں بنا بر ظاہر روایت۔ اور حد شہوت تک امام محمدؒ کی روایت کے بموجب - امام محمدؒ کی روایت کو مفتی بہ بھی کہا گیا ہے۔ مگر دوسری روایت بوجہ ظاہر الروایت ہونے کے ترجیح رکھتی ہے اور امام محمدؒ کی روایت مفتی بہا ہونے کی جہت سے راجح ہے۔ چچا کے سامنے ماں یا نانی کو ولایت تزویج حاصل نہیں۔ چچا نابالغہ کا نکاح کرسکتا ہے۔ ہاں نابالغہ کو خیار بلوغ حاصل ہوگا۔ فقط۔ اور سب جواب صحیح اور درست ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

لڑکی کا زمانہ رضاعت کس عمر تک ہے کہ مطلقہ بیوی اس کو بطور پرورش اپنے پاس رکھنے کی حقدار ہوسکتی ہے۔ المستفتی نمبر ۹۴۵ عبد العلی خاں (ریاست بھرتپور)
یکم ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء

(۴۳۸) **جواب** - لڑکی کی حضانت یعنی پرورش کا زمانہ بلوغ تک ہے۔ یعنی وہ اپنی ماں یا نانی دادی کے پاس بلوغ تک رہ سکتی ہے۔ بشرطیکہ ماں یا نانی یا دادی کا حق پرورش کسی وجہ سے ساقط نہ ہوگیا ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ہندہ مطلقہ ہے اور اپنے میکے میں رہتی ہے مگر اس کے تین اولاد ہے۔ نرینہ چھ سات سال اور صبیہ چہار سالہ - یہ ہر دو اپنے والد زید کے پاس رہتے ہیں اور ایک دختر ڈھائی سالہ جو ہے وہ ہندہ کے پاس ہے۔ اب ہندہ مواخذہ کرنا چاہتی ہے کہ یہ ہر سہ اولاد اپنی زیر نگرانی رکھے۔ زید بلازمت تعلقہ افسری دو ڈھائی سو روپے ماہانہ پر دوسرے شہر میں ہے۔ اب زید ہندہ کی خواہش پر اولاد کو اس کے سپرد کرے یا نہ کرے۔ حق حضانت کس کا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۰۰۶ علی ابن آزم - ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(۴۳۹) **جواب** - لڑکے کی پرورش کی عمر سات سال تک ہے۔ جب لڑکا سات سال کا ہوجائے تو عورت کا حق حضانت ساقط ہوجاتا ہے۔ اور لڑکے کو اس کا باپ تعلیم و تربیت کی غرض سے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ لڑکیوں کی پرورش کی عمر ان کے بالغہ ہونے تک ہے۔ لڑکیوں کی

والدہ لڑکیوں کے بالغ ہونے تک اپنے پاس رکھ سکتی ہے۔ یہ حق حضانت اس وقت تک رہتا ہے کہ عورت بچوں کے غیر محرم کے ساتھ نکاح نہ کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

زید کی لڑکی شادی شدہ زیادہ تر اپنے پدر زید کے پاس رہی۔ اخیر مرتبہ بیمار ہوکر اپنے شوہر کے یہاں سے زید کے یہاں آگئی اور یہیں اس کا معالجہ شروع ہوا۔ اس علاج میں زید نے کثیر مصارف کیے۔ ایک عرصہ تک بیمار رہ کر وقت آچکا تھا انتقال ہوگیا۔ اس کے مرنے پر تمامی مصارف بڑی تعداد کے ساتھ زید کے یہاں ہی ہوئے۔ اس نے ایک بچہ شیر خوار دو ڈھائی سالہ چھوڑا۔ اس کی پرورش بھی بڑے پیمانہ پر زید کے یہاں ہوئی۔ اس کی خالہ نے اس کو دودھ پلایا۔ ایک نوکرنی بھی دودھ پلانے کے لئے رکھی گئی۔ اس کی خدمت و پرورش میں زر کثیر صرف ہوا اور اس وقت تک وہ زید کے یہاں موجود ہے۔ جب عمر اس کی ساڑھے تین سال کی ہوئی تو اس کی تعلیم شروع ہونے پر جملہ مصارف اچھی صورت میں ہوتے رہے۔ بچہ کی عمر اس وقت دس سال کی ہے۔ اب بکر اس کا باپ تعلیم کے نام سے اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔ بکر نے عقدِ ثانی بھی کرلیا ہے۔ اس کی بھی اولاد ہے۔ بچہ بکر کے پاس رہنا نہیں چاہتا ہے بکر پکڑ پکڑ کر لے جاتا ہے اور وہ پھر بھاگ کر آجاتا ہے۔ اس کو سمجھا یا بھی جاتا ہے تو وہ وہاں جانے سے انکار کرتا ہے۔ بکر کو اس کے ملنے والوں کے ذریعہ سے سمجھوایا بھی گیا کہ بقول تمہارے بچہ کو تم اپنے پاس رکھ کر تعلیم کرانا چاہتے ہو تو جس معیار پر تعلیم کرانے کا خیال ہے وہ لکھ کر دے دیا جائے۔ اس معیار سے دو چند پیمانہ پر زید اس کا نانا اپنے مصارف سے تعلیم کرانے کے لئے تیار ہے۔ مگر بکر اس کا باپ کسی اغراض یا ضد کی وجہ سے اس کو نہیں مانتا۔ زید اس کے نانا کو بچہ کے رکھنے میں سوائے اس کے کہ بچہ آرام سے رہے اور دختر مرحومہ کی یادگار خدا قائم رکھے اور اس کی نسل کا سلسلہ خدا بڑھائے۔ اور اپنی حیات میں ہی اگرچہ دختر مرحومہ شرعاً محروم الارث ہے اس دختر کے حقوق اپنے سامنے خوشی سے دے دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ اور اس کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ کوئی غرض وابستہ نہیں ہے۔ اور جس قدر صرفہ زید نے زوجہ بکر کی بیماری اور تجہیز و تکفین میں کیا ہے اس کی ادائیگی کا بکر شرعاً ذمہ دار ہے یا نہیں اور اس طرح سے زید

نے پسر بکر کی پرورش میں جو کچھ صرف کیا ہے اس کی واپسی بکر پر لازم ہے یا نہیں اور عدم ادائیگی مطالبات مذکورہ مانع سپردگی پسر ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۶۶ ہدایت محمد خاں (سرونج)
۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۶ء

(۴۴۴) **جواب**۔ زید نے اپنی مرحومہ لڑکی کے علاج اور تجہیز و تکفین اور بچہ کی پرورش اور تعلیم میں بغیر امر و اذن بکر جو مصارف کیے ہیں ان کا بکر سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ یہ سب تبرع سمجھے جائیں گے۔ بچہ کی عمر جب سات سال سے متجاوز ہوگئی تو باپ کو یہ حق ہے کہ بچہ کو اپنی نگرانی میں لے لے اور اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے۔ اگر بچہ کی تعلیم و تربیت نانا کے یہاں قابل اطمینان طریق پر ہو رہی ہے اور بچہ نانا کے یہاں رہنے میں خوش ہے تو اس کے باپ کو صلح و رضامندی کے ساتھ اس پر آمادہ کیا جائے کہ بچہ کو نانا کے یہاں چھوڑ دے۔ جبراً بچہ کو اپنے یہاں رکھنے کا نانا کو حق نہیں ہے۔ بالغ ہو جانے کے بعد بچہ نانا کے یہاں رہنا پسند کرے تو اُسے یہ اختیار حاصل ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

بعض سوالات کا جواب بالتصریح نہ ملنے سے تسکین نہیں ہوئی۔ اگر بکر اپنی اہلیہ کا علاج کرتا تو زید کو کیا ضرورت تھی کہ وہ بکر کے مصارف کو روک کر اپنے مصارف شروع کر دیتا۔ کیا شوہر کے یہ فرائض میں نہیں کہ بحالت بیماریٔ اہلیہ اس کا علاج کرائے اور علاج میں جو مصارف ہوں ان کو برداشت کرے۔ کیا یہ شوہر کے فرائض میں نہیں کہ اہلیہ کے مرنے پر اس کی تجہیز و تکفین کرے اور اس کے مصارف برداشت کرے۔ مصارف کا بار اس وقت بکر پر نہیں پڑ سکتا کہ جب بکر مصارف کر رہا ہو اور زید اس کو روک کر اپنے مصارف شروع کرے۔ یہی صورت پرورش بچہ کے مصارف کی ہے۔ کیا ایسی صورت میں بھی ان مصارف پر تبرع ہو سکتا ہے ؟

(۲) زید یعنی نانا کو کیا ضرورت ہے کہ جبراً بچہ کو اپنے پاس رکھے یا مصارف برداشت کرے سوال تو یہ ہے کہ بچہ کسی تکلیف سے باپ کے پاس نہ رہنا چاہے اور اپنے نانا کے پاس خود رہنا پسند کرے تو کیا باپ اس کا جبراً بلا رضامندی اس کی لے جا سکتا ہے۔ کیا اس کے باپ کے دعوے پر عدالت بلا رضامندیٔ بچہ اس کو جبر کے ساتھ سپرد کر سکتی ہے۔ کیا یہ بات اخلاقاً بھی درست

ہو سکتی ہے ؟ المستفتی ۱۲۳۳ ہدایت محمد خاں (سرونج)، ۱۲ ر جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۳۱ اگست ۱۹۳۶ء

(۴۴۱) **جواب** - (۱) شوہر پر زوجۂ مریضہ کا علاج لازم نہیں - ہاں شوہر پر تجہیز و تکفین لازم ہے لیکن فاتحہ ایصالِ ثواب وغیرہ لازم نہیں - تجہیز و تکفین وغیرہ میں غالباً زیادہ سے زیادہ عشرہ خرچ ہوتے ہیں - اور وہ بھی اگر متوفیہ کے اقارب بغیر امر زوج کر دیں تو ان کی طرف سے یہ تبرع ہوتا ہے - یہ ضروری نہیں کہ روک کر کرے بلکہ بغیر امر کرنے کی صورت بھی تبرع ہوگی -

(۲) جب بچہ نابالغ ہے تو سمجھ اور ناسمجھی ظاہر ہے - اس لئے اس کی اپنی مرضی غیر معتبر قرار دی گئی ہے - ابھی اس کا احساس معتبر نہیں ہے کیونکہ ناسمجھی کی عمر ہے - بے شک شارع نے اخلاق پیشِ نظر رکھ کر ضابطے بنائے ہیں اور ضابطۂ کلیہ یہی ہے کہ بلوغ سے پہلے بچوں کی مرضی کا اعتبار نہ ہو ورنہ تمام نظام درہم برہم ہو جائیگا - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

ہندہ نے اپنے انتقال پر ایک بچہ دو برس کا چھوڑا - اس بچہ کی پرورش کا حق اس کے باپ کو ہے یا نانا نانی کو - پرورش کا خرچ کس کے ذمہ ہے اور یہ بچہ اپنے پرورش کنندہ کے پاس کب تک رہے گا - ہندہ کے ترکہ اور مہر وغیرہ میں سے ۱۲ سہام کر کے اس بچہ کے ۵ سہام ہیں - اس بچہ کے نانا نانی ہندہ کے شوہر پر مہر معاف کرنا چاہتے ہیں تو صرف وہ اپنا حق معاف کر سکتے ہیں یا بچہ کا جو ۵ سہام کا حصہ ہے وہ بھی معاف کر سکتے ہیں -

المستفتی ۱۵۲۷ حافظ محمد یوسف صاحب (دہلی) ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۷ء

(۴۴۲) **جواب** - بچہ کی پرورش کا حق نانی کو ہے - پرورش کا خرچ بچہ کے حصہ میں سے لیا جائے اور پھر باپ کے ذمہ ہوگا - بچہ سات سال کی عمر تک نانی کے پاس رہے گا پھر باپ لے لے گا - نانا نانی مہر میں سے اپنا حصہ معاف کر سکتے ہیں - بچہ کا حصہ معاف کرنے کا انھیں حق نہیں ہے فقط - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال

زید بحالت بیماری اپنے سوتیلے بھائی کو وصیت کر گیا کہ میری بیوی اور سہ سالہ لڑکی ہے تم ان دونوں کو اپنی نظرِ عنایت میں رکھنا اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا - آج تک زید

کی بیوی اور بچی زید کے سوتیلے بھائی کی زیر نگرانی رہے۔اب فی الحال زید کی بیوی نے غیر محرم سے نکاح کرلیا۔اب بچی کی پرورش کس کے پاس ہو۔بچی کی حقیقی نانی پرنانی بھی نہیں ہاں حقیقی نانا زندہ ہیں۔بچی کے حقیقی دادا دادی چچا وغیرہ نہیں بلکہ سوتیلے دادی چچا وغیرہ ہیں اب رہی یہ بات کہ بچی کا سوتیلا بھائی کہتا ہے۔میں اپنی اولاد کے ساتھ پرورش کروں گا۔اب شرع شریف کا کیا حکم ہے اس بچی کی پرورش سوتیلی نانی یا بچّی کی ماں یا حقیقی نانا کرے یا سوتیلی دادی یا سوتیلے چچا؟ المستفتی ۱۹۹۱ سوداگر عبدالرزاق صاحب ضلع گنٹور

۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۴۳) **جواب** ۔ماں کا حق حضانت غیر محرم سے شادی کر لینے سے ساقط ہو گیا اور نانا اور سوتیلی نانی اور سوتیلے چچا اور سوتیلی دادی وغیرہ کا کوئی حق ہے نہیں۔اس لئے اب لڑکی کی پرورش اور تربیت کا انتظام اس کا ولی یعنی چچا کر سکتا ہے اور عورتوں میں سے جس کے پاس رہنا زیادہ انفع ہو اس کے پاس رکھ دی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ابراہیم حاجی محمد ہلائی میمن نے اپنی زوجہ مسماۃ مریم بی بنت یوسب دادا میمن کو اسکی نافرمانی اور بد اخلاقی کے باعث طلاق دی۔بعد طلاق دینے کے مطلقہ مریم ایک لڑکی بھی سات سالہ رابعہ بانو ساتھ لے کر گئی۔اور مطلقہ نے ایک پٹھان مسمی عبدالستار سے نکاح کیا جس کے پانچ بچے ہیں۔مریم بی رابعہ بانو کو ساتھ رکھے ہوئے ہے۔ایسی حالت میں جبکہ رابعہ بانو کی نانی ایک عرب کے ساتھ نکاح کر کے بیٹھی ہے۔اور ماں نے بھی غیر کفو پٹھان سے نکاح کرلیا ہے۔آیا پرورش کا حق اس کو ہے یا نہیں؟ رابعہ بانو کی دادی حیات ہے۔

(۴۴۴) **جواب** جبکہ لڑکی کی ماں اور نانی دونوں نے لڑکی کے غیر محرم سے نکاح کر لیا ہے تو لڑکی کو رکھنے کا ان کا حق جاتا رہا۔لڑکی کو اس کی دادی رکھ سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوال

ایک شخص کا نکاح ۳۵ سال قبل ہوا تھا۔اس بیوی کے بطن سے ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً ۲۵ سال ہے موجود ہے اور ایک لڑکی ہے جس کی عمر تقریباً دس سال ہے۔عرصہ پانچ

سال ہوئے کہ ان میاں بیوی میں تنازعہ ہوگیا۔ وجہ تنازعہ یہ ہوئی کہ ایک شخص جو برادری کا ہے اس کو عورت نے دینی بھائی بنایا۔ اس کے خاوند نے کوئی بات دیکھ کر منع کیا۔ اس پر وہ عورت خاوند سے علیحدہ ہو کر اس شخص کے ساتھ رہنے لگی۔ چار سال متواتر ہوگئے۔ پھر اس کے والدین اور رشتہ داروں نے اس عورت کو ہر چند سمجھایا لیکن وہ اپنے خاوند کے ہاں نہیں گئی پنچایت ہوئی پھر اس کو سمجھایا گیا مگر عورت نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں اپنے دینی بھائی کو نہیں چھوڑ سکتی چاہے خاوند چھوٹ جائے۔ اس پر اس کے خاوند نے طلاق دیدی۔ اور پنچایت نے سر ہو کر فارغتی دلوادی۔ اس کے بعد عورت نے اپنے اور لڑکی کے روٹی کپڑے کی بابت دعویٰ دائر کر دیا۔ وہ درخواست خارج ہوگئی۔ پھر عورت نے صرف لڑکی کی طرف سے درخواست دی۔ لڑکی کی خوراک عدالت نے چار روپے ماہوار کے حساب سے روٹی کپڑے کی ڈگری دیدی۔ لڑکی کی عمر دس سال ہے۔ اس کا باپ اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔ آیا وہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

(۴۴۵) **جواب** ۔لڑکی بلوغ تک اپنی ماں کے پاس رہ سکتی ہے۔ ہاں اگر باپ کوئی ایسی وجہ بتلائے کہ اس کی بنا پر لڑکی کو ماں کے پاس سے ہٹانا ضروری ہو تو پھر باپ لے سکے گا۔ فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کا انتقال ہوا اس نے ایک زوجہ اور ایک دو سالہ لڑکی چھوڑی۔ دو سال گزرنے پر زوجہ نے نکاحِ ثانی کر لیا۔ زید مرحوم کا نہ کوئی حقیقی وارث ہے۔ نہ اس کی بیوہ کی حقیقی ماں موجود ہے۔ البتہ اس کا حقیقی باپ اور بہن زندہ ہے۔ اب زید کی بچی کی پرورش کون کرے۔ زید کا سوتیلا بھائی اور زید کی سوتیلی ماں کہتے ہیں ہم پرورش کریں گے۔

المستفتی نمبر ۲۰۰۳ عبد القادر (ضلع گنگوہ) ۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۴۶) **جواب** ۔اگر ہندہ کی حقیقی بہن یعنی بچی کی خالہ موجود ہے اور وہ پرورش کرنے پر راضی اور تیار ہے تو اس کو حق حضانت حاصل ہے۔ اور اگر وہ انکار کردے تو پھر ماں (جس کا حق حضانت بوجہ نکاح غیر محرم کے ساقط ہو چکا ہے) اور سوتیلی دادی یا سوتیلا چچا یا حقیقی نانا ان

میں سے جو بچّی کی تربیت اور نگرانی اچھی طرح کرسکے اس کے پاس بچی کو رکھ دیا جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

(۴۴۷) **جواب**[۲۰۰۶] **دیگر**۔ تین خالہ زندہ ہیں تو ان میں سے کسی ایک کی پرورش میں بچّی رہ سکتی ہے۔ سوتیلے چچا اور سوتیلی دادی کو حقِ حضانت حاصل نہیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

۹ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء

سترھواں باب
ایلاء
سوال

ایک شخص نے اپنی منکوحہ سے یوں کہا کہ (جب تک تو تین پارے قرآن شریف کے نہ پڑھ لے اس وقت تک مجھ پر حرام ہے) اس کے بعد اس نے قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا اسی درمیان میں کہ وہ قرآن شریف پڑھتی تھی اور ابھی تین پارے پورے نہ ہوئے تھے کہ ایک ماہ کچھ دن کے بعد اس عورت سے جماع کر لیا۔ جماع کے بعد اس عورت نے یہ کہا کہ تم نے تو قسم کھائی تھی ایسا کیوں کیا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا کہ اب تو میں نے ایسا کر لیا۔ آئندہ کے لئے وہی بات رہی۔ چنانچہ اس کو عرصہ سات ماہ کا ہو چکا اور ابھی تک تین پارے پورے نہیں ہوئے۔ نہ کسی قسم کا کوئی کفارہ ادا کیا، نہ صحبت کی۔ پس اس صورت میں وہ عورت اس کے نکاح میں باقی ہے یا نہیں۔ اگر نکاح سے باہر ہو گئی تو دوبارہ اس سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں، یا ان تین پاروں کے پورا کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اور پورا لفظاً لفظاً پڑھا جائے یا یاد کرایا جائے یا کفارہ ادا کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اور کفارہ کیا ہونا چاہیئے؟ المستفتی نمبر ۱۴۹۸ مولوی عبدالحق صاحب (ضلع مراد آباد) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جون ۱۹۳۷ء

(۴۴۸) **جواب**۔ تین پارے پڑھنے سے پہلے جو وطی کر لی ہے اس میں کفارۂ یمین واجب ہوا یعنی دس مسکینوں کو فی مسکین پونے دو سیر گیہوں دینا چاہیئے۔

اس کے بعد پھر اس نے یہ کہا کہ آئندہ کے لئے وہی بات رہی۔ یہ از سرِ نو ایلاء ہوا۔ اس

وقت سے چار ماہ گزرنے تک تین پارے نہ ہوئے اور درمیان میں وطی واقع نہ ہوئی تو چار ماہ گزرنے پر طلاق بائن ہوگئی۔ اب تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور ایلا ختم ہوگیا۔ تجدید نکاح کرکے وہ بیوی سے مقاربت کرسکتا ہے۔ لیکن تین پارے پورے ہونے سے قبل جو وطی واقع ہوگی اس میں اُسے کفارۂ یمین دینا ہوگا۔ تین پارے ناظرہ پڑھ لینا قسم پوری ہوجانے کے لئے کافی ہوگا۔ حفظ ہونے کی ضرورت نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۳۵ء)

زید اپنی عورت کو طرح طرح کی اذیتیں خلافِ شرع دیتا ہے اور بارہا امر ممنوع کے ارتکاب پر جبر کرتا ہے مثلاً صوم ماہ رمضان میں وطی کرتا ہے۔ ہر چند عورت منع کرتی ہے مگر نہیں مانتا ایک روز اپنی عورت کو قتل کرنے پر آمادہ ہوگیا تھا عین ان دنوں میں جبکہ پورے نو ماہ کی حاملہ تھی۔ عورت سے بارہا یہ کلمات کہتا رہتا ہے۔

(۱) اگر میں تجھ سے ہم بستری کروں یا کلام کروں تو گویا اپنی ماں بہن سے کروں۔ ان کلمات کے کہنے کے بعد آٹھ نو ماہ سے بالکل ہم بستری نہیں کی۔

(۲) اور یہ بھی کہا ہے کہ قسم ہے خدا کی تو مجھ پر حرام ہے اب میں تجھے بالکل حرام کرچکا ہوں۔

(۳) اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ جو تیرے تین بچے پیدا ہوئے ہیں ان میں سے ایک بھی میرا نہیں ہے۔ ایک فلاں کا ایک فلاں کا ایک فلاں کا۔

(۴) اور یہ بھی کہا ہے کہ میں تجھ سے بہت زمانہ سے عہد کرچکا ہوں کہ اب تجھ سے صحبت نہیں کروں گا۔ اب میرے اور تیرے درمیان میاں بیوی کے سے تعلقات نہیں ہیں اب تجھے بازار کی رنڈی کی طرح گھر میں رکھتا ہوں۔

(۴۴۹) **جواب** ۔ عبارت نمبر۲ اور نمبر۴ سے کم از کم ایلاء ضرور ثابت ہوتا ہے اور جبکہ ان الفاظ کے کہنے کے بعد چار ماہ تک اس نے اپنی بی بی سے وطی نہ کی اور علیحدگی رکھی تو عورت پر طلاق بائن پڑگئی اور بعد انقضائے عدت وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

اٹھارھواں باب

ظہار

سوال

زید کی بیوی اور زید کی والدہ میں فساد ہوا اور زید کی والدہ نے زید سے شکایت کی زید نے سخت غصہ کی حالت میں اپنی زوجہ کی غیر موجودگی میں یہ کہا کہ " اگر میں اس سے زندگی کروں گا تو اسی کے نطفہ سے پیدا ہوں گا۔" اس کا کیا حکم ہے؟

مستفتی نمبر ۴۳۲ عیسیٰ خاں مدرس مدرسہ نسیاں (ضلع ادہونی) ۱۹ رجب ۱۳۵۳ھ م ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(۴۵۰) **جواب** - یہ قسم ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ زید اپنی بیوی کے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات اور خانہ داری کے تعلقات رکھ سکتا ہے اور قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ہر مسکین کو پونے دو سیر گیہوں دیدے یا دس مسکینوں کو ایک ایک چادر دیدے۔ اس کی قدرت نہ ہو تو تین روزے متواتر پے در پے رکھ لے فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(۱) زید نے اپنی بیوی سے باہم بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ صاحب اخلاق جلالی فرماتے ہیں کہ حکماء کے نزدیک وہ عورتیں جو اپنے خاوندوں پر مہربان ہیں اور شفقت سے پیش آتی ہیں اور ان کی تابعدار اور وفادار ہیں وہ ماؤں سے مشابہ ہیں باعتبار شفقت اور محبت کرنے کے۔ کیا زید کے اس کہنے سے ظہار واقع ہوگا یا نہیں۔ (۲) ظہار کے باب میں سورۂ مجادلہ میں ابتدا کی جو آیت ہے کس آیت تک ظہار کا تذکرہ ختم ہو جاتا ہے؟ ذٰلک لتؤمنوا باللہ ورسولہ تک یا وللکٰفرین عذابٌ الیمٌ تک۔

(۳) اور اگر ظہار واقع ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے جس سے تلافی ظہار ہو جائے۔

المستفتی نمبر ۱۵۳۱ غلام محمد (ضلع حصار) ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۷ء

(۴۵۱) **جواب** - زید کے اس تذکرہ سے ظہار نہیں ہوا۔ قرآن پاک میں ظہار کا تذکرہ جس آیت

پر ختم ہوتا ہے وہ عَذَابٌ اَلِیْمٌ پر ختم ہوتی ہے فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

ایک آدمی نے اپنی عورت کو حالتِ غصہ میں دو مرتبہ اپنی بہن کے برابر ہونے کے الفاظ کہہ دیئے، ہیں یعنی یہ کہا ہے کہ تو میری بہن کے برابر ہے۔ یہ دو مرتبہ کہا ہے۔ پھر بعد میں عورت کے رشتہ داروں سے یہ بھی کہا کہ اس عورت کو تم اپنے گھر لے جاؤ کیونکہ میں نے اس کو دو مرتبہ بہن کے برابر ہونا کہہ دیا ہے تو اب میں رکھنا نہیں چاہتا ہوں۔ بعد میں گھر میں رہنے دیا ہے۔ اب للہ یہ بتلائیں کہ ان دونوں کے نکاح میں فساد ہے کہ نہیں اور فساد ہے تو کس طرح کا۔ یعنی طلاق ہے تو رجعی ہے یا طلاق بائن ہے یا طلاق مغلظہ یا طلاق نہ ہو تو ظہار ہی ہے یا نہیں ؟ المستفتی ۱۸۱۸ آدم محمد یوسف (بہرایچ)

۲۲ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(۴۵۲) **جواب**۔ طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہے ہوں تو طلاق بائن ہے اور تجدیدِ نکاح کرنا لازم ہے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں اور طلاق کی نیت نہ ہو بلکہ عزت میں بہن کے برابر کہا ہو تو کچھ نہیں۔ ظہار نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

ایک شخص نے اپنی منکوحہ بیوی کو غصہ کی حالت میں یہ لفظ کہہ دیا کہ میری ماں ادھر سے ادھر آجا۔ زوجہ کو ماں کہنے میں کوئی طلاق تو نہیں پڑتی۔ اگر طلاق پڑتی ہے تو کیسی یا ظہار ہو کر کفارہ دینا ہوگا یا کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہ لفظ کہتے وقت نیت نہ طلاق کی تھی نہ ظہار کی۔ المستفتی ۱۹۱۵ ملا عبدالغنی صاحب امام مسجد (جے پور) ۱۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۴۵۳) **جواب**۔ اس لفظ کے کہنے سے نہ طلاق ہوئی نہ ظہار لغو اور مہمل لفظ تھا بیکار گیا محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

سوال

بیوی کو بہ نیتِ طلاق ماں کہہ دینا۔

(۴۵۴) **جواب**۔ اگر اپنی بیوی کو تکرار میں ماں یا بہن یا بیٹی طلاق کی نیت سے کہہ دے تو

طلاق بائن ہوجاتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۲۷ء)

(۱) اگر کوئی شخص غصہ کے ساتھ اپنی بی بی سے کہے کہ اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو اپنی ماں سے صحبت کروں۔ (۲) ایک شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ میں تیرا باپ ہوں تو میری بیٹی ہے۔ یا یہ کہتا ہے کہ تو میری ماں ہے میں تیرا بیٹا ہوں یا تو میری ماں اور میں تیرا باپ۔ کیا حکم ہے؟

(۴۵۵) **جواب**۔ (۱) یہ کلام مہمل اور بیہودہ ہے نہ اس سے طلاق پڑتی ہے نہ ظہار ہوتا ہے۔ (۲) یہ سب الفاظ مہمل اور بیہودہ ہیں مگر ان سے طلاق نہیں ہوتی۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۲۷ء)

زید نے اپنی لڑکی نابالغہ کا عقد بکر نابالغ کے ساتھ کردیا تھا۔ بالغ ہونے سے پیشتر لاعلمی کی حالت میں دونوں کو باہم گو صرف کھیل کود کا موقع ملتا رہا۔ بالغ ہونے کے بعد جب لڑکی کو بکر کے ہاں بھیجا گیا تو بکر نے اپنے والدین سے کہا کہ مجھے اس سے کیا واسطہ یہ یہاں کیوں بلائی گئی ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ بکر آوارہ اور بدچلن اور مندرجہ رجسٹر پولیس ہے۔ لڑکی والوں نے جب یہ کہا اچھا ہم اس کو واپس لیے جاتے ہیں اس کا زاد راہ تو دے دو۔ اس نے جواب دیا کہ یہ تو میری ماں ہے اس کا کرایہ کیسا؟ بکر نے سادہ کاغذ پر دو شاہدوں کے دستخط سے ایک طلاقنامہ بھی تحریر کردیا ہے۔ اگر طلاق ہوگئی تو عدت کا شمار اسی وقت سے ہوگا یا دوسرا طلاقنامہ قانون رائج الوقت کے مطابق لکھوایا جائے۔

(۴۵۶) **جواب**۔ زید نے جب طلاقنامہ تحریر کردیا ہے تو طلاق ہوگئی۔ اسی تاریخ سے عدت شمار ہوگی۔ بشرطیکہ طلاقنامہ کے الفاظ تنجیز طلاق کے ہوں۔ دوسرا طلاقنامہ لکھوانے کی وقوع طلاق کے لئے تو ضرورت نہیں۔ ہاں حجت اور ثبوت کے لئے لکھوا لینے کا مضائقہ نہیں۔ مگر عدت پہلے ہی طلاقنامہ کی تحریر کے وقت سے شمار ہوگی۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

سوال

ایک شخص نے اپنی بیوی کو معمولی لڑائی کی وجہ سے کہا کہ تو آج سے میری ماں ہے اور میں آج سے تیرا بیٹا ہوں۔ اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ چھوڑنے کی وجہ سے کہا ہے۔ کیونکہ میں اس کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔

(۴۵۷) **جواب** ۔ یہ الفاظ تو لغو ہیں۔ اگر طلاق دینا ہے تو صاف الفاظ میں دیدے ان الفاظ سے طلاق نہیں ہوئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

اُنیسواں باب
متفرقات

سوال

ایک شخص کے نکاح میں دو عورتیں تھیں۔ اُن میں سے ایک آپس کی رنجش و لڑائی جھگڑے کی وجہ سے کسی اور شخص کی ہمراہ بھاگ نکلی اور چودہ پندرہ سال اس کے ساتھ رہی۔ اولاد بھی پیدا ہوئی اب وہ شخص جس کے ساتھ نکلی تھی دو سال ہو چکے فوت ہو چکا ہے۔ اگر اس وقت کوئی اور آدمی اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو کیا اس کو اصلی خاوند سے طلاق نامہ حاصل کرنا چاہئیے اور عدت ختم ہونے پر نکاح کرنا چاہیئے؟

المستفتی نمبر ۱۷۴ شہباز خاں پنشنر (ضلع کرنال) ۱۴ رمضان ۱۳۵۲ھ م یکم جنوری ۱۹۳۴ء

(۴۵۸) **جواب** ۔ ہاں اس عورت کا چونکہ جائز خاوند موجود ہے اس لئے کسی دوسرے مرد کو اس کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے اصل خاوند سے طلاق لینی ضروری ہے اور جب خاوند طلاق دیدے گا تو عورت کو عدت بھی گذارنی ہوگی۔ بعد انقضائے عدت کوئی دوسرا شخص نکاح کر سکے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

کلثوم اور بکر کے درمیان عرصہ سے ناجائز تعلق تھا جس کی وجہ سے کلثوم حاملہ ہوئی۔ بعد از ظہور حمل محلہ کے سرداروں کو اطلاع ملی۔ سرداروں نے دونوں کا نکاح کرادیا۔ بعد از نکاح حمل

سابق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی - کچھ مدت کے بعد بکر نے کلثوم کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو سرداروں نے کہا کہ تجھے دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑے گا۔ بجز اس کے چارہ نہیں ہے۔ یا تو اس کو زوجیت میں رکھو یا پچاس روپے ادا کرو کیونکہ اگر تم اس کو طلاق دیدو گے تو چونکہ تمہاری حرکتِ ناشائستہ کی وجہ سے بیچاری ایک گونہ قابلِ نفرت ہو گئی لہذا اب دوسری جگہ شادی کرنے میں ضرور کچھ روپیہ دینا پڑے گا۔ ہاں اگر یہ روپیہ نہ لگے تو اس کو کارِ خیر میں خرچ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ روپیہ لے لیا گیا۔ حسنِ اتفاق سے دوسری جگہ شادی کرنے میں اس میں سے ایک روپیہ بھی خرچ نہ ہوا۔ وہ روپیہ کلثوم کے والد کے پاس امانت رکھا ہے۔ اب سردار لوگ دریافت کرتے ہیں کہ یہ روپیہ کارِ خیر میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی ۹۷۳ مولوی کبڈ صاحب (نواکھالی) ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۴ جون ۱۹۳۶ء

(۴۵۹) **جواب** - یہ روپیہ کسی نیک کام میں خرچ نہیں ہو سکتا بلکہ بکر کو واپس دینا چاہئے۔ اگر بکر واپس نہ لے اور کہہ دے کہ کسی نیک کام میں خرچ کر دو تو بیشک کسی نیک کام میں خرچ ہو سکے گا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سوال

مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی اصطلاحی تحریر فرمائیے۔ اگر بذریعہ تحریر جواب نہ دے سکیں تو تشریف لا کر حل فرمائیں۔ صرفہ آمد و رفت پیش کیا جائے گا۔ نمبر ۳ و ۴ و ۵ و ۶ کی خاص تشریح کی ضرورت ہے۔ کیونکہ لکھا ہے ان اشخاص کے دینے سے طلاق نہیں پڑتی۔ ۱۔ مجنون ۲۔ صبی ۳۔ معتوہ ۴۔ برسم ۵۔ مغمی علیہ ۶۔ مدہوش ۷۔ نائم ۸۔ جبل ۹۔ اجبال۔

المستفتی ۱۶۰۲ طاہر خاں صاحب (ضلع گونڈہ) ۵ رجمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(۴۶۰) **جواب**

نمبر شمار	الفاظ	معنی اصطلاحی
۱	مجنون	دیوانہ۔ پاگل
۲	صبی	نابالغ بچہ
۳	معتوہ	یہ دونوں قریب المعنی ہیں۔ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو بالکل پاگل تو نہ ہو مگر اس کے حواس اس درجہ کے مختل ہوں کہ اسکے نادرست افعال غالب اور درست کم ہوں۔
۴	برسم	

نمبر شمار	الفاظ	معنی اصطلاحی
۵	مغمی علیہ	بیماری یا صدمہ سے بے ہوش ہونے والا
۶	مدہوش	جس کے اوسان اور حواس فوری طور پر خطا ہو جائیں
۷	نائم	سونے والا
۸	حبل	حمل } یہ دونوں لفظ اس فہرست میں نہیں ہیں جو ایسے لوگوں کے متعلق ہے جن کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہ لفظ علاماتِ بلوغ میں ذکر کیے جاتے ہیں۔
۹	احبال	حاملہ کر دینا

جناب من السلام علیکم! الفاظ کے معانی لکھ دیئے گئے۔ ان میں ناقابلِ حل کونسی بات ہے مجھے آنے کی فرصت نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک مسلمان عورت کی شادی ہو کر عرصہ گزرا۔ اس وقت چھ سات اولاد موجود ہیں۔ وہ عورت غیر قوم کے ایک فرد کے ساتھ فرار ہو گئی۔ دو تین ماہ بعد اس کا بڑا لڑکا اس کو تلاش کرکے لایا اور گھر میں رہنے لگی اور مرد بھی اس سے راضی ہو گیا۔ پس ایسی عورت کا نکاح قائم رہ سکتا ہے یا نہیں۔ اور وہ اپنے شوہر سے زندگی کر سکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۱۹ سید ابراہیم صاحب (گوداوری)

۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۴۶۱) **جواب**۔ ہاں نکاح قائم ہے فرار ہونے سے نکاح نہیں ٹوٹا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

ایک شخص اپنی منکوحہ کے حق میں بحالت غضب کہتا ہے کہ تو مجھ پر تین طلاقیں حرام ہے حالانکہ اس وقت نہ اس کی منکوحہ موجود تھی نہ کوئی دیگر شخص۔ المستفتی نمبر ۲۰۲۰ مولوی محمد عبداللہ شاہ (میانوالی)

۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۶۲) **جواب**۔ یہ لفظ خطاب (تو) کس کو کہا تھا۔ پورا واقعہ لکھنا چاہیئے تھا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال

ایک شخص گنوار ہے اور بالکل ناواقف ہے۔ اس نے اپنی بیوی کو لوگوں کے کہنے سے طلاق

دیدی ہے اور پندرہ دن کے بعد دونوں میاں بیوی رجوع ہو گئے ہیں۔ رجوع ہونے پر لوگوں نے دریافت کیا کہ تم نے طلاق کیسی دی ہے تو اس نے جواب دیا کہ جب لوگوں نے مجبور کیا تو مجبوری کی وجہ سے زبانی طلاق دی ہے۔ میرے دل کے اندر یہ تھا کہ دس بیس دن کے بعد ہم ایک ہو جائینگے اس کا کیا حکم ہے؟ المستفتی ۲۰۷۶ عبدالغنی صاحب۔ گوڑگانواں

۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء

(۴۶۳) **جواب**۔ اگر طلاق ایک یا دو دفعہ کہی تھی تو رجوع کر لینا جائز ہے اور تین مرتبہ طلاق دیدی تھی تو پھر رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

میرے بابا کی ایک لڑکی تھی۔ اس کی شادی میرے بابا نے کر دیا۔ پندرہ برس کے بعد شوہر انتقال کر گیا۔ کچھ روز کے بعد بابا نے میرے ساتھ نکاح کر دیا۔ چار برس کے بعد کچھ آپس میں لڑائی جھگڑا ہوا ہے جس کے سبب سے میں نے طلاق دیدیا ہے۔ میرے بابا نے کل جائیداد لڑکی کے نام سے لگا دیا۔ اب وہ جائیداد میرے بابا کی لڑکی نے میرے نام ہبہ کر دیا ہے۔ جب میں نے لڑکی کو طلاق دے دیا ہے تو وہ ہماری رشتہ میں کون ٹھہری بہن یا اور کچھ۔ عدالت فتویٰ طلب کرتی ہے۔ المستفتی ۲۲۹۳ محمد زکریا خاں (ضلع فیض آباد) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۶ جون ۱۹۳۸ء

(۴۶۴) **جواب**۔ بابا سے مراد شاید تایا ہے۔ تایا کی لڑکی تایا زاد بہن ہوتی ہے اور اس سے شادی ہو جائے تو بی بی بن جاتی ہے۔ جب تم نے طلاق دیدی تو بیوی نہیں رہی وہی پہلا رشتہ یعنی تایا زاد بہن ہونے کا قائم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کی لڑکی کے ساتھ بکر کے لڑکے کا عقد ہوا۔ بعد عقد لڑکی رخصت کرا کر سسرال لائی گئی اور اپنے شوہر کے ساتھ رہتی بستی رہی۔ مگر عرصہ تین ماہ بعد وہ مفرور ہو کر اپنے باپ کے گھر چلی گئی پتہ چلنے پر اس کے شوہر کا بھائی اس کو بلانے کے لئے گیا تو اس کے ماں باپ نے بھیجنے سے انکار کیا۔ بعدہٗ لڑکے کی والدہ گئی مگر اس نے پھر بھی رخصت نہیں کیا۔ پھر اس کا شوہر بذاتِ خود گیا اور کہا سنا مگر لڑکی کے والدین اس کو لے کر دوسری جگہ فرار ہو گئے اور رخصت نہ کیا۔ اسی طرح پر بہت

عرصہ گزر گیا وہ گھر ہی رہتی رہی - لڑکی کے والدین نے نکاحِ ثانیہ کرنا چاہا تو کوئی نکاح پڑھانے کو تیار نہ ہوتا تھا کیونکہ اس کے پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی - لڑکی کے والد کے ایک پیر صاحب ہیں جو کہ عالم بھی ہیں اور وعظ و نصیحت کا بھی کام کرتے ہیں وہ تشریف لے گئے - اُن سے عقدِ ثانی کے لئے کہا گیا - لڑکی کے والدین نے بھی اور اس کی برادری کے ...... لوگوں نے مولوی صاحب کو مجبور کیا تو انھوں نے یہ ترکیب بتائی جس کا نام شرعی حیلہ رکھا کہ لڑکی بُت پرستی کرے - بُت پرست ہونے پر وہ مرتد ہو جائے گی - اور نکاح اس کا فسخ ہو جائے گا - تب نکاح ثانی بلا طلاق دیئے پہلے شوہر کے ہو جائے گا - مولوی صاحب کی اس ترکیب پر عملدرآمد ہوا اور شرعی حیلہ عمل میں آگیا اور عقدِ ثانی کر دیا گیا جس کو عرصہ ہو گیا اور اس کے دوسرے شوہر سے اس کے تین بچے بھی ہیں - اب دوسرے شوہر کے اور لڑکی کے درمیان انھیں لوگوں نے جدائی کرادی جو پہلے شوہر کے چھڑانے میں شریک تھے - اب دوسرا شوہر برادری کے مجبور کرنے پر یہ کہتا ہے کہ پہلے شوہر سے لڑکی طلاق حاصل کرے تو میں اس کو رکھوں گا اور پہلے شوہر کو اب مجبور کیا جاتا ہے کہ تم طلاق دو اور وہ وہی لوگ ہیں اور ایک کثیر جماعت ہے - چونکہ پہلا شوہر بھی اسی برادری کا ہے اس لئے اس کو ہر طرح سے قوم کے لوگ تنگ اور پریشان کرتے ہیں - اور دھمکیاں دیتے ہیں - اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ جن لوگوں کی ترغیب سے لڑکی نے بُت پرستی کی اس کے لئے اسلامی اور شرعی حکم کیا ہے اور لڑکی کے ساتھ ہی ساتھ وہ کس حکم میں داخل ہیں اور جو لوگ اس عقد میں شریک تھے ان کا عقد فسخ ہو گیا یا باقی ہے -

المستفتی نمبر ۲۳۰۶ امیر محمد و نور الدین صاحبان - چوہٹہ بازار (دیوان)

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۲ جون ۱۹۳۸ء

(۴۶۵) **جواب** - جن لوگوں نے لڑکی کو بت پرستی کی ترغیب دی اور بُت پرستی کرائی وہ سب کافر و مرتد ہو گئے اور ان کے نکاح ٹوٹ گئے - ان سب کو توبہ اور تجدیدِ اسلام و تجدیدِ نکاح کرنا لازم ہے - جو لوگ کہ بت پرستی کی ترغیب دینے میں شامل نہ تھے دوسرے نکاح میں شریک تھے وہ کافر نہیں ہوئے - شوہرِ اوّل کو ایسی صورت میں طلاق دے دینا مناسب ہے -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

زید کی لڑکی کے ساتھ بکر کے لڑکے کا عقد ہوا۔ عقد ہو جانے کے بعد لڑکی گھر لائی گئی۔ کچھ دن بعد معلوم ہوا کہ لڑکی حاملہ ہے اور یہ حمل اس کے میکے کا ہے۔ اس نے لڑکی کے والدین کو بلاکر لڑکی ان کے سپرد کردی اور برادری کے لوگ اکٹھے ہوئے اور پنچایت کی پنچوں نے یہ بات طے کی کہ اس معاملہ کی پوری تحقیقات کرنے کے بعد جیسا ہوگا ہم لوگ فیصلہ کریں گے۔ جس کو عرصہ پندرہ بیس سال کا ہوا مگر اب تک کوئی بات طے نہیں ہوئی ظاہری طور پر۔ مگر باطنی طور پر اس کا عقدِ ثانی کردیا گیا اور یہ اس طرح پر ہوا کہ قوم کے لوگوں میں سے دو یا تین آدمی شاہد ہوگئے کہ پہلے شوہر نے طلاق دی ہے مگر یہ شاہد جھوٹے تھے۔ بعد میں جب مولوی صاحب جنھوں نے نکاح پڑھایا تھا ان کو معلوم ہوا کہ شاہد جھوٹے تھے اس پر انھوں نے یہ کہا کہ شاہد کا نکاح فسخ ہوگیا اور میرا بھی نکاح فسخ ہوگیا۔ لڑکی کا شوہر ثانی انتقال کرگیا تب وہ لڑکی ایک اہل ہنود کے پاس چلی گئی اور اب تک موجود ہے۔ اور اب برادری کے لوگ پہلے شوہر سے طلاق طلب کرتے ہیں۔ جواب یہ دیا جاتا ہے کہ لڑکی خود آکر طلاق طلب کرے تو کہا جاتا ہے کہ لڑکی کو کون تلاش کرے تم طلاق دو۔ تب برادری کے قابل ہوگے۔ اس میں کیا کرنا چاہیئے۔

المستفتی نمبر ۲۳۰۶ امیر محمد و نور الدین صاحبان سوداگران چوہٹہ بازار (دیوان)

(۴۶۶) **جواب**۔ خوہر اول کو طلاق دے دینا چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

(۱) زید نے ایک عورت سے شادی کی۔ اپنے گھر لایا تو اس کو نماز کو کہا اس نے انکار کیا بلکہ غسل کو کہا غسل سے بھی انکار کیا اور خاوند کی قربت اور نزدیکی سے بھی احتراز کیا۔ نہ پکاوے نہ کھاوے چند روز تک اسی طرح کرتی رہی۔ اس کے بعد اپنے والد صاحب کے ساتھ رات کو بھاگ گئی۔ کچھ دنوں کے بعد پھر لائے پھر اسی طرح سے کرنے لگی پھر زنجیروں سے باندھ دیا اور مکان کا باہر سے کنڈا لگا دیا۔ پھر بعد عشاء کے خاوند نے آکر دیکھا کہ مکان کا چراغ گل ہوا ہے اور ہاتھ کی زنجیریں کھلی ہوئی ہیں۔ خاوند نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہوا۔ عورت نے کہا کہ تیرے باپ نے کھول دی حالانکہ باپ خاوند کا نماز کے لئے مسجد میں تھا پھر دھمکایا تو بیان کیا کہ تیرے بھائی نے کھول دی۔

حالانکہ خاوند کے بھائی بھی نمازیں تھے۔ پھر مار کے دھمکایا تو بیان کیا کہ فلاں آدمی نے کھولی ہے۔ پھر دریافت کیا کہ وہ یہاں کیوں آیا۔ بیان کیا کہ میں نے اس کو خود بلایا تھا۔ لہٰذا اس کی اسی طرح کی حرکتوں پر خاوند نے کہا کہ اس کو میں نہیں رکھتا میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے دفع کرو۔ پھر اس کے باپ کے یہاں بھیجدیا۔ جب کسی نے دریافت کیا کہ تم اپنی عورت کو لے آؤ۔ خاوند نے بیان کیا کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اور واقعی اس کی اس طرح کی حرکت دیکھ کر خاوند بے زار ہوگیا تو کیا اس کو طلاق ہوگئی ہے یا اب اور طلاق دینے کی ضرورت ہے۔

(۲) اس کا مہر ۸؍۱۹ ہے۔ آیا وہ معاف ہوگیا ہے یا اس کو دینا پڑے گا؟

(۳) آپس میں آٹا ساٹا یعنی اس کے بدلے میں خاوند کی طرف سے ان کو لڑکی دی ہوئی ہے وہ لڑکی اور اس کا خاوند نابالغ ہیں۔ اگر لڑکی کو طلاق لیویں تو کیا نابالغ دس بارہ برس کے لڑکے یا اس کے باپ سے طلاق ہوسکتی ہے یا کہ نہیں؟

(۴) جبکہ آپس میں دونوں طرف سے لڑکی دینی یعنی اقرار کرکے نکاح کرتے ہیں تو یہ نکاح درست ہے یا آٹا ساٹا کرنا ناجائز ہے؟

(۵) جبکہ ایک طرف کی لڑکی یا لڑکا مر گیا تو دوسری طرف والوں کو اپنی لڑکی بھیجنے میں کچھ عذر یا انکار ہوسکتا ہے یا کہ نہیں؟ المستفتی ۲۳۲۷ عبدالغنی صاحب (کرنال)

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۷ جون ۱۹۳۸ء

(۴۶۷) **جواب** ۔(۱) لفظ چھوڑ دی اگر طلاق کی نیت سے کہا ہے تو طلاق ہوگئی۔

(۲) مہر پورا ادا کرنا ہوگا۔

(۳) نابالغ کی طرف سے طلاق نہیں ہوسکتی۔

(۴) یہ رسم آٹے ساٹے کی ناجائز ہے نکاح تو ہو جاتا ہے مگر فریقین گنہگار ہوتے ہیں۔

(۵) ایک طرف سے کوئی مر جائے تو دوسری طرف والوں کو لڑکی روکنے کا حق نہیں اور نہ دوسری لڑکی کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال

(۱) ایک عورت مسماۃ فادہ کا دعویٰ ہے کہ مجھے میرے شوہر زید اور باپ نے مل کر

بکر مشتری پر فروخت کیا ہے۔ اس دعوے کے ثبوت کے لئے عورت کا اقرار اور بیع کا زبان زد عوام ہونا کافی ہے یا نہیں ؟

(۲) منکوحہ عورت کو فروخت کرنے سے خلع ہو کر فسخ نکاح اول کا اور جواز نکاح ثانی کا ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(۳) بصورت جواز نکاح ثانی کے یہ ضروری ہے کہ بکر مشتری کے ساتھ ہو یا جہاں عورت چاہتی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۴۸۱ مقصر شاہ مہتمم مدرسہ اسلامیہ کھیوڑہ (جہلم)

۲۵ صفر ۱۳۵۸ھ م ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء

(۴۶۸) **جواب** ۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ شوہر نے کسی سے روپیہ لے کر اپنی بیوی اس کو دیدی اور زوجیت کے حقوق سے دست بردار ہو گیا تو یہ خلع کے حکم میں ہو جائے گا اور زوجہ اس کے نکاح سے نکل جائے گی اور جس نے رقم دی ہے اس کی زوجہ نہیں ہو جائے گی نہ باندی بنے گی بلکہ اگر اس نے عورت کے کہنے سے رقم ادا کی ہے تو وہ اپنی رقم عورت سے لے سکے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

مسمی غلام نبی ولد محب اللہ نے اپنی زوجہ مسماۃ برکت دایہ کو بوجہ خلش باہمی بمعاوضہ معافی حقوق زوجیت اور مبلغ پچاس روپئے علاوہ معافی حقوق کے زوجۂ مذکورہ سے لے کر طلاق دیدی اور طلاقنامہ تحریر کر کے دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد غلام نبی مذکور نے مسماۃ برکت پر پھر زوجیت کا دعویٰ کرا دیا۔ چنانچہ بعد تحقیقات عدالت طلاق مغلظہ ثابت ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد مسماۃ برکت نے اپنی دختر جو غلام نبی کی صلب سے ہے اس کی شادی کرنی چاہی اور اپنی برادری کو شادیِ دختر میں مدعو کیا۔ اہل برادری نے مسماۃ برکت سے کہا کہ تو اگر اپنے شوہر غلام نبی سے پھر نکاح کر لے تو برادری تیرے شریک ہے ورنہ ذات باہر ہے۔ مسماۃ برکت نے کہا کہ مجھے یہ بات کسی طرح گوارا نہیں اس لئے کہ ایک تو یہ بات خلافِ حکم خدا و رسول ہے دوسرے مجھے مسمی مذکور سے ہمیشہ تکلیف پہنچی ہے پھر کس طرح میں اس سے نکاحِ ثانی کروں مگر برادری کے لوگ مسماۃ برکت کو اسی بات پر مجبور کرتے رہے۔ آخر کار مسماۃ برکت نے تنگ آکر یہ کہا کہ قاضی شہر

اللہ ورسول کے موافق جو فیصلہ کر دیں گے وہ مجھے منظور ہوگا۔ مسماۃ برکت اہل برادری سے علیحدہ قاضی صاحب شہر کے پاس گئی اور کہا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق مغلظ دیدی ہے جو بعد تحقیقات عدالت سے بھی ثابت ہو چکی ہے۔ اب اہل برادری مجھے مجبور کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تو پھر اس سے نکاح کرلے۔ اس بارے میں خدا ورسول کا کیا حکم ہے ؟

قاضی صاحب نے فرمایا تم کو جب طلاق مغلظ ثابت ہو چکی ہے تو کسی اور شخص سے اول نکاح کر اور وہ بعد نکاح تجھے طلاق دیدے تو ایام عدت گزار کر پھر شوہر مذکور سے نکاح کی مجاز ہو سکتی ہے۔ مسماۃ برکت نے کہا کہ مجھے نکاح کرنا نہیں اور جبکہ خدا ورسول کا یہی حکم ہے تو پھر آپ میری برادری کے لوگوں سے بھی فرمادیں تاکہ وہ مجھے خلاف شرع امر پر مجبور نہ کریں۔

دوسرے جلسہ میں قاضی صاحب شہر کے پاس مسماۃ برکت اہل برادری کے ساتھ گئی۔ برادری والوں میں سے ایک دو آدمیوں نے قاضی صاحب سے کچھ تنہائی میں بات چیت کی۔ قاضی صاحب نے ان لوگوں کی بات چیت سن کر کہا کہ جس وقت مسماۃ برکت کو اس کے شوہر نے طلاق دی تھی اس وقت برادری میں سے بھی کوئی شخص موجود تھا۔ برادری والوں نے جواب دیا کہ اس وقت کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ سنکر قاضی صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر طلاق نہیں ہوتی۔ مسماۃ برکت اور غلام نبی بدستور آپس میں زوجین ہیں اور قاضی صاحب نے کچھ شکر ایک پیالے میں گھولی اور شربت زوجین کو پلا کر فرمایا کہ جاؤ تم اسی طرح میاں بیوی ہو جس طرح تھے۔

مسماۃ برکت قاضی صاحب کے اس فیصلہ سے سخت پریشان ہے اور کسی طرح غلام نبی کی زوجیت میں رہنا نہیں چاہتی۔ اس لئے مندرجہ ذیل امور لطلب جواب شرعی پیش ہیں :-

(۱) جو طلاق نامہ محولہ بالا مسمی غلام نبی نے مسماۃ برکت کو دیا تھا اور اس طلاقنامہ کی بنا پر عدالت سے طلاق مغلظ واقع ہو کر زوجین میں جدائی کا فیصلہ ہو چکا تھا تو اب قاضی صاحب کے قول کے موافق کیا وہ شوہر غلام نبی طلاق دہندہ اور کیا وہ زوجہ مسماۃ برکت مطلقہ بغیر نکاح کے اور حلالہ کے پھر زوجین ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۲) اور کیا بغیر شرکت اہلِ برادری طلاقِ شرعی نہیں ہو سکتی جیسا کہ قاضی صاحب کا ارشاد ہے۔

(۳) قاضی صاحب نے باوجود علم فیصلہ عدالت معاملۂ مذکورہ میں اہل برادری کے کہنے سننے پر سابقہ نکاح برقرار رکھتے ہوئے شوہر و زوجہ کو زوجین قرار دیا ہے۔ان کا یہ فتویٰ مانے جانے کے لائق ہے یا نہیں اور ایسے قاضی صاحب عالم ہیں یا جاہل اور آئندہ بھی ان کا کوئی حکم شرعی امور میں مانا جاسکتا ہے یا نہیں۔ایسے خلافِ شرع حکم دینے پر وہ قضاۃ کے عہدہ سے معزول کیے جاسکتے ہیں یا نہیں اور وہ مسلمان بھی رہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۶۷۲ مسماۃ برکت دایہ (جھالاوار)

۸ جمادی الاول سنہ ۱۳۶۰ھ م ۵ جون سنہ ۱۹۴۱ء

(۴۶۹۶) **جواب** - (۱) طلاقنامہ محولۂ بالا اگر عدالتِ شرعیہ میں مقبول ہو چکا ہے اور وقوعِ طلاق کا فیصلہ حاکم عدالت کر چکا ہے تو طلاق کا حکم صحیح اور واجب التعمیل ہے اور اب یہ زوجین باہم میاں بیوی نہیں رہے۔

(۲) برادری کا ایک فرد بھی موجود نہ ہو جب بھی طلاق ہو سکتی ہے۔شہادتِ شرعیہ برادری پر منحصر نہیں ہے۔

(۳) قاضی صاحب کا یہ فیصلہ بظاہر بالکل غلط ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم نہیں ہیں جو ایسا جاہلانہ فیصلہ انھوں نے کر دیا۔جس عورت کو شرعی عدالت مطلقہ مغلظہ مان چکی ہے وہ اس کو اور اس کے خاوند کو شربت پلا کر میاں بیوی بنا دیتے ہیں بمعاذاللہ

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال

کیا[۱] مرد پر کسی وقت طلاق دینا واجب بھی ہو جاتا ہے ؟ کسی[۲] شخص نے اپنی بیوی کو مارا بھی سمجھایا بھی مگر وہ نماز نہیں پڑھتی تو کیا اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے تو گنہگار ہوگا ؟ ایسی[۳] صورت میں طلاق کی ترغیب دینے والا کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۷۸۵ عبدالسعید شاہجہانپور۔مورخہ ۶ ار دسمبر سنہ ۱۹۶۳ء

(۴۷۰) **جواب** - طلاق دینا بعض اوقات مستحب اور بعض اوقات مرد پر واجب بھی ہو جاتا ہے۔ در مختار میں ہے ۔ بل یستحب لو موذیة او تارکة صلوٰة ویجب لو فات الامساك بالمعروف ۔ بے نماز عورت کو طلاق دینا واجب نہیں اور شوہر طلاق نہ دینے سے گناہگار نہ ہوگا ۔ اسی اوپر والی عبارت میں بے نماز عورت کی طلاق کو مستحب کہا ہے واجب نہیں کہا اور تارکِ صلوٰۃ کے آگے لکھا ہے ۔ ومفادہ ان لا اثم بمعاشرة من لا تصلی ترغیب دینے والا گناہگار اور امر منکر کا مرتکب نہیں ۔ کیونکہ بے نمازی عورت کو طلاق دینا اگرچہ واجب نہیں تاہم ممنوع بھی نہیں ہے ۔ وعن ابن مسعودؓ لان القی اللہ تعالیٰ وصداقها بذمتی خیر من ان اعاشر امرأة لا تصلی۔

سوال

زید نے خالد کو الزام دیا کہ اے خالد تو نے اپنی منکوحہ ہندہ کو میرے سامنے تین طلاقیں دیں اور خالد و ہندہ سراسر انکار کرتے ہیں ۔ اب زید اور خالد نے فیصلے کے لئے ایک قاضی صاحب پر اتفاق کیا ۔ مگر ہندہ نے سراسر انکار کیا کہ یہ قاضی صاحب ضرور میرے خلاف فیصلہ کریں گے ۔ اب زید اور خالد فیصلے کے لئے قاضی صاحب کے پاس حاضر ہوئے تو زید نے بحیثیت مدعی کے یہ دعویٰ کیا کہ خالد نے میرے روبرو اپنی منکوحہ ہندہ کو تین طلاقیں دیں اور خالد نے اس دعوے سے انکار کیا ۔ اب قاضی صاحب نے مدعی سے شہادت کا مطالبہ کیا تو مدعی نے دو گواہ پیش کیے ۔ قاضی صاحب نے خالد سے سوال کیا کہ ان دو گواہوں کی شہادت پر جو فیصلہ مرتب ہوگا وہ تجھے منظور ہے یا نہیں ؟ خالد نے کہا کہ اگر فلاں گواہ بکر حلف اللہ کہہ کر شہادت دے تو مجھے منظور ہے ۔ اب قاضی صاحب نے گواہ مسمی بکر کو کہا کہ زید نے جو دعویٰ کیا ہے اس کے ثبوت کے لئے قسم اُٹھا کر تو شہادت دینے کے لئے تیار ہے یا نہیں؟ بکر گواہ نے جواب میں کہا کہ پہلے خالد قسم اُٹھائے کہ میں نے ہندہ کو تین طلاق نہیں دی تب میں قسم اُٹھاؤں گا ۔ قاضی نے بکر گواہ سے کہا کہ مدعا علیہ کا حق قسم کھانے کا نہیں ہے ۔ لہٰذا قسم تمھیں اُٹھانی پڑے گی ۔

بیان بکر گواہ ۔ واللہ باللہ تعالیٰ خالد نے میرے سامنے ہندہ کو تین طلاق دی۔

بیان عمرو گواہ۲۔ کہ خالد نے میرے سامنے تین طلاق دی۔ اگر میری شہادت کاذبہ ہو تو میری منکوحہ مجھ پر طلاق ہے۔

قاضی صاحب نے فیصلہ سُنا دیا کہ خالد کی منکوحہ ہندہ تین طلاق خالد پر حرام ہے۔
اب علما کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ قاضی صاحب کا فیصلہ نافذ نہیں ہوا۔ ان کے دلائل متعدد ہیں۔

دلیل نمبر۱۔ مدعی صرف زید ہے اور مدعا علیہ خالد اور ہندہ زوجین۔ جب تک ان تینوں کا اتفاق ایک حاکم پر نہ ہو تب تک حاکم کا فیصلہ نافذ نہیں ہوتا۔ یہاں اگرچہ زید اور خالد نے ایک حاکم پر اتفاق کیا ہے۔ مگر ہندہ جس پر فیصلہ نافذ کیا گیا ہے جب قبل از فیصلہ اس نے کہہ دیا کہ یہ قاضی صاحب ضرور میرے خلاف فیصلہ کریں گے مجھے ان کا فیصلہ ہرگز منظور نہیں تو بغیر ہندہ کی رضا کے فیصلہ ہرگز نافذ نہیں ہو سکتا۔

دلیل نمبر۲۔ مدعی اور گواہ فاسق معلن ہیں اور صاحب مروت بھی نہیں۔ اور مدعا علیہ کی صداقت کا بچہ بچہ اقرار کرتا ہے۔ ایسے فساق اور فجار کی شہادت مقبول نہیں ہو سکتی۔

دلیل نمبر۳۔ شاہد مسمی عمرو نے کہا کہ اگر میں شہادت میں کاذب ہوں تو میری منکوحہ مجھ پر طلاق ہے۔ یہ بیان دلالت کرتا ہے کہ عمرو یقیناً کاذب ہے۔ اگر سچا ہوتا تو کہتا کہ اگر میں اپنی شہادت میں کاذب ہوں تو میری منکوحہ تین طلاق حرام ہے۔ اس لئے کہ یہی خوف کا کلمہ ہے۔

دلیل نمبر۴۔ عمرو نے شہادت دینے کے بعد اپنی منکوحہ کو دو گواہوں کے سامنے زبانی رجوع کیا۔ اگر عمرو اپنی شہادت میں سچا ہوتا تو منکوحہ کو رجوع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

دلیل نمبر۵۔ اگر اب بھی مدعی و شاہد کو یہ کہا جائے کہ تم یہ کہہ دو کہ اگر ہم اس دعوے و شہادت میں کاذب ہوں تو ہم پر اپنی منکوحہ تین طلاق حرام ہے۔ تو وہ ہرگز یہ بیان دینے پر تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ فساق و فجار سے جب تک ایسا کلمہ نہ کہلایا جائے تب تک اس پر یقین مشکل ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

دلیل نمبر۶۔ بکر نے جب یہ کہا کہ اگر مدعا علیہ قسم اُٹھائے تب میں قسم اُٹھاؤں گا۔ پھر بعد ازاں اگرچہ قاضی کے کہنے پر اس نے قسم اُٹھائی ہے مگر یہ قول شاہد کا دلالت کرتا ہے کہ شاہد واقعہ

میں کاذب ہے۔ اگر سچا ہوتا تو یہ کلمہ نہ کہتا۔

دلیل نمبر ۔ مدعی کی بھانجی بھی خالد کی منکوحہ ہے۔ اب اگر خالد کی پہلی منکوحہ بھی آباد رہے تو مدعی کی بھانجی کو تکلیف ہوتی ہے لہٰذا مدعی نے اپنی بھانجی کی تکلیف کو مدنظر رکھتے ہوئے خالد پر یہ الزام لگایا ہے۔

فریق ثانی کہتا ہے کہ قاضی صاحب کا فیصلہ نافذ ہے۔ اس کے دلائل یہ ہیں :-

دلیل اوّل ۔ مدعا علیہ اس وقت خالد ہی قرار دیا جائے گا اور ہندہ جس پر فیصلہ نافذ ہوا ہے وہ مدعا علیہ نہیں ہے۔ اگر بالفرض ہندہ کو بھی مدعا علیہ قرار دیا جائے تو خالد اصل ہے اور ہندہ فرع ہے۔ جب اصل نے فیصلہ ہونے سے پیشتر قاضی صاحب کی قضا کو منظور کر لیا تو فرع کا انکار لغو ہو جائے گا۔

دلیل ثانی ۔ گواہ اگرچہ فاسق ہیں اور معلن بھی ہیں اور صاحب مروت بھی نہیں اور مشہور فساق و فجار میں سے ہیں۔ مگر جب مدعا علیہ نے یہ کہہ دیا کہ ان کی شہادت پر جو فیصلہ ہو وہ مجھے منظور ہے۔ اب ان کے فسق و فجور کی طرف توجہ نہ کی جائے گی۔

بقیہ دلائل کے متعلق کوئی رد نہیں پیش کیا جاتا۔

المستفتی مرزا خاں

(۴۷۱) **جواب** ۔ کسی شخص کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے جبکہ زوج اور زوجہ دونوں طلاق کے منکر ہوں ۔ یہ دعویٰ نہیں ہے۔ کیونکہ دعویٰ اپنا حق طلب کرنے کا نام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اجنبی اس اخبار میں اپنا کوئی حق طلب نہیں کر رہا بلکہ ایک حق اللہ یعنی حرمت زوجہ علی زوجہا کی خبر دے رہا ہے' جو حقیقۃً شہادت ہے۔ پس اس کا یہ قول دعویٰ قرار نہیں دیا جا سکتا اور اسی بنا پر اس کا یہ قول غیر مجلس قضا میں لغو ہے۔ اور اس لغو قول کی وجہ سے یہ خصم نہیں بن سکتا۔ اور جب یہ خصم نہیں ہوا تو اس کی اور زوج کی جانب سے تحکیم صحیح نہیں ہوئی۔ کیونکہ تحکیم خصمین کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور صورت مسئولہ میں خصمین کا وجود ہی نہیں ہوا۔ پس حَکَم کے سامنے جو شہادتیں ہوئیں وہ بھی غیر معتبر اور حَکَم کا فیصلہ بھی غیر معتبر۔ ہاں اس معاملے میں یہ اجنبی بھی ایک شاہد ہے اور طلاق کی شہادت دینے کے لئے

دعویٰ بھی شرط نہیں۔ مگر شہادت ادا کرنے کے لئے مجلس قضا شرط ہے۔ اگر یہ اجنبی قاضی شرعی کے سامنے مجلسِ قضا میں جاکر شہادت دیتا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے۔ اور قاضی اس شہادت پر کارروائی کرتا تو وہ درست ہوتی۔ بشرطیکہ شاہد کی طرف سے ادائے شہادت میں تاریخ طلاق سے غیر ضروری تاخیر نہ ہوئی ہوتی۔ قاضی شرعی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حقوق اللہ کی حفاظت کے لئے کارروائی کرے اور حکم اس وقت قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے جب خصمین اس کو اپنی طرف سے فیصلے کا حق دیں اور جب تک خصومت متحقق نہ ہو تحکیم متحقق نہیں ہو سکتی۔ پس صورتِ مسئولہ میں لفظ قاضی صاحب سے مراد اگر حَکَم ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو میرے نزدیک یہ تمام کارروائی عبث ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ دوسرے علمائے متبحرین سے بھی تحقیق کی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

حضرت اقدس دامت فیوضہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ یہ سوال وجواب بغرض استصواب ارسالِ خدمت کر رہا ہوں۔ جو جواب میں نے لکھا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟ براہِ کرم جواب سے خوش وقت ومطمئن فرمائیں۔ خادم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

۸ رجب ۱۳۵۶ھ

جواب از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ۔ الجواب صحیح۔ قال فی الاشباہ۔ فالدعویٰ حسبۃ لا تجوز والشہادۃ حسبۃ بلا دعوی جائزۃ فی ھذہ المواضع فلتحفظ والمواضع الوقف وطلاق الزوجۃ وتعلیق طلاقھا وحریۃ الامۃ وتدبیرھا والخلع وھلال رمضان والنسب وحد الزنا وحد الشرب والایلاء والظھار وحرمۃ المصاھرۃ۔ وقال الحموی فی شرحہ۔ شہادۃ الحسبۃ لیست دعوی من الشاھد وانما ھو مجرد شہادۃ وھذا خلاف کلام العلماء الشافعیۃ لانھم یقولون ان الشاھد حسبۃ مدعٍ ایضاً فھی عندہ شہادۃ ودعوی اھ ص ۲۳۸

واذا لم یکن مدعیا عندنا لم یصح تحکیمہ مع الزوج رجلا لیقضی بینھما فان القضاء والتحکیم لا یصحان بدون الدعوی وھو ظاھر فقضاء الحکم لیس بقضاء۔ نعم صرحوا بان المرأۃ کالقاضی فی باب الطلاق یجوز لھا سماع

شهادة الشهود علی طلاق زوجها فان شهد عندها شهود عدول بان زوجها طلقها ثلاثا لزمها العمل بشهادتهم وان لم یکونوا عدولا فلا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مولانا دامت فیوضہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں شرمندہ ہوں کئی روز کے بعد جواب لکھ رہا ہوں۔ اب قویٰ مضمحل ہو گئے۔ مشاغل کا بھی بیحد ہجوم ہے اور علمی لیاقت پہلے ہی سے مفقود ہے۔ یہ اسباب ہیں تاخیر جواب کے۔ احتیاطاً مولوی ظفر احمد سے بھی مشورہ کیا۔ انھوں نے جدا پرچے پر اپنی رائے لکھی ہے جس کا حاصل آپ کے موافق ہے۔ صرف شہود عدل کا حکم بڑھایا ہے۔ سوال میں گواہوں کو تو فاسق معلن لکھا ہے۔ مگر زید کی عدالت یا فسق سے تعرض نہیں کیا۔ البتہ اس کی بھانجی کے تعلق کو موجب اشتباہ لکھا ہے۔ اب یہ امر قابل غور ہے کہ کیا صرف یہ شبہ عدم وثوق کے لئے کافی ہے۔ یا زید میں کوئی دوسرا مانع بھی ہے۔ بہرحال اگر یہ عادل یا مقبول القول نہ ہو تو شہادت تو تھی ہی نہیں۔ جیسا اصل جواب میں مفصل لکھا ہے۔ صرف اخبار تھا۔ وہ مخبر کے غیر عادل ہونے سے مقبول نہیں۔ اور اگر زید عادل ہے تو المرأۃ کالقاضی کا جزئیہ قابل نظر ہے اور عادل ہونے کی صورت میں شاید عدد شرط نہ ہو یا د نہیں فقط

سوال

(الجمعیۃ مورخہ ۴ جولائی ۱۹۳۶ء)

ایک شخص رئیس اپنے چاکر کے واسطے دوسرے کی منکوحہ عورت جبراً لایا اور کئی مہینے کے بعد کچھ روپیہ دے کر شوہر سے طلاق لے لیا۔ اور عدت کے اندر اپنے نوکر کو رہنے اور زنا کرنے کا حکم دیا اور بعد تین حیض اپنے چاکر سے نکاح کرا دیا۔ وہ نکاح درست ہوا یا نہیں ؟

(۲۷۴) **جواب**۔ دوسرے شخص کی منکوحہ کو نکال لانا اور عدت کے اندر عورت کے پاس دوسرے شخص کو بھیجنا اور زنا کرانا یہ سب گناہ اور ظلم اور فسق ہے۔ ان امور کا مرتکب سخت فاسق و فاجر اور ظالم ہے اور عدت کے بعد جو نکاح کر دیا گیا وہ نکاح درست ہو گیا فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

الضیف الخائن

للعلامة الادیب الاریب مولانا المفتی محمد کفایت اللہ نور اللہ مرقدہ

ضیوف اتونا فی جلود غنیمة ۱ جیاعا وعریا یستضیفون قاریا

وکنا کغیث روض الارض دیمتہ ۲ فعادت سواء روضة او فیافیا

قرینا وآوینا کم، فی ربوعنا ۳ ولم ندر انا نحن نؤوی الاعادیا

فخنتم مضیفیکم، وعبدتموھم ۴ فصارت اضاحیھم تباری اللیالیا

فنمنا طویلاً نومة مستطابة ۵ ذھلنا بھا عما اجترحتم مساویا

مصائب صبت ثم عادت دواھیا ۶ فلم نستفق حتی استحالت مخازیا

ترجمہ از واصف

(۱) کچھ مہمان ہمارے پاس بھوکی ننگی بھیڑوں کے بھیس میں آئے جو چاہتے تھے کہ کوئی مہمان نواز انکی مہمان داری کرے۔ (۲) اور ہم اس ابر کے مانند تھے جس کی بارش نے زمین کو سبزہ زار بنایا تھا، اب وہ سبزہ زار چٹیل میدان ہوگیا ہے۔ (۳) ہم نے اے مہانو! تمہاری مہمانداری کی اور اپنے فرحت زا دل میں تم کو ٹھہرایا اور ہمیں یہ خبر نہ تھی کہ ہم دشمنوں کو پناہ دے رہے ہیں۔ (۴) پس تم نے اپنے میزبانوں کے ساتھ دغا کی اور ان کو غلام بنالیا پس اُن کی صبحیں راتوں کی طرح تاریک ہوگئیں۔ (۵) پھر ہم طویل زمانے تک میٹھی نیند سوتے رہے اور ہمارے ساتھ تم نے جو بدسلوکیاں کی تھیں ان کو ہم بھول گئے۔ (۶) مصیبتیں پڑتی رہیں اور حادثوں پر حادثے آتے رہے اور ہم ابھی سنبھل بھی نہ سکے تھے کہ ذلیل و رسوا ہوگئے۔

مکتوبِ گرامی حضرت مولانا مفتی محمد عثمان غنی صاحب

صدر دینی تعلیمی بورڈ ریاست بہار سابق صدر جمعیۃ علما صوبہ بہار پھلواری شریف پٹنہ

کفایت المفتی نام ہے حضرت علامہ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعہ فتاویٰ کا۔ جس کو حضرت کے صاحبزادے جناب مولانا حفیظ الرحمان صاحب واصف نے بڑی محنت سے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ جزاہ اللہ خیرا لجزاء۔

کفایت المفتی کی پانچ جلدیں اب تک شائع ہو چکی ہیں اور باقی چار جلدوں کی اشاعت جلد ہونے والی ہے۔ اس طرح کفایت المفتی نو جلدوں میں کئی ہزار صفحات میں شائع ہوگی۔

حضرت مفتی اعظمؒ اپنے علم و فضل ورع و تقویٰ میں امتیازی شان رکھنے کے علاوہ فہم و فراست اور فکر و سیاست میں بھی ممتاز درجہ رکھتے تھے اور اپنے معاصرین میں حضرت کو امتیازی مرتبہ حاصل تھا۔

راقم الحروف ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا تھا۔ حضرت مفتی اعظمؒ کبھی کبھی دارالعلوم میں تشریف لایا کرتے تھے۔ وہیں حضرت سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ ۱۳۳۰ھ کے سالانہ امتحان میں حضرت مفتی اعظمؒ نے کئی کتابوں کا امتحان لیا تھا۔ اسی شرفِ نیاز کے حصول کے سبب راقم الحروف جب دہلی جاتا تھا تو مدرسہ امینیہ (سنہری مسجد) میں قیام کرتا تھا۔ پھر جمعیۃ علما کے قیام کے بعد تو حضرت سے بہت قریبی رابطہ ہو گیا۔ جو آخیر وقت تک قائم رہا۔ حضرت مفتی اعظم جمعیۃ علمائے ہند کے صدر تھے اور جمعیۃ کے جلسوں اور کاموں

کے سلسلے میں احقر کو ایک رُکن کی حیثیت سے برابر ہی حضرت کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا رہتا تھا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے معاملات اور رفاقتِ سفر میں بہتر ثابت ہو۔ اس حیثیت سے بھی حضرت مفتی اعظم کا درجہ بڑا بلند ہے۔

مفکّرِ جلیل حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ سفر و حضر میں آپ کے رفیق رہے تھے۔ آپ کے حُسنِ معاملات اور بلندیٔ اخلاق کی بے انتہا مدح وستائش فرماتے تھے۔ بعض اسفار کے حالات بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا فرماتے تھے کہ کبھی کبھی ہوٹل میں قیام کرنے کا اتفاق ہوا تو اپنے رفقاء کے تمام اخراجات حضرت مفتی اعظم نے ادا کیے اور رفقا کے اصرار کے باوجود کسی کو ہوٹل کا بل ادا نہ کرنے دیا۔ اور یہ تو عام طور پر معاصرین کو معلوم تھا کہ قومی تحریک کے سلسلے میں جب بھی حضرت مفتی اعظم جیل گئے تو مدّتِ اسیری کی تنخواہ مدرسہ سے نہیں لی۔

کفایت المفتی کے مطالعہ سے یہ تاثر ہوا کہ جس طرح حضرت مفتی اعظمؒ اپنے معاصرین میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے اسی طرح کفایت المفتی بھی معاصرین کے فتاویٰ میں ایک امتیازی شان رکھتی ہے اور اس دور کے تمام مجموعۂ فتاویٰ میں اپنی ترتیب و تبویب اور صحت و صواب کے لحاظ سے بلند درجہ رکھتی ہے۔

اللہ عزّ و جل حضرت مفتی اعظمؒ کو جنّت الفردوس میں مرتبہ اعلیٰ عطا فرمائے اور اپنی رحمتِ کاملہ سے سرفراز فرمائے۔ اور کفایت المفتی کے مرتب و جامع جناب مولانا حفیظ الرحمان واصف کو عافیت اور صحت و توانائی عطا فرمائے اور ان سے دین و ملّت کی خدمت لیتا رہے اور جزائے خیر سے نوازے۔

محمد عثمان غنی عفی عنہ

۱۹ر شعبان ۱۳۹۳ھ